الجامع لاحکام القرآن

معروف بہ

تفسیر قرطبی

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

الجامع لاحکام القرآن

معروف بہ

تفسیر قرطبی

جلد نہم

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

متن قرآن کا ترجمہ: جسٹس حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

مولانا ملک محمد بوستان   مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی

مولانا محمد انور مگھالوی   مولانا شوکت علی چشتی

زیر اہتمام

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور - کراچی ○ پاکستان

نام کتاب	تفسیر قرطبی معروف بہ الجامع لاحکام القرآن (جلد نہم)
مفسر	امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ
متن قرآن کا ترجمہ	حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی
	مولانا محمد انور مگھالوی، مولانا شوکت علی چشتی
	من علماء دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
زیر اہتمام	ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	اکتوبر 2012ء، باراول
کمپیوٹر کوڈ	QT54

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37247350۔ فیکس 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-32212011-32630411۔ فیکس:۔ 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

سورۃ المنافقون

سورۃ التغابن

سورۃ الطلاق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ ق

سورۃ ۵۰ ق مکیۃ ۳۴ رکوعاتہا ۳

یہ سورت تمام کی تمام مکی ہے۔ اس کی پینتالیس آیات ہیں۔

حضرت حسن بصری، عطا، عکرمہ اور حضرت جابر کے نزدیک تمام سورت مکی ہے۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: صرف ایک آیت مکی نہیں، وہ یہ ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ○ صحیح مسلم میں ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان سے مروی ہے کہا: ہمارا تنور اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تنور ایک ہی تھا یہ سلسلہ دو سال تک رہا یا ایک سال اور اس کا کچھ حصہ۔ میں نے قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ○ سورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سیکھی آپ اسے ہر جمعہ کو منبر پر بیٹھ کر خطبہ میں پڑھا کرتے تھے، جب آپ لوگوں کو خطاب فرمایا کرتے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ابو واقد لیثی سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید قربان اور عید الفطر میں کیا تلاوت کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ○ اور اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ (القمر) تلاوت کیا کرتے تھے۔ بعد میں آپ کی نماز مختصر ہوگئی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۚ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۚ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ ○ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ○ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ○

"قاف، قسم ہے قرآن مجید کی (کہ میرا رسول سچا ہے) مگر یہ (نادان) حیران ہیں اس بات پر کہ آیا ہے ان کے پاس ڈرانے والا ان میں سے، تو کہنے لگے کفار یہ تو بڑی عجیب وغریب بات ہے۔ (وہ کہتے ہیں) کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے (تو پھر زندہ کیے جائیں گے) یہ واپسی تو (عقل سے) بعید ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں جو زمین ان کے جسموں سے گھٹاتی ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے، بلکہ انہوں نے جھٹلایا (دین) حق کو جب وہ ان کے پاس آیا پس اس وجہ سے وہ بڑی الجھن میں پھنس گئے ہیں"۔

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ○ عام قرأت قاف میں جزم کے ساتھ ہے۔ حضرت حسن بصری، ابن ابی اسحاق اور نصیر بن عاصم

نے قافِ پڑھا ہے کیونکہ کسرہ، جزم کا بھائی ہے جب اس کا آخر ساکن ہوا تو کسرہ کے ساتھ اسے حرکت دی۔ عیسیٰ ثقفی نے فاء کو فتحہ دیا ہے اسے خفیف ترین حرکت دی ہے۔ ہارون اور محمد بن سمیقع نے قافُ ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ عموماً یہ مبنی کی حرکت ہوتی ہے جس طرح منذ، قط، قبل اور بعد ہے۔ ق کے معنی میں اختلاف ہے کہ وہ کیا ہے؟

ابن زید، عکرمہ اور ضحاک نے کہا: یہ ایسا پہاڑ ہے جو زمین کو گھیرے ہوئے ہے جو سبز زمرد کا ہے اس کی وجہ سے آسمان سبز ہے۔ آسمان کے دونوں کنارے اس پر ہیں۔ آسمان اس پر قبہ کی صورت میں ہے لوگوں کو جو زمرد ملتا ہے وہ اسی پہاڑ سے گرا ہے☆۔ ابو جوزاء نے اسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ فراء نے کہا: اس تعبیر کی صورت میں ق پر اعراب کو ظاہر کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ اسم ہے حروف تہجی میں سے نہیں ہے شاید اس کے اسم میں سے صرف قاف کو ذکر کیا گیا ہے جس طرح شاعر کا قول ہے:

قلتُ لها قفی فقالتْ قافْ (1)　　　میں نے اسے کہا: تو ٹھہر جا، تو اس نے کہا: قاف یعنی میں ٹھہر گئی۔

یہ اچھی تعبیر ہے اس کا ذکر سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ وہیب نے کہا: ذوالقرنین نے جبل قاف سے جھانکا اس نے اس کے نیچے چھوٹے پہاڑ دیکھے۔ ذوالقرنین نے کہا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں قاف ہوں۔ پوچھا: یہ تیرے اردگرد کون سے پہاڑ ہیں؟ اس نے جواب دیا: یہ میری رگیں ہیں کوئی شہر نہیں مگر اس میں میری رگوں میں سے ایک رگ ہے جب اللہ تعالیٰ کسی شہر میں زلزلہ کا ارادہ کرتا ہے تو وہ مجھے حکم دیتا ہے تو میں اس رگ کو حرکت دیتا ہوں تو اس علاقہ میں زلزلہ آجاتا ہے۔ ذوالقرنین نے کہا: اے قاف! تو مجھے اللہ تعالیٰ کی عظمت کے بارے میں کچھ بتا۔ اس نے کہا: میرے رب کی شان عظیم ہے، میرے پیچھے زمین ہے، جس کی مسافت پانچ سو سال ضرب پانچ سو سال کی مسافت ہے، یہ پہاڑ برف کے ہیں وہ ایک دوسرے کو کھا رہے ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو جہنم کی آگ اس زمین کو جلا کر رکھ دیتی۔ یہ تعبیر اس امر پر دال ہے کہ جہنم روئے زمین پر ہے اس کی جگہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور یہ زمین کے کس کونہ میں ہے۔ ذوالقرنین نے کہا: میرے لیے اور کچھ بیان کرو۔ کہا: جبریل امین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑا ہے وہ سخت گھبرایا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ہر دفعہ کی کپکپی سے ایک لاکھ فرشتہ پیدا فرماتا ہے، وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہیں اپنے سر جھکائے ہوئے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ انہیں کلام کا اذن دیتا ہے تو وہ کہتے ہیں: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۗ لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ۝ (النباء) سے یہی مراد ہے یعنی وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے ہیں۔ زجاج نے کہا: ق کا معنی ہے فیصلہ ہو چکا جس طرح حم کا معنی ہے معاملہ گرم ہو چکا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ق اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس کے ساتھ قسم اٹھائی ہے۔ ان سے یہ بھی منقول ہے: یہ قرآن کے ناموں مں سے نام ہے (2)؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ قرظی نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں قدیر،

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 170　　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 339

☆ سب سے بہتر تعبیر وہ ہے جو قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں بیان کی ہے کہ یہ حروف تہجی کے اسماء ہیں اور اس پر ایک لطیف بحث فرمائی ہے۔

قاھر، قریب، قاضی اور قابض کا آغاز ہے(1)۔ شعبی نے کہا: یہ سورت کا آغاز ہے۔ ابوبکر وراق نے کہا: اس کا معنی ہے ہمارے امر اور ہماری نہی پر رک جا اور ان سے تجاوز نہ کر۔ محمد بن عاصم انطا کی نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے قرب ہے۔ اس کی وضاحت اس آیت میں بھی ہے وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ابن عطا نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی قسم اٹھائی ہے کیونکہ اس دل نے خطاب کا بوجھ اٹھایا یعنی حامل قرآن بنا۔ اور آپ کے دل کی حالت کی بلندی کی وجہ سے اس میں کسی گرانی کا اثر نہ چھوڑا۔

وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ بلند شان والا۔ ایک قول یہ کیا ہے: الْمَجِيْدِ کا معنی الکریم ہے(2)؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی کثیر ہے، یہ قدر و منزلت کی کثرت سے ماخوذ ہے(3)، یہ کثرت تعداد سے ماخوذ نہیں۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: کثیر فلان فی النفوس اس ضمن میں مشہور ضرب المثل ہے فی کل شجر نار واستمجد المرخ والعفار یعنی ہر درخت میں آگ ہے اور مرخ اور عفار تمام درختوں پر بڑھ گئیں؛ یہ ابن بحر کا قول ہے۔ اس کے جواب قسم کے بارے میں یہ قول کیا گیا ہے قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ یعنی لام مقدر کا ارادہ کیا اصل کلام یوں تھی لقد علمنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب قسم اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى ہے؛ یہ ترمذی محمد بن علی کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کہا: قٓ ایسے اسم کے ساتھ قسم ہے جو عظیم اسماء میں سے ہے جو بندوں کے لیے ظاہر ہوئے وہ قدرت ہے نیز قرآن مجید کی قسم اٹھائی، پھر اسے بیان کیا جو قدرت سے ظاہر ہوا یعنی آسمانوں، زمین، بندوں کے رزقوں، انسانوں کو پیدا کرنا، یوم قیامت کی صفت، جنت اور دوزخ سب قدرت کے کرشمہ ہیں۔ پھر فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ تو قسم اس کلمہ پر واقع ہوئی گویا فرمایا: ق یعنی قدرت اور قرآن مجید کی میں نے قسم اٹھائی ہے کہ اس سورت میں جو میں نے بیان کیا ہے یہ نصیحت ہے اس کے لیے جس کا دل زندہ ہو یا وہ توجہ سے سنے اور حاضر دماغ بھی ہو۔ ابن کیسان نے کہا: اس کا جواب مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ ہے۔

اہل کوفہ نے کہا: اس کا جواب قسم بَلْ عَجِبُوْٓا ہے۔ اخفش نے کہا: اس کا جواب محذوف ہے گویا فرمایا قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ لتبعثن اس جواب پر یہ قول دلالت کرتا ہے: ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا۔

بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ، اَنْ محل نصب میں ہے تقدیر کلام یہ ہے لان جاءھم، مُّنْذِرٌ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے ھم ضمیر کفار کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مومنین اور کفار سب کے لیے ہے۔ پھر اس ارشاد کے ساتھ انہیں الگ الگ کیا۔ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ، قالو انہیں فرمایا بلکہ ان کے حال، فعل کی قباحت کو بیان کیا اور کفر کے ساتھ ان کا وصف ذکر کیا جس طرح تو کہتا ہے: جاءنی فلان فاسمعنی المکروہ وقال لی الفاسق أنت کذا و کذا۔ میرے پاس فلاں آیا اس نے مجھے ناپسندیدہ باتیں سنائیں اور مجھے فاسق نے کہا: تو ایسا، ایسا ہے۔

هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ عجیب امر وہ ہوتا ہے جس سے تعجب کیا جائے اسی طرح عجاب ہے عجاب تشدید کے ساتھ اس سے زیادہ عجیب ہوتا ہے اسی طرح أعجوبه ہے۔ قتادہ نے کہا: ان کا تعجب اس بارے میں تھا کہ انہیں ایک معبود کی طرف

1۔ زاد المسیر، صفحہ 233　　2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 62　　3۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 340

دعوت دی گئی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ انہیں دوبارہ اٹھائے جانے کی جو خبر دی گئی اس پر انہوں نے عجب کا اظہار کیا۔ قرآن حکیم نے جس کی تصریح کی ہے وہ زیادہ بہتر ہے۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا یعنی ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا اس میں اضمار ہے ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ، رجع کا معنی لوٹانا ہے یعنی وہ لوٹانا محال ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: رجعتُه ارجعه رَجعا، رجع یرجِع رُجوعا۔ اس میں ایک اور اضمار ہے یعنی انہوں نے کہا: کیا ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا جب ہم مر جائیں گے بعث کا ذکر اگرچہ یہاں نہیں ہوا۔ اس کا ذکر کئی مواقع پر ہو چکا ہے قرآن ایک سورت کی طرح ہے نیز بعث کا ذکر اللہ تعالیٰ کے فرمان: بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ کے تحت موجود ہے کیونکہ وہ آخرت میں عقاب اور حساب سے خبردار کرتا ہے۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ یعنی زمین جو ان کے جسموں کو کھاتی ہے ہم سے کوئی چیز گم نہیں ہوتی یہاں تک کہ دوبارہ لوٹانا ہم پر مشکل ہو۔ قرآن حکیم میں ہے قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ۝ (طٰہٰ) صحیح میں ہے "انسان کے ہر حصہ کو مٹی کھا جاتی ہے مگر دم گزا اسی سے اس کی تخلیق ہوئی اور اس سے ترکیب دیا جائے گا" یہ روایت پہلے گزر چکی ہے۔

یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء، اولیاء اور شہداء کے جسموں کو زمین نہیں کھاتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسموں کے کھانے کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ ہم نے اس کی وضاحت کتاب التذکرہ میں کر دی ہے۔ اور اس کتاب میں بھی یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

سدی نے کہا: نقص سے یہاں مراد موت ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ان میں سے جو مریں گے اور جو باقی رہیں گے ان کو ہم نے جان لیا۔ کیونکہ جو مرتا ہے اسے دفن کیا جاتا ہے گویا زمین لوگوں کو کم کرتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: مراد مشرکوں میں سے جو اسلام میں داخل ہوتا ہے۔

وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝ وہ کتاب ان کی تعداد اور ناموں کو یاد کرنے والی ہے یہ فعیل بمعنی فاعل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے یعنی وہ شیاطین سے محفوظ ہے یا اس میں ہر شے محفوظ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کتاب کا معنی علم اور شمار کرنا ہے جس طرح تو کہتا ہے: کتبت علیك هذا یعنی میں نے اسے محفوظ رکھا۔ یہ ضرورت کے بغیر ظاہر معنی کو ترک کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یعنی ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو انسانوں کے اعمال کی حفاظت کرتی ہے تاکہ ان اعمال پر ان کا محاسبہ کریں۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ تمام کے قول میں حق سے مراد قرآن ہے؛ ماوردی نے اسے بیان کیا ہے (2)۔ ثعلبی نے کہا: حق سے مراد قرآن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اسلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔

فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۝، مَّرِيْجٍ کا معنی خلط ملط ہے (3)۔ ایک دفعہ وہ کہتے ہیں: جادوگر ہے۔ کبھی کہتے ہیں: شاعر ہے۔ کبھی کہتے ہیں: کاہن ہے؛ یہ ضحاک اور ابن زید کا نقطہ نظر ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 340　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 341　3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 62

قتادہ نے کہا: اس کا معنی مختلف ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ملتبس ہے۔ سب معانی قریب قریب ہیں۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کا معنی، فاسد ہے اسی معنی میں یہ جملہ ہے مرجتْ اماناتُ الناس۔ لوگوں کی امانتیں فاسد ہوگئیں۔ مرجَ الدینُ والامرُ یعنی دین اور امر خلط ملط ہو گیا۔ ابوداؤد نے کہا:

مَرِجَ الدِّيْنُ فَاَعْدَدْتُ لَهٗ مُشْرِفَ الْحَارِكِ مَحْبُوْكَ الْكَتَدْ

دین خلط ملط ہو گیا تو میں نے اس کے لیے مضبوط کندھوں اور اٹھی ہوئی پیٹھ والا تیار کیا۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مریج سے مراد عجیب و غریب امر ہے۔ عمران بن ابی عطاء نے اس سے یہ نقل کیا ہے:
مَرِيْج کا معنی خلط ملط ہے اور یہ شعر پڑھا:

فَجَالَتْ فَالْتَمَسْتُ بِهٖ حَشَاهَا فَخَرَّ كَاَنَّهٗ خُوْطٌ مَرِيْجُ

وہ گھومی میں نے اس کے پیٹ میں تیر تلاش کیا وہ گرا گویا خلط ملط ٹہنیاں ہیں۔
عوفی نے ان سے یہ نقل کیا ہے: گمراہی کے امر۔ وہ ان کا یہ قول تھا کہ وہ ساحر، شاعر، مجنون اور کاہن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی متغیر ہے۔ مرج کا اصل معنی اضطراب اور قلق ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: مرج امر الناس، مرج امر الدین و مرج الخاتم فی أصبعی۔ جب کمزوری کی وجہ سے انگوٹھی مضطرب ہوئی۔
حدیث میں ہے: ''اے عبداللہ! تیرا کیا حال ہوگا جب تو اس قوم میں ہوگا جن کے وعدے اور امانتیں خلط ملط ہوگئیں وہ اختلاف کا شکار ہو گئے تو وہ اس طرح اس طرح تھے۔ اور اپنی انگلیوں کا جال بنایا''۔ اسے ابوداؤد نے نقل کیا ہے ہم نے اس کا ذکر کتاب التذکرہ میں کیا ہے۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَ زَيَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۞ وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۞ تَبْصِرَةً وَّ ذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۞ وَ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّ حَبَّ الْحَصِيْدِ ۞ وَ النَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۞ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَ اَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۞

''کیا انہوں نے نہیں دیکھا آسمان کی طرف جو ان کے اوپر ہے ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے اور اسے کیسے آراستہ کیا ہے اور اس میں کوئی شگاف نہیں اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور جما دیے اس پر بڑے بڑے پہاڑ اور اگا دی ہیں اس میں ہر قسم کی رونق افزا چیزیں۔ یہ (آثار قدرت) بصیرت افروز اور یاد دہانی ہیں ہر اس بندے کے لیے جو اپنے رب کی طرف مائل ہے اور ہم نے اتارا آسمان سے برکت والا پانی پس ہم نے اگائے اس سے باغات اور اناج جس کا کھیت کاٹا جاتا ہے اور کھجور کے لمبے لمبے درخت جس کے گچھے (پھل سے) گندھے

ہوتے ہیں، بندوں کی روزی کیلئے اور ہم نے زندہ کر دیا اس پانی سے مردہ شہر، یونہی (روز محشر ان کا) نکلنا ہوگا''۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ عبرت اور تفکر کی نظر سے نہیں دیکھتے اور یہ نہیں سوچتے کہ وہ ذات جو انہیں پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے۔

كَيْفَ بَنَيْنٰهَا ہم نے انہیں بغیر ستونوں کے بلند کر دیا ہے۔ وَزَيَّنّٰهَا اور ہم نے انہیں ستاروں سے مزین کیا ہے۔ وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۞ فُرُوْجٍ، فرج کی جمع ہے جس کا معنی شق ہے۔

امرء القیس کے شعر میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں ہے:

تَسُدُّ بِهٖ فَرْجَهَا مِنْ دُبُرٍ

کسائی نے کہا: اس میں کوئی تفاوت، اختلاف اور پھٹن نہیں۔ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ۔ سورۂ رعد میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ یعنی نباتات کی تمام انواع سے۔ بَهِيْجٍ ۞ حسین جو دیکھنے والوں کو خوش کر دے۔ سورۂ حج میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ تَبْصِرَةً یعنی ہم نے اسے تبصرہ بنایا ہے تاکہ اس کے ذریعے کمال قدرت پر دلالت کریں۔ وَّذِكْرٰى اس کا عطف تَبْصِرَةً پر ہے۔ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا اور اس کی قدرت میں غور وفکر کرنے والا۔

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ، السَّمَآءِ سے مراد بادل ہے۔ مَآءً مُّبٰرَكًا زیادہ برکت والا پانی۔ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۞ تقدیر کلام یہ ہے وحبّ النبت الحصید مراد ہر وہ چیز ہے جس کو کاٹا جاتا ہے؛ یہ بصریوں کا قول ہے۔ کوفیوں نے کہا: یہ شی کو اپنی ہی ذات کی طرف منسوب کرنا ہے، جس طرح کہا جاتا ہے: مسجد الجامع، ربیع الاول، حق الیقین، حبل الورید وغیرہ؛ یہ فراء کا قول ہے اصل میں الحب الحصید تھا الف، لام کو حذف کر دیا گیا اور منعوت کو نعت کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ ضحاک نے کہا: حب الحصید سے مراد گندم اور جو ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وہ دانہ جسے کاٹا جاتا ہے، ذخیرہ کیا جاتا ہے اور روزی بنایا جاتا ہے۔

وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یہ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ کی طرف لوٹ رہا ہے۔ بٰسِقٰتٍ حال ہے۔ بٰسِقٰتٍ سے مراد طویل ہے؛ یہ مجاہد اور عکرمہ کا قول ہے۔ قتادہ اور عبد اللہ بن شداد نے کہا: ان کے بسوق سے مراد طوالت میں مستقیم ہونا ہے (1)۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس کا معنی مستویات ہے (2)۔

حضرت حسن بصری، عکرمہ اور فراء نے کہا: معنی ہے بھاری، حاملہ بکری کو کہا جاتا ہے (3) بسقت جب وہ بچہ جن دے؛ شاعر نے کہا:

فَلَمَّا تَرَكْنَا الدارَ ظَلَّتْ مُنِيفَةً بِقُرَّانَ فيه الباسقات المواقرُ (4)

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 177
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 212
3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 1، صفحہ 63
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 343

جب ہم نے گھر کو چھوڑا تو وہ قرآن میں نمایاں ہو گیا اس میں لمبی پھل دار کھجوریں تھیں۔

پہلا معنی لغت میں بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے اور مشہور ہے یہ کہا جاتا ہے: بسق النخل جب وہ لمبی ہو جائے۔ شاعر نے کہا:

لنا خمرٌ ولیست خمرَ کَرْمٍ ولکنْ من نِتاجِ الباسِقاتِ

ہمارے پاس شراب ہے یہ انگور کی نہیں یہ لمبی کھجوروں کے پھل سے بنائی گئی ہے۔

یہ جملہ بولا جاتا ہے: بسق فلان علی أصحابه فلاں اپنے ساتھیوں پر بلند ہو گیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: أبسقتِ الناقة جب بچہ جننے سے پہلے اونٹنی کی کھیری میں دودھ آ گیا۔ اس سے اسم فاعل مبسق آتا ہے نوق مباسیق دودھ والی اونٹنیاں۔ حضرت قطبہ بن مالک نے کہا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو باصقات یعنی صاد کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا؛ یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح مسلم میں حضرت قطبہ بن مالک سے روایت مروی ہے کہ میں نے نماز پڑھی اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی (1) اور یہ قرأت کی قٓ ۚ وَ الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ۚ بَلْ عَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ۚ ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ ۞ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَ عِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِیْظٌ ۞ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِیْۤ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ ۞ اَفَلَمْ یَنْظُرُوْۤا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَ زَیَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۞ وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ ۙ تَبْصِرَةً وَّ ذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۞ وَ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّ حَبَّ الْحَصِیْدِ ۙ وَ النَّخْلَ بٰسِقٰتٍ۔ میں اسے دہرانے لگا میں نہیں جانتا جو اس نے قول کیا ہے مگر قاف کی وجہ سے سین کو صاد سے بدلنا جائز نہیں۔

لَّهَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ ۞، طلع اسے کہتے ہیں جو کھجور کا پہلا پھل نکلتا ہے یوں باب ذکر کیا جاتا ہے طلع الطلع طلوعا واطلعت النخلة اس کے طلع سے مراد اس کا غلاف ہے جو ابھی پھٹا نہ ہو۔ نَّضِیْدٌ پھل جب تک غلاف میں ہوں۔ اس کا معنی ہے ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے جب وہ اپنے غلاف سے نکل آئے تو وہ نَّضِیْدٌ نہیں کہلاتا۔

رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ یعنی ہم نے بندوں کو رزق دیا۔ رِزْقًا مفعول مطلق ہے یا اس کا معنی ہے أنبتنا رزقا ہم نے اسے بطور رزق اُگایا۔ کیونکہ انبات، رزق کے معنی میں ہے یا رزقا مفعول لہ ہے، تقدیر کلام یہ ہو گی أنبتنا ها لرزقهم۔ رزق اسے کہتے ہیں جو انتفاع کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ اس بارے میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَ اَحْیَیْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا ۚ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۞ یعنی قبروں سے نکلنا ہو گا یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس مردہ زمین کو زندہ کیا اسی طرح تمہیں موت دینے کے بعد زندہ کرے گا۔ كَذٰلِكَ کاف محل رفع میں ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔ مَّیْتًا فرمایا کیونکہ مقصود مکان ہے اور میتة ہوتا تو بھی جائز تھا۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَ ثَمُوْدُ ۙ وَ عَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ وَ اِخْوَانُ لُوْطٍ ۙ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب القرأۃ فی الصبح، جلد 1، صفحہ 186

وَّ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ وَ قَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِیْدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۵﴾

''(حق کو) جھٹلایا تھا ان (اہل مکہ) سے پہلے قوم نوح، اہل فارس اور ثمود نے اور (جھٹلایا تھا) عاد، فرعون اور قوم لوط نے نیز ایکہ کے باشندوں اور تبع کی قوم نے، ان سب نے جھٹلایا تھا رسولوں کو پس پورا ہو گیا (ہمارا) عذاب کا وعدہ تو کیا ہم تھک گئے ہیں پہلی مرتبہ مخلوق کو پیدا کر کے، (ایسا نہیں) بلکہ یہ (کفار) از سر نو پیدا ہونے کے بارے میں شک میں ہیں''۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ یعنی جس طرح انہوں نے جھٹلایا ہے اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا تو ان پر عذاب نازل ہوا۔ ان کے سامنے ان جھٹلانے والوں کا ذکر کیا اور جس عذاب نے انہیں اپنی گرفت میں لیا تھا اس سے انہیں ڈرایا۔ ہم نے ان کے واقعات کئی مواقع پر ذکر کیے ہیں، جہاں بھی ان کا تذکرہ ہوا۔ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ یعنی ان جھٹلانے والی قوموں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ فَحَقَّ وَعِیْدِ تو ان پر میری وعید اور میرا عقاب ثابت ہو گیا۔

اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ کیا ہم پہلی دفعہ پیدا کرنے کی وجہ سے تھک گئے تھے کہ ہم دوبارہ اٹھانے سے تھک جائیں گے۔ یہ بعث کے منکروں کو شرمندہ کرنے کے لیے ہے اور ان کے قول ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ کا جواب ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے عییتُ بالأمر جب تو اس کی صحیح توجیہہ نہ جانے۔

بَلْ هُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۵﴾ وہ دوبارہ اٹھائے جانے کے بارے میں حیرت میں مبتلا ہیں۔ ان میں سے کچھ تصدیق کرنے والے اور کچھ تکذیب کرنے والے ہیں۔ یوں باب ذکر کیا جاتا ہے لبس علیہ الأمر یلبسه لبسا۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖۚ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ﴿۱۶﴾ اِذْ یَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ﴿۱۸﴾ وَ جَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِیْدُ ﴿۱۹﴾

''اور بلاشبہ ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم (خوب) جانتے ہیں اس کا نفس جو وسوسے ڈالتا ہے اور ہم اس سے شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔ جب (اس کے اعمال کو) لے لیتے ہیں دو لینے والے (ان میں سے) ایک دائیں جانب اور (دوسرا) بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے وہ نہیں نکالتا اپنی زبان سے کوئی بات مگر اس کے پاس ایک نگہبان (لکھنے کے لیے) تیار ہوتا ہے۔ اور آپہنچی ہے موت کی بے ہوشی سچ مچ (اے نادان!) یہ ہے وہ جس سے تو دور بھاگا کرتا تھا''۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ، الْاِنْسَانَ سے مراد لوگ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ وَ نَعْلَمُ مَا

تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ یعنی اس کے سر، اس کے دل اور ضمیر میں جو کھٹکتا ہے۔ اس میں ان نافرمانیوں پر جھڑکا جا رہا ہے جن کو انسان چھپاتا ہے۔ جس نے کہا: انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی ذات ہے تو نفس نے جو وسوسہ ڈالا تھا وہ درخت سے کھانا تھا۔ پھر ان کی اولاد کے لیے عام ہے۔ وسوسہ سے مراد حدیث نفس ہے جو خفی کلام کے قائم مقام ہوتی ہے۔

اعمش نے کہا: تسمع للحلی وسواسا إذا انصرفت جب وہ واپس جاتی ہے تو تو زیورات کی خفی آواز سنتا ہے۔ سورۃ الاعراف میں معنی گزر چکا ہے۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۝ یہ کندھے کی رگ ہے یہ اس کے حلق کے کنارے سے اس کے کندھے تک پھیلی ہوئی ہے وہ دائیں اور بائیں جانب سے دو رگیں ہیں۔ اس کا یہ معنی حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے اور یہی لغت میں معروف ہے۔ حَبْل سے مراد ورید ہی ہے اسے اپنی ہی ذات کی طرف مضاف کیا ہے کیونکہ دونوں لفظ مختلف ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ورید سے مراد دل کی رگ ہے یہ ایسی رگ ہے جس کا تعلق دل سے ہوتا ہے یہ قرب کی تمثیل ہے یعنی شہ رگ جتنی اس کے قریب ہے اور ہم اس کے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ یہ قرب مسافت کی بنا پر نہیں ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یعنی شہ رگ کو اس پر جو غلبہ ہوتا ہے ہم اس پر اس سے بھی زیادہ ملکیت رکھتے ہیں کیونکہ یہ ایسی رگ ہے جو دل کے ساتھ ملی ہوتی ہے یہ قرب علم اور قدرت کا قرب ہے۔ انسان کے اجزاء ایک دوسرے سے چھپے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ۝ یعنی جب دونوں فرشتے اس کے عمل کو لیتے ہیں تو ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوتے ہیں وہ دو فرشتے ہیں جو اس پر مقرر ہیں یعنی ہم اس کے احوال سے آگاہ ہیں ہم کسی فرشتے کے محتاج نہیں جو اسے خبر کرے لیکن دونوں فرشتوں کو ذمہ داری سونپی گئی ہے مقصد دلیل قائم کرنا اور امر کو موکد کرنا ہے؛ حضرت حسن بصری، مجاہد اور قتادہ نے کہا ہے۔

الْمُتَلَقِّيٰنِ دو ایسے فرشتے جو تیرے عمل کو لیتے ہیں ان میں سے ایک تیری دائیں جانب ہے جو تیری نیکیاں لکھتا ہے اور دوسرا بائیں جانب ہے جو تیری برائیاں لکھتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہاں تک کہ جب تو مرے گا تو تیرا نامہ اعمال لپیٹ دیا جائے گا اور تجھے قیامت کے روز کہا جائے گا: اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۝ؕ (اسراء) اللہ کی قسم اس ذات نے تیرے ساتھ عدل کیا جس نے تیرا محاسب تیری ذات کو بنایا ہے۔

مجاہد نے کہا: اللہ نے انسان کے احوال جاننے کے باوجود دو فرشتے رات کے لیے اور دو فرشتے دن کے لیے مقرر کیے جو اس کے اعمال یاد رکھتے ہیں اور اس کے اعمال لکھتے رہتے ہیں: مقصد حجت قائم کرنا ہے ان میں سے ایک اس کی دائیں جانب ہے جو نیکیاں لکھتا ہے اور دوسرا بائیں جانب ہے جو برائیاں لکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ۝ سے یہی مراد ہے۔ سفیان نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ نیکیاں لکھنے والا، برائیاں لکھنے والے پر امین ہے جب کوئی بندہ گناہ کرتا ہے تو وہ دوسرے کو کہتا ہے: جلدی نہ کر ممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ

سے بخشش طلب کرے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہی معنی مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نیکیاں لکھنے والا آدمی کی دائیں جانب اور برائیاں لکھنے والا اس کی بائیں جانب ہوتا ہے اور نیکیاں لکھنے والا برائیاں لکھنے والے پر امین ہوتا ہے جب بندہ کوئی نیکی کرتا ہے تو دائیں سمت والا دس نیکیاں لکھتا ہے اور جب وہ برائی کرتا ہے تو دائیں سمت والا فرشتہ بائیں جانب والے فرشتے کو کہتا ہے: سات ساعتوں تک نہ لکھو ممکن ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے یا استغفار کر لے''(1)۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تیرے دونوں فرشتوں کے بیٹھنے کی جگہ تیرے سامنے کے دانت ہیں تیری زبان ان کا قلم ہے، تیری تھوک ان کی روشنائی ہے جب کہ تو بے مقصد کاموں میں شروع رہتا ہے اور تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں سے حیاء نہیں کرتا''۔ ضحاک نے کہا: ان دونوں کے بیٹھنے کی جگہ سامنے کے دانتوں کے نیچے نچلے جبڑے پر ہے؛ اسے عوف نے حضرت حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ حضرت حسن بصری کو یہ بات خوش کرتی تھی کہ اپنی داڑھی کو صاف کریں۔ یہاں آیت میں قَعِيْدٌ فرمایا ہے قعیدان نہیں فرمایا جب کہ دانت دو ہیں کیونکہ یمین سے مراد ایک قَعِيْدٌ اور شمال سے مراد بھی ایک قَعِيْدٌ ہے پہلے کو حذف کر دیا گیا کیونکہ دوسرا اس پر دلالت کرتا ہے؛ یہ سیبویہ کا قول ہے؛ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

نَحْنُ بما عِندنا وأنتَ بما عِندكَ راضٍ والرَّأيُ مُخْتَلِفُ(2)

ہم اس پر راضی ہیں جو ہمارے پاس ہے اور تم اس پر راضی ہو جو تمہارے پاس ہے جب کہ رائے مختلف ہے۔

محل استدلال راض ہے، یہاں راضیان نہیں فرمایا۔

اس طرح فرزدق کے شعر میں غدو رین کی جگہ غدو رذکور ہے۔

إِنِّي ضَمِنتُ لمن أَتَانِي ماجَنَى وأَبِي فكانَ وكنتُ غيرَ غَدُور

مبرد کا مذہب ہے تلاوت میں پہلا ہے بطور مجاز اسے دوسرا بنا لیا گیا ہے دوسرے کو حذف کر دیا گیا کیونکہ پہلا اس پر دلالت کرتا ہے۔ اخفش اور فراء کا مذہب ہے کہ تلاوت میں جو لفظ ہے یہ دو اور جمع کو اداء کرتا ہے کلام میں کوئی حذف نہیں۔ قعید، قاعد کے معنی میں ہے جس طرح سمیع، علیم، قدیر اور شہید۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قعید، مُقاعد کے معنی میں ہے جس طرح اکیل اور ندیم یہ مواکل اور منادم کے معنی میں ہے۔

جوہری نے کہا: فعیل اور فعول میں واحد، تثنیہ اور جمع سب برابر ہیں؛ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ۝ (شعراء) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ (تحریم) دونوں آیات میں محل استدلال رسول اور ظہیر ہے۔ شاعر نے جمع کے بارے میں کہا ثعلبی نے اسے پڑھا ہے:

أَلِكْنِي إِلَيْهَا وَخَيْرُ الرَّسُوْلِ أَعْلَمُهُمْ بِنَوَاحِي الْخَبَرِ

مجھے اس کی طرف بھیج اور بہترین قاصد وہ ہوتا ہے جو ان میں سے خبر کی اطراف کو ہر اعتبار سے جانتا ہو۔ یہاں قعید سے

1۔ زاد المسیر، جلد 7، صفحہ 237 2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 183

مراد ملازم اور ثابت ہے یہ قائم کی ضد نہیں۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۞ وہ کوئی بات نہیں کرتا مگر اسے اس کے حق میں لکھ لیا جاتا ہے۔ یہ لفظ الطعام سے ماخوذ ہے اس کا معنی منہ سے باہر نکلنا ہے۔ رقیب میں تین وجوہ ہیں(1) (۱) امور کی نگہبانی کرنے والا (۲) حفاظت کرنے والا، یہ سدی کا قول ہے (۳) مراد شاہد ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے عَتِيْدٌ میں دو وجوہ ہیں۔(۱) ان دونوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ حاضر ہو غائب نہ ہو (۲) حفاظت کرنے والا جسے حفاظت کے لیے یا شہادت کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ جوہری نے کہا: عَتِيْدٌ سے مراد ایسی شے ہے جو حاضر ہو اور تیار کی گئی ہو۔ یوں کہا جاتا ہے: عتدہ تعتیدا و اعتدہ اعتادا اسے دن کے لیے تیار کیا۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً (یوسف: 31) اسی طرح فرس عَتَدٌ اور عتِدٌ ہے۔ یعنی تاء پر فتحہ اور کسرہ ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا معنی حضور ہے؛ اسی معنی میں شاعر کا شعر ہے:

لِئِنْ كُنْتَ مِنِّي فِي الْعِيَان مُغَيَّباً فذكرك عندي فی الفؤادِ عَتِيدُ

اگر تو ظاہر میں مجھ سے غائب ہے، تیرا ذکر میرے دل میں موجود ہے۔

ابو جوزاء اور مجاہد نے کہا: انسان پر ہر چیز لکھی جارہی ہے یہاں تک کہ اس کی مرض میں اس سے جو آواز نکلتی ہے وہ بھی لکھی جاتی ہے۔ عکرمہ نے کہا: صرف وہی چیز لکھی جاتی ہے جس پر اجر دیا جاتا ہے یا جس پر گناہ ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو کچھ وہ کلام کرتا ہے وہ اس پر لکھا جاتا ہے جب دن کا آخری پہر ہوتا ہے تو جو مباح تھا وہ مٹالیا جاتا ہے جس طرح یہ الفاظ ہیں اِنْطَلِقْ، اُقْعُدْ اور كُلْ۔ جس کے ساتھ کوئی اجر اور گناہ متعلق نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دونوں محافظ فرشتے ان اعمال کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحیفہ کے آغاز میں نیکی اور ان کے آخر میں بھی نیکی پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو فرماتا ہے: گواہ رہو میں نے اپنے بندے کو اس وجہ سے بخش دیا ہے جو صحیفہ کے دونوں طرفوں میں ہے''۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جن کے پاس سفید صحیفے ہیں ان فرشتوں نے ان کے آغاز اور آخر میں نیکی لکھی ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان میں جو کچھ ہے وہ تمہارے لیے بخش دیتا ہے۔

ابو نعیم حافظ نے نقل کیا ہے کہ ابو طاہر محمد بن فضل بن محمد بن اسحاق بن خذیمہ، ابو نعیم حافظ سے وہ ابو طاہر محمد بن فضل بن محمد بن اسحاق بن خذیمہ سے وہ محمد بن اسحاق سے وہ محمد بن موسیٰ حرشی سے، وہ سہیل بن عبداللہ سے وہ اعمش سے وہ زید بن وہب سے وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب دونوں محافظ فرشتے بندے یا امت پر نازل ہوتے ہیں تو ان کے پاس مہر لگی کتاب ہوتی ہے بندہ یا امت جو منہ سے کلمہ نکالتی ہے وہ اسے لکھ لیتے ہیں جب وہ دونوں اٹھنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ان میں سے ایک دوسرے سے کہتا ہے: مہر لگی کتاب کو کھولو جو تیرے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 347

پاس ہے، تو وہ اسے کھولتا ہے تو اس نے جو کچھ لکھا ہوتا ہے اس کتاب میں اس کے برابر ہوتا ہے" اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿۱۸﴾ یہ اعمش کی حدیث جو زید سے مروی ہے غریب ہے ان سے صرف سہیل نے روایت کی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے لیے دو فرشتے مقرر فرمائے ہیں جو اس کا عمل لکھتے ہیں۔ جب وہ آدمی مرتا ہے دونوں کہتے ہیں: اے ہمارے رب! فلاں آدمی مر گیا ہمیں اجازت دے کہ ہم آسمان کی طرف چڑھ آئیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میرے آسمان میرے فرشتوں سے بھرے ہوئے ہیں جو میری تسبیح کر رہے ہیں۔ وہ دونوں عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم زمین میں قیام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میری زمین میری مخلوق سے بھری ہوئی ہے وہ میری تسبیح کر رہی ہے۔ وہ دونوں عرض کرتے ہیں: پھر ہم کہاں رہیں؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تم دونوں میرے بندے کی قبر پر رہو دونوں تکبیر کہو، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھو اور میری تسبیح بیان کرو اور یہ عمل میرے بندے کے لیے لکھتے رہو یہ سلسلہ قیامت تک جاری رکھو"۔

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ، سَكْرَةُ سے مراد سختی ہے انسان جب تک زندہ رہتا ہے تو اس کے اقوال اور افعال اس پر لکھے جاتے ہیں تاکہ ان اعمال پر اس کا محاسبہ کیا جائے پھر موت آجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے جو وعدہ اور وعید کیا ہوتا ہے وہ اسے سب کچھ عیاں دیکھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حق سے مراد موت ہے اسے حق کا نام دیا ہے کیونکہ وہ یقینی ہے یا وہ دار حق کی طرف منتقل کر دیتی ہے (1)۔ اس تعبیر کی بنا پر کلام میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی وجاءت سکرۃ الحق بالموت؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ جس نے قرآن پر طعن کیا ہے اس نے گمان کیا اور کہا: میں مصحف کی اسی طرح مخالفت کرتا ہوں جس طرح حضرت ابوبکر صدیق نے مخالفت کی اور پڑھا وجاءت سکرۃ الحق بالموت۔

اس کے خلاف یوں استدلال کیا جائے گا کہ حضرت ابوبکر صدیق سے اس بارے میں دو روایات مروی ہیں ان میں سے ایک مصحف کے موافق ہے اسی پر عمل ہوگا اور دوسری ترک کر دی گئی ہے وہ بھلا دیئے جانے کے قائم مقام ہے اگر آپ نے کہا بھی ہو یا یہ ان لوگوں کی غلطی ہے جنہوں نے اسے نقل کیا ہے۔

ابوبکر انباری نے کہا اسماعیل بن اسحاق قاضی، علی بن عبد سے وہ جریر سے وہ منصور سے وہ ابو وائل سے وہ مسروق سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھیجا جب حضرت عائشہ صدیقہ ان کے پاس حاضر ہوئیں تو عرض کی یہ تو معاملہ اسی طرح ہے جس طرح شاعر نے کہا:

إذا حَشْرَجَتْ يوماً وضاقَ بها الصَّدْرُ (2)

جب کسی روز گھنگھرو بولنے لگا اور سینہ تنگ ہو گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نے وہ کیوں نہیں کہا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾ اور حدیث ذکر کی۔ سَكْرَةُ یہ سکرات کی واحد ہے۔ صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 348

2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 185

کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے چھاگل یا کوئی چمڑے کا برتن تھا جس میں پانی تھا آپ اپنا ہاتھ پانی میں داخل کرتے اور اپنے چہرے پر پھیرتے اور یوں کہتے: ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، إن للموت سکرات اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں ہے بے شک موت کی سختیاں ہیں''۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ کھڑے کیے اور یوں کہنے لگے: ''فی الرفیق الاعلیٰ'' یہاں تک کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی اور آپ کا ہاتھ مڑ گیا؛ اسے امام بخاری نے نقل کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''نیک بندہ موت اور اس کی سختیوں کو برداشت کرتا ہے اور اس کے جوڑ ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: السلام علیک میں قیامت کے روز تک تجھے اور تو مجھے چھوڑ رہا ہے''(1)۔

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے کہا: اے حواریوں کی جماعت! اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ تم پر جنت کی سختی آسان کر دے۔ روایت بیان کی گئی ہے موت تلوار کے وار، آری کے چیرنے اور قینچی کے ساتھ کاٹنے سے زیادہ سخت ہے۔

ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ۝ جس پر موت کی سختی طاری ہوا سے یہ کلمات کہنے جانے چاہئیں یعنی یہ وہ چیز ہے جس سے تو نہ بھاگ سکتا ہے اور نہ تو ایک طرف ہو سکتا ہے۔ یوں اس کا باب چلایا جاتا ہے حاد عن الشیء یحید حیودا وحیدۃ وحیدودۃ اس سے اعراض کیا اور اس سے مائل ہوا۔ اس کی اصل حَیدودۃ ہے یعنی یاء متحرک ہے اسے ساکن کر دیا گیا کیونکہ صعفوق کے علاوہ کلام میں کوئی فعلول کا وزن نہیں۔ تو اپنے بارے میں خبر دیتے ہوئے کہتا ہے: حدت عن الشیء وأحید حیدا و محیدا۔ جب تو اس سے اعراض کرے۔ طرفہ نے کہا:

أبا منذرٍ رُمْتَ الوفاءَ فَهِبتَه　　وحِدْتَ كما جار البعيرُ عن الدَّحْض

اے ابو منذر! تو نے وفا کا قصد کیا تو تو اس سے ڈر گیا اور تو نے اعراض کیا جس طرح اونٹ پھسلنے کی جگہ سے اعراض کرتا ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ۝ وَجَاۗءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَاۗىِٕقٌ وَّشَهِيْدٌ ۝

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاۗءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۝

''اور صور پھونکا جائے گا یہی وعید کا دن ہوگا اور حاضر ہوگا ہر شخص اس طرح کہ اس کے ہمراہ ایک (اسے) ہانکنے والا اور ایک گواہ ہوگا۔ تو عمر بھر غافل رہا اس دن سے پس ہم نے اٹھا دیا ہے تیری آنکھوں سے تیرا پردہ سو تیری بینائی بڑی تیز ہے''۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ اس نفخہ سے مراد دوسرا نفخہ ہے جو دوبارہ اٹھانے کے لیے ہوگا۔ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ۝ یعنی وہ دن جس کی اللہ تعالیٰ نے کفار کو دھمکی دی ہے کہ اس دن میں اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دے گا۔ صور پھونکنے کے بارے میں گفتگو پہلے مفصل گزر چکی ہے۔ الحمدللہ۔

وَجَاۗءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَاۗىِٕقٌ وَّشَهِيْدٌ ۝ سَاۗىِٕقٌ اور شَهِيْدٌ میں اختلاف کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سائق فرشتوں سے اور شہید ان کی ذاتوں میں سے ہاتھ اور پاؤں ہیں (2)؛ اسے عوفی نے حضرت ابن عباس سے

1۔ صحیح بخاری، جلد 2، صفحہ 924　　2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 215

روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: سائق سے مراد فرشتہ اور شہید سے مراد عمل ہے۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: سائق سے مراد جو اسے ہانک کرلے جائے گا اور شاہد اس سے مراد جو اس کے عمل کے بارے میں گواہی دے گا۔ ابن مسلم نے کہا: سائق سے مراد شیاطین میں سے اس کا قرین ہے۔ اسے سائق اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ اس کے پیچھے رہتا ہے اگرچہ اسے برانگیختہ نہ کرے۔

مجاہد نے کہا: سائق اور شہید دو فرشتے ہیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے منبر پر بیٹھ کر یہ ارشاد فرمایا: سائق سے مراد فرشتہ ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف ہانک کرلے جاتا ہے اور شہید سے مراد وہ ہے جو اس کے عمل کے بارے میں اس پر گواہی دے گا۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح ترین ہے کیونکہ حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ نے بندے کے حق میں جو کچھ پیدا کیا ہے انسان اس کے بارے میں غفلت میں ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جب اللہ تعالیٰ اس کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتے سے فرماتا ہے اس کا رزق، اس کا عمل، موت کا وقت لکھو اور یہ بھی لکھ کہ وہ شقی ہے یا سعید ہے۔ پھر وہ فرشتہ چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ دوسرا فرشتہ بھیج دیتا ہے وہ اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ دو فرشتے بھیج دیتا ہے جو اس کی نیکیاں اور برائیاں لکھتے ہیں جب موت اس کے پاس آتی ہے تو وہ دونوں فرشتے اوپر چلے جاتے ہیں پھر اس پر موت کا فرشتہ آتا ہے پھر اس کے پاس قبر والے دو فرشتے آتے ہیں وہ اس کا امتحان لیتے ہیں پھر وہ اوپر چلے جاتے ہیں جب قیامت برپا ہوتی ہے تو نیکیوں اور برائیوں والا فرشتہ اترتا ہے تو وہ کتاب جو اس کے گلے میں باندھی گئی ہوتی ہے اسے کھولتے ہیں پھر وہ دونوں اس کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں ان میں سے ایک ہانکنے والا اور دوسرا گواہ ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۔ فرمایا تم ایک حالت کے بعد دوسری حالت میں ضرور چڑھ جاؤ گے'' یہاں طبق سے مراد رحال ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تمہارے سامنے عظیم امر ہے اللہ تعالیٰ جو عظیم ہے اس سے مدد لو''۔ اسے ابو نعیم حافظ نے روایت کیا ہے یہ جعفر بن محمد بن علی کی حضرت جابر سے مروی حدیث ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا: یہ جعفر کی حدیث غریب ہے اور حضرت جابر کی حدیث کو جابر جعفی نے ان سے تنہا نقل کیا ہے اور ان سے مفضل نے تنہا نقل کیا ہے۔

آیت میں دو قول ہیں (۱) یہ کافر اور مسلمان کے بارے میں عام ہے(1)؛ یہ جمہور کا قول ہے (۲) یہ کافر کے بارے میں خاص ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ ابن زید نے کہا: اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے(2) یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ دور جاہلیت میں قریش میں رسالت کے بارے میں ناواقف تھے۔

حضرت ابن عباس اور ضحاک نے کہا: مراد مشرک ہیں وہ امور کے انجام کے بارے میں غفلت میں تھے۔ اکثر مفسرین

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 349
2۔ ایضاً

نے کہا: مراد نیک اور فاجر ہے؛ یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اے انسان! تو اس بارے میں غفلت کا شکار تھا کہ ہر نفس کے ساتھ ایک سائق اور شہید ہے کیونکہ اس کا علم نصوص الٰہیہ سے ہی ہو سکتا ہے۔

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ ہم نے تیرے اندھے پن کو ختم کر دیا۔ اس میں چار وجوہ ہیں (۱) وہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھا تو اس کی پیدائش ہوئی؛ یہ سدی کا قول ہے (۲) جب وہ قبر میں تھا تو اسے اٹھایا گیا؛ یہ حضرت ابن عباس کے قول کا معنی ہے (۳) قیامت میں پیشی کے وقت؛ یہ مجاہد کا قول ہے (۴) یہ وحی کا نزول اور رسالت کی ذمہ داری اٹھانا ہے؛ یہ ابن زید کے قول کا معنی ہے(1)۔

فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ اس سے مراد دل کی نظر ہے جس طرح یہ کہا جاتا ہے: وہ فقہ میں بصیرت رکھتا ہے۔ دل کی آنکھ اور بصیرت سے مراد یہ ہے کہ اس کا افکار کے شواہد اور عبرت کے نتائج کا دیکھنا ہے جس طرح آنکھ اشخاص اور اجسام میں سے جو سامنے آتے ہیں ان کو دیکھتی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد آنکھ کا دیکھنا ہے۔ یہ معنی ظاہر ہے یعنی آج تیری آنکھ کی نظر تیز ہے، یعنی قوی ہے اور جو چیز تجھ سے حجاب میں تھی اس کو دیکھنے والی ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد جب تیری برائیاں اور نیکیاں وزن کی جا رہی ہوں گی اس وقت تیری نظر ترازو کی زبان کی طرف ہوگی؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ثواب و عقاب کو دیکھ رہا ہوگا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کافر کو اٹھایا جائے گا اس کی نظر تیز ہوگی وہ آنکھ نیلی ہو جائے گی اور وہ اندھا ہو جائے گا اسے لقد کنتِ، عنكِ اور فبصرُكِ پڑھا گیا ہے۔ خطاب نفس کو ہے۔

وَ قَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿۲۳﴾ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ﴿۲۵﴾ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَ قَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۲۹﴾

''اور کہے گا اس کا (عمر بھر کا) ساتھی: یہ نامہ اعمال جو میرے پاس تھا بالکل تیار ہے جہنم میں جھونک دو ہر کافر سرکش کو جو سختی سے روکنے والا تھا نیکی سے، حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا تھا جس نے بنا رکھے تھے اللہ کے ساتھ کئی اور خدا پس جھونک دو اس بدبخت کو عذاب شدید میں۔ اس کا ساتھی شیطان بولے گا: اے ہمارے پروردگار! میں نے تو اسے سرکش نہیں بنایا تھا بلکہ وہ خود ہی گمراہی میں دور تک چلا گیا تھا (اللہ) فرمائے گا: مت جھگڑو میرے روبرو میں تو پہلے ہی تم کو وعید سنا چکا ہوں میرے ہاں حکم بدلا نہیں جاتا اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہوں''۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 349 2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 190

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ، قرین سے مراد وہ فرشتہ ہے جس کو اس پر مقرر کیا جاتا ہے (2)؛ یہ حضرت حسن بصری، قتادہ اور ضحاک کا قول ہے۔ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ۝ یعنی اس کے اعمال جو لکھے گئے ہیں وہ میرے پاس محفوظ اور تیار ہیں۔ مجاہد نے کہا: وہ کہے گا یہ وہ چیز ہے جس کی تو نے مجھے بنی آدم کے متعلق ذمہ داری سونپی تھی میں نے اس انسان اور اس کے نامہ اعمال کو حاضر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے میرے پاس جو عذاب ہے حاضر ہے۔ مجاہد نے یہ قول بھی کیا ہے: اس کے قرین سے مراد وہ شیطان ہے جو اس پر مسلط کیا گیا (1)۔

ابن زید نے کہا: ابن وہب نے اسے روایت نقل کی ہے مراد انسانوں میں سے اس کا دوست ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھی سے فرمائے گا: اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ۔ خلیل اور اخفش نے کہا: یہ عربوں کا فصیح کلام ہے کہ تو ایک کو تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ خطاب کرے تو کہے: ويلك ارحلاها وازجراها وخذاه واطلقاه۔ یہ سب واحد کے لیے ہیں۔

فراء نے کہا: تو ایک آدمی کو کہتا ہے قوما عنا اس اسلوب کی اصل یہ ہے کہ انسان کے اعوان (مددگار) میں سے اس کے سفر میں اونٹوں، بھیڑ بکریوں اور ساتھیوں میں سے دو فرد ہوتے ہیں تو انسان کی کلام اس کے دو ساتھیوں کے متعلق ہوتی ہے اس معنی میں شعر میں ان کا قول ایک فرد کے لیے یوں ہوتا ہے خلیلی۔ اے میرے دو دوستو! پھر وہ کہتا ہے: یا صاح۔ اے میرے ساتھی! امراء القیس نے کہا:

خَلِيلِي مُرَّابِي على أُمِّ جُنْدَبِ

اے میرے دو دوستو! مجھے ام جندب کے پاس سے گزارو۔

اس میں محل استدلال خلیلی ہے۔ اس کا ایک شعر ہے:

قِفَانَبْكِ مِنْ ذِكْرٰى حَبِيبٍ وَ مَنْزِلِ بِسَقْطِ اللِّوٰى بَيْنَ الدَّخُولِ فَحَوْمَلِ

تم دونوں ٹھہرو ہم حبیب اور اس کی رہائش جو دخول اور حومل کے درمیان سقط اللوی میں ہے کو یاد کر کے رولیں۔ محل استدلال قفا ہے۔

ایک اور نے کہا:

فإن تَزْجُرانِي يا بْنَ عَفَّانَ أَنْزَجِرْ (2) اے ابن عفان! اگر تم مجھے روکو گے تو میں رک جاؤں گا۔

یہاں بھی محل استدلال تزجرانی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اسی طرح آیا ہے کیونکہ قرین جماعت اور دو افراد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مازنی نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان اَلْقِيَا، اَلْقِ اَلْقِ پر دلالت کرتا ہے۔ مبرد نے کہا: یہ تثنیہ کا صیغہ ہے جو تاکید کے لیے ہے معنی ہے الق الق، القیا تکرار کے قائم مقام ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ القیا تثنیہ کا صیغہ ہو اور حقیقی معنی پر ہو اللہ تعالیٰ دو فرشتوں سے خطاب کر رہا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سائق اور حافظ فرشتوں کو خطاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اصل میں یہ القین تھا نون خفیفہ ہے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 350 2۔ ایضاً

وقف میں الف سے بدل دیا گیا وصل کو وقف پر محمول کیا گیا۔ حضرت حسن بصری نے القین نون خفیفہ کے ساتھ پڑھا ہے جس طرح ہے وَلَيَكُونًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ (یوسف) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَنَسْفَعًا (العلق:15)

كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ عَنِيْدٍ کا معنی معاند ہے؛ یہ مجاہد اور عکرمہ کا قول ہے۔ بعض نے کہا: عَنِيْدٍ سے مراد حق سے اعراض کرنے والا ہے یوں کہا جاتا ہے: عند، یعند، عنودا یعنی حق کی مخالفت کی اور اس کو رد کیا جب کہ وہ حق کو پہچانتا ہے پس وہ عنید اور عاند ہے عنید کی جمع عُنُد ہے جس طرح رغیف کی جمع رُغُف آتی ہے۔

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ خیر سے مراد فرض زکوٰۃ اور ہر واجب حق ہے۔ مُعْتَدٍ گفتگو، سیرت اور اپنے معاملہ میں ظالم ہے۔ مُّرِيْبٍ توحید کے بارے میں شک کرنے والا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے(1)۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اراب الرجل فهو مريب جب وہ شک کرے۔ وہ مشرک ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اور مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ سے یہ مراد ہے کہ وہ اپنے بھتیجوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتا تھا۔ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ۝ یہ پہلے امر کی تاکید ہے۔ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ قرین سے مراد شیطان ہے جو اس سرکش کافر کے لیے معین کیا گیا تھا وہ اس کافر سے براءت کا اظہار کرے گا اور اس کو جھٹلائے گا۔ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ۝ وہ حق سے بہت دور تھا وہ اپنے اختیار کے ساتھ سرکشی کرنے والا تھا میں نے تو صرف اسے دعوت دی تو اس نے میری دعوت کو قبول کر لیا۔ یہاں قرین سے مراد اس کا شیطان ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے کہا حضرت ابن عباس اور مقاتل نے کہا: قرین سے مراد فرشتہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ اس فرشتے کے بارے میں کہے گا جو اس کی برائیاں لکھا کرتا تھا: اے میرے رب! اس نے جلدی کی ہے۔ فرشتہ عرض کرے گا: اے ہمارے رب! میں نے اس کے بارے میں کوئی جلدی نہیں کی۔ سعید بن جبیر نے کہا: کافر عرض کرے گا اے ہمارے رب! اس نے میرے بارے میں زیادہ اعمال لکھے ہیں۔ فرشتہ عرض کرے گا: اے ہمارے رب! میں نے اس کا کوئی زائد عمل نہیں لکھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ یعنی کفار اور شیاطین میں سے ان کے ساتھی میرے ہاں جھگڑا نہ کرو۔ قشیری نے کہا: یہ توجیہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ قرین سے مراد شیطان ہے۔

وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ۝ میں نے رسولوں کو بھیجا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خطاب ہر جھگڑا کرنے والے کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خطاب دو افراد کو ہے اور صیغہ جمع کا آیا ہے۔

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قول سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا (الانعام:160) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ (ہود) معنی ہے فراء نے کہا ہے: میرے پاس جھوٹ نہیں بولا جا سکتا، یعنی قول میں اضافہ نہیں ہو سکتا اور غیب کا علم ہونے کی وجہ سے اس میں کمی نہیں کی جا سکتی۔ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ یعنی جو جرم نہیں کرتا اس کو میں

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 66　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 352

عذاب نہیں دیتا؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے (2)۔ اس کے بارے میں گفتگو سورۂ حج اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہے۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۞ وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ۞ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ۞ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَ جَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ۞ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۞ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۞

''(یاد کرو) وہ دن جب ہم جہنم سے پوچھیں گے کیا تو پر ہو گئی ہے وہ (جواباً) کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے۔ اور قریب کر دی جائے گی جنت پرہیزگاروں کے لیے وہ (ان سے) دور نہیں ہو گی۔ یہی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا یہ ہر اس شخص کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا، اپنی توبہ کی حفاظت کرنے والا ہے۔ جو ڈرتا تھا رحمن سے بن دیکھے اور ایسا دل لیے ہوئے آیا جو یاد الٰہی کی طرف متوجہ تھا داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی سے یہ ہیشگی کا دن ہے، انہیں ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ وہاں خواہش کریں گے اور ہمارے پاس تو (ان کے لیے) اس سے بھی زیادہ ہے''۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۞ نافع اور ابو بکر نے یوم یقول یعنی یاء کے ساتھ پڑھا ہے وہ اسے لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ پر قیاس کرتے ہیں باقی نے نون کے ساتھ پڑھا ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے خطاب ہے یہ عظمت کا نون ہے۔ حضرت حسن بصری نے یوم اقول پڑھا ہے۔ حضرت ابن مسعود اور دوسرے علماء نے اسے یوم یقال پڑھا ہے یوم کو نصب دی ہے کیونکہ اس کا معنی یہ بنتا ہے میرے ہاں اس روز قول نہیں بدلا جائے گا جس روز ہم جہنم سے کہیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں عامل فعل مقدر ہے وہ منذرھم ہے کیونکہ پہلے وعدہ گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھرے گا۔ اس استفہام کا یہ مدعا ہے کہ خبر کی تصدیق کی جائے، وعدہ کو ثابت کیا جائے، دشمنوں کو خبردار کیا جائے اور تمام بندوں کو متنبہ کیا جائے۔ جہنم کہے گی: کیا کوئی اور بھی ہے میرے اندر تو کوئی جگہ باقی نہیں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی جگہ یا گھر چھوڑا ہے'' یعنی کچھ نہیں چھوڑا۔ کلام کا معنی انکار ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ استفہام، استہزاء کے معنی میں ہو، یعنی کیا کوئی اور ہے کہ میں زیادہ ہو جاؤں؟ یہ دونوں وجوہ کے لیے مناسب ہے کیونکہ استفہام میں انکار کی کوئی صورت موجود ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہاں کوئی قول نہیں ہو گا یہ ضرب المثل کے طریقہ پر کلام ہے یعنی اس کی جو حالت ظاہر ہو گی وہ اس کے ناطق ہونے کے قائم مقام ہو گی؛ جس طرح شاعر نے کہا:

امتلأ الحوضُ وقال قَطْنِي　　مَهْلًا رُوَيْدًا قَدْ مَلأْتَ بَطْنِي (1)

حوض بھر گیا اور کہا: میرے لیے کافی ہے مہلت دو تحقیق تو نے میرے پیٹ کو بھر دیا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 353

یہ مجاہد اور دوسروں کی تفسیر ہے یعنی کیا مجھ میں کوئی راستہ ہے میں بھر چکی ہوں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ آگ کو قوت گویائی عطا فرمائے گا یہاں تک کہ وہ بولے گی جس طرح اعضاء بولیں گے۔

یہ صحیح ترین قول ہے جس طرح ہم نے سورۂ فرقان میں بیان کیا ہے۔ صحیح مسلم، صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں ہے کہ حضرت انس بن مالک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے فرمایا: ''جہنم میں لگاتار پھینکا جاتا رہے گا اور وہ کہتی رہے گی کیا کوئی اور ہے یہاں تک کہ اللہ رب العزت اپنا قدم اس میں رکھے گا تو اس کا بعض بعض کی طرف لپٹ جائے گا اور وہ کہے گی تیری عزت اور کرم کی قسم بس بس۔ جنت میں لگاتار اضافہ ہوتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے مخلوق پیدا فرمائے گا اور جنت کے زائد حصے میں انہیں سکونت عطا فرمائے گا'' (1)۔ الفاظ مسلم شریف کے ہیں۔

ایک اور روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے: ''جہاں تک جہنم کا تعلق ہے وہ نہیں بھرے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا رجل رکھے گا تو وہ عرض کرے گی بس بس۔ اس موقع پر وہ بھر جائے گی اور اس کا بعض بعض کی طرف سمٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے مخلوق میں سے کسی پر بھی ظلم نہیں فرمائے گا۔ جہاں تک جنت کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مخلوق پیدا فرمائے گا'' (2)۔ ہمارے علماء نے کہا: جہاں تک یہاں قدم کا تعلق ہے اس سے مراد وہ قوم ہے جنہیں اللہ تعالیٰ آگ کی طرف پہلے بھیجے گا۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے ہے کہ جہنمی ہیں۔ اسی طرح رجل ہے اس سے مراد لوگوں اور دوسروں کی کثیر تعداد ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے:

رأیت رجلا من الناس و رجلًا من جراد

میں نے لوگوں کی کثیر تعداد اور ٹڈی دل کی کثیر تعداد دیکھی۔

شاعر نے کہا:

فمرّبنا رِجلٌ من النّاس و انزوَی إلیهم من الحيّ الیمانینَ أرجُلُ

ہمارے پاس سے لوگوں کی کثیر تعداد گزری اور ان کے ساتھ یمنی قبائل کی کثیر تعداد شامل ہوگئی۔

اس معنی کی وضاحت وہ روایت کرتی ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: جہنم میں کوئی گھر، زنجیر، ہنٹر اور تابوت نہیں مگر اس پر جہنمی نام لکھا ہوا ہے۔ ہر داروغہ اس جہنمی کا انتظار کرتا ہے جس کا نام اور اس کی صفت اس نے پہچان رکھی ہے۔ جب ان میں سے ہر کوئی اس کو پورا پورا لے لیتا ہے جس کا اسے حکم دیا گیا اور جس کا وہ انتظار کر رہا تھا اور ان میں سے کوئی باقی نہ رہا تو داروغوں نے کہا: بس بس ہمیں کافی ہے، ہمیں کافی ہے۔ اس وقت جہنم ان پر سمٹ جائے گی جو اس میں ہوں گے اور جس کا انتظار کیا جا رہا تھا جب ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا تو وہ سکڑ جائے گی۔ وہ جماعت جس کا انتظار کیا جا رہا تھا اسے قدم اور رجل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس تاویل کی تائید حدیث بھی کرتی ہے ''جنت میں لگاتار اضافہ ہوتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے مخلوق پیدا فرمائے گا اور جنت کے زائد حصہ میں انہیں سکونت عطا کرے گا'' (3)۔ ہم نے اس کی اور

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنة، باب النار یدخلون فیها الجبارون، جلد 2، صفحہ 382 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

وضاحت کی ہے اور کتاب الاسماء والصفات میں اس کو بیان کیا ہے جو الکتاب الاسنی کا حصہ ہے۔ الحمدللہ۔

نضر بن شمیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: حتی یضع الجبار فیھا قدمہ کا یہ معنی کیا ہے جس کے بارے میں پہلے سے علم ہے کہ وہ جہنمی ہے۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ۝ یعنی جنت ان کے قریب کردی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہے دنیا میں ہی جنت میں داخل ہونے سے پہلے جنت ان کے قریب کردی جائے گی، یعنی ان کے دلوں کے اسے قریب رکھا گیا ہے جب انہیں کہا جائے گا: معاصی سے اجتناب کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جنت میں داخل ہونے کے بعد اس کے مواضع اس کے قریب کردیئے جائیں گے وہ دور نہ ہوں گے۔ غَيْرَ بَعِيْدٍ وہ ان سے دور نہ ہوں گے۔ یہ کلام تاکید ہے۔

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ یعنی انہیں کہا جائے گا: یہ وہ جزا ہے جس کا تم سے دنیا میں رسولوں کی زبانوں سے وعدہ کیا گیا تھا عام قرأت تُوْعَدُوْنَ ہے۔ تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ ہے، ابن کثیر نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ غائب کا صیغہ ہے کیونکہ اس کا ذکر متقین کے بعد آیا ہے۔

لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ۝، اَوَّابٍ سے مراد معاصی سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں (وہ پھر لوٹتا ہے) اور گناہ کرتا ہے اور پھر گناہ سے توبہ کرتا ہے؛ ضحاک اور دوسرے علماء نے یہی قول کیا ہے۔ حضرت ابن عباس اور عطا نے کہا: اَوَّابٍ سے مراد تسبیح کرنے والا ہے (1)۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے یٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ (سبا:10) حکیم بن عتبہ نے کہا: اس سے مراد تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ہے۔ شعبی اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد وہ ہے جو خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کرتا ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ سے عفو کا طالب ہوتا ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے۔ عبید بن عمیر نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جو کسی مجلس میں نہیں بیٹھتا یہاں تک کہ وہ اس مجلس میں اللہ تعالیٰ سے بخشش کا طالب ہوتا ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے ہم یہ بات چیت کیا کرتے تھے کہ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ سے مراد وہ ہے جب وہ اپنی مجلس سے اٹھتا ہے تو وہ سبحان اللہ و بحمدہ کہتا ہے اور یوں دعا کرتا ہے اے اللہ! میں تجھ سے اس گناہ پر بخشش کا طالب ہوں جو میں نے اس مجلس میں کیے ہیں۔ حدیث میں ہے "جب کوئی آدمی اپنی مجلس سے اٹھتے وقت کہے: سبحانك اللهم و بحمدك لا إله إلا أنت أستغفرك و أتوب إليك تو اس مجلس میں اس سے جو غلطی سرزد ہوئی تھی اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے" (2)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہی دعا کیا کرتے تھے۔ ایک عالم نے کہا: میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں کہوں أستغفرك و أسالك التوبة اور میں یہ کہنا پسند نہیں کرتا کہ میں کہوں: و أتوب إليك مگر میں جب حقیقی توبہ کروں۔

میں کہتا ہوں: یہ بہت اچھا ہے اور اس میں حدیث کی اتباع ہے۔ ابو بکر وراق نے کہا: اواب سے مراد خوشحالی اور تنگدستی میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والا ہے۔ قاسم نے کہا: اس سے مراد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی میں دل نہیں لگاتا۔

حَفِيْظٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جس نے اپنے گناہ یاد رکھے یہاں تک کہ ان سے

1۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 199 2۔ جامع ترمذی کتاب الدعوات، باب ما یقول اذا قام من المجلس، حدیث 3355 ضیاء القرآن پبلی کیشنز

رجوع کیا(1)۔ قتادہ نے کہا: حَفِيْظٍ سے مراد یہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا حق اور نعمت عطا کی اور اسے اس پر امین بنایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے مراد اللہ تعالیٰ کے امر کی حفاظت کرنے والا ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے حق کی حفاظت کرتا ہے اس کا اعتراف کر کے اور شکر کر کے اس کی نعمت کو یاد کرتا ہے۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وصیت کو قبول کر کے وصیت کو یاد رکھنے والا ہے۔ مکحول نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے دن کے پہلے پہر میں چار رکعت نماز (نفل) پر مواظبت اختیار کی تو وہ اواب و حفیظ ہے''(2) یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ، مَنْ محل جر میں ہے کیونکہ یہ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ سے بدل ہے یا یہ اواب سے صفت ہے۔ نئے جملہ کے طریقہ پر یہ محل رفع میں بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی خبر ادْخُلُوْهَا ہے۔ یہ تعبیر اس صورت میں ہوگی کہ جواب شرط حذف ہو گا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: فیقال لھم ادخلوھا۔

خشیۃ بالغیب سے مراد ہے کہ تو اس سے ڈرے جب کہ تو نے اسے دیکھا نہ ہو۔ ضحاک اور سدی نے کہا: یعنی وہ خلوت میں ڈرے جب کہ اسے کوئی دیکھ نہ رہا ہو۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جب وہ پردہ لٹکا دے اور دروازہ بند کر دے (3)۔

وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ﴿۳۳﴾، مُّنِيْبٍ سے مراد طاعت پر توجہ کرنے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد مخلص ہے۔ ابو بکر وراق نے کہا: منیب کی نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کو جاننے والا ہو، اس سے دوستی رکھنے والا ہو، اس کے جلال کے سامنے تواضع کرنے والا ہو اور اپنی خواہش نفس کو ترک کرنے والا ہو۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال بھی موجود ہو کہ قلب منیب سے مراد قلب سلیم ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ (شعراء) جس طرح یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ادْخُلُوْهَا اس صفت کے حامل افراد کو کہا جائے گا: ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾ یعنی عذاب سے سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی جانب سے ان پر سلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نعمت کے زوال سے سلامتی ہے فرمایا: ادْخُلُوْهَا۔ کلام کے شروع میں ہے مَنْ خَشِيَ کیونکہ مَنْ جمع کے معنی میں ہے۔

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا یعنی ان کے نفوس جو چاہیں گے اور اس کی آنکھیں جس سے لذت حاصل کریں گے۔ وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾ یعنی ان کے لیے زائد نعمتیں ہوں گی جو ان کے دل میں کھٹکی تک نہیں۔ حضرت انس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''مَزِيْدٌ سے مراد اللہ تعالیٰ کا بغیر کیفیت کے دیدار کرنا ہے''۔ احادیث مرفوع میں بھی اس کی یہی تعبیر آئی ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے؛ ابن مبارک اور یحییٰ بن سلام دونوں نے ذکر کیا ہے۔ مسعودی، منہال بن عمرو سے وہ ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ''جمعہ کی طرف جلدی کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر جمعہ کو اہل جنت کے لیے سفید کافور کے ٹیلہ میں ظہور فرماتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے نوازے جاتے ہیں''۔ ابن مبارک

1۔ تفسیر طبری، جز26، صفحہ 200 2۔ تفسیر ماوردی، جلد5، صفحہ 354-353 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد5، صفحہ 67

نے کہا: اس کا قرب اس قدر ہو گا جس قدر وہ دنیا میں جمعہ کی طرف جلدی کرتے تھے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ دنیا میں جمعہ کے لیے جس قدر تیزی کیا کرتے تھے۔ اور یہ زائد ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ کرامت میں سے ان کے لیے ایسی چیز پیدا فرمائے گا جو انہوں نے اس سے قبل نہیں دیکھی ہو گی۔ یحییٰ نے کہا: میں نے مسعودی کے علاوہ سے سنا کہ وہ اپنی روایت میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا اضافہ کرتے وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ۔

میں کہتا ہوں: روایت میں فی کثیب سے مراد ہے کہ جنتی کافور کے سفید ٹیلے پر ہوں گے، جس طرح حضرت حسن بصری سے ایک مرسل روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جنتی ہر جمعہ کو اپنے رب کا دیدار کریں گے جب کہ وہ کافور کے ٹیلہ پر ہوں گے'' (1)۔ ہم نے اس کا ذکر کتاب التذکرہ میں کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ''مَزِيْدٌ سے مراد ہے کہ ان کی شادیاں حور عین سے کر دی جائیں گی'' اسے حضرت ابوسعید خدری نے مرفوع نقل کیا ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ۭ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ڰ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝

''اور قریش مکہ سے پہلے ہم نے برباد کر دیا بہت سی قوموں کو جو شوکت و قوت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں وہ گھومتے رہتے شہروں میں، کیا انہیں عذاب الٰہی سے کوئی پناہ ملی۔ بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل (بینا) رکھتا ہو یا (کلام الٰہی) کان لگا کر سنے متوجہ ہو کر۔ اور ہم نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں اور ہمیں تھکن نے چھوا تک نہیں''۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی قوم سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہم نے ہلاک کیا جب کہ وہ ان سے زیادہ طاقت اور قوت والے تھے۔ فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ وہ شہروں میں چلے تاکہ بھاگ جانے کی کوئی جگہ تلاش کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے شہروں میں اثرات چھوڑے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: انہوں نے سفر کیا اور چکر لگایا۔ نضر بن شمیل نے کہا: انہوں نے چکر لگایا۔ قتادہ نے کہا: انہوں نے طواف کیا۔ معرج نے کہا: وہ دور تک چلے گئے؛ اسی معنی میں امراء القیس کا شعر ہے:

وقد نَقَّبْتُ في الآفاق حَتَّى رَضِيتُ من الغنيمةِ بالإيابِ (2)

میں آفاق میں دور تک گیا یہاں تک کہ میں غنیمت کی بجائے لوٹ آنے پر راضی ہو گیا۔

پھر یہ کہا گیا: انہوں نے تجارت کی غرض سے دور دراز شہروں میں چکر لگایا، کیا انہوں نے موت سے بچنے کی کوئی جگہ پائی۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے شہروں میں چکر لگایا وہ موت سے بچنے کی کوئی پناہ چاہتے تھے۔ حارث بن حلزہ نے کہا:

نَقَّبُوا في البلادِ من حَذَرِ الموتِ وجَالُوا في الأرضِ كُلَّ مَجَالِ (3)

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 67 | 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 355 | 3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 390

وہ موت کے ڈر سے شہروں میں گھومے پھرے اور زمین میں ہر جگہ چکر لگایا۔

حضرت حسن بصری اور ابو العالیہ نے فنقبوا پڑھا ہے۔ نقب کا معنی پھاڑنا اور کسی شے میں داخل ہونا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: نقب کا معنی پہاڑ میں راستہ ہے؛ اسی سے منقب اور منقبہ ہے۔ یہ ابن سکیت سے مروی ہے نقب الجدار نقبا اس نے دیوار کو پھاڑا اور اندر داخل ہو گیا۔ اس نقبہ کا نام نقب بھی ہے نقب کی جمع نقوب بھی ہے۔ سلمٰی اور یحییٰ بن یعمر نے فنقبوا پڑھا ہے صیغہ امر کا ہے اور دھمکی کے لیے ہے یعنی شہروں میں گھومو پھرو اور اس میں چلو اور دیکھو۔

هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۝ کیا موت سے بھاگ جانے کی کوئی جگہ ہے؛ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے۔ قشیری نے اسے فنقِبوا قاف کے کسرہ اور تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وہ اس میں زیادہ چلے یہاں تک کہ ان کی سواریوں کے پاؤں گھس گئے۔ جوہری نے کہا: نقب البعیر جب اس کے پاؤں گھس جائیں۔ انقب الرجل جب آدمی کے اونٹ کے پاؤں گھس جائیں۔ نقب الخف الملبوس جب پہنا ہوا موزہ پھٹ گیا۔ محیص یہ حاص یحیص کا مصدر ہے اس کا مصدر حیصا، حیوصا، محیاصا، محاصا اور حیصانا بھی آتا ہے معنی پھر جانا، بھٹک جانا۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: ما عنه محیص یعنی کوئی بھاگنے کی جگہ نہیں۔ انحیاص بھی اس کی مثل ہے حمایتیوں کے لیے کہا جاتا ہے: حاصوا عن العدو اور دشمنوں کے لیے کہا جاتا ہے: انهزموا دونوں کا معنی بھاگ گئے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى یعنی اس صورت میں جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ نصیحت ہے۔ **لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ** یعنی جس کی عقل ہو جس کے ساتھ وہ سوچ و بچار کرے۔ قلب، عقل سے کنایہ ہے کہ دل عقل کی جگہ ہے؛ یہ معنی مجاہد اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس کی زندگی اور امتیاز کرنے والا نفس ہو۔ زندہ نفس کو دل سے تعبیر کیا ہے کیونکہ دل نفس کا وطن اور زندگی کا معدن ہے؛ جس طرح امرء القیس نے کہا:

أَغَرَّكِ مِنِّي أَنَّ حُبَّكِ قَاتِلِي　　وَأَنَّكِ مَهْمَا تَأْمُرِي الْقَلْبَ يَفْعَلِ(1)

تجھے میرے بارے میں اس چیز نے دھوکہ میں مبتلا کر دیا ہے کہ تیری محبت مجھے قتل کرنے والی ہے اور تو دل کو جو حکم دے گی وہ کر گزرے گا۔

قرآن حکیم میں ہے: **لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا** (یٰسین: 60) یحییٰ بن معاذ نے کہا: دل دو قسم کے ہیں (۱) جو دنیا کے مشاغل سے بھرا ہوتا ہے یہاں تک کہ جب امور آخرت میں سے کوئی امر اسے لاحق ہوتا ہے وہ نہیں جانتا کہ کیا کرے (۲) اور دوسرا ایسا دل ہے جو آخرت کی ہولناکیوں سے بھرا ہوتا ہے جب امور دنیا میں سے کوئی اسے لاحق ہوتا ہے تو وہ نہیں جانتا کہ کیا کرے کیونکہ اس کا دل آخرت میں گم ہوتا ہے۔

اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ یعنی وہ قرآن سنے عرب کہتے ہیں اَلْقِ الی سمعك یعنی میری بات سنو۔ سورۂ طہٰ میں سننے کی کیفیت اور اس کا ثمرہ گزر چکا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 356

وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿٣٧﴾ یعنی دل حاضر ہو۔ زجاج نے کہا: جو سن رہا ہے اس میں دل حاضر ہو۔ سفیان نے کہا: ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ خود حاضر ہو اور دل غائب ہو۔ پھر یہ کہا گیا ہے: آیت اہل کتاب کے لیے ہے؛ یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ یہودیوں اور نصاریٰ کے بارے میں خاص ہے(1)۔ محمد بن کعب اور ابو صالح نے کہا: یہ اہل قرآن کے بارے میں خاص ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿٣٨﴾ سورۂ اعراف اور دوسری سورتوں میں بحث گزر چکی ہے۔ لُغُوْبٍ کا معنی تھکاوٹ ہے۔ تو اسی معنی میں کہتا ہے: لَغَب یلغب لغوبا اور لغِب یلغَب لغوبا۔ اس میں ضعیف لغت ہے الغبته انا یعنی میں نے اسے تھکا دیا۔ قتادہ اور کلبی نے کہا: یہ آیت مدینہ طیبہ کے یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی (2) جنہوں نے یہ گمان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا ان میں سے پہلا دن اتوار اور آخری جمعہ تھا اور ہفتہ کے روز آرام کیا تو انہوں نے اسے راحت بنا دیا اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بارے میں جھٹلایا۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿٣٩﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿٤٠﴾

"پس آپ صبر فرمائیے ان کی (دل دکھانے والی) باتوں پر اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے اور رات کے وقت بھی اس کی پاکی بیان کیجئے اور نمازوں کے بعد بھی"۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہے مشرک جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کرنے کا حکم دیا، یعنی ان کے امر کو اپنے اوپر آسان کر دیجئے۔ یہ جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے نازل ہوئی یہ منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کے لیے ثابت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے یہودی جو کہتے ہیں ان کے قول پر صبر کیجئے کہ ان کا قول یہ تھا: اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے روز آرام کیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿٣٩﴾ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد پانچ نمازیں ہیں۔ ابو صالح نے کہا: طلوع شمس سے پہلے صبح کی نماز ہے، غروب سے پہلے عصر کی نماز ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ نے اسے مرفوع نقل کیا ہے کہا ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جب کہ آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا فرمایا: "خبردار! تم اپنے رب کا دیدار یوں کرو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھتے ہو تم اس کے دیدار کے لیے باہم بھیڑ نہیں کرو گے۔ اگر تم طاقت رکھو کہ سورج کے طلوع اور اس کے غروب سے پہلے کی نماز پر تم مغلوب نہ ہو۔ یعنی عصر اور فجر کی نماز" (3)۔ پھر جریر نے اس آیت کی تلاوت کی۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور الفاظ مسلم شریف کے ہیں۔ حضرت ابن عباس

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 68	2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 356

3۔ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب فضل صلوٰۃ العصر، جلد 1، صفحہ 78

رضی اللہ عنہما نے کہا: قَبْلَ الْغُرُوْبِ سے مراد ظہر اور عصر کی نماز ہے اور وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ سے مراد مغرب اور عشاء کی نماز ہے۔
ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ تسبیح بالقول سے مراد سورج کے طلوع اور غروب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا ہے(1)؛ یہ عطا خراسانی اور ابوالاحوص کا نقطہ نظر ہے۔ بعض علماء نے کہا: قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ سے مراد فجر کی دو رکعتیں ہیں اور قَبْلَ الْغُرُوْبِ سے مراد مغرب کی نماز سے قبل دو رکعتیں ہیں۔ ثمامہ سے روایت مروی ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مغرب کے فرائض سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔
صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ہم مدینہ طیبہ میں تھے جب موذن مغرب کی اذان دیتا تو صحابہ ستونوں کی طرف جلدی کرتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے یہاں تک کہ اجنبی آدمی جب مسجد میں داخل ہوتا تو وہ گمان کرتا کہ نماز پڑھی جا چکی ہے کیونکہ نماز پڑھنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی۔ قتادہ نے کہا: میں نے حضرت انس اور حضرت ابو برزہ اسلمی کے سوا کسی کو یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ۝ اس میں چار قول ہیں (۱) رات کے وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنا؛ یہ ابوالاحوص کا قول ہے (۲) یہ تمام رات کی نماز ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے (۳) یہ صبح کی دو رکعتیں ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے (۴) یہ عشاء کی نماز ہے؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔ ابن عربی نے کہا: جس نے کہا اس سے مراد رات کے وقت تسبیح ہے تو اس کی تائید صحیح روایت کرتی ہے "جو رات کو جاگا اور کہا: لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم "(2) جس نے کہا: یہ رات کی نماز ہے نماز کو تسبیح کہتے ہیں کیونکہ نماز میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح ہوتی ہے اس معنی میں سبحۃ الضحی (چاشت کے نوافل) ہے۔ جس نے کہا: اس سے مراد فجر یا عشاء کی نماز ہے کیونکہ دونوں رات کی نمازیں ہیں اور عشاء ان میں سے واضح ترین ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ۝ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابوہریرہ، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہم، حضرت حسن بصری، امام نخعی، امام شعبی، امام اوزاعی اور زہری نے کہا: اَدْبَارَ السُّجُوْدِ سے مراد مغرب کے بعد دو رکعتیں ہیں اور ادبار النجوم سے مراد فجر سے پہلے دو رکعتیں ہیں؛ اسے عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، حضرت ابن عباس نے اسے مرفوع نقل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "نماز مغرب کے بعد دو رکعتیں اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ہے"۔ اسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے اور ماوردی کے الفاظ ہیں؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک رات گزاری تو آپ نے فجر کے فرائض سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی پھر مسجد کی طرف نکلے فرمایا: "اے ابن عباس! فجر کی نماز سے پہلے دو رکعتیں ادبار النجوم ہیں اور مغرب کے بعد دو رکعتیں اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ہیں"(3)۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 356 2۔ صحیح بخاری، کتاب التہجد باب فضل من تعار من اللیل، جلد 1، صفحہ 155
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 357

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جس نے مغرب کی نماز کے بعد گفتگو سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی تو اس کی نماز علیین میں لکھ لی گئی“۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: پہلی رکعت میں قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ۝ اور دوسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۝ پڑھی۔ مقاتل نے کہا: اس کا وقت اس وقت تک ہے جب تک شفق احمر غائب نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: مراد نماز وتر ہے۔ ابن زید نے کہا: یہ فرائض کے بعد نوافل ہیں یعنی ہر فرض نماز کے بعد دو رکعات ہیں۔ نحاس نے کہا: ظاہر اس قول پر دلالت کرتا ہے مگر زیادہ موزوں اکثر کی اتباع ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے یہی صحیح ثابت ہے۔ ابو احوص نے کہا: اس سے مراد نماز کے بعد تسبیح ہے۔ ابن عربی نے کہا: جو نظر و فکر میں قوی ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے: لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد(1)۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ وحدہ لاشریک ہے اس کے لیے بادشاہی ہے، وہی حمد کے لائق ہے، وہ ہر شے پر قادر ہے۔ اے اللہ! جو تو عطا کرے اس کو روکنے والا کوئی نہیں اور جو تو روک لے اس کو عطا کرنے والا کوئی نہیں اور کسی صاحب مال کو مال نفع دینے والا نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حکم فرائض کے ساتھ منسوخ ہو گیا ہے پانچ نمازوں کے علاوہ کوئی نماز فرض نہیں، اسے ایک جماعت نے نقل کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ نافع، ابن کثیر اور حمزہ نے اِدْبَارَ السُّجُوْدِ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ ادبر الشیٔ سے مصدر ہے جب وہ پھرے۔ باقی نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ دبر کی جمع ہے؛ یہ حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عباس کی قرأت ہے۔ اس کی مثل طنب اور اطناب ہے یا یہ دُبُر کی جمع ہے جس طرح قفل اور اقفال آتی ہے۔ علماء نے اسے ظرف کے طور پر استعمال کیا ہے جس طرح تو کہتا ہے: جئتك في دبر الصلوة وفي أدبار الصلوة سورۂ طہٰ کے آخر میں جو وادبار النجوم ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں اس سے مراد اس کی روشنی کا چلے جانا ہے جب فجر ثانی طلوع ہو۔ فجر ثانی سے مراد وہ سفیدی ہے جو رات کی سیاہی سے پھوٹتی ہے۔

وَ اسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ وَ اِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۫ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلوٰۃ، جلد 2، صفحہ 937

''اور کان کھول کر سنو اس دن کے بارے میں جب پکارنے والا قریب سے پکارے گا جس دن سنیں گے سب لوگ ایک گرج دار آواز بالیقین وہی دن (قبروں سے) نکلنے کا دن ہوگا۔ بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف ہی (سب نے) لوٹنا ہے جس روز زمین پھٹ جائے گی ان کے اوپر سے جلدی سے نکل پڑیں گے یہی حشر ہے، یہ ہمارے لیے بالکل آسان ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں پس آپ نصیحت کرتے رہیے اس قرآن سے ہر اس شخص کو جو (میرے) عذاب سے ڈرتا ہے''۔

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۞ اسْتَمِعْ کا مفعول محذوف ہے مراد ہے ندا اور آواز کو سنو یا صیحہ کو سنو۔ اس سے مراد صیحہ قیامت ہے اور وہ نفحہ ثانیہ ہے ندا کرنے والے جبریل امین ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حضرت اسرافیل ہیں۔ زمخشری نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے اور حضرت جبریل امین منادی کریں گے، وہ حشر بپا ہونے کا اعلان کریں گے، وہ کہیں گے: حساب کے لیے آؤ۔ اس تعبیر کی بنا پر ندا میدان حشر میں ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسْتَمِعْ کا مفعول یہ نداء الکفار ہے وہ ویل اور ہلاکت کی ندا کریں گے یعنی قریب سے اس ندا کو سنو، یعنی سب اس آواز کو سنیں گے کوئی بھی اس نداء سے دور نہیں ہوگا۔ عکرمہ نے کہا: رحمن کا منادی ندا کرے گا گویا وہ ان کے کانوں میں ندا کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مکان قریب سے مراد بیت المقدس کا صخرہ ہے۔

ایک قول یہ کیا جاتا ہے: یہی زمین کا وسط ہے اور زمین کا یہ حصہ آسمان سے دوسری جگہ کی بنسبت بارہ میل قریب ہے۔ کعب نے کہا: اٹھارہ میل قریب ہے۔ پہلا قول زمخشری اور قشیری نے نقل کیا ہے۔ دوسرا قول ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ حضرت جبرئیل امین یا حضرت اسرافیل صخرہ پر کھڑے ہوں گے وہ حشر بپا ہونے کا اعلان کریں گے: اے بوسیدہ ہڈیو! اور ٹوٹے ہوئے جوڑو! اے فنا ہونے والے کفنو! اے خالی دلو! اے فاسد بدنو! اے بہنے والی آنکھ! رب العالمین کے حضور پیشی کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد حضرت اسرافیل ہیں جو صور والے ہیں۔

يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ، الصَّيْحَةَ سے مراد دوبارہ اٹھائے جانے کا صیحہ ہے خروج کا معنی حساب کے لیے جمع ہونا ہے۔ **ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ** ۞ یعنی یہ قبروں سے نکلنے کا دن ہے۔ **اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ** یعنی ہم زندوں کو موت دیتے ہیں اور مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ یہاں حقیقت کو ثابت کیا۔ **يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا** یعنی وہ منادی جو صور پھونکنے والا ہے وہ اس کی آواز پر جلدی سے بیت المقدس کی طرف جائیں گے۔

ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ۞ یعنی آسان ہے۔ کوفیوں نے پڑھا تشقق یعنی شین تخفیف کے ساتھ ہے اور پہلی تاء محذوف ہے باقی قراء نے تاء کو شین میں مدغم کیا ہے۔ ابن محیصن، ابن کثیر اور یعقوب نے المنادی کی یاء کو اصل پر دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے نافع اور ابو عمرو نے فصل میں ثابت رکھا ہے کسی اور صورت میں ثابت نہیں رکھا۔ باقی قراء نے

دونوں حالتوں میں اسے حذف کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: سنت نے اس آیت کی مزید وضاحت کر دی ہے امام ترمذی نے حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے شام کی طرف اشارہ کیا فرمایا: ''یہاں سے لے کر وہاں تک تمہیں جمع کیا جائے گا تم سوار اور پیدل ہو گے، قیامت کے روز تمہیں منہ کے بل گھسیٹا جائے گا، تمہارے مونہوں پر فدام (وہ چیز جو جانوروں کے منہ پر چڑھا دی جاتی ہے تا کہ وہ چر نہ سکے) ہو گا تم ستر امتوں کو پورا کرو گے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بہترین اور معزز ہو گے تمہاری جانب سے سب سے پہلے جو چیز حقیقت حال کا اظہار کرے گی وہ تمہاری ران ہو گی''۔ ایک دوسری روایت میں ہے ''تمہاری ران اور تمہاری ہتھیلی ہو گی''۔

علی بن سعید نے حضرت ابو ہریرہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اس میں ہے: ''اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل سے فرمائے گا دوبارہ اٹھانے کا نفخہ پھونکو وہ صور پھونکیں گے تو روحیں شہد کی مکھیوں کی طرح نکل پڑیں گی وہ زمین و آسمان کو بھر دیں گے اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میری عزت و جلال کی قسم! ہر روح اپنے جسم میں لوٹ جائے تو روحیں زمین میں اپنے جسموں میں داخل ہو جائیں گی پھر وہ ناک کے بانسوں میں داخل ہوں گی تو وہ روحیں جسموں میں یوں سرائیت کر جائیں گی جس طرح زہر اس ذات میں سرایت کرتی ہے جس کو ڈسا گیا ہو پھر زمین پھاڑ دی جائے گی میں وہ پہلا شخص ہوں گا جس سے زمین پھٹے گی تم زمین سے نوجوانوں کی طرح اٹھو گے سب کی عمریں تئیس 23 سال کی ہوں گی اس روز زبان سریانی ہو گی'' اور حدیث بیان کی میں نے ان کا اور دوسرے لوگوں کا ذکر اپنی کتاب ''التذکرہ'' میں مفصل کیا ہے۔ الحمد للہ۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وہ جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور جو آپ کو گالیاں دیتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے۔ **وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ** یعنی آپ ان پر مسلط نہیں کہ آپ انہیں اسلام کی طرف زبردستی لے آئیں یہ آیت جہاد والی آیت کے ساتھ منسوخ ہے۔ جبار جبریہ سے مشتق ہے۔ جبار کو مجبر کے معنی میں نہیں لایا جاتا۔

جس طرح خراج مخرج کے معنی میں نہیں ہوتا؛ قشیری نے اسے بیان کیا ہے۔ نحاس نے کہا: معنی ہے آپ انہیں مجبور کرنے والے نہیں یہ سراسر غلطی ہے کہ افعل سے مفعل کے معنی میں نہیں ہوتا۔ ثعلبی نے حکایت بیان کی ہے فعال کا صیغہ مفعل کے معنی میں آتا ہے جب کہ یہ شاذ ہے جبار، مجبر کے معنی میں دراك، مدرك کے معنی میں، سماع، مسمع کے معنی میں بكاء، مبك کے معنی میں اور عداء، معد کے معنی میں ہے۔ رشاد، مرشد کے معنی میں ہے اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اسی طرح **اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ** (الکہف: 79) پڑھا گیا ہے جو مسکین کے معنی میں ہے۔ ابو حامد خارزنجی نے کہا: عرب کہتے ہیں سیف سقاط یہاں سقاط، مسقط کے معنی میں ہے، ایک قول یہ کیا گیا ہے: جبار کا معنی مسیطر ہے، جس طرح سورۂ غاشیہ میں ہے **لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ** ﴿۲۲﴾۔ فراء نے کہا: میں نے

ایک عرب سے سنا جو کہہ رہا تھا جبرۃ علی الأمر یعنی اس پر سختی سے لازم کیا۔ اس لغت کی بنا پر جبار کو قہر کے معنی میں لینا صحیح ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جبار یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے جبرۃ علی الامر فلاں نے اسے مجبور کیا۔ یہ لغت کنانیہ ہے یہ دونوں لغتیں ہیں۔ جوہری نے کہا: اجبرتہ علی الامر یعنی میں نے اسے امر پر مجبور کیا۔ اجبرتہ کا معنی ہے میں نے اسے جبر کی طرف منسوب کیا جس طرح تو کہتا ہے: اکفرتہ یعنی تو نے اسے کفر کی طرف منسوب کیا۔

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! کاش آپ ہمیں ڈراتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی جو میری نافرمانی کرے گا میں نے اس کے لیے عذاب تیار کر رکھا ہے (1)۔ وعید سے مراد عذاب اور وعد سے مراد ثواب ہے۔ شاعر نے کہا:

وانّی وانْ أَوْعَدْتُهُ أو وَعَدْتُهُ　لَمُخْلِفُ إِيعَادِی و مُنْجِزُ مَوْعِدِی

اگر میں اسے دھمکی دوں یا اس سے وعدہ کروں میں اپنی دھمکی کی خلاف ورزی کرنے والا اور اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہوں۔

قتادہ یوں دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے بنادے جو تیری دھمکی سے ڈرتے ہیں اور تیرے وعدہ کی امید رکھتے ہیں۔ یعقوب نے دونوں حالوں میں وعیدی کی یاء کو ثابت رکھا ہے۔ ورش نے وصل میں ثابت رکھا ہے اور وقف میں گرا دیا ہے اور باقی قراء نے دونوں حالتوں میں اسے حذف کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 359

سورۂ ذاریات

ایاتہا ٦٠ ٥١ سورۃ الذریت مکیۃ ٦٧ رکوعاتہا ٣

تمام علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے، اس کی ساٹھ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۝١ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝٢ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝٣ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۝٤ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۝٥ وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝٦

"قسم ہے ان ہواؤں کی جو اڑا کر بکھیرنے والی ہیں پھر ان بادلوں کی جو (بارش کا) بوجھ اٹھانے والے ہیں پھر کشتیوں کی جو آہستہ چلنے والی ہیں پھر فرشتوں کی جو حکم (الٰہی) سے بانٹنے والے ہیں بے شک جو وعدہ تم سے کیا گیا ہے وہ سچا ہے اور یقیناً جزاء و سزا کا دن ضرور آئے گا"۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۝ ابوبکر انباری نے کہا عبداللہ بن ناجیہ، یعقوب بن ابراہیم سے وہ مکی بن ابراہیم سے وہ جعید بن عبدالرحمن سے وہ یزید بن خصیفہ سے وہ سائب بن یزید سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کی: میں ایک آدمی کے پاس سے گزرا وہ مشکل القرآن کی تفسیر کے بارے میں پوچھتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی: اے اللہ! مجھے اس پر قدرت دے۔ ایک روز وہ آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ وہ لباس اور عمامہ زیب تن کیے ہوئے تھا جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن کی تلاوت کر رہے تھے جب آپ قرآن پڑھنے سے فارغ ہوئے تو وہ آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: اے امیر المومنین! وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا کیا ہے؟ حضرت عمر اٹھے اپنی آستینیں چڑھائیں اور اسے کوڑے مارنے لگے پھر فرمایا: اسے کپڑے پہناؤ، اسے سواری پر سوار کراؤ اور اسے اس کے قبیلہ تک پہنچا دو پھر ایک خطیب کو چاہیے وہ اٹھے اور کہے کہ صبیغ نے علم کی طلب کی اور علم اسے نصیب نہ ہوا یہ اپنی قوم میں سردار تھا تو وہ اپنی قوم میں ذلیل و رسوا ہو گیا۔

عامر بن واثلہ سے مروی ہے کہ ابن کواء نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے پوچھا عرض کی: اے امیر المومنین! وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا کیا چیز ہے؟ فرمایا: تجھ پر افسوس سمجھنے کے لیے پوچھو سرکشی کے طور پر نہ پوچھو۔ وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا سے مراد ہوائیں ہیں۔ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝ سے مراد بادل ہیں۔ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝ سے مراد کشتیاں ہیں۔ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا سے مراد فرشتے ہیں۔

حرث نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: وَ الذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا سے مراد ہوائیں ہیں (1)۔ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝ سے مراد بادل ہیں جو پانی اٹھاتے ہیں جس طرح چوپائے بوجھ اٹھاتے ہیں (2)۔ فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا ۝ سے مراد کشتیاں ہیں جو بوجھ اٹھاتی ہیں۔ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا سے مراد فرشتے ہیں جو مختلف امور بجالاتے ہیں۔ حضرت جبرئیل امین سختیاں لاتے ہیں، حضرت میکائل رحمت کے حامل ہیں اور ملک الموت موت لاتے ہیں۔ فراء نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مختلف امر لاتے ہیں اس سے مراد خوشحالی، خشک سالی، بارش، موت اور حوادثات ہیں۔ اس کا باب یوں ذکر کیا جاتا ہے ذَرَتِ الرِّیحُ تَذْرُوْہُ ذَرْوًا و تَذْرِیَۃ ذریا۔

پھر یہ کہا گیا ہے: وَالذّٰرِیٰتِ اور مابعد قسمیں ہیں اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کی قسم اٹھاتا ہے تو اس کے لیے شرف کو ثابت کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ذاریات کے رب کی قسم! اس کا جواب اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ ہے یعنی جس خیر، شر، ثواب اور عقاب کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ لَصَادِقٌ ۝ اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ لَصَادِقٌ کا معنی صدق ہے اسم مصدر کی جگہ واقع ہے وَّ اِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ۝ یعنی جزا تم پر واقع ہو رہی ہے۔ پھر دوسری قسم اٹھائی اور فرمایا: وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝ اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذاریات سے مراد بچے جننے والی عورتیں ہیں (3) کیونکہ ان کے جننے سے ہی مخلوق پھیلتی ہے کیونکہ وہ اولاد کو بکھیرتی ہیں تو وہ ذاریات ہوگئیں ان کی قسم اٹھائی کیونکہ ان کے سینے کی ہڈیوں میں اس کے صالح بندوں میں سے بہترین لوگ ہوتے ہیں۔ اس کے لیے عورتوں کو خاص کیا مردوں کا ذکر نہیں کیا اگرچہ اولاد دونوں کی ہوتی ہے اس کی دو وجہیں ہیں (۱) کیونکہ وہ ہی ان کی حفاظت کے برتن ہیں جب کہ مردوں کی یہ صورت نہیں کیونکہ دونوں کے نطفے ان عورتوں کے رحم میں جمع ہوتے ہیں اس لیے ان کا خصوصاً ذکر کیا (۲) ان میں نطفہ طویل وقت تک رہا اور مباشرت میں ان کا زمانہ قریب ہے۔ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝ اس سے مراد بادل ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حاملات سے مراد عورتیں ہیں جب وہ حاملہ ہوتی ہیں (4)۔ وقر واؤ کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد کسی وزنی چیز کو پیٹھ یا پیٹ میں اٹھانا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: جاء یحمل وقرہ۔ وہ بوجھ اٹھائے ہوئے آیا۔ قد أوقر بعیرہ اس نے اپنے اونٹ پر بوجھ لادا۔ وقر کا لفظ عموماً خچر اور گدھے کے سامان اور وسق کا لفظ اونٹ کے سامان کے لیے بولا جاتا ہے۔ ھذہ امراءۃ موقرۃ جب اس عورت نے بھاری بوجھ اٹھایا ہوا ہو۔

اوقرت النخلۃ یہ اس وقت بولتے ہیں جب اس کا پھل زیادہ ہو۔ یہ کہا جاتا ہے: نخلۃ موقرۃ و موقر و موقرۃ۔ موقر بھی ذکر کیا گیا ہے یہ خلاف قیاس ہے کیونکہ فعل نخلہ کے لیے ہے۔ اسے موقر کہا گیا ہے یہ قیاس کے مطابق ہے جس طرح تیرا قول امراۃ حامل ہے کیونکہ درخت کا پھل عورتوں کے حمل کے مشابہ ہے۔ جہاں تک موقر کا تعلق ہے یہ خلاف قیاس ہے۔ لبید کے قول میں یہی روایت کیا گیا ہے وہ کھجور کی تعریف کرتا ہے:

1۔ تفسیر طبری، ج 26، صفحہ 217　　2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 395

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 360　　4۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 361

عَصَبٌ کَوَارِعُ فی خلیجٍ مُحَلِّمٍ حَمَلَتْ فمنها موقَرٌ مَکْمُومُ

محل استدلال موقر ہے۔ اس کی جمع مواقر ہے۔ جہاں تک وقر کا تعلق ہے تو اس سے مراد کان کا بوجھل ہونا ہے یوں باب ذکر کیا جاتا ہے قد وَقِرتْ اُذُنُہ تَوقَرُ وقراً، یعنی وہ بہرا ہو گیا۔ اس کے مصدر میں قیاس تو یہ ہے کہ قاف متحرک ہوتا مگر وہ سکون کے ساتھ آیا ہے۔ اس کے بارے میں بحث سورۃ الانعام میں گزر چکی ہے۔

فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝ مراد کشتیاں ہیں جو ہوا کے ساتھ آسانی سے چلتی ہیں جہاں بھی انہیں چلایا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد بادل ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر اس کے آسانی سے چلنے کی دو صورتیں ہیں (۱) اللہ تعالیٰ انہیں جہاں بھی چلائے وہ شہر ہوں یا قطعہ زمین (۲) ان کا آسانی سے چلنا عربوں کے ہاں یہی معروف ہے جس طرح اعشیٰ نے کہا:

کَأَنَّ مِشْيَتَها مِنْ بيتِ جارتها مَشْيُ السَّحابةِ لَا رَيْثٌ ولاعَجَلُ(1)

گویا اس کا اپنی پڑوسن کے گھر سے چلنا بادل کا چلنا ہے نہ سست روی سے اور نہ تیزی سے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۝ يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۝ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝

''قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں بے شک تم مختلف (بے ربط) باتوں میں پڑے ہو منہ پھیرے ہے اس (قرآن) سے جس کا منہ ازل سے ہی پھیر دیا گیا ہے۔ ستیا ناس ہو اٹکل پچو باتیں بنانے والوں کا جو غفلت کے نشہ میں بے سدھ پڑے ہیں وہ پوچھتے ہیں روز جزا کب آئے گا۔ یہ اس دن ہو گا جب وہ آگ پر تپائے جائیں گے۔ اپنی سزا کا مزہ چکھو یہی ہے وہ جس کے لیے تم جلدی مچا رہے تھے''۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں السَّمَآءِ سے مراد بادل ہیں جو زمین کو سایہ کیے ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد بلند آسمان ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد ساتواں آسمان ہے (2)؛ اسے مہدوی، ثعلبی، ماوردی اور دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے۔ الْحُبُكِ میں سات قول ہیں (۱) یہ حضرت ابن عباس، قتادہ، مجاہد اور ربیع کا قول ہے (3)۔ یعنی خوبصورت و کامل تخلیق والا؛ یہ عکرمہ کا قول ہے کہا: کیا تو کپڑا بننے والے کو نہیں دیکھتا جب وہ کپڑا بنتا ہے اور اس کو اچھی طرح بنتا ہے تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: حبك الثوب يحبكه جس نے اس کی اچھی طرح بنائی کی۔ ابن اعرابی نے کہا: ہر وہ چیز جس کو تو مضبوط بنائے اور اس کے عمل کو اچھا کرے تو اس کے لیے کہیں گے احتبكته۔ (۲) خوبصورت؛ یہ حضرت حسن بصری اور سعید بن جبیر کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری سے یہ بھی مروی ہے: مراد ستاروں والا (4)۔ یہ تیسرا قول ہے (۴) ضحاک نے کہا: راستوں والا۔ پانی اور ریت پر جب ہوا چلے تو اس میں تو جو دیکھتا ہے اسے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 361
2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 362
3۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 220
4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 70

حبک کہتے ہیں۔ اس کی مثل فراء کا قول ہے، کہا: حبك ہر شے کی شکن کو کہتے ہیں جس طرح ریت جس پر پرسکون ہوا چلے، کھڑا پانی جس پر ہوا چلے، لوہے کی زرہ کی شکنوں کو حبك کہتے ہیں۔ دجال کے متعلق حدیث میں ہے ان شعرہ حبك اس کے بال گھنگھریالے ہیں۔ زہیر نے کہا:

مُكَلَّلٌ بأصولِ النَّجْمِ تَنْسِجُه　رِيحٌ خَرِيقٌ لِضاحِي مائِهِ حُبُكٌ

لیکن وہ بندوں سے دور ہوتا ہے وہ اسے نہیں دیکھتے۔

(۵) مضبوط: یہ ابن زید کا قول ہے اور اس آیت کو پڑھا وَّ بَنَیْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿﴾ (النباء) محبوك سے مراد وہ چیز ہے جو مضبوط جسم والی ہو جس طرح گھوڑا وغیرہ۔ امراء القیس نے کہا:

قد غَدَا يَحْمِلُنِي فِي أَنْفِهِ　لَاحِقُ الإِطْلَيْنِ مَحْبُوكٌ مُمَرْ

ایک اور شاعر نے کہا:

مَرِجَ الدِّيْنَ فأعددتُ لَهُ　مُشْرِفَ الحارِكِ مَحْبُوكَ الْكَتَدْ

دونوں شعروں میں محبوك کا لفظ مضبوط ومحکم کے معنی میں ہے۔

حدیث طیبہ میں ہے ان عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کانت تحتبك تحت الدرع فی الصلاۃ۔ (1)

یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نماز میں تہبند کو مضبوطی سے باندھا کرتی تھیں۔

(۶) مضبوط بنائی والا: یہ خصیف کا قول ہے اس سے ثوب صفیق اور وجہ صفیق ہے۔

(۷) طرق سے مراد آسمان میں کہکشاں ہے اسے یہ نام دیا گیا کیونکہ گویا یہ کھینچنے کا نشان ہے۔ حبك، حباك کی جمع ہے۔ راجز نے کہا:

كأنَّما جَلَّلَها الحُوَّاكُ　طنفسة فی وَشْيِها حِبَاكُ(2)

حباك اور حبیکہ سے مراد ریت وغیرہ میں راستہ ہے۔ حباك کی جمع حبك ہے اور حبیکہ کی جمع حبائك آتی ہے جب کہ یہ عبکہ کی طرح ہے یہ ستو کا دانا ہے؛ یہ جوہری سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: ذات الحُبُك، الحُبْك، الحِبِك الحِبْك، الحِبَك، الحِبُك اور انہوں نے اسے الحُبُك پڑھا ہے۔ عکرمہ اور ابومجلز سے الحُبُك مروی ہے الحُبُك اس کا واحد حبیکہ ہے اور الحُبْك اسی سے مخفف ہے۔ الحِبَك اس کا واحد حِبْكہ ہے جس نے اسے الحُبَك پڑھا ہے اس کا واحد حُبْكہ ہے جس طرح برقہ کی جمع بُرَق ہے یا یہ حُبُكہ کی جمع ہے جس طرح ظُلْمۃ کی جمع ظلم آتی ہے۔ جس نے اسے الحِبِك پڑھا ہے تو یہ ابل اور اطل کی طرح ہے الحِبْك یہ مخفف ہے جس نے اسے الحِبُك پڑھا تو یہ شاذ ہے کیونکہ کلام عرب میں فِعُل کا وزن نہیں یہ داخل لغات پر محمول ہے گویا حاء کو کسرہ دیا گیا تاکہ باء کو کسرہ دیا جائے پھر الحُبُك کا تصور کیا تو باء کو ضمہ دیا؛ یہ سب تعبیریں مہدوی نے ذکر کی ہیں۔

1۔ سنن بیہقی، جلد 2، صفحہ 235　2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 220

اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ یہ قسم کا جواب ہے جو والسماء ہے یعنی اے اہل مکہ! تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے بارے میں مختلف رائے رکھنے والے ہو کچھ تصدیق کرنے والے اور کچھ تکذیب کرنے والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ باہم مال تقسیم کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا: ان کا اختلاف یہ تھا کہ آپ جادوگر ہیں نہیں بلکہ شاطر ہیں نہیں بلکہ بہتان لگانے والے ہیں نہیں بلکہ مجنون ہیں نہیں بلکہ کاہن ہیں نہیں بلکہ پہلے لوگوں کے یہ قصے کہانیاں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ان میں سے کچھ وہ تھے جنہوں نے حشر کی نفی کی، ان میں سے کچھ نے شک کا اظہار کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ مراد بتوں کے پجاری ہیں جو یہ اقرار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس کا خالق ہے جب کہ عبادت غیروں کی کرتے ہیں (1)۔

يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۙ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان سے اسے پھیر دیا جاتا ہے جسے پھیر دیا جاتا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جس نے ان کے قول کا یہ ارادہ کیا کہ یہ جادو ہے، کہانت ہے اور پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں ان کو ایمان سے پھیر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے اللہ تعالیٰ نے جسے محفوظ رکھا اسے اس اختلاف سے پھیر لیا گیا۔ افکہ، یأفِکه افکا۔ یعنی اسے کسی شے سے پھیر دینا۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا (الاحقاف: 22) مجاہد نے کہا: يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۙ کا معنی ہے يُؤْفَنُ عنه من أُفِنَ، أفن سے مراد عقل کا فاسد ہونا ہے یعنی جس کا عقل فاسد ہو جاتا ہے اسے اس سے پھیر دیا جاتا ہے۔ زمخشری نے کہا: اسے يُؤْفَنُ عنه من أُفِنَ پڑھا گیا ہے یعنی اسے محروم رکھا جاتا ہے جسے محروم رکھا گیا۔ یہ اَفَنَ الضَّرْعَ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے اس نے کھیری کا تمام دودھ دوہ لیا۔ قطرب نے کہا: معنی ہے اسے دھوکہ میں رکھا جاتا ہے جسے دھوکہ دیا گیا (2)۔ یزیدی نے کہا: اس سے دور رکھا جاتا ہے جسے دور رکھا گیا۔ معنی ایک ہی ہے سب معانی پھیرنے کے معنی کی طرف لوٹتے ہیں۔

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۙ تفسیر میں ہے کذابوں پر لعنت ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: شک کرنے والے قتل ہوں۔ مراد کاہن ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مراد وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا (3)۔ قُتِلَ کا معنی ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہونے کی بددعا کرنا واجب ہو چکی ہے۔ فراء نے کہا: قتل کا معنی ہے اس پر لعنت ہو۔ کہا: الْخَرّٰصُوْنَ سے مراد جھوٹے ہیں جو اس چیز کے بارے میں گمان کرتے ہیں جس کو جانتے نہیں وہ کہتے ہیں: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجنون، کذاب، جادوگر اور شاعر ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) یہ ان کے بارے میں بددعا ہے کیونکہ جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے وہ مقتول اور ہلاک ہونے والے کے معنی میں ہے۔ ابن الانباری نے کہا: ہم نے ان کے لیے بددعا کی تعلیم دی یعنی یہ کہو قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ۔ یہ خارص کی جمع ہے خرص کا معنی جھوٹ ہے اور خراص سے مراد کذاب ہے اس کا باب یوں چلتا ہے خَرَصَ يَخْرُصُ خرصا۔ یعنی اس نے جھوٹ بولا۔

کہا جاتا ہے: خَرَصَ، اِخْتَرَصَ، خَلَقَ، اِخْتَلَقَ، بَشَكَ، اِبْتَشَكَ اور مَانَ سب کا معنی جھوٹ بولنا ہے؛ یہ نحاس نے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 363 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 71

بیان کیا ہے۔ خرص کا معنی یہ بھی ہے کہ کھجور کے درخت پر جو تر کھجوریں ہیں ان کو خشک کھجوروں کے ساتھ اندازہ سے بیچنا۔ اس کے لیے یہ جملہ بولتے ہیں: وقد خرصت النخل اس کا اسم خرص ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: کم خرص نخلك خراص اسے کہتے ہیں جو اس کا اندازہ لگاتا ہے یہ لفظ مشترک ہے۔ خرص کا اصل معنی قطع کرنا ہے جس کی وضاحت سورۃ الانعام میں گزر چکی ہے؛ اسی سے ایک خریص ہے جو خلیج کے لیے بولا جاتا ہے کیونکہ اس کی طرف پانی الگ ہو جاتا ہے۔ خِرص اور خُرص بال کے ایک دانہ کو کہتے ہیں جب وہ الگ ہو کیونکہ وہ دوسروں سے منقطع ہوتا ہے خرص کا معنی عود ہے کیونکہ وہ اپنی عمدہ خوشبو کی وجہ سے اپنی مثل سے ممتاز ہوتا ہے۔ خرص اسے بھی کہتے ہیں جسے بھوک اور سردی لگی ہو کیونکہ اس کے ساتھ وہ الگ تھلگ ہو جاتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: خرص الرجل فھو خرِص یعنی وہ بھوک اور ٹھنڈک کا شکار ہے بھوک ہو سردی نہ ہو اسے خرص نہیں کہتے سردی ہو بھوک نہ ہو اسے خرص کہتے ہیں۔ خرص جب خاء کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ ہو تو مراد سونے یا چاندی کا حلقہ ہے اس کی جمع خُرصان ہے۔ خرص میں نجومیوں کا قول بھی داخل ہوتا ہے اور ہر اس آدمی کا قول بھی داخل ہوتا ہے جو حدس اور تخمینہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے مکہ کی گھاٹیوں کو باہم تقسیم کیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مختلف باتیں کی تھیں مقصود یہ تھا کہ لوگوں کو ایمان سے پھیر دیں۔

الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ⑪ **غَمْرَةٍ** اسے کہتے ہیں جو کسی چیز کو ڈھانپ دے اسی سے نہر غمر ہے یعنی جو بھی اس میں داخل ہوتا ہے وہ نہر اسے ڈھانپ لیتی ہے؛ اسی سے موت کی سختیاں ہیں۔ **سَاهُوْنَ** وہ آخرت کے معاملہ میں لاپرواہی کرنے والے اور غافل ہیں۔

یَسْـَٔلُوْنَ اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ ⑫ وہ سوال کرتے ہیں یوم حساب کب ہوگا؟ وہ یہ بات استہزاء اور قیامت میں شک کے طور پر کرتے ہیں۔ **یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ یُفْتَنُوْنَ ⑬** لفظ یوم کو نصب الجزاء کے مقدر ہونے کے اعتبار سے ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ھذا الجزاء **یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ یُفْتَنُوْنَ ⑬** یعنی انہیں جلد بلایا جائے گا۔

یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: فتنت الذھب میں نے سونے کو جلایا تاکہ تو اسے آزمائے۔ فتنہ کا اصل معنی اختیار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مبنی ہے کیونکہ یہ مبنی کی طرف مضاف ہے اس پر نصب سابقہ تقدیر کی بنا پر ہے یا یہ **یَوْمُ الدِّیْنِ** سے بدل کے طور پر منصوب ہے۔ زجاج نے کہا: وہ کہتا ہے یعجبنی یوم أنت قائم ویوم أنت تقوم۔ اگر تو چاہے تو تو یوم کو نصب بھی دے سکتا ہے یہ محل رفع میں ہے یہ منصوب ہوگا اگرچہ معنی کے اعتبار سے مرفوع ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **یُفْتَنُوْنَ** کا معنی ہے انہیں عذاب دیا جائے گا(1)؛ اس معنی میں شاعر کا شعر ہے:

كُلُّ امرِئٍ من عبادِ اللهِ مُضْطَهدٌ ببطنِ مكةَ مقهورٌ و مفتونٌ

مکہ کی وادی میں اللہ تعالیٰ کا ہر بندہ مظلوم، مغلوب اور عذاب دیا جا رہا ہے۔

ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ انہیں کہا جائے گا: اپنا عذاب چکھو(2)؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: اپنی آگ کا مزا چکھو۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 346 2۔ ایضاً

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یعنی جو تم جھٹلاتے رہے ہو اس کا مزا چکھو۔ فراء نے کہا: اپنا عذاب چکھو۔

هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۴﴾ یعنی تم دنیا میں جس کی جلدی مچاتے رہے ہو۔ مذکر کی ضمیر ذکر کی مونث کی ضمیر ذکر نہیں کی کیونکہ یہاں فتنہ عذاب کے معنی میں ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِیْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ ﴿۱۶﴾

''البتہ اللہ سے ڈرنے والے (اس روز) باغات اور چشموں میں ہوں گے (بصد شکر) لے رہے ہوں گے جو ان کا رب انہیں بخشے گا، بے شک یہ لوگ اس سے پہلے بھی نیکوکار تھے''۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۱۵﴾ جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے انجام کا ذکر کیا تو مومنوں کے انجام کا بھی ذکر کیا یعنی مومن ایسے باغوں میں ہوں گے جن میں جاری چشمے ہوں گے یعنی انتہائی پاکیزہ ہوں گے۔ اٰخِذِیْنَ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔

مَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ان کے رب نے انہیں جو ثواب اور مختلف قسم کی عزتیں عطا فرمائیں، یہ ضحاک کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر نے کہا: معنی ہے وہ فرائض پر عمل کرنے والے ہیں۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ ﴿۱۶﴾ یعنی جنت میں داخل ہونے سے قبل دنیا میں وہ فرائض بجالانے والے تھے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے فرائض کے لازم ہونے سے قبل وہ اپنے اعمال میں احسان کرنے والے تھے۔

كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾

''یہ لوگ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے اور سحری کے وقت (اپنی خطاؤں) کی بخشش طلب کرتے تھے اور ان کے اموال میں حق تھا سائل کے لیے اور محروم کے لیے''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ یَهْجَعُوْنَ کا معنی ہے وہ سوتے ہیں۔ هجوع کا معنی رات کو سونا ہے۔ تهجاع سے مراد ہلکی نیند ہے؛ ابوقیس بن اسلت نے کہا:

قد حصّتِ البیضةُ رأسی فما أطعَمُ نومًا غیرَ تهجاعِ

خود نے میرے سر کے بال مونڈ دیئے ہیں۔ میں تہجاع (ہلکی نیند) کے علاوہ کوئی نیند نہیں کرتا۔

عمرو بن معدیکرب اپنی بہن کے لیے شوق کا اظہار کرتا ہے جسے صمہ ابودرید بن صمہ نے گرفتار کرلیا تھا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 365

أَمِنْ رَيْحَانَةَ الدَّاعِي السَّمِيعُ يُؤَرِّقُنِي وأَصحابِي هُجوعُ

کیا ریحانہ کی جانب سے سنانے والا داعی (شوق) مجھے بیدار رکھتا ہے اور میرے ساتھی سوئے ہوئے ہیں۔

یہ کہا جاتا ہے: هَجَعَ يهجع هجوعا، هبغ، يهبغ هبوغا۔ جب وہ سو جائے؛ یہ جوہری نے کہا۔ ما کی تعبیر میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ زائد ہے؛ یہ ابراہیم نخعی کا قول ہے تقدیر کلام یہ ہے كانوا قليلا من الليل يهجعون یعنی وہ رات کا تھوڑا حصہ سوتے ہیں اور اس کا اکثر حصہ نماز پڑھتے رہتے ہیں۔

عطا نے کہا: یہ اس وقت ہوا جب انہیں رات کے قیام کا حکم ہوا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کمر کس لیتے تھے، عصا پکڑ لیتے تھے اس پر سہارا لیتے یہاں تک کہ رخصت نازل ہوئی قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (مزمل) ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما زائدہ نہیں بلکہ قليلا پر وقف ہے پھر مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ سے کلام کا آغاز ہوگا۔ تو ما نافیہ ہوگا ان سے نیند کی مطلقاً نفی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ رات کے وقت بہت ہی تھوڑا سویا کرتے تھے بعض اوقات ان کی طبیعتوں میں نشاط ہوتی تو وہ سحری تک ذکر اذکار میں مشغول رہتے (1)۔ یعقوب حضرمی سے مروی ہے انہوں نے کہا: اس آیت کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: كَانُوْا قَلِيْلًا اس کا معنی ہے ان کی تعداد تھوڑی تھی، پھر کلام کی ابتدا کی اور فرمایا: مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ یعنی وہ رات سے سوئے ہوئے ہیں۔ ابن الانباری نے کہا: یہ تعبیر فاسد ہے کیونکہ آیت ان کی نیند کی کمی پر دلالت کرتی ہے ان کی تعداد کی کمی پر دلالت نہیں کرتی اس کے بعد اگر ہم مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ سے آغاز کریں جس کا معنی ہے وہ رات سے بیدار رہتے ہیں اس میں ان کے لیے مدح نہیں کیونکہ تمام لوگ رات سوتے رہتے ہیں مگر اس صورت میں ما نافیہ ہو۔

میں کہتا ہوں: بعض لوگوں نے جو تاویل کی ہے یہ ضحاک کا قول ہے کہ ان کی تعداد تھوڑی تھی تو کلام ماقبل کے ساتھ متصل ہوگی جو ماقبل کلام یہ ہے اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ یعنی وہ محسن تھوڑے تھے۔ پھر کلام کو شروع کیا فرمایا: مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ پہلی اور دوسری تاویل کی بنا پر كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ نیا خطاب ہوگا جب کہ پہلا خطاب مکمل ہو چکا تھا اور وقف مَا يَهْجَعُوْنَ پر ہوگا۔ اسی طرح جب تو قَلِيْلًا کو کان کی خبر بنائے اور ما قلیل کی وجہ سے محل رفع میں ہو، گویا فرمایا: رات کے وقت ان کی نیند تھوڑی ہوتی ہے۔ ما کے بارے میں جائز ہے کہ وہ نافیہ ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ فعل کے ساتھ مل کر مصدر کے حکم میں ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ کان کے اسم سے بدل ہونے کی بنا پر محل رفع میں ہو، تقدیر کلام یہ ہوگی کان هجوعهم قليلا من الليل اگر تو ما کو زائدہ تسلیم کیا جائے قَلِيْلًا کو نصب يهجعون کے ساتھ ہوگی، تقدیر کلام یہ ہوگی كانوا وقتا قليلا او هجوعا قليلا يهجعون۔ اگر ما کو زائدہ نہ مانا جائے تو قَلِيْلًا کان کی خبر ہوگی اور اسے يَهْجَعُوْنَ کے ساتھ نصب دینا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ جب اس کی نصب يَهْجَعُوْنَ کے ساتھ ما کو مصدر یہ مقدر ماننے سے ہو تو صلہ موصول سے پہلے آتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور قتادہ نے آیت کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا: وہ مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں۔ ابو العالیہ نے کہا: وہ مغرب اور عشاء کے درمیان نہیں سوتے؛ یہ ابن وہب کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ آیت انصار کے بارے

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 72

میں نازل ہوئی۔ وہ مغرب اور عشاء کی نمازیں مسجد نبوی میں پڑھتے پھر وہ قبا چلے جاتے۔ حضرت محمد بن علی بن حسین نے کہا: وہ عشاء کی نماز پڑھنے سے قبل نہیں سوتے تھے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: گویا ان کی نیند کو نماز کے لیے ان کی بیداری کے مقابلہ میں قلیل شمار کیا۔ حضرت ابن عباس اور مطرف نے کہا: کوئی رات کم ہی ایسی ہوگی جو ان پر آتی ہو جس میں وہ نماز نہ پڑھتے ہوں وہ اس کے ابتدائی حصہ میں نماز پڑھتے ہیں یا آخری حصہ میں نماز پڑھتے ہیں۔

مسئلہ نمبر2۔ رات کے وقت نماز پڑھنے والوں میں ایک سے یہ روایت مروی ہے کہ حالت نیند میں ان کے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے یہ شعر پڑھا:

وكيف تنامُ الليلَ عينٌ قريرةٌ　　ولم تَدرِ في أيّ المجالِسِ تنزِلُ

مراد پانے کی خواہش رکھنے والی آنکھ کیسے رات کو سوسکتی ہے وہ نہیں جانتی کہ کون سی مجلس میں جا اترے گی۔

بنو ازد کے ایک بندے سے مروی ہے اس نے کہا: میں رات کو نہیں سوتا تھا میں رات کے آخری پہر سویا تو اچانک میں دو نوجوانوں کے پاس تھا جو میں نے لوگ دیکھے تھے ان میں سے وہ حسین ترین تھے ان کے پاس حلے تھے وہ ہر نمازی کے پاس کھڑے ہوئے اور اسے ایک حلہ پہنایا پھر وہ سونے والوں کے پاس پہنچے اور انہیں حلہ نہ پہنایا۔ میں نے ان دونوں سے کہا: ان حلوں (کپڑوں کا جوڑا) میں سے ایک حلہ مجھے بھی پہنا دو۔ انہوں نے مجھے کہا: یہ لباس کا حلہ نہیں یہ الله تعالیٰ کی رضا کا حلہ ہے جو ہر نمازی پر اترتا ہے۔

ابوخلاد سے مروی ہے اس نے کہا: میرے ایک ساتھی نے مجھے بتایا ایک رات میں سویا ہوا تھا کہ میرے لیے قیامت کا منظر پیش کیا گیا میں نے اپنے بھائیوں میں سے کچھ کو دیکھا ان کے چہرے روشن تھے، ان کے رنگ چمک رہے تھے اور ان پر حلے تھے جو عام مخلوق کے لباس نہیں تھے میں نے کہا: کیا وجہ ہے یہ لوگ لباس پہنے ہوئے ہیں جب کہ لوگ ننگے ہیں، ان کے چہرے روشن ہیں جب کہ لوگوں کے چہرے غبار آلود ہیں؟ تو مجھے کسی کہنے والے نے کہا: جن کو تو نے لباس میں دیکھا ہے وہ اذان اور اقامت کے درمیان نماز پڑھتے تھے، جن کے چہرے روشن ہیں وہ بیداری اختیار کرنے والے اور تہجد پڑھنے والے ہیں۔ میں نے کچھ لوگوں کو عمدہ سواریوں پر دیکھا میں نے پوچھا ان لوگوں کو کیا ہوا کہ یہ سوار ہیں جب کہ لوگ پیدل اور ننگے پاؤں ہیں؟ تو ایک کہنے والے نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو الله تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لیے اپنے قدموں پر کھڑے رہے اس کے بدلے الله تعالیٰ نے انہیں بہترین بدلہ دیا تو میں نے نیند میں چیخ ماری۔ عبادت گزاروں کے لیے مبارک ہو ان کا مقام کتنا معزز ہے پھر میں نیند سے بیدار ہوا تو میں خوفزدہ تھا۔

مسئلہ نمبر3۔ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ یہ دوسری مدح ہے وہ اپنے گناہوں کی استغفار کرتے ہیں؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے(1)۔ سحری کا وقت ایسا وقت ہے جس میں دعا کی قبولیت کی امید کی جاتی ہے۔ اس بارے میں گفتگو سورہ آل عمران میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عمر اور مجاہد نے کہا: وہ سحری کے وقت نماز پڑھتے ہیں تو اس نماز کو

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 73

استغفار کا نام دیا گیا(1)۔ حضرت حسن بصری نے اللہ تعالیٰ کے فرمان كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ۝ کے بارے میں کہا: انہوں نے رات کے پہلے پہر سے سحری تک نماز کو لمبا کیا پھر سحری کے وقت اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی۔ ابن وہب نے کہا: یہ آیت انصار کے حق میں نازل ہوئی وہ قبا سے آتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد نبوی میں نماز پڑھتے۔

ابن وہب، ابن لہیعہ سے وہ یزید بن ابی حبیب سے روایت نقل کرتے ہیں: مراد وہ لوگ ہیں جو پھل کی شرط پر ڈولوں کی مدد سے کچھ انصاریوں کے باغوں کو پانی دیتے پھر تھوڑا سو جاتے اور رات کے آخری پہر نماز پڑھا کرتے تھے۔

ضحاک نے کہا: مراد صبح کی نماز ہے۔ احنف بن قیس نے کہا: میں نے اپنے عمل کو جنتیوں کے اعمال پر پیش کیا تو وہ ایسی قوم تھے جو ہم سے بہت ہی دور تھے ہم ان کے اعمال تک نہیں پہنچ سکتے تھے، وہ راتوں کو کم سوتے تھے۔ میں نے اپنے عمل کو جہنمیوں کے اعمال پر پیش کیا تو وہ ایسی قوم تھے جن میں کوئی بھلائی نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب، اس کے رسول اور موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کو جھٹلاتے ہیں ہم نے اپنے میں سے بہترین افراد کو ایسی قوم پایا جنہوں نے اچھے اور برے عمل کو خلط ملط کر دیا۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۝ یہ تیسری مدح ہے۔ محمد بن سیرین اور قتادہ نے کہا: حق سے مراد فرض زکوٰۃ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں حق سے مراد زکوٰۃ کے علاوہ ہے جس کے ساتھ وہ صلہ رحمی کرتا ہے، مہمان کی ضیافت کرتا ہے، بے کس کا بوجھ اٹھاتا ہے یا محروم کو غنی کرتا ہے(2)، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور زکوٰۃ مدینہ طیبہ میں فرض ہوئی۔ ابن عربی نے کہا: اس آیت کے بارے میں قوی قول زکوٰۃ ہے کیونکہ سورۂ سأل سائل میں ہے وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۝ حق معلوم سے مراد زکوٰۃ ہی ہے شرع نے جس کی مقدار، اس کی جنس اور اس کے وقت کو بیان کیا ہے۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے جو اس کو کہتا ہے وہ معلوم نہیں کیونکہ اس کی مقدار، اس کی جنس اور وقت معلوم نہیں۔

مسئلہ نمبر 5۔ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۝ سائل اسے کہتے ہیں جو اپنے فاقہ کی وجہ سے لوگوں سے سوال کرتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس، سعید بن مسیب اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ محروم سے مراد وہ ہے جسے مال سے محروم کر دیا گیا ہو۔ اس کی تعیین میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس، سعید بن مسیب اور دوسرے علماء نے کہا: محروم سے مراد وہ مجبور آدمی ہے جس کا اسلام میں کوئی حصہ نہ ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: محروم سے مراد وہ محنت مزدوری کرنے والا ہے جس کو اس کی کمائی کفایت نہ کرتی ہو یہ جملہ بولا جاتا ہے: رجل محارَف محدود مسائل والا محروم، یہ تیرے اس قول کی ضد ہے؛ مبارک یہ جملہ بولا جاتا ہے: وقد حُوْرِف کسب فلان۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب اس کی روزی میں تنگی کر دی گئی ہو، گویا اس کا رزق اس سے پھیر دیا گیا ہے۔

قتادہ اور زہری نے کہا: محروم سے مراد وہ ہے جو لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہیں کرتا اور اپنی حاجت سے آگاہ بھی نہیں

2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 234

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 366

کرتا۔ حضرت حسن بصری اور محمد بن حنفیہ نے کہا: محروم وہ آدمی ہے جو غنیمت کے حاصل ہونے کے بعد کرتا ہے اور اس مال غنیمت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا(1)۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک چھوٹا لشکر بھیجا انہوں نے دشمن کو پالیا اور مال غنیمت حاصل کیا جب یہ مہم سے فارغ ہو گئے تو کچھ لوگ آئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ عکرمہ نے کہا: محروم اسے کہتے ہیں جس کے پاس مال باقی نہ ہو۔ زید بن اسلم نے کہا: محروم اسے کہتے ہیں جس کے پھل، کھیتی یا جانوروں کی نسل میں کوئی آفت واقع ہو گئی ہو۔ قرظی نے کہا: محروم اسے کہتے ہیں جسے مصیبت پہنچی پھر اس نے یہ کلمات تلاوت کیے اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۙ﴿۶۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ (الواقعہ) اسی کی مثل اصحاب جنت کے قصہ میں ہے جب انہوں نے کہا تھا: بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ (الواقعہ)

ابو قلابہ نے کہا: اہل یمامہ کا ایک آدمی تھا جس کا مال تھا سیلاب آیا تو اس کا مال برباد کر دیا تو اس کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا: یہ محروم ہے اس کے لیے حصہ مقرر کرو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو دنیا طلب کرتا ہے اور وہ اس سے اعراض کرتی ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے۔ عبدالرحمن بن حمید نے کہا: محروم سے مراد مملوک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کتا ہے ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز مکہ مکرمہ کے راستہ میں تھے ایک کتا آیا حضرت عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بکری کا ایک بازو نکالا اور اس کتے کی طرف پھینک دیا فرمایا: لوگ کہتے ہیں یہ محروم ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: محروم وہ ہے جس کے فقر کی وجہ سے اس کا نفقہ اس کے رشتہ داروں پر لازم کر دیا گیا ہو کیونکہ اس کو اس کی ذات کی کمائی سے محروم کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا نفقہ غیر کے مال میں سے لازم ہو جاتا ہے۔

ابن وہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے: اس سے مراد وہ ہے جسے رزق سے محروم کر دیا گیا ہو۔ یہ اچھا قول ہے کیونکہ یہ تمام اقوال کو جامع ہے۔

امام شعبی نے کہا: جب سے میں بالغ ہوا ہوں آج مجھے ستر سال ہو چکے ہیں میں محروم کے بارے میں سوال کرتا رہا ہوں آج میں اس دن سے زیادہ عالم نہیں ہوں۔ شعبہ نے عاصم احول سے وہ امام شعبی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ لغت میں اس کا اصل معنی ممنوع ہے جس کو روک دیا گیا ہو۔ یہ حرمان سے مشتق ہے جس کا معنی روکنا ہے۔ علقمہ نے کہا:

ومُطْعَمُ الغُنْمِ یومَ الغُنْمِ مُطْعَمُهُ　أَنَّى تَوَجَّهَ والمحرومُ محرومُ

جس کو غنیمت کا مال کھلایا جاتا ہو غنیمت والے دن اسے غنیمت کا مال کھلایا جاتا ہے وہ جہاں بھی جائے جب کہ جسے روک دیا جائے وہ محروم ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''فقراء کی جانب سے اغنیاء کے لیے ہلاکت ہے فقراء کھڑے ہوں گے وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! انہوں نے ہمارے ان حقوق کو روک لیا جو تو نے ہمارے حق

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 366

میں ان پر فرض کیے تھے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میری عزت و جلال کی قسم! میں تمہیں قریب کروں گا اور انہیں دور کروں گا'' (1)۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو تلاوت کیا:

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ اسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَفِي السَّمَاۗءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ فَوَرَبِّ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝

''اور زمین میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں اہل یقین کے لیے اور تمہارے وجود میں بھی (نشانیاں ہیں) کیا تمہیں نظر نہیں آتا۔ اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور ہر وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی یہ حق ہے (بعینہ اسی طرح) جس طرح تم باتیں کر رہے ہو''۔

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ جب دونوں فریقوں کے معاملہ کا ذکر کیا تو اس امر کو بیان فرمایا کہ زمین میں ایسی علامات ہیں جو بعث اور نشور پر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب ہر چیز ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے تو پھر وہاں نباتات اگ آتی ہے، ان میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین میں رزق کو مقدر کیا جو حیوانات کے لیے سہارا ہے، ان میں سے یہ بھی ہے وہ مختلف علاقوں میں جاتے ہیں جن میں ہلاکت کے آثار کو دیکھتے ہیں جو جھٹلانے والی قوموں پر ہلاکت واقع ہوتی تھی۔ موقنین ہی حقیقت میں رب العالمین کی وحدانیت اور اپنے نبی کی نبوت کی صداقت کو پہچاننے والے اور ثابت کرنے والے ہیں ان کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ یہی ان آیات اور ان کے نتائج سے فائدہ اٹھانے والے ہیں۔

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے وفی الأرض وفی أنفسکم آیات للموقنین۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے جو آدمی زمین میں گھومتا پھرتا ہے تو وہ آیات اور عبرت کی چیزوں کو دیکھتا ہے اور جو اپنی ذات میں غور و فکر کرتا ہے تو اسے علم ہو جاتا ہے کہ اسے اس لیے پیدا کیا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے۔ ابن زبیر اور مجاہد نے کہا: مراد بڑی، چھوٹی حاجت کا راستہ ہے (2)۔

سائب بن شریک نے کہا: انسان کھاتا پیتا ایک جگہ سے ہے اور یہ چیزیں دو جگہ سے نکلتی ہیں جو آدمی خالص دودھ پیتا ہے تو اسی سے پانی اور اسی سے براز نکلتا ہے۔ یہ نفس آیت ہے۔ ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور تمہارے لیے کان آنکھیں اور دل بنا دیے ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝ (الروم)

سدی نے کہا: وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ سے مراد ہے تمہاری زندگی اور تمہاری موت میں اور جو کچھ تم میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ تم سے نکلتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: شباب کے بعد بڑھاپے میں، قوت کے بعد ضعف میں، سیاہ بالوں کے بعد سفید بالوں میں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے تمہیں پیدا کرنے میں یعنی نطفہ، جما ہوا خون، گوشت کا لوتھڑا اور ہڈی یہاں

1۔ کنز العمال، جلد 6، صفحہ 310 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 367 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 74

تک کہ اس میں روح پھونکی، زبانیں، رنگ اور صورتیں مختلف بنائی ہیں۔ اس کے علاوہ کئی ظاہری اور باطنی نشانیاں ہیں تیرے لیے دل، ان میں جو عقول رکھ دیئے گئے ہیں، ان میں معانی اور فنون کی جو انواع خاص کر دی گئی ہیں، زبانیں، قوت گویائی، حروف کے مخارج، آنکھیں اور باقی ماندہ تمام اعضاء، ان امور کو بجالانا جن کے لیے انہیں پیدا کیا گیا، جوڑوں سے اعضاء میں جو یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ایک طرف مڑ جاتے ہیں اور دوہرے ہو جاتے ہیں جب ان میں سامنے کوئی چیز خشک ہو جائے تو ان میں عجز واقع ہو جاتا ہے اور جب وہ ڈھیلے ہو جائیں تو بے بسی ڈیرا لگا لیتی ہے۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ (المومنون)

اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ کیا تمہارے دلوں میں بصیرت نہیں کہ تم اس کی کمال قدرت کو پہچان لو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے کیا تم عاجز کی کامیابی اور محتاط کی محرومی نہیں دیکھتے۔

میں کہتا ہوں: جو کچھ ذکر کیا گیا ہے یہ عبرت حاصل کرنے میں مراد ہے ہم نے سورۂ بقرہ کی آیت توحید میں یہ بحث ذکر کر دی ہے کہ بدن انسانی جو عالم صغیر ہے اس میں جو کچھ ہے عالم کبیر میں اس کی مثال موجود ہے ہم نے وہاں قیام کرنے اور عبرت حاصل کرنے کے حوالے سے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ کافی ہے اور جو آدمی غور و فکر کرتا ہے وہ اسے دوسری بحث سے بے نیاز کر دے گا۔

وَ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا: یہاں رزق سے مراد وہ چیز ہے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے جیسے بارش اور برف جس کے ذریعے کھیتی اگتی ہے اور مخلوق زندگی پاتی ہے(1)۔ سعید بن جبیر نے کہا: مراد ہر جاری چشمہ ہے کیونکہ یہ برف سے پیدا ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے جب آپ بادل دیکھتے تو اپنے ساتھیوں سے فرماتے: اللہ کی قسم! اس میں تمہارے لیے رزق ہے مگر تم اپنی غلطیوں کی وجہ سے محروم کر دیئے جاتے ہو۔

علماء معانی نے کہا: وَ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ کا معنی ہے بارش میں تمہارے لیے رزق ہے۔ بارش کو سماء کا نام دیا کیونکہ بارش آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ شاعر نے کہا:

إذا سَقَط السماءُ بأرضِ قَوْمٍ رعيناه وإنْ كانوا غِضَابَا

جب کسی قوم کی سرزمین میں بارش نازل ہوتی ہے تو ہم اس کی گھاس کو چرتے ہیں اگرچہ وہ لوگ بہت ہی غصیلے ہوں۔

ابن کیسان نے کہا: معنی ہے آسمان کے ذمہ تمہارا رزق ہے اس کی مثل یہ ارشاد ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود: 6) سفیان ثوری نے کہا: اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں آسمان میں تمہارا رزق ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے آسمان میں تمہارے رزق کی تقدیر ہے اور تمہارے لیے جو کچھ ہے وہ ام الکتاب میں لکھا ہوا ہے۔ سفیان ثوری سے مروی ہے(2) کہ واصل احدب نے ان کلمات وَ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ کو پڑھا کہنے لگے: خبردار! میں اپنے رزق کو آسمان میں پاتا ہوں اور اسے تلاش زمین میں کرتا ہوں۔ وہ ایک کھنڈر میں داخل ہوئے وہ تین دن تک وہاں

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 367 2۔ تفسیر طبری، جز 26، صفحہ 240

رہے کسی چیز کو نہ پایا تیسرے دن انہوں نے تر کھجوروں کی ایک ٹوکری پائی اس کا ایک بھائی اچھی نیت والا تھا وہ اس کے ساتھ داخل ہوا تو وہ دو ٹوکریاں ہو گئیں ان کا یہی طریقہ رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے موت کے ساتھ ان دونوں کے درمیان جدائی پیدا کی۔ ابن محیصن اور مجاہد نے اسے پڑھا وَ فِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ اسی طرح اس کے آخر میں پڑھا ان اللہ ھو الرزاق۔

وَ مَا تُوْعَدُوْنَ مجاہد نے کہا: مراد خیر اور شر جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ دوسروں نے کہا: یہاں اس سے مراد صرف خیر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد صرف شر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد جنت ہے یہ سفیان بن عیینہ سے مروی ہے۔ ضحاک نے کہا: وَ مَا تُوْعَدُوْنَ سے مراد جنت اور دوزخ ہے (1)۔ ابن سیرین نے کہا: وَ مَا تُوْعَدُوْنَ سے مراد قیامت ہے؛ یہ ربیع کا بھی قول ہے۔

فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ

اللہ تعالیٰ نے انہیں بعث بعد الموت اور آسمان میں جس رزق کی تخلیق فرمائی ہے اس کی جو خبر دی تھی اس کو موکد کیا اس پر یہ قسم اٹھائی کہ یہ حق ہے اور پھر اس فرمان مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ۝ کو موکد کیا اور حواس میں سے نطق کو خاص کیا کیونکہ اس کے علاوہ جو حواس ہیں ان میں مثل (شبہ) محقق ہو سکتی ہے جس طرح آئینہ میں دیکھا جا سکتا ہے جب صفراء کا غلبہ ہو تو چکھنا محال ہو جاتا ہے، اسی طرح کانوں میں دوی اور طنین (بھنبھناہٹ) واقع ہو سکتی ہے، قوت گویائی اس سے محفوظ ہوتی ہے۔ صدائے بازگشت سے اعتراض نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کا حصول اس وقت ہوتا ہے جب گفتگو کرنے والا کلام کر لے اس میں ایسی چیز کی آمیزش نہیں ہوتی جو اس پر معاملہ کو مشتبہ کر دے۔

ایک حکیم نے کہا: جس طرح ہر انسان خود بات کرتا ہے اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ غیر کی زبان سے بات کرے اسی طرح ہر انسان اپنا رزق کھاتا ہے اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ غیر کا رزق کھائے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قاتل اللہ أقواما اقسم لهم ربهم بنفسه ثم لم یصدقوه، قال اللہ تعالیٰ فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ (2) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہلاک کرے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اپنی ذات کی قسم اٹھائی پھر بھی انہوں نے اس کی تصدیق نہ کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ۔

اصمعی (3) نے کہا: ایک دفعہ میں بصرہ کی مسجد سے آیا کہ ایک بدو جو اکھڑ مزاج، ترش رو اپنی سواری پر موجود تھا اس نے تلوار گلے میں لٹکائی ہوئی تھی اس کے ہاتھ میں کمان تھی وہ قریب ہوا اور سلام کیا اس نے پوچھا: تو کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے؟ میں نے کہا: میں بنی اصمع سے تعلق رکھتا ہوں۔ اس نے پوچھا: تو اصمعی ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے پوچھا: تو کہاں سے آیا ہے؟ میں نے جواب دیا: اس جگہ سے آیا ہوں جہاں رحمن کے کلام کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس نے کہا: رحمن کا کلام ہے جسے لوگ پڑھتے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: اس میں سے کچھ مجھ پر پڑھو تو میں نے اس پر اس سورت کو وَ فِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ تک پڑھا اس نے کہا: اے اصمعی! کافی ہے۔ پھر اپنی اونٹنی کی طرف اٹھا اسے ذبح کیا اس کی جلد اتاری اور

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 368　2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 75　3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 400

کہا: اس کے تقسیم کرنے میں میری مدد کرو۔ ہم نے اس کا گوشت آنے جانے والے پر تقسیم کر دیا پھر اس نے تلوار اور کمان کا قصد کیا ان دونوں کو توڑ دیا اور ان دونوں کو کجاوے کے نیچے رکھ دیا اور جنگل کی طرف چل دیا وہ کہہ رہا تھا: وَ فِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ میں نے اپنے آپ پر ناراضگی کا اظہار کیا اور اپنے آپ کو ملامت کی۔ پھر میں نے ہارون الرشید کے ساتھ حج کیا اسی اثنا میں کہ میں طواف کر رہا تھا تو میں ایک کمزوری آواز کے پاس تھا میں متوجہ ہوا تو میں اسی بدو کے پاس تھا وہ انتہائی کمزور اور زرد رنگ والا ہو چکا تھا۔ اس نے مجھے سلام کیا اور میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: مجھ پر رحمن کا کلام پڑھو اور مقام ابراہیم کے پاس مجھے بٹھا لیا، تو میں نے سورۃ الذاریات پڑھی یہاں تک کہ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ تک پہنچا اس بدو نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا ہم نے اسے حق پایا ہے۔ اس نے کہا: اس کے علاوہ بھی کلام ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝ بدو نے چیخ ماری کہا: سبحان اللہ! کس نے رب جلیل کو غضبناک کیا ہے یہاں تک کہ اس نے قسم اٹھائی کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تصدیق نہ کی تھی یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو قسم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ اس نے یہ بات تین دفعہ کہی تو اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

یزید بن مرثد نے کہا: ایک آدمی کو ایسی جگہ بھوک لگ گئی جہاں کوئی چیز نہ تھی اس نے عرض کی: اے اللہ! جس رزق کا تو نے وعدہ کیا ہے تو وہ مجھے عطا کر تو وہ اسی وقت سیر ہو گیا۔ کھانے اور پینے کے بغیر اس کا پیٹ بھر گیا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لو أن أحدکم فرّ من رزقه لتبعه کما یتبعه الموت اگر تم میں سے کوئی اپنے رزق سے بھاگتا ہے تو رزق اس کا پیچھا کرتا ہے جس طرح موت اس کا پیچھا کرتی ہے: اسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

سنن ابن ماجہ میں حبہ اور سواء جو خالد کے بیٹے ہیں سے مروی ہے، دونوں نے کہا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کوئی کام کر رہے تھے ہم نے اس کام میں آپ کی مدد کی آپ نے فرمایا: لا تیأسا من الرزق ما تهززت رؤوسکما فإن الإنسان تلده أمه أحمر لیس علیه قشر ثم یرزقه الله (1) جب تک تمہارے سر حرکت کرتے ہیں (یعنی تم زندہ ہو) تم رزق سے مایوس نہ ہو کیونکہ انسان کو اس کی ماں گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں جنتی ہے اس پر لباس بھی نہیں ہوتا، پھر اللہ تعالیٰ اسے رزق با ہم پہنچاتا ہے۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ بدو لوگوں میں سے ایک قوم نے کھیتی کاشت کی اسے ایک آفت نے آلیا وہ اس وجہ سے غمگین ہوئے ایک بدوی عورت ان کے پاس آئی اس نے کہا: کیا وجہ ہے تم نے اپنے سر جھکائے ہوئے ہیں، تمہارے سینے تنگ ہو چکے ہیں جب کہ وہ ہمارا رب ہے اور ہمارے بارے میں علم رکھتا ہے، ہمارا رزق اس کے ذمہ ہے وہ ہمیں عطا فرماتا ہے جہاں سے چاہتا ہے پھر وہ یہ شعر پڑھنے لگی:

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزهد، باب التوکل والیقین، حدیث نمبر 4154، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لو کان فی صخرۃ فی البحر راسیۃ صما ململمۃ ملس نواحیھا
رزق لنفس براھا لانفلقت حتی تؤدی إلیھا کل ما فیھا
أو کان بین طباق السبع مسلکھا لسھل اللہ فی المرقی مراقیھا
حتی تنال الذی فی اللوح خط لھا إن لم تنلہ وإلا سوف یأتیھا

اگر ایسی چٹان جو سمندر میں گڑھی ہوئی ہو اس کے اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہوں اس کے اطراف بڑے چکنے ہوں اس میں کسی نفس کا رزق ہو جس نفس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہو تو وہ پھٹ جائے گی یہاں تک کہ وہ نفس کو تمام کچھ دے گی جو اس میں ہوگا یا وہ رزق وہاں ہو جس تک پہنچنے کے لیے نفس کو سات آسمان چڑھنا پڑھیں تو اللہ تعالیٰ نفس کے لیے وہاں چڑھنا آسان بنا دے گا یہاں تک کہ وہ وہ پالے گا جو لوح محفوظ میں اس کے لیے لکھا ہوگا اگر اس نے ابھی تک اسے نہیں پایا تو عنقریب وہ رزق خود اس کو تلاش کرے گا۔

میں کہتا ہوں: اس معنی میں اشعریوں کا قصہ بھی ہے جب انہوں نے اپنا قاصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اس نے اللہ تعالیٰ کا فرمان سنا وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود:6) وہ لوٹ آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو نہ کی اور کہا: اشعری اللہ تعالیٰ کے چوپاؤں سے زیادہ ذلیل نہیں۔ ہم نے اس کا ذکر سورۂ ہود میں کیا ہے۔ لقمان نے کہا: یٰبُنَیَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ (لقمان:16) یہ بحث سورۂ لقمان میں گزر چکی ہے ہم نے یہ بحث کتاب قمع الحرص بالزھد والقناعۃ میں مفصل بیان کی ہے۔ الحمدللہ۔

یہی وہ حقیقی توکل ہے جس میں کسی چیز کی آمیزش نہیں، یہی رب العالمین کے ساتھ لو لگا کر غیر سے دل کو فارغ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے اور اپنے احسان اور کرم کے ساتھ اپنے سوا کسی اور کے حوالے نہ کرے۔

مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ۝ عام قرأت مثل کے نصب کے ساتھ ہے یہ کاف حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے یعنی کمثل نطقکم اس میں ما زائدہ ہے؛ یہ بعض کوفیوں کا نقطہ نظر ہے۔ زجاج اور فراء نے کہا: یہ بھی جائز ہے تاکید کے طور پر منصوب ہو، تقدیر کلام یہ ہو لحق حقا مثل نطقک گویا یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔

سیبویہ کا قول ہے: یہ مبنی ہے کیونکہ یہ مبنی کی طرف مضاف ہے اور ما زائدہ ہے جو تاکید کے لیے ہے۔

مازنی نے کہا: مثل، مع کے ساتھ مل کر ایک شے کے حکم میں ہے، اسی وجہ سے یہ مبنی بر فتحہ ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ کہا: کیونکہ عربوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو مثل کو ہمیشہ منصوب بناتے ہیں تو کہتا ہے: قال لی رجلٌ مثلک، مررت برجلٍ مثلَک۔

ابو بکر، حمزہ، کسائی اور اعمش نے مثل کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ حق کی صفت ہے کیونکہ یہ نکرہ ہے اگرچہ معرفہ کی طرف مضاف ہے کیونکہ مثل کے لفظ میں اضافت کے باوجود اختصاص پیدا نہیں ہوتا۔

مثل کا لفظ اَنَّكُمْ کی طرف مضاف ہے اور ما زائدہ ہے اس کا مابعد مصدر کے حکم میں نہیں ہوتا کیونکہ اس کے ساتھ

کوئی ایسا فعل نہیں جس کے ساتھ مل کر وہ مصدر ہو جائے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ لَحَقٌّ سے بدل ہو۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۭ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾

''اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور ہر وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی یہ حق ہے (بعینہ اسی طرح) جس طرح تم باتیں کر رہے ہو۔ اے حبیب! کیا پہنچی ہے آپ کو خبر ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی جب وہ آپ کے پاس آئے تو انہوں نے سلام عرض کیا آپ نے فرمایا: تم پر بھی سلام ہو (دل ہی دل میں سوچا) بالکل انجان لوگ ہیں پس چپکے سے اپنے اہل خانہ کی طرف گئے اور ایک (بھنا ہوا) موٹا تازہ بچھڑا لے آئے لا کر ان کے قریب رکھ دیا فرمایا: کھاتے کیوں نہیں؟ پس دل ہی دل میں ان سے خوف کرنے لگے وہ بولے ڈریئے نہیں اور انہوں نے بشارت دی آپ کو ایک صاحب علم بیٹے کی''۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا تا کہ اس کے ساتھ اس امر کی وضاحت کرے کہ وہ آیات کو جھٹلانے والے کو ہلاک کر دے گا جس طرح اس نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کیا۔

هَلْ اَتٰىكَ یہ الم یأتک کے معنی میں ہے یعنی کیا تیرے پاس یہ خبر نہیں آئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: هَلْ۔ قد کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ (الانسان: 1) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے بارے میں گفتگو سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں گزر چکی ہے۔

الْمُكْرَمِيْنَ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ہیں، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ (الانبیاء) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد حضرت جبرئیل امین، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل ہیں۔ عثمان بن حصین نے یہ زائد ذکر کیا ہے اور حضرت رفائیل علیہم السلام۔

محمد بن کعب نے کہا: حضرت جبریل امین اور ان کے نو ساتھی مراد ہیں۔ عطا اور ایک جماعت نے کہا: یہ تین فرشتے تھے حضرت جبرئیل، حضرت میکائل اور ان دونوں کے ساتھ ایک اور فرشتہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہیں مکرمین اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ خوف زدہ نہیں تھے۔ مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں مکرمین اس لیے کہا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود ان کی خدمت کی تھی۔ عبدالوہاب نے کہا: علی بن عیاض نے مجھے کہا میرے ہاں ہریسہ (ایک کھانا جو گندم اور گوشت کو کوٹ کر بنایا جاتا ہے) ہے آپ کی کیا رائے ہے؟ میں نے کہا: میری اس بارے میں بہت اچھی رائے ہے۔ کہا: ہمارے ساتھ چلو، میں گھر میں داخل ہوا آپ نے غلام کو بلایا تو وہ غائب تھا مجھے کسی امر نے مضطرب نہ کیا مگر اس چیز نے کہ انہوں نے پانی والا برتن اور تھال اٹھایا ہوا تھا اور ان کے کندھے پر رومال تھا میں نے بے ساختہ کہا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ، کاش! میں جانتا اے ابا الحسن کہ معاملہ اس طرح ہے۔ فرمایا:

اپنے اوپر آسانی لاؤ آپ ہمارے ہاں بڑے معزز ہیں۔ مکرم اسے کہتے ہیں جس کی ذاتی طور پر خدمت کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے فرمان کو دیکھیے: هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ الْمُكْرَمِیْنَ ۝۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا سورۂ حجر میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

قَالَ سَلٰمٌ یعنی کہا: تم پر سلام ہو، یہ تقدیر بھی جائز ہے أمری سلام یا ردی لکم سلام۔ عاصم کے علاوہ کوفہ کے قراء نے اسے سِلْم پڑھا ہے یعنی سین مکسور ہے۔

قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ تقدیر کلام یہ ہے انتم قوم منکرون یعنی تم اجنبی لوگ ہو ہم تمہیں نہیں پہچانتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ آپ نے انہیں انسانی شکل میں نہیں دیکھا تھا اور یا انہیں ان فرشتوں کے علاوہ صورت میں دیکھا تھا جنہیں آپ پہچانتے تھے تو آپ نے اجنبی خیال کیا کہا: قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے انہیں اجنبی اس لیے خیال کیا کیونکہ وہ اجازت کے بغیر داخل ہوئے تھے۔ ابو العالیہ نے کہا: اس زمانہ اور اس علاقہ میں ان کے سلام کو عجیب خیال کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: آپ ان سے ڈر گئے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: انکرته۔ میں اس سے ڈر گیا۔ شاعر نے کہا:

فَأَنْكَرَتْنِي وما كان الذي نَكِرَتْ مِنَ الحوادِثِ إِلَّا الشَّيْبَ الصَّلَعَا(1)

اس نے مجھے ڈرا دیا جب کہ وہ بڑھاپے اور گنجے پن کے علاوہ کسی چیز سے ڈرنے والا نہیں تھا۔

فَرَاغَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ زجاج نے کہا: آپ اپنے اہل کی طرف گئے۔ سورۃ الصافات میں یہ بحث گزر چکی ہے یہ کہا جاتا ہے: اراغ اور ارتاغ دونوں کا معنی طلب کرنا ہے۔ ماذا تریغ تو کیا ارادہ کرتا ہے اور تو کیا طلب کرتا ہے۔ اراغ الی کذا وہ راز داری سے اس کی طرف مائل ہوا اور راہ راست سے بھٹک گیا۔ اس تعبیر کی بنا پر راغ اور اراغ دو لغتیں ہیں جن کا معنی ایک ہے۔

فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ ۝ آپ مہمانوں کے پاس ایسا بچھڑا لائے جس کو ان کے لیے بھونا تھا جس طرح سورۂ ہود میں ہے۔ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ ۝ (ہود) یہ کہا جاتا ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے گھر کی طرف گئے جس طرح مہمان سے چوری چھپے کام کرنا چاہ رہے ہوں تاکہ ان کے لیے جو کھانا بنانا چاہتے ہیں وہ ان پر ظاہر نہ ہو۔

فَقَرَّبَهٗۤ اِلَیْهِمْ بھونا ہوا بچھڑا انہیں پیش کیا۔ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ قتادہ نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عمومی مال گائے کی نسل سے تھا آپ نے ان کی زیادہ تعظیم بجالانے کے لیے ایک موٹا بچھڑا لیا(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایک لغت میں عجل کا معنی بکری ہے، قشیری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ صحاح میں ہے: عجل، گائے کے بچے کو کہتے ہیں عجول اسی کی مثل ہے جمع عجاجیل ہے، مونث عجلہ ہے۔ ابو جراح سے مروی ہے: بقرہ معجل یعنی بچھڑے والی گائے۔ عجل، ربیعہ کا ایک قبیلہ ہے۔

فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ان سے دل میں خوف محسوس کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب انہوں نے کھانا نہ کھایا تو دل میں خوف ہوا۔ لوگوں کا طریقہ یہ تھا جو انسان کسی کا کھانا کھالیتا تو اس کی جانب سے امن خیال کیا جاتا۔ عمرو بن دینار نے کہا: فرشتوں نے کہا ہم قیمت دے کر ہی کھاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے کہا: کھانا کھاؤ اور اس کی قیمت ادا کر دینا۔ انہوں نے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 370

2۔ ایضاً

پوچھا: اس کی کیا قیمت ہے؟ فرمایا: جب تم اسے کھاؤ تو اللہ کا نام لو اور جب تم فارغ ہو تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرو۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا: اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنا خلیل بنایا ہے۔ سورۂ ہود میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ جب انہوں نے حضرت ابراہیم میں خوف کے آثار دیکھے تو کہا: لَا تَخَفْ اور آپ کو بتا دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے اور قاصد ہیں۔

وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾ آپ کو ایسے بچے کی بشارت دی جو آپ کی زوجہ حضرت سارہ سے پیدا ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب انہوں نے یہ بتایا کہ وہ فرشتے ہیں تو آپ نے ان کی تصدیق نہ کی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس بچھڑے کو زندہ کر دیا جو آپ نے ان کے سامنے پیش کیا تھا۔ عون بن ابی شداد نے روایت کی ہے کہ حضرت جبریل امین نے بچھڑے کو اپنا پر مارا وہ چلنے لگا یہاں تک کہ اپنی ماں تک جا پہنچا اور بچھڑے کی ماں گھر میں تھی۔

عَلِیْمٍ کا معنی ہے وہ بالغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کا عالم ہوگا۔ جمہور علماء کی رائے ہے کہ جس بچے کی بشارت دی گئی وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ حضرت مجاہد نے کہا: وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ یہ قول کوئی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ (سورۂ ہود: 71) یہ نص ہے۔

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَ قَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۰﴾

"پس آئی آپ کی بیوی چیں بجبیں ہو کر اور (فرط حیرت) سے طمانچہ دے مارا اپنے چہرے پر اور بولی (میں) بوڑھی (میں) بانجھ (کیا میرے ہاں بچہ ہوگا) انہوں نے کہا: ایسا ہی تیرے رب نے فرمایا ہے، بے شک وہی بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے"۔

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ۔ صَرَّةٍ کا معنی چیخ اور شور ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے اسی سے صریر الباب ہے، جس سے مراد دروازے کی آواز ہے عکرمہ۔ اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد اوہ کا کلمہ کہنا ہے۔ یہاں اقبال سے مراد ایک جگہ سے دوسری جگہ آنا نہیں۔ فراء نے کہا: یہ تیرے اس قول کی طرح ہے اقبل یشتمنی وہ مجھے گالیاں دینے لگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عورتوں کی ایک جماعت میں آئیں تا کہ فرشتوں کی گفتگو سنیں۔ جوہری نے کہا: صرہ کا معنی شور و غل کرنا اور چیخنا ہے اور صرۃ کا معنی جماعت ہے اور صرۃ کا معنی سخت مصیبت ہے۔ امرء القیس نے کہا:

فَاَلْحَقَهٗ بِالْهَادِیَاتِ وَدُوْنَهٗ جَوَاحِرُهَا فِیْ صَرَّةٍ لَمْ تَزَیَّلِ(1)

یہ گھوڑا جب جنگلی گائیوں کے ابتدائی حصہ تک پہنچا اس کے پیچھے والی گائیاں جماعت میں تھیں جو بکھری نہیں۔

یہ شعر تینوں مذکورہ وجوہ کا احتمال رکھتا ہے۔ صرۃ القیظ سے مراد اس کی گرمی کی شدت ہے۔ جب حضرت سارہ نے بشارت کو سنا تو اپنے چہرے پر ضرب لگائی یعنی جس طرح عورتوں کی عادت ہوتی ہے وہ تعجب کے وقت اپنے چہرے پر ہاتھ مارتی ہیں؛ یہ سفیان ثوری اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فَصَكَّتْ وَجْهَهَا اس نے اپنے

1 تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 371

منہ پر طمانچہ مارا۔ صلّ کا اصل معنی مارنا ہے۔ صکہ اس نے اسے مارا۔ راجز نے کہا:

یا کروانا صُكّ فَاكْبَانَا

کروان بھورے رنگ کا پرندہ جو رات کو نہیں سوتا۔

اموی نے کہا: کَبَنَ الظبی یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب ہرن زمین سے چمٹ جائے۔ اِلْبَانَ کا معنی بھی یہی ہے۔

وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ﴿٢٩﴾ یعنی کیا بوڑھی بانجھ عورت بچہ جنے گی؟ زجاج نے کہا: معنی ہے میں بوڑھی اور بانجھ ہوں میں کیسے بچہ جنوں گی؟ جس طرح کہا: يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ (ہود:72)

قَالُوْا كَذٰلِكِ یعنی بات اسی طرح ہے جس طرح ہم نے تجھے کہا ہے اور ہم نے تجھے خبر دی ہے۔ قَالَ رَبُّكِ تیرے رب کا فرمان ہے تو اس میں شک نہ کر۔

بشارت اور ولادت کے درمیان ایک سال کا طویل عرصہ تھا حضرت سارہ کی اس سے پہلے اولاد نہ ہوئی تھی۔ انہوں نے اس وقت بچا جنا جب ان کی عمر نواسی سال تھی جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت سو سال تھی۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿٣٠﴾ جو کچھ وہ عمل کرتا ہے اس میں حکیم ہے اور مخلوق کی مصلحتوں سے آگاہ ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣١﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣٢﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿٣٣﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣٤﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٣٥﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٣٦﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٣٧﴾

''آپ نے پوچھا: تمہارے آنے کا مقصد کیا ہے اے فرشتو! وہ بولے ہم بھیجے گئے ہیں ایک قوم کی طرف جو جرائم پیشہ ہے تاکہ ہم برسائیں ان پر گارے کے بنے ہوئے پتھر (کنکر) جن پر نشان لگے ہیں آپ کے رب کی طرف سے حد سے بڑھنے والوں کے لیے (نزول عذاب سے پہلے) ہم نے نکال دیا وہاں کے تمام ایمانداروں کو۔ پس نہ پایا ہم نے اس (ساری) بستی میں بجز ایک مسلم گھر کے اور ہم نے باقی رہنے دی ایک نشانی ان لوگوں (کی عبرت پذیری) کے لیے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں''۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣١﴾ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ وہ فرشتے ہیں کیونکہ انہوں نے بچھڑے کو زندہ کر دیا تھا اور بچے کی بشارت دی تھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں فرمایا: فَمَا خَطْبُكُمْ تمہارا کیا معاملہ اور کیا قصہ ہے اے بھیجے گئے فرشتو!؟

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣٢﴾ قوم سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ہے۔ انہوں نے کہا: ہمیں مجرم

قوم کی طرف بھیجا گیا ہے۔

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِينٍ ﴿۳۳﴾ یعنی ہم ان پر مٹی کے بنے پتھر برسائیں۔ مُسَوَّمَةً جن پر نشان لگے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر سیاہ اور سرخ خط لگے ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ اس میں معروف تھے کہ یہ عذاب کے پتھر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر پتھر پر اس کا نام لکھا ہوا تھا جس نے اس کے ساتھ ہلاک ہونا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر مہریں سی لگی ہوئی تھیں۔ یہ سب بحث سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔ پتھر ان کے مسافروں اور بکھرے ہوئے الگ تھلگ لوگوں کا پیچھا کرتے تو ان میں سے کوئی مخبر بھی نہ بچا۔

عِنْدَ رَبِّكَ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے جس کے رجم کا فیصلہ کیا تھا اس کو رجم کرنے کے لیے انہیں تیار کیا۔ پھر کہا گیا: وہ اس طرح پکے ہوئے تھے جس طرح اینٹ پکائی جاتی ہے، یہ ابن زید کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ ﴿﴾ (الحجر) کا یہی معنی ہے۔ جس کی وضاحت سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اس سے مراد وہ پتھر ہے جسے ہم دیکھتے ہیں جس کی اصل مٹی ہوتی ہے۔ یہ پتھر اس طرح بنتا ہے کہ زمانہ کے گزرنے کے ساتھ سورج اسے جلا دیتا ہے۔ اسے طین کہا گیا تا کہ یہ علم ہو یہ پانی سے بنا ہوا پتھر نہیں جو اولہ ہوتا ہے؛ قشیری نے یہ بیان کیا ہے۔

فَأَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۵﴾ جب ہم نے قوم لوط کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان میں سے جو مومن تھے ان کو ہم نے نکال لیا تا کہ مومن ہلاک نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ (الحجر:65) سے یہی مراد ہے۔

فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۳۶﴾ الْمُسْلِمِينَ سے مراد حضرت لوط علیہ السلام اور اس کی بیٹیاں ہیں۔ اس میں اضمار ہے تقدیر کلام یہ ہے فما وجدنا فیھا غیر اھل بیت کبھی یہ کہا جاتا ہے بیت شریف اس سے مراد اہل ہوتا ہے۔ فیھا یہ قریہ سے کنایہ ہے اس کا ذکر پہلے نہیں ہوا کیونکہ معنی ذہن میں موجود ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ﴿۳۲﴾ قریہ پر دال ہے، کیونکہ وہ قوم قریہ میں ہی رہائش پذیر تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ھاء کی ضمیر جماعت کے لیے ہے۔ مومنون اور مسلمون یہاں برابر ہیں جنس کا ذکر کیا تا کہ تکرار کی ضرورت نہ پڑے، جس طرح فرمایا:

إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ (یوسف:86)

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایمان سے مراد تصدیق قلبی ہے اور اسلام سے مراد ظاہری اطاعت ہے۔ ہر مومن مسلمان ہے اور ہر مسلمان مومن نہیں۔ پہلی آیت میں مومنین کہا کیونکہ ہر مومن مسلمان ہوتا ہے اس بارے میں گفتگو سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا ۖ قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا (الحجرات:14)

یہ ایمان اور اسلام میں فرق پر دلالت کرتا ہے۔ صحیح مسلم اور دوسری کتب میں مذکورہ حدیث جبریل کا مقتضا بھی یہی ہے ہم نے اس کی وضاحت کئی مقامات پر کی ہے۔

وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً ہم نے اس زمانہ اور ان کے بعد کے زمانہ کے لوگوں کے لیے عبرت اور علامت رکھ دی ہے۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَقَد تَّرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۳۵﴾ (العنکبوت) ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیۃ

متروکہ سے مراد برباد بستی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ڈھیر لگے پتھر جن کے ساتھ انہیں رجم کیا گیا وہی آیت ہے۔

لِلَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ خوف کرنے والوں کو اس لیے خاص کیا کیونکہ وہی اس سے نفع حاصل کرتے ہیں۔

وَ فِیْ مُوْسٰۤى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَ قَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ وَ هُوَ مُلِیْمٌ ﴿۴۰﴾

''اور (داستان) موسیٰ میں بھی نشانی ہے جب ہم نے انہیں بھیجا فرعون کی طرف ایک روشن دلیل دے کر پس اس نے روگردانی کی اپنی قوت کے بل بوتے پر اور کہنے لگا: یہ شخص جادوگر ہے یا دیوانہ تو ہم نے اس کو اس کے لشکر سمیت پکڑا اور انہیں سمندر میں پھینک دیا اور وہ قابل ملامت بن گیا''۔

وَ فِیْ مُوْسٰۤى یعنی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بھی نشانی چھوڑی ہے۔ فراء نے کہا: اس کا عطف وفی الارض آیات پر ہے۔

اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۸﴾ سلطان مبین سے مراد واضح حجت ہے وہ عصا کا معجزہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد معجزات ہیں جو عصا اور دوسرے معجزات ہیں۔

فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ ضمیر فاعل سے مراد فرعون ہے اس نے ایمان سے اعراض کیا۔ بِرُكْنِهٖ یعنی اپنی جمعیت اور اپنے لشکروں کے ساتھ، یہ ابن زید کا قول ہے۔ مجاہد کے قول کا بھی یہی معنی ہے اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰى رُكْنٍ شَدِیْدٍ ﴿۸۰﴾ (ہود) یہاں رکن سے مراد قوت اور قبیلہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: اپنی قوت کے بل بوتے پر اس معنی میں عنترہ کا قول ہے۔

فما أوهى مِرَاسُ الْحَرْبِ رُكْنِيَ(1)　　جنگ کی شدت نے میری قوت کو کمزور نہیں کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: بِرُكْنِهٖ سے مراد اس کی ذات ہے۔ اخفش نے کہا: مراد اس کی جانب ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَعْرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ (فصلت: 51) یہ مورخ کا قول ہے۔ جوہری نے کہا: کسی شے کا رکن اس کی اقوی جانب ہوتی ہے۔

اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰى رُكْنٍ شَدِیْدٍ ﴿۸۰﴾ (ہود) معنی وہ طاقت و سہارا کی پناہ لیتا ہے۔ قشیری نے کہا: رکن سے مراد بدن کی جانب ہے۔ یہ کسی شے سے اعراض کرنے میں مبالغہ کے اظہار کے لیے ہوتا ہے۔

وَ قَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ یہاں او، واؤ کے معنی میں ہے کیونکہ انہوں نے یہ دونوں باتیں کیں؛ یہ مورج اور فراء کا نقطہ نظر ہے اور جریر کا یہ شعر پڑھا:

أَثَعْلَبَةَ الفَوَارِسَ أَوْ رِيَاحًا عَدَلْتَ بِهِم طُهَيَّةَ وَالْخِشَابَا(2)

اس شعر میں او، واؤ کے معنی میں ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 372　　2۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 7

او کو واؤ کے معنی میں رکھا جاتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا (الانسان) اس میں او، واؤ کے معنی میں ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ (النساء:3) یہ سب گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ ان کے کفر اور ایمان سے اعراض کے باعث ہم نے انہیں اور ان کے لشکروں کو پکڑ لیا۔

فَنَبَذْنٰهُمْ یعنی ہم نے انہیں پھینک دیا۔ فِی الْیَمِّ وَ هُوَ مُلِیْمٌ یعنی فرعون ملامت کیا گیا کیونکہ اس نے وہ اعمال کیے جن پر ملامت کی جاتی ہے۔

وَ فِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ ﴿۴۲﴾

''اور (قصہ) عاد میں نشان عبرت ہے جب ہم نے ان پر آندھی بھیجی جو خیر و برکت سے خالی تھی نہیں چھوڑتی تھی کسی چیز کو جس پر گزرتی مگر اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی''۔

وَ فِیْ عَادٍ ہم نے عاد میں ان لوگوں کے لیے نشانی چھوڑی جو غور و فکر کریں۔

اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ سے مراد وہ ہوا ہے جو نہ بادلوں کے بننے کا باعث بنتی ہے نہ درختوں میں ملاقحہ کا عمل کرتی ہے نہ اس میں رحمت، برکت اور منفعت ہوتی ہے اسی سے امرأة عقیم ہے جو نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ بچہ جنتی ہے۔ پھر یہ کہا گیا ہے: اس سے مراد وہ ہوا ہے جسے جنوب کہتے ہیں۔ ابن ابی ذئب نے حرث بن عبدالرحمن سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ''ریح عقیم سے مراد جنوب (۱) ہے''(1)۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد دبور ہے، جس طرح صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے ''میری مدد صبا سے کی گئی اور قوم عاد دبور (۲) سے ہلاک کی گئی''(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد نکباء (۳) ہے، عبید بن عمیر نے کہا: اس ہوا کا مسکن چوتھی زمین ہے عاد پر صرف اس قدر اسی کو کھولا گیا جس طرح بیل کا نتھنا ہوا کرتا ہے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہ قول بھی نقل کیا ہے: اس سے مراد صبا ہے(3)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ یعنی ایسی چیز کی طرح جسے ریزہ ریزہ کر دیا گیا ہو۔ جب نباتات خشک ہو جائے اور ریزہ ریزہ ہو جائے تو اسے کہتے ہیں: رمیم، مشیم۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ایسی چیز کی طرح جو ہلاک ہونے والی ہو اور بوسیدہ ہو؛ یہ مجاہد کا قول ہے؛ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

تَرَكْتَنِی حِینَ كَفَّ الدَّهْرُ مِنْ بَصَرِی وَ اِذْ بَقِیتُ كَعَظْمِ الرِّمَّةِ الْبَالِی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 373

2۔ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، ما جاء فی قولہ تعالیٰ ھو الذی ارسل الریاح، جلد 1، صفحہ 455

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 373

(۱) جنوب کی جانب سے چلنے والی ہوا (۲) پچھوائی ہوا (۳) ٹیڑھی چلنے والی ہوا

تو نے مجھے چھوڑا جب زمانہ نے میری نظر کو روک لیا۔ اور جس میں بوسیدہ ہڈی کی طرح باقی تھا۔

قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ ہے جسے خشک نباتات سے ریزہ ریزہ کیا جائے۔ ابو العالیہ اور سدی نے کہا: باریک مٹی کی طرح۔ قطرب نے کہا: رمیم سے مراد راکھ ہے۔ یمان نے کہا: مراد ہے چوپائے جس گھاس کو پھینک دیتے ہیں۔ ہونٹ کو مرمة اور مقمہ کہتے ہیں۔ مرمہ بھی اس میں لغت ہے کلمہ کی اصل رم العظم ہے جب وہ بوسیدہ ہو جائے۔ تو اسی سے یہ باب ذکر کرتا ہے رم العظم یرم رمة فهو رميم۔ شاعر نے کہا:

وَرَأَى عَوَاقِبَ خُلْفِ ذَاتَ مَذَمَّةً تَبْقَى عليهِ والعِظَامُ رَمِيمُ

اس نے اس وعدہ کے توڑنے کے انجام میں مذمت دیکھی جو اس پر باقی رہنے والی تھی جب کہ ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں۔

رمة جب راء کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد بوسیدہ ہڈیاں ہیں اس کی جمع رِمَم اور رِمَامٌ ہے اس کی مثل یہ آیت ہے تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ (الاحقاف:25) جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

وَ فِي ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ۝ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّ مَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ۝

''اور واقعہ ثمود میں بھی نشانی ہے جب انہیں کہہ دیا گیا کہ لطف اٹھا لو ایک وقت تک پس انہوں نے سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے تو پکڑ لیا انہیں ایک خوفناک کڑک نے درآں حالیکہ وہ دیکھ رہے تھے۔ پھر ان میں نہ اٹھنے کی طاقت رہی اور نہ (ہم سے) انتقام لے سکے''۔

وَفِي ثَمُوْدَ یعنی ثمود میں بھی عبرت اور نشانی ہے جب انہیں کہا گیا: تم دنیا سے لطف اندوز ہوتے ہوئے زندگی گزارو۔ حَتّٰى حِيْنٍ ہلاکت کے وقت تک۔ یہ تین دن ہیں۔ جس طرح سورۂ ہود آیت 65 میں ہے تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تَمَتَّعُوْا کا معنی ہے اسلام لے آؤ اور اپنی اجل کے پورا ہونے تک لطف اندوز ہو لو۔

فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے امر کی مخالفت کی اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ صاعقہ سے مراد موت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہر قسم کا مہلک عذاب ہے۔ حسین بن واقد نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی صاعقہ کا لفظ ہے اس سے مراد عذاب ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حمید، ابن محیصن، مجاہد اور کسائی نے الصَّعْقَه پڑھا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: صعق الرجل صعقة و تصعاقا اس پر غشی چھا گئی۔ صعقتهم السماء جب آسمان ان پر عذاب نازل کرے۔ صاعقہ کا معنی عذاب کی چیخ ہے۔ سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وہ دن کے وقت اسے دیکھ رہے تھے۔ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیام کا معنی اٹھنا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ طاقت نہیں رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو اٹھا سکیں اور اس کے ساتھ اٹھ سکیں اور اپنی ذاتوں سے اسے دور کر سکیں۔

1۔ تفسیر عبدالرزاق، جلد 3، صفحہ 240

تو کہتا ہے: لا أقوم لهذا الأمر میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کے جسم ختم ہو جائیں گے اور ان کی روحیں عذاب میں باقی رہیں گی۔

وَّ مَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿٤٥﴾ جب انہیں ہلاک کیا جائے گا تو وہ عذاب سے محفوظ نہیں ہوں گے یعنی ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۖ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٤٦﴾

''اور قوم نوح کا اس سے پہلے (یہی حشر ہوا) بے شک وہ لوگ بھی (پرلے درجے کے) نافرمان تھے''۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ حمزہ، کسائی اور ابوعمرو نے اسے وقومِ نوح پڑھا ہے یعنی قوم کے لفظ کو جر دی ہے یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں بھی نشانی ہے۔ باقی قراء نے اس پر نصب پڑھی ہے تقدیر کلام یہ ہوگی وأهلكنا قومَ نوح یا اس کا عطف أخذتهم کی هم ضمیر پر ہے یا أخذناه کی ہ ضمیر پر ہے۔ معنی یہ بنے گا انہیں صاعقہ نے پکڑ لیا اور اس نے قوم نوح کو پکڑ لیا یا ہم نے انہیں سمندر میں پھینک دیا اور قوم نوح کو پھینک دیا یا یہ اذكر کے معنی میں ہے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٩﴾

''اور ہم نے آسمان کو (قدرت کے) ہاتھوں سے بنایا اور ہم نے ہی اس کو وسیع کر دیا اور زمین کا ہم نے فرش بچھا دیا پس ہم کتنے اچھے فرش بچھانے والے ہیں۔ اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے تا کہ تم غور و فکر کرو''۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ جب ان آیات کو بیان کیا تو فرمایا: آسمان میں آیات اور عبرتیں ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ صانع کمال پر قادر ہے۔ سماء کے امر کو قوم نوح کے قصہ پر عطف کیا کیونکہ یہ دونوں آیات ہیں۔ بِاَيْىدٍ کا معنی ہے قوت اور قدرت کے ساتھ؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔

وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿٤٧﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم قادر ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم وسعت والے ہیں انہیں اور غیر کو پیدا کرنا ہم پر کوئی مشکل نہیں ہوتا جس کو پیدا کرنے کا ہم ارادہ کر لیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم اپنی مخلوق پر اپنا رزق وسیع کرنے والے ہیں؛ یہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: ہم اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: ہم بارش کے ذریعے رزق کو وسیع کرنے والے ہیں (2)۔ ضحاک نے کہا: ہم نے تمہیں غنی کر دیا ہے؛ اس پر دلیل عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ (البقرہ: 236) ہے۔ قتبی نے کہا: ہم اپنی مخلوق پر وسعت والے ہیں۔ معنی قریب قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہم نے آسمان اور زمین کے درمیان وسعت رکھ دی ہے۔ جوہری نے کہا: أوسع الرجل سے مراد ہے وہ وسعت اور غنا والا ہوگا؛ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿٤٧﴾ (الذاریات) یعنی ہم غنی اور قادر ہیں؛ تو یہ تمام اقوال کو شامل ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 181 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 229

وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا یعنی ہم نے زمین کو پانی پر بچھا دیا جس طرح بستر بچھایا جاتا ہے اور ہم نے اسے پھیلا دیا۔ فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ۝ یعنی ہم اس کو کتنا اچھا بچھانے والے ہیں۔ سب میں تعظیم کا معنی پایا جاتا ہے۔ مهدت الفراش مهدا میں نے بستر کو بچھا دیا۔ تمہید الامور سے مراد ان کو درست کرنا ہے۔

وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ یعنی دو مختلف صنفیں اور نوعیں بنائیں۔ ابن زید نے کہا: یعنی مذکر اور مونث، میٹھا اور کھٹا اور اسی کی مثل بنایا (1)۔ مجاہد نے کہا: مذکر اور مونث، آسمان اور زمین، سورج اور چاند، رات اور دن، نور اور ظلمت، میدان اور پہاڑ، جن اور انسان، خیر اور شر، صبح اور شام اور ایسی اشیاء جو مختلف ہیں ذائقوں، خوشبوؤں اور رنگوں میں یعنی ہم نے اسے اسی طرح بنایا ہے یہ ہماری قدرت پر دال ہیں۔ جو اس پر قادر ہے وہ دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ تا کہ تمہیں علم ہو جائے کہ جوڑوں کا خالق فرد ہے اس کی صفت میں حرکت و سکون، ضیاء و ظلمت، قعود و قیام، ابتدا و انتہا کو مقدر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ الله تعالیٰ وتر (طاق) ہے اس جیسی کوئی چیز نہیں۔ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝ تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔

فَفِرُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَاۤ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ۝ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

”پس دوڑو الله کی طرف (اور اس کی پناہ لے لو) بے شک میں تمہیں (اس کے غضب) سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اور نہ بناؤ الله کے ساتھ کوئی اور معبود، بے شک میں تمہیں اس (کے غضب) سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اسی طرح نہیں آیا ان سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی رسول مگر انہوں نے یہی کہا کہ یہ ساحر ہے یا دیوانہ۔ کیا پہلوں نے پچھلوں کو یہی وصیت کی تھی (نہیں) بلکہ یہ لوگ سرکش ہیں پس آپ ان سے رخ انور پھیر لیجئے آپ پر کوئی الزام نہیں اور آپ سمجھاتے رہیے یقیناً سمجھانا اہل ایمان کے لیے فائدہ بخش ہے“۔

فَفِرُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ۝ امتوں نے انبیاء کی جو تکذیب کی اور ان امتوں کو ہلاک کیا گیا اس کا ذکر ہو چکا اسی وجہ سے الله تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا: اے محمد! انہیں کہو یعنی اپنی قوم سے کہو الله تعالیٰ کی طرف بھاگو میں تمہیں واضح خبردار کرنے والا ہوں۔ یعنی اس کے معاصی سے اس کی طاعت کی طرف بھاگو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے الله تعالیٰ کی طرف بھاگو۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے: اس سے اس کی طرف بھاگو اور اس کی اطاعت کرو۔ محمد بن عبدالله بن عمرو بن عثمان بن عفان نے کہا: فَفِرُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ سے مراد ہے مکہ مکرمہ کی طرف نکلو۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 181

حسین بن فضل نے کہا: اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے بچو جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی اور کی طرف بھاگا تو وہ اس سے بچ نہیں سکتا۔

ابوبکر وراق نے کہا: شیطان کی طاعت سے رحمن کی طاعت کی طرف بھاگو۔ حضرت جنید بغدادی نے کہا: شیطان باطل کی طرف دعوت دیتا ہے پس اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو وہ تمہیں شیطان سے بچا لے گا۔ ذوالنون مصری نے کہا: جہالت سے علم کی طرف، کفر سے شکر کی طرف بھاگو۔ عمرو بن عثمان نے کہا: اپنے نفوس سے اپنے رب کی طرف بھاگو۔ یہ بھی کہا: اللہ تعالیٰ کی جانب سے تمہارے حق میں جو فیصلہ ہو چکا ہے اس کی طرف بھاگو اپنی حرکتوں پر اعتماد نہ کرو۔ سہل بن عبداللہ نے کہا: غیر اللہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو(1)۔

اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾ کفر اور معصیت پر میں تمہیں اس کے عقاب سے ڈراتا ہوں۔

وَ لَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ یہ لوگوں سے کہیں جب کہ آپ نذیر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مخلوق کو خطاب ہے۔ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ یعنی میں (اللہ) تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی تلواروں سے نَذِیْرٌ یعنی میں تمہیں اس کی پکڑ اور تلوار سے خبردار کرنے والا ہوں اگر تم میرے ساتھ شرک کرو؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔

كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے یعنی جس طرح تیری قوم نے تجھے جھٹلایا اور کہا: آپ ساحر و مجنون ہیں ان سے قبل لوگوں نے بھی جھٹلایا اور اسی کی مثل قول کیا۔ كَذٰلِكَ میں جو کاف ہے اس کو نصب اس تقدیر کی بنا پر ہو أنذر کم إنذار کإنذار من تقدمنی من الرسل الذین أنذر و اقوامھم یا یہ مرفوع ہو تقدیر کلام ہو الامر کذلك۔

پہلی صورت میں ان لوگوں کو ڈرانا ہے جنہوں نے موحد ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ دوسری صورت میں ملحدین میں سے جنہوں نے شرک کیا۔ کذلك کے بارے میں گفتگو یعقوب وغیرہ سے مروی ہے۔

اَتَوَاصَوْا بِهٖ یعنی پہلوں نے بعد والوں کو جھٹلانے کی وصیت کی (2) اور اس پر موافقت کی یہاں ہمزہ استفہام توبیخ اور تعجب کے اظہار کے لیے ہے۔ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ یعنی ان میں سے بعض نے بعض کو وصیت نہیں کی بلکہ طغیان نے سب کو جمع کر دیا۔ یہ کفر میں حد سے تجاوز کرنا ہے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ان سے اعراض کیجئے اور ان سے درگزر کیجئے۔ فَمَاۤ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملامت کیے گئے نہیں کیونکہ رسالت کی تبلیغ کا جو فریضہ آپ پر لازم تھا اس کو آپ نے ادا کیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ یہ منسوخ ہے وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۵﴾ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے۔

پہلا قول ضحاک کا ہے کیونکہ آپ کو حکم دیا گیا کہ نصیحت کرنے کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوں۔ مجاہد نے کہا: فَتَوَلَّ

1۔ تفسیر سلمی، جلد 2، صفحہ 276، دار الکتب العلمیہ
2۔ تفسیر عبد الرزاق، جلد 3، صفحہ 241

عَنْهُمْ ان سے درگزر کیجئے۔ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ آپ کا رب آپ پر کسی کوتاہی کی وجہ سے ملامت نہیں کرے گا جو آپ سے صادر ہوئی۔ وَّذَكِّرْ نصیحت انہیں یاد دلائیے کیونکہ نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے۔ قتادہ نے کہا: قرآن ان کے سامنے پڑھیے کیونکہ قرآن پڑھنا مومنوں کو نفع دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں عذاب اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ یاد دلائیے۔ یہاں مومنوں کا خاص طور پر ذکر کیا کیونکہ مومن ہی اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾

"اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن وانس کو مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔ نہ میں طلب کرتا ہوں ان سے رزق اور نہ یہ طلب کرتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی (سب کو) روزی دینے والا، قوت والا اور زور والا ہے۔ پس ان ظالموں کے لیے عذاب کا ویسا ہی حصہ ہے جیسا ان کے ہم مشربوں کو حصہ ملا تھا پس یہ جلد بازی نہ کریں۔ پس تباہی ہے ان کے لیے جنہوں نے کفر کیا اس دن سے جس کا (ان سے) وعدہ کیا گیا ہے"۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ارشاد ان کو خاص ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔ لفظ عام ذکر کیا اور مراد خاص ہے۔ معنی ہے میں نے جن وانس میں سے اہل سعادت کو پیدا نہیں کیا مگر اسی لیے کہ وہ میری توحید کا اقرار کریں۔ قشیری نے کہا: آیت میں تخصیص قطعی طور پر داخل ہے کیونکہ مجنوں اور بچوں کو عبادت کا حکم نہیں دیا گیا یہاں تک کہ یہ بات کہی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے عبادت کا ارادہ کیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ (الاعراف: 179) جو لوگ جہنم کے لیے پیدا کیے گئے ہیں وہ عبادت کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔ پس مذکورہ آیت ان میں سے مومنین پر محمول ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس فرمان کی طرح ہے: قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا (الحجرات: 14) یہ بات بدوؤں میں سے ایک جماعت نے کہی تھی؛ اس کا ذکر ضحاک، کلبی، فراء اور قتبی نے کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں وما خلقت الجن والانس من المومنین الا لیعبدون ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: معنی ہے میں نے جن وانس کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ میں انہیں عبادت کا حکم دوں (1)؛ زجاج نے اس قول پر اعتماد کیا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے: وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 230

اِلٰهًا وَّاحِدًا (توبہ:31) اگر یہ سوال کیا جائے۔ انہوں نے کفر کیسے کیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی ربوبیت کا اقرار اور اس کے امر اور مشیت کے سامنے عاجزی کرنے کے لیے پیدا کیا؟

اس کا جواب یہ دیا گیا: اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف جو قضا کا فیصلہ کیا اس کے سامنے وہ سرافگندہ ہوئے کیونکہ اس کی قضا تو ان پر جاری ہے وہ اس سے بچنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ جس نے کفر کیا اس نے ان کی اس عمل میں مخالفت کی جس کے بجالانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا جہاں تک اس کی قضا کے سامنے عجز کا اظہار ہے اس کی جانب سے غیر ممتنع ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ کا معنی ہے مگر وہ میرے لیے خوشی سے یا مجبوراً عبادت کا اقرار کریں(1)؛ اسے علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ کرہ سے مراد ہے جو ان میں اس کی صنعت کا اثر دکھائی دیتا ہے۔

مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے اس لیے تا کہ وہ میری پہچان کریں (2)۔ ثعلبی نے کہا: یہ بہت اچھا قول ہے کیونکہ اگر وہ انہیں پیدا نہ کرتا تو اس کے وجود اور اس کی توحید کی پہچان نہ ہوتی۔ اس تاویل کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (الزخرف:87) وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ (الزخرف) اور اسی طرح کی دوسری آیات ہیں۔

مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: مگر اس لیے کہ میں انہیں حکم دوں اور انہیں نہی کروں۔ زید بن اسلم نے کہا: اس سے مراد ہے جس شقاوت اور سعادت پر انہیں پیدا کیا گیا جنوں اور انسانوں میں سے سعادت مند عبادت کے لیے پیدا کیے گئے اور ان میں سے بدبخت معصیت کے لیے پیدا کیے گئے (3)۔ کلبی سے یہ بھی مروی ہے: معنی ہے مگر اس لیے کہ وہ میری وحدانیت کو بیان کریں۔ جہاں تک مومن کا تعلق ہے تو وہ تنگ دستی اور خوشحالی میں اس کی توحید کا بیان کرتا ہے جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو وہ صرف سختی اور مصیبت میں اس کی توحید کا بیان کرتا ہے انعام اور خوشحالی کے زمانہ میں اس کی توحید بیان نہیں کرتا، اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَ اِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (لقمان:32)

عکرمہ نے کہا: معنی ہے مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں اور اطاعت کریں پس میں عبادت گزار کو بدلہ دوں گا اور منکر کو عذاب دوں گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے مگر اس لیے کہ میں انہیں اپنا بندہ بنالوں۔ معنی قریب ہے۔

عبودیت کا اصل معنی عاجزی ہے اور تعبیر کا معنی کسی کو مطیع بنانا ہے یہ لفظ بولا جاتا ہے: طریق معبد وہ راستہ جس پر عام چلا جائے۔ شاعر نے کہا:

وَظِيفًا وَظِيفًا فوقَ مَوْرٍ مُعَبَّدِ اس نے ہموار راستہ پر قدم پر قدم رکھا۔

تعبید کا معنی استعباد بھی ہے جن سے مراد اسے بندہ بنالینا ہے اسی طرح اعتباد ہے عبادت کا معنی طاعت ہے اور تعبد کا

1۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 17 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 230 3۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 16

معنی عبادت کرنا ہے لیعبدون کا معنی ہے کہ وہ عاجزی کریں اور عبادت کریں۔

مَآ اُرِيۡدُ مِنۡهُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ، مِنۡ زائدہ ہے میں ان سے رزق کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ میں رازق اور عطا کرنے والا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابوالجوزاء نے کہا: معنی ہے میں یہ ارادہ نہیں کرتا کہ وہ اپنے آپ کو رزق دیں اور نہ میں یہ ارادہ کرتا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو کھلائیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے میں یہ ارادہ نہیں کرتا کہ وہ میرے بندوں کو رزق دیں اور نہ میں یہ ارادہ کرتا ہوں کہ وہ انہیں کھلائیں۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ابن محیصن اور دوسرے قراء نے اسے الرازق پڑھا ہے۔

ذُو الۡقُوَّةِ الۡمَتِيۡنُ ۞ یعنی شدید اور قوی۔ اعمش، یحییٰ بن وثاب اور نخعی نے المتین کو مجرور پڑھا ہے کیونکہ یہ قوت کی صفت ہے۔ باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ رزاق یا ذو کی صفت ہے یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یا یہ ان کے اسم کی صفت ہے اس کے محل کے اعتبار سے یا یہ خبر کے بعد خبر ہے۔ فراء نے کہا: حق تو یہ تھا کہ لفظ المتینہ ہوتا اسے مذکر ذکر کیا کیونکہ یہ مضبوط و محکم شی کی طرف لے جاتا ہے یہ کہا جاتا ہے: حبل متین۔ فراء نے یہ شعر پڑھا:

لِكُلِّ دَهْرٍ قَدْ لَبِسْتُ أَثْوُبَا حَتَّى اكْتَسَى الرَّأْسُ قِنَاعًا أَشْيَبَا

مِن ريطةٍ وَالْيُمْنَةَ الْمُعَصَّبَا (2)

یہاں المعصب کو مذکر ذکر کیا ہے کیونکہ یمنۃ کپڑے کی ایک قسم ہے اسی باب میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنۡ جَآءَهٗ مَوۡعِظَةٌ (بقرہ: 275) مَوۡعِظَةٌ سے مراد وعظ ہے وَاَخَذَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوا الصَّيۡحَةُ (ہود: 67) الصَّيۡحَةُ سے مراد صیاح اور خوبصورت (آواز) ہے۔

فَاِنَّ لِلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا اہل مکہ میں سے جنہوں نے کفر کیا۔ ذَنُوۡبًا مِّثۡلَ ذَنُوۡبِ اَصۡحٰبِهِمۡ عذاب کا حصہ جس طرح سابقہ امتوں میں سے کفار کا حصہ ہوتا تھا۔ ابن اعرابی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے یوم ذنوب ایسا دن جس کا شر طویل ہو جو ختم نہ ہو۔ لغت میں ذَنُوۡبِ کا اصل معنی عظیم ڈول ہے۔ وہ پانی نکالتے اور اسے حصہ پر تقسیم کر دیتے پس ذنوب سے مراد حصہ لیا گیا؛ راجز نے کہا:

لَنَا ذَنُوبٌ وَلَكُمْ ذَنُوبٌ فإِنْ أَبَيْتُمْ فلنا الْقَلِيبُ(3)

ہمارے لیے حصہ ہے اور تمہارے لیے حصہ ہے اگر تم انکار کرو تو ہمارے لیے کنواں ہے۔

جوہری نے کہا: ذنوب سے مراد ایسا گھوڑا ہے جس کی دم لمبی ہو۔ ذنوب کا معنی حصہ ہے اور ذنوب سے مراد پشت کے نیچے والے حصہ کا گوشت ہے۔ ذنوب سے مراد ایسا ڈول ہے جو پانی سے بھرا ہوا ہو۔ ابن سکیت نے کہا: ایسا ڈول جس میں پانی ہو بھرنے کے قریب ہو۔ یہ مونث اور مذکر دونوں طرح استعمال ہوتا ہے جب وہ پانی سے خالی ہو تو اسے ذنوب نہیں کہتے۔ اس کی جمع قلت أذنبۃ اور جمع کثرت ذنائب آتی ہے جس طرح قلوص اور قلائص ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 17 2۔ ایضاً، جز 27، صفحہ 18 3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 183

فَلَا یَسۡتَعۡجِلُوۡنِ ﴿۵۹﴾ وہ اپنے اوپر عذاب کے نازل ہونے کی جلدی نہ کریں، کیونکہ انہوں نے کہا تھا: اے محمد! فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۷۰﴾ (الاعراف) غزوۂ بدر کے موقع پر ان پر وہ چیز نازل ہوئی جس نے ان کے وعدہ کو سچ کر دکھایا اور ان سے جلدی انتقام لے لیا۔ پھر ان کے لیے آخرت میں دائمی عذاب اور ہمیشہ رہنے والی رسوائی ہے جو ختم نہ ہوگی اور جس کی نہ کوئی انتہا ہے۔

سورۃ الطور

آیاتہا ۴۹ ۔ ۵۲ سورۃ الطور مکیۃ ۷۶ ۔ رکوعاتہا ۲

تمام علماء کے قول کے مطابق یہ سورت مکی ہے اس کی انچاس آیات ہیں۔ ائمہ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا(1)۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالطُّوْرِ ۙ۝ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ۝ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ۝ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۙ۝ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۙ۝ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۙ۝ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ۝ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۙ۝

"قسم ہے (کوہ) طور کی اور کتاب کی جو لکھی گئی ہے کھلے ورق پر اور قسم ہے بیت معمور کی اور بلند چھت کی اور سمندر کی جو لبالب بھرا ہے یقیناً آپ کے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا اسے کوئی ٹالنے والا نہیں"۔

وَالطُّوْرِ ۝ اس پہاڑ کا نام ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کی اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم اٹھائی اس کی شرافت کو ظاہر کرنے کے لیے، اس کی کرامت کو ظاہر کرنے کے لیے اور اس میں جو آیات ہیں انہیں یاد دلانے کے لیے۔ یہ جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔

اسماعیل بن اسحاق، اسماعیل بن ابی رویس سے وہ کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف سے وہ اپنے باپ سے وہ دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "چار پہاڑ جنت کے پہاڑوں میں سے ہیں، چار دریا جنت کے دریاؤں میں سے ہیں، چار میدان جنگ جنت کے میدانوں میں سے ہیں"(2)۔ پوچھا گیا: پہاڑ کون سے ہیں؟ فرمایا: "جبل احد جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، طور جنت کے پہاڑوں میں سے ایک ہے، لبنان جنت کے پہاڑ میں سے ایک پہاڑ ہے، جودی جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے"۔ حدیث کا ذکر کیا ہے ہم نے اسے کتاب التذکرہ میں بیان کر دیا ہے۔

مجاہد نے کہا: سریانی زبان میں طور سے مراد پہاڑ ہے اس سے مراد طور سینا ہے(3)؛ یہ سدی کا قول ہے۔ مقاتل بن حیان نے کہا: دو طور ہیں ان میں سے ایک کو طور سینا اور دوسرے کو طور زینا کہتے ہیں(4)۔ کیونکہ یہ دونوں پہاڑ انجیر اور

1۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الجھر فی المغرب، جلد 1، صفحہ 105

2۔ کنز العمال، جلد 12، صفحہ 311، حدیث 35121۔ (زائد الفاظ کے ساتھ)

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 376

4۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 185

زیتون کو اگاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مدین میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام زبیر ہے۔ زبیر وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی۔

میں کہتا ہوں: مدین ارض مقدسہ میں ہے یہ حضرت شعیب علیہ السلام کا گاؤں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: طور سے مراد ہر وہ پہاڑ ہے جو کسی چیز کو اُگائے اور جو کسی چیز کو نہ اگائے طور نہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝ مسطور کا معنی مکتوب ہے (1) یعنی قرآن جسے مومن مصاحف سے پڑھتے ہیں اور ملائکہ لوح محفوظ سے پڑھتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ (الواقعہ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد تمام سماوی کتب ہیں جو انبیاء پر نازل ہوئیں۔ ہر کتاب کاغذ میں لکھی ہوتی جسے پڑھنے کے لیے کتاب والے کھولتے۔ کلبی نے کہا: مراد وہ تورات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اپنے دست قدرت سے لکھا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قلم چلنے کی آواز سن رہے تھے (2)۔ فراء نے کہا: مراد اعمال کے صحیفے ہیں کچھ اپنی کتاب دائیں ہاتھ میں پکڑیں گے اور کچھ اپنی کتاب بائیں ہاتھ میں پکڑیں گے (3)؛ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ (الاسراء) اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ (التکویر) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لیے آسمان میں لکھا وہ اس میں پڑھتے ہیں جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے۔ ایک قول یہ ہے: مراد ہے اللہ تعالیٰ نے مومنوں میں سے اولیاء کے دل میں جو کچھ لکھا اس کی وضاحت اس ارشاد میں ہے: اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ (المجادلہ: 22)

میں کہتا ہوں: اس قول میں مجازی قاعدہ جاری ہو رہا ہے کیونکہ قلوب کو رق سے تعبیر کیا۔ مبرد نے کہا: رق سے مراد وہ جلد ہے جسے باریک کیا جاتا ہے تاکہ اس پر لکھا جائے۔ منشور کا معنی ہے جس کو پھیلایا جائے۔ جوہری نے صحاح میں اسی طرح کہا ہے کہا: رق جب فتحہ کے ساتھ ہو اسے کہتے ہیں جس میں لکھا جائے یہ باریک چمڑا ہوتا ہے؛ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝ (الطور) الرق کا معنی بڑا کچھوا بھی ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: اس کی جمع رقوق آتی ہے معنی وہی مراد ہے جو فراء نے کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ہر صحیفہ رق ہوتا ہے کیونکہ اس کے حواشی رقیق ہوتے ہیں۔ اسی سے متلمس کا قول ہے:

فکانّما هی من تَقَادُم عَهْدِها　　رَقٌّ أُتِیحَ کتابها مَسطور

جہاں تک رَق کا تعلق ہے اس سے مراد ملک ہے کہا جاتا ہے: عبد مرقوق۔ ماوردی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ رَق فتحہ کے ساتھ ہو تو اس سے مشرق و مغرب کا درمیان ہے (4)۔

1۔ تفسیر عبد الرزاق، جلد 3، صفحہ 242　　2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 232

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 377　　4۔ ایضاً

وَ الْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ ۙ حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور دوسرے علماء نے کہا: یہ آسمان میں بیت اللہ شریف کے بالمقابل ایک گھر ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، پھر اس سے نکلتے ہیں اور دوبارہ نہیں آتے (1)۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ چھٹے آسمان میں گھر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ چوتھے آسمان میں ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضرت مالک بن صعصعہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے چوتھے آسمان میں لایا گیا تو ہمارے لیے بیت معمور کو اٹھایا گیا یہ کعبہ شریف کے بالمقابل ہے اگر گرے تو کعبہ شریف پر گرے ہر روز اس میں ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ جب اس سے نکلتے ہیں تو واپس نہیں آتے'' (2)۔ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ قشیری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حکایت بیان کی ہے: یہ آسمان دنیا میں ہے۔ ابوبکر انباری نے کہا: ابن کواء نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے پوچھا: بیت معمور کیا ہے؟ فرمایا: سات آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے بیت ہے جسے ضراح کہتے ہیں؛ صحاح میں اسی طرح ہے۔ ضراح ضمہ کے ساتھ آسمان میں ایک کمرہ ہے جسے بیت معمور کہتے ہیں (3)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس کے مکین فرشتے ہیں۔

مہدوی نے ان سے روایت نقل کی ہے؛ یہ عرش کے بالمقابل ہے۔

حدیث اسراء میں صحیح مسلم میں حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: ''پھر مجھے بیت معمور کی طرف بلند کیا گیا، میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: یہ بیت معمور ہے، ہر روز اس سے ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جب اس سے نکلتے ہیں تو آخر وقت تک اس کی طرف نہیں لوٹتے'' (4)۔ اور حدیث ذکر کی۔

حضرت ثابت کی حدیث جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میرے پاس براق لایا گیا'' اس میں ہے'' ہمیں ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا حضرت جبریل امین نے دروازہ کھولنے کا مطالبہ کیا تو پوچھا گیا: کون ہے؟ جواب دیا: جبریل۔ پوچھا گیا: تیرے ساتھ کون ہے؟ جواب دیا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ پوچھا گیا: ان کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا: ان کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے۔ ہمارے لیے دروازہ کھولا گیا تو میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس تھا وہ بیت معمور سے ٹیک لگائے ہوئے تھے اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں وہ دوبارہ اس کی طرف لوٹ کر نہیں آتے'' (5)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کے پندرہ گھر ہیں سات آسمانوں میں اور سات زمینوں میں ہیں اور ایک کعبہ ہے وہ سب گھر کعبہ کے بالمقابل ہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 23 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 377 3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 186

4۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ الی السموات، جلد 1، صفحہ 94 5۔ ایضاً

حضرت حسن بصری نے کہا: بیت معمور سے مراد کعبہ ہی ہے بیت معمور وہی ہے جسے لوگ آباد کرتے ہیں ہر سال ساٹھ ہزار افراد اس کی زیارت کرتے ہیں اگر لوگ یہ تعداد پوری کرنے سے عاجز آجائیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ساتھ ان کی تعداد کو پورا کر دیتا ہے۔ یہ پہلا گھر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے زمین میں عبادت کے لیے معین فرمایا ہے(1)۔

ربیع بن انس نے کہا: بیت معمور حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں زمین میں کعبہ مشرفہ کی جگہ پر تھا جب حضرت نوح علیہ السلام کا زمانہ آیا حضرت نوح علیہ السلام نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بیت معمور کا حج کریں تو لوگوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور آپ کی نافرمانی کی جب پانی سرکش ہو گیا تو بیت معمور کو اٹھا لیا گیا تو اسے اسی کے بالمقابل آسمان دنیا میں رکھ دیا گیا ہر روز ستر ہزار فرشتے اس کی زیارت کرتے ہیں پھر صور پھونکنے تک اس کی طرف نہیں لوٹتے۔ جہاں یہ بیت تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہاں ہی ٹھکانہ دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْــٴًـا وَّ طَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَ الْقَآىٕمِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ (الحج)

وَ السَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ آسمان کو سقف کا نام دیا کیونکہ یہ زمین کے لیے اسی طرح ہے جس طرح کمرہ کے لیے چھت ہوتی ہے(2) اس کی وضاحت اس ارشاد میں ہے: وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا (الانبیاء:32) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد عرش ہے جو جنت کی چھت ہے۔

وَ الْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ مجاہد نے کہا: مراد روشن کیا گیا ہے(3)۔ حدیث میں آیا ''سمندر کو قیامت کے روز گرم کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ آگ ہو جائے گا''(4)۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی بھرا ہوا ہے۔ نحویوں نے نمر بن ثواب کا شعر پڑھا:

إذا شاء طالعَ مَسْجُورةً تَرَى حَولَها النَّبْعَ والسَّاسَمَا(5)

جب وہ چاہتا ہے وہ بھرے ہوئے چشمے پر جا پہنچتا ہے تو اس چشمہ کے گرد نبع اور ساسم کے درخت اگے ہوئے دیکھے گا۔ شاعر پہاڑی بکرے کا ارادہ کرتا ہے جو ایسے چشمے پر وارد ہوتا ہے جو پانی سے بھرا ہوا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ آگ سے بھرا ہوا ہو۔ تو یہ پہلے قول کی طرح ہوگا۔ ضحاک، شمر بن عطیہ، محمد بن کعب اور اخفش نے اسی طرح کہا ہے کہ وہ گرم چولہا ہوگا جس طرح روشن تنور ہوتا ہے اس معنی میں یہ قول کیا جاتا ہے کہ مسعر، مسجر ہے اس تاویل کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (التکویر) جب سمندروں کو روشن کیا جائے گا۔ یہ جملہ بولتے ہیں: سجرت النور أسجره سجرا میں نے تنور کو گرم کیا۔

سعید بن مسیب نے کہا: حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی سے فرمایا جہنم کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا: سمندر میں(6)۔ فرمایا: میں تجھے سچا خیال کرتا ہوں اور یہ آیت تلاوت کی وَ الْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ، وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سمندر سے وضو نہیں کرتے تھے کیونکہ یہ جہنم کا ایک طبق ہے۔ کعب نے کہا: قیامت کے روز

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 79
2۔ تفسیر عبدالرزاق، جلد 3، صفحہ 243
3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 186
4۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 408
5۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 186
6۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 408

سمندر کو گرم کیا جائے گا تو جہنم کی آگ میں اضافہ ہو جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مسجور اس سمندر کو کہتے ہیں جس کا پانی ختم ہو چکا ہو؛ یہ ابو العالیہ کا قول ہے۔ عطیہ اور ذو رمہ شاعر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ایک لونڈی پانی لانے کے لیے نکلی اس نے کہا: ان الحوض مسجور حوض خالی ہے۔ ابن ابی داؤد نے کہا: ذی رمہ کی کوئی روایت نہیں مگر یہی روایت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مسجور کا معنی ہے جس کو کھول دیا گیا ہو، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝ (الانفطار) زمین اس کا پانی چوس لے گی تو اس میں پانی نہیں رہے گا۔ ایک تیسرا قول ہے جو حضرت علی شیر خدا اور عکرمہ سے مروی ہے ابو مکین نے کہا: میں نے عکرمہ سے بحر مسجور کے بارے میں پوچھا تو جواب دیا عرش کے نیچے سمندر ہے۔ حضرت علی شیر خدا نے کہا: یہ عرش کے نیچے ہے جس میں گاڑھا پانی ہے (1)۔ اس کو بحر حیوان کہتے ہیں جس سے بندے نفخہ اولی کے بعد چالیس دن تک نیچے اترتے رہیں گے تو وہ اپنی قبروں میں جنم لیں گے۔ ربیع بن انس نے کہا: مسجور سے مراد ہے جس میں میٹھا نمک کے ساتھ ملا ہوا ہو۔

میں کہتا ہوں: فُجِّرَتْ کا معنی دونوں تاویلوں میں سے ایک میں اس طرف لوٹتا ہے یعنی اس کا میٹھا اس کے نمکین میں ملا یا جائے گا (2)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ مسجور کا معنی محبوس ہے۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ یہ جواب قسم ہے یعنی عذاب مشرکوں میں واقع ہونے والا ہے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے کہا میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا تا کہ میں بدر کے قیدیوں کے بارے میں گفتگو کروں تو میں نے آپ کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور کی تلاوت کرتے ہوئے پایا یہاں تک کہ آپ نے یہ آیت تلاوت کی اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝ گویا میرا دل پھٹ گیا تو میں عذاب کے نزول کے ڈر سے مسلمان ہو گیا مجھے یہ گمان تک نہ تھا کہ میں یہاں سے اٹھ سکوں گا یہاں تک کہ مجھ پر عذاب نازل ہو جائے گا (3)۔

ہشام بن حسان نے کہا: میں اور مالک بن دینار، حضرت حسن بصری کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے پاس ایک آدمی سورۂ طور کی تلاوت کر رہا تھا یہاں تک کہ وہ اس آیت تک پہنچا اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝ تو حضرت حسن بصری رونے لگے اور آپ کے ساتھی بھی رونے لگے (4)۔ مالک بن دینار بے چین ہو گئے یہاں تک کہ ان پر غشی طاری ہو گئی۔ جب بکار کو منصب قضا دیا گیا تو دو آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک پر قسم آتی تھی بکار دونوں میں صلح کی رغبت رکھتے تھے آپ اپنی جانب سے قسم کے بدلے اس کے خصم کو عوض دینا چاہتے تھے تو اس نے قسم کے سوا کسی چیز پر بھی انکار کر دیا تو آپ نے سورۂ طور کی ابتدائی آیات کے ساتھ اس سے قسم اٹھوائی یہاں تک کہ اسے فرمایا:

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 232
2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 186
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 233
4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 79

کہہ اگر میں جھوٹا ہوں تو تیرے رب کا عذاب واقع ہو اس آدمی نے یہ کلمات کہے وہ باہر نکلا تو اسی لمحہ اس کی ہڈی ٹوٹ گئی۔

يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۙ﴿۹﴾ وَّ تَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ؕ﴿۱۰﴾ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۙ﴿۱۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۘ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ؕ﴿۱۳﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَاۤ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۚ﴿۱۵﴾ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْۤا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

''جس روز آسمان بری طرح تھرتھرا رہا ہوگا اور پہاڑ (اپنی جگہ چھوڑ کر) تیزی سے چلنے لگیں گے۔ پس بربادی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے جو محض تفریح طبع کے لیے فضول باتوں میں لگے رہتے ہیں اور اس روز انہیں دھکے دے کر آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا (انہیں کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ کیا یہ (آگ) جادو (کا کرشمہ) ہے یا تمہیں یہ نظر ہی نہیں آ رہی اس میں (تشریف لے) چلو اب چاہے صبر کرو یا نہ کرو دونوں برابر ہیں تمہارے لیے تمہیں اس کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے''۔

يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ﴿۹﴾ یوم میں عامل ''واقع'' ہے یعنی قیامت کے روز ان پر عذاب واقع ہوگا یہ وہ دن ہے جس میں آسمان تھرتھرائے گا۔ اہل لغت نے کہا: مار الشئ یمور مورا اس نے حرکت کی وہ آیا اور وہ گیا۔ جس طرح کھجور کا لمبا درخت حرکت کرتا ہے تموّر اس کی مثل ہے۔ ضحاک نے کہا: ان میں سے بعض بعض میں موجیں مار رہے ہوں گے(1)۔ مجاہد نے کہا: وہ چکر لگا رہے ہوں گے(2)۔ ابو عبیدہ اور اخفش نے کہا: وہ جھول رہے ہوں گے اور اعشیٰ کا شعر ذکر کیا:

كَأَنَّ مِشْيَتَها من بيتِ جارتِهَا　　مَوْرُ السَّحابةِ لا رَيْثٌ ولا عَجَلُ(3)

اس کی چال اس کے پڑوس کے گھر سے بادل کے جھولنے کی طرح ہوتی ہے نہ بہت سست اور نہ بہت تیز۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ تیزی سے چلتے ہیں؛ اس معنی میں جریر کا قول ہے:

وما زالتِ القَتْلَى تَمُور دِماؤُهَا　　بِدجلةَ حتّٰى ماءُ دجلةَ أَشْكَلُ(4)

مقتولوں کے خون دجلہ میں تیزی سے بہتے ہیں یہاں تک کہ دجلہ کا پانی رنگین ہو گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس روز آسمان حرکت کریں گے اور مضطرب ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں اس کے اہل گردش کریں گے اور ایک دوسرے میں موجزن ہوں گے۔ مور کا معنی راستہ ہے اس معنی میں طرفہ کا قول ہے: ناقة مَوّراۃ الید ایسی اونٹنی جو تیز رفتار ہو۔ البعیر یمور عضداہ ایسا اونٹ جس کے دونوں بازو متردد ہو جائیں۔ عربوں کا قول ہے: لا أدری أغار أم مار میں نہیں جانتا کہ وہ گہرائی کی طرف گیا ہے یا گھوم گیا اور بلند جگہ کی طرف لوٹ گیا۔ مور جب میم کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد ہوا کے ساتھ غبار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں السماء سے مراد فلک ہے(5) اس

1۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 28　　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 379　　3۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 27

4۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 379　　5۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 380

کے مور سے مراد اس کے نظم کا مضطرب ہونا ہے اور خیال میں اختلاف واقع ہونا ہے؛ یہ ابن بحر نے کہا ہے۔ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا۝ مقاتل نے کہا: وہ اپنی جگہوں سے چلتے ہیں یہاں تک کہ زمین کے ساتھ برابر ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ آج اس طرح چلتے ہیں جس طرح بادل دنیا میں چلتے ہیں؛ اس کی وضاحت ہے وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (النمل:88)۔ یہ بحث سورۂ کہف میں گزر چکی ہے۔

فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ۝ ویل ایسا کلمہ ہے جو ہلاک ہونے والے کے لیے کہا جاتا ہے اس پر فاء داخل ہوئی کیونکہ کلام میں مجازات کے معنی پائے جاتے ہیں۔ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ۝ وہ باطل میں گھوم پھر رہے ہیں وہ ان کا حضرت محمد مصطفی علیہ التحیۃ والثناء کی تکذیب میں ہی لگے رہنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اسباب دنیا میں ہی لگے رہتے ہیں وہ حساب و جزا کا ذکر نہیں کرتے۔ سورۂ براءت میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ، يہ يَوْمَئِذٍ سے بدل ہے ویدعون اس کا معنی ہے انہیں شدت اور سختی کے ساتھ جہنم کی طرف دھکیلا جاتا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: دععته أدعه دعا میں نے اسے دھکیلا؛ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ۝ (الماعون) تفسیر میں ہے جہنم کے داروغے ان کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ جکڑ دیں گے ان کی پیشانیوں کو ان کے قدموں کے ساتھ جمع کر دیں گے، پھر انہیں منہ کے بل جہنم میں پھینک دیں گے یہاں تک کہ وہ آگ میں جا پہنچیں گے۔ ابو رجا عطاردی اور ابن سمیقع نے اسے تخفیف کے ساتھ يَوْمَ يُدْعَوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا۝ پڑھا ہے یہ دعا سے مشتق ہے جب وہ آگ کے قریب ہوں گے تو داروغے انہیں یہ کہیں گے: هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ۝

اَفَسِحْرٌ هٰذَآ ہمزہ استفہامیہ ہے اس کا معنی توبیخ و انکار ہے یعنی انہیں کہا جائے گا: جسے تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کیا یہ جادو ہے؟ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ام، بل کے معنی میں ہے یعنی بلکہ تم دنیا میں نہیں دیکھتے تھے اور سمجھ بوجھ نہیں رکھتے تھے۔

اِصْلَوْهَا انہیں جہنم کے داروغے کہتے ہیں: اس میں داخل ہو کر اس کی گرمی کو چکھو۔ فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اس میں تمہارا صبر ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ سواء کی خبر محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہوگی سواء علیکم الجزع والصبر فلا ینفعکم شیء یعنی جزع اور صبر تمہارے لیے برابر ہے کوئی چیز تمہیں نفع نہ دے گی، جس طرح ان کے بارے میں یہ خبر دی کہ وہ کہیں گے: سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا (ابراہیم:21)

اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو کچھ تم عمل کرتے رہے ہو۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ۝ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ۝ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ۝

”بے شک پرہیزگار (اس روز) باغوں میں نعمتوں میں ہوں گے شاد و مسرور ان نعمتوں پر جو انہیں ان کے

رب نے دی ہوں گی اور بچا لیا ان کے رب نے انہیں دوزخ کے عذاب سے۔ (حکم ملے گا) کھاؤ پیو خوب مزے لے لے کر ان (نیکیوں) کے بدلے جو تم کیا کرتے تھے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے بچھے ہوئے پلنگوں پر اور ہم انہیں بیاہ دیں گے گوری گوری آہو چشموں سے''۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾ جب کفار کا حال ذکر کیا تو مومنین کا حال بھی ذکر کیا۔ فٰكِهِيْنَ کثیر پھلوں والے۔ یہ کہا جاتا ہے: رجل فاکه یعنی پھل والا جس طرح لابن اور تامر کہا جاتا ہے دودھ والا اور کھجور والا، یعنی یہ نسبت کا معنی دیتا ہے۔ شاعر نے کہا:

و غَرَرْتَنِی وزعمتَ أنّكَ لابِنٌ بالصَّيْفِ و تَامِرُ(1)

تو نے مجھے دھوکہ دیا اور تو نے گمان کیا کہ تو موسم گرما میں دودھ والا اور کھجور والا ہے۔

یہاں بھی لابن اور تامر، ذولبن اور ذوتمر کے معنی میں ہے۔ حضرت حسن بصری اور دوسرے قراء نے فکھین الف کے بغیر پڑھا ہے اس کا معنی ہے خوش و خرم (2)۔ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کے قول میں ہے: کہا جاتا ہے فکه الرجلُ فهوفَكِه جب اس کی طبیعت اچھی اور مزاح کی حامل ہو۔ فکه کا معنی انتہائی حریص اور متکبر بھی ہے۔ سورۃ الدخان میں اس کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ بِمَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾ یعنی ان کے رب نے انہیں جو عطا کیا۔ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا انہیں یہ بات کہی جائے گی: کھاؤ پیو۔ هَنِيْٓـًٔا مبارک ہو جس میں محروی اور کدورت نہیں۔ زجاج نے کہا: جس طرف تم جا رہے ہو وہ تمہیں مبارک ہے۔ هَنِيْٓـًٔا کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے متعتم بنعيم الجنة أمتاعا هنيأ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: كلوا واشربوا هنئتم هنيأ یہ مفعول مطلق ہے اور مصدر کی صفت بن رہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: هَنِيْٓـًٔا کا معنی ہے حلال۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں کوئی اذیت اور سر درد نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مبارک ہو تم کو موت نہیں آئے گی کیونکہ وہ چیز جو باقی نہ رہے یا انسان جس کے ساتھ باقی نہ رہے وہ طبیعت کو منقبض کرنے والی اور غیر مبارک ہوتی ہے۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ، سُرُرٍ، سریر کی جمع ہے کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہے متكئين على نمارق سرر، مصفوفة ابن اعرابی نے کہا: معنی ہے وہ ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں یہاں تک کہ وہ ایک صف بن گئے ہیں۔ احادیث میں آیا ہے ''وہ آسمان میں اتنے اتنے طویل صف در صف ہیں جب بندہ ان پر بیٹھنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ نیچے ہو جاتے ہیں جب وہ اس پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ اپنی حالت میں ہو جاتے ہیں''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ سونے کے پلنگ ہیں جن پر زبرجد، موتیوں اور یاقوت کے تاج ہیں اور ایک پلنگ مکہ مکرمہ اور ایلہ کے درمیان مسافت کے برابر ہے۔

وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾ یعنی ہم نے جنتیوں کو ان حوروں کا ساتھی بنا دیا ہے۔ یونس بن حبیب نے کہا: عرب کہتے ہیں زوجت امرأة وتزوجت امرأة۔ کلام عرب میں یہ نہیں تزوجت بأمرة۔ کہا: اللہ تعالیٰ کا جو یہ فرمان وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ

1۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 31	2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 80

یعنی ہم نے انہیں حورعین کا ساتھی بنا دیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے تعلق رکھتا ہے: اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ (الصافات:22) یہاں ازواج سے مراد ان کے ساتھی ہیں۔

فراء نے کہا: تزوجت بامرأة یہ ازد شنوءۃ میں ایک لغت ہے۔ حورعین کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ مَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِیٴٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾ وَ اَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّ لَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَ لَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾

”اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی پیروی کی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ہم ملائیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور ہم کمی نہیں کریں گے ان کے عملوں (کی جزاء) میں ذرہ بھر، ہر شخص اپنے اپنے اعمال میں اسیر ہوگا۔ اور ہم مسلسل دیتے رہیں گے انہیں ایسے میوے اور گوشت جو وہ پسند کریں گے۔ وہ چھینا جھپٹی کریں گے وہاں جام شراب پر (لیکن) اس میں نہ لغویت ہوگی اور نہ گناہ۔ اور (خدمت بجالانے کے لیے) چکر لگاتے ہوں گے ان کے گرد ان کے غلام (اپنے حسن کی باعث) یوں معلوم ہوگا گویا وہ چھپے موتی ہیں“۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ عام قرأت واتبعتهم ہے ہمزہ وصلی، تاء مشدد، عین مفتوحہ اور تاء ساکن۔ ابوعمرو نے وَاَتْبَعْنٰهُمْ پڑھا ہے ہمزہ قطعی تاء اور عین ساکن اور نون۔ وہ اسے الحقنا بھم پر قیاس کرتے ہیں تاکہ کلام ایک ہی طریقہ پر رہے۔ جہاں تک پہلے ذُرِّيَّتُهُمْ کا تعلق ہے تو ابن عامر، ابوعمرو اور یعقوب نے جمع کے ساتھ پڑھا ہے اور اسے نافع سے پڑھا ہے مگر ابوعمرو نے تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ مفعول ہے باقی نے اسے ضمہ دیا ہے باقی قراء نے اسے واحد کا صیغہ اور تاء کو ضمہ دیا ہے نافع سے بھی یہی مشہور ہے جہاں تک دوسرے لفظ ذریۃ کا تعلق ہے تو نافع، ابن عامر، ابوعمرو اور یعقوب نے تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ جمع کا صیغہ ہے۔ باقی نے اسے واحد کا صیغہ اور تاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے چار روایات مروی ہیں: (1) اللہ تعالیٰ مومن کی اولاد کو جنت میں اس کے درجہ میں بلند فرمائے گا اگرچہ اولاد درجہ میں اس سے کم ہو تاکہ ان کے ساتھ ان کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور اس آیت کی تلاوت کی (1)۔ نحاس نے ناسخ و منسوخ میں اسے مرفوع نقل کیا ہے۔ سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ مومن کی اولاد کو جنت میں اس کے درجہ میں بلند فرمادے گا اگرچہ وہ اپنے عمل کے ساتھ اس درجہ تک نہیں پہنچیں گے تاکہ ان کے ساتھ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو“ (2)۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 234، (روایت بالمعنی)　　2۔ مجمع الزوائد، کتاب التفسیر، جلد 7، صفحہ 246، حدیث 11370

ابو جعفر نے کہا: حدیث نبی کریم ﷺ سے مرفوع ہو گئی اس طرح ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خود اپنی جانب سے یہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ اس امر کی خبر دینا ہے جو اللہ تعالیٰ کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نازل کیا ہے۔

زمخشری نے کہا: اللہ تعالیٰ ان کے لیے مختلف قسم کے سرور جمع فرما دے گا ان کی ذاتوں میں سعادت رکھ دے گا، حورعین کے ساتھ ان کو جمع کرے گا، مومن بھائیوں کے ساتھ موانست پیدا کر دے گا اور ان کی اولاد اور ان کی نسل کو ان کے ساتھ جمع کر دے گا (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کے ساتھ اس کی چھوٹی اولاد کو لاحق کر دے گا جو ایمان لانے کی حد کو نہیں پہنچیں ہوں گی (2)؛ یہ مہدوی کا قول ہے۔ ذریۃ کا لفظ چھوٹوں اور بڑوں سب پر بولا جاتا ہے۔ اگر تو یہاں ذریۃ سے مراد چھوٹی اولاد لے تو بِاِیْمَانٍ کا قول دونوں مفعولوں سے حال ہوگا تو تقدیر کلام یہ ہوگی بایمان من الآباء اگر ذریۃ سے مراد بڑی اولاد لے تو بِاِیْمَانٍ کا لفظ دونوں فاعلوں سے حال ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک تیسرا قول بھی ہے کہ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد مہاجرین و انصار ہیں اور ذریۃ سے مراد تابعین ہیں۔ آپ سے ایک روایت یہ بھی ہے: اگر آباء درجہ میں بلند ہوئے تو اللہ تعالیٰ بیٹوں کو بھی آباء تک بلند کر دے گا، اگر بیٹے بلند درجہ کے حامل ہوئے تو اللہ تعالیٰ آباء کو بیٹوں کی طرف بلند فرما دے گا (3)۔ آباء ذریۃ کے اسم میں داخل ہوں گے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاٰیَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾ (یٰسین)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: وہ اس روایت کو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ''جب جنتی جنت میں داخل ہوں گے تو ان میں سے کوئی اپنے والدین، اپنی بیوی اور اپنی اولاد کے بارے میں پوچھے گا تو انہیں کہا جائے گا: انہوں نے وہ رتبہ نہیں پایا جو تو نے رتبہ پایا ہے۔ تو عرض کرے گا: اے میرے رب! میں نے اپنے لیے اور ان کے لیے عمل کیا تو ان کو اس کے ساتھ لاحق کرنے کا حکم دے دیا جائے گا'' (4)۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے نبی کریم ﷺ سے اپنے والدین کے بارے پوچھا جو دور جاہلیت میں فوت ہو گئے تھے تو آپ نے مجھے فرمایا: ''وہ دونوں آگ میں ہیں''۔ جب آپ نے میرے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار دیکھے فرمایا: ''اگر تو ان کے مکان کو دیکھے تو تو ان سے بغض رکھنے لگے''۔ پوچھا: یا رسول اللہ! میرا وہ بچہ جو آپ سے ہوا؟ فرمایا: ''وہ جنت میں ہے'' پھر فرمایا: ''مومن اور ان کی اولادیں جنت میں ہوں گی اور مشرک اور ان کی اولادیں آگ میں ہوں گی''۔ پھر اس آیت وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا...... کی تلاوت کی۔

وَمَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ یعنی ہم نے بیٹوں کے اعمال کے ثواب میں ان کی عمروں کے کم ہونے کی وجہ سے

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 411　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 189　　3۔ ایضاً

4۔ مجمع الزوائد، کتاب الجہاد والسیر، فداء المشرکین، جلد 7، صفحہ 246، حدیث 11369

کوئی کمی نہیں کی اور بیٹوں کو ان کے آباء کے ساتھ لاحق کرنے کی وجہ سے ان کے آباء کے اعمال کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی۔ اس تاویل کی صورت میں **ھم** ضمیر ذریۃ کے لیے ہوگا۔ ابن کثیر نے اسے وما التناھم پڑھا ہے باقی قراء نے ام کو فتحہ دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے: آلتناھم لا کے ساتھ ہے۔ ابن اعرابی نے کہا: التہ، یالتہ ألتا آلتہ یؤلتہ ایلاتا، لاتہ یلیتہ لیتا سب کا معنی ہے جب اس میں کمی کرے۔

صحاح میں ہے: ولاتہ عن وجھہ یلوتہ ویلیتہ اس کو سامنے سے روک دیا اور اسے پھیر دیا اسی طرح الاتہ عن وجھہ مجرد اور مزید دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: ما الاتہ من عملہ شیئا میں نے اس کے عمل میں سے کوئی چیز کم نہ کی۔ یہ بھی اللہ کی طرح ہے سورۂ حجرات میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝ ایک قول یہ کیا گیا: وہ جہنمیوں کی طرف لوٹے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جہنمی اپنے اعمال کے بدلے میں رکھ دیئے گئے ہیں اور جنتی اپنی جنت کی طرف لوٹ جائیں گے؛ اسی وجہ سے فرمایا: **كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝ اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ۝** (المدثر) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ہر انسان کو عام ہے اسے اپنے عمل کے بدلے میں رہن رکھا گیا ہے۔ کسی کے عمل کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی جہاں تک عمل پر زیادتی کا مسئلہ ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے فضل واحسان ہے۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ یہ حکم اس ذریت کے بارے میں ہو جو ایمان نہ لائی ہو وہ اپنے مومن آباء کے ساتھ لاحق نہیں کیے جائیں گے بلکہ وہ اپنے کفر کے بدلے میں محبوس ہوں گے۔

وَ اَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّ لَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ یعنی ہم ان کے اعمال سے بڑھ کر انہیں یہ کثیر چیزیں دیں گے یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے زیادتی ہوگی یعنی اللہ تعالیٰ انہیں وہ وہ چیزیں عطا فرمائے گا جس کے وہ مستحق نہ تھے۔

يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا وہ جام ایک دوسرے سے لیں گے وہ جنت میں مومن، اس کی بیویاں اور ان کے خادم ہوں گے۔ کاس شراب کا برتن ہے ہر وہ برتن جو شراب وغیرہ سے بھرا ہوا ہو، جب وہ خالی ہو تو اسے کاس نہیں کہتے۔ لغت میں تنازع اور کاس کی تائید اخطل کا شعر کرتا ہے:

وشَارِبٍ مُرْبِحٍ بالكأسِ نَادَمَنِي لا بالحَصُور ولا فيها بِسَوَّارِ(1)

نَازَعْتُه طَيِّبَ الرَّاحِ الشَّمُولِ وَقَدْ صَاحَ الدَّجَاجُ وحَانَتْ وَقْعَةُ السَّارِي

بھرے ہوئے جام پینے والا میرا ندیم ہے تنگ دل بخیل میرا ندیم نہیں اور نہ شراب کو برتن میں چھوڑنے والا۔ میں نے عمدہ خوشبو والی شراب اس سے لی جب کہ مرغ اذان دے رہا تھا اور رات کے وقت چلنے والے کے گرنے کا وقت ہو چکا تھا۔

امراء القیس نے کہا۔

فَلَمَّا تَنَازَعْنَا الحديث

''جب ہم نے باہم گفتگو کی''۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 382

سورۂ صافات میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

لَّا لَغْوٌ فِيهَا، ھا ضمیر سے مراد کاس ہے یعنی ان میں کوئی لغویات نہیں ہوگی۔

وَلَا تَأْثِيمٌ ۝ نہ اس میں کوئی گناہ ہوگا۔ تَأْثِيمٌ یہ اثم سے تفعیل کا وزن ہے یعنی وہ جام انہیں گناہ گار نہیں بنائے گا کیونکہ یہ ان کے لیے مباح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فِيهَا میں ھا ضمیر جنت کے لیے ہے۔ ابن عطاء نے کہا: اس مجلس میں کون سی بات ہوسکتی ہے جس کا محل جنت عدن ہو(1)، اس کے ساقی فرشتے ہوں، ان کا مشروب الله کے ذکر پر ہو، ان کی خوشبو اور سلام الله تعالیٰ کی جانب سے ہو اور قوم الله تعالیٰ کی مہمان ہو۔ وَلَا تَأْثِيمٌ یعنی کوئی جھوٹ نہیں (2)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

ضحاک نے کہا: وہ ایک دوسرے سے جھوٹ نہیں بولیں گے۔ ابن کثیر، ابن محیصن اور ابوعمرو نے کہا: لَا لَغْوَ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمَ یعنی آخر کو فتحہ دیا ہے باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے۔ یہ بحث سورۂ بقرہ آیت 254 میں وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ میں گزر چکی ہے۔ الحمدلله

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ ان کے غلام پھلوں، تحفوں، کھانوں اور مشروبات کے ساتھ گردش کناں ہوں گے اس کی دلیل ہے يُطَافُ عَلَيْهِم بِصِحَافٍ مِّن ذَهَبٍ (الزخرف:71) يُطَافُ عَلَيْهِم بِكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ۝ (الصافات) کہا گیا: یہ غلمان ان کی وہ اولادیں ہوں گی جو ان سے پہلے فوت ہوگئے تھے۔ الله تعالیٰ نے ان کے ساتھ ان کی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ خادم ہیں جو دوسروں کی اولادوں میں سے الله تعالیٰ نے ان کا خادم بنایا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ غلمان ہیں جو جنت میں پیدا کیے گئے۔ کلبی نے کہا: وہ کبھی بھی بڑی عمر کے نہیں ہوں گے۔

كَأَنَّهُمْ وہ حسن اور سفیدی میں۔ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ۝ صدف میں چھپے موتی ہیں۔ مکنون کا معنی محفوظ ہے۔ الله تعالیٰ کا فرمان ہے: يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۝ (الواقعہ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد مشرکوں کی اولاد ہے وہ جنتیوں کے خادم ہوں گے، جنت میں کوئی تھکاوٹ اور ان کو خدمت کی کوئی حاجت نہ ہوگی لیکن یہ خبر دی کہ وہ حد درجہ کی نعمت میں ہوں گے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان أدنى أهل الجنة منزلة من ينادى الخادم من خدمه فيجيبه الف كلهم لبيك لبيك (3) جنتیوں میں کم درجہ کا جنتی جب اپنے خادموں میں سے کسی خادم کو بلائے گا تو ایک ہزار اس کو جواب دے گا سب کہیں گے: لبیک لبیک۔

حضرت عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: مامن أحد من أهل الجنة إلا يسعى عليه ألف غلام كل غلام على عمل ليس عليه صاحب (4) ہر جنتی کے لیے ایک ہزار غلام بھاگ دوڑ کررہا ہوگا ہر غلام ایسے کام میں مصروف ہوگا جس میں دوسرا مصروف نہیں ہوگا۔

1۔ تفسیر سلمی، جلد 2، صفحہ 281
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 383
3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 412
4۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 236

حضرت حسن بصری سے مروی ہے صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! جب خادم موتی کی طرح ہیں تو مخدوم کی حالت کیا ہوگی (1)؟ فرمایا: ما بینھما کما بین القمر لیلۃ البدر و بین أصغر الکواکب دونوں کے درمیان اتنا فرق ہوگا جتنا فرق چودہویں کے چاند اور سب سے چھوٹے ستارے کے درمیان ہوتا ہے۔

کسائی نے کہا: کننت الشیء کا معنی ہے میں نے اس پر پردہ ڈالا اور سورج سے اسے محفوظ کر دیا۔ آکننته فی نفسی میں نے اسے چھپا دیا۔ ابوزید نے کہا: کننته و اکننته دونوں کا معنی ایک ہے خواہ کسی پردہ میں چھپائیں یا اپنی ذات میں چھپائیں، تو کہتا ہے: کَنَنْتُ العِلمَ و اکننته ھو مَکنون و مُکَن۔ کننتُ الجاریۃَ و اکننتُھا فھی مکنونۃ و مُکَنَّۃ۔

وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَالُوْۤا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْۤ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ وَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿٢٧﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿٢٨﴾

''اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے کہیں گے ہم بھی اس سے پہلے اپنے اہل خانہ میں (اپنے انجام کے بارے میں) سہمے رہتے تھے۔ سو بڑا احسان فرمایا اللہ نے ہم پر اور بچا لیا ہے ہمیں گرم لو کے عذاب سے۔ بے شک ہم پہلے بھی (دنیا میں) اس سے دعا کیا کرتے تھے، یقیناً وہ بہت احسان کرنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٥﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب انہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا تو وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جنت میں اس تھکاوٹ اور عاقبت کے اس خوف کا ذکر کریں گے جو دنیا میں انہیں لاحق ہوتی تھی اور خوف کے ختم ہونے پر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ایک دوسرے کو کہیں گے تو اس بلند مقام پر کیسے پہنچا۔

قَالُوْۤا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْۤ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ ہر مسؤل اپنے سائل سے یہی بات کرے گا یعنی ہم دنیا میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرا کرتے تھے۔

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا اللہ تعالیٰ نے جنت اور مغفرت عطا فرما کر ہم پر احسان کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: توفیق اور ہدایت دے کر ہم پر احسان کیا گیا۔ وَ وَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿٢٧﴾ حضرت حسن بصری نے کہا: سموم جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور جہنم کے طبقوں میں سے ایک طبقہ ہے (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد جہنم ہے جس طرح تو اسے جہنم کہتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے نار عذاب السموم، سموم سے مراد گرم ہوا ہے یہ لفظ مونث استعمال ہوتا ہے یہ جملہ ذکر کیا جاتا ہے سم یومنا فھو سموم اس کی جمع سمائم آتی ہے۔ ابو عبید نے کہا: سموم ہوا دن کے وقت ہوتی ہے اور کبھی رات کے وقت بھی

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 80　　2۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 38
3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 236　　4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 80

ہوتی ہے۔ حرور ہوا رات کے وقت ہوتی ہے اور کبھی دن کے وقت ہوتی ہے سموم کا لفظ کبھی سردی کی لپک کے لیے بولا جاتا ہے جب کہ اصل میں یہ گرمی اور سورج کی لپک کے لیے اکثر بولا جاتا ہے۔ راجز نے کہا:

الیوم یومٌ باردٌ سمومُہٗ مَنْ جزِع الیومَ فلا اَلومہٗ(1)☆

اِنَّا كُنَّا مِنۡ قَبۡلُ نَدۡعُوۡهُ ہم اس سے قبل دنیا میں اس سے دعا کیا کرتے تھے کہ وہ ہمارے گناہوں کی بخشش فرما کر ہم پر احسان فرمائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نَدۡعُوۡهُ بمعنی نعبدہ ہے اِنَّهٗ هُوَ الۡبَرُّ الرَّحِيۡمُ نافع اور کسائی نے اسے انہ پڑھا ہے اصل میں لانہ تھا۔ باقی قراء نے اسے اِنہ پڑھا ہے کیونکہ یہاں سے کلام شروع ہو رہی ہے۔ البر کا معنی لطیف ہے(2)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس نے جو وعدہ کیا وہ اس میں سچا ہے(3)؛ یہ ابن جریج کا قول ہے۔

فَذَكِّرۡ فَمَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجۡنُوۡنٍ ﴿۲۹﴾ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيۡبَ الۡمَنُوۡنِ ﴿۳۰﴾ قُلۡ تَرَبَّصُوۡا فَاِنِّىۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُتَرَبِّصِيۡنَ ﴿۳۱﴾ اَمۡ تَاۡمُرُهُمۡ اَحۡلَامُهُمۡ بِهٰذَاۤ اَمۡ هُمۡ قَوۡمٌ طَاغُوۡنَ ﴿۳۲﴾ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۳﴾ فَلۡيَاۡتُوۡا بِحَدِيۡثٍ مِّثۡلِهٖۤ اِنۡ كَانُوۡا صٰدِقِيۡنَ ﴿۳۴﴾

''پس آپ سمجھاتے رہیے آپ اپنے رب کی مہربانی سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون۔ کیا یہ (نابکار) کہتے ہیں کہ آپ شاعر ہیں (اور) ہم انتظار کر رہے ہیں ان کے متعلق گردش زمانہ کا۔ فرمایئے (ہاں ضرور) انتظار کرو پس میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں۔ کیا حکم دیتی ہیں انہیں ان کی عقلیں ان (مہمل) باتوں کا یا یہ لوگ ہی سرکش ہیں۔ کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ انہوں نے خود ہی (قرآن) گھڑ لیا ہے درحقیقت یہ بے ایمان ہیں۔ پس گھڑ کر لے آئیں وہ بھی اس جیسی کوئی (روح پرور) بات اگر وہ سچے ہیں''۔

فَذَكِّرۡ اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم کو قرآن کے ذریعے سمجھاتے رہیے۔ فَمَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ یعنی اپنے رب کی رسالت کا فریضہ سرانجام دینے کی وجہ سے کاہن نہیں کہ آپ خود ہی اپنی طرف سے قول گھڑتے ہیں اور وحی کے بغیر اگلے روز خبر دے دیتے ہوں۔ وَّلَا مَجۡنُوۡنٍ ﴿۲۹﴾ اس میں ان کے قول کا رد کیا گیا ہے جو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کیا کرتے تھے۔

عقبہ بن ابی معیط نے کہا تھا: وہ مجنون ہیں۔ شیبہ بن ربیعہ نے کہا تھا: وہ جادوگر ہیں۔ دوسرے نے کہا تھا: کاہن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جھٹلایا اور ان کا رد کیا، پھر یہ کہا گیا: فَمَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَتِ رَبِّكَ قسم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت کی قسم آپ کاہن اور مجنون نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قسم نہیں یہ کلام اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: بحمد اللہ آپ جاہل نہیں یعنی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 383 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

☆ آج ایسا دن ہے جس کی سموم ٹھنڈی ہے جو آج گھبرا گیا میں اسے ملامت نہیں کروں گا۔

اللہ تعالیٰ نے تجھے اس امر سے بری کیا ہے۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ بلکہ وہ کہتے ہیں: حضرت محمد ﷺ شاعر ہیں۔ سیبویہ نے کہا: لوگوں سے اس کے ساتھ خطاب کیا گیا جو ان میں کلام جاری رہتی تھی۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: یہ اچھی کلام ہے مگر غیر واضح ہے۔ سیبویہ یہ ارادہ کرتے ہیں کہ کلام عرب میں اَمْ کا کلمہ ایک بات سے دوسری بات کی طرف نکلنے کے لیے ہے، جس طرح کہا:

أَتَهْجُرُ غَانِيَةً أَمْ تُلِمْ

یہاں کلام مکمل ہوگئی پھر ایک دوسری بات کی طرف نکل گیا تو کہا

أَمِ الْحَبْلُ وَاهٍ بِهَا مُنْجَذِمْ

کتاب اللہ میں جو اس طرح کی کلام ہوتی ہے اس سے مراد تقریر، توبیخ اور ایک بات سے دوسری بات کی طرف نکلنا مقصود ہوتا ہے۔ نحوی اس (ام) کو بل کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔

نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ۝ قتادہ نے کہا: کفار میں سے ایک قوم نے کہا تم حضرت محمد ﷺ کی موت کا انتظار کرو وہ تمہاری جانب سے اسے کافی ہو جائے گی، جس طرح موت فلاں قوم کے شاعر کو کافی ہوگئی تھی (1)۔ ضحاک نے کہا: وہ بنو عبدالدار تھے انہوں نے آپ کی طرف اس امر کو منسوب کیا تھا آپ شاعر ہیں، یعنی قریب ہی ہلاک ہو جائیں گے جس طرح ان سے پہلے شعراء ہلاک ہوئے ان کے والد جوانی میں فوت ہو گئے جس طرح ان کے والد فوت ہوئے ممکن ہے یہ بھی فوت ہو جائیں۔ اخفش نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے نتربص بہ الی ریب المنون تو حرف جار کو حذف کر دیا گیا؛ جس طرح تو کہتا ہے: **قصدت زیدا و قصدت الی زید**۔ منون سے مراد حضرت ابن عباس کے قول میں موت ہے (2)۔ ابو الغول طہوی نے کہا:

هُمُ مَنَعُوا حِمَى الْوَقَبَى بِضَرْبٍ　　يُؤَلِّفُ بين أَشْتَاتِ الْمَنُونِ(3)

منون سے مراد موتیں ہیں۔ شاعر کہتا ہے: بے شک ضرب (جنگ) ایسی قوموں کو جمع کر دیتی ہے جن کے علاقے الگ الگ ہوتے ہیں اگر ان کی موتیں ان کے اپنے اپنے علاقوں میں آتیں تو انہیں متفرق آتیں وہ ایک جگہ جمع ہو گئے تو موتیں انہیں اکٹھے آگئیں۔

سدی نے ابو مالک سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں: لفظ **رَیْبَ** قرآن حکیم میں جہاں کہیں ہے اس کا معنی شک ہے مگر سورۂ طور میں ایک جگہ شک کے معنی میں نہیں ہے: یعنی **رَیْبَ الْمَنُوْنِ** سے مراد حادثات زمانہ ہیں۔ شاعر نے کہا:

تَرَبَّصْ بها رَيْبَ الْمَنُونِ لَعَلَّها　　تُطَلَّقُ يومًا أو يَمُوتُ حَلِيلُها(4)

یہاں بھی **رَیْبَ الْمَنُوْنِ** سے مراد حادثات زمانہ ہیں۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 384　　2۔ تفسیر ابن عباس، جلد 2، صفحہ 828

3۔ ایضاً　　4۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 40 (حاشیہ میں مکمل شعر ہے)

مجاہد نے کہا: رَيْبَ الْمَنُوْنِ سے مراد حادثات زمانہ ہیں(1)، منون سے مراد زمانہ ہی ہے؛ ابوذ وہیب نے کہا:

أَمِنَ الْمَنُونِ وَرَيْبِهِ تَتَوَجَّعُ وَالدَّهْرُ لَيس بِمُعْتِبٍ مَنْ يَجْزَعُ(2)

کیا تو حادثات زمانہ سے دکھی ہوتا ہے اور جو جزع فزع کرتا ہے زمانہ اس پر عتاب نہیں کرتا۔

اصمعی نے کہا: منون سے مراد رات اور دن ہے۔ ان دونوں کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ یہ دونوں عمر کو کم کرتے ہیں اور اجل کو ختم کرتے ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ دہر (زمانہ) کو منون کہتے ہیں؛ کیونکہ زمانہ حیوان کی قوت کو ختم کر دیتا ہے؛ اسی طرح منية ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: دھر کو منون کہتے ہیں کیونکہ یہ قوت کو کمزور کرنے والا ہے۔ عربوں کا قول ہے: حبل منین کمزور رسی۔ منین سے مراد کمزور غبار ہے۔ فراء نے کہا: منون مؤنث ہے یہ واحد اور جمع ہے۔

اصمعی نے کہا: منون واحد ہے اس کی جمع نہیں آتی۔ اخفش نے کہا: یہ جمع ہے اس کا واحد نہیں۔ منون مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ جس نے اسے مذکر قرار دیا ہے اس نے اس سے مراد دھر اور موت لی ہے جس نے اسے مؤنث قرار دیا ہے اس نے اسے معنی پر محمول کیا ہے گویا اس نے منية مراد لی ہے۔

قُلْ تَرَبَّصُوْا اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کہو تم انتظار کرو فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝ میں بھی تمہارے بارے میں عذاب کا انتظار کرنے والا ہوں۔ انہیں غزوۂ بدر کے موقع پر تلوار سے عذاب دیا گیا۔

اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ، احلام سے مراد ان کے عقول ہیں۔ ھذا سے مراد آپ کی ذات پر جھوٹ بولنا ہے۔

اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ یا بغیر عقل کے وہ سرکشی کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ام، بل کے معنی میں ہے۔ بلکہ انہوں نے سرکشی کرتے ہوئے کفر کیا اگرچہ ان کے لیے حق ظاہر ہوا۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: کیا وجہ ہے کہ آپ کی قوم ایمان نہیں لائی۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت دانشمند ہونے سے بیان کی ہے؟ فرمایا: وہ ایسی عقلیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے توفیق نصیب نہیں فرمائی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَحْلَامُهُمْ سے مراد ان کے اذہان ہیں کیونکہ عقل کافر کو نہیں دی جاتی اگر اس کے پاس عقل ہوتی تو وہ ایمان لے آتا، کافر کو ذہن دیا جاتا ہے تو پس یہ ذہن اس پر حجت ہوتی ہے، ذہن عموماً علم کو قبول کرتا ہے، عقل علم میں تمیز پیدا کرتا ہے اور امر و نہی کی حدود کی مقادیر کا اندازہ لگاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت مروی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! فلاں نصرانی کتنا دانشمند ہے؟ فرمایا: ایسا کہنے سے رک جا کافر کے ہاں عقل نہیں ہوتی کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں سنا وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ (الملک) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مروی حدیث میں ہے ''ایسا کہنے سے رک جا کیونکہ عقل مند وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرتا ہے'' اسے ترمذی حکیم ابوعبداللہ نے اپنی سند سے بیان کیا ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ وہ کہتے ہیں اس نے خود اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے مراد قرآن حکیم ہے۔ تقول سے مراد ایسا قول

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 384　　2۔ ایضاً

ہے جس میں تکلف سے کام لیا گیا ہو۔ عموماً یہ لفظ جھوٹ میں استعمال کیا جاتا ہے یوں جملہ بولا جاتا ہے: قولتنی مالم اقل واقولتنی مالم أقل یعنی تو نے مجھ پر دعویٰ کیا۔ تقول علیہ یعنی اس پر جھوٹ بولا۔ اقتال علیہ اپنی مرضی سے تصرف کرنا۔ شاعر نے کہا:

ومَنْزِلَةٌ لی دارِ صِدْقٍ و غِبْطَةٍ دمَا اقْتَالَ مِن حُكْمٍ عَلَیَّ طَبِیبُ

صدق اور رشک کے گھر میں مقام ومرتبہ ہے طبیب نے میرے بارے میں اپنی مرضی سے حکم نہیں لگایا۔

پہلا ام انکار کے لیے اور دوسرا ام ایجاب کے لیے ہے یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح وہ کہتے ہیں بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ۝ بلکہ وہ انکار کرتے ہوئے اور تکبر کرتے ہوئے ایمان نہیں لاتے۔

فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖۤ انہیں چاہیے کہ اپنی جانب سے ایسا کلام لے آئیں جو قرآن کے مشابہ ہو۔

اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ۝ اگر وہ اس بات میں سچے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر پیش کی ہے۔ جحدری نے اسے فلیاتوا بحدیث مثلہ پڑھا ہے یعنی حدیث کا لفظ مضاف ہے مثلہ میں ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے وہ حدیث جس سے مراد قرآن ہے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مضاف کیا ہے کیونکہ اسی کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا گیا ہے۔ ایک جماعت کی قرأت کے مطابق ھاء قرآن کے لیے ہے

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ۝ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَۜیْطِرُوْنَ۝ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ یَّسْتَمِعُوْنَ فِیْهِ ۚ فَلْیَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ۝ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَ لَكُمُ الْبَنُوْنَ۝ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ۝ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ۝ اَمْ یُرِیْدُوْنَ كَیْدًا ؕ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِیْدُوْنَ۝ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ۝

”کیا وہ پیدا ہو گئے بغیر کسی (خالق) کے یا خود ہی (اپنے) خالق ہیں؟ کیا انہوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ یقین سے محروم ہیں۔ کیا ان کے قبضہ میں ہیں آپ کے رب کے خزانے یا انہوں نے ہر چیز پر تسلط جما لیا ہے۔ کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے (جس پر چڑھ کر) وہ (خفیہ باتیں) سن لیا کرتے تھے (اگر ایسا ہے) تو لے آئے ان میں سے سننے والا روشن دلیل۔ (ظالمو!) کیا اللہ تعالیٰ کے لیے نری بیٹیاں اور تمہارے لیے نرے بیٹے (اے حبیب!) کیا آپ ان سے کوئی اجرت مانگتے ہیں پس وہ چٹی کے بوجھ سے دبے جا رہے ہیں۔ کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے پس وہ لکھتے جاتے ہیں کیا وہ (رسول خدا سے) کوئی فریب کرنا چاہتے ہیں تو وہ کافر خود ہی اپنے فریب کا شکار ہو جائیں گے۔ کیا ان کا کوئی اور خدا ہے اللہ کے سوا، پاک

ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں''۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ، اَمْ میں میم زائد ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے اخلقوا من غیر شیء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا ان کے رب کے علاوہ نے انہیں پیدا کیا اور انہیں مقدر کیا؟ ایک قول یہ کیا گیا: کیا ماں اور باپ کے علاوہ میں انہیں پیدا کیا گیا تو وہ جماد کی طرح ہیں جو عقل نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ کی ان کے خلاف کوئی دلیل قائم نہیں وہ ایسے نہیں کیا انہیں نطفہ، علقہ اور مضغہ سے پیدا نہیں کیا گیا ہے اور انہیں بے مقصد چھوڑ دیا گیا ہے مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ کا معنی ہے کسی شے کے لیے بھی نہیں۔ یہاں من، لام کے معنی میں ہے۔

اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ۝ یا وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو نہیں مانیں گے جب کہ وہ یہ نہیں کہتے۔ جب وہ اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ ان کا ان کے علاوہ کوئی خالق نہیں تو کون سی ایسی چیز ہے جو انہیں روکتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے انکار کریں اور بتوں کی عبادت کا اقرار کریں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کا اقرار کریں تو ان کا اقرار یہ بھی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے۔

اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ معاملہ اس طرح نہیں کیونکہ انہوں نے کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کیا۔ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ۝ بلکہ وہ حق کا یقین نہیں رکھتے۔

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ یعنی ان کے پاس ان کے رب کے خزانے ہیں اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ سے مستغنی ہیں اور اس کے امر سے اعراض کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: خزائن سے مراد بارش اور رزق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رحمت کی چابیاں۔ عکرمہ نے کہا: مراد رسالت ہے جہاں وہ چاہتے ہیں اسے رکھتے ہیں (1)۔ خزائن سے مثال بیان فرمائی ہے کیونکہ یہ وہ جگہ ہوتی ہے جسے اس لیے تیار کیا جاتا ہے تاکہ مختلف قسم کے ذخائر کو جمع کیا جائے۔ سب کی مقدورات ان خزائن کی طرح ہیں جن میں ہر قسم کی جنسیں ہوتی ہیں جن کی کوئی انتہاء نہیں ہوتی۔

اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی تسلط جمانے والے اور جبار ہیں (2)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کا معنی باطل پرست ہیں؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کا معنی قبضہ کرنے والے ہیں (3)۔ عطا نے کہا: وہ غالب ہیں۔ عطا نے کہا: یہ جملہ کہا جاتا ہے تسیطرت علی یعنی تو نے مجھے اپنا خادم بنالیا؛ یہ ابو عبیدہ کا قول ہے۔ صحاح میں ہے مسیطر اور مصیطر کا معنی ہے کسی شی پر تسلط جمانے والا تاکہ اس کی نگرانی کرے، اس کے احوال کو نگاہ میں رکھے اور اس کے عمل کو لکھتا رہے۔ اس کی اصل سطر ہے کیونکہ کتاب کو سطروں میں لکھا جاتا ہے جو آدمی یہ کام کرتا ہے وہ مسطر اور مسیطر ہوتا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے سیطرت علینا۔ ابن بحر نے کہا: ام ھم المسیطرون وہ نگہبان ہیں یہ تسیطر الکتاب سے ماخوذ ہے یعنی جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے اسے یاد رکھتا ہے تو یہاں مسیطر وہ ہوگا جو اس کو یاد رکھتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اس میں تین لغتیں ہیں، صاد یہ عام قرأت

1۔ تفسیر معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 238　　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 385　　3۔ ایضاً

ہے، سین یہ ابن محیصن، حمید، مجاہد، قنبل، ہشام اور ابوحیوہ کی قرأت ہے، صاد کو زاء کا اشمام یہ حمزہ کی قرأت ہے جس طرح سورۂ فاتحہ میں الصراط میں یہ گزر چکا ہے۔

اَمۡ لَہُمۡ سُلَّمٌ کیا وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ کیا آسمان تک بلند ہونے کے لیے ان کے پاس کوئی سیڑھی یا رسی ہے۔ **یَّسۡتَمِعُوۡنَ فِیۡہِ** جس پر چڑھ کر وہ خبروں کو سنتے ہیں اور اس کی مدد سے علم غیب تک رسائی حاصل کرتے ہیں: جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے ذریعہ وہاں تک جا پہنچتے ہیں۔

فَلۡیَاۡتِ مُسۡتَمِعُہُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ۝ تو سننے والا واضح دلیل لے آئے کہ جس پر وہ ہیں وہ حق ہے۔ سُلّم یہ سلالم کا واحد ہے جس پر چڑھا جاتا ہے بعض اوقات غرز کو بھی یہ نام دیا جاتا ہے؛ زبیر نے کہا:

وَمَنْ هَابَ أَسبابَ المَنِيَّةِ يَلْقَها　　وَلَوْ رَامَ أَسبابَ السَّماءِ بِسُلَّمِ

جو آدمی موت کے اسباب سے ڈرتا ہے وہ انہیں مل ہی جاتا ہے اگرچہ وہ سیڑھی کے ذریعے آسمان تک کا قصد کرے۔

ابن مقبل نے کہا:

لا تُحْرِزُ المرءَ أَحْجاءُ البِلَادِ وَلَا　　يُبْنَى له في السَّمواتِ السَّلالِيمُ(1)

شہروں کے اطراف اس آدمی کی حفاظت نہیں کرتے اور نہ ہی اس کے لیے آسمانوں میں سیڑھیاں بنائی جاتی ہیں۔

احجاء کا معنی اطراف ہے جس طرح ارجاء ہے ان دونوں کا واحد حجا اور رجا ہے۔ جو الف مقصورہ کے ساتھ ہے اس شعر کو اعناء البلاد کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے اعناء کا معنی بھی جوانب ہیں اس کا واحد عنو ہے۔ ابن الاعرابی نے کہا: اس کا واحد عنا ہے یہ بھی الف مقصورہ کے ساتھ ہے جاءنا أعناء من النّاس ہمارے پاس لوگوں کی جماعتیں آئیں اس کا واحد عِنْوٌ ہے۔

یَّسۡتَمِعُوۡنَ فِیۡہِ اس میں فی، علی کے معنی میں ہے جس طرح الله تعالیٰ کا فرمان ہے **فِیۡ جُذُوۡعِ النَّخۡلِ** (طہ: 71) یہاں بھی فی، علی کے معنی میں ہے؛ یہ اخفش کا قول ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: یہاں فی، باء کے معنی میں ہے۔ زجاج نے کہا: کیا ان کے لیے بھی حضرت جبرئیل کی طرح کوئی فرشتہ ہے جو حضرت جبرئیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لاتے ہیں۔

اَمۡ لَہُ الۡبَنٰتُ وَ لَکُمُ الۡبَنُوۡنَ ۝ انہیں شرمندہ کرنے اور تنبیہ کرنے کے لیے ان کی عقلوں کو بے وقوف قرار دیا، یعنی کیا تم الله تعالیٰ کی طرف بیٹیوں کی نسبت کرتے ہو جب کہ خود ان کے بارے میں غیرت کا مظاہرہ کرتے ہو جس کی دانش اس جیسی ہو تو اس کے بارے میں کوئی بعید نہیں کہ وہ بعث کا انکار کرے۔

اَمۡ تَسۡـَٔلُہُمۡ اَجۡرًا کیا آپ ان سے رسالت کی تبلیغ پر اجر طلب کرتے ہیں **فَہُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ** ۝ تو وہ چٹی جس کا آپ ان سے مطالبہ کرتے ہیں اس کے باعث وہ مشقت میں مبتلا ہیں۔

اَمۡ عِنۡدَہُمُ الۡغَیۡبُ فَہُمۡ یَکۡتُبُوۡنَ ۝ وہ لوگوں کے لیے غیب میں سے وہ کچھ لکھتے ہیں جس کا وہ ارادہ کرتے ہیں۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 385

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ان کے پاس ایسا علم ہے جو لوگوں سے غائب ہے یہاں تک کہ انہیں علم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے قیامت، جنت، جہنم اور بعث کے بارے میں جو کچھ خبر دی ہے وہ سب باطل ہے۔ قتادہ نے کہا: جب انہوں نے کہا نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ہم اس کے بارے میں حادثات زمانہ کا انتظار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ یہاں تک کہ انہیں علم ہے کہ حضرت محمد ﷺ کا وصال کب ہو گا اور ان کے معاملہ کا انجام کیا ہو گا(1)؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا ان کے پاس لوح محفوظ ہے تو اس میں جو کچھ ہے اسے وہ لکھتے ہیں اور اس میں جو کچھ ہے اس کی لوگوں کو خبر دیتے ہیں(2)؟ قتبی نے کہا: يَكْتُبُوْنَ کا معنی ہے وہ حکم دیتے ہیں(3)۔ کتاب کا معنی حکم (فیصلہ) ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام: 54) یعنی تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: والذی نفسی بیدہ لأحکمن بینکم بکتاب اللہ(4) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔

اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا یعنی وہ دارالندوہ میں تیرے بارے میں خفیہ تدبیر کا ارادہ کرتے ہیں۔

فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾ یعنی جنہوں نے کفر کیا ان کے ساتھ خفیہ تدبیر کی جائے گی؛ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ (فاطر: 43) اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں بدر کے میدان میں قتل کیا گیا۔ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ یعنی وہ الہ پیدا کرتا ہے، رزق دیتا ہے اور ان کی حفاظت کرتا ہے۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾ اللہ تعالیٰ کی اس امر سے پاکی بیان کیجئے کہ اس کا کوئی شریک ہو۔ خلیل نے کہا: سورۂ طور میں جہاں بھی ام کا لفظ ذکر کیا گیا ہے وہ کلمہ استفہام ہے صرف عطف نہیں(5)۔

وَ اِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾

''اور اگر وہ دیکھ لیں آسمان کے کسی ٹکڑے کو گرتا ہوا تو یہ (احمق) کہیں گے: یہ تو بادل ہے تہہ در تہہ۔ پس انہیں (یونہی) چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن کو پا لیں جس میں وہ غش کھا کر گر پڑیں گے، جس روز ان کی فریب کاری ان کے کسی کام نہ آئے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی''۔

وَ اِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا اللہ تعالیٰ نے یہ ان کے قول کے جواب میں ارشاد فرمایا: فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ (الشعراء: 187) اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا (الاسراء: 92) اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ یہ سلوک کرتا تو وہ ضرور کہتے۔ سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ یہ ایسا بادل ہے جو تہہ در تہہ ہے جو ہم پر آ گرا ہے یہ آسمان نہیں یہ معاند کا عمل ہے یا اس کا فعل ہے جس کو تقلید نے اپنی گرفت میں لے رکھا ہو۔ مشرکوں کی دو قسمیں ہیں۔ کسف یہ

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 239　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 193　　3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 239

4۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، حد الزنا، جلد 2، صفحہ 69　　5۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 239

کسفه کی جمع ہے جس کا معنی کسی شی کا ٹکڑا ہے۔ اخفش نے کہا: جس نے کِسْفًا پڑھا ہے اس نے اسے واحد بنایا ہے جس نے اسے کِسَفًا پڑھا ہے اس نے اسے جمع کا صیغہ قرار دیا ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو سبحان وغیرہ میں گزر چکی ہے۔ الحمدللہ

فَذَرْهُمْ یہ آیت سیف سے منسوخ ہے۔ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ یاء کے فتحہ کے ساتھ عام قرأت ہے۔ ابن عامر اور عاصم نے یاء کے ضمہ کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔ فراء نے کہا: دو لغتیں ہیں صَعِق، صَعُق جس طرح سَعِد، سَعُد ہے۔ قتادہ نے کہا: جس روز وہ مریں گے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد یوم بدر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد نفخہ اولیٰ ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد یوم قیامت ہے جس میں ایسا عذاب آئے گا جو ان کی عقلوں کو زائل کر دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ أصعقه الله سے یاء کے ضمہ کے ساتھ يصعقون ہے۔

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا یعنی دنیا میں جو وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ خفیہ تدبیر کرتے رہے۔ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ اور نہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کی مدد کی جائے گی۔ يَوْمَ کا لفظ يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ سے بدل ہے۔

وَ اِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَ مِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾

''اور بے شک ظالموں کے لیے (ایک) عذاب (دنیا میں) اس سے پہلے بھی ہے لیکن ان میں سے اکثر (اس سے) بے خبر ہیں۔ اور آپ صبر فرمائیے اپنے رب کے حکم سے پس آپ بلاشبہ ہماری نظروں میں ہیں اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے جب کہ آپ اٹھتے ہیں اور رات کے کسی حصہ میں اس کی تسبیح کیجئے اور اس وقت بھی جب ستارے ڈوب رہے ہوتے ہیں''۔

وَ اِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا یعنی جنہوں نے کفر کیا۔ عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی موت سے قبل انہیں عذاب ہوگا۔ ابن زید نے کہا: مراد دنیا کے مصائب ہیں یعنی درد، بیماریاں، آزمائشیں، مال اور اولاد کا چلا جانا۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد بھوک اور سات سال تک خشک سالی ہے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد قتل ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: مراد عذاب قبر ہے؛ یہ حضرت براء بن عازب اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ دون کا معنی غیر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ایسا عذاب ہے جو آخرت کے عذاب سے خفیف ہوگا۔

وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ لیکن اکثر یہ نہیں جانتے کہ ان پر عذاب نازل ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں سے اکثر نہیں جانتے کہ ان کا ٹھکانہ کیا ہوگا۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 386　　2۔ ایضاً

وَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعۡيُنِنَا

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنے رب کے فیصلہ پر صبر کیجئے جو اس نے آپ پر رسالت کی ذمہ داریاں ڈالیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس آزمائش پر صبر کیجئے جو اس نے آپ کی قوم کی جانب سے آپ کو آزمائش میں ڈالا۔ پھر آیت سیف کے ساتھ اسے منسوخ کر دیا گیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ فَاِنَّكَ بِاَعۡيُنِنَا ہماری آنکھوں کے سامنے جو تم کہتے ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو ہم اسے دیکھتے اور سنتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ ہم تجھے دیکھتے ہیں، تیری حفاظت کرتے ہیں۔ سب کا معنی ایک ہی ہے: اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلِتُصۡنَعَ عَلٰی عَيۡنِيۡ ﴿۳۹﴾ (طہ) مراد میری حفاظت اور میری نگہبانی میں۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ حِيۡنَ تَقُوۡمُ ﴿۴۸﴾ وَمِنَ الَّيۡلِ فَسَبِّحۡهُ وَاِدۡبَارَ النُّجُوۡمِ ﴿۴۹﴾

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ حِيۡنَ تَقُوۡمُ ﴿۴۸﴾ حِيۡنَ تَقُوۡمُ کی تاویل میں اختلاف ہے۔ عون بن مالک، حضرت ابن مسعود، عطا، سعید بن جبیر، سفیان ثوری اور ابو احوص نے کہا: جب وہ اپنی مجلس سے اٹھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: سبحان الله وبحمده یا سبحانك اللهم وبحمدك۔ (1) اگر مجلس اچھی ہو تو اچھی تعریف میں اضافہ کرتے ہیں اگر کوئی اور معاملہ ہو تو یہ کلمات اس کے لیے کفارہ بن جاتے ہیں، اس تاویل کی دلیل وہ روایت ہے جسے امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من جلس في مجلس فكثر فيه لغطه فقال قبل أن يقوم من مجلسه سبحانك اللهم وبحمدك أشهد ان لا إله إلا أنت أستغفرك وأتوب إليك إلا غفر له ما كان في مجلسه ذلك۔ (2) جو آدمی کسی مجلس میں بیٹھا اس میں اس کی غلطیاں بہت زیادہ ہوئیں اس نے مجلس سے اٹھنے سے قبل یہ کہا: سبحانك اللهم وبحمدك ...... وأتوب إليك تو اس مجلس میں سے اس سے جو غلطیاں ہوئیں یہ الفاظ اس کا کفارہ بن جائیں گے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے (3)۔ اسی بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے: ہم ایک مجلس میں اٹھنے سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ تسبیح سو دفعہ گنا کرتے تھے رب اغفر لي وتب علي إنك أنت التواب الغفور اے میرے رب! مجھے بخش دے میری توبہ قبول فرما تو تواب اور غفور ہے۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے (4)۔ محمد بن کعب، ضحاک اور ربیع نے کہا: معنی ہے جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے۔ ضحاک نے کہا: آپ کہتے الله اكبر كبيرا والحمد لله كثيرا وسبحان الله بكرة وأصيلا۔ طبری نے کہا: یہ تعبیر حقیقت سے بہت ہی بعید ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: حِيۡنَ تَقُوۡمُ تکبیر کے بعد تسبیح پر دلالت نہیں کیونکہ تکبیر قیام کے بعد ہوتی ہے اور تسبیح اس کے بعد ہوتی ہے۔ پس یہ

1۔ تفسیر عبد الرزاق، جلد 3، صفحہ 247 — 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 240

3۔ جامع ترمذی، کتاب الدعوات، مایقول اذا قام من مجلسہ، جلد 2، صفحہ 181 — 4۔ ایضاً

امر اس بات پر دال ہے کہ اس سے مراد ہے کہ تو جس مکان سے بھی اٹھے؛ جس طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ ابو جوزاء اور حسان بن عطیہ نے کہا: معنی ہے جب تو اپنی نیند سے اٹھے۔ حسان نے کہا: تاکہ وہ اپنے عمل کا آغاز اللہ تعالیٰ کے ذکر سے کرنے والا ہو۔ کلبی نے کہا: جب تو اپنے بستر سے اٹھے تو زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر یہاں تک کہ تو نماز میں داخل ہو جائے اور وہ نماز، نماز فجر ہے اس بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من تعارّ فی اللّیل فقال لا إله إلا الله وحده لا شریك له له الملك وله الحمد وهو علی كلّ شیء قدیر والحمد لله وسبحان الله والله اكبر ولا حول ولا قوة إلّا بالله۔ (1) جو رات کو اٹھا اور اس نے یہ کلمات پڑھے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ...... الا باللہ پھر کہا: اے اللہ! مجھے بخش یا کوئی دعا کی تو اس کی دعا قبول کی جائے گی۔ اگر اس نے وضو کیا اور نماز پڑھی تو اس کی نماز قبول کی جائے گی۔ اسے امام بخاری نے نقل کیا ہے۔

تعار الرجل من اللّیل سے مراد ہے وہ آواز نکالتے ہوئے نیند سے اٹھا اسی سے یہ جملہ بولا جاتا ہے عارّ الظلیم یعار عرارا بعض کہتے ہیں: عَرَّ الظلیم یعرعرارا مظلوم نے آواز لگائی، جس طرح وہ کہتے ہیں: زَمِر النعام یزمرز مارا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کے وسط میں نماز کے لیے اٹھتے تو کہتے: اللّهمّ لك الحمد أنت نور السّموات والأرض ومن فیهن ولك الحمد أنت قیّوم السّموات والأرض ومن فیهن ولك الحمد أنت ربّ السموات والأرض ومن فیهنّ أنت الحقّ وعدك الحقّ وقولك الحق ولقاءك الحقّ والجنّة حقٌّ والنارُ حقٌّ والساعة حقٌّ والنبیّون حقٌّ ومحمّد حقّ اللّهمّ لك أسلمت وعلیك توكّلتُ وبك آمنتُ وإلیك أنبت وبك خاصمت وإلیك حاكمت فاغفرلی ما قدّمت وما أخّرت وأسررت وأعلنت أنت المقدّم وأنت المؤخّر لا إله إلّا أنت ولا إله غیرك۔ (2) متفق علیہ

اے اللہ! تیرے لیے حمد ہے تو آسمان اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اس کا نور ہے تیرے لیے حمد ہے تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو قائم رکھنے والا ہے تیرے لیے حمد ہے تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا رب ہے تو حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے، تیرا قول حق ہے، تیری ملاقات حق ہے، جنت حق ہے، جہنم حق ہے، قیامت حق ہے، انبیاء حق ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں اے اللہ! میری اگلی، پچھلی، مخفی اور اعلانیہ خطائیں معاف فرما دے تو ہی معبود برحق ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: جب آپ رات کے وقت اٹھتے تو اپنے چہرے سے نیند کے آثار کو دور کرتے؛ پھر سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات کی تلاوت کرتے (3)۔

زید بن اسلم نے کہا: معنی ہے جب آپ ظہر کی نماز کے لیے قیلولہ کی نیند سے اٹھتے۔ ابن عربی نے کہا: جہاں تک قیلولہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب التہجد، فضل من تعار من اللیل وصلی، جلد 1، صفحہ 155 2۔ ایضاً، التہجد باللیل، جلد 1، صفحہ 151

3۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، ربنا انک من تدخل النار، جلد 2، صفحہ 657

کی نیند کا تعلق ہے اس میں کوئی اثر نہیں ہوتا یہ تو صرف رات کی نیند کے ساتھ ملحق ہوتا ہے (1)۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد نماز میں تسبیح ہے جب نماز کے لیے آپ اٹھتے ۔ ماوردی نے کہا: اس تسبیح کے بارے میں دو قول ہیں (۱) مراد سبحان ربی العظیم ہے جو رکوع میں پڑھی جاتی ہے اور سجدہ میں سبحان ربی الأعلی کہنا ہے (۲) نماز میں یہ کلمات توجہ ہے سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا إله غيرك۔

ابن عربی نے کہا: جس نے کہا اس سے مراد نماز کی تسبیح ہے تو یہ افضل ہے۔ اس میں آثار بہت زیادہ ہیں۔ سب سے عظیم وہ ہے جو حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کہتے: وجهت وجهي (2) ہم نے اس کا اور اس کے غیر کا ذکر سورۃ الانعام میں کیا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے ایسی دعا سکھائیں جو میں نماز میں مانگا کروں فرمایا: کہو اللّٰھمّ إنّی ظلمت نفسی ظلما کثیرا ولا یغفر الذّنوب إلّا أنت فاغفرلی مغفرۃ من عندك وارحمنی إنّك أنت الغفور الرحیم (3)

اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بے شمار ظلم کیے ہیں تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں مجھے اپنی بارگاہ سے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما تو غفور رحیم ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَ مِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾ اس کے بارے میں گفتگو سورۂ ق میں مکمل گزر چکی ہے۔ جہاں تک اِدْبَارَ النُّجُوْمِ کا تعلق ہے تو حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن عباس، حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے مراد فجر کی دو رکعتیں ہیں۔ بعض علماء نے اس آیت کو اس قول پر بطور ندا محمول کیا ہے اور اسے پانچ نمازوں کے ساتھ منسوخ قرار دیا ہے۔ ضحاک اور ابن زید سے مروی ہے وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ سے مراد صبح کی نماز ہے؛ یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: مراد نمازوں کے آخر میں تسبیحات ہیں۔ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ کے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ساتوں قراء نے مصدر پڑھا ہے جس طرح ہم نے سورۂ ق میں بیان کیا ہے۔ سالم بن ابی جعد اور محمد بن سمیقع نے أدبار فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اسی کی مثل یعقوب، سلام اور ایوب سے مروی ہے یہ دُبُر اور دُبُر کی جمع ہے۔ دُبُر الامر اور دُبُر سے مراد امر کا آخر ہے۔

امام ترمذی نے محمد بن فضیل کی حدیث وہ رشدین بن کریب سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت ابن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ سے مراد فجر سے پہلے دو رکعتیں اور ادبار السجود سے مراد مغرب کے بعد دو رکعتیں ہیں (4)۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے ہم اسے مرفوع صرف اس سند سے پہچانتے ہیں وہ سند محمد بن

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1733

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، صلوٰۃ النبی ودعاءہ باللیل، جلد 1، صفحہ 263

3۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، الدعاء فی الصلوٰۃ، جلد 2، صفحہ 936

4۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ والطور، جلد 2، صفحہ 160

فضیل، رشدین بن کریب سے، میں نے محمد بن اسماعیل سے پوچھا کہ محمد بن فضیل اور رشدین بن کریب میں سے کون زیادہ ثقہ ہے؟ فرمایا: میں ان دونوں میں سے کسی کے بارے میں یہ اقرار نہیں کرتا تاہم میرے نزدیک محمد ارجح ہے۔ کہا: میں نے اس کے بارے میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے سوال کیا؟ فرمایا: میں ان دونوں کے بارے میں امر کے ثبوت کا اقرار نہیں کرتا ان دونوں میں رشدین بن کریب زیادہ راجح ہے۔ ترمذی نے کہا: جو ابو محمد قول کرے قول تو وہی ہے میرے نزدیک رشدین بن کریب، محمد سے زیادہ راجح اور مقدم ہے۔ رشدین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا زمانہ پایا اور آپ کو دیکھا۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے فرائض سے قبل دو رکعتوں کا جس قدر اہتمام کرتے اتنا اہتمام کسی نفل کا نہ کرتے تھے (1)۔ آپ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا: رکعتا الفجر خیر من الدنیا و مافیھا (2) فجر کی دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ سورۂ طور کی تفسیر مکمل ہوئی۔ الحمدللہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، استحباب رکعتی سنۃ الفجر، جلد 1، صفحہ 251

2۔ جامع ترمذی، کتاب الصلوٰت، ما جاء فی رکعتی الفجر فی الفضل، جلد 1، صفحہ 56

سورة النجم

(آیاتہا ۶۲) (۵۳ سُوْرَۃُ النَّجْمِ مَکِّیَّۃٌ ۲۳) (رکوعاتہا ۳)

یہ مکی ہے، اس کی باسٹھ آیات ہیں۔

حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطا اور حضرت جابر کے نزدیک یہ تمام کی تمام مکی ہے۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: مگر ایک آیت مدنی ہے وہ ہے اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓىِٕرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی آیات باسٹھ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ تمام سورت مدنی ہے جب کہ صحیح یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ یہ وہ پہلی سورت ہے جس کا اعلان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں کیا۔ بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا(1)۔ آپ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں، جنوں اور انسانوں نے بھی سجدہ کیا۔ حضرت عبداللہ سے یہ روایت مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم پڑھی اور اس کے لیے سجدہ کیا قوم میں سے کوئی آدمی نہ بچا مگر سب نے سجدہ کیا(2)۔ لوگوں میں سے ایک نے کنکریوں کی ایک مٹھی لی یا مٹی کی مٹھی لی اور اسے اپنے چہرے کی طرف اٹھایا اور کہا: ''مجھے یہی کافی ہے''۔ حضرت عبداللہ نے کہا: میں نے اسے بعد میں دیکھا اسے کافر کی حیثیت میں قتل کر دیا گیا ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ جس آدمی نے یہ کیا تھا اسے امیہ بن خلف کہتے۔

صحیحین میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ النجم سنائی تو آپ نے سجدہ نہ کیا(3)۔ اس بارے میں بحث سورۂ اعراف کے آخر میں گزر چکی ہے۔ الحمدللہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَ النَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ۝۱ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى ۚ۝۲ وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ۝۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ۙ۝۴ عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰى ۙ۝۵ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۙ۝۶ وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ؕ۝۷ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ۝۸ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ۝۹ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ؕ۝۱۰

''قسم ہے اس (تابندہ) ستارے کی جب وہ نیچے اترا تمہارا (زندگی بھر کا) ساتھی نہ راہ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے۔ نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے، انہیں سکھایا ہے زبردست

1۔ صحیح بخاری، باب سجود القرآن، سجود المسلمین مع المشرکین، جلد 1، صفحہ 146

2۔ ایضاً، سجدۃ النجم، جلد 1، صفحہ 146

3۔ ایضاً، باب سجود القرآن، من قرأ السجدۃ ولم یسجد، جلد 1، صفحہ 146

قوتوں والے نے بڑے دانا نے پھر اس نے (بلندیوں کا) قصد کیا اور وہ سب سے اونچے کنارے پر تھا۔ پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا پس وحی کی اللہ نے اپنے (محبوب) بندے کی طرف جو وحی کی''۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: **وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى** سے مراد ہے ثریا جب فجر کے ساتھ غروب ہو جائے۔ عرب ثریا کو نجم کہتے ہیں اگرچہ تعداد میں یہ نجوم ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سات ستارے ہیں ان میں سے چھ ظاہر ہیں اور ایک مخفی ہے جس کے ساتھ لوگ اپنی نظروں کا امتحان کرتے ہیں۔ قاضی عیاض کی ''الشفا'' میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ثریا میں گیارہ ستارے دیکھا کرتے تھے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: معنی ہے قسم ہے قرآن کی جب وہ نازل ہو(1)۔ کیونکہ وہ آیات درآیات نازل ہوتا تھا؛ یہ فراء کا قول ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: مراد تمام ستارے ہیں جب وہ غروب ہوں؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی قسم اٹھائی جب وہ غائب ہوں۔ لفظ واحد کے ساتھ تعبیر کرنا ممتنع نہیں اس کا معنی جمع کا ہے۔ ایک چرواہے نے کہا:

فَبَاتَتْ تَعُدُّ النَّجْمَ فِی مُسْتَحِيرَةٍ (2)

اس نے حیرت کے عالم میں ستارے گنتے ہوئے رات گزاری۔

عمر بن ابی ربیعہ نے کہا:

أَحْسَنُ النَّجْمِ فِی السماءِ الثُّرَيَّا والثُّرَيَّا فِی الأَرْضِ زَيْنُ النِّسَاءِ

آسمان میں سب سے خوبصورت ستارہ ثریا ہے، زمین میں ثریا، عورتوں کی زینت ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: نجم سے مراد ستارے ہیں جب قیامت کے روز وہ گریں گے(3)۔ سدی نے کہا: یہاں نجم سے مراد زہرہ ہے کیونکہ عربوں میں سے کچھ لوگ اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ ستارے ہیں جن کے ساتھ شیاطین کو رجم کیا جاتا ہے اس کا سبب ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کرنے کا ارادہ کیا تو آپ کی ولادت سے قبل ستارے ٹوٹ کر گرے اس وجہ سے بہت سے عرب ڈر گئے وہ اپنے کاہن کے پاس گئے جو نابینا تھے وہ انہیں حادثات کی خبر دیتا تھا لوگوں نے اس سے ستاروں کے ٹوٹنے کے بارے میں پوچھا: اس نے کہا: بارہ برجوں کی طرف دیکھو اگر ان میں سے کوئی ایک ٹوٹ گرے تو یہ دنیا کی تباہی کی علامت ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی نہ ٹوٹے تو دنیا میں کوئی عظیم حادثہ رونما ہوگا اس کا علم حاصل کرو۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی یہی وہ عظیم امر تھا جس کا انہیں احساس ہوا تو اللہ تعالیٰ نے **وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى** کو نازل فرمایا وہ ستارہ جو گرا وہ اس نبوت کی وجہ سے تھا جو اس وقت رونما ہونے والی تھی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اس سے ایسی نباتات ہے جس کا تنا نہ ہو۔ **هَوٰى** یعنی وہ زمین پر گر گئی۔ جعفر بن محمد علی بن حسین رضی اللہ عنہم نے کہا: **النَّجْمِ** سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ **اِذَا هَوٰى** جب معراج کی رات آپ آسمان سے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 195 2۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 51 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 82

اترے۔ حضرت عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ عتبہ بن ابی لہب جس کے عقد میں رسول اللہ ﷺ کی بیٹی تھی (1)۔ اس نے شام کی طرف نکلنے کا ارادہ کیا اس نے کہا: میں (حضرت) محمد ﷺ کے پاس جاؤں گا اور ضرور انہیں اذیت دوں گا وہ آپ کے پاس آیا اور کہا: اے محمد! وہ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى اور الذی دنا فتدلی کا انکار کرنے والا ہے پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر لعاب پھینکا العیاذ باللہ۔ آپ ﷺ کی بیٹی آپ ﷺ کی طرف لوٹا دی اور اسے طلاق دے دی۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: ''اے اللہ! اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط کر دے''۔ ابو طالب موجود تھے غم کی زیادتی کی وجہ سے سر جھکا لیا اور کہا: اے بھتیجے! اس دعوت نے تجھے کیا فائدہ دیا؟ عتبہ اپنے باپ کے پاس آیا اور اسے سارا واقعہ بتایا پھر وہ قافلہ شام کی طرف چلا۔ انہوں نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ ایک راہب اپنے کلیسا سے ان پر جھانکا اس نے کہا: یہ علاقہ درندوں کا ہے۔ ابولہب نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اے جماعت قریش! اس رات ہماری مدد کرنا۔ میں (حضرت) محمد (ﷺ) کی دعا کی وجہ سے اپنے بیٹے کے بارے میں ڈرتا ہوں۔ انہوں نے اپنے اونٹوں کو جمع کیا اور اپنے گرد بٹھا لیا اور عتبہ کا محاصرہ کر لیا۔ شیر ان کے منہ سونگھتا ہوا آیا یہاں تک کہ عتبہ پر وار کیا اور اسے قتل کر دیا؛ حضرت حسان نے یہ شعر کہا:

مَنْ يَرْجِعُ العام إلى أَهْلِهِ فَمَا أَكِيلُ السَّبُع بِالرَّاجِعِ

اس سال کون اپنے گھر کی طرف لوٹے گا، درندے کا کھایا ہوا واپس نہیں لوٹتا۔

نجم کا اصل معنی طلوع کرنا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: نجم السن دانت نکل آیا۔ نجم فلان ببلاد کذا فلاں نے فلاں علاقہ میں بادشاہ کے خلاف بغاوت کی۔ الھوی کا معنی نازل ہونا اور گرنا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: ھوی یھوی ھویا جس طرح مضی یمضی مضیا ہے؛ شاعر نے کہا:

بَيْنَما نَحْنُ بِالبَلَاكِثِ فَالْقَا عِ سِرَاعًا والعِيسُ تَهْوِي هُوِيًّا

اسی اثنا میں کہ ہم بلاکث اور قاع میں تیزی سے گزر رہے تھے جب کہ عمدہ اونٹ اتر رہے تھے۔

اصمعی نے کہا: ھوی، یھوی هُوِيًّا جب بلندی سے پستی کی طرف گرے اسی طرح انھوی فی السیر ہے جب وہ گزر جائے۔ ھوی اور انھوی دو لغتیں ہیں جن کا معنی ایک ہے، شاعر نے دونوں کو اس شعر میں جمع کر دیا ہے:

وكَمْ مَنْزِلٍ لولاى لِطِحْتَ كما هَوَى بأجرامِهِ مِنْ قُلَّةِ النِّيقِ مُنْهَوِى

کتنی ہی منزلیں ہیں اگر میں نہ ہوتا تو تو سرگرداں رہتا جس طرح پہاڑ کی چوٹی سے گرنے والی چیز نیچے گرتی ہے۔

محبت میں کہا جاتا ہے: ھوی يَهْوَى هَوًى جب وہ محبت کرے۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ یہ جواب قسم ہے معنی ہے حضرت محمد ﷺ حق سے گمراہ نہ ہوئے اور نہ اس سے پھرے۔ وَ مَا غَوٰى ۝ غی اشد کی ضد ہے معنی ہے گمراہ نہ ہوئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے باطل گفتگو نہ کی۔ ایک قول یہ کیا گیا: جو طلب کیا اس میں خائب و خاسر مراد ہے۔ غی کا معنی خسارہ ہے۔

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 417

شاعر نے کہا:

فمن يلق خيرا يحمد الناس أمره ومن يغو لا يعدم على الغي لائما(1)

جو مال پاتا ہے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں اور جو خسارہ اٹھاتا ہے تو وہ ملامت کرنے والے سے خالی نہیں ہوتا۔

مراد ہے جو اپنی طلب میں ناکام رہتا ہے لوگ اس کو ملامت کرتے ہیں۔ پھر یہ بھی جائز ہے کہ آپ کو خبر دی جارہی ہو جو وحی کے بعد ہوتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ عمومی طور پر آپ کے احوال کی خبر دی جارہی ہو یعنی آپ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر کاربند رہے ہیں سورۂ شوریٰ آیت 52 میں ہم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ کے ضمن میں جو بیان کیا ہے اس اعتبار سے بھی صحیح ہے۔

وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ قتادہ نے کہا: آپ قرآن اپنی خواہش سے بیان نہیں کرتے (2) ''یہ تو وحی ہے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے''۔ ایک قول یہ کیا گیا: عَنِ الْهَوٰى، بالھوی کے معنی میں ہے؛ یہ ابو عبیدہ نے قول کیا ہے؛ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝ (الفرقان) یہاں بھی بہ، عنہ کے معنی میں ہے۔ نحاس نے کہا: قتادہ کا قول اولیٰ ہے اور عن اپنے معنی میں ہے یعنی آپ کا نطق (بولنا) اپنی رائے سے نہیں ہوتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی ہوتی ہے کیونکہ اس کے بعد ہے اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۔

مسئلہ نمبر 2۔ جو علماء امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجتہاد کو جائز نہیں سمجھتے وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں اس آیت میں یہ دلالت بھی موجود ہے کہ سنت عمل میں نازل شدہ وحی کی طرح ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں اس کے بارے میں حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔ بجستانی نے کہا: اگر تو چاہے تو اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ کو مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ سے بدل دو۔ ابن انباری نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ ان خفیفہ ما کا بدل نہیں ہوتا اس پر دلیل یہ ہے کہ تو یہ نہیں کہتا: واللہ ما قمت إن أنا لقاعد۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ حضرت حسن بصری کے علاوہ تمام مفسرین کی رائے یہ ہے کہ شَدِيْدُ الْقُوٰى سے مراد حضرت جبریل امین ہیں (3) کیونکہ ان کی رائے ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے (4)۔ حضرت حسن بصری کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے فرمان ذُوْ مِرَّةٍ پر کلام مکمل ہو جائے گی۔ اس کا معنی ہے قوت والا اور قوت اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اس کا اصل معنی اس کو مضبوطی سے بٹنا ہے گویا اسے لگا تار بٹا گیا یہاں تک کہ اس کا کھولنا مشکل ہو گیا۔ پھر فرمایا فَاسْتَوٰى اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یعنی عرش پر متمکن ہوا؛ یہ معنی حضرت حسن بصری سے مروی ہے۔ ربیع بن انس اور فراء نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 390
2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 391
3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 196
4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 82

فَاسْتَوٰی ۙ وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ۝ یعنی حضرت جبریل اور حضرت محمد ﷺ متمکن ہوئے۔ یہ اس صورت کے بعد ہو گا جب ضمیر مرفوع پر ھو سے عطف کیا جائے اکثر عرب جب اس قسم کے عطف کا ارادہ کرتے ہیں تو معطوف علیہ کی ضمیر کو ظاہر کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: استوی ھو و فلان وہ بہت کم ہی یہ کہتے ہیں استوی و فلان؛ فراء نے یہ شعر پڑھا:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ النَّبْعَ يَصْلُبُ عُودُهُ　ولا يَسْتَوِي و الخِرْوَعُ المتقَصِّفُ(1)

کیا تو نہیں دیکھا کہ نبع کے درخت کی لکڑی سخت ہوتی ہے وہ اور ٹوٹی ہوئی خروع (جڑی بوٹی) برابر نہیں ہوتی۔

اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَآ (النمل: 67) معنی ہے کیا اس وقت جب ہم اور ہمارے آباء مٹی ہو جائیں گے۔ آیت کا معنی ہے حضرت جبریل امین اور حضرت محمد ﷺ معراج کی رات افق اعلی میں متمکن ہوئے۔ اس نے ضمیر پر عطف کو جائز قرار دیا ہے تا کہ تکرار نہ ہو۔ زجاج نے اس کا انکار کیا ہے مگر ضرورت شعری میں جائز کہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جبریل امین افق اعلی پر متمکن ہوئے۔ یہ زیادہ بہتر ہے۔ جب استواء کرنے والے حضرت جبریل امین ہیں تو ذُوْ مِرَّةٍ کا معنی ہو گا وہ اچھی گفتگو کرنے والے ہیں (2)؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: اچھی طویل صورت والے ہیں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے صحیح جسم والے روز آفات سے محفوظ ہیں، اسی معنی میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: لا تحل الصدقة لغنی ولا لذی مِرَّةٍ سَوِيٍّ۔ (4)

غنی اور صحیح اعضاء والے قوی آدمی کے لیے صدقہ لینا حلال نہیں۔ امراء القیس نے کہا:

كُنتُ فيهم أبدًا ذاحِيلة　مُحْكَمَ المِرَّةِ مأمُونَ العُقَدْ

میں ان میں ہمیشہ تدبیر والا رہا ہوں مضبوط اعضاء والا اور محفوظ وعدوں والا۔

یہ قول کیا گیا ہے: ذُوْ مِرَّةٍ قوت والا۔ کلبی نے کہا: حضرت جبریل امین کی قوت کا عالم یہ ہے کہ انہوں نے قوم لوط کے شہر کو پست ترین زمین سے اکھیڑا اسے اپنے ایک پر، پر اٹھایا یہاں تک آسمان تک لے گئے یہاں تک کہ آسمان والوں نے ان کے کتوں کی آواز اور مرغوں کی چیخ کو سنا پھر انہیں الٹا دیا، ان کی قوت کا مظہر یہ بھی ہے کہ انہوں نے ابلیس کو ارض مقدسہ کی ایک گھاٹی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا اپنے ایک پر سے اسے ہوا دی اور اسے ہند کے دور دراز پہاڑ میں پھینک دیا، ان کی قوت کا انداز یہ بھی ہے قوم ثمود میں چیخ ماری جن کی تعداد بہت زیادہ تھی تو صبح کے وقت وہ سب اوندھے منہ گرے، مرے، پڑے تھے، ان کی قوت کا اظہار اس طرح بھی ہوا کہ وہ انبیاء پر آسمان سے اترتے پھر اس کی طرف چڑھتے اور پلک جھپکنے کی دیر نہ لگتی۔ قطرب نے کہا: عرب ہر ایسے شخص کے بارے میں ذُوْ مِرَّةٍ کا لفظ استعمال کرتے ہیں جو عظیم رائے اور اعلی عقل رکھتا ہو۔ شاعر نے کہا:

قد كنتُ قبلَ لِقائكُم ذَا مِرَّةٍ　عندي لِكُلِّ مُخاصِمٍ مِيزَانُهُ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 197　2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 242　3۔ ایضاً

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الزکوٰۃ، من یعطی من الصدقة وحد الغنی، جلد 1، صفحہ 231

تمہاری ملاقات سے پہلے میں دانشمند تھا میرے پاس ہر جھگڑا کرنے والے کے لیے ترازو تھا۔

اس کی عظیم رائے اور اعلیٰ دانش سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کی طرف وحی پر انہیں امین بنایا۔ جوہری نے کہا: مرۃ چار طبائع میں سے ایک ہے۔ مرۃ کا معنی قوت اور عقل کی پختگی ہے رجل مریرا ایسا آدمی جو قوی ہو اور دانشمند ہو۔ شاعر نے کہا:

تَرَی الرَّجُلَ النَّحیف فتزدریه وحَشْوُ ثِیَابِه اَسَدٌ مَرِیْرٌ

تو کمزور آدمی کو دیکھتا ہے تو تو اسے بے عزت کر دیتا ہے جب کہ اس کے کپڑوں کے اندر قوی شیر ہے۔

مجاہد اور قتادہ نے کہا: ذُوْ مِرَّةٍ کا معنی ہے قوت والا (1)؛ اس معنی میں خفاف بن ندبہ کا قول ہے:

اِنِّی امرؤٌ ذو مِرَّةٍ فاستبقِنِی (2)

میں ایسا آدمی ہوں جو بڑا قوی ہے تو مجھے باقی رکھ۔

قوت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور مخلوق کی صفات میں سے بھی ہے۔ فَاسْتَوٰی اس کا فاعل حضرت جبریل امین ہیں جس طرح ہم نے بیان کیا ہے یعنی آسمان میں وہ مکان کی طرف بلند ہوئے بعد اس کے کہ انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم پہنچایا؛ یہ سعید بن مسیب اور ابن جبیر کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے وہ اس صورت میں کھڑے ہوئے جس صورت پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیدا کیا، کیونکہ وہ نبی کریم کے پاس انسانوں کی صورت میں آتے تھے جس طرح انبیاء کے پاس انسانی صورت میں آتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے سوال کیا کہ وہ اپنی وہ صورت دکھائیں جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے تو حضرت جبریل امین نے دو دفعہ آپ کو اپنی صورت دکھائی ایک دفعہ زمین میں اور ایک دفعہ آسمان میں۔ جہاں تک زمین کا تعلق ہے وہ افق اعلیٰ میں صورت دکھائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا میں تھے جبرئیل امین نے مشرق سے طلوع کیا تو مغرب تک زمین کو بھر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے ہوش ہو کر زمین پر آرہے تو حضرت جبرئیل امین انسانوں کی صورت میں آپ کے پاس آئے انہیں سینہ سے لگایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ سے غبار صاف کرنے لگے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو افاقہ ہوا، فرمایا: "اے جبرئیل امین! میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اس صورت پر پیدا کیا ہے" (3)۔ حضرت جبرئیل امین نے کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اپنے پروں میں سے صرف دو پر پھیلائے ہیں میرے چھ سو پر ہیں ہر ایک پر کی وسعت مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔ فرمایا: "یہ تو بہت بڑی چیز ہے"۔ حضرت جبرئیل امین نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو مخلوق پیدا کی ہے میری حیثیت اس کے مقابلہ میں بڑی چھوٹی سی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرافیل کو پیدا فرمایا ہے اس کے چھ سو پر ہیں اس کا ہر ایک پر اتنا بڑا ہے جتنے بڑے میرے سب پر ہیں۔ بعض اوقات وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے اتنا کمزور ہو جاتا ہے کہ وہ چھوٹی چڑیا کے برابر ہو جاتا ہے؛ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ لَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ۞ (التکویر) جہاں تک آسمان میں دیکھنے کا تعلق ہے تو آپ نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا اس صورت پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 391　　2۔ ایضاً　　3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 242

کے علاوہ کسی نبی نے نہیں دیکھا۔

ایک تیسرا قول بھی ہے کہ قرآن آپ کے سینہ میں قرار پکڑ گیا۔ اس تعبیر کی دو صورتیں ہیں (۱) حضرت جبرئیل امین کے سینہ میں وہ قرار پکڑ گیا جب وہ اسے لے کر اترے (۲) حضرت محمد ﷺ کے سینہ میں ثبت ہو گیا جب یہ آپ ﷺ پر نازل ہوا۔

ایک چوتھا قول بھی ہے: معنی ہے حضرت محمد ﷺ نے اعتدال کی راہ اپنائی۔ اس تعبیر کی دو صورتیں ہیں (۱) اپنی قوت میں معتدل ہوئے (۲) اپنی رسالت میں کامل ہوئے؛ ماوردی نے ان دونوں کا ذکر کیا ہے (1)۔

میں کہتا ہوں: پہلی صورت میں کلام کی تکمیل ذُوْ مِرَّةٍ پر ہو گی اور دوسری صورت میں شَدِیْدُ الْقُوٰی پر تکمیل ہو گی۔

ایک پانچواں قول بھی ہے: اس کا معنی ہے بلند ہونا۔ اس تعبیر کی صورت میں دو وجہیں ہیں۔

(۱) جبرئیل امین اپنے مکان کی طرف بلند ہوئے جس طرح ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔

(۲) نبی کریم ﷺ معراج کے ساتھ بلند ہوئے۔

چھٹا قول ہے: اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہوا؛ یہ حضرت حسن بصری کے قول کے مطابق ہے۔ سورۂ اعراف میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ۝ یہ جملہ حال ہے معنی ہے فاستوی عالیا یعنی حضرت جبرئیل امین اپنی صورت پر بلند ہوتے ہوئے کھڑے ہوئے نبی کریم ﷺ نے اس سے قبل انہیں نہیں دیکھا تھا نبی کریم ﷺ نے اس کا مطالبہ کیا تھا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ افق سے مراد آسمان کی جانب ہے اس کی جمع آفاق ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سے سورج آتا ہے (2)؛ سفیان نے یہی کہا ہے۔ اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے۔ مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے کہا جاتا ہے اُفْق و اُفُق مثل عُسْر و عُسُر۔ حم سجدہ میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ فرس افق عمدہ گھوڑا۔ مونث بھی اسی طرح ہے؛ شاعر نے کہا:

أرجِلُ لِمَّتِي وَ أجُرُّ ذَيْلِي وتَحْمِلُ شِكَّتِي أُفُقٌ كُمَيْتُ

میں اپنی مینڈھیوں میں کنگھی کرتا ہوں اور اپنے دامن کو گھسیٹتا ہوں اور میرے اسلحہ کو عمدہ بھورا گھوڑا اٹھائے ہوئے ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا: ھو ضمیر سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں یعنی لیلۃ المعراج کو آپ افق مبین پر تھے۔ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ یہ جملہ بولا جاتا ہے استوی ھو و فلان، یہ نہیں کہا جاتا: استوی و فلان۔ مگر ضرورت شعری میں یہ کہا جا سکتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام بلند ہوئے اور جبرئیل امین اپنی اصل صورت میں افق اعلیٰ پر تھے کیونکہ جب وہ وحی لے کر اترتے تو نبی کریم ﷺ کے لیے انسانی صورت اختیار کرتے نبی کریم ﷺ نے یہ پسند کیا کہ اسے حقیقی صورت میں دیکھیں تو جبرئیل امین افق مشرق سے ظاہر ہوئے اور افق کو بھر دیا۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝ یعنی افق اعلیٰ میں ظاہر ہونے کے بعد حضرت جبرئیل امین زمین کے قریب ہوئے فَتَدَلّٰی یعنی وحی کے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 392　　2۔ ایضاً

ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے مطلب یہ ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عظمت کو دیکھا جو دیکھا اور اس وجہ سے آپ خوفزدہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کو آدمی کی صورت میں لوٹا دیا جب وہ وحی کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئے یہی اللہ تعالیٰ کے فرمان فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۝ کا مقصود ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کی طرف وحی کی اور جبرئیل امین قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ کے مقام پر فائز تھے (1)؛ یہ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، قتادہ اور ربیع وغیرہ کا نقطہ نظر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ کا مفہوم یہ ہے اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا۔ حضرت انس بن مالک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل روایت نقل کی ہے۔ معنی ہوگا اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کا حکم قریب ہوا۔ التدلی کا اصل معنی ہے کسی چیز کی طرف اترنا یہاں تک کہ اس کے قریب ہو جائے تو اسے قرب کی جگہ رکھا گیا ہے؛ لبید نے کہا

فَتَدَلَّيتُ علیه قافِلًا میں لوٹتے ہوئے اس پر اترا۔

فراء اس طرف گیا ہے کہ فَتَدَلّٰى میں فاء واؤ کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہے پھر جبرئیل امین علیہ السلام نیچے اترے اور قریب ہوئے لیکن یہ جائز ہوتا ہے جب دو فعلوں کا معنی ایک ہو یا ایک کی طرح ہو تو جس کو چاہو اسے پہلے رکھ لو۔ تو کہہ سکتا ہے: فدنا فقرب اور قرب فدنا۔ شتمنی فاساء اور اساء فشتمی کیونکہ گالی دینا اور برا سلوک کرنا ایک ہی معنی میں ہے؛ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ (القمر) اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے معنی ہے چاند پھٹ گیا اور قیامت قریب آگئی۔ جرجانی نے کہا: کلام میں تقدیر و تاخیر ہے یعنی تدلی فدنا کیونکہ نیچے اترنا قریب ہونے کا سبب ہے۔ ابن انباری نے کہا: یعنی پھر جبرئیل امین آسمان سے اترے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معراج کی رات رفرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اترا آپ اس پر بیٹھے پھر اسے بلند کیا گیا تو آپ اپنے رب کے قریب ہو گئے۔ اس کا ذکر ابھی آئے گا۔

جس نے یہ کہا معنی ہے جبرئیل امین بلند ہوئے جب کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم افق اعلیٰ پر تھے وہ ضرور کہے گا پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے قریب ہوئے (2)۔ یہ کرامت کا قرب ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ ریز ہو گئے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ قشیری نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے تدلی اصل میں تدلل تھا جس طرح تیرا یہ قول ہے تظنی اصل میں تظنن ہے یہ بعید ہے کیونکہ دلال عبودیت کی صفت میں پسندیدہ نہیں۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے یا جبرئیل امین سے دو عربی کمانوں کے مقدار پر تھے؛ یہ حضرت ابن عباس، عطا اور فراء کا نقطہ نظر ہے۔ زمخشری نے کہا: اگر تو یہ سوال کرے فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ کی تقدیر کیسے درست ہوگی (3)؟ میں کہوں گا: اس کی تقدیر یہ ہوگی فکان مقدار مسافة قربه مثل قاب قوسین درمیان سے ان

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 84 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 243 3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 420

مضافوں کو حذف کر دیا گیا ہے؛ جس طرح ابوعلی نے اپنے قول میں کہا:

وَقَدْ جَعَلَتْنِی مِن حَذِیمَةَ إِصْبِعَا

اس نے مجھے حذیمہ سے ایک انگلی برابر مسافت پر کر چھوڑا۔ یہ بھی اصل میں ذا مقدار مسافة اصبع تھا۔

أو ادنیٰ یعنی تمہارے اندازے کے مطابق؛ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے أو یزیدون۔ صحاح میں ہے: تو کہتا ہے بینهما قاب قوسین، قیب قوس، قاد قوس، قید قوس یعنی کمان کے برابر۔ زید بن علی نے اسے قاد پڑھا ہے اسے قید اور قد بھی پڑھا گیا ہے؛ یہ زمخشری نے ذکر کیا ہے۔

قاب سے مراد کمان کے قبضہ سے اس کے ایک سرے تک کا فاصلہ ہے ہر قوس کے دوسرے ہوتے ہیں۔ بعض نے اللہ تعالیٰ کے فرمان قَابَ قَوْسَیْنِ کے بارے میں فرمایا: اصل میں ارادہ کیا تھا قابی قوس تو اس میں قلب کا قاعدہ جاری کر دیا۔ حدیث طیبہ میں ہے ولَقابُ قوسِ أحدِكم من الجنّة و موضع قِدّه خیرٌ من الدّنیا و ما فیها(1) تم میں سے کسی ایک کے لیے جنت میں سے قوس کے قبضہ سے کنارے تک کی جگہ اور چھڑی کے برابر کی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ قد کا معنی سوط ہے۔

صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جنت میں کمان کے قبضہ سے اس کے کنارے تک کی جگہ دنیا و فیہا سے بہتر ہے(2)'' یہاں کمان کے ساتھ اسے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ یہ مختلف نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

قاضی عیاض نے کہا: یہ بات ذہن نشین کر لو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے رب سے جو قرب ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی سے جو قرب ہے یہ کوئی مکان کا قرب اور مسافت کا قرب نہیں اس سے مقصود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت، مرتبہ کی بلندی، انوار معرفت کے اشراق، اس کے غیب اور قدرت کے اسرار کا مشاہدہ کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبی کریم کے قرب کا مطلب ہے احسان کرنا، انس عطا کرنا، معاملات کو وسیع کر دینا اور عزتیں عطا کرنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد: ینزل ربّنا إلی سماءِ الدّنیا(3) کی تاویل ایک صورت میں یہ ہوگی۔ وہ عرضداشت کو قبول فرماتا ہے اور احسان فرماتا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا: فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ أَوْ أَدْنٰی جس نے ضمیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا ہے حضرت جبرئیل امین کی طرف نہیں لوٹایا تو یہ انتہائی قرب، لطف محل، ایضاح معرفت، حقیقت محمدیہ پر نگاہ رکھنا، سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رغبت کو پورا کرنا، مقاصد کو شرف قبولیت سے نوازنا، شفقت کا اظہار کرنا اور اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرنا ہے۔ اس بارے میں وہی تاویل کی جا سکتی ہے جو تاویل سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان میں کی جا سکتی ہے: من تقرّب منّي شبرًا تقرّبتُ منه ذراعا و من أتاني یمشي أتیته مهرولة(4) یہاں اجابت و قبول کا قرب ہے احسان اور آرزو کو جلدی پورا کرنا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجهاد، الغدوة و الروحة فی سبیل الله، جلد 1، صفحہ 392

2۔ صحیح ترمذی، لفضائل الجهاد، ماجاء فی فضل الغدو و الرواح فی سبیل الله، جلد 1، صفحہ 198

3۔ صحیح بخاری، کتاب التهجد، الدعاء و الصلوٰة من آخر اللیل، جلد 1، صفحہ 153

4۔ تاریخ دمشق الکبیر، جلد 4، صفحہ 288

ایک قول یہ کیا گیا ہے: پھر جبرئیل امین اپنے رب کے قریب ہوئے اور وہ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کے مقام پر تھے؛ یہ مجاہد کا قول ہے؛ اس پر ایک حدیث بھی دلالت کرتی ہے: إنّ أقرب الملائكة من الله جبريل عليه السلام فرشتوں میں سے جبرئیل امین اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب رکھتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: او، واؤ کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی قاب قوسین و ادنی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: او، بل کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی قاب قوسین بل أدنی۔

سعید بن مسیب نے کہا: قاب سے مراد عربی کمان کا سرا ہے جس پر دھاگا باندھا جاتا ہے اور کمان اٹھانے والا جس کے ذریعے اپنے کندھے پر لٹکاتا ہے ہر قوس کا ایک قاب ہوتا ہے یہ خبر دی ہے کہ حضرت جبرئیل امین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنے قریب ہوئے جتنا قاب قوسین کا قرب ہوا کرتا ہے۔

سعید بن جبیر، عطا، ابو اسحاق، ابو وائل، شقیق بن سلمہ نے کہا: فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ سے مراد ہے دو ہاتھ کا فاصلہ تھا (1)۔ قوس سے مراد ہاتھ ہوا کرتا ہے جس کے ساتھ ہر شے کی پیمائش کی جاتی ہے؛ یہ بعض حجازیوں کی لغت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ازد شنوءہ کی لغت ہے۔ کسائی نے کہا: فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کا معنی ہے ایک قوس جس طرح شاعر کے قول میں تثنیہ واحد کے معنی میں ہے۔

ومَهْمَهَيْنِ قَذَفَيْنِ مَرْتَيْنِ قَطَعْتُهُ بِالسَّمْتِ لا بِالسَّمْتَيْنِ

یہاں مهمهين سے مراد ایک مهمها ہے۔ قوس کا لفظ مؤنث و مذکر دونوں طرح استعمال کیا جاتا ہے جس نے اس کو مؤنث قرار دیا ہے اس نے اس کی تصغیر قويسه کہی ہے جس نے اسے مذکر قرار دیا ہے اس نے اس کی تصغیر قويس کہی ہے۔ مثال اس کی یہ ہے هو من خيرِ قُوَيْسٍ سَهْمًا اس کی جمع قِسِي، قُسِيّ، أقواس اور قِياس آتی ہے؛ ابو عبیدہ نے یہ شعر پڑھا:

ووَتَّرَ الأُساوِرُ القِياسَا

"محل استدلال القیاسا ہے"۔

قوس سے مراد برتن میں باقی ماندہ کھجوریں ہیں۔ قوس سے مراد آسمان کا برج بھی ہے۔ جہاں تک قوس کا تعلق ہے اس سے مراد راہب کی عبادت گاہ ہے؛ شاعر نے ایک عورت کا ذکر کیا:

لا تَسْتَفْتِنَنِّي وذَا المِسْحَيْنِ في القُوسِ

محل استدلال القُوس ہے۔

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۝ جو وحی بندے کی طرف کی گئی اس کی عظمت شان کا اظہار ہے۔ وحی کا معنی پہلے گزر چکا ہے۔ اس سے مراد جلدی سے کوئی چیز پھینکنا اور عطا کرنا ہے؛ اسی سے الوَحَاء، الوَحَاء ہے معنی ہے جلدی کرو، جلدی کرو۔ معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 244

جبرئیل امین کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جبرئیل امین نے اللہ تعالیٰ کے بندے حضرت محمد ﷺ کی طرف وحی کی جو اس کے رب نے اس کی طرف وحی کی تھی (1)؛ یہ قول ربیع، حسن بصری، ابن زید اور قتادہ نے کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کی طرف وحی کی اور جبرئیل امین نے حضرت محمد ﷺ کی طرف وحی کی (2)۔ پھر کہا گیا: یہ معنی کیا مبہم ہے؟ ہم اس پر مطلع نہیں ہو سکتے اجمالی طور پر اس پر ایمان لانے کے ہم پابند ہیں یا یہ معلوم اور مفسر ہے اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ دوسرا قول سعید بن جبیر کا ہے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی طرف وحی کی ''کیا میں نے تجھے یتیم نہیں پایا تو میں نے تجھے پناہ دی، کیا میں نے تجھے اپنی محبت میں وارفتہ نہیں پایا تو اپنے عرفان سے نوازا، کیا تجھے عیال دار نہیں پایا تو میں نے تجھے غنی کر دیا''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی اے محمد! جب تک تو جنت میں داخل نہ ہو جنت انبیاء پر حرام ہے اور جب تک تیری امت جنت میں داخل نہ ہو جنت امتوں پر حرام ہے۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿11﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿12﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿13﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿14﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿15﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿16﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿17﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿18﴾

''نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ نے) کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حد ادب سے) آگے بڑھی یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں''۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿11﴾ یعنی حضرت محمد ﷺ کے دل نے معراج کی رات نہیں جھٹلایا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بصر آپ کے دل میں رکھی (3) یہاں تک کہ آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے رؤیت بنا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آنکھ سے حقیقی رؤیت تھی۔ پہلا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے دل سے اپنے رب کا دیدار کیا (4)؛ یہ حضرت ابوذر اور صحابہ کی ایک جماعت کا قول ہے۔ دوسرا قول حضرت انس اور جماعت کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے فرمایا: کیا تم تعجب کرتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خلت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام اور حضرت محمد ﷺ کے لیے دیدار ہو (5)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے انہوں نے کہا: جہاں تک ہم بنی ہاشم کا تعلق ہے تو ہم کہتے ہیں حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کا دیدار دو دفعہ کیا ہے۔ یہ گفتگو سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ کے فرمان لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (انعام: 103) کے معنی میں گزر چکی ہے۔ محمد بن کعب سے مروی ہے کہ ہم نے کہا: یارسول اللہ ﷺ کیا آپ نے

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 84　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 393　3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 244
4۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، معنی قول اللہ تعالیٰ ولقد راٰہ نزلۃ اخرٰی، جلد 1، صفحہ 98　5۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 245

اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ فرمایا: میں نے اپنے دل سے دو دفعہ دیکھا ہے پھر پڑھا مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ۝

ایک تیسرا قول بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے جلال اور عظمت کو دیکھا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے۔ ابوالعالیہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا گیا: کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ فرمایا: ''میں نے ایک دریا دیکھا اور دریا کے آگے ایک حجاب دیکھا اور حجاب کے پیچھے ایک نور دیکھا اس کے علاوہ میں نے کچھ نہیں دیکھا'' (1)۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ فرمایا: ''وہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا تھا (2)'' معنی ہے نور مجھ پر غالب آ گیا اور مجھ پر اس میں سے ایسی چیز غالب آ گئی جس نے مجھے اس کے دیدار سے روک دیا۔ اس پر ایک روایت بھی دلالت کرتی ہے۔ رایت نورا (3) میں نے نور دیکھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین کو ان کی صورت میں دو دفعہ دیکھا (4)۔

ہشام نے ابن عامر سے اور اہل شام نے ما کذب تشدید کی صورت میں پڑھا ہے۔ معنی ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل نے اس چیز کو نہ جھٹلایا جسے اس رات آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ اس کی تصدیق کی۔ ما اس کا مفعول ہے کوئی حرف مقدر نہیں کیونکہ جب یہ فعل مشدد ہو تو حرف کے بغیر متعدی ہوتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ما، الذی کے معنی میں ہو ضمیر عائد محذوف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ فعل کے ساتھ مل کر یہ معبود کے معنی میں ہو ضمیر عائد محذوف ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ فعل کے ساتھ مل کر یہ مصدر کے حکم میں ہو۔ باقی قراء نے اسے مخفف پڑھا ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی ما کذب فؤاد محمد فیما رأی تو حرف صفت کو گرا دیا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا:

لوكنتِ صادقة الذی حدثتِنی　　لنجوتِ مَنْجَا الحارثِ بن هِشامِ

اگر تو اس بات میں سچی ہوتی جو تو نے مجھ سے بات کی تو تو حارث بن ہشام کے نجات پانے کی طرح نجات پا جاتی۔

یہ اصل میں فی الذی حدثتنی تھا۔ یہ بھی جائز ہے کہ فعل کے ساتھ مل کر مصدر ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ الذی کے معنی میں ہو، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دیکھا آپ کے دل نے اس کو نہ جھٹلایا۔

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ حمزہ اور کسائی نے أفتمرونہ تاء کے فتحہ اور الف کے بغیر پڑھا ہے معنی ہے کیا تم انکار کرتے ہو۔ ابوعبید نے اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ کہا جاتا ہے: لم یماروہ وانما جحدوہ یہ جملہ کہا جاتا ہے: مراہ حقہ یعنی اس کے حق کا انکار کر دیا (5)۔ مریتہ أنا: شاعر نے کہا:

لئن هجرت أخا صِدقٍ و مَكْرُمَةٍ　　لقد مَرَيْتَ اخا ما كان يَمْرِيكَا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 394
2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، قولہ علیہ السلام نور انی اراہ، جلد 1، صفحہ 99
3۔ ایضاً
4۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۂ والنجم، جلد 2، صفحہ 720
5۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 246

تو نے سچے اور عزت والے شخص کو چھوڑ دیا ہے تو تو نے اس بھائی کا انکار کیا ہے جو تیرا انکار نہیں کرتا تھا۔

یعنی تو نے اس کا انکار کیا۔ مبرد نے کہا: مراہ عن حقه وعلى حقه جب اس کا حق اس سے روک لے اور اس کو اس سے دور کر دے۔ علی، عن کے معنی میں ہے اس کی مثال بنی کعب بن ربیعہ کا قول ہے:۔ رضی الله علیك یعنی رضی عنك

اعرج اور مجاہد نے پڑھا افتمرونه تاء مضموم ہے اور الف نہیں یہ أمریت سے مشتق ہے یعنی تم شک کرتے ہو۔ باقی قراء نے أفتمارونه پڑھا ہے یعنی کیا تم جھگڑا کرتے ہو کہ رسول الله نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔ دونوں معنی ایک دوسرے میں داخل ہیں کیونکہ ان کا مجادلہ انکار کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جحود (انکار) تو ان کی جانب سے دائمی تھا یہ تازہ جھگڑا تھا۔ انہوں نے کہا: ہمارے لیے بیت المقدس کی کیفیت بیان کرو اور ہمارے اس قافلے کے بارے میں بتاؤ جو شام کے راستہ میں ہے۔ جس طرح پہلے بات گزری ہے۔

وَ لَقَدۡ رَاٰهُ نَزۡلَةً اُخۡرٰی ﴿۱۳﴾ نَزۡلَةً یہ مصدر ہے حال کی جگہ واقع ہے گویا فرمایا: لقد راه نازلا نزلة أخرى حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنے دل سے اپنے رب کو دیکھا۔ امام مسلم نے ابو العالیہ سے روایت نقل کی ہے۔ فرمایا: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ﴿۱۱﴾، وَ لَقَدۡ رَاٰهُ نَزۡلَةً اُخۡرٰی ﴿۱۳﴾ فرمایا: اپنے دل سے دو دفعہ دیکھا(1)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان نَزۡلَةً اُخۡرٰی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کئی دفعہ اوپر اور نیچے آنا ہوا جس طرح نمازیں فرض ہوئیں۔ ہر دفعہ کے عروج کے ساتھ نزول بھی ہوا۔ اس تعبیر کی بنا پر اللہ تعالیٰ کا فرمان عِنۡدَ سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰی ﴿۱۴﴾ سے مراد ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ اور ان میں سے بعض اترنے کی جگہوں میں تھے۔

حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ لَقَدۡ رَاٰهُ نَزۡلَةً اُخۡرٰی ﴿۱۳﴾ سے مراد حضرت جبرئیل امین ہیں (2)۔ یہ صحیح مسلم میں بھی ثابت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں نے افق اعلیٰ میں جبریل امین کو دیکھا جس کے سو پر تھے جس کے پروں سے موتی اور یاقوت گر رہے تھے'' اسے مہدوی نے ذکر کیا ہے۔

عِنۡدَ سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰی ﴿۱۴﴾، عِنۡدَ یہ راہ کا صلہ ہے جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔ سدرۃ بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ یہ چھٹے آسمان میں ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ ساتویں آسمان میں ہے۔ اس بارے میں حدیث صحیح مسلم میں ہے۔ پہلی روایت وہ ہے جسے مرہ نے حضرت عبد اللہ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی تو آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے یہ چھٹے آسمان میں ہے۔ زمین سے جو چیز بلندی کی طرف جاتی ہے اس پر اس کی انتہاء ہو جاتی ہے تو اس سے قبض کر لیا جاتا ہے جو اوپر سے چیز نیچے آتی ہے اس کا اترنا یہاں تک ہوتا ہے پھر اسے قبض کر لیا جاتا ہے۔

اِذۡ یَغۡشَی السِّدۡرَةَ مَا یَغۡشٰی ﴿۱۶﴾ کہا: یہ سونے کا ایک بستر ہے۔ کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں عطا کی گئیں۔ پانچ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، معنی قول الله تعالى ولقد رآه نزلة أخرى، جلد 1 صفحہ 98

2۔ تفسیر مجاہد، صفحہ 273، حدیث 1676

نمازیں، سورۂ بقرہ کی آخری آیات دی گئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے جس نے شرک نہیں کیا اسکے گناہ بخش دیئے گئے۔

دوسری حدیث وہ ہے جسے قتادہ نے حضرت انس سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب ساتویں آسمان میں سدرۃ المنتہیٰ تک مجھے بلند کیا گیا جس کے بیر ہجر کے مٹکوں کی طرح ہیں اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر تھے اس کی جڑ سے دو ظاہر دریا نکلتے ہیں اور دو مخفی دریا، میں نے پوچھا: اے جبرئیل! یہ کیا ہے؟ جواب دیا: جہاں تک پوشیدہ کا تعلق ہے وہ تو جنت میں ہوں گے جہاں تک ظاہر دریاؤں کا تعلق ہے تو وہ نیل اور فرات ہیں (1)'' الفاظ دارقطنی کے ہیں۔

نبق باء کے کسرہ کے ساتھ ہے اس کا واحد نبقہ ہے۔ یہ کہا جاتا ہے نبق نون کے فتحہ اور باء کے سکون کے ساتھ ہے۔ یعقوب نے ''الاصلاح'' میں دونوں قول ذکر کیے۔ یہ مصریوں کی لغت ہے پہلی زیادہ فصیح ہے یہی وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ امام ترمذی نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا جب کہ آپ کے سامنے سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر کیا گیا (2)۔ فرمایا: ''ایک سوار اس کی ایک ٹہنی کے سائے میں سو سال تک چلتا ہے یا اس کے سائے سے سو سال سوار سایہ حاصل کرتے ہیں'' یحییٰ کو شک ہوا ہے۔ ''اس میں سونے کے پتنگ ہوں گے گویا اس کا پھل مٹکے ہیں''۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح مسلم کے الفاظ ہیں جو ثابت کی حدیث میں ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے اوراق ہاتھی کے کانوں جیسے ہیں (3)، اس کے پھل مٹکوں جیسے ہیں جب اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم اس پر غالب آ جاتا ہے تو اس میں تغیر آ جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی بھی چیز یہ طاقت نہیں رکھتی کہ اس کے حسن کی تعریف کرے''۔

اس میں اختلاف کیا گیا ہے کہ اس کا نام سدرۃ المنتہیٰ کیوں ہے؟

(۱) جس طرح پہلے گزرا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ اوپر سے جو چیز نیچے آتی ہے اور نیچے سے جو چیز اوپر جاتی ہے وہ یہاں آ کر رک جاتی ہے۔

(۲) انبیاء کا علم یہاں آ کر ختم ہو جاتا ہے اور ماوراء کا علم ان سے غائب ہو جاتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

(۳) اعمال یہاں تک پہنچتے ہیں اور انہیں لے لیا جاتا ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔

(۴) ملائکہ اور انبیاء یہاں پہنچتے ہیں اور اس کے پاس رک جاتے ہیں؛ یہ کعب کا قول ہے۔

(۵) اسے سدرۃ المنتہیٰ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ مومنوں کی روحیں یہاں آ کر رک جاتی ہیں؛ یہ ربیع بن انس کا قول ہے۔

(۶) یہاں مومنوں کی روحیں پہنچتی ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، معنی قول اللہ تعالیٰ ولقد رآہ نزلۃ أخری، جلد 1، صفحہ 97

2۔ جامع ترمذی، باب فی صفۃ الجنۃ، ما جاء فی صفۃ ثمار أھل الجنۃ، جلد 2، صفحہ 77

3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، الإسراء برسول اللہ الی السموات، جلد 1، صفحہ 91

(۷) جو آدمی حضرت محمد ﷺ کی سنت اور منہاج پر ہوتا ہے وہ یہاں تک پہنچتا ہے؛ یہ حضرت علی شیر خدا اور ربیع بن انس کا بھی قول ہے۔

(۸) یہ حاملین عرش کے سروں پر ایک درخت ہے یہاں تک مخلوقات کا علم پہنچتا ہے؛ یہ کعب کا قول ہے (1)۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے یہ ارادہ کیا کہ اس کی بلندی اور شاخوں کی چوٹی حاملین عرش کے سروں سے بلند ہے اس کی دلیل پہلے گزر چکی ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان میں ہے اور اس کی شاخوں کی بلندی ساتویں آسمان میں ہے پھر وہ اس سے بلند ہوئیں تو وہ حاملین عرش کے سروں سے بڑھ گئیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

(۹) اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ جسے اس کی طرف بلند کیا گیا تو وہ کرامت میں اپنی انتہا تک جا پہنچا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (2) جب رسول اللہ ﷺ کو معراج کرائی گئی تو آپ سدرۃ المنتہیٰ تک جا پہنچے تو آپ سے عرض کی گئی: ”ہر کوئی یہاں آ کر رک جاتا ہے سوائے ان لوگوں کے جو آپ ﷺ کی امت میں سے آپ ﷺ کی سنت پر ہوں گے۔ یہ ایسا درخت ہے جس کی جڑ سے ایسے پانی کی نہریں نکلیں گی جو بد بودار نہیں ہوگا، ایسے دودھ کی نہریں جاری ہوں گی جن کا ذائقہ نہیں بدلے گا، شراب کی ایسی نہریں جاری ہوں گی جو پینے والوں کے لیے لذت کا باعث ہوں گی اور مصفٰی شہد کی نہریں جاری ہوں گی۔ یہ ایسا درخت ہے کہ ایک تیز رفتار سوار ایک سو سال تک اس کے سائے میں چلتا رہے گا اور اس کو طے نہ کر سکے گا اس کا ایک پتہ پوری امت کو سایہ دے گا“۔ اسے ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

عِنۡدَهَا جَنَّةُ الۡمَاۡوٰى ۝ جنت ماوی کی جگہ کی تعریف ہے یہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے حضرت علی شیر خدا، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس، ابو سبرہ جہنی، حضرت عبداللہ بن زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مجاہد نے عندھا جنۃ المأوی پڑھا ہے مراد ہے جنۃ المبیت رات گزارنے کی جنت۔ مجاہد نے کہا: مراد لیا ہے أجنہ ھاء ضمیر نبی کریم ﷺ کے لیے ہے۔ اخفش نے کہا: معنی ہے اس نے اسے پالیا؛ جس طرح تو کہتا ہے جنہ اللیل اسے ڈھانپ لیا اور اسے پالیا۔ عام قرأت جَنَّةُ الۡمَاۡوٰى ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: یہ وہ جگہ ہے جہاں تک متقین پہنچتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جہاں تک شہداء کی روحیں پہنچتی ہیں (3)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ یہ عرش کی دائیں جانب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وہ جنت ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام ٹھہرے تھے یہاں تک کہ آپ کو اسی سے نکالا گیا۔ یہ ساتویں آسمان میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام مومنوں کی روحیں جنۃ ماوی میں ہیں۔ اسے جنۃ ماوی اس لیے نام دیا گیا ہے کیونکہ مومنوں کی روحیں یہاں پناہ لیتی ہیں۔ یہ عرش کے نیچے ہے۔ اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتی ہیں اور اس کی عمدہ خوشبو سے مشام جان کو معطر کرتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت جبرئیل امین اور حضرت میکائیل علیہما السلام یہاں پناہ لیتے ہیں۔

اِذۡ يَغۡشَى السِّدۡرَةَ مَا يَغۡشٰى ۝ حضرت ابن عباس، ضحاک، حضرت ابن مسعود اور ان کے اصحاب نے کہا: وہ سونے کے

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 246 2۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 65 3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 199

پلنگ ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت بھی نقل کی ہے صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کا قول پہلے گزر چکا ہے(1)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اسے رب العالمین نے ڈھانپ لیا تو وہ روشن ہو گیا۔ قشیری نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا اسے کس چیز نے ڈھانپ رکھا ہے؟ فرمایا: ''سونے کے پتنگوں نے''۔ دوسری روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ کے نور نے اسے ڈھانپ رکھا ہے یہاں تک کہ کوئی طاقت نہیں رکھتا کہ وہ اسے دیکھے''۔ ربیع بن انس نے کہا: اسے رب کے نور نے ڈھانپ رکھا ہے فرشتے اس پر اس طرح گرتے ہیں جس طرح کوے درخت پر گرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت مروی ہے ''میں نے سدرہ کو دیکھا جسے سونے کے پتنگوں (تتلیاں وغیرہ) نے ڈھانپ رکھا ہے میں نے اس کے ہر پتے پر ایک فرشتے کو دیکھا جو کھڑے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہا تھا(2)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰى ۝ کا یہی معنی و مفہوم ہے'' اسے مہدوی اور ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

حضرت انس بن مالک نے کہا: اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰى ۝ کا معنی ہے سونے کی چڑیا۔ اسے مرفوع بھی روایت کیا ہے۔ مجاہد نے کہا: وہ سبز رفرف ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مروی ہے ''اسے رفرف یعنی سبز پرندوں نے ڈھانپا ہوا ہے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اسے رب العزت نے ڈھانپ رکھا ہے۔ یہاں رب العزت سے مراد اس کا حکم ہے جس طرح صحیح مسلم میں مرفوع روایت ہے: ''جب اللہ تعالیٰ کے امر نے اسے ڈھانپ لیا جو ڈھانپ لیا''(3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر کی عظمت بیان کرنے کے لیے ہے گویا فرمایا: جب سدرہ کو ڈھانپ لیا ملکوت کے ان دلائل نے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ کیا: اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۝۔ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۝ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ۝ اسی کی مثل اَلْحَاۗقَّةُ ۝ مَا الْحَاۗقَّةُ ۝ (الحاقہ: 2-1) ہے ماوردی نے اپنی کتاب معانی القرآن میں کہا: اگر یہ سوال کیا جائے اس امر کے لیے سدرہ (بیری کے درخت) کو کیوں منتخب کیا گیا ہے کسی اور درخت کا انتخاب کیوں نہیں کیا گیا؟ اسے جواب دیا جائے گا: سدرۃ تین اوصاف کے ساتھ خاص ہے لمبا سایہ، عمدہ ذائقہ، اچھی خوشبو۔ یہ اس ایمان کے مشابہ ہے جو قول، عمل اور نیت کو جامع ہے۔ سدرہ کا سایہ ایمان کے لیے وہی حیثیت رکھتا ہے جو عمل کی ہوا کرتی ہے کیونکہ وہ ایمان پر زائد ہوتا ہے، سدرہ کا ذائقہ نیت کے قائم مقام ہے کیونکہ وہ مخفی ہوتی ہے اور اس کی خوشبو قول کے قائم مقام ہے کیونکہ وہ ظاہر ہوتا ہے۔

ابوداؤد نے اپنی سنن میں یہ روایت نقل کی ہے کہ نصر بن علی، ابو اسامہ سے وہ ابن جریج سے وہ عثمان بن ابی سلیمان سے وہ سعید بن محمد بن جبیر بن مطعم سے وہ عبداللہ بن حبشی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من قطع سدرۃ صوب اللہ رأسہ فی النار (4)۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معنی قول اللہ عزوجل لقد راٰہ نزلۃ اخریٰ، جلد 1، صفحہ 97

2۔ الصاوی علی الجلالین، جلد 1، صفحہ 117 3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، الاسراء برسول اللہ الی السموات، جلد 1، صفحہ 91

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، فی قطع السدر، جلد 2، صفحہ 355

ابو داؤد سے اس حدیث کے معنی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: یہ حدیث مختصر ہے اس سے مراد ہے جس نے جنگل سے بے مقصد اور ظلماً ایسا درخت کاٹا مسافر اور چوپائے جس کا سایہ حاصل کرتے تھے اس کاٹنے والے کا اس درخت میں کوئی حق نہیں تھا اللہ تعالیٰ اس کا سر جہنم میں جھکائے گا۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آنکھ دائیں پھری نہ بائیں پھری اور نہ ہی اس حد سے تجاوز کیا جس حد کو اس نے دیکھا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے جو حکم دیا گیا اس سے اس نے تجاوز نہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آنکھ نے جو آیات دیکھیں ان سے وہ غیر کی طرف نہ اٹھی۔ اس مقام پر جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ہے یہ اس کا بیان ہے کیونکہ وہ دائیں اور بائیں متوجہ نہ ہوئی۔

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفرف دیکھا جس نے افق کو بند کر دیا تھا (2)۔ بیہقی نے حضرت عبداللہ سے روایت نقل کی ہے حضرت عبداللہ نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز رفرف دیکھا جس نے آسمان کے افق کو بند کر دیا تھا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل امین کو سبز رفرف کے حلہ میں دیکھا جنہوں نے آسمان اور زمین کے درمیان کو بھر دیا تھا۔ بیہقی نے کہا: اس کا حدیث میں قول رأی رفرفا اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جو رفرف میں اپنی صورت میں تھے۔ رفرف سے مراد قالین ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: مراد ستر ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: بلکہ وہ ایک کپڑا تھا جو ان کا لباس تھا۔ یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کو رفرف کے حلہ میں دیکھا تھا۔

میں کہتا ہوں: اسے ترمذی نے حضرت عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امین کو رفرف کے حلہ میں دیکھا جس نے آسمان اور زمین کو بھر دیا تھا (3)۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دَنَا فَتَدَلّٰى کے بارے میں یہ قول مروی ہے کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی لیلۃ المعراج کو رفرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نیچے آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بیٹھے پھر اسے بلندی کی طرف لے جایا گیا تو آپ اپنے رب کے قریب ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جبرئیل امین مجھ سے الگ ہو گئے، آوازیں مجھ سے منقطع ہو گئیں اور میں نے اپنے رب کا کلام سنا''۔ اس روایت کی وجہ سے رفرف وہ چیز ہو گی جس پر بیٹھا جاتا ہے جس طرح قالین وغیرہ۔ پہلے معنی کی صورت میں مراد حضرت جبریل امین ہیں۔

عبدالرحمن بن زید اور مقاتل بن حیان نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو اس صورت میں دیکھا جس صورت میں وہ آسمان میں ہوتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ سے روایت مروی ہے کہ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝ سے مراد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل امین کو اس صورت میں دیکھا جس کے چھ سو پر ہوتے ہیں (4)۔ اس تاویل

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 247
2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ والنجم، جلد 2، صفحہ 161
3۔ ایضاً
4۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، فی ذکر سدرۃ المنتہیٰ، جلد 1، صفحہ 98

کے باوجود یہ کوئی بعید نہیں کہ وہ رفرف کے حلہ میں ہوں یا رفرف پر ہوں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ضحاک نے کہا: سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: سونے کے پتنگوں نے سدرہ کو جو ڈھانپ رکھا تھا اسے دیکھا؛ یہ ماوردی نے بیان کیا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معراج (سیڑھی) کو دیکھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے جو اس سفر میں لوٹتے وقت اور شروع کرتے وقت دیکھا۔ یہ تعبیر بہت اچھی ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا (الاسراء: 1) یہ جائز ہے کہ من تبعضیہ ہو۔ اور الکبری، رای کا مفعول ہو۔ اصل میں یہ آیات کی صفت ہے آیات کے سروں کی وجہ سے اسے واحد ذکر کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ جماعت کی صفت، مؤنث کی صفت کے ساتھ لگائی جائے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿۱۸﴾ (طٰہٰ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: الکبری یہ محذوف کی صفت ہے یعنی رای من آیات ربہ الکبری۔ یہ بھی جائز ہے کہ من زائدہ ہو تقدیر کلام یہ ہوگی رای آیات ربہ الکبری۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تقدیم و تاخیر ہے، تقدیر کلام یہ ہے رای الکبری من آیات ربہ۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَ لَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾

"(اے کفار!) کبھی تم نے غور کیا لات و عزیٰ کے بارے میں اور منات کے بارے میں جو تیسری ہے۔ کیا تمہارے لیے تو بیٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے نری بیٹیاں۔ یہ تقسیم تو بڑی ظالمانہ ہے"۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جانے والی وحی کا ذکر کیا اور اپنی قدرت کے آثار کا ذکر کیا تو مشرکین سے دلیل کے ساتھ گفتگو کی کیونکہ وہ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے تھے جو عقل نہیں رکھتی تھی فرمایا: بتاؤ تو سہی یہ بت جن کی تم عبادت کرتے ہو اس کے بارے میں تمہاری طرف کوئی وحی کی گئی ہے جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی گئی ہے۔ لات بنو ثقیف کا بت تھا، عزیٰ قریش اور بنو کنانہ کا بت تھا، منات بنو ہلال کا بت تھا، ہشام نے کہا: منات ہذیل اور خزاعہ کا بت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو انہوں نے فتح مکہ کے سال اسے گرا دیا۔ پھر انہوں نے طائف میں لات کا بت بنا لیا یہ منات کی بنسبت قریب کے دور کا تھا یہ ایک مربع چٹان تھی اس کے خدام میں بنو ثقیف کے لوگ تھے۔ بنو ثقیف نے اس پر ایک عمارت بنادی قریش اور تمام عرب اس کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے عرب یہ نام رکھتے زید اللات اور تیم اللات۔ یہ بت اس جگہ تھا جہاں طائف کی مسجد کا بائیاں مینار ہے۔ وہ بت اسی طرح رہا یہاں تک کہ بنو ثقیف اسلام لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا حضرت مغیرہ نے اسے گرا دیا اور آگ کے ساتھ جلا دیا۔ پھر عربوں نے عزیٰ کو معبود بنا لیا یہ لات کی بنسبت قریب کے زمانہ کا تھا اسے ظالم بن اسعد نے معبود بنایا یہ ذات عرق کے اوپر نخلہ شامیہ کی وادی میں تھا لوگوں نے اس پر ایک کمرہ بنا دیا وہ اس سے آواز سنا کرتے تھے۔

ابن ہشام نے کہا: مجھے میرے باپ نے ابو صالح سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ عزیٰ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 397

شیطانہ تھی وہ بطن نخلہ میں ببول کے تین درختوں کے پاس آیا کرتی تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ مکرمہ کو فتح کیا تو حضرت خالد بن ولید کو بھیجا فرمایا: ''نخلہ وادی کے بطن میں جاؤ وہاں تو تین ببول کے درخت پائے گا تو پہلے کو کاٹ دینا''۔ حضرت خالد بن ولید وہاں گئے اور اس درخت کو کاٹ دیا جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''کیا تو نے کوئی چیز دیکھی تھی؟ عرض کی: نہیں۔ فرمایا: دوسرا درخت کاٹ دو''۔ حضرت خالد آئے اور دوسرے درخت کو کاٹ دیا پھر حضرت خالد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے پوچھا: کیا تو نے کوئی چیز دیکھی ہے؟ عرض کی: نہیں۔ فرمایا: ''تیسرے درخت کو کاٹ دو''۔ حضرت خالد آئے تو ایک حبشی عورت دیکھتے ہیں اس نے اپنے بال بکھیرے ہوئے ہیں اس نے اپنے ہاتھ اپنے کندھے پر رکھے ہوئے ہیں وہ اپنے دانت پیس رہی ہے اس کے پیچھے دبیہ سلمی ہے وہ اس کا خادم تھا۔ اور یہ شعر پڑھا:

يَا عُزَّ كُفْرَانَكِ لَا سُبْحَانَكِ إِنِّي رَأَيْتُ اللهَ قَدْ أَهَانَكِ

اے عز میں تیرا انکار کرتا ہوں تیری پاکی بیان نہیں کرتا میں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے اس نے تجھے ذلیل و رسوا کر دیا ہے۔

پھر اس پر وار کیا اور اس کا سر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تو وہ کوئلہ ہو گئی پھر آپ نے درخت کو کاٹ دیا اور دبیہ جو خادم تھا اس کو قتل کر دیا۔ پھر حضرت خالد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب کچھ بتایا۔ فرمایا: ''وہی عزیٰ تھی اب اس کی کبھی بھی عبادت نہ کی جائے گی''۔

ابن جبیر نے کہا: عزیٰ سفید پتھر تھا لوگ اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ قتادہ نے کہا: وہ نخلہ وادی کے بطن میں ایک جڑی بوٹی (1) تھی۔ منات بنوخزاعہ کا بت تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بعض مفسرین نے کہا لات یہ مشرکوں نے لفظ اللہ سے اخذ کیا تھا عزیٰ لفظ عزیز سے لیا تھا منات یہ منی اللہ الشئ سے ماخوذ ہے یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب اللہ تعالیٰ اسے مقدر کرے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن زبیر، مجاہد، حمید اور ابو صالح نے اللات کو تاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ انہوں نے کہا: ایک آدمی تھا جو حاجیوں کے لیے ستو کو گھی میں تلا کرتا تھا۔ امام بخاری نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے: جب وہ آدمی فوت ہوا تو لوگ اس کی قبر پر بیٹھے اور اس کی عبادت کی (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ایک چٹان کے پاس ستو اور گھی بیچا کرتے تھا اور اس چٹان پر انڈیلا کرتا تھا۔ جب وہ آدمی فوت ہو گیا تو بنوثقیف نے اس ستو والے کی تعظیم کے لیے اس چٹان کی عبادت کی۔ ابو صالحہ نے کہا: طائف میں ایک آدمی تھا وہ بتوں کی خدمت کرتا اور ان کے لیے ستو کو تلا کرتا جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی عبادت کی۔ مجاہد نے کہا: پہاڑ کی ایک چوٹی پر ایک آدمی رہتا جس کا ریوڑ تھا وہ ان کا گھی جمع کرتا، اس کے دودھ سے پنیر بناتا اور اس کا دودھ جمع کرتا پھر وہ حلوہ بناتا اور حاجیوں کو کھلاتا وہ نخلہ وادی کے بطن میں رہتا جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی عبادت کی یہی لات بت تھا۔ کلبی نے کہا: بنوثقیف کا ایک آدمی تھی جسے صرمہ بن غنم کہتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عامر بن ظرب عدوانی تھا۔ شاعر نے کہا:

لَا تَنْصُرُوا اللَّاتَ إِنَّ اللهَ مُهْلِكُهَا ... وَكَيْفَ يَنْصُرُكُمْ مَنْ لَيْسَ يَنْتَصِرُ (3)

1۔ بعض نسخوں میں نبت کی جگہ بیت کا لفظ ہے یعنی ایک کمرہ تھا۔

2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، أفرأیتم اللات والعزی، جلد 2، صفحہ 720

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 398

تم لات کی مدد نہ کرو اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرنے والا ہے۔

صحیح قرأت اللات تخفیف کے ساتھ ہے یہ بت کا نام ہے اس پر وقف تاء کے ساتھ ہے؛ یہ فراء کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ فراء نے کہا: میں نے کسائی کو دیکھا اس نے ابوفقعس اسدی سے سوال کیا اس نے ذات کے لیے ذاہ اور لات کے لیے لاہ کہا اور افرائیتم اللاہ پڑھا اسی طرح دوری نے کسائی سے اور بزی نے ابن کثیر سے اللاہ نقل کیا ہے یعنی ھاء پر وقف کیا ہے جس نے یہ کہا اللات یہ لفظ اللہ سے ماخوذ ہے اس نے بھی ھاء پر وقف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ اصل میں لاھۃ تھا جس طرح شاھۃ تھا یہ لاھت سے مشتق ہے یعنی وہ چھپ گیا۔ شاعر نے کہا

لَاهَتْ فما عُرِفت يومًا بخارجةٍ　　ياليتها خَرجتْ حتیٰ رأينا ها

وہ چھپ گئی وہ کسی روز بھی باہر نکلنے والی کی حیثیت سے معروف نہ ہوئی ہائے کاش! وہ باہر نکلتی تو ہم اسے دیکھ لیتے۔

صحاح میں ہے: لات ایک بت کا نام ہے جو بنوثقیف کا تھا اور طائف کے مقام پر تھا۔ بعض عرب تاء پر وقف کرتے ہیں اور بعض ہاء پر وقف کرتے ہیں۔ اخفش نے کہا: ہم نے بعض عربوں سے سنا جو لات وعزیٰ کہتا۔ وہ کہتا ہے: ھی اللات اسے وقف میں تاء بنا دیتا ہے ھی اللات یہ بات ذہن نشین کرلو کہ رفع کی جگہ اسے جر دی گئی ہے یہ اس کی مثل ہے جو ہر حال میں مکسور ہے۔ یہ بہت اچھی تعبیر ہے کیونکہ الف اور لام جو اللات میں ہیں ساقط نہیں ہوتے اگرچہ یہ دونوں زائد ہیں رہی وہ صت جو ہم وقف کی صورت اللات کو اللاہ سنا ہے کیونکہ یہ ھاء ہے جو وصل میں تاء ہوگئی ہے یہ اس لغت میں کان من الامر نیت و کیت کی مثل ہے اسی طرح ھیھات ہے یہ اس کی لغت میں ہے جس نے اسے کسرہ دیا ہے مگر ھیھات میں یہ جائز ہے کہ وہ جمع ہو مگر اللات میں یہ جائز نہیں کیونکہ جمع میں تاء الف کے بغیر جائز نہیں ہوتی اگر اللات اور تاء دونوں کو زائد مان لیا جائے تو اسم صرف ایک حرفی رہ جائے گا۔

وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۞ ابن کثیر، ابن محیصن، حمید، مجاہد، سلمی اور اعمش نے ابوبکر سے ومناءۃ مد اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے ہمزہ کو ترک کیا ہے یہ دونوں لغتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ وہ اس بت کے پاس جانور ذبح کیا کرتے تھے اور اس عمل کے ذریعے اس کا قرب حاصل کیا کرتے تھے۔ منیٰ کو منیٰ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس میں بہت زیادہ جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔ کسائی، ابن کثیر اور ابن محیصن ھاء پر وقف کرتے جس طرح اصل قاعدہ ہے باقی تاء پر وقف کرتے وہ مصحف کے خط کا اتباع کرتے۔ صحاح میں ہے: مناۃ بت کا نام ہے جو بنوہذیل اور بنوخزاعہ کا تھا یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان تھا۔ ھاء تانیث کے لیے ہے تاء پر وقف کیا جاتا ہے یہ بھی ایک لغت ہے اس سے اسم منسوب منوی ہے۔

مَنٰوةَ کا لفظ کبھی الف مقصورہ کے ساتھ ہوتا ہے جیسے عبد مناۃ ابن اذ بن طانجہ۔ زید مناۃ ابن تمیم بن مر۔ اور کبھی الف ممدودہ کے ساتھ ہوتا ہے جیسے الاھل اتی التیم بن عبد مناءۃ۔ محل استدلال مناءۃ ہے۔

الْاُخْرٰى عرب تیسرے کے لیے اخری کا لفظ استعمال نہیں کرتے الْاُخْرٰى یہ ثانیہ کی صفت ہے اس کی توجیہ میں علماء

نے اختلاف کیا ہے۔ خلیل نے کہا: یہ اس لیے کہا تا کہ آیات کے سرے موافق ہو جائیں (1) جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مآرب اخری، اخیر نہیں کہا۔ حسین بن فضل نے کہا: آیت میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ بنتی ہے أفرأيتم اللات والعزى الاخرى و مناة الثالثة۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرمایا وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى کیونکہ مشرکوں کے نزدیک تعظیم میں اس کا مرتبہ لات وعزیٰ کے بعد تھا کلام اسی ترتیب پر ہے ہم نے ابن ہشام سے یہ قول نقل کیا ہے کہ مناۃ تقدیم میں پہلے تھا اسی وجہ سے وہ ان کے نزدیک سب سے معزز تھا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ آیت میں حذف ہے جس پر کلام دلالت کرتی ہے تقدیر کلام یہ ہوگی أفرأيتم هذه الآلهة هل نفعت أو ضرت حتى تكون شركاء لله پھر شرمندگی دلانے کے انداز میں فرمایا: اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَ لَهُ الْاُنْثٰى ۞ یہ کلام ان کے قول ''فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور بت اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں'' کا رد کرنے کے لیے ہے۔ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۞ یہ تقسیم عدل کے خلاف اور غلط ہے اور حق سے دور ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ضاز فی الحکم اس نے فیصلہ میں ظلم کیا۔ اس کا باب یوں ذکر کیا جاتا ہے ضاز حقه يضيزه ضيزا یعنی اس نے حق میں کمی کی۔ بعض اوقات اسے مہموز کے انداز میں ذکر کیا جاتا ہے ضأزه يضأزه ضأزا اور یہ شعر پڑھا:

فَقِسْمُكَ مَضْئُوزٌ وأَنفُكَ رَاغِمُ

تیری تقسیم میں نقص ہے اور تیری ناک خاک آلود ہے۔

کسائی نے یوں باب ذکر کیا ہے ضَازَ يَضِيزُ ضَيْزًا و ضازَ يَضُوزُ ضَوْزًا و ضَأَزَ يَضْأَزُ ضَأْزًا جب وہ ظلم کرے، حد سے تجاوز کرے اور کمی کرے؛ شاعر نے کہا:

ضَازَتْ　بنو　أَسَدٍ　بِحُكْمِهِمْ　إذ　يجعلون　الرأسَ　كالذَّنَبِ (2)

بنو اسد نے اپنے فیصلہ میں ظلم کیا کیونکہ وہ سر کو دم کی طرح بناتے ہیں۔

قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۞ یہ ناحق تقسیم ہے یہ فُعلی کا وزن ہے جس طرح طوبیٰ اور حبلی ہے یاء کی مناسبت کی وجہ سے ضاد کو کسرہ دیا گیا ہے کیونکہ کلام عرب میں فِعلی کے وزن پر صفت کا صیغہ نہیں آتا اسماء کے اوزان میں یہ وزن ہے جس طرح شعری اور دفلی ہے۔ فراء نے کہا: بعض عرب کہتے ہیں ضوزی اور ضئزی۔

ابو حاتم نے ابو زید سے حکایت بیان کی ہے کہ انہوں نے عربوں کو ضئزی ہمزہ کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا ہے اس کے علاوہ علماء نے کہا: ابن کثیر نے اسے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اسے مصدر بنایا ہے جس طرح ذکری مصدر ہے یہ صفت نہیں کیونکہ صفات میں فِعلی کا وزن نہیں اس کی اصل فُعلی نہیں کیونکہ یہاں کوئی ایسا سبب موجود نہیں جو قلب کا تقاضا کرے یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: ضأزته یعنی میں نے اس پر ظلم کیا۔ معنی ہوگا یہ ایسی تقسیم ہے جس میں ظلم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں لغتیں ہم معنی ہیں ان دونوں لغتوں کے علاوہ ضيزى، ضأزى، ضوزى، ضوْزى بھی بیان کیا گیا ہے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 249　　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 399

مورج نے کہا: انہوں نے ضیزی میں ضاد کے ضمہ کو مکروہ جانا ہے اور یاء کے واؤ سے بدل جانے کا انہیں خوف ہوا اس وجہ سے انہوں نے ضاد کو کسرہ دیا، جس طرح انہوں نے کہا: ابیض کی جمع بِیض ہے جب کہ اصل میں اسے بوض ہونا تھا جس طرح حُمر، صُفر اور خُضر ہے۔ جس نے ضاز یضوز کہا تو اس سے اسم ضوزی ہوگا جس طرح شوریٰ ہے۔

اِنْ هِیَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰی ﴿۲۳﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی ﴿۲۴﴾ۖ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَ الْاُوْلٰی ﴿۲۵﴾ وَ كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْــًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَرْضٰی ﴿۲۶﴾

”نہیں ہیں یہ مگر محض نام جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں نازل کی اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی سند، نہیں پیروی کررہے یہ لوگ مگر گمان کی اور جسے ان کے نفس چاہتے ہیں حالانکہ آ گئی ہے ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت۔ کیا انسان کو ہر وہ چیز مل جاتی ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے۔ پس اللہ کے دست قدرت میں ہے آخرت اور دنیا۔ اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں جن کی شفاعت کسی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اذن دے جس کے لیے چاہے اور پسند فرمائے“۔

اِنْ هِیَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ یعنی یہ بت نہیں مگر ایسے نام جن کو تم نے خود تراش لیا ہے اور ان کے نام معبود رکھ لیے ہیں۔ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ تم نے اس مسئلہ میں اپنے آباء کی تقلید کی ہے۔ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ خطاب سے غائب کی طرف رجوع کیا ہے، یعنی یہ لوگ ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ وَ مَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ اور جس کی طرف نفوس مائل ہوتے ہیں عام قراء کی قرأت یتبعون ہے۔ عیسیٰ بن عمر، ایوب اور ابن سمیقع نے تتبعون پڑھا ہے؛ یہی حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس کی قرأت ہے۔

وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰی ﴿۲۳﴾ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے وضاحت آ گئی ہے کہ وہ معبود برحق نہیں۔ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی ﴿۲۴﴾ یعنی جو وہ خواہش کرے یعنی اس کے لیے یہ نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اس کے لیے بیٹے ہیں یعنی بیٹیوں کے سوا اس کے لیے بیٹے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے بغیر جزا کی جو وہ خواہش کرے معاملہ اس طرح نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے کہ وہ نبوت کی خواہش کرے تو نبوت اس میں ہو کسی اور میں نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے انسان کی خواہش پر بت ان کی شفاعت کریں۔ یہ آیت نضر بن حرث کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تمام کفار کے بارے میں نازل ہوئی فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَ الْاُوْلٰی ﴿۲۵﴾ جس کے بارے میں چاہتا ہے اسے عطا کرتا ہے اور جس کے حق میں چاہتا ہے اس سے روک لیتا ہے نہ کہ جس کی انسان آرزو کرے۔

وَ كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْــًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَرْضٰی ﴿۲۶﴾ جو لوگ

فرشتوں اور بتوں کی پوجا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں شرمندہ کیا گیا ہے۔ اس نے یہ گمان کیا کہ اس کا یہ عمل اسے اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے گا۔ یہ بات ذہن نشین کر لو کہ فرشتے عبادت کی کثرت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ہونے کے باوجود وہ کسی کی شفاعت نہیں کریں گے مگر جس کے حق میں انہیں اجازت ملے گی۔ اخفش نے کہا: ملك واحد ہے اس کا معنی جمع ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝ (الحاقة)(1)

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک فرشتہ کا ذکر کیا کیونکہ لفظ کَمْ جمع پر دلالت کرتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ۝ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۝ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ۝

''بے شک جو لوگ ایمان نہیں لاتے آخرت پر وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے سے رکھتے ہیں حالانکہ انہیں اس کا کچھ علم ہی نہیں وہ محض ظن کی پیروی کرتے ہیں اور ظن حق کے مقابلہ میں کسی کام نہیں آسکتا۔ پس آپ رخ انور پھیر لیجئے اس (بدنصیب) سے جس نے ہمارے ذکر سے روگردانی کی اور نہیں خواہش رکھتا مگر دنیوی زندگی کی۔ یہ ہے ان کا مبلغ علم،۔ بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے جو بھٹک گیا اس کی راہ سے اور وہی بہتر جانتا ہے جس نے راہ راست پائی''۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مراد کفار ہیں جنہوں نے کہا: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور بت اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ۝ یہاں تسمیہ سے پہلے کاف محذوف ہے یعنی وہ اعتقاد رکھتے تھے کہ فرشتے، مؤنث ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ یعنی انہوں نے اس امر کا مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا کیا ہے انہوں نے جو کچھ کہا اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا اور کسی کتاب میں اسے نہیں دیکھا۔ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ یہاں ان نافیہ ہے اِلَّا الظَّنَّ وہ جو یہ کہتے ہیں کہ فرشتے مؤنث ہیں اس قول میں وہ صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا ذکر سے مراد قرآن اور ایمان ہے۔ یہ آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ یہ آیت نضر کے بارے نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ولید کے بارے میں نازل ہوئی۔ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ یعنی وہ اپنی دنیا کے معاملات کو دیکھتے ہیں اور اپنے دین کے معاملہ میں جاہل رہتے ہیں۔ فراء نے کہا: ان کی حقارت بیان کی یعنی یہ ان کی عقلوں کا معیار ہے اور علم کی انتہا ہے کہ انہوں نے آخرت پر دنیا کو ترجیح دی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے کہ انہوں نے فرشتوں اور بتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 251

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ یعنی جو اس کے دین سے بھٹک گیا۔

وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ۝ پس وہ ہر کسی کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝

''اور اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ وہ بدلہ دے بدکاروں کو ان کے اعمال کا اور بدلہ دے نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں کا۔ جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے مگر شاذ و نادر، بلاشبہ آپ کا رب وسیع بخشش والا ہے، وہ (اس وقت سے) خوب جانتا ہے تمہیں جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جب کہ تم حمل تھے اپنی ماؤں کے شکموں میں، پس اپنی خود ستائی نہ کیا کرو وہ خوب جانتا ہے کہ کون پرہیزگار ہے''۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝

لِيَجْزِيَ کا لام اس معنی کے متعلق ہے جس پر لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ دلالت کرتا ہے گویا فرمایا: وہ اس کا مالک ہے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے تاکہ محسن کو اس کے احسان کا بدلہ دے اور گناہگار کو اس کے گناہ کا بدلہ دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ جملہ معترضہ ہے۔ معنی ہوگا تیرا رب گمراہ کو خوب جانتا ہے اور ہدایت یافتہ کو بھی خوب جانتا ہے تاکہ اسے بدلہ دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ لام عاقبہ ہے معنی بنے گا خلق کے امر کا انجام یہ ہے کہ ان میں گناہگار اور محسن ہوں گناہگار کے لیے جہنم ہے اور محسن کے لیے جنت ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ یہ محسنین کی صفت ہے یعنی وہ بڑے گناہ کا ارتکاب نہیں کرتے جو شرک ہے کیونکہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ اعمش، یحییٰ بن وثاب، حمزہ اور کسائی نے کبیر پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد شرک ہے۔ الفواحش سے مراد زنا ہے۔ اس بارے میں گفتگو سورۂ نساء میں گزر چکی ہے، پھر اس سے مستثنیٰ منقطع کی صورت میں استثناء کی۔

مسئلہ نمبر 2۔ فرمایا: اِلَّا اللَّمَمَ اس سے مراد گناہ صغیرہ ہیں ایسے افعال سے کوئی بھی محفوظ نہیں مگر اللہ تعالیٰ جس کی حفاظت فرمائے۔ اس کے معنی میں اختلاف کیا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عباس اور امام شعبی نے کہا: اللَّمَمَ سے مراد

زنا سے کم درجہ کے اعمال مراد ہیں (1)۔ مقاتل بن سلیمان نے کہا: یہ آیت ایسے آدمی کے بارے میں نازل ہوئی جسے نبہان تمار کہا جاتا (2)۔ اس کی ایک دکان تھی جس میں وہ خشک کھجوریں بیچا کرتا اس کے پاس ایک عورت آئی وہ اس سے کھجوریں لینا چاہتی اس مرد نے اس عورت سے کہا: دکان کے اندر اس سے بہتر کھجوریں ہیں جب وہ دکان میں داخل ہوئی تو اس نے عورت کو بہلانا چاہا تو اس عورت نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور وہ عورت واپس چلی گئی نبہان شرمندہ ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: یا رسول اللہ! جماع کے علاوہ آدمی جو کرتا ہے میں نے وہ کچھ کیا ہے؟ کہا: شاید اس کا خاوند مجاہد ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ واقعہ سورۂ ہود میں گزر چکا ہے۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابو سعید خدری، حضرت حذیفہ اور مسروق نے اسی طرح کا قول کیا ہے کہ لمم سے مراد وطی سے کم درجہ کا فعل ہے جس طرح بوسہ لینا، غمزہ کرنا، دیکھنا اور لیٹنا (3)۔ مسروق نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، ہاتھوں کا زنا پکڑنا ہے، پاؤں کا زنا چلنا ہے، شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا اس کی تکذیب کرتی ہے۔ اگر وہ آگے بڑھے تو زنا ہے اگر پیچھے ہٹ جائے تو لمم ہے۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو کہا میں نے اس سے زیادہ لمم کے کسی شی کو زیادہ مشابہ نہیں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے انسان پر زنا کا حصہ لکھ دیا ہے وہ لامحالہ اس کو پائے گا۔ آنکھوں کا زنا دیکھنا، زبان کا زنا بولنا ہے، نفس تمنا کرتا ہے اور خواہش کرتا ہے، شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا اس کو جھٹلاتی ہے''۔ مراد یہ ہے عظیم فاحشہ اور مکمل زنا جو دنیا میں حد اور آخرت میں عذاب کو ثابت کرتا ہے وہ شرمگاہ میں بدکاری کرنا ہے اس کے علاوہ گناہ میں ایک حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ابو صالح کی روایت جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انسان پر زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے وہ اسے ضرور پانے والا ہے آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے، کانوں کا زنا سننا ہے، زبان کا زنا کلام ہے، ہاتھوں کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا چلنا ہے، دل خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا اسے جھٹلاتی ہے'' (4) امام مسلم نے اسے نقل کیا ہے۔

ثعلبی نے طاؤس کی روایت نقل کی ہے جو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اس میں کان، ہاتھ اور پاؤں کا ذکر ہے آنکھوں اور زبان کے بعد یہ زیادہ کہا: ''ہونٹوں کا زنا بوسہ لینا ہے''۔ یہ ایک قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی کہا: آدمی گناہ کا ارادہ کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے۔ کہا: کیا تو نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا:

إنْ يَغفرِ اللهُ يغفرْ جمّا وأيُّ عبدٍ لكَ لا ألمّا (5)

اگر اللہ تعالیٰ بخشنے کا ارادہ کرے تو سب گناہ بخش دیتا ہے تیرا کون سا بندہ ہے جس سے لغزش نہیں ہوئی۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 204
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 401
3۔ صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، زنا الجوارح دون الفرج، جلد 2، صفحہ 922
4۔ مجمع الزوائد، کتاب التفسیر سورۂ والنجم، جلد 7، صفحہ 249، حدیث 11378
5۔ ایضاً

عمرو بن دینار نے عطا سے اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسے نقل کیا ہے۔ نحاس نے کہا: اس بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ صحیح ترین ہے اور از روئے اسناد کے سب سے عظیم ہے۔ شعبہ نے منصور سے اس نے مجاہد سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اِلَّا اللَّمَمَ کے بارے میں یہ کہا کہ بندہ ایک دفعہ گناہ کر بیٹھتا ہے پھر دوبارہ اس طرح نہیں کرتا؛ شاعر نے کہا:

إن تغفر اللهم تغفر جمّا　وأيّ عبدٍ لك لا ألمّا(1)

اے اللہ! اگر تو بخشے تو سب گناہ بخش دے تیرا کون سا بندہ ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو۔

مجاہد اور حسن بصری نے یہی کہا ہے کہ وہ کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے پھر دوبارہ ایسا گناہ نہیں کرتا (2)۔ اسی کی مثل زہری سے مروی ہے، کہا: لمم یہ ہے کہ وہ بدکاری کرے پھر توبہ کرے اور دوبارہ ایسا عمل نہ کرے۔ وہ چوری کرے یا شراب پئے پھر توبہ کرے اور دوبارہ ایسا نہ کرے اس تاویل کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ (آل عمران: 135) پھر فرمایا: اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ (آل عمران: 136) ان کے لیے مغفرت کی ضمانت دی جس طرح اللَّمَمَ کے بعد فرمایا۔

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ اس تاویل کی صورت میں اِلَّا اللَّمَمَ مستثنیٰ متصل ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا: اللَّمَمَ سے مراد جو شرک کے علاوہ ہو (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللَّمَمَ سے مراد ایسا گناہ ہے جو دو حدوں کے درمیان ہو جو دنیا میں اس پر حد کو جاری نہیں کرتا اور نہ ہی آخرت میں عذاب کو لازم کرتا ہے پانچوں نمازیں اس کا کفارہ بن جاتی ہیں؛ یہ ابن زید، عکرمہ، ضحاک اور قتادہ نے کہا ہے؛ یہی عوفی اور حکم بن عتیبہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ کلبی نے کہا: اللَّمَمَ کی دو صورتیں ہیں۔ ہر وہ گناہ اللہ تعالیٰ نے جس پر دنیا میں حد کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی آخرت میں عذاب کا ذکر کیا (4)۔ یہی وجہ ہے پانچ نمازیں ان کو مٹا دیتی ہیں جب تک وہ کبائر اور فواحش تک نہ پہنچیں۔

دوسری توجیہ یہ ہے وہ عظیم گناہ ہے جسے انسان یکے بعد دیگرے کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید بن ثابت سے یہ بھی مروی ہے: مراد دور جاہلیت میں جو گناہ ہوئے اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے مواخذہ نہیں کرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکوں نے مسلمانوں سے کہا: تم کل ہمارے ساتھ یہ عمل کیا کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ زید بن اسلم اور ان کے بیٹے نے قول کیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ (النساء: 23) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللَّمَمَ سے مراد ہے کہ وہ کوئی گناہ کرے جو اس کی عادت نہ ہو؛ یہ نفطویہ نے قول کیا ہے۔ کہا: عرب کہتے ہیں ما یاتینا إلا لماما یعنی وہ کبھی کبھی ہمارے پاس آتا تھا۔ کہا: اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ ارادہ تو کرے اور عمل نہ کرے کیونکہ عرب یہ نہ کہتے تھے الم بنا مگر اسی وقت کہتے جب کوئی انسان عمل کرتا نہ کہ اس صورت میں

1۔ مجمع الزوائد، کتاب التفسیر سورۃ والنجم، جلد 7، صفحہ 249، حدیث 11378
2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 88
3۔ المعالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 252
4۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 253

کہ وہ قصد کرے اور عمل نہ کرے۔ صحاح میں ہے: ألمّ الرجل یہ لمم سے مشتق ہے اس سے مراد چھوٹے گناہ ہیں۔ کہا جاتا ہے: وہ معصیت کے قریب ہے مگر اس میں واقع نہیں ہوا۔ جوہری کے علاوہ نے یہ شعر پڑھا:

بزینبَ أَلْمِمْ قَبْلَ أن یَرْحَلَ الرَّکْبُ

زینب کے قریب ہو جا قبل اس کے کہ قافلہ کوچ کر جائے۔

عطاء بن ابی رباح نے کہا: لمم سے مراد نفس کی عادت ہے جو وقفہ وقفہ سے ہوتی ہے۔ سعید بن مسیب نے کہا: جو دل میں کھٹکے۔ محمد بن حنفیہ نے کہا: بھلائی یا برائی میں سے جس کا تو قصد کرے تو وہ لمم ہوگا۔ اس تاویل کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: ان للشیطان لمۃ وللملک لمۃ بے شک شیطان کی طرف سے ایک خیال آتا ہے اور فرشتے کی جانب سے خیال آتا ہے۔ یہ روایت سورۂ بقرہ آیت 268 میں اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ کے تحت گزر چکی ہے۔ ابو اسحاق زجاج نے کہا: لمم اور المام کا اصل معنی ہے انسان جب یکے بعد دیگرے کرتا ہے اس میں تعمق نہیں کرتا اور نہ ہی اس پر قائم رہتا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: المت بہ۔ جب تو اس کی زیارت کرے اور اس سے پھر جائے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: **مافعلتہ إلا لمما والماما** یعنی میں نے اسے وقفے وقفے سے کیا۔

إنما زیارتك المام تیری ملاقات وقفے وقفے سے ہوتی ہے؛ اسی سے خیال کا آنا ہے۔ اعشی نے کہا:

أَلَمَّ خَیَالٌ مِنْ قُتَیْلَۃَ بَعْدَمَا　قتیلہ کی جانب سے خیال وقفے وقفے سے آیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: الا، واؤ کے معنی میں ہے فراء نے اس کا انکار کیا ہے کہا: معنی ہے چھوٹے گناہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لمم سے مراد ایسی نظر ہے جو اچانک ہو۔

میں کہتا ہوں: یہ قول حقیقت سے بعید ہے یہ تو ابتداءً معاف ہے اس پر مواخذہ نہیں ہوتا کیونکہ یہ قصد اور اختیار کے بغیر واقع ہوتی ہے۔ سورۂ نور میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ لمم کا معنی جنون کی ایک قسم ہے رجل ملموم جسے جنون ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: أصابت فلانا لمۃ من الجن کا معنی مس کرنا اور تھوڑی چیز ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ جو اپنے گناہ سے توبہ کرے اور بخشش کا طالب ہو اس کے لیے وسیع مغفرت والا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ ابو میسرہ عمرو بن شرحبیل نے کہا جو حضرت ابن مسعود کے فاضل اصحاب میں سے تھا: میں نے خواب میں دیکھا گویا میں جنت میں داخل ہوا ہوں کیا دیکھتا ہوں وہاں خیمے لگے ہوئے ہیں میں نے پوچھا: یہ کن کے لیے ہیں؟ لوگوں نے بتایا: یہ ذی کلدع اور حوشب کے لیے ہیں، یہ دونوں ان افراد میں سے تھے جنہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا تھا۔ میں نے کہا: یہ کیسے؟ لوگوں نے بتایا: دونوں نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی تو اسے وسیع مغفرت والا پایا۔ ابو خالد نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ذی کلدع نے بارہ ہزار بچیوں کو آزاد کیا تھا۔

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ وہ تمہیں تمہاری ذاتوں سے بڑھ کر جانتا ہے اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ مراد ہے تمہارے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور ضمیر جمع کی ذکر کی۔ ترمذی ابو عبداللہ نے کہا: ہمارے نزدیک یہ تعبیر نہیں بلکہ یہ پیدائش اس

مٹی پر ہوئی جو زمین سے ابھری ہوئی تھی۔ ہم سب اس مٹی اور اسی کیچڑ پر ہیں پھر اس کیچڑ سے پانی پشتوں کی طرف نکلے ساتھ ہی ان میں نفوس پیدا کیے گئے جب کہ ان کی ہیئتیں مختلف تھیں پھر مختلف ہیئتوں کو ان کی پشتوں سے نکالا ان میں سے کچھ موتیوں کی طرح چمک رہے تھے کچھ ایک دوسرے سے زیادہ روشن تھے ان میں سے بعض کوئلے کی طرح سیاہ تھے بعض ایک دوسرے سے زیادہ سیاہ تھے تو یہ انشاء (پیدائش) ہم پر اور اس پر واقع ہوئی۔

عیسیٰ بن حماد عسقلانی نے بشر بن بکر سے وہ اوزاعی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس رات میرے اس حجرہ کے سامنے مجھ پر اولین و آخرین (اگلے پچھلے) پیش کیے گئے'' کسی کہنے والے نے کہا: یا رسول اللہ! ﷺ مخلوقات میں سے جو گزر چکے ہیں وہ بھی؟ فرمایا: ''ہاں، مجھ پر حضرت آدم اور ان کے علاوہ''۔ کہا: ان کے علاوہ (1) بھی کسی کو پیدا کیا گیا؟ لوگوں نے پوچھا: جو مردوں کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں میں ہیں؟ فرمایا: ''ہاں مٹی میں ان کی مثالی شکلیں بنائی گئیں تو میں نے انہیں پہچان لیا جس طرح حضرت آدم علیہ السلام نے تمام نام جان لیے تھے''۔

میں نے کہا: سورۃ الانعام کے آغاز میں گزر چکا ہے کہ ہر انسان کو اس قطعہ زمین کی مٹی سے پیدا کیا جاتا ہے جس میں اسے دفن کیا جاتا ہے۔ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ یہ جنین کی جمع ہے اس سے مراد وہ بچہ ہے جب تک پیٹ میں ہوتا ہے۔ اسے جنین اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ پوشیدہ ہوتا ہے۔

مکحول نے کہا: ہم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں جنین تھے تو ہم میں سے گر گیا جو گر گیا اور ہم باقی رہنے والوں میں سے ہیں پھر ہم دودھ پینے والے بچے ہو گئے تو ہم میں سے ہلاک ہو گیا جو ہلاک ہو گیا اور ہم باقی رہنے والوں میں سے ہو گئے پھر ہم قریب البلوغ ہوئے تو ہلاک ہوا جو ہلاک ہوا تو ہم باقی رہنے والوں میں سے ہوئے پھر ہم جوان ہو گئے تو ہلاک ہوا جو ہلاک ہوا اور ہم باقی رہنے والوں سے ہوئے پھر ہم بوڑھے ہو گئے تیرا باپ نہ رہے اس کے بعد ہم کس کا انتظار کر رہے ہیں؟

ابن لہیعہ نے حرث بن یزید سے وہ ثابت بن حرث انصاری سے روایت نقل کرتے ہیں: جب یہودیوں کا کوئی چھوٹا بچہ فوت ہوتا تو وہ کہتے: وہ صدیق ہے۔ یہ قول نبی کریم ﷺ تک پہنچا فرمایا: ''یہودیوں نے جھوٹ بولا ہے جس بچے کو اللہ تعالیٰ اس کی ماں کے پیٹ میں پیدا کرتا ہے تو وہ شقی ہوتا ہے یا سعید ہوتا ہے'' (2)۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ ان کی مدح نہ کرو اس کی ثنا نہ کرو کیونکہ یہ طریقہ ریا سے دور اور خشوع کے زیادہ قریب ہے۔ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝ یہ عمل کو زیادہ خالص کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کی سزا سے بچانے والا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ ہر نفس کے بارے میں آگاہ تھا کہ وہ کیا عمل کرنے والا ہے اور کس طرف جانے والا ہے (3)؟ سورۂ نساء میں اس آیت کے معنی کے بارے میں کلام گزر چکی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ (النساء: 49) اسے وہاں پڑھ لیں۔ حضرت ابن عباس

1۔ بعض نسخوں میں هل كان خلق احد کی جگہ كان احد ہے اور بعض میں هل كان قبله احد کیا ان سے پہلے بھی کسی انسان کو تخلیق کیا گیا۔

2۔ اسباب النزول للواحدی، سورۂ والنجم، صفحہ 332 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 402

رضی اللہ عنہما نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اس امت کے کسی فرد کا میں تزکیہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰی ﴿۳۳﴾ وَ اَعْطٰی قَلِیْلًا وَّ اَكْدٰی ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَیْبِ فَهُوَ یَرٰی ﴿۳۵﴾

''کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا جس نے روگردانی کی اور تھوڑا سا مال دیا پھر کنجوس بن گیا۔ کیا اس کے پاس علم غیب ہے اور وہ دیکھ رہا ہے''۔

اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰی ﴿۳۳﴾ وَ اَعْطٰی قَلِیْلًا وَّ اَكْدٰی ﴿۳۴﴾ جب اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت کرنے میں مشرکین کی جہالت کو بیان کیا تو ان میں سے ایک معین شخص کو اس کے برے فعل کے ساتھ ذکر کیا۔ مجاہد، ابن زید اور مقاتل نے کہا: یہ آیت ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی (1) اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی اتباع کی تو بعض مشرکوں نے اسے عار دلائی اور کہا: تو نے اپنے آباء کے دین کو کیوں چھوڑ دیا، انہیں گمراہ قرار دیا اور تو نے گمان کیا کہ وہ جہنم میں ہیں؟ اس نے کہا میں اللہ کے عذاب سے ڈر گیا ہوں۔ تو اس مشرک نے کہا: اگر وہ اپنے مال میں سے کچھ اسے دے دے اور شرک کی طرف واپس لوٹ آئے تو وہ وحید کی جانب سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو اٹھا لے گا۔ ولی نے اپنے مال میں سے کچھ اسے دیا جس نے ضمانت اٹھائی پھر بخل سے کام لیا اور مال کو روک لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

مقاتل نے کہا: ولید نے قرآن کی تعریف کی پھر تعریف کرنے سے رک گیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے نازل کیا وَ اَعْطٰی قَلِیْلًا یعنی اپنی زبان سے کچھ بھلائی کی (2)۔ وَّ اَكْدٰی یعنی اسے قطع کر دیا اور اس سے رک گیا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایمان کا عہد دیا پھر منہ پھیر لیا، تو یہ آیت نازل ہوئی: اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰی۔

حضرت ابن عباس، سدی، کلبی اور مسیب بن شریک نے کہا: یہ آیت حضرت عثمان بن عفان کے حق میں نازل ہوئی۔ وہ بھلائی کے کاموں میں مال صدقہ کرتے اور خرچ کیا کرتے تھے آپ کو ان کے رضاعی بھائی عبد اللہ بن ابی سرح نے کہا: یہ تم کیا کرتے ہو؟ ممکن ہے کوئی چیز آپ کے لیے باقی نہ بچے۔ حضرت عثمان غنی نے کہا: میرے گناہ اور خطائیں ہیں جو کچھ میں کرتا ہوں اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتا ہوں اور اس کی معافی کی امید رکھتا ہوں۔

حضرت عبد اللہ نے انہیں کہا: اپنی اونٹنی اس کے کجاوے کے ساتھ مجھے دے دو میں تیری جانب سے تمام گناہ اٹھا لوں گا۔ حضرت عثمان نے اسے وہ اونٹنی عطا کر دی اور اس پر گواہ بنا لیا اور جو صدقہ کیا کرتے تھے اس میں سے بعض سے رک گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہی فضل واحسان دوبارہ شروع کر دیا؛ واحدی اور ثعلبی نے اس کا ذکر کیا ہے (3)۔ سدی نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آیت عاص بن وائل سہمی کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ وہ کبھی کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موافقت کیا کرتا تھا (4)۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا: یہ آیت ابوجہل بن ہشام کے بارے میں نازل ہوئی اس نے کہا: اللہ کی قسم! (حضرت) محمد مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اَعْطٰی قَلِیْلًا وَّ اَكْدٰی کا یہی مفہوم ہے۔ ضحاک نے

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 333
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 254
3۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 206
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 402

کہا: مراد نضر بن حرث ہے(1) جب وہ اپنے دین سے مرتد ہوا تو اس نے مہاجرین میں سے ایک فقیر کو پانچ اونٹنیاں دیں اور اس سے ضمانت لی کہ دین چھوڑنے کا بوجھ وہ مہاجر اٹھائے گا۔ اَکْدٰی کا اصل کدیۃ ہے یہ اس کے لیے بولا جاتا ہے جو ایک کنواں کھودنے لگے پھر ایسے پتھر تک جا پہنچے جس کا کھودنا اس کے لیے ممکن نہ ہو قد اکدی پھر عرب اس لفظ کو اس آدمی کے لیے استعمال کرنے لگے جو عطا کرے اور پورا نہ کرے اور جو کسی شے کو طلب کرے اور اس کے آخر تک نہ پہنچے؛ حطیہ نے کہا:

فأعطى قليلًا ثم أكدى عطاءه ومن يبذلِ المعروفَ في النّاسِ يُحمَد

اس نے تھوڑا دیا پھر اپنے عطیہ کو روک لیا جو مال خرچ کرتا ہے لوگوں میں اس کی تعریف کی جاتی ہے۔

کسائی اور دوسرے علماء نے کہا: اکدی الحافر و أجبل یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ کھودنے میں پتھر یا پہاڑ تک جا پہنچے اب اس کو کھودنا ممکن نہ ہو۔ یہ جملہ بولتے ہیں: حفر و اکدی جب وہ سخت جگہ تک جا پہنچے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: کدیت أصابعه جب وہ کھودنے سے تھک جائیں۔ و کدیت یدہ جب اس کا ہاتھ تھک جائے اور کچھ کام نہ کرے۔ اکدی النبت بڑھوتری کم ہو جائے۔ کدت الأرض تکدو کدوا و کُدوا فھی کادیۃ جب وہ دیر سے نباتات اگائے۔ ابو زید سے مروی ہے: أکدیت الرجل عن الشی میں نے اسے اس چیز سے لوٹا دیا۔ أکدی الرجل جب اس کی بھلائی کم ہو جائے۔

وَ اَعْطٰى قَلِيْلًا وَّ اَكْدٰى ﴿۳۴﴾ یعنی تھوڑا دینا بھی ختم کر دیا۔

اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ کیا اس کم کرنے والے کے پاس اس چیز کا علم ہے جو عذاب اس سے غائب ہے **فَهُوَ يَرٰى** یعنی آخرت کا امر جو اس سے غائب ہے اسے وہ جانتا ہے کہ وہ غیر کے عذاب کو اٹھانے کا ضامن بن رہا ہے اتنی جہالت اور حماقت ہی کافی ہے یہ فعل رؤیت دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے جب کہ دونوں مفعول محذوف ہیں گویا فرمایا: وہ غیب کو شہادت کی طرح دیکھتا ہے۔

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَ اَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾ وَ اَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾

''کیا وہ آگاہ نہیں ہوا جو موسیٰ (علیہ السلام) کے صحیفوں میں ہے اور ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں جو پوری طرح احکام بجالائے کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور نہیں ملتا انسان کو مگر وہی کچھ جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور اس کی کوشش کا نتیجہ جلد نظر آ جائے گا پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور یہ کہ سب کو آپ کے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے''۔

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى ﴿۳۷﴾ لفظ ابراہیم سے پہلے صحف کا لفظ محذوف ہے جس طرح سورۂ اعلیٰ میں ہے **صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى** ﴿۱۹﴾ یعنی کسی نفس کو دوسرے نفس کے بدلہ میں نہیں پکڑا جائے گا جس طرح فرمایا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 402

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان آدمی کو اپنے بھائی، اپنے بیٹے اور اپنے باپ کے بدلے میں پکڑ لیا جاتا تھا؛ یہ ہذیل بن شرحبیل نے کہا ہے۔ ان یہ مثقلہ سے مخففہ ہے اس کا محل جر ہے کیونکہ یہ ما کا بدل ہے یا یہ محل رفع میں ہے کیونکہ ھو ضمیر مضمر ہے۔

سعید بن جبیر اور قتادہ نے وفی پڑھا یعنی شد کے بغیر پڑھا۔ اس کا معنی ہے وہ اپنے قول اور عمل میں سچا ہے۔ یہ جماعت کی قرأت کی طرف راجع ہے جو وفی ہے یعنی اس پر جو فرض کیا گیا اس نے ان سب کو ادا کیا اس نے ان میں سے کسی چیز کو نہ چھوڑا۔ یہ سورۂ بقرہ آیت 124 میں اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ میں گزر چکی ہے۔ توفیہ کا معنی مکمل کرنا ہے۔ ابو بکر وراق نے کہا: جس امر کا دعویٰ کیا اس کی شرط کو ادا کیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۳۱﴾ (بقرہ) اللہ تعالیٰ نے ان سے اس کے دعویٰ کی صحت کا مطالبہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے مال، اولاد، ذات میں آزمایا تو انہیں پورا کرنے والا پایا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤى ﴿۳۷﴾ کا یہی مفہوم ہے یعنی اسلام کا دعویٰ کیا پھر اپنے دعویٰ کو سچ کر دکھایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے ہر روز دن کے شروع میں چار رکعات ادا کر کے اپنے عمل کو پورا کیا (1)۔ ہثیم نے اسے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے۔

سہل بن سعد ساعدی نے اپنے باپ سے روایت نقل کی ہے: کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم کو اس صفت کے ساتھ کیوں ذکر کیا الَّذِیْ وَفّٰۤى کیونکہ وہ صبح اور شام کو کہا کرتے تھے: فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ (الروم) سہیل بن معاذ نے یہ حضرت انس سے وہ اپنے باپ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَفّٰۤى سے مراد ہے جس کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا گیا ہے اس کو پورا کیا۔ وہ یہ فرمان ہے: اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ایک آدمی کو غیر کے گناہ کے بدلے میں پکڑ لیا کرتے تھے قتل اور زخم لگانے کی صورت میں وہ ولی کو ولی کے بدلے میں پکڑ لیتے تھے (2)۔ ایک آدمی کو اس کے باپ، اس کے بیٹے، اس کے بھائی، اس کے چچا، اس کے ماموں، اس کے چچا زاد بھائی، اس کے قریبی رشتہ دار، اس کی بیوی، اس کے خاوند اور اس کے غلام کے بدلے میں پکڑ لیا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا: اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾

حضرت حسن بصری، قتادہ اور سعید بن جبیر نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَفّٰۤى کے بارے میں کہا: جو آپ کو حکم دیا گیا اس پر عمل کیا اور اپنے رب کے پیغامات کو پہنچایا (3)۔ یہ تعبیر بہت اچھی ہے کیونکہ یہ عام ہے؛ مجاہد نے بھی اسی طرح کہا ہے: جو آپ پر

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 427　2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 205　3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 88

فرض کیا گیا اس کو پورا پورا ادا کیا (1)۔ ابو مالک غفاری نے کہا: اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ سے لے کر فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ تک حضرت ابرہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں ہے۔ سورۂ انعام آیت 164 کے آخر میں وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے (2) کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (الطور: 21) کے ساتھ منسوخ ہے قیامت کے روز چھوٹا بچہ اپنے میزان کے پاس موجود ہوگا اللہ تعالیٰ آباء کو بیٹوں کے حق میں اور بیٹوں کو آباء کے حق میں شفیع بنا لے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا (النساء: 11)

اکثر علماء تاویل نے کہا: یہ آیت محکم ہے کسی کو دوسرے کا عمل نفع نہ دے گا۔ علماء کا اس پر اجماع ہے کوئی آدمی دوسرے کی جانب سے نماز نہیں پڑھے گا۔ امام مالک نے روزہ، حج اور صدقہ میت کی جانب سے جائز قرار نہیں دیا مگر آپ نے کہا: اگر اس نے حج کی وصیت کی اور فوت ہو گیا تو اس کی جانب سے حج کرنا جائز ہے۔ امام شافعی اور دوسرے علماء نے میت کی جانب سے نفلی حج کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے بھائی حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی جانب سے اعتکاف کیا اور ان کی طرف سے غلام آزاد کیا۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: میری ماں فوت ہو گئی ہے کیا میں اس کی طرف سے صدقہ کروں؟ فرمایا: ''ہاں''۔ عرض کی: کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا: ''پانی پلانا'' (3) یہ تمام بحث سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۂ اعراف میں مفصل گزر چکی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى یہاں لام مجرور ہے عربی زبان میں اس کا معنی ملکیت اور ثابت کرنا ہے انسان کے لیے وہی ثابت ہوتا ہے جو وہ کوشش کرتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ بچوں کو عمل کے بغیر جنت میں داخل فرماتا ہے۔ ربیع بن انس نے کہا: وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى یہ حکم کافر کے لیے ہے (4) جہاں تک مومن کا تعلق ہے اس کے لیے اس کا اپنا عمل اور غیر کا اس کے لیے عمل ہے۔

میں کہتا ہوں: بے شمار احادیث اس قول پر دلالت کرتی ہیں کہ مومن کو غیر کی جانب سے عمل صالح کا ثواب پہنچتا ہے جو آدمی غور و فکر کرتا ہے اس کے لیے ان میں سے کثیر روایات گزر چکی ہیں۔ صدقہ میں کوئی اختلاف نہیں جس طرح حضرت عبداللہ بن مبارک سے مسلم شریف نے شروع میں روایت گزری ہے۔ صحیح میں ہے: ''جب انسان فوت ہوتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے صرف تین عمل باقی رہتے ہیں (5) اس میں ایک یہ ہے یا نیک بچہ جو اس کے حق میں دعا کرتا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے فضل و احسان ہے، جس طرح کئی گنا بدلہ دینا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اللہ تعالیٰ ایک نیکی کے بدلہ میں دس سے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 205　2۔ ایضاً

3۔ سنن نسائی، فضل الصدقة عن الميت، ذکر الاختلاف علی سفیان، جلد 2، صفحہ 133　4۔ المحرر الوجیز جلد 5، صفحہ 206

5۔ صحیح مسلم، کتاب الوصیة، ما یلحق الانسان من الثواب، جلد 2، صفحہ 41

لے کر سات سو گنا اور دس لاکھ تک اجر لکھتا ہے، جس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی پر دس لاکھ نیکیوں کا اجر عطا فرماتا ہے؟ فرمایا: میں نے آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اللہ تعالیٰ ایک نیکی پر بیس لاکھ نیکیوں کا اجر عطا فرماتا ہے''۔ یہ فضل و احسان ہے اور عدل کا اسلوب وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال موجود ہے وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى یہ صرف برائی کے ساتھ خاص ہو کیونکہ مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جب میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا تو میں اس کے حق میں ایک نیکی لکھ لیتا ہوں اگر وہ اس پر عمل کرے تو میں اس کے حق میں دس نیکیوں سے لے کر سات سو گنا تک لکھ لیتا ہوں اور جب وہ کسی برائی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو میں اس کے خلاف کچھ بھی نہیں لکھتا اگر وہ اس پر عمل کرے تو میں صرف ایک برائی لکھتا ہوں''(1)۔ ابوبکر وراق نے کہا: اِلَّا مَا سَعٰى کا معنی ہے مگر جس کی وہ نیت کرے۔ اس کی وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں ہے: يبعث النّاس يوم القيامة على نياتهم لوگوں کو قیامت کے روز ان کی نیتوں پر اٹھایا جائے گا۔

وَ اَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے روز اس کی جزا دکھائے گا۔

ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾ پھر اسے پورا پورا بدلہ دے گا۔ اخفش نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے جزيته الجزاء و جزيته بالجزاء دونوں جملے ایک جیسے ہیں دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

إِن أَجْزِ عَلْقَمَةَ بنَ سَعْدٍ سَعْيَه　لم أَجْزِهِ بِبَلاءِ يَوْمٍ وَاحِدٍ(2)

اگر میں علقمہ بن سعد کو اس کے عمل کی جزا دوں تو میں ایک دن کے امتحان کا بدلہ اسے نہ دے سکوں گا۔

اس شعر میں دونوں لغتوں کو جمع کر دیا ہے۔

وَ اَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ منتهى سے مرجع، مرد اور مصدر مراد ہے یعنی لوٹنے کی جگہ پس وہ سزا دے گا یا بدلہ دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسی کی جانب سے احسان کا آغاز ہے اور اسی کے ہاں امان کی انتہا ہے۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى کے بارے میں فرمایا: ''رب العالمین کی ذات میں کوئی سوچ و بچار نہیں ہو سکتی''(3)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو رک جا''(4)۔

میں کہتا ہوں: اس معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''شیطان تم میں سے کسی کے پاس آتا ہے وہ کہتا ہے فلاں کو کس نے پیدا کیا فلاں کو کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ وہ کہہ اٹھتا ہے تیرے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب وہ اس مقام تک پہنچ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، اذا هم العبد بحسنة، جلد 1، صفحہ 78
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 255
3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 255
4۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 207

جائے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو اور رک جاؤ"(1)۔ سورۂ اعراف میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ جس نے کہا کتنا اچھا کہا:

ولا تُفَكِّرَنَّ فی ذِی العُلَا عَزَّ وجهُهُ　　فإنّكَ تُرْدَی إنْ فعلتَ و تُخْذَلُ

ودونك　مصنوعاتِه　فاعتَبِرْبِها　　وقُلْ مِثْلَ ما قال الخليلُ المبَجّلُ

صاحب عظمت جس کی ذات غالب ہے اس میں غور وفکر نہ کر اگر تو نے ایسا کیا تو تجھے ہلاک کر دیا جائے گا اور رسوا کر دیا جائے گا اس کی مصنوعات کو لو اور اس کے ساتھ عبرت حاصل کرو اسی طرح کہو جس طرح ذی شان خلیل نے کہا۔

وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾

"اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور رلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے اور یہ کہ اس نے پیدا فرمائیں دونوں قسمیں نر اور مادہ وہ بھی ایک بوند سے جب ٹپکتی ہے"۔

وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى ﴿۴۳﴾ واسطے ختم ہو گئے اور حقائق اللہ تعالیٰ کے لیے باقی رہ گئے اس کے سوا کوئی فاعل نہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: نہیں اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ میت کو کسی کے رونے سے عذاب ہوتا ہے (2) بلکہ فرمایا: اللہ تعالیٰ کافر کے حق میں اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب میں اضافہ کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی رلاتا ہے اور ہنساتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے جو ہنس رہے تھے۔ فرمایا: "اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے" (3)۔ حضرت جبرئیل امین آپ کے پاس آئے پھر کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ آپ کو فرماتا ہے: وہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان صحابہ کے پاس واپس تشریف لائے فرمایا: "میں چالیس قدم بھی نہیں چلا تھا یہاں تک کہ جبرئیل امین میرے پاس حاضر ہوئے اور کہا ان کے پاس جایئے انہیں کہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے" یعنی ہنسنے اور رونے کے اسباب کا فیصلہ کر دیا۔

عطا بن ابی مسلم نے کہا: اسی نے خوشی عطا کی اور اسی نے غمگین کیا کیونکہ خوشی ہنسنے کا باعث ہوتی ہے اور غم رونے کو لاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہنسا کرتے تھے؟ فرمایا: ہاں۔ اللہ کی قسم! ایمان ان کے دلوں کو مضبوط پہاڑوں سے زیادہ راسخ کر دیتا تھا (4)۔

سورۂ نمل اور سورۂ براءت میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کو جنت میں ہنسایا اور جہنمیوں کو جہنم میں رلایا (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جسے چاہا دنیا میں اسے ہنسایا یعنی اسے خوش کیا اور جس کو چاہا اسے رلایا یعنی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، الوسوسة فی الایمان، جلد 1، صفحہ 79

2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، المیت یعذب ببکاء اهله، جلد 1، صفحہ 303

3۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 334

4۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 256

5۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 89

اسے غم دیا۔ ضحاک نے کہا: زمین کو نباتات کے ذریعے ہنسایا اور آسمان کو بارش کے ذریعے رلایا(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: درختوں کو کلیوں کے ساتھ ہنسایا اور بادلوں کو بارش کے ساتھ رلایا۔ حضرت ذوالنون نے کہا: مومنوں اور عارفین کے دلوں کو اپنی معرفت کے سورج کے ساتھ ہنسایا اور اور نافرمانوں کو ناراضگی کے ساتھ رلایا۔ محمد بن علی ترمذی نے کہا: مومن کو آخرت میں ہنسایا اور اسے دنیا میں رلایا۔ بسام بن عبداللہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کے دانتوں کو ہنسایا اور ان کے دلوں کو رلایا اور یہ شعر پڑھا:

السِّنُّ تَضْحَكُ والأحشاءُ تَحْتَرِقُ وانما ضِحْكُها زُورٌ و مُخْتَلَقُ

يا رُبَّ باكٍ بِعَيْنٍ لا دموع لها ورُبَّ ضاحِكِ سنٍّ مابِهِ رَمَقُ

دانت ہنستے ہیں اور انتڑیاں جلتی ہیں بے شک ہنسا جھوٹ و بناوٹی ہے۔ کتنے ہی ایسی آنکھ سے روتے ہیں جن کے آنسو نہیں ہوتے کتنے ہی دانتوں سے ہنستے ہیں جن میں زندگی کی رمق نہیں ہوتی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے تمام حیوانوں سے انسان کو ہنسنے اور رونے کے ساتھ خاص کیا ہے انسان کے علاوہ کوئی ہنستا اور روتا نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صرف بندر ہنستا ہے روتا نہیں اور صرف اونٹ روتا ہے ہنستا نہیں۔ یوسف بن حسین نے کہا: طاہر مقدسی سے پوچھا گیا کیا فرشتے ہنستے ہیں؟ جواب دیا: وہ اور عرش کے نیچے جو کچھ ہے جب سے جہنم کو پیدا کیا گیا ہے وہ نہیں ہنسے۔

وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيَا ۝ اس نے موت اور حیات کے اسباب کا فیصلہ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: موت و حیات کو پیدا کیا جس طرح فرمایا الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ (ملک: 2) یہ ابن بحر کا قول ہے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کافر کو کفر کے ساتھ موت دی اور مومن کو ایمان کے ساتھ زندہ کی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ (الانعام: 122) فرمایا: اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؔ وَ الْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ (الانعام: 36) جس طرح پہلے گزر چکا ہے؛ عطا کا قول بھی اسی طرف لوٹتا ہے، اپنے عدل کے ساتھ مارا اور اپنے فضل کے ساتھ زندہ کیا۔ اور اس کا قول بھی اسی طرف لوٹتا ہے مال روکنے اور بخل کرنے کے ساتھ موت دی اور سخاوت اور مال خرچ کرنے کے ساتھ زندہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نطفہ کو موت دی اور روح کو زندہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: آباء کو موت دی اور بیٹوں کو زندہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: حیات سے مراد سرسبزی اور موت سے مراد خشک سالی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: نیند دی اور بیدار کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: دنیا میں موت دی اور دوبارہ اٹھانے کے لیے زندہ کیا۔

وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ۝ مراد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہے یہاں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء مراد نہیں کیونکہ مذکر و مؤنث نطفہ سے پیدا کیے گئے ہیں (جب کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی تخلیق نطفہ سے نہیں ہوئی) نطفہ سے مراد قلیل پانی ہے یہ نطف الماء سے مشتق ہے جب وہ قطرہ بن کر گرے۔ تُمْنٰى ۝ جسے رحم میں ٹپکایا جاتا ہے اور بہایا جاتا ہے۔ کلبی، ضحاک اور عطا بن ابی رباح نے کہا یہ جملہ کہا جاتا ہے: منی الرجل وأمنی (3)۔ مَنِی سے مشتق

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 256 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 404 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 405

ہے منی کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اس میں خونوں کو بہایا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمنی کا معنی ہے (1) اس کا اندازہ لگایا جاتا ہے؛ یہ ابو عبیدہ کا قول ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: مَنَیتُ الشیء جب تو اس کا اندازہ لگائے منی لہ اسے مقدر کیا گیا؛ شاعر نے کہا:

حَتّٰی تُلَاقِیْ مَا یَمْنِیْ لَکَ الْمَانِیْ

یہاں تک کہ تو اسے ملے جسے قادر نے تیرے لیے مقدر کیا ہے۔

وَ اَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَ ثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَ اَطْغٰى ﴿۵۲﴾ وَ الْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾

"اور یہ کہ اسی (اللہ تعالیٰ) کے ذمہ ہے دوسری بار پیدا فرمانا اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور مفلس بناتا ہے اور یہ کہ وہی شعریٰ (ستارے) کا رب ہے اور یہ کہ اسی نے ہلاک کیا عاد اول (قوم ہود) اور ثمود کو بھی پھر کسی کو نہ چھوڑا اور (ہلاک کیا) قوم نوح کو ان سب سے پہلے وہ بڑے ظالم اور سرکش تھے اور (لوط کی) اوندھی بستی کو بھی پٹخ دیا پس ان پر چھا گیا جو چھا گیا پس (اے سننے والے بتا) تو اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلائے گا"۔

وَ اَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ جب روحوں کو جسموں میں لوٹایا جائے گا تا کہ انہیں اٹھایا جائے۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے **النَّشَاءَةَ** شین کے فتحہ اور الف ممدودہ کے ساتھ پڑھا ہے اس نے یہ وعدہ کیا اور اس کا وعدہ سچا ہے۔ **وَ اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى ﴿۴۸﴾** ابن زید نے کہا: جس کو چاہا غنی کر دیا اور جس کو چاہا فقیر بنا دیا (2)، پھر اس آیت کو پڑھا **يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ يَقْدِرُ لَهٗ** (سبا: 39) اور اس آیت کی تلاوت کی **يَقْبِضُ وَ يَبْصُطُ** (البقرہ: 245) طبری نے اسے پسند کیا ہے۔ ابن زید سے یہ بھی مروی ہے اور مجاہد، قتادہ اور حسن بصری نے یہ کہا ہے: اَغْنٰى یعنی اسے مالدار بنا دیا (3)، اقنی اسے خادم بنا دیا (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَقْنٰى تمہارے لیے مال بنایا ہے جسے تم کماتے ہو اس کا معنی خادم بنانا بھی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جو عطا کیا اس پر راضی کیا یعنی اسے غنی کیا پھر جو عطا کیا اس کے ساتھ راضی کیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ جوہری نے کہا: قَنِیَ الرجل یَقْنٰی قنی جس طرح غَنِیَ یَغْنٰی غنی ہے۔ اقناہ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے وہ عطا کیا جسے ذخیرہ کیا جاتا ہے یعنی مال اور چاندی۔ اقناہ اللہ یعنی اسے راضی کیا۔ قنی کا معنی رضا ہے، یہ ابو زید سے مروی ہے عرب کہتے ہیں جسے سو بکریاں عطا کی گئیں تو اسے قنی عطا کیا گیا؛ جسے سو بھیڑیں دی گئیں اسے غنا دی گئی، جسے سو اونٹ دیئے گئے تو اسے منیٰ دیا گیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اغناہ اللہ و اقناہ اسے وہ چیز عطا کی گئی جس سے وہ سکون حاصل کرتا ہے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 257 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 405 3۔ ایضاً 4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 89

ایک قول یہ کیا گیا: اَغْنٰی وَ اَقْنٰی اس کی ذات کو غنی کیا اور اپنی مخلوق کو اس کا محتاج بنا دیا (1)؛ یہ سلیمان تیمی نے کہا۔ سفیان نے کہا: قناعت کے ساتھ غنی کیا اور رضا کے ساتھ سکون عطا کیا (2)۔ اخفش نے کہا: اقنی یعنی محتاج کیا۔ ابن کیسان نے کہا: اسے اولا د دی۔ یہ قول تمام پہلے اقوال کی طرف راجع ہے۔

وَ اَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ شعری ایسا روشن ستارہ ہے جو جوزاء کے ساتھ طلوع ہوتا ہے اس کا طلوع سخت گرمی میں ہوتا ہے۔ دونوں شعری ہیں عبور جو جوزاء میں ہوتا ہے شعری غمیصاء جو ذراع میں ہوتا ہے۔ عرب گمان کرتے ہیں کہ یہ دونوں سہیل کی بہنیں ہیں۔ یہ ذکر کیا کہ وہ شعری کا رب ہے اگرچہ وہ دوسروں کا بھی رب ہے کیونکہ عرب شعری کی تعظیم بجالاتے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ شعری رب نہیں مربوب ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ کون اس کی عبادت کرتا تھا؟ سدی نے کہا: حمیر اور خزاعہ قبیلہ اس کی عبادت کرتا تھا۔ دوسرے علماء نے کہا: سب سے پہلے جس نے اس کی عبادت کی وہ ابو کبشہ تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امہات کی جانب سے اجداد میں شامل تھا اس وجہ سے قریش کے مشرکوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ کا نام دیا جب آپ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور ان کے دینوں کی مخالفت کی۔ انہوں نے کہا: ہم نے ابن ابی کبشہ سے کیا پایا ہے؟ ابو سفیان نے فتح مکہ کے روز کہا تھا جب کہ وہ ایک تنگ راستہ میں کھڑا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر اس کے پاس سے گزر رہے تھے: لقد أمر أمر ابن ابی کبشہ ابن ابی کبشہ کا امر قوی ہو گیا۔ جو عرب شعری کی پوجا کرتے تھے وہ اس کی تعظیم کرتے اور عالم میں اس کی تاثیر کا اعتقاد رکھتے تھے؛ شاعر نے کہا:

مضى أيْلُولُ وارتفعَ الحَرُورُ وأَخْبَتْ نارَها الشِّعرى العَبُورُ (3)

ماہ ستمبر گزر گیا اور گرمی ختم ہو گئی اور شعری عبور نے اس کی آگ کو بجھا دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: عرب اپنی خرافات میں کہتے ہیں کہ سہیل اور شعری میاں بیوی تھے۔ سہیل نیچے اترا تو وہ یمانی ہو گیا شعری عبور نے اس کا پیچھا کیا اور کہکشاں کو عبور کیا تو اس کا نام عبور ہو گیا۔ غمیصاء کھڑی ہوئی اور سہیل کے گم ہونے پر وہ روئی یہاں تک کہ اس کی آنکھیں کیچڑ بہانے لگیں تو اس کا نام غمیصاء ہو گیا کیونکہ یہ دوسرے سے زیادہ مخفی ہوتا ہے۔ وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ۨالْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ اس کا نام اولی رکھا کیونکہ یہ ثمود سے پہلے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ثمود، ثماد سے پہلے تھے۔ ابن زید نے کہا: اسے عاد اولی کہا گیا کیونکہ یہ پہلی امت تھی جو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ہلاک ہو گئی۔ ابن اسحاق نے کہا: وہ دونوں عاد تھیں پہلی قوم عاد کو ریح صرصر (شدید ہوا) سے ہلاک کیا گیا پھر دوسری قوم عاد تھی اسے چیخ کے ساتھ ہلاک کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: عاد اولی وہ عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح تھی اور دوسری عاد، عاد اولی کی اولاد میں سے تھی۔ معنی قریب قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: دوسری قوم عاد جبارون تھے وہی قوم ہود تھی۔ عام قرأت عادا اولی ہے یعنی تنوین اور ہمزہ کو واضح کیا گیا ہے۔ نافع، ابن محیصن اور ابو عمرو نے عادًا الاولی پڑھا ہے یعنی ہمزہ کی حرکت لام کو دی اور نون تنوین کو اس میں

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 405 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

مدغم کر دیا مگر قالون اور سوسی دونوں ساکن ہمزہ کو ظاہر کرتے تھے باقی قراء نے قاعدہ کے مطابق واؤ سے بدل دیا تب عرب اس قلب کو الٹ دیتے ہیں اور کہتے ہیں: قُم لَانَ عَنّا وصم لثنین اصل میں قُمِ الآنَ وَصُمِ الاثنین ہے۔

وَ ثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ ان کے ثمود، قوم صالح تھی انہیں چیخ کے ساتھ ہلاک کیا گیا۔ اسے ثموداً اور ثمودَ پڑھا گیا ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ عاد پر عطف کرتے ہوئے اسے منصوب پڑھا گیا ہے۔ **وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ** یعنی عاد وثمود سے پہلے قوم نوح کو ہلاک کیا۔ **اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَ اَطْغٰى** ﴿۵۲﴾ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام طویل عرصہ تک ان کے درمیان رہے یہاں تک کہ ایک آدمی اپنے بیٹے کے ہاتھ کو پکڑتا اور حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاتا اور بیٹے کو کہتا: اس سے محتاط رہنا کیونکہ یہ جھوٹا ہے کیونکہ میرا باپ مجھے اس کے پاس لے گیا تھا اور اس نے مجھے وہی بات کی تھی جو میں نے تجھے کہی ہے تو بڑا کفر پر مرجاتا، چھوٹا اپنے باپ کی وصیت پر پروان چڑھتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ضمیر عاد، ثمود اور قوم نوح میں سے جس کا ذکر کیا گیا ہے اس کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی وہ عربوں کے مشرکوں سے زیادہ کافر اور سرکش تھے۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے گویا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تو بھی صبر کر اچھا انجام آپ کے لیے ہے۔

وَ الْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے شہران پر الٹ گئے ان کا اوپر والا حصہ نیچے والا حصہ بن گیا۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: اَفَكْتَهٗ تو نے اسے الٹ دیا اور تو نے اسے پھیر دیا۔ اھوی ان بستیوں کو آسمان کی طرف اٹھانے کے بعد انہیں دھنسا دیا۔ حضرت جبریل امین نے انہیں اٹھایا پھر انہیں زمین کی طرف گرادیا۔ مبرد نے کہا: انہیں گرنے والا بنادیا۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: ھوی یھوی ھویا یعنی وہ گر گیا۔ أھوی یعنی اسے گرادیا۔

فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ انہیں پتھروں سے چھپا دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ** (ہود: 82) ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر تمام امتوں کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی انہیں عذاب سے ڈھانپ لیا۔ یہاں عذاب کو مبہم ذکر کیا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو ایسے عذاب سے ہلاک کیا گیا جو اس عذاب سے مختلف تھا جس عذاب سے دوسری قوم کو ہلاک کیا گیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ انداز امر کی عظمت بیان کرنے کے لیے ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾ تم اپنے رب کی کون سی نعمتوں میں شک کرتے ہو۔ خطاب جھٹلانے والے انسان کو ہے۔ اٰلَآء سے مراد نعمتیں ہیں اس کا واحد اَلی، اِلی اور اِلْیٌ ہے یعقوب نے تماری پڑھا ہے دو تاؤں میں سے ایک کو دوسری میں ادغام کیا اور اسے مشدد پڑھا۔

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ تَضْحَكُوْنَ وَ لَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَ اعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾

"یہ ڈرانے والا (رسول عربی) بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہے۔ قریب آنے والی قریب آ گئی۔ اللہ کے سوا اس کو کوئی ظاہر کرنے والا نہیں۔ بھلا کیا تم اس بات سے تعجب کر رہے ہو اور (بے شرموں کی طرح)

ہنس رہے ہو اور روتے نہیں اور تم نے کھیل مزاق بنا رکھا ہے۔ پس سجدہ کرو اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کی عبادت کیا کرو"۔

هٰذَا نَذِيۡرٌ مِّنَ النُّذُرِ الۡاُوۡلٰى ابن جریج اور محمد بن کعب نے کہا: اس سے یہ ارادہ کیا ہے (1) کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق کے ساتھ خبردار کرنے والے ہیں جس کے ساتھ آپ سے پہلے انبیاء نے ڈرایا۔ اگر تم نے آپ کی اطاعت کی تو تم کامیاب ہو جاؤ گے بصورت دیگر تم پر وہی عذاب نازل ہو گا جو تم سے قبل رسولوں کو جھٹلانے والوں پر نازل ہوا۔ قتادہ نے کہا: مراد قرآن ہے یہ اس چیز کے ساتھ خبردار کرنے والا ہے جس کے ساتھ سابقہ کتابوں نے خبردار کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے سابقہ امتوں کی جو خبریں دی ہیں کہ وہ ہلاک ہوئے یہ اس امت کو ڈرانا ہے کہ ان پر بھی وہی عذاب نازل ہو سکتا ہے جو ان قوموں پر عذاب نازل ہوا۔ نذر قوم عرب میں انذار کے معنی میں ہے جس طرح نکر، انکار کے معنی میں ہے یعنی یہ تمہیں ڈرانا ہے۔ ابو مالک نے کہا: یہ سابقہ امتوں کے واقعات جن کے ساتھ تمہیں خبردار کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں ہیں۔ سدی نے کہا: مجھے ابو صالح نے خبر دی ہے یہ کلمات جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان اَمۡ لَمۡ يُنَبَّاۡ بِمَا فِىۡ صُحُفِ مُوۡسٰى ۙ وَاِبۡرٰهِيۡمَ سے لے کر هٰذَا نَذِيۡرٌ مِّنَ النُّذُرِ الۡاُوۡلٰى تک سب حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے صحیفوں میں ہیں۔

اَزِفَتِ الۡاٰزِفَةُ قیامت قریب ہو گئی۔ اسے آزفہ کا نام دیا کیونکہ اس کے نزدیک یہ قریب ہی واقع ہو گی جس طرح فرمایا: يَرَوۡنَهٗ بَعِيۡدًا ۙ وَّنَرٰٮهُ قَرِيۡبًا (المعارج) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے آزفہ کا نام دیا گیا کیونکہ یہ لوگوں کے قریب ہے اسے لوگوں کے قریب کیا تا کہ وہ اس کی تیاری کریں کیونکہ وہ امر جو واقع ہو کر رہنے والا ہوتا ہے وہ قریب ہوتا ہے جس طرح کہا: ازف الترحل کوچ قریب آ گیا۔

صحاح میں ہے: أزف الترحل يأزف أزفا یعنی کوچ قریب آ گیا۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَزِفَتِ الۡاٰزِفَةُ قیامت قریب آ گئی۔ أزف الرجل فهو آزف، آزف یہ فاعل کا وزن ہے۔ متآزف القصیر وہی جو قریب ہو۔ ابو زید نے کہا: میں نے ایک بدو سے پوچھا: ما المحبنطئ؟ اس نے جواب دیا: المتکائی۔ میں نے پوچھا: ما المتکائی؟ اس نے جواب دیا: المتآزف میں نے پوچھا: ما المتآزف؟ اس نے جواب دیا: تو احمق ہے اور چلا گیا۔

لَيۡسَ لَهَا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اسے پیچھے یا آگے کرنے والا نہیں ہو گا۔ ایک قول یہ کیا گیا: كَاشِفَةٌ کا معنی انکشاف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اسے ظاہر کرنے والا نہیں۔ كَاشِفَةٌ اسم ہے جو مصدر کے معنی میں ہے اس میں ھاء اسی طرح ہے جس طرح عاقبہ، عافیہ، داھیہ اور باقیہ میں ہے جس طرح عربوں کا قول ہے: ما لفلان من باقية یہاں باقیة بقاء کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کوئی بھی اسے نہیں لوٹائے گا، یعنی جب قیامت برپا ہو گی تو ان کے معبودوں میں سے کوئی اسے دور نہیں کرے گا اور اس کے سوا کوئی انہیں نجات نہیں دے گا۔ قیامت کو غاشیہ کا نام دیا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 406

ہے جب یہ غاشیہ ہے تو اس کا رد کرنا کشف ہوگا۔ اس تعبیر کی بنا پر کاشفہ مونث محذوف کی صفت ہوگی تقدیر کلام یہ ہوگی نفس کاشفة، فرقة کاشفة، حال کاشفة۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کاشفہ، کاشف کے معنی میں ہے۔ ھاء مبالغہ کے لیے ہے جس طرح راویة اور داھیة ہے۔

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ اس سے مراد قرآن ہے۔ یہ استفہام توبیخ کے لیے ہے۔ تَعْجَبُوْنَ ۝ اس کو جھٹلاتے ہوئے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے، استہزاء کرتے ہوئے، ہنستے ہوئے اور وعید سے ڈرتے ہوئے روتے نہیں۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا بلکہ صرف آپ تبسم کرتے (1)۔

حضرت ابو ہریرہ نے کہا: جب اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ ۝ آیت نازل ہوئی تو اہل صفہ نے کہا: اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ پھر وہ رونے لگے یہاں تک کہ ان کے آنسو ان کے رخساروں پر بہہ پڑے جب نبی کریم ﷺ نے ان کے رونے کو سنا تو آپ کے ساتھ روتے اور ہم آپ کے رونے کی وجہ سے روئے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا یلج النار من بکی من خشیة الله ولا یدخل الجنة مصر علی معصیة الله ولولم تذنبوا لذهب الله بکم ولجاء بقوم یذنبون فیغفر لهم ویرحمهم إنه هو الغفور الرحیم (2) جو آدمی اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے رویا وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مصر رہا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائے گا اور ایک ایسی قوم لے آئے گا جو گناہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا بے شک وہ غفور رحیم ہے۔

ابو حازم نے کہا: حضرت جبریل امین نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ ان کے پاس ایک آدمی رو رہا تھا۔ جبریل امین نے پوچھا: یہ کون ہے؟ فرمایا: ''یہ فلاں ہے''۔ حضرت جبریل امین نے کہا: ہم انسان کے تمام اعمال کا وزن کرتے ہیں صرف رونے کا وزن نہیں کرتے بے شک اللہ تعالیٰ ایک آنسو سے جہنم کے سمندروں کو بجھا دیتا ہے۔

وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ۝ تم لاپرواہی کرنے والے اور اعراض کرنے والے ہو (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جیسے والبی اور عوفی نے آپ سے روایت کیا ہے عکرمہ نے ان سے روایت کیا حمیر کی لغت میں اس کا معنی گانا گانا ہے (4): یہ جملہ کہا جاتا ہے: سَمِدْ لنا ہمارے لیے گانا گاؤ جب وہ قرآن پڑھتے ہوئے سنتے تو وہ گانا گانا شروع کر دیتے اور کھیل کود میں شروع ہو جاتے تاکہ وہ اسے نہ سن سکیں۔ ضحاک نے کہا: سامدون کا معنی متکبر نہیں۔ صحاح میں ہے سمد سمودا اس نے تکبر کی وجہ سے اپنا سر اٹھایا۔ ہر سر اٹھانے والا سامد ہوتا ہے؛ شاعر نے کہا: سَوَامِدُ اللَّیْلِ خِفَافُ الْأَزْوَادْ

اس مصرعہ میں سوامد کا معنی سر اٹھانے والے کیا ہے۔ وہ کہتا ہے: ان کے پیٹوں میں چارہ نہیں۔ ابن اعرابی نے کہا: سمدتُ سمودا یعنی میں بلند ہوا۔ سمدتُ الابل فی سیرها اس نے تیزی دکھائی۔ السمود کا معنی لہو ولعب ہے السامد لہو ولعب کرنے والا۔ لونڈی کو کہا جاتا ہے: أسْمِدِیْنَا نغمہ کے ساتھ ہمارا دل بہلاؤ۔ تسمیه الارض سے مراد ہے کہ اس میں کھاد

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 430 2۔ شعب الایمان، باب فی الخوف من اللہ تعالیٰ، جلد 1، صفحہ 489، حدیث 798

3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 258 4۔ ایضاً

ڈالی جائے۔ تسمید الرأس سے مراد ہے اس کے بالوں کو جڑ سے اکھیڑ دینا۔ یہ تسبید میں ایک لغت ہے۔ اسماد الرجل اسمئد ادا غصہ کی وجہ سے اس کا جسم سوج گیا۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سٰمِدُوْنَ کا معنی ہے کہ وہ نماز پڑھے بغیر بیٹھتے ہیں اور نماز کا انتظار بھی نہیں کرتے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ امام کے کھڑا ہونے سے پہلے کھڑے ہو جاتے ہیں (1)۔ ان سے ہی مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ آپ نکلے تو لوگ کھڑے ہو کر انتظار کر رہے تھے فرمایا: مالی أراکم سامدین کیا وجہ ہے میں تمہیں کھڑے ہو کر انتظار کرتے ہوئے دیکھتا ہوں؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے (2)۔ مہدوی نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نماز کے لیے نکلے تو لوگوں کو کھڑے ہوئے انتظار کرتے ہوئے دیکھا فرمایا: مالکم سامدون؛ یہ مہدوی کا قول ہے۔ لغت میں معروف یہ ہے سَمَدَ یَسْمُدُ سُمُوْدًا جب وہ لاپرواہی اور اعراض کرے۔ مبرد نے کہا: سامدون کا معنی ہے خامدون یعنی ٹھنڈے۔

صالح ابو خلیل نے کہا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس آیت اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ تَضْحَكُوْنَ وَ لَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ کو پڑھا تو وصال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہنستے ہوئے نہ دیکھا گیا آپ صرف تبسم فرماتے تھے؛ نحاس نے اس کا ذکر کیا ہے۔

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَ اعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد سجدہ تلاوت ہے (3)؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے بھی یہی کہا ہے۔ سورت کے آغاز میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث گزر چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس میں سجدہ کیا اور مشرکوں نے بھی ساتھ ہی سجدہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشرکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ اس لیے سجدہ کیا تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰی ﴿۱۹﴾ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی ﴿۲۰﴾ کی قرأت کی تو مشرکوں نے اس موقع پر شیاطین کی آوازوں کو سنا کہ آپ نے کہا: تلك الغرانیق العلی و شفاعتهن ترتجی۔ سعید بن جبیر کی روایت میں اسی طرح ترتجی ہے۔ ابو العالیہ کی روایت میں ہے و شفاعتهن ترتضی و مثلهن لا ینسی ہے مشرک اس سے خوش ہوئے انہوں نے گمان کیا کہ یہ بھی (حضرت) محمد کا قول ہے جس کی وضاحت سورۂ حج میں گزر چکی ہے۔ جب یہ خبر حبشہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کو پہنچی تو وہ لوٹ آئے کیونکہ انہوں نے گمان کیا تھا کہ اہل مکہ ایمان لے آئے ہیں اہل مکہ نے ان پر سختی کی اور انہیں سخت اذیتیں دیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مصائب سے چھٹکارا دلایا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد نماز میں فرض سجدہ ہے؛ یہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے آپ اسے لازم سجدہ (سجدۂ تلاوت) خیال نہیں کرتے تھے؛ امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا آخری معمول یہ تھا کہ آپ نے مفصل سورتوں میں سجدہ کرنے کو ترک کر دیا تھا۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے اس کے بارے میں گفتگو سورۂ اعراف کے آخر میں مفصل گزر چکی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 407 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

سورۃ القمر

(آیاتہا ۵۵) (۵۴ سورۃ القمر مکیۃ ۳۷) (رکوعاتہا ۳)

جمہور کے قول کے مطابق تمام سورت مکی ہے۔ مقاتل نے کہا: مگر تین آیات مکی نہیں (1) اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ۝ سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَ السَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ۝ یہ قول صحیح نہیں جس طرح اس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ۝ وَ اِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَ یَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۝ وَ كَذَّبُوْا وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ وَ كُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ۝ وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِیْهِ مُزْدَجَرٌ۝ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ یَوْمَ یَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَیْءٍ نُّكُرٍ۝ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ۝ مُّهْطِعِیْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ یَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا یَوْمٌ عَسِرٌ۝

''قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا۔ اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں یہ بڑا زبردست جادو ہے۔ اور انہوں نے جھٹلایا (رسول خدا کو) اور پیروی کرتے رہے اپنی خواہشات کی اور ہر کام کے لیے ایک انجام ہے۔ اور پہنچ چکی ہیں ان کے پاس (پہلی قوموں کی بربادی کی) اتنی خبریں جن میں بڑی عبرت ہے (وہ خبریں) سراسر حکمت ہیں پس ڈرانے والے نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا، پس آپ رخ انور پھیر لیجئے ان سے۔ ایک روز بلائے گا (انہیں) بلانے والا ایک ناگوار چیز کی طرف، خوف سے ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی قبروں سے یوں نکلیں گے جیسے وہ پراگندہ ٹڈیاں ہیں، ڈرتے ڈرتے بھاگے جا رہے ہوں گے بلانے والے کی طرف، کافر کہتے ہوں گے یہ بڑا سخت دن ہے''۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ۝ اِقْتَرَبَتْ یعنی قریب آگئی یہ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ۝ (النجم) کی مثل ہے جس طرح ہم نے اسے بیان کیا ہے جو وقت گزر گیا ہے اس کی طرف منسوب ہونے کی بنا پر یہ قریب ہے کیونکہ دنیا کا اکثر وقت گزر چکا ہے جس طرح قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا جب کہ سورج غروب ہوا چاہتا تھا (2) فرمایا: ''دنیا میں سے جو باقی ہے اس کی گزرے ہوئے وقت کے ساتھ وہی نسبت ہے جس طرح اس دن کے باقی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 408 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 211

ماندہ وقت کی گزرے ہوئے وقت کے ساتھ جو نسبت ہے"۔ ہم سورج کو تھوڑا ہی دیکھ رہے تھے۔ کعب اور وہب نے کہا: دنیا کا زمانہ چھ ہزار سال ہے۔ وہب نے کہا: ان میں سے پانچ ہزار چھ سو سال گزر چکے ہیں؛ نحاس نے اس کا ذکر کیا ہے۔

وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ یعنی قد انشق القمر چاند پھٹ چکا ہے۔ حضرت حذیفہ نے اسی طرح اقتربت الساعة وقد انشق القمر پڑھا ہے یعنی قد کو زائد کہا ہے جمہور علماء اسی پر ہیں۔ صحیح بخاری اور دوسری کتب میں حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت انس، حضرت جبیر بن مطعم اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اسی طرح مروی ہے۔ حضرت انس سے روایت مروی ہے: اہل مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ کا مطالبہ کیا تو مکہ مکرمہ میں چاند دو دفعہ پھٹا، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَ اِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَ يَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ (1) ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بخاری کے ہاں حضرت انس سے یہ الفاظ مروی ہیں: چاند دو حصوں میں تقسیم ہو گیا (2)۔ ایک قوم نے کہا: ابھی تک چاند پھٹا نہیں بلکہ اس کے پھٹنے کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ یعنی قیام قیامت اور چاند کا پھٹنا قریب ہے اور قیامت جب قائم ہوگی تو آسمان اور اس میں جو کچھ ہے سب پھٹ جائیں گے؛ قشیری نے یہی کہا ہے۔

ماوردی نے یہ ذکر کیا ہے۔ یہ جمہور علماء کا قول ہے اور کہا: جب وہ پھٹے گا تو ہر کوئی اسے دیکھ لے گا کیونکہ یہ ایک نشانی ہے اور لوگ نشانیوں میں برابر ہیں (3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: قیامت قریب آگئی جب وہ آ جائے گی تو چاند دوسرے نفخہ کے بعد پھٹ جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ کا معنی ہے امر واضح اور ظاہر ہو جائے گا۔ عرب اظہار امر کے لیے چاند کے ساتھ ضرب المثل بیان کرتے تھے؛ شاعر نے کہا:

أَقِيمُوا بَنِي أُمِّي صُدُورَ مَطِيِّكُمْ فَإِنِّي إِلَى حَيٍّ سواكم لَأَمْيَلُ
فقد حُمَّتِ الحاجاتُ واللَّيلُ مُقْمِرٌ وشُدَّت لِطِيَّاتٍ مَطَايا وأَرْحُلُ

اے میری ماں کے بیٹو! اپنی سواریوں کے سینے سیدھے کرو میں تمہارے سوا کسی اور قبیلہ کی طرف زیادہ میلان رکھتا ہوں حاجات گرم ہیں اور رات روشن ہے اور سواریاں و کجاوے سفروں کے لیے تیار ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: انْشَقَّ الْقَمَرُ سے مراد چاند سے تاریکی کا چھٹ جانا ہے جب وہ تاریکی کے دوران طلوع ہو جس طرح صبح کو فلق کہتے ہیں، کیونکہ اس سے تاریکی پھٹ جاتی ہے۔ بعض اوقات انفلاق کو انشقاق سے تعبیر کرتے ہیں۔ نابغہ نے کہا:

فَلَمَّا أَدْبَرُوا ولَهُمْ دَوِيٌّ دعانا عِند شَقِّ الصُّبحِ داعِ

جب انہوں نے پیٹھ پھیر لی اور ان کی آواز آ رہی تھی تو صبح پھوٹنے کے وقت ایک بلانے والے نے ہمیں بلایا۔

میں کہتا ہوں: اخبار احاد جو عادل راویوں سے مروی ہیں ان سے یہ بات ثابت ہے کہ چاند مکہ مکرمہ میں پھٹا۔ یہی اس

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 161
2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، قولہ وانشق القمر، جلد 2، صفحہ 722
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 409

آیت کا ظاہر معنی ہے یہ لازم نہیں آتا کہ لوگ اس میں برابر ہوں، کیونکہ یہ ایسا معجزہ ہے جو رات کو ظاہر ہوا تھا۔ یہ امر نبی کریم ﷺ کی دعا سے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ظاہر ہوا تھا جب چیلنج کیا گیا تھا۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت حمزہ بن مطلب رضی اللہ عنہ جب ایمان لائے کیونکہ ابوجہل نے نبی کریم ﷺ کو گالیاں دی تھیں اس پر حضرت حمزہ غضب ناک ہوئے تھے تو انہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ انہیں آپ ﷺ ایسا معجزہ دکھائیں جس کے ساتھ ان کے ایمان و یقین کا اضافہ ہو۔

صحیح میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ انہیں کوئی معجزہ دکھائیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں چاند کو دو حصوں میں دکھایا(1)، جس طرح حضرت ابن مسعود اور دوسرے راویوں کی حدیث میں ہے۔

حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ انہوں نے مدائن میں خطبہ دیا فرمایا: خبردار! قیامت قریب آچکی ہے اور چاند نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں پھٹ چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی۔ انشق القمر واقتربت الساعۃ؛ یہ ابن کیسان کا قول ہے۔ فراء کا یہ قول گزر چکا ہے جب دو فعل معنی میں قریب قریب ہوں تو تجھے ان میں تقدیم و تاخیر کا حق ہوتا ہے یہی قاعدہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں جاری ہوتا ہے: ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿۸﴾ (النجم)

وَ اِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے چاند کو پھٹتے ہوئے دیکھا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مشرکین رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوئے انہوں نے کہا اگر آپ سچے ہیں تو چاند کو دو حصوں میں پھاڑ دو۔ اس کا نصف ابی قبیس پر ہو اور نصف قعیقعان پر ہو(2)۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: "اگر میں ایسا کر دوں تو تم ایمان لے آؤ گے"۔ انہوں نے کہا: ہاں۔ چودھویں کی رات تھی رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے سوال کیا کہ انہوں نے جو مطالبہ کیا وہ عطا فرما دے تو چاند دو حصوں میں پھٹ گیا۔ اور رسول اللہ ﷺ مشرکوں کو ندا دے رہے تھے: "اے فلاں! اے فلاں! گواہ رہنا"۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چاند پھٹ گیا(3)۔ قریش نے کہا: یہ ابن ابی کبشہ کا جادو ہے اس نے تم پر جادو کر دیا ہے اپنے قافلوں سے پوچھو۔ انہوں نے قافلہ والوں سے پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا: ہم نے چاند کو پھٹا ہوا دیکھا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ مراد ہے اگر وہ کوئی ایسی آیت دیکھیں جو حضرت محمد ﷺ کی صداقت پر دلیل ہو تو وہ ایمان لانے سے اعراض کر لیتے ہیں۔

وَ یَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿۲﴾ وہ کہتے ہیں: یہ ایسا جادو ہے جو ختم ہو جانے والا ہے۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے مر الشئ واستمر جب وہ ختم ہو جائے؛ یہ حضرت انس، قتادہ، مجاہد، فراء، کسائی اور ابو عبیدہ کا قول ہے؛ نحاس نے اسے پسند کیا ہے۔ ابو العالیہ اور ضحاک نے کہا: وہ محکم، قوی اور شدید ہے۔ یہ مرۃ سے مشتق ہے جس کا معنی قوت ہے۔

اخفش نے کہا: یہ امرار الحبل سے ماخوذ ہے جس کا معنی سختی سے باٹنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے کڑوا۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر قولہ وانشق القمر، جلد 2، صفحہ 722 (معناً)

2۔ زاد المسیر، جلد 7، صفحہ 290

3۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 100

یہ مرارۃ سے ماخوذ ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے أمر الشیء صار مرا(1) اسی طرح یہ ہے مرا الشئ یمر مرارۃ فھو مرا مرۃ غیرہ و مرزہ۔ ربیع نے کہا: مُّسْتَمِرٌّ کا معنی ہے نافذ۔ یمان نے کہا: معنی ہے گزر جانے والا۔ ابوعبیدہ نے کہا: معنی ہے باطل۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے ہمیشہ رہنے والا؛ اسی معنی میں مصرعہ میں یہ لفظ ہے

ولیس علی شیء قویم بمستمر

یعنی کوئی چیز دائمی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان میں سے بعض بعض کے مشابہ ہے یعنی (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے افعال اسی طریقہ پر جاری وساری ہیں۔ وہ کوئی ایسی چیز نہیں لاتے جس کی کوئی حقیقت ہو بلکہ سب تخیلات ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ زمین سے آسمان تک جا پہنچا ہے۔

وَ كَذَّبُوْا وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ انہوں نے ہمارے نبی کو جھٹلایا اور اپنی گمراہیوں اور پسندیدہ چیزوں کی اتباع کی۔ وَ كُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝ یعنی ہر عامل کے ساتھ اس کا عمل برقرار ہوگا بھلائی، بھلائی کرنے والے کے ساتھ جنت میں ثابت ہوگی اور شر شر کرنے والے کے ساتھ جہنم میں قائم ہوگی۔

شیبہ نے قاف کے فتحہ کے ساتھ مستقر پڑھا ہے یعنی ہر شی کا وقت ہے جس میں بغیر تقدیم وتاخیر کے واقع ہوگا۔ ابوجعفر قعقاع سے مروی ہے۔ وکل أمر مستقر یعنی قاف اور راء مکسور ہے۔ اسے امر کی نعت بنایا ہے اس تعبیر کی بنا پر کل مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع اور خبر محذوف ہو۔ گویا فرمایا: ہر امر جوام الکتاب میں ثبت ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ الساعۃ پر عطف کی وجہ سے مرفوع ہو۔ معنی ہوگا قیامت اور ہر ثابت شدہ امر قریب آ گیا ہے یعنی قیامت کے روز امور کا استقرار قریب آ گیا ہے۔ جس نے اسے رفع دیا ہے اس نے اسے کل کی خبر بنایا ہے۔

وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ یہاں مِّنَ بعضیہ ہے اللہ تعالیٰ نے خبروں میں سے ان کا ذکر کیا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ اس کے محتاج ہوں گے اور ان کے لیے اس میں شفاء ہے وہاں اس سے بھی زیادہ امور تھے۔ ہمارے اوپر ان کو ہی بیان کیا گیا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ہمیں اس کی حاجت ہے اور باقی سے خاموشی اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مقصود ہے۔ یعنی ان کفار تک سابقہ امتوں کی خبریں پہنچیں۔ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝ جو انہیں کفر سے جھڑ کنے والی ہے اگر وہ اس کو قبول کریں۔ یہ اصل میں مزتجر تھا اس کی تاء کو دال سے بدل دیا۔ کیونکہ تاء حرف مہموس ہے اور زاء حرف مجہور ہے تاء کو دال سے بدل دیا کیونکہ یہ مخرج میں اس کے موافق ہے اور جہر میں زاء کے موافق ہے مُزْدَجَرٌ یہ زجر سے مشتق ہے جس کا معنی رک جانا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: زجرہ أز دجرہ فانزجر وأزدجر، زجرتہ أنا فانزجر یعنی میں نے اسے روکا تو وہ رک گیا۔ جس طرح شاعر نے کہا اور یہ لفظ سابقہ معنی میں مستعمل ہے:

فأصبح ما یطلبُ الغانیا ت مُزْدَجَر عن ھواہ ازدجارا

اسے مزدجرٌ پڑھا گیا ہے تاء افتعال کو زاء سے بدلا اور زاء کو اس میں ادغام کر دیا؛ یہ زمخشری نے بیان کیا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 410

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ مراد قرآن حکیم ہے یہ فاء سے بدل ہے جو مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ میں منقول ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہو، یعنی ھو حکمۃ۔ **فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝** جب انہوں نے جھٹلایا اور مخالفت کی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝** (یونس) ما نافیہ ہے یعنی انہیں نذر کچھ نفع نہ دیں گے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ما استفہامیہ ہو اور یہ توبیخ کے لیے ہو، یعنی انہیں نذر کیا نفع دے گی جب کہ وہ اعراض کرنے والے ہوں۔ النُّذُرُ کے بارے میں یہ جائز ہے کہ وہ انذار کے معنی میں ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ نذیر کی جمع ہے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ان سے اعراض کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کلام کا تتمہ ہے پھر فرمایا: **يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ** یوم میں عامل یخرجون یا خشعا ہے یا ایسا فعل ہے جو مضمر ہے تقدیر کلام یہ ہے واذکر یوم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں حرف فاء محذوف ہے اور وہ بھی جس میں اس نے عمل کیا یعنی جواب امر۔ تقدیر کلام یہ ہوگی فتول عنھم فان لھم یوم یدعو الداعی۔ ایک قول یہ کیا گیا: اے محمد! ان سے اعراض کیجئے آپ نے حجت قائم کردی اور جس دن داعی بلائے گا اس دن انہیں دیکھو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کے روز ان سے اعراض کیجئے ان کے بارے اور ان کے احوال کے بارے میں سوال نہ کیجئے کیونکہ انہیں شدید عذاب کی طرف دعوت دی گئی ہے معاملہ اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: لا تسال عما جری علی فلان إذا أخبرته بأمر عظیم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر امر قرار پذیر ہوگا جب دعوت دینے والا دعوت دے گا۔

اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝ ابن کثیر نے کاف کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے باقی نے کاف کو ضمہ دیا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح عُسُر اور عُسْر، شُغُل اور شُغْل۔ اس کا معنی ہے ایسا امر جو خوفناک اور عظیم ہوگا مراد یوم قیامت ہے داعی سے مراد حضرت اسرافیل علیہ السلام ہے۔ مجاہد اور قتادہ سے مروی ہے کہ دونوں نے پڑھا الی شیٔ نکر یعنی کاف کو کسرہ اور راء کو فتحہ دیا یعنی فعل مجہول ہے۔

خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ بصر میں خشوع سے مراد عاجزی اور ذلت ہے خشوع کو ابصار کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ عزت اور ذلت کا اثر انسان کی آنکھ سے ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝** (النازعات) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ** (الشوری: 45)

یہ کہا جاتا ہے: خشع و اختشع جب وہ ذلیل ہو جائے، خشع ببصرہ جب وہ آنکھ کو بند کر دے۔ حمزہ، کسائی اور ابو عمرو نے خاشعا پڑھا ہے اسم فاعل میں یہ جائز ہے کہ جب فاعل جماعت ہو اور اسم فاعل اس سے پہلے ہو تو اسے واحد ذکر کیا جائے جس طرح **خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ** ہے اس کو مؤنث بھی لا سکتے ہیں جس طرح خاشعة أبصارھم اسم فاعل کے صیغہ کو جمع ذکر کرنا بھی جائز ہے جس طرح **خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ** ہے۔ شاعر نے کہا:

وَشَبابٍ حَسَنٍ أوجُهُهم مِنْ إيادِ بنِ نِزارِ بنِ مَعَد(1)

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 261

یہاں محل استدلال حسن أدجھھم ہے خشعا یہ خاشع کی جمع ہے۔ اس کو نصب حال ہونے کی وجہ سے دی گئی ہے کیونکہ یہ عنھم کی ضمیر سے حال ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر عنھم پر عطف قبیح ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ یخرجون کی ضمیر سے حال ہو تو اس صورت میں عنھم پر وقف کیا جاسکتا ہے۔ اسے خشع أبصارھم بھی پڑھا اس وقت یہ مبتدا اور خبر ہوں گے جملہ حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہوگا جس طرح یہ جملہ ہے:

وجدتہ حاضراہ الجود والکرم

میں نے اسے اس حال میں پایا کہ جود و کرم دونوں اس کے پاس حاضر تھے۔ محل استدلال حاضراہ الجود والکرم ہے۔

یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ، اجداث سے مراد قبریں ہیں اس کا واحد جدث ہے کَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ایک دوسرے موقع پر فرمایا: یَوْمَ یَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝ (القارعہ) یہ دونوں مختلف اوقات میں اس کی صفات ہیں (۱) قبروں سے نکلتے وقت وہ گھبرا کر نکلیں گے انہیں کچھ پتہ نہ ہوگا کہ کدھر جائیں ان میں سے بعض بعض میں داخل ہوں گے اس وقت وہ بکھری ہوئی پتنگوں کی طرح ہوں گے بعض بعض میں ہوں گے ان کی کوئی جہت نہ ہوگی جس کا وہ قصد کریں (۲) جب وہ منادی کو سنیں گے تو وہ منتشر ٹڈی دل کی طرح ہوں گے کیونکہ ٹڈی کی کوئی جہت نہیں ہوتی جس کا وہ قصد کرے۔ مُّهْطِعِيْنَ کا معنی ہے وہ جلدی کر رہے ہوں گے؛ یہ ابو عبیدہ کا قول ہے؛ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

بدِجْلَةَ دَارُهُمْ ولقد أراهم بدِجلة مُهْطِعِينَ إلى السَّماعِ(1)

دجلہ میں ان کا گھر ہے میں انہیں دجلہ میں دیکھتا ہوں کہ وہ آواز کی طرف جلدی کر رہے ہیں۔

ضحاک نے کہا: معنی ہے وہ متوجہ ہوں گے۔ قتادہ نے کہا: وہ قصد کر رہے ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ دیکھ رہے ہوں گے۔ عکرمہ نے کہا: وہ اپنے کانوں کو آواز کی طرف کھولے ہوں گے۔ سب کا معنی قریب قریب ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے ھطع الرجل یھطع ھطوعا جب وہ اپنی آنکھ کے ساتھ کسی چیز کی طرف متوجہ ہو اس سے توجہ نہ ہٹائے اھطع جب اپنی گردن لمبی کرے اور سر کو نیچے کیا۔ شاعر نے کہا:

دِبنَمْرِبنُ سَعْدٍ لِی مُطِیْعٌ و مُھْطِعُ

نمر بن سعد میرا مطیع ہے اور سر جھکائے ہوئے ہے۔

بعیر مُھْطِع اس کی گردن میں پیدائشی جھکاؤ ہے۔ أھطع فی عَدْوِہٖ اس نے دوڑ میں تیزی کی۔ یَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا یَوْمٌ عَسِرٌ ۝ مراد یوم قیامت ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَ قَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّ ازْدُجِرَ ۝ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝ فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝ وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝ وَ حَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّ دُسُرٍ ۝ تَجْرِیْ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 411

بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝ وَ لَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ۝ وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝

”جھٹلایا ان سے پہلے قوم نوح نے یعنی انہوں نے جھٹلایا ہمارے بندے کو اور کہا یہ دیوانہ ہے اور اسے جھڑ کا بھی گیا ہے۔ آخر کار آپ نے دعا مانگی اپنے رب سے کہ میں عاجز آ گیا ہوں پس تو (ان سے) بدلہ لے۔ پھر ہم نے کھول دیئے آسمان کے دروازے موسلا دھار بارش کے ساتھ اور جاری کر دیا ہم نے زمین سے چشموں کو پھر دونوں پانی مل گئے ایک مقصد کے لیے جو پہلے مقرر ہو چکا تھا، اور ہم نے سوار کر دیا نوح کو تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر وہ بھی جاری تھی ہماری آنکھوں کے سامنے (یہ طوفان) بدلہ تھا اس (نبی) کا جس کا انکار کیا گیا تھا۔ اور ہم نے باقی رکھا اس (قصہ) کو بطور (نشانی) پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔ سو کیسا (خوفناک) تھا میرا عذاب اور (کتنے سچے تھے) میرے ڈراوے۔ اور بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا“۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ سابقہ قوموں کے کچھ واقعات کا ذکر کیا مقصود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانوس کرنا اور تسلی دینا تھا۔ **قَبْلَهُمْ** سے مراد آپ کی قوم سے پہلے۔

فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا، عبد سے مراد حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ زمخشری نے کہا: اگر تو سوال کرے کہ کذبت کے بعد کذبوا کا کیا معنی ہے؟ تو میں اس کا جواب دوں گا: اس کا معنی ہے کذبوا فکذبوا عبدنا انہوں نے جھٹلانے کے بعد جھٹلایا۔ جب کبھی بھی جھٹلانے والی ایک قوم گزری اس کے بعد دوسری قوم آ گئی یا معنی ہے قوم نوح نے رسولوں کو جھٹلایا تو ہمارے بندے کو بھی جھٹلایا یعنی جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ وہ سرے سے نبوت کا انکار کرتے تھے تو انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھی جھٹلایا کیونکہ وہ بھی رسولوں میں سے تھے۔

وَ قَالُوْا مَجْنُوْنٌ تقدیر کلام یہ ہے ھو مجنون۔ **وَّ ازْدُجِرَ** انہیں نبوت کا دعویٰ کرنے سے جھڑ کا گیا کبھی گالیاں دی گئیں اور کبھی قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے أزْدُجِر پڑھا گیا ہے یعنی یہ مجہول کا صیغہ ہے کیونکہ یہ آیت کا سرا ہے۔

فَدَعَا رَبَّهٗٓ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے خلاف بد دعا کی اور عرض کی: **اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ** وہ اپنی سرکشی کی وجہ سے مجھ پر غالب آ گئے ہیں۔ **فَانْتَصِرْ** ۝ میری مدد فرما۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انبیاء اپنی قوموں کے خلاف ہلاکت کی بد دعا نہیں کیا کرتے تھے مگر اس وقت جب اللہ تعالیٰ انہیں اجازت دیتا۔ **فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ** یعنی ہم نے ان کی دعا کو قبول کر لیا، ہم نے کشتی بنانے کا حکم دیا اور آسمان کے دروازے کھول دیئے اور ماء منھمر سے مراد زیادہ پانی ہے۔ شاعر نے کہا:

أعينيّ جُودَا بالدُّموعِ الهَوَامِرِ علی خیرِ بادٍ من مَعَدٍّ و حاضِرِ(1)

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 412

اے میری دونوں آنکھو! کثیر آنسو بہاؤ معد میں سے ہلاک ہونے والوں اور ان میں سے موجود افراد میں سے بہترین پر۔
ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی بہنے والا، اچھلنے والا ہے۔ اس معنی میں امرء القیس کا شعر ہے وہ بارش کی صفت بیان کرتا ہے:

رَاحَ تَمْرِیهِ الصِّبَا ثم انتَحَی فیه شُؤْبُوبُ جَنُوبٍ مُنْهَمِرْ(1)

محل استدلال جنوب منہمر ہے۔

الھمر کا معنی بہانا ہے یہ جملہ بولتے ہیں: قد ھمر الماء والدمع یھمر ھمرا اس نے پانی اور آنسو بہائے۔ ھمر کا یہ معنی بھی ہے جب وہ زیادہ گفتگو کرے اور تیز گفتگو کرے ھمرلہ من مالہ جب وہ اسے عطا کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے ہم نے بادل کے بغیر آسمان کے دروازے تیز بہنے والے پانی سے کھول دیئے پھر چالیس دن تک بارش ختم نہ ہوئی۔ ابن عامر اور یعقوب نے ففتحنا پڑھا ہے یعنی تاء مشدد ہے یہ معنی کی کثرت پر دال ہے۔ باقی نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ پھر یہ قول کیا گیا ہے: اس نے آسمان کے پھاٹک اور کھلے راستوں کو کھول دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کہکشاں ہے یہ آسمان کا کھلا راستہ ہے اسی جگہ سے اسے کثیر بہنے والے پانی کے ساتھ کھولا گیا (2)؛ یہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا عبید بن عمیر نے کہا: اللہ تعالیٰ نے زمین کی طرف وحی کی کہ وہ پانی نکالے تو وہ چشموں کے ساتھ کھل گئی ایک چشمہ نے تاخیر کی تو اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوا تو اس کا پانی قیامت تک شدید کڑوا بنا دیا گیا۔

فَالْتَقَى الْمَآءُ یعنی آسمان کا پانی اور زمین کا پانی مل گئے۔ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۞ ایک مقدار پر ان میں سے ایک دوسرے پر زائد نہیں (3)؛ اسے ابن قتیبہ نے بیان کیا ہے یعنی آسمان و زمین کا پانی برابر تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قدر کا معنی ہے ان پر فیصلہ کر دیا گیا۔ قتادہ نے کہا: جب انہوں نے کفر کیا تو ان کے بارے میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ انہیں غرق کر دیا جائے۔ محمد بن کعب نے کہا روزی جسموں سے پہلے تھی اور فیصلہ آزمائش سے پہلے تھا اور یہ آیت تلاوت کی کہا فَالْتَقَى الْمَآءُ، التقاء دو یا زائد چیزوں میں ہوتا ہے کیونکہ پانی جمع بھی ہوتا ہے اور واحد بھی ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ جب وہ دونوں جمع ہوئے تو ایک پانی بن گیا۔ جحدری نے کہا: دونوں پانی جمع ہوئے۔ حضرت حسن بصری نے پڑھا فالتقی الماوان۔ یہ عام طریقہ کے خلاف ہے۔ قشیری نے کہا: بعض مصاحف میں فالتقی الماوان ہے یہ بنوطی کی لغت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: آسمان کا پانی برف کی طرح ٹھنڈا تھا اور زمین کا پانی گرم تھا جس طرح کھولتا ہوا پانی ہوتا ہے۔

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ یعنی ایسی کشتی پر جو تختوں والی تھی۔

وَّدُسُرٍ ۞ قتادہ نے کہا: مراد ایسے کیل ہیں جن کے ساتھ کشتی کو باندھا گیا؛ یہ قول قرظی، ابن زید اور ابن جبیر نے کیا، والبی نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ حسن بصری، شہر بن حوشب اور عکرمہ نے کہا: یہ کشتی کا اگلا حصہ ہوتا ہے جس کے ساتھ موج ٹکراتی ہے۔ اسے دسر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ پانی کو دھکیلتی ہے۔ دسر کا معنی دھکیلنا ہے۔ عوفی نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دسر سے مراد کشتی کا سینہ ہے۔ لیث نے کہا: دسار چھال کا ایسا رسا ہے جس کے ساتھ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 412 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

کشتی کے تختوں کو باندھا جاتا ہے۔ صحاح میں ہے: دسار یہ دسر کا واحد ہے۔ یہ ایسی رسیاں ہیں جن کے ساتھ کشتی کے تختوں کو باندھا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اس سے مراد کیل ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ، دُسُر بھی عُسُر عُسُر کی طرح ہے دسر کا معنی دھکیلنا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عنبر کے بارے میں کہا: انما هوشئ يدسره البحر دسرا وہ ایسی چیز ہے جسے سمندر باہر پھینک دیتا ہے۔ دسره بالرمح نیزے کے ساتھ پرے دھکیلا۔ رجل مدسر۔ تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ ہمارے حکم سے چلتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہماری حفاظت میں چلتی ہے۔ سورۂ ہود میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ اس معنی میں لوگوں کا قول ہے اس آدمی کے بارے میں جس کو الوداع کہا گیا ہو: عين الله عليك اللہ تیری حفاظت فرمائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہماری مرضی کے مطابق چلتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان چشموں کے ساتھ چلتی ہے جو زمین سے پھوٹتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرشتوں میں سے ہمارے اولیاء کی نگرانی میں چلتی ہے جو اس کی حفاظت پر مامور ہیں (1)۔ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو بھی پیدا کیا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کرنا ممکن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہمارے اولیاء کے ذریعے چلتی ہے جس طرح حدیث میں ہے: مرض عينٌ من عيوننا فلم تعده ہمارے دوستوں میں سے ایک بیمار ہو گیا تو تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔

جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝ یعنی ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے صبر کی جزا بنا دیا جو انہوں نے اپنی قوم کی اذیتوں پر کیا تھا۔ لِمَنْ میں لام مفعول لہ کا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: كُفِرَ کا معنی ہے انکار کیا گیا۔ من یہ حضرت نوح علیہ السلام سے کنایہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے کنایہ ہے اور جزا عقاب کے معنی میں ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کا جو انکار کیا ہے اس کی جزا ہے۔ یزید بن رومان، قتادہ، مجاہد اور حمید نے کہا: جزاء لمن كان كَفَرَ یعنی کاف اور فاء مفتوح ہیں معنی ہے غرق اللہ تعالیٰ کے انکار کی جزا اور عقاب تھی۔ عوج بن عنق کے علاوہ کوئی بھی غرق ہونے سے نجات پانے والا نہ ہوا۔ پانی اس کے نیفہ تک تھا اس کی نجات کا سبب یہ بنا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کے لیے ساگوان کی لکڑی کی ضرورت تھی مگر اس کو اٹھا کر لانا ممکن نہ تھا عوج وہ لکڑی شام سے اٹھا کر لایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے عمل کو قبول کیا اور اسے غرق ہونے سے نجات دی۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً اس عمل سے عبرت دلانا مقصود تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کشتی کے بارے میں ارادہ کیا کہ اسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد بطور نشانی چھوڑیں جس سے وہ عبرت حاصل کریں تو وہ رسولوں کو نہ جھٹلائیں۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے جزیرہ کے علاقہ میں باقردی کے مقام پر عبرت اور نشانی کے طور پر چھوڑا یہاں تک کہ اس وقت کے اولین لوگوں نے اسے دیکھا (2)۔ کتنی ہی کشتیاں اس کے بعد ہوئیں جو راکھ ہو گئیں (3)۔ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا اور ڈرنے والا۔ یہ اصل میں مذتکر تھا جو ذکر سے مفتعل کے وزن پر ہے یہ لفظ زبانوں پر ثقیل تھا اس کی تاء کو دال سے بدل دیا کیونکہ جہری میں یہ ذال کے موافق ہے اور ذال کو اس میں مدغم کر دیا گیا۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ ۝ یعنی میرا ڈرانا کیسا تھا۔ فراء نے کہا: انذار اور نذر دونوں مصدر ہیں (4)۔ ایک قول یہ کیا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 413
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 263
3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 415
4۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 263

گیا ہے: نذر، نذیر کی جمع ہے اور نذیر، انذار کے معنی میں ہے جس طرح نکیر، انکار کے معنی میں ہے۔

وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ یعنی ہم نے اسے سہل کر دیا ہے اور جس نے بھی اس کے حفظ کا ارادہ کیا ہم نے اس کی مدد کی کیا کوئی اس کے حفظ کا خواہش مند ہے تو اس کی مدد کی جائے۔ یہ بھی جائز ہے کہ معنی ہو ہم نے اسے یاد کرنے کے لیے تیار کیا۔ یہ ماخوذ ہے یسرناقتہ للسفر جب وہ سفر کرے اور اپنا گھوڑا جنگ کے لیے تیار کرے جب وہ اس پر زین ڈالے اور اسے لگام پہنائے، کہا:

قُمْتُ إِلَيهِ بِاللِّجَامِ مُيَسِّرًا

میں اس کی طرف لگام کے ساتھ اٹھا اس کو تیار کرتے ہوئے۔

سعید بن جبیر نے کہا: قرآن کے سوا اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے کوئی بھی ایسی کتاب نہیں جس کو مکمل پڑھا جاتا ہو(1)۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ بنی اسرائیل کے لیے نہیں وہ تورات کو صرف دیکھ کر پڑھا کرتے تھے صرف حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت یوشع بن نون اور حضرت عزیر علیہم السلام۔ اس وجہ سے بنی اسرائیل حضرت عزیر کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہوئے جب تورات کے جل جانے کے بعد انہوں نے حافظہ سے کتاب لکھی تھی جس کی وضاحت سورۂ براءت میں گزر چکی ہے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر اس کتاب (قرآن) کو یاد کرنا آسان کر دیا تا کہ وہ یاد کریں۔ اس میں افتعال یہ ہے کہ یہ ان میں داخل ہو کر اثر کرے یہاں تک کہ وہ چیز ذات کی طرح ہو جائے اور ان میں مل جانے کی طرح ہو جائے۔

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۞ کیا کوئی ایسا قاری ہے جو اسے پڑھے۔ ابو بکر وراق اور ابن شوذب نے کہا: کیا کوئی خیر اور علم کا طالب ہے کہ اس کی مدد کی جائے؟ اس صورت میں تنبیہ اور افہام کے لیے اسے مکرر ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں اس امت پر امتوں کی خبریں اور مرسلین کے قصے اور ان کی امتوں نے ان کے ساتھ جو معاملہ کیا اور ان کے امور اور مرسلین کے امور کا جو انجام ہوا اسے بیان کیا۔ ہر قصہ اور خبر میں سننے والے کے لیے نصیحت ہے اگر وہ نصیحت حاصل کرے۔ ہر قصہ کے ذکر کے وقت اسی آیت فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۞ کو مکرر ذکر کیا، کیونکہ هل کلمہ استفہام ہے هل میں لام استعراض کے لیے اور ھا استخراج کے لیے ہے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَ نُذُرِ ۞ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۞ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۞ فَكَیْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَ نُذُرِ ۞ وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۞

''عاد نے بھی جھٹلایا تھا پھر کیسا (خوفناک) تھا میرا عذاب اور میرے ڈراوے۔ ہم نے ان پر تند و تیز آندھی بھیجی ایک دائمی نحوست کے دن میں وہ اکھاڑ کر پھینک دیتی لوگوں کو گویا وہ منڈھ ہیں کھڑی ہوئی کھجور کے۔ پس کیسا (سخت) تھا میرا عذاب اور (کتنے سچے تھے) میرے ڈراوے۔ بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 263

نصیحت پذیری کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا''۔

كَذَّبَتْ عَادٌ عاد حضرت ہود علیہ السلام کی قوم ہے۔ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَ نُذُرِ ۞ اس صورت میں نذر کا لفظ چھ مقامات پر آیا ہے تمام مصاحف میں اس کا یاء محذوف ہے۔ یعقوب نے اسے دونوں حالتوں میں ثابت کر کے پڑھا ہے ورش نے وصل میں ثابت رکھا ہے دوسری صورت میں ثابت نہیں رکھا، باقی قراء نے اسے حذف کیا ہے فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ میں راء کے حذف میں کوئی اختلاف نہیں اسی طرح یدع کی واؤ کے حذف میں کوئی اختلاف نہیں۔ جہاں تک پہلے الداع میں یاء ہے ابن محیصن، یعقوب، حمید اور بزی نے دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے، ابو عمرو اور نافع نے وصل میں اسے ثابت رکھا ہے اور باقی قراء نے اسے حذف کیا ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا، صَرْصَرًا سے مراد سخت ٹھنڈی (1)؛ یہ قتادہ اور ضحاک کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سخت آواز۔ حم سجدہ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۞ یعنی ایسے دن میں جو ان پر منحوس تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ مہینے کے آخری بدھ کو عذاب آیا جس نے ان کے چھوٹے اور بڑے کو فنا کر دیا۔ ہارون اعور نے کہا: نَحِسٍ حاء کے کسرہ کے ساتھ ہے اس بارے میں قول حم سجدہ آیت 16 فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ گزر چکا ہے۔

فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۞ یعنی دائمی نحوست والا جو اپنی نحوست کی وجہ سے ان پر کڑوا ہو گیا اس میں ان پر عذاب ہلاکت تک جاری رہا۔ ایک قول یہ کیا گیا: نار جہنم تک ان پر جاری رہا۔ ضحاک نے کہا: وہ عذاب ان پر کڑوا تھا (2)؛ اسی طرح کسائی نے حکایت بیان کی ہے کہ ایک قوم نے کہا: یہ مرارۃ سے مشتق ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے مرّ الشیٔ وأمرّ یعنی وہ کڑوی شی کی طرح ہو گیا جسے لوگ ناپسند کرتے ہیں۔ تحقیق فرمایا: فذوقوا جسے چکھا جاتا ہے وہ کبھی کڑوا ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مرۃ سے مشتق ہے جس کا معنی قوت ہے یعنی ایسے دن میں جو منحوس ہے جس کی نحوست بڑی مستحکم ہے جس طرح وہ چیز ہو جس کی بٹائی بڑی مضبوط ہو جس کے کھولنے کی کسی کو طاقت نہ ہو۔ اگر یہ کہا جائے: جب بدھ کا دن منحوس دن تھا جس کی نحوست بڑی مضبوط تھی تو اس میں دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ جب کہ یہ روایت آئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا اس دن میں ظہر اور عصر کے درمیان قبول ہوئی (3)۔ حضرت جابر کی حدیث سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس کا جواب وہ ہے جو اس خبر میں آیا ہے جسے مسروق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ''جبرئیل امین میرے پاس آئے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ قسم کے ساتھ ایک گواہ کے ہوتے ہوئے فیصلہ کر دیں اور کہا: بدھ کا دن منحوس دن ہے جس کی نحوست بڑی مضبوط ہے'' یہ بات تو معلوم ہے کہ اس سے یہ ارادہ نہیں کیا کہ یہ صالحین پر منحوس ہے بلکہ یہ ارادہ کیا ہے کہ فجار اور مفسدین پر منحوس ہے جس طرح قرآن میں منحوس ایام کا ذکر ہے وہ قوم عاد کے کفار پر منحوس تھے ان کے نبی اور مومنوں پر منحوس نہیں تھے۔ جب معاملہ اس طرح ہے تو یہ کوئی بعید نہیں کہ ظالموں کو بدھ کے پہلے سے لے کر سورج ڈھلنے تک مہلت دی جاے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 414 2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 93 3۔ مجمع الزوائد، جلد 3، صفحہ 684، حدیث 5901

جب پچھلا پہر ہو جائے اور اس کی جانب سے رجوع ثابت نہ ہو تو مظلوم کی اس کے بارے میں بددعا قبول ہو جاتی ہے تو وہ دن ظالم پر منحوس ہو جاتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا بھی کفار کے بارے میں ہوتی تھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول لم ینزل بی أمر عظیم (1) جو ان کی حدیث میں ہے اسی امر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

تَنْزِعُ النَّاسَ یہ ریح کی صفت کے محل میں ہے یعنی وہ ہوا انہیں ان کی جگہوں سے اٹھالیتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہوا نے انہیں ان کے قدموں کے نیچے سے اس طرح اٹھالیا جس طرح کھجور کو اس کی جڑ سے اکھاڑ دیا جاتا ہے۔ مجاہد نے کہا: وہ ہوا انہیں زمین سے اٹھاتی انہیں سر کے بل گراتی ان کی گردنیں پس جاتیں اور ان کے سر ان کے جسموں سے الگ ہو جاتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہوا لوگوں کو ان کے گھروں سے نکالتی۔ محمد بن کعب نے اپنے باپ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہوا نے لوگوں کو ان کی قبروں سے نکال لیا''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے گڑھے کھودے اور ان میں داخل ہو گئے ہوا انہیں وہاں سے نکالتی اور ریزہ ریزہ کر دیتی تو وہ گڑھایوں رہ جاتا گویا وہ کھجوروں کے مُڈھ ہیں کہ ان میں جو کچھ تھا ہلاک ہو گیا ہے اور ان کی جگہیں خالی باقی رہ گئی ہیں۔

یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ ان میں سے سات افراد نے گڑھے کھودے اور ان میں کھڑے ہو گئے تا کہ ہوا کا مقابلہ کر سکیں۔ ابن اسحاق نے کہا: جب ہوا نے شدت اختیار کی تو عاد کے سات افراد اٹھے ان میں سے چھ کے نام ہمارے سامنے ذکر کیے گئے جو قوم عاد کے سب سے قوی اور جسیم تھے ان میں عمرو بن علی، حرث بن شداد، ہلقام، تقن کے دو بیٹے اور خلجان بن سعد انہوں نے اپنے خاندانوں کو دو پہاڑوں کی گھاٹی میں داخل کر دیا پھر گھاٹی کے دروازے پر صف بنائی تا کہ ہوا کو ان سے روک لیں جو گھاٹی میں ان کے بال بچے موجود ہیں ہوا نے ان میں سے ایک ایک کو گرانا شروع کر دیا تو عاد کی ایک عورت نے ان کے بارے میں یہ کہا:

ذھبَ الدھرُ بعمرٍو بن حلیٍ والھنیات (2)

ثم بالحرث والھِلْقامِ طلّاعِ الثنیات

والذی سدّ مھبّ الریح أیام البلیات

زمانہ نے عمرو بن حلی، ہنیات پھر حرث اور ہلقام کو ہلاک کر دیا جو ثنیات پر کھڑے تھے اور جس نے آزمائش کے دنوں میں ہوا کی گزرگاہ کو بند کر دیا تھا۔

طبری نے کہا: کلام میں حذف ہے معنی ہے وہ لوگوں کو اٹھاتی ہے اور انہیں یوں چھوڑتی ہے گویا وہ کھجور کے ایسے تنے ہیں جنہیں ان کی جڑوں سے اکھیڑ لیا گیا ہے کاف محذوف عامل کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ زجاج نے کہا: کاف محل نصب میں ہے اور حال ہے معنی ہے وہ لوگوں کو اٹھاتی ہے جو کھجور کے تنوں کے مشابہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تشبیہ ان گڑھوں کی وجہ سے تھی جس میں وہ تھے۔ اعجاز یہ عجز کی جمع ہے۔ اس سے مراد شی کا آخری حصہ ہے قوم عاد کے لوگ طویل قد ہونے کے ساتھ

1۔ مجمع الزوائد، جلد 3، صفحہ 684، حدیث 5901

2۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 115

موصوف تھے، انہیں ان کھجور کے درختوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی جو اپنے منہ کے بل گر پڑتے ہیں فرمایا: اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝ لفظ نخل کا اعتبار کرتے ہوئے مُّنْقَعِرٍ کہا گیا یہ ایسی جمع سے تعلق رکھتا ہے جو مذکر و مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ مُّنْقَعِرٍ سے مراد ہے جس کو اس کی جڑ سے اکھیڑ لیا گیا ہو۔ قعرت الشجرۃ قعرا میں نے اسے جڑ سے اکھیڑا تو وہ اکھڑ گیا۔ کسائی نے کہا: قعرت البئر یعنی میں اس میں اترا یہاں تک کہ میں اس کی گہرائی تک جا پہنچا؛ اسی سے قعرت الاناء یعنی اس برتن میں جو کچھ تھا میں نے اسے پیا یہاں تک کہ میں اس کی گہرائی تک پہنچ گیا۔ اقعرت البئر میں نے اسے گہرا کیا۔ ابوبکر بن انبار نے کہا: مبرد سے اسماعیل قاضی کی موجودگی میں جن ہزار مسئلوں کے بارے میں پوچھا گیا یہ بھی ان میں سے تھا، انہیں کہا گیا:

اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً (الانبیاء: 81) اور جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ (یونس: 22) میں اور اللہ تعالیٰ کے فرمان كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ (الحاقہ) اور اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝ میں کیا فرق ہے؟ مبرد نے جواب دیا: اس باب سے جب بھی تجھ پر کوئی چیز وارد ہو اگر تو چاہے تو لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے مذکر ضمیر لوٹا دے یا معنی کا اعتبار کرتے ہوئے مونث ضمیر لوٹا دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نخل اور نخیل ایک ہی معنی میں ہیں مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ۝ وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ اس کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ۝ فَقَالُوْۤا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ۝ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ۝

”ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ پھر وہ کہنے لگے کیا ایک انسان جو ہم میں سے ہے اور (اکیلا) ہے ہم اس کی پیروی کریں پھر تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ کیا اتاری گئی ہے وحی اس پر ہم سب میں سے (یہ کیونکر ممکن ہے) بلکہ وہ بڑا جھوٹا شیخی باز ہے۔ کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا شیخی باز ہے“۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ۝ سے مراد حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے جنہوں نے رسولوں اور اپنے نبی کو جھٹلایا یا آیات کو جھٹلایا جو نذر ہیں۔ فَقَالُوْۤا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ کیا ہم اپنے میں سے ایک فرد کی اتباع کریں اور جماعت کو ترک کریں۔ ابو اشہب، ابن سمیقع اور ابو سمال عدوی نے اسے ابشرٌ رفع کے ساتھ پڑھا ہے اسی طرح واحد کو مبتدا ہونے کی حدیث سے مرفوع پڑھا ہے اس کی خبر نَّتَّبِعُهٗ ہے باقی نے نصب دی ہے تقدیر کلام یہ ہوگی انتبع بشرا منا واحدا نتبعہ ابو سمال نے ابشرٌ، منا واحدٌ پڑھا ہے بشر کو رفع فعل مضمر کی وجہ سے دیا ہے جس فعل پر القی دلالت کرتا ہے۔ گویا کہا: اینبا بشر منا اور واحد اس میں یہ جائز ہے کہ یہ منا کی ضمیر سے حال ہو اس کو نصب دینے والی ظرف ہے تقدیر کلام یہ ہوگی اینبا بشر کائن منا منفردا یہ بھی جائز ہے کہ یہ نتبعہ کی ضمیر سے حال ہو، یعنی اس حال میں کہ وہ منفرد ہو اس کا کوئی مددگار نہ ہو اِنَّاۤ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ یعنی صحیح بات سے دور ہوں گے وَّ سُعُرٍ ۝ اس کا معنی جنون ہے عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے ناقۃ مسعورۃ

گویا زیادہ چستی کی وجہ سے مجنون ہے؛ ابن عباس نے اس کا ذکر کیا ہے۔ شاعر اپنی اونٹنی کی تعریف کرتا ہے:

تَخَالُ بها سُعُرًا إذا السَّفْرُ هَزَّهَا　ذَمِيلٌ وايقاعٌ من السَّيْرِ مُتْعِبُ

ذمیل اونٹ کی چال کی ایک صورت ہے۔ ابوعبید نے کہا: جب چال عنق سے بڑھ جائے تو اسے تزید کہتے ہیں جب وہ اس سے بڑھ جائے تو وہ ذمیل ہوتی ہے پھر رسیم ہے۔ یوں باب ذکر کیا جاتا ہے: ذمل یذمُل ویذمِل ذمیلا اصمعی نے کہا: لا یذمل بعیر یوما ولیلة الا مھری۔ مہری اونٹ کے سوا کوئی اونٹ رات اور دن لگاتار ذمیل چال نہیں چل سکتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: السعر کا معنی عذاب ہے (1)؛ یہ فراء کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: حق سے دور۔ سدی نے کہا: اس کا معنی ہے جلنا (2)؛

شاعر نے کہا:

وَمِنَ الْحُبِّ جُنُونٌ مُسْتَعِرٌ

محبت کی وجہ سے ایسا جنون لاحق ہوتا ہے جو بھڑکتا ہے۔

ابوعبید نے کہا: یہ سعیر کی جمع ہے جس کا معنی آگ کی لپک ہے مجنون اونٹ یہاں وہاں جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ گرمی کی وجہ سے وہ جل رہا ہوتا ہے۔ آیت کا معنی ہے بے شک ہم بدبختی اور تھکاوٹ میں ہیں جو ہمیں لازم ہو چکی ہے۔

ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا کیا آل ثمود میں سے اسے رسالت کے لیے خاص کیا گیا ہے جب کہ آل ثمود میں اس سے بڑھ کر مالدار ہیں اور اچھے حال والے ہیں۔ یہاں ہمزہ استفہام کے لیے ہے اور معنی انکار کا دے رہا ہے۔

بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝ یعنی بات اس طرح نہیں جس طرح وہ دعویٰ کرتا ہے بلکہ وہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ بڑا بنے اور وہ بغیر استحقاق ہم پر بڑائی تلاش کرتا ہے الشر کا معنی تکبر، تجبر اور نشاط ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: فرس اَشِر جب وہ سرکش اور چست ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اشر کا معنی سرکش ہے اَشِر، بطر کے معنی میں آتا ہے؛ شاعر نے کہا:

أَشِرْتُمْ بِلُبْسِ الخَزِّ لمّا لَبِسْتُمُ　ومِن قبلُ ماتَدْرُونَ مَنْ فَتَحَ القُرَى (3)

جب تم نے ریشم پہنا تو اسے پہننے کی وجہ سے تم نے تکبر کیا اس سے پہلے تم نہیں جانتے کہ بستیاں کس نے فتح کیں۔

اس کا باب یوں ذکر کیا جاتا ہے قد اَشِر یأشَر أشَرًا فهو أَشِر واَشْرَان وقوم أُشَارَى جس طرح سَكْرَان اور سُكَارَى؛ شاعر نے کہا:

وخَلَتْ وُعُولًا أُشَارَى بها

وہ ان پہاڑی بکروں سے خالی ہو گئی جو اس پر فخر کرتے تھے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس مقام کی طرف تجاوز کرنے والا ہے جس کا وہ مستحق نہیں۔ معنی ایک ہی ہے۔ ابن زید اور

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 264　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 415　3۔ ایضاً

عبدالرحمن بن حماد نے کہا: الاشر اسے کہتے ہیں جس کو جو بات کہی جائے اس کی پرواہ نہ کرے۔ ابو جعفر اور ابو قلابہ نے کہا: اَشَرّ شین کے فتحہ اور راء کی تشدید کے ساتھ ہے یعنی اس کی وجہ سے ہم شریر ہوئے اور خبیث ہوئے۔

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا وہ قیامت کے روز عذاب کو ضرور دیکھیں گے یا معنی ہے دنیا میں ہی جب ان پر عذاب نازل ہوگا تو وہ اسے دیکھیں گے۔ ابن عامر اور حمزہ نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے کہ حضرت صالح انہیں خطاب کریں گے باقی یاء کے ساتھ پڑھیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضرت صالح کو ان کے بارے میں خبر دی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: غدًا لوگوں کی عادت کے طور پر ہے کہ وہ انجام کے قریب ہی وقوع پذیر ہونے کو ظاہر کرنے کے لیے کہتے ہیں: إن مع اليوم غدا۔ شاعر نے کہا:

للموتِ فيها سِهامٌ غير مُخْطِئَةٍ مَنْ لم يكن مَيِّتًا فى اليوم ماتَ غَدًا

اس میں موت کے ایسے تیر ہیں جو خطا نہیں جاتے جو آج نہیں مرے گا کل مر جائے گا۔

مَنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ﴿۲۶﴾ ابو قلابہ نے الاشر پڑھا ہے یعنی شین پر فتحہ اور راء مشدد ہے یہ اپنے اصل پر ہے۔ ابو حاتم نے کہا: عرب اشر اور أخیر ضرورت شعری کے سوا نہیں بولتے جس طرح رؤبہ کا قول ہے:

بِلَالٌ خَيْرُ النَّاس وابنُ الأَخْيَرِ

بلال لوگوں میں سے بہترین ہے اور بہترین کا بیٹا ہے۔

وہ کہتے ہیں: هو خير قومه، هو شر الناس اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران: 110)

فرمایا فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا (مریم: 75)

ابو حیوہ سے شین کے فتحہ اور راء کی تخفیف کے ساتھ مروی ہے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر نے شین کے ضمہ کے ساتھ یہ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ بھی الاشر کے معنی میں ہے اس کی مثل رجل حذِر اور رجل حذُر ہے۔

إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾

''ہم بھیج رہے ہیں ایک اونٹنی ان کی آزمائش کے لیے پس (اے صالح) ان کے انجام کا انتظار کرو اور صبر کرو۔ اور انہیں آگاہ کر دیجئے کہ پانی تقسیم کر دیا گیا ہے ان کے درمیان، سب اپنی اپنی باری پر حاضر ہوں۔ پس ثمودیوں نے بلایا اپنے ایک ساتھی (قذار) کو پس اس نے وار کیا اور (اونٹنی کی) کونچیں کاٹ دیں۔ پھر (معلوم ہے) کیسا تھا میرا عذاب اور میرے ڈراوے۔ ہم نے بھیجی ان پر چنگھاڑ پھر وہ اس طرح ہو کر رہ گئے جیسے روندی ہوئی خار دار باڑ۔ بے شک ہم نے آسان کر دیا قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا''۔

اِنَّا مُرۡسِلُوا النَّاقَةِ ہم اس اونٹنی کو اس پہاڑ سے نکالنے والے ہیں جس سے نکلنے کا انہوں نے سوال کیا تھا۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کی تو جس چٹان کو انہوں نے معین کیا تھا وہ اس اونٹنی کی کہان سے پھٹ گئی تو دس ماہ کی گابھن اونٹنی نکل آئی۔ فِتۡنَةً لَّهُمۡ ان کی آزمائش کے لیے۔ یہ مفعول لہ ہے فَارۡتَقِبۡهُمۡ یعنی جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس کا انتظار کیجئے وَاصۡطَبِرۡ ان کی اذیتوں پر صبر کیجئے اصۡطَبِرۡ میں طاء کی اصل تاء ہے تو یہ طاء سے بدل گئی تا کہ اطباق میں طاء کے موافق ہو جائے۔

وَنَبِّئۡهُمۡ اَنَّ الۡمَآءَ قِسۡمَةٌۢ بَيۡنَهُمۡ انہیں بتادیں کہ پانی آل ثمود اور اونٹنی کے درمیان تقسیم ہے اونٹنی کے لیے ایک دن ہے اور ان کے لیے ایک دن ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَّهَا شِرۡبٌ وَّلَكُمۡ شِرۡبُ يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ (الشعراء) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس دن آل ثمود کی باری ہوتی تو اس دن اونٹنی کچھ پانی بھی نہ پیتی لوگوں کو دودھ دیتی اور وہ نعمتوں میں ہوتے اور جس روز اونٹنی کی باری ہوتی تو سارا پانی پی جاتی ان کے لیے کچھ چیز نہ چھوڑتی۔ بَيۡنَهُمۡ ارشاد فرمایا کیونکہ عرب میں چوپاؤں کے ساتھ انسانوں کے بارے میں خبر دیتے تو انسانوں کو غلبہ دیتے۔ ابو زبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب ہم حجر کی وادی میں اترے (1) جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک کے سفر میں تھے فرمایا: ''اے لوگو! ان آیات کے بارے میں سوال نہ کرو یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہیں انہوں نے اپنے نبی سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایک اونٹنی بھیجے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک اونٹنی بھیج دی وہ اس راستہ سے آئی جس دن اس کی باری ہوتی ان کا سارا پانی پی جاتی اور جس دن باری نہ ہوتی وہ اس اونٹنی سے اتنا ہی دودھ دوہتے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَنَبِّئۡهُمۡ اَنَّ الۡمَآءَ قِسۡمَةٌۢ بَيۡنَهُمۡ کا یہی معنی ہے''۔

كُلُّ شِرۡبٍ مُّحۡتَضَرٌ شِرۡبٍ جب کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی پانی کا حصہ ہے ضرب المثل میں ہے آخرها اقلها شربا اس کا اصل معنی اونٹوں کو پانی پلانا ہے کیونکہ ان کا آخری اونٹ پانی پر وارد ہوتا تو حوض کا پانی ختم ہو چکا ہوتا۔ مُّحۡتَضَرٌ کا معنی ہے اس کے پاس وہی حاضر ہوتا جس کا حق ہوتا۔ اونٹنی اپنی باری کے دن پانی پر حاضر ہوتی اور جس دن آل ثمود کی باری ہوتی اس دن غائب ہو جاتی؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: ثمود پانی پر حاضر ہوتے جس روز اونٹنی کی باری نہ ہوتی تو وہ پانی پیتے اور جس دن اس کی باری ہوتی وہ دودھ پر حاضر ہوتے اور اس کا دودھ دوہتے (2)۔

فَنَادَوۡا صَاحِبَهُمۡ انہوں نے اپنے ساتھی کو بلایا تا کہ اسے اس کی کونچیں کاٹنے پر برانگیختہ کریں۔ فَتَعَاطٰى اس نے اس کی کونچیں کاٹنے کی ذمہ داری قبول کر لی اور اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ تعاطی کا معنی ہے اس فعل کو اپنے ذمہ میں لے لیا۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے عطوت یعنی میں نے اسے لے لیا۔

محمد بن اسحاق نے کہا: وہ اس اونٹنی کے لیے اس کے راستے میں ایک درخت کی جڑ میں چھپ گیا اور اسے تیر مارا اور اس تیر کے ساتھ اس کی پنڈلی کے پٹھے کو چھید دیا پھر تلوار سے اس پر حملہ کیا اور اس کی کونچ کو ظاہر کر دیا وہ اونٹنی گری اور ایک ہی دفعہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 415　　2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 265

بلبلائی اس کا نوزائدہ بچہ اس کے بطن سے گر گیا پھر اس نے اس کی گردن کو کاٹ دیا۔ اس کا نوزائدہ بچہ چلا یہاں تک کہ وہ پہاڑ کی چوٹی پر ایک چٹان پر آیا بلبلایا پھر چٹان کی پناہ لے لی۔ حضرت صالح علیہ السلام قوم کے پاس آئے جب آپ نے اونٹنی کو دیکھا کہ اس کی کونچیں کاٹ دی گئی ہیں تو آپ رونے لگے فرمایا: تم نے اللہ تعالیٰ کی حرمت کو پامال کیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کی بشارت ہو۔ سورۂ اعراف میں اس معنی کا بیان گزر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس آدمی نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں اس کا رنگ سرخ، آنکھیں نیلی، زردی مائل، سر سے گنجا اور گدی پر بال تھے (1)۔ اس کے نام کے بارے میں کہا جاتا ہے: قدار بن سالف۔ افوہ اودی نے کہا:

أو قَبْلَه كَقُدَارٍ حين تَابَعَهُ　على الغِوَايةِ أقوامٌ فقد بادُوا

یا اس سے پہلے جس طرح قدار جب سرکشی پر اس کی پیروی کی مختلف قوموں نے تو وہ ہلاک ہو گئے۔

عرب قصاب کو قدار کا نام دیتے ہیں وہ اسے قدار بن سالف سے تشبیہ دیتے ہیں جو آل ثمود کا منحوس آدمی تھا۔ مہلہل نے کہا:

إنَّا لَنَضْرِبُ بالسُّيُوفِ رُءوسَهُمْ　ضَرْبَ القُدَارِ نَقِيعةَ القُدَّامِ(2)

ہم تلواروں کے ساتھ ان کے سروں پر ضرب لگاتے ہیں جس طرح قدار نے ضرب لگائی مقصد آنے والوں کی ضیافت کا اہتمام ہوتا ہے۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ صَیْحَةً وَّاحِدَةً اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آواز ہے۔ سورۂ ہود میں یہ بحث گزر چکی ہے: **فَكَانُوْا كَهَشِیْمِ الْمُحْتَظِرِ** ۝ حضرت حسن بصری، قتادہ اور ابو العالیہ نے المحتظر پڑھا (3) یعنی ظاء پر فتحہ ہے اس سے انہوں نے باڑہ کا ارادہ کیا ہے باقی قراء نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے باڑے والے کا ارادہ کیا ہے۔ صحاح میں ہے المحتظر اسے کہتے ہیں جو باڑہ بناتا ہے اسے کھشیم المحتظر پڑھا گیا ہے جس نے اسے کسرہ دیا ہے اس نے اسے فاعل بنایا ہے جس نے اسے فتحہ دیا ہے اس نے اسے مفعول بہ بنایا ہے۔ وہ آدمی جو کم بھلائی والا ہو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: انہ لنکد الحظیرۃ۔ ابو عبید نے کہا: میرا خیال ہے اس کے اموال کو حظیر کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اس نے ان اموال کو اپنے پاس محفوظ کیا ہے یہ فعیلۃ کا وزن ہے جو مفعولہ کے معنی میں ہے۔ مہدوی نے کہا: جس نے محتظر کی ظاء کو فتحہ دیا تو اس کے نزدیک یہ مصدر ہے معنی ہوگا کھشیم الاحتظار۔ یہ بھی جائز ہے کہ **الْمُحْتَظِرِ** سے مراد وہ درخت ہو جس سے باڑا بنایا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **الْمُحْتَظِرِ** اس آدمی کو کہتے ہیں جو اپنے ریوڑ کے لیے درخت اور کانٹوں سے باڑا بناتا ہے اس سے جو گرتا ہے اور ریوڑ جسے پیس دیتا ہے اسے ھشیم کہتے ہیں۔

ان سے یہ بھی مروی ہے: اس گھاس کی مانند جسے ریوڑ کھا جاتا ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: بوسیدہ اور جلی ہوئی ہڈیوں کی مانند، یہ قتادہ کا قول ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد ایسی مٹی ہے جو ہوا والے دن دیواروں سے گرتی ہے۔ سفیان

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 416　2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 218　3۔ ایضاً

ثوری نے کہا: جب تو باڑے کو ڈنڈا مارے تو باڑے سے جو چیز گرتی ہے اسے ھشیم کہتے ہیں، یہ فعیل بمعنی مفعول ہے۔ ابن زید نے کہا: عرب ہر اس چیز کو ھشیم کہتے ہیں جو پہلے تر ہو پھر خشک ہو جائے۔ حظر کا معنی روکنا اور محفوظ کرنا ہے محتظر یہ فعتحل کا وزن ہے اس معنی میں کہا جاتا ہے: احتظر علی ابله وحظر یعنی اس نے درخت جمع کیے اور بعض کو بعض پر رکھا تا کہ وہ اپنے اونٹوں کو ہوا کی ٹھنڈک اور درندوں سے محفوظ رکھے؛ شاعر نے کہا:

تَرَى جِيَفَ المَطِيِّ بجانبيه كأنّ عظامَها خَشَبُ الهَشِيمِ(1)

تو سواری کے ڈھانچہ کو اسی کی دونوں جانب دیکھے گو یا اس کی ہڈیاں بوسیدہ لکڑیاں ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: گویا وہ اس گندم کی طرح ہیں جسے گاہیا گیا ہو۔ اس تعبیر کی صورت میں محتظر سے مراد کھیتی کی باڑ ہے ھشیم سے مراد بالی اور بھوسہ کے ریزے ہیں۔

وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ بِالنُّذُرِ ۝ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۝ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ۝ وَ لَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۝ وَ لَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَاۤ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ۝ وَ لَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۝ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ۝ وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝

''قوم لوط نے بھی جھٹلایا تھا پیغمبروں کو۔ ہم نے بھیجی ان پر پتھر برسانے والی ہوا سوائے لوط کے گھرانے کے، ہم نے ان کو بچالیا سحری کے وقت، یہ (خاص) مہربانی تھی ہماری طرف سے، اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں جو شکر کرتے ہیں۔ اور بے شک ڈرایا تھا انہیں لوط (علیہ السلام) نے ہماری پکڑ سے پس جھگڑنے لگے ان کے ڈرانے کے بارے میں۔ اور انہوں نے پھسلانا چاہا لوط کو اپنے مہمانوں سے تو ہم نے میٹ دیا ان کی آنکھوں کو لو اب چکھو (اے بے حیاؤ!) میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ۔ پس صبح سویرے ان پر ٹھہرنے والا عذاب نازل ہوا۔ تو اب چکھو میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ۔ اور بے شک ہم نے آسان کر دیا قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا''۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ بِالنُّذُرِ ۝ قوم لوط کے بارے میں خبر دی جب انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو جھٹلایا اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا یعنی ایسی ہوا بھیجی جو ان پر کنکر پھینکتی تھی۔ حصباء سے مراد حصی ہے۔ نضر نے کہا: حاصب سے مراد ہوا میں سنگریزے ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا: حاصب سے مراد پتھر ہیں۔ صحاح میں ہے: حاصب سے مراد ایسی شدید ہوا ہے جو

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 417

سنگریزہ کو اڑاتی ہے اسی طرح حصبہ ہے۔ عصفت الریح یعنی ہوا تیز ہوئی۔ ھی ریح عاصف و عصوف۔

اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ اس سے مراد وہ افراد ہیں جنہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کے دین کی اتباع کی وہ صرف آپ کی دو بیٹیاں تھیں۔ **نَجَّیْنٰهُمْ بِسَحَرٍ** ﴿۳۴﴾ اخفش نے کہا: اسے منصرف ذکر کیا ہے کیونکہ یہ نکرہ ہے۔ اگر معین دن کی سحری کا ارادہ ہوتا تو پھر اسے منصرف ذکر نہ کیا جاتا اس کی مثل **اِهْبِطُوْا مِصْرًا** (بقرہ: 61) جب اسے نکرہ ذکر کیا جب اللہ تعالیٰ نے اسی لفظ کو معرفہ ذکر کیا **اُدْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ** (یوسف: 99) اسے غیر منصرف ذکر کیا۔ زجاج نے بھی یہی کہا ہے: سحر جب نکرہ ہو تو اس سے سحریوں میں سے ایک سحری مراد ہوگی اور اسے منصرف شمار کیا جائے گا تو کہے گا: أتیتہ سحرا جب تو اپنے دن کی سحری مراد لے گا تو تو اسے غیر منصرف بنائے گا تو کہے گا: اتیتہ سحرَ اور أتیتہ بسحرٍ۔

سحر سے مراد رات کے آخری حصہ میں اور طلوع فجر کے درمیان کا وقت ہے۔ لغت عرب میں اس سے مراد رات کی سیاہی کا دن کے پہلے حصہ کی سفیدی کے ساتھ مل جانا کیونکہ اس وقت رات اور دن کے آثار ہوتے ہیں۔

نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ہماری جانب سے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی دو بیٹیوں پر انعامات ہیں۔ نعمۃ مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ **كَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ شَكَرَ** ﴿۳۵﴾ **مَنْ شَكَرَ** سے مراد ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور اس کی اطاعت کی۔ **وَ لَقَدْ اَنْذَرَهُمْ** یعنی حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں ڈرایا۔ **بَطْشَتَنَا** اس سے مراد ہماری سزا ہے اور ہم انہیں عذاب سے جو پکڑ سکتے ہیں۔ **فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ** ﴿۳۶﴾ رسول نے انہیں جس چیز سے ڈرایا تھا اس میں انہوں نے شک کیا اور اس کی تصدیق نہ کی (1)۔ یہ مریۃ سے تفاعل کا وزن ہے۔ **وَ لَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَیْفِهٖ** قوم کے افراد نے آپ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ انہیں فرشتوں پر قدرت دے دیں جو ان کے پاس مہمان کی حیثیت سے آئے ہیں وہ بے حیائی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ یہ باب ذکر کیا جاتا ہے راودتہ علی کذا مراودۃ و روادا میں نے اس کا ارادہ کیا۔ راد الکلأ یرودہ رودا و ریادا، ارتادہ ارتیادا سب کا ایک ہی معنی ہے یعنی گھاس کو تلاش کیا۔ حدیث طیبہ میں ہے: اذا بال أحدکم فلیرتد لبولہ (2) یعنی جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کا ارادہ کرے تو نرم جگہ یا پست جگہ کو تلاش کرے۔

فَطَمَسْنَاۤ اَعْیُنَهُمْ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت جبرئیل امین نے ان کو پر مارا تو وہ اندھے ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ان کی آنکھیں چہرے کی طرح ہو گئیں ان کا شگاف بھی دکھائی نہیں دیتا تھا جس طرح ہوا آثار کو مٹا دیتی کہ ان پر مٹی ڈال دیتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھا کر دیا جب کہ ان کی آنکھیں درست تھیں تو وہ ان کو دیکھ نہیں رہے تھے۔ ضحاک نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا وہ فرشتوں کو دیکھ نہیں رہے تھے۔ انہوں نے کہا: جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو ہم نے انہیں دیکھا تھا وہ کہاں چلے گئے ہیں؟ وہ واپس پلٹ آئے اور انہیں نہ دیکھا (3)۔

فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَ نُذُرِ ﴿۳۷﴾ ہم نے انہیں کہا: میرا عذاب چکھو۔ اس امر سے مراد خبر ہے، یعنی میں نے انہیں اپنا وہ عذاب

1۔ تفسیر عبدالرزاق، جلد 3، صفحہ 261　2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، الرجل یتبوأ لبولہ، جلد 1، صفحہ 2
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 418

چکھایا جس کے بارے میں انہیں لوط علیہ السلام نے خبردار کیا تھا۔ وَ لَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ یعنی دائمی اور عام عذاب وہ ان میں رہا یہاں تک کہ یہ عذاب انہیں عذات آخرت کی طرف لے گیا۔ وہ عذاب یہ تھا کہ ان کی بستی ان پر الٹ دی گئی اور ان کے اوپر والے حصہ کو نیچے والا حصہ بنا دیا۔ بُكْرَةً یہاں یہ نکرہ ہے اسی لیے منصرف ہے۔ فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَ نُذُرِ ﴿۳۹﴾ یہاں عذاب سے مراد وہ عذاب ہے جو ان پر آنکھوں کے بے نور ہونے کی صورت میں واقع ہوا یہ اس عذاب سے مختلف تھا جس کے ساتھ انہیں ہلاک کیا گیا اس وجہ سے مکرر ذکر کرنا اچھا ہے۔

وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ اس کے بارے میں تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

وَ لَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾

''اور آئے آل فرعون کے پاس ڈرانے والے، انہوں نے جھٹلایا ہماری ساری آیتوں کو پھر ہم نے ان کو پکڑ لیا جیسے کوئی زبردست قوت والا پکڑتا ہے''۔

وَ لَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ آل فرعون سے مراد قبطی ہیں۔ نذر سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ہیں۔ بعض اوقات جمع کا صیغہ دو افراد پر بھی آتا ہے۔ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا آیات سے مراد معجزات ہیں جو ہماری توحید اور ہمارے انبیاء کی نبوت پر دال ہیں وہ عصا، ید بیضا، قحط، آنکھوں کا بے نور ہونا، طوفان، ٹڈی دل، جوئیں، مینڈک اور خون ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: النُّذُرُ سے مراد الرسل ہیں ان کے پاس حضرت یوسف علیہم السلام، ان کے بیٹے یہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نذر سے مراد انذار ہے۔

فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِیْزٍ، عَزِیْزٍ کا معنی ہے جو انتقام لینے میں غالب ہو۔ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾ اس پر قادر ہو جس کا ارادہ کرے۔

اَكُفَّارُكُمْ خَیْرٌ مِّنْ اُولٰٓىِٕكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِی الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَ السَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ ﴿۴۶﴾

''کیا تمہاری قوم کے کفار بہتر ہیں ان سے یا تمہارے لیے معافی لکھ دی گئی ہے آسمانی نوشتوں میں یا وہ کہتے ہیں کہ ہم ایسی جماعت ہیں جو غالب ہی رہے گی۔ عنقریب پسپا ہو گی یہ جماعت اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے، بلکہ ان کے وعدہ کا وقت (روز) قیامت ہے اور قیامت بڑی خوفناک اور تلخ ہے''۔

اَكُفَّارُكُمْ خَیْرٌ مِّنْ اُولٰٓىِٕكُمْ عربوں سے خطاب کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد حضرت محمد ﷺ کی امت کے کفار ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہمزہ استفہامیہ ہے اور استفہام انکار کے معنی میں ہے اس کا معنی نفی ہے مراد ہے تمہارے کفار ان کفار سے بہتر نہیں جو سابقہ امتوں میں تھے جنہیں ان کے کفر کے باعث ہلاک کیا گیا۔

اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِی الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ یعنی کیا وہ کتابیں جو انبیاء پر نازل ہوئیں ان میں یہ مذکور ہے کہ تمہیں عذاب سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا لوح محفوظ میں تمہارے لیے عذاب سے براءت لکھی ہوئی ہے؟

اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ۝ یعنی ہم ایسی جماعت ہیں جن کی تعداد کی کثرت اور قوت کی وجہ سے اس پر غلبہ نہیں پایا جاسکتا۔ آیات کے سروں کی اتباع کرتے ہوئے منتصرین نہیں کہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا اور فرمایا: سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ یعنی کفار مکہ کو شکست دی جائے گی۔ یہ غزوہ بدر اور دوسرے مواقع پر ہوا۔ عام قراءت سیھزم ہے یاء کے ساتھ مجہول کا صیغہ ہے اور الجمع نائب فاعل ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے۔ رویس نے یعقوب سے سَنَهْزِمُ نون کے فتحہ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ نقل کیا ہے اور الجمع کو منصوب پڑھا ہے۔

وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۝ عام قراءت یاء کے ساتھ ہے ان کے بارے میں خبر دی جارہی ہے۔ عیسیٰ، ابن اسحاق اور رویس نے یعقوب سے وتولون تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔ الدُّبُرَ اسم جنس ہے جس طرح الدرھم اور الدینار ہے اسے واحد ذکر کیا مراد جمع ہے تا کہ آیات کے سرے موافق رہیں۔ مقاتل نے کہا: ابوجہل نے بدر کے روز اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور وہ صف سے آگے نکلا اور کہا: آج ہم (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں سے بدلہ لیں گے، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۝ کو نازل کیا۔

سعید بن جبیر نے کہا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا: جب اللہ تعالیٰ کا ارشاد سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۝ نازل ہوا تو میں نہیں جانتا تھا کہ کون سی جماعت شکست کھائے گی جب بدر کا دن تھا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زرہ میں تیزی سے چلتے ہوئے دیکھا آپ کہہ رہے تھے: اے میرے اللہ! بے شک قریش تیرے پاس فخر کرتے ہوئے اور تکبر کرتے ہوئے آئے ہیں وہ تجھ سے دشمنی رکھتے ہیں اور تیرے رسول سے دشمنی رکھتے ہیں کل انہیں ہلاک کر دے پھر ان کلمات کو اپنی زبان سے ادا کیا سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۝ تو میں اس کا معنی سمجھ گیا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کے بارے میں خبر دی تو اسی طرح واقع ہوا جس طرح خبر دی أخنى علیه الدهر اس پر آیا اور اسے ہلاک کر دیا؛ اس معنی میں نابغہ کا قول ہے:

أَخْنَى عليه الذی أَخْنَى علی لُبَدِ

اسے اسی نے ہلاک کیا جس نے لبد کو ہلاک کیا۔

أخنیت علیه میں نے اس پر فاسد کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس آیت کے نزول اور واقعہ بدر کے درمیان سات سال کا عرصہ حائل تھا اس تعبیر کی بنا پر آیت مکی ہے۔ بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهٰى وَأَمَرُّ۝ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی جب کہ میں بچی تھی اور کھیلا کرتی تھی (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے روز قبہ میں موجود تھے: أنشدك عهدك و وعدك اللهم إن شئت لم تعبد بعد اليوم أبدا (2) میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں اگر تو

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، بل الساعۃ موعدھم، جلد 2، صفحہ 722　　2۔ ایضاً، کتاب الجہاد، ما قیل فی درع النبی، جلد 1، صفحہ 408

(مومنوں کی ہلاکت) چاہتا ہے تو آج کے بعد تیری عبادت نہ کی جائے گی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا عرض کی: کافی ہے یا رسول اللہ! آپ نے اپنے رب سے اصرار کر لیا۔ آپ زرہ میں تھے آپ نکلے جب کہ آپ کہہ رہے تھے: سَیُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَ یُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوۡعِدُهُمۡ مراد قیامت ہے۔

وَ السَّاعَةُ اَدۡهٰی وَ اَمَرُّ ۝ جو انہیں بدر کے روز لاحق ہوا قیامت اس سے زیادہ سخت ہوگی۔ أدھی، داھیة سے مشتق ہے اس سے مراد عظیم امر ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: دھاہ أمر کذا یعنی اسے مصیبت پہنچی۔ ابن سکیت نے کہا: دھتہ داھیة دھواء و دھیاء یہ اس کے لیے تاکید ہے۔

اِنَّ الۡمُجۡرِمِیۡنَ فِیۡ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ۝ یَوۡمَ یُسۡحَبُوۡنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوۡهِهِمۡ ؕ ذُوۡقُوۡا مَسَّ سَقَرَ ۝ اِنَّا کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ ۝

”بے شک مجرم گمراہی اور پاگل پن کا شکار ہیں۔ اس روز انہیں گھسیٹا جائے گا آگ میں منہ کے بل (انہیں کہا جائے گا) چکھو اب آگ میں جلنے کا مزہ۔ ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے ایک اندازے سے“۔

اِنَّ الۡمُجۡرِمِیۡنَ فِیۡ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ۝

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ فِیۡ ضَلٰلٍ یعنی حق سے دور اور سُعُرٍ یعنی جلنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سعر سے مراد جنون ہے جس طرح اس سورت میں پہلے گزرا ہے۔ یَوۡمَ یُسۡحَبُوۡنَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوۡهِهِمۡ ؕ ذُوۡقُوۡا مَسَّ سَقَرَ ۝ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قریش کے مشرک آئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقدیر کے بارے میں جھگڑ رہے تھے؛ تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ اسے امام ترمذی نے بھی نقل کیا ہے اور کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام مسلم نے طاؤس سے روایت نقل کی ہے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے چند لوگوں کو یہ کہتے ہوئے پایا، وہ کہہ رہے تھے: کل شیء بقدر (1) ہر شی تقدیر کے مطابق ہے میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کل شیء قدر حتی العجز والکیس او الکیس والعجز (2) ہر شی تقدیر کے مطابق ہے یہاں تک کہ ضعف اور دانش۔ اس میں قدریہ کے مذہب کا بطلان ہے۔

ذُوۡقُوۡا یہ مقولہ ہے یعنی انہیں کہا جائے گا: چکھو اس کے مَسَّ سے مراد ہے جو اس کے واقع ہونے کے وقت وہ دکھ محسوس کریں گے۔ سَقَرَ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے جو منصرف نہیں کیونکہ یہ ایسا اسم ہے جو مؤنث اور معرفہ ہے اسی طرح لظی اور جہنم ہے۔ عطا نے کہا: سقر جہنم کا چھٹا درجہ ہے۔ قطرب نے کہا: سقر یہ سقرتہ الشمس سے ماخوذ ہے صقرتہ اسے سیاہ کر دیا۔ یوم مسمقر و مصمقر سخت گرم۔

مسئلہ نمبر 2۔ اِنَّا کُلَّ شَیۡءٍ عام قراءت میں کل نصب کے ساتھ ہے ابو سمال نے کل رفع کے ساتھ پڑھا ہے یہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، کل شیء بقدر، جلد 2، صفحہ 336　　2۔ ایضاً

مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے جس نے اسے نصب دی ہے تو نصب فعل کے مضمر ہونے کی بناء پر ہے، یہ کوفیوں کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ ان فعل کو طلب کرتا ہے تو اس وجہ سے یہ صورت اولی ہے نصب اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں عموم پر دال ہے کیونکہ اگر خَلَقْنٰهُ جو محذوف فعل کا مفسر بن رہا ہے اس کو تو حذف کرتا اور پہلے فعل خلقنا کو ظاہر کرتا تو کلام یوں ہوتی انا خلقنا کل شیء بقدر تو خلقناہ کو شَیْءٍ کی صفت بنانا صحیح نہ ہوتا کیونکہ صفت ایسی چیز میں عمل نہیں کرتی جو موصوف سے پہلے ہو اور جو ماقبل میں عامل ہو اس کی تفسیر نہ ہوتی۔

مسئلہ نمبر 3۔ جس نقطہ نظر پر اہل سنت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اشیاء کو مقدر کیا مراد ہے اس کی مقداروں، احوال اور ازمان کو ان کے ایجاد کرنے سے پہلے جانتا ہے پھر ان میں سے ان چیزوں کو ایجاد کیا کہ وہ اسے اس طریقہ پر ایجاد کرے گا جو اس کے علم میں پہلے سے موجود تھا عالم بالا اور عالم سفلی پر کوئی امر وقوع پذیر نہیں ہوتا مگر وہ اللہ تعالیٰ کے علم، اس کی قدرت اور اس کے ارادہ سے واقع ہوتا ہے مخلوق اس میں موثر حقیقی نہیں مخلوقات اس میں صرف کسب، کاوش، نسبت اور اضافت ہوا کرتی ہے۔ یہ سب چیزیں انسان کو اس لیے حاصل ہوتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آسانی پیدا کرنے، اس کی قدرت، اس کی توفیق اور الہام کی وجہ سے حاصل ہوا۔ وہ پاک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کوئی خالق ہے جس طرح قرآن و سنت کی نصوص اس بارے میں وارد ہیں بات اس طرح نہیں جس طرح قدریہ اور دوسرے علماء نے کہا کہ اعمال ہمارے قبضہ میں ہیں اور آجال کسی اور کے قبضہ میں ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: نجران کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے عرض کی: اعمال ہماری قدرت میں ہیں اور موتیں کسی اور کے قبضہ میں ہیں، تو یہ آیات خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ تک نازل ہوئیں۔ انہوں نے کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہمارے خلاف ہمارے گناہ لکھتا ہے اور ہمیں عذاب دے گا؟ فرمایا: ''تم قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ساتھ جھگڑا کرنے والے ہو گے''۔

مسئلہ نمبر 4۔ ابوزبیر نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس امت کے مجوسی اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو جھٹلانے والے ہیں اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی تیمارداری نہ کرو، اگر وہ مر جائیں تو ان کی نماز جنازہ میں حاضر نہ ہو، وہ تمہیں ملیں تو انہیں سلام نہ کرو''۔ ابن ماجہ نے اسے سنن میں نقل کیا ہے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے دونوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری امت میں سے دو قسم کے افراد ایسے ہیں جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں وہ مرجئہ اور قدریہ ہیں''۔ نحاس نے سند بیان کی ہے ابراہیم بن شریک کوفی، عقبہ بن مکرم ضبی سے وہ یونس بن بکیر سے وہ سعید بن میسرہ سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ قدریہ جو یہ کہتے ہیں کہ خیر و شر ہمارے ہاتھوں میں ہے میری شفاعت میں ان کا کوئی حصہ نہیں نہ میں ان میں سے ہوں اور نہ وہ مجھ سے ہیں''۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے براءت کا اظہار کیا اور براءت کا اظہار کافر سے ہی کیا جا سکتا ہے پھر اس قول کے ساتھ اسے موکد کیا حضرت عبداللہ بن عمر اس کے ساتھ قسم اٹھاتے اگر ان میں سے کسی کا احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور وہ

اسے خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے صدقہ قبول نہیں کرے گا یہاں تک کہ وہ تقدیر پر ایمان لائے یہ ایسے ہی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا منافقین کے بارے میں ارشاد ہے: وَ مَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ (التوبہ: 54) یہ واضح ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تقدیر پر ایمان غم اور حزن کو دور کر دیتا ہے''۔

وَ مَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ۝ وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَاۤ اَشْیَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ وَ كُلُّ شَیْءٍ فَعَلُوْهُ فِی الزُّبُرِ ۝ وَ كُلُّ صَغِیْرٍ وَّ كَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ ۝ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ ۝ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝

''اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے۔ اور بے شک ہم نے ہلاک کر دیا جو (کفر میں) تمہارے ہم مشرب تھے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے ان کے نامہ اعمال میں درج ہے اور ہر چھوٹی بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے۔ بے شک پرہیزگار باغوں اور نہروں میں ہوں گے بڑی پسندیدہ جگہ میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے پاس (بیٹھے) ہوں گے''۔

وَ مَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ یعنی ہمارا امر ایک ہی دفعہ ہوتا ہے كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ۝ یعنی میرا فیصلہ میری مخلوق میں آنکھ جھپکنے سے بھی تیز ہوتا ہے۔ لمح کا معنی تیزی سے دیکھنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے لمح البرق ببصرہ بجلی آنکھ جھپکنے برابر چمکی۔ صحاح میں ہے: لمحہ، الممحہ جب اسے ہلکی نظر سے دیکھا۔ اسم لمحہ ہے لمح البرق والنجم لمحا یعنی بجلی چمکی۔

وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَاۤ اَشْیَاعَكُمْ یعنی ہم نے سابقہ امتوں میں سے ایسے لوگوں کو قتل کیا جو کفر میں تمہارے مشابہ تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے تمہارے پیروکاروں اور تمہارے مددگاروں۔ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ ہے کوئی ایسا جو نصیحت حاصل کرے۔ وَ كُلُّ شَیْءٍ فَعَلُوْهُ فِی الزُّبُرِ ۝ یعنی ان سے قبل امتوں نے بھلائی یا برائی میں سے جو بھی اعمال کیے وہ لکھے ہوتے ہیں یہ اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ کا بیان ہے۔

فِی الزُّبُرِ ۝ سے مراد لوح محفوظ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کراما کاتبین کی کتابیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ام الکتاب میں لکھا ہوا ہے وَ كُلُّ صَغِیْرٍ وَّ كَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ ۝ یعنی ہر گناہ جو چھوٹا ہو یا بڑا ہو وہ عامل کے حق میں لکھا ہوتا ہے قبل اس کے کہ وہ اس کو کرے تا کہ اسے جزا دی جائے اور جب وہ اس پر عمل کرتا ہے اس وقت اسے لکھا جاتا ہے۔ سَطَرَ یَسْطُرُ سَطْرًا کا معنی لکھنا ہے، استطر بھی اس کی مثل ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ ۝ جب کفار کی صفت بیان کی تو مومنین کی بھی صفت بیان کی وَّ نَهَرٍ یعنی پانی، شراب، شہد اور دودھ کی نہریں (1)؛ یہ ابن جریج کا قول ہے۔ اسے واحد ذکر کیا کیونکہ یہ آیت کا سرا ہے، پھر واحد کا صیغہ کبھی تمام کی خبر دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نَهَرٍ یعنی وہ روشنی اور وسعت میں ہے۔ اس سے نہار کا لفظ ہے کیونکہ وہ روشن ہوتا ہے اسی معنی میں انہرت الجرح میں نے زخم کو کھلا کیا؛ شاعر نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 420

مَلَكْتُ بِهَا كَفِّي فَأَنهرتُ فتقها (1)

اس کے ساتھ میں نے اپنی ہتھیلی کو قوی کیا اور اس کے سوراخ کو کھلا کیا۔

ابو مجلز، ابو نہیک، اعرج، طلحہ بن مصرف اور قتادہ نے ونھر پڑھا گویا یہ نہار کی جمع ہے ان پر رات نہیں آئے گی، جس طرح سحاب اور سحب ہے۔ فراء نے کہا: ایک عرب نے مجھے یہ شعر سنایا:

إِنْ تَكُ لَيلِيًا فَإِنِّي نَهِرٌ مَتَى أَرَى الصُّبحَ فَلا أَنْتَظِرُ

اگر تو رات والا ہے تو میں دن والا ہوں۔ میں کب صبح دیکھوں گا پس میں انتظار نہیں کرتا۔ ایک اور نے کہا:

لَوْلَا الثَّرِيدَانِ هَلَكْنَا بِالضُّمُرْ ثَرِيدُ لَيْلٍ وَ ثَرِيدٌ بِالنُّهُرِ (2)

اگر یہ دو ثریدیں نہ ہوتیں تو ہم پتلی کمر کے ساتھ ہلاک ہو جاتے رات کی ثرید اور دن کی ثرید۔

فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ حق کی مجلس میں جس میں کوئی چیز لغو نہ ہو اور اس میں کوئی گناہ بھی نہ ہو وہ جنت ہے۔ **عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ** ﴿۵۵﴾ جو چاہے اس پر قادر ہے۔ یہاں عِنْدَ سے مراد قربت، مکان، رتبہ، کرامت اور منزلت کی عندیہ ہے، صادق نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مکان صدق کی مدح بیان کی اس میں اہل صدق ہی بیٹھتے ہیں۔ عثمان بتی نے پڑھا فی مقاعد صدق یعنی جمع کا صیغہ پڑھا مقاعد لوگوں کے بیٹھنے کی جگہیں ہیں وہ بازاروں میں ہوں یا کسی اور جگہ۔ عبد اللہ بن بریدہ نے کہا: جنتی ہر روز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے وہ اس کی بارگاہ میں قرآن کی تلاوت کریں گے۔ ہر انسان اپنے بیٹھنے کی جگہ بیٹھے گا جب کہ وہ یاقوت، زبرجد، سونے اور چاندی کے منبروں پر ہوں گے سب اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہوں گے، ان کی آنکھیں کسی چیز سے اتنی ٹھنڈی نہ ہوں گی جیسی اس طریقہ سے ٹھنڈی ہوں گی۔ انہوں نے اس سے عظیم اور اس سے بڑھ کر کسی حسین چیز کے بارے میں نہیں سنا ہو گا پھر وہ اپنی منازل کی طرف چلے جائیں گے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی کل تک معاملہ اسی طرح رہے گا۔

ثور بن یزید نے خالد بن معدان سے روایت نقل کی ہے ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ فرشتے قیامت کے روز مومنوں کے پاس آئیں گے، وہ کہیں گے: اے اللہ کے دوستو! چلو۔ وہ پوچھیں گے: کہاں؟ فرشتے کہیں گے جنت کی طرف۔ مومن کہیں گے: تم ہمیں ایسی جگہ لے جا رہے ہو جو ہمارا مقصود نہیں۔ فرشتے پوچھیں گے: تمہارا مقصود کیا ہے؟ مومن کہیں گے: **مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ** ﴿۵۵﴾ یہ خبر خصوصی طور پر اس معنی میں مروی ہے خبر میں ہے "ایسا طائفہ جو اللہ تعالیٰ کا عرفان رکھتا ہو گا اسے فرشتے جنت کی طرف لے جائیں گے جب کہ لوگوں کا ابھی حساب ہو رہا ہو گا۔ وہ لوگ فرشتوں سے کہیں گے کہ ہمیں کہاں لے جا رہے ہو؟ فرشتے کہیں گے: جنت کی طرف۔ لوگ کہیں گے: تم ہمیں اسی چیز کی طرف لے جا رہے ہو جو ہمارا مقصود نہیں۔ فرشتے پوچھیں گے: تمہارا مقصود کیا ہے؟ فرشتے کہیں گے: حبیب کے ساتھ **مَقْعَدِ صِدْقٍ** جس طرح بتایا **فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ** ﴿۵۵﴾ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 222　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 420

سورۃ الرحمٰن

(آیاتہا ۷۸) (۵۵ سورۃ الرحمٰن مدنیۃ ۹۷) (رکوعاتہا ۳)

حضرت حسن بصری، عروہ بن زبیر، عکرمہ، عطا اور حضرت جابر کے نزدیک ساری سورت مکی ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مگر ایک آیت، وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: یَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ اس کی چھہتر آیات ہیں۔ حضرت ابن مسعود اور مقاتل نے کہا: یہ تمام کی تمام مدنی ہے۔ پہلا قول اصح ہے(2) کیونکہ حضرت عروہ بن زبیر کی روایت ہے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جس نے مکہ مکرمہ میں بلند آواز سے قرآن پڑھا وہ حضرت ابن مسعود تھے اس کی وجہ یہ بنی کہ صحابہ کرام نے کہا: قریش نے اس قرآن کو بلند آواز سے کسی کو پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ کوئی ایسا آدمی ہے جو ان کو قرآن سنائے گا؟ حضرت ابن مسعود نے کہا: میں۔ صحابہ نے کہا: ہمیں تمہارے بارے میں ڈر لگتا ہے۔ ہم تو کسی ایسے آدمی کا ارادہ کرتے ہیں جس کا قبیلہ ہو جو اس کا دفاع کرے۔ حضرت ابن مسعود نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا پھر آپ مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہو گئے کہا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ پھر اپنی آواز کو بلند کیا جب کہ قریش اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے غور کیا اور کہا: ابن ام عبد کیا کہتا ہے؟ انہوں نے کہا: وہ وہی کہتا ہے جس کے بارے میں (حضرت) محمد گمان کرتے ہیں کہ یہ اس پر نازل کیا گیا ہے، پھر انہوں نے حضرت ابن مسعود کو مارا یہاں تک کہ ان کے چہرے پر نشانات چھوڑے ☆۔

یہ بات صحیح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نخلہ کے مقام پر صبح کی نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو سورۃ الرحمٰن پڑھی تو جنوں کی ایک جماعت گزری اور آپ پر ایمان لے آئی۔

ترمذی شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے(3) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے تو ابتدا سے لے کر آخر تک سورۂ رحمٰن پڑھی تو صحابہ خاموش ہو گئے فرمایا: ''میں نے اسے جنوں والی رات میں جنوں پر پڑھا تھا وہ تم سے اچھا جواب دینے والے تھے۔ میں جب بھی اس آیت پر پہنچا فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ وہ کہتے: ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے اے ہمارے رب! تیرے لیے حمد ہے''۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے۔ اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ یہ مکی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ قاسم بن عاصم منقری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: جو آپ پر نازل ہوا ہے اسے مجھ پر پڑھو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر سورۂ رحمٰن پڑھی۔ اس نے عرض کی: اسے دوبارہ پڑھیے تو آپ نے تین دفعہ اسے پڑھا اس نے کہا: اللہ کی قسم! اس پر ظاہری حسن ہے، اس میں مٹھاس ہے، اس کا نیچے والا حصہ بہت گہرا ہے اور اس کا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 422
2۔ المعجم الکبیر، جلد 24، صفحہ 86، حدیث 231
3۔ جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 161، کتاب التفسیر
☆ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن باب ومن سورۃ الرحمٰن، حدیث نمبر 3213، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اوپر والا حصہ پھل دار ہے یہ کوئی انسان نہیں کہہ سکتا میں اس امر کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں اور تو اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہر شی کی دلہن ہوتی ہے اور قرآن کی دلہن سورۂ رحمٰن ہے"(1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلرَّحْمٰنُ ﴿١﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿٢﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿٣﴾ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ﴿٤﴾ اَلشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿٥﴾ وَّ النَّجْمُ وَ الشَّجَرُ یَسْجُدٰنِ ﴿٦﴾ وَ السَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ الْمِیْزَانَ ﴿٧﴾ اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ ﴿٨﴾ وَ اَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ﴿٩﴾ وَ الْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ﴿١٠﴾ فِیْهَا فَاكِهَةٌ ۪ۙ وَّ النَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ﴿١١﴾ وَ الْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَ الرَّیْحَانُ ﴿١٢﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿١٣﴾

"رحمٰن نے (اپنے حبیب کو) سکھایا ہے قرآن۔ پیدا فرمایا انسان (کامل) کو (نیز) اسے قرآن کا بیان سکھایا۔ سورج اور چاند حساب کے پابند ہیں اور (آسمان کے) تارے اور (زمین کے) درخت اسی کو سجدہ کناں ہیں۔ اور آسمان اسی نے بلند کیا اور میزان (عدل) قائم کی تاکہ تم تولنے میں زیادتی نہ کرو اور وزن کو ٹھیک رکھو انصاف کے ساتھ اور تول کو کم نہ کرو۔ اور اس نے زمین کو پیدا کیا ہے مخلوق کے لیے اس میں گوناگوں پھل ہیں اور کھجوریں غلافوں والی اور اناج بھی بھوسہ والا اور خوشبودار پھول۔ پس (اے انس و جان) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔

اَلرَّحْمٰنُ ﴿١﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿٢﴾ سعید بن جبیر اور عامر شعبی نے کہا: الرحمٰن تین سورتوں کا آغاز ہے جب سب کو جمع کیا جائے تو وہ مل کر اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام بن جاتا ہے الر، حم اور ن۔ ان تینوں کا مجموعہ اَلرَّحْمٰنُ بنتا ہے۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قرآن کی تعلیم دی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تمام انسانوں تک پہنچایا۔ یہ اس وقت آیات نازل ہوئیں جب انہوں نے یہ کہا: اَلرَّحْمٰنُ؟ رحمٰن کیا ہوتا ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اہل مکہ کے جواب میں نازل ہوئیں جب انہوں نے یہ کہا تھا: اسے ایک انسان سکھاتا ہے وہ یمامہ کا رحمان ہے۔ وہ اس سے مسیلمہ کذاب مراد لیتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔ زجاج نے کہا: عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ کا معنی ہے قرآن کو یاد کرنا اور اس کو پڑھنا آسان بنا دیا جس طرح فرمایا: وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے علامت بنا دیا ہے جس کی لوگ عبادت کرتے ہیں۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿٣﴾ حضرت ابن عباس،

1۔ کنز العمال، جلد 1، صفحہ 582، حدیث 2638

قتادہ اور حضرت حسن بصری نے کہا: اَلْاِنْسَانَ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں (1)۔ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ یعنی تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہیں تمام لغات سکھائیں۔ حضرت ابن عباس اور ابن کیسان سے یہ مروی ہے: یہاں انسان سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (2)، بیان سے مراد حرام سے حلال کی اور گمراہی سے ہدایت کی وضاحت ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا: جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا وہ مراد ہے کیونکہ آپ نے اولین، آخرین اور یوم دین کے بارے میں واضح کیا۔ ضحاک نے کہا: بیان سے مراد خیر وشر ہے۔ ربیع بن انس نے کہا: جو اسے نفع دیتی ہے اور جو اسے نقصان دیتی ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے تمام لوگ مراد ہیں، یہ اسم جنس ہے۔ اس تاویل کی صورت میں بیان سے مراد کلام اور فہم ہے یہ ایسا وصف ہے جس کے ساتھ انسان باقی تمام حیوانوں پر فضیلت رکھتا ہے (4)۔ سدی نے کہا تمام قوموں کو ان کی زبان کی تعلیم دی جس کے ساتھ وہ کلام کرتے ہیں۔ یمان نے کہا: مراد قلم کے ساتھ خط وکتابت ہے؛ اس کی مثل یہ ارشاد ہے: عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ (العلق) اَلشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وہ معلوم حساب سے چلتے ہیں۔ تقدیر کلام یہ ہے الشمس والقمر یجریان بحسبان۔ خبر کو مضمر کیا گیا ہے وہ حد سے تجاوز کرتے ہیں اور نہ ایک طرف جھکتے ہیں۔ ابن زید اور ابن کیسان نے کہا: ان دونوں کی مدد سے اوقات، آجال اور عمروں کا حساب لگایا جاتا ہے۔ اگر دن، رات، سورج اور چاند نہ ہوتے کوئی یہ نہ جانتا کہ وہ کیسے حساب کرے اگر سارے کا سارا زمانہ رات یا دن ہی ہوتا۔

سدی نے کہا: بِحُسْبَانٍ سے مراد ہے ان کی اجل کی تقدیر ہے جس طرح لوگوں کی زندگی کے اوقات مقرر ہیں اسی طرح ان کے اوقات مقرر ہیں جب ان کی اجل آجاتی ہے تو یہ دونوں ہلاک ہو جاتے ہیں؛ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى (الرعد: 2) ضحاک نے حسبان کا معنی قصد کیا ہے۔ مجاہد نے کہا: حسبان سے مراد ہے چکی کی میخ وہ یوں گردش کرتے ہیں جس طرح چکی میخ کے گرد گھومتی ہے (5)۔ حسبان بعض اوقات حسبته، أحسبه کا مصدر ہوتا ہے جس طرح غفران، کذبان اور رجحان ہے اور حسابۃ بھی اس کا مصدر آتا ہے یعنی میں نے اسے شمار کیا۔ اخفش نے کہا: یہ حساب کی جمع ہے جس طرح شهاب کی جمع شهبان آتی ہے۔ حسبان جب ضمہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی عذاب اور چھوٹے تیر ہوتے ہیں سورۂ کہف میں گزرا ہے اس کی واحد حسبانہ ہے۔ حسبانہ کا معنی چھوٹا تکیہ بھی ہوتا ہے اس معنی میں تو کہتا ہے: حسبته جب تو اسے تکیہ بنائے کہا:

لَثَوَيْتَ غيرَ مُحَسَّب

یعنی تکیہ کے بغیر نہ اس میں تکریم تھی اور نہ ہی اس میں کفن دیا گیا تھا۔

وَّالنَّجْمُ وَ الشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء نے کہا: نجم اسے کہتے ہیں جس کا تنا نہ ہو اور درخت اسے کہتے ہیں جس کا تنا ہو (6)۔ نجم یہ نجم الشئی ینجم نجوما سے مشتق ہے جب وہ ظاہر وطلوع ہو۔ اس کے سجود سے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 423 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 223 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 423
4۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 223 5۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 424 6۔ ایضاً

مراد ان کے سایہ کا سجدہ کرنا ہے(1)؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ فراء نے کہا: دونوں کے سجدہ سے مراد یہ ہے جب سورج طلوع ہوتا ہے تو یہ سورج کے بالمقابل ہوتے ہیں پھر اس کے ساتھ مائل ہوتے ہیں یہاں تک کہ سایہ چھوٹا ہو جاتا ہے(2)۔ زجاج نے کہا: ان دونوں کے سجود سے مراد ان کے سایہ کا ان کے ساتھ گھومنا ہے(3) جس طرح فرمایا: یَتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ (النحل:48) حضرت حسن بصری اور مجاہد نے کہا: نجم سے مراد آسمان کا ستارہ ہے اور مجاہد کے قول کے مطابق اس کے سایہ کا گردش کرنا ہے؛ یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے؛ یہ مہدوی نے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے سجود سے مراد اس کا غروب ہونا ہے اور درخت کے سجدہ سے مراد اس کے پھل کے چننے کا ممکن ہونا ہے؛ یہ ماوردی نے بیان کیا ہے(4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سب اللہ تعالیٰ کے سامنے مسخر ہیں تم ستارے کی پوجا نہ کرو جس طرح صابیوں میں سے ایک قوم نے ستاروں کی پرستش کی اور عجمیوں سے کثیر لوگوں نے درخت کی پوجا کی۔ سجود کا معنی خضوع ہے اس سے مقصود حادث ہونے کے آثار ہیں؛ قشیری نے اسے بیان کیا ہے۔ نحاس نے کہا: لغت میں سجود کی اصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری ہے۔ تمام جامد چیزوں سے سجود اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔ حیوانات سے بھی یہ اسی طرح ہے اس سے مراد نماز کا سجدہ بھی ہو سکتا ہے۔ محمد بن یزید نے نجم کو نجوم کے معنی میں لیا ہے۔ فَبَاتَتْ تَعُدُّ النَّجْمَ اس نے رات ستارے گنتے ہوئے گزاری۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا ابو سمال نے السماء پڑھا یہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے(5) اسے اس لیے پسند کیا کیونکہ اس کا عطف اس جملہ پر ہے وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدٰنِ۝ معطوف کو مبتدا اور خبر سے مرکب کیا ہے جس طرح معطوف علیہ مبتدا اور خبر سے مرکب ہے باقی قراء نے السَّمَآءَ کو منصوب پڑھا ہے کیونکہ یہاں فعل مضمر ہے جس کی تفسیر مابعد فعل کرتا ہے۔

وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ میزان کا معنی عدل ہے؛ یہ مجاہد، قتادہ اور سدی سے عبارت ہے یعنی زمین میں اس عدل کو رکھا جس کا حکم دیا یہ جملہ بولا جاتا ہے: وضع الله الشریعة، وضع فلان کذا فلاں نے اسے پھینکا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میزان سے مراد قرآن ہے کیونکہ اس میں اس چیز کا بیان ہے جس کے وہ محتاج ہیں؛ یہ حضرت حسین بن فضل کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری، ضحاک اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد ترازو ہے(6) جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے تا کہ لوگ اس کے ساتھ نصف نصف کریں۔ یہ جملہ خبریہ ہے امر کے معنی میں ہے یعنی عدل کا حکم دیا؛ اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان دلالت کرتا ہے: وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ۔ قسط کا معنی عدل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی حکم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آخرت میں میزان رکھنے کا ارادہ کیا تا کہ اعمال کا وزن کیا جائے۔ میزان کی اصل موزان ہے اس بارے میں گفتگو سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔

اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ۝ ان کا محل نصب ہو سکتا ہے اس صورت میں کہ حرف جار حذف ہے گویا فرمایا: لئلا تطغوا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا (النساء:176) یہ بھی جائز ہے کہ انکا اعراب میں کوئی محل نہ ہو بلکہ یہ ای کے معنی میں ہو اس تقدیر کی بنا پر تطغوا مجزوم ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 424 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً
5۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 224 6۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 424

س: 6) طغیان کا معنی حد سے تجاوز کرنا ہے۔ جس نے کہا: میزان کا معنی عدل کرنا ہے (1) تو اس نے کہا طغیان کا معنی ظلم ہے۔ جس نے کہا: میزان سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے۔ اس نے کہا: طغیان کا معنی کمی کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس کے لیے تم وزن کرو اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔ ان سے یہ بھی مروی ہے جس نے کہا: اس کا حکم ہے اس نے کہا: اس کے طغیان سے مراد تحریف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس میں اضمار ہے یعنی اس نے میزان اتارا تمہیں حکم دیا کہ تم اس میں سرکشی نہ کرو۔

وَ اَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ یعنی عدل کے ساتھ اسے سیدھا رکھو۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا: ترازو کی ڈنڈی انصاف کے ساتھ سیدھا رکھو۔ ابن عیینہ نے کہا: اقامت کا تعلق ہاتھ سے اور قسط کا تعلق دل سے ہے۔ مجاہد نے کہا: قسط رومی زبان میں عدل کو کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تیرے اس قول کی طرح ہے اقام الصلوۃ یعنی اسے اپنے وقت میں ادا کیا۔ أقام الناس سوقھم وہ بازار میں اس کے وقت میں آئے۔ یعنی تم وزن میں عدل کے ساتھ جو باہم معاملہ کرتے ہو اسے ترک نہ کرو۔

وَ لَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ۝ میزان میں کمی نہ کرو، کیل اور وزن میں کمی نہ کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے وَ لَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَ الْمِیْزَانَ (ہود: 84) قتادہ نے اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: ابن آدم کے ساتھ عدل کر و جس طرح تو پسند کرتا ہے کہ تیرے ساتھ عدل کیا جائے اور پورا پورا حق دو جس طرح تو پسند کرتا ہے کہ تجھے پورا پورا حق دیا جائے، کیونکہ عدل میں یہی لوگوں کا بھلا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے قیامت کے روز اپنی نیکیوں کے میزان میں کمی نہ کرو کہ یہ چیز تمہارے لیے حسرت بن جائے۔ آیات کے سروں کی رعایت کرتے ہوئے میزان کا لفظ مکرر ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تکرار وزن کو پورا کرنے اور عدل کی رعایت کے امر کے لیے ہے۔ عام قرأت تخسروا ہے۔ بلال بن ابی بردہ اور ابان بن عثمان نے تَخْسِرُوا قرأت کی ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: أخسرت المیزان و خسرته۔ یہ أجبرته و جبرته کی طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تَخْسَرُوا تاء اور سین کے فتحہ کے ساتھ ہے حرف جر کے حذف پر محمول ہے۔ معنی ہے لا تخسروا فی المیزان میزان میں کمی نہ کرو۔

وَ الْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ انام سے مراد لوگ ہیں (2)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جن اور انسان مراد ہیں (3)۔ ضحاک نے کہا: روئے زمین پر جو چیز چلتی ہے۔ یہ عام ہے فِیْهَا فَاكِهَةٌ مختلف قسم کے پھلوں سے انسان جو لطف اندوز ہوتا ہے۔

وَ النَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝ اکمام، کم کی جمع ہے۔ جوہری نے کہا: کمہ اور کمامہ کا معنی گابھے کا غلاف اور کلی کا پردہ ہے اس کی جمع کمام، اکمہ، اکمام اور أکامیم آتی ہے کم الفصیل جب اس پر شفقت کی گئی اسے ڈھانپا گیا یہاں تک کہ وہ طاقتور ہو گیا؛ عجاج نے کہا:

بَلْ لَوْ شَهِدْتَ النَّاسَ إِذْ تُكُمُّوا بِغُمَّةٍ لَوْ لَمْ تُفَرَّجْ غُمُّوا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 425 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

تُكُنُّوا یعنی ان پر غشی طاری ہوگئی اور انہیں ڈھانپ لیا گیا۔ اکمت النخلة و کممت یعنی اس نے گابھے کے پردے نکالے۔ کمام اور کمامہ کا معنی یہ بھی ہے جس کے ساتھ اونٹ کا منہ باندھا جاتا ہے تاکہ وہ کسی کو نہ کاٹے۔ اس معنی میں تو کہتا ہے بعیر مکموم۔ کممت الشیٔ میں نے اس شے کو ڈھانپ لیا انکم جو کسی چیز کو چھپالے اور اسے ڈھانپ لے، اسی معنی میں کہ القمیص ہے اس کی جمع اکمام اور کِمَمَه ہے جس طرح حب کی جمع حِبَبَه ہے کمّۃ کا معنی گول ٹوپی ہے کیونکہ وہ سر کو ڈھانپ لیتی ہے: شاعر نے کہا:

فقلتُ لَهُمْ كِيلو بكُمّةِ بعضِكُمْ　دَرَاهِمَكُمْ إِنّي كذلك أَكِيلُ

میں نے انہیں کہا: تم اپنے میں سے کسی کی ٹوپی کے ساتھ اپنے دراہم کا کیل کرلو میں اسی طرح کیل کیا کرتا ہوں۔

حضرت حسن بصری نے کہا: ذات الاکمام کا معنی ہے چھال والا کیونکہ کھجوروں کو چھال سے چھپایا جاتا ہے: کمامها سے مراد اس کی وہ چھال ہے جو اس کی گردن میں ہوتی ہے۔ ابن زید نے کہا: وہ گابھے والا ہے قبل اس کے کہ وہ اوپر سے چھٹ جائے۔ عکرمہ نے کہا: وہ احمال والا ہے۔

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝ حب سے مراد گندم، جو وغیرہ ہیں۔ عصف کا معنی بھوسہ ہے۔ حضرت حسن بصری وغیرہ سے مروی ہے مجاہد نے کہا: درخت اور کھیتی کا پتہ ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: کھیتی کا تنکا اور پتہ جسے ہوائیں اڑاتی رہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: کھیتی میں سے جو سب سے پہلے اگتا ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ عرب کہتے ہیں: خرجنا لعصف الزرع پکنے سے پہلے جب اسے کاٹ لیں۔ صحاح میں اسی طرح ہے عصفت الزرع جب تو اس کو پکنے سے پہلے کاٹ لے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عصف سے مراد سبز کھیتی کا پتہ ہے جب اس کا سرا کاٹ دیا جائے اور وہ خشک ہو جائے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۝** (الفیل) جوہری نے کہا: قد اعصف الزرع، مکان معصف ایسا مکان جو زیادہ کھیتی والا ہو۔ ابو قیس بن اسلت انصاری نے کہا:

إذا جُمادَى مَنَعَتْ قَطْرَهَا　زَانَ جَنَابِي عَطَنٌ مُعْصِفُ

جب جمادی نے اپنی بارش کو روک لیا تو کثیر کھیتی والے باڑے نے میرے صحن کو مزین کیا۔

عصف کا معنی کمائی بھی ہے؛ اسی معنی میں راجز کا قول ہے

بغیرِ ما عَصْفٍ ولا اصْطِرَابِ　بغیر محنت اور کسب معاش کے۔

اسی طرح الاعتصاف ہے عصیفہ سے مراد مجتمع پتے ہیں جن میں بالی ہو۔ ہروی نے کہا: عصف اور عصیفہ سے مراد بالی کا پتہ ہے۔ ثعلبی نے کہا: ابن سکیت نے کہا عرب کھیتی کے پتہ کو عصف اور عصیفہ کہتے ہیں جل جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ صحاح میں ہے جل کھیتی کا تنا جب اسے کاٹ جائے۔ ریحان سے مراد رزق ہے؛ یہ حضرت ابن عباس اور مجاہد سے مروی ہے۔ ضحاک نے کہا: یہ حمیر کی لغت ہے۔ حضرت ابن عباس، ضحاک اور قتادہ نے کہا: مراد وہ ریحان ہے جسے سونگھا جاتا ہے؛ یہ ابن

زید کا قول ہے(1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد کھیتی کی سبزی ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: مراد وہ کھیتی ہے جو تنے پر کھڑی ہو۔ فراء نے کہا: عصف سے مراد کھیتی میں سے جسے کھایا گیا ہو(2)، ریحان اسے کہتے ہیں جسے نہ کھایا جائے۔ کلبی نے کہا: عصف اس پتے کو کہتے ہیں جس کو کھایا نہیں جاتا(3)، ریحان اس دانے کو کہتے ہیں جس کو کھایا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایسی سبزی جس کی خوشبو اچھی ہو اسے ریحان کہتے ہیں کیونکہ انسان اس کی اچھی خوشبو سونگھتا ہے۔ یہ فعلان کا وزن ہے روحان رائحہ سے ماخوذ ہے کلمہ میں یاء کا اصل واؤ تھا اس کے اور روحانی کے درمیان فرق کرنے کے لیے واؤ کو یاء سے بدل دیا۔ روحانی ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کی روح ہو۔ ابن اعرابی نے کہا: یہ کہا جاتا ہے شئ روحانی و ریحانی یعنی اس کی روح ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ فعیلان کے وزن پر ہو اس کی اصل ریوحان ہے واؤ کو یاء سے بدل دیا اور پھر ادغام کیا جس طرح ھین اور لین، پھر طوالت اور الف نون زائدہ کے لاحق ہونے کی وجہ سے تخفیف کو لازم کر دیا گیا۔ حوراء، واؤ اور حاء سے مرکب ہو اس میں اصل جھومنا اور حرکت کرنا ہے۔ صحاح میں ہے: ریحان سے مراد معروف جڑی بوٹی ہے۔ ریحان سے مراد: رزق ہے تو کہتا ہے خرجت أبتغی ریحان میں اللہ تعالیٰ کا رزق تلاش کرنے کے لیے نکلا۔ نمر بن تولب نے کہا:

سلامُ الالٰہِ و رَیْحَانُہُ اللہ تعالیٰ کا سلام اور اس کا رزق (4)۔

حدیث میں ہے: الولد من ریحان اللہ(5) اولاد اللہ تعالیٰ کا رزق ہے۔ اور لوگوں کا یہ قول سبحان اللہ و ریحانہ دونوں کو مفعول مطلق کے طریقہ پر نصب دی ہے۔ وہ یہ قول کر کے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا چاہتے ہیں اور اس سے رزق کے طالب ہوتے ہیں، جہاں تک اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝ کا تعلق ہے تو عصف سے مراد کھیتی کا تنا اور ریحان سے مراد اس کا پتہ ہے؛ یہ فراء سے مروی ہے۔ عام قرأت وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝ دونوں پر رفع ہے کیونکہ ان کا عطف الفاکھۃ پر ہے۔ ابن عامر، ابوحیوہ اور مغیرہ نے الارض پر عطف کرتے ہوئے انہیں منصوب پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فعل مضمر ہے تقدیر کلام یہ ہے خلق الحبّ ذا العصف و الریحان اس صورت میں ذات الاکمام پر عطف کرنا اچھا ہے۔ حمزہ اور کسائی نے الریحان کو جر دی ہے اس کا عطف العصف پر ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی الحب ذو العصف و الریحان جس نے ریحان کو رزق بنایا ہے یہ اس پر ممتنع نہیں، گویا یوں کہا: والحب ذو الرزق۔ رزق اس حیثیت میں کہ عصف رزق ہے کیونکہ عصف بہائم کا رزق ہے اور ریحان لوگوں کا رزق ہے(6)۔ جس نے یہ کہا کہ یہ ریحان مشموم ہے اس کے قول میں کوئی شبہ نہیں۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ یہ جن وانس کو خطاب ہے کیونکہ انام کا لفظ دونوں پر صادق آتا ہے(7)؛ یہ جمہور کا قول

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 426　2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 225　3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 426　4۔ ایضاً

5۔ نوادر الاصول، الاصل العاشر والمائۃ فی صفحہ 146۔ جامع ترمذی، باب ماجاء فی حب الولد، حدیث 1833، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

6۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 225　7۔ ایضاً

ہے۔ اس پر حضرت جابر کی حدیث دلالت کرتی ہے جس کا ذکر سورت کے آغاز میں ہوا ہے: اسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے اس میں ہے للجن احسن منکم ردا (1) جنوں نے تم سے بہتر جواب دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: جب فرمایا خَلَقَ الْاِنْسَانَ اور فرمایا: خَلَقَ الْجَآنَّ اس چیز نے اس امر پر دلالت کی کہ جس کا ذکر پہلے ہوا یا بعد میں ہوا اس پر یہ دال ہے نیز یہ بھی فرمایا: سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ یہ خطاب انسانوں اور جنوں کو ہے اس صورت میں فرمایا: يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ۔ جرجانی نے جنوں کو انسان کے ساتھ خطاب کیا اگرچہ جنوں کا پہلے ذکر نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ (ص) جنوں کا ذکر وہاں ہو چکا تھا جو پہلے نازل ہوا قرآن ایک سورت کی طرح ہے جب یہ ثابت ہے کہ وہ انسانوں کی طرح مکلف ہیں تو ان آیات میں دونوں جنسوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خطاب صرف انسانوں کو ہے جس طرح عربوں کی عادت ہے کہ ایک کو خطاب تثنیہ کے لفظ کے ساتھ کرتے ہیں جس طرح اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ (ق:24) میں گفتگو گزر چکی ہے اسی طرح قفانبك اور خلیلی مرّابی میں گزر چکا ہے، جہاں تک خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ اور خَلَقَ الْجَآنَّ کے بعد جو خطاب ہے وہ انسانوں اور جنوں دونوں کو ہے۔ صحیح جمہور کا قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ، آلاء سے مراد نعمتیں ہیں (2)؛ یہ تمام مفسرین کا قول ہے اس کا واحد الٰی اور اِنْی ہے جس طرح معٰی اور عصا ہے الٰی اور اَلی اس میں چار لغتیں ہیں جن کا ذکر نحاس نے کیا ہے کہا: اناء اللیل کے واحد میں تین لغتیں ہیں ان میں سے الف مفتوح اور لام ساکن والی لغت ساقط ہے۔ سورۃ الاعراف اور سورۃ النجم میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

ابن زید نے کہا اس سے مراد قدرت ہے تقدیر کلام یہ ہے فبأی قدرۃ ربکما تکذبان یہ کلبی کا قول ہے۔ امام ترمذی محمد بن علی نے اسے ہی اختیار کیا ہے کہا: یہ سورت قرآن کی سورتوں کا جھنڈا ہے جھنڈا لشکر کا امام ہوتا ہے اور لشکر اس کی پیروی کرتا ہے: یہ علم (جھنڈا) بنا کیونکہ یہ ملک وقدرت کی صفت ہے فرمایا: اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ سورت کا آغاز دوسرے اسماء کی بجائے رحمٰن کے اسم سے کیا تا کہ بندوں کو علم ہو جائے کہ اس کے بعد تمام وہ چیزیں جن کے ساتھ صفت بیان کی ہے وہ اس کے افعال، اس کے ملک اور اس کی قدرت میں سے ہے اللہ تعالیٰ کی رحمانیت میں سے رحمت عظمیٰ ان کی طرف نکلی ہے۔ فرمایا: اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ پھر انسان کا ذکر کیا فرمایا: خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ پھر ان چیزوں کا ذکر کیا جو انسان پر احسانات کیے پھر سورج و چاند کے احسان اور اشیاء یعنی نجم و شجر کے سجود کا ذکر کیا پھر آسمان کے بلند کرنے اور میزان یعنی عدل قائم کرنے اور زمین کو انام کے لیے بچھانے کا ذکر کیا، پھر جن وانس کو خطاب کیا جب انہوں نے ان چیزوں کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کی وجہ سے قدرت و ملک میں سے ظاہر ہوئیں جو اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی منفعت اور حاجت کے بغیر کیں، تو لوگوں نے اس کے ساتھ بتوں کو شریک کر لیا اور ہر معبود کو اس کے سوا اپنا معبود بنا لیا اور اس رحمت کا انکار کر دیا جس کے ساتھ یہ اشیاء ان کی طرف نکلیں۔ سوال کرتے ہوئے انہیں فرمایا: فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ یعنی تم اپنے رب کی کس قدرت کا انکار کرتے ہو؟ ان کی تکذیب یہ تھی کہ وہ چیزیں جو اس کے ملک اور قدرت سے ظاہر ہوئی تھیں ان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ انہوں نے شریک

1۔ المستدرک علی الصحیحین، جلد 2، صفحہ 515، سورۂ رحمٰن　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 226

ٹھہرالیا جو اس کے ساتھ مالک ہے اور اس کے ساتھ قادر ہے یہی ان کی تکذیب ہے۔ پھر یہ ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو صلصال سے پیدا کیا۔ پھر یہ ذکر کیا کہ جنوں کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا۔ پھر ان سے پوچھا تو فرمایا: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ یعنی تم اپنے رب کی کس قدرت کا انکار کرتے ہو کیونکہ ہر مخلوق میں اس کی قدرت کے بعد قدرت شامل ہے۔ ان آیات میں تکرار تاکید کے لیے اور وضاحت میں مبالغہ کے لیے ہے اور ان کے خلاف دلیل قائم کرنے کے لیے ہے کہ ایک مخلوق کے بعد دوسری مخلوق کو پیدا کیا۔ قتبی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں اپنی نعمتوں کا شمار کیا اپنی مخلوق کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں۔ پھر اس کے پیچھے ہر اس کجی کا ذکر کیا جس سے وہ متصف تھا اور ہر اس نعمت کا ذکر کیا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے باوجود اس پر کی اور یہ دو نعمتوں کے درمیان اسے فاصلہ کے طور پر رکھا تاکہ انہیں نعمتوں پر متنبہ کرے اور انہیں وہ نعمتیں یاد دلائے جس طرح تو اس آدمی کو کہتا ہے جس پر تو لگاتار احسان کرتا ہے جب کہ وہ اللہ کی ناشکری کرتا ہے اور اس کا انکار کرتا ہے۔ کیا تو فقیر نہیں تھا تو میں نے تجھے غنی کر دیا۔ کیا تو اس کا انکار کرتا ہے؟ کیا تو گمنام نہ تھا تو میں نے تجھے عزت دار بنا دیا کیا تو اس کا انکار کر سکتا ہے؟ اس قسم کی صورت حال میں تکرار اچھا ہے، جس طرح کہا:

كَمْ نِعْمَةٍ كانتْ لَكُمْ كَمْ كَمْ وكَمْ

تمہارے لیے کتنی ہی نعمتیں ہیں۔

اسی طرح کہا:

لا تَقْتُلِي مُسْلِمًا اِنْ كنتِ مُسْلِمَةً اِيَّاكِ مِنْ دَمِهِ اِيَّاكِ اِيَّاكِ

اگر تو مسلمان عورت ہے تو کسی مسلمان کو قتل نہ کر اس کے خون سے بچ۔

ایک اور شاعر نے کہا۔

ولا تَمَلَّنَّ من زيارته زُرْهُ وزُرْهُ وزُرْ وزُرْ وزُرْ

اپنے دوست کی ملاقات سے نہ اکتا تو اس کی ملاقات کر۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَ خَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَ رَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾

''پیدا فرمایا انسان کو بجنے والی مٹی سے ٹھیکری کی مانند اور پیدا کیا جان کو آگ کے خالص شعلے سے۔ پس (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ وہی دونوں مشرقوں کا رب ہے اور دونوں مغربوں کا رب ہے۔ پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ جب اللہ تعالیٰ نے عالم کبیر کی تخلیق یعنی آسمان، زمین اور ان کے درمیان اس کی وحدانیت اور اس کی قدرت پر موجود دلائل کا ذکر کیا تو عالم صغیر کی تخلیق کا ذکر کیا فرمایا: خَلَقَ الْاِنْسَانَ علماء تاویل کا اتفاق ہے کہ الْاِنْسَانَ سے مراد

حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ۝ صَلْصَالٍ سے مراد خشک مٹی ہے جس کی کھنک سنائی دیتی ہے۔ اس کو فخار کے ساتھ تشبیہ دی جسے پکایا گیا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایسی مٹی ہے جس میں ریت کی آمیزش ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد بدبودار مٹی ہے(1) یہ صل اللحم واصل سے مشتق ہے جب وہ بدبودار ہو۔ سورۂ حجر میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ یہاں کہا: مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ۝ ایک اور جگہ فرمایا: مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۝ (الحجر) ایک اور جگہ فرمایا: اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ۝ (الصافات) فرمایا: كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران: 59) سب کا معنی ایک ہی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین سے مٹی لی اسے گوندھا تو وہ طین بن گئی پھر وہ منتقل ہوئی تو وہ حما مسنون کی طرح ہو گئی پھر منتقل ہوئی تو وہ فخار کی طرح صَلْصَالٍ ہو گئی۔

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ۝ حضرت حسن بصری نے کہا: جان سے مراد ابلیس ہے یہ جنوں کا باپ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الْجَآنَّ جن کا واحد ہے مَّارِجٍ سے مراد خالص شعلہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جنوں کو خالص جان سے پیدا کیا۔ لیث نے کہا: مَّارِجٍ سے مراد ایسا شعلہ ہے جو پھیلنے والا ہو جو شدید لپک والا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے(2): اس سے مراد وہ شعلہ ہے جو آگ پر بلند ہوتا ہے اور اس کا بعض بعض سے ملا ہوتا ہے یعنی کوئی سرخ کوئی زرد اور کوئی سبز ہوتا ہے۔ اس کی مثل مبرد کا قول ہے مبرد نے کہا: مَّارِجٍ سے مراد ایسی آگ ہے جو روکی نہ جا سکے۔ ابوعبیدہ اور حسن بصری نے کہا: مَّارِجٍ سے مراد خلط ملط آگ ہے۔ اس کی اصل مرج ہے جب وہ مضطرب ہو اور خلط ملط ہو۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو آگوں کو پیدا کیا ان میں سے ایک کو دوسری کے ساتھ ملا دیا تو ان میں سے ایک دوسری کو کھا گئی وہ نار سموم تھی، اس سے ابلیس کو پیدا کیا۔ قشیری نے کہا: لغت میں مَّارِجٍ سے مراد ہے جسے چھوڑ دیا گیا ہو یا جو خلط ملط ہو گیا ہو۔ یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے جو اسم مفعول کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَّآءٍ دَافِقٍ۝ (الطارق) عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ۝ (الحاقہ) معنی ہے مرج والی۔ جوہری نے صحاح میں کہا: مارج من نار یعنی ایسی آگ جس میں دھواں نہ ہو اس سے جنوں کو پیدا کیا گیا ہے۔ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۝

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ۝ تقدیر کلام یوں ہے ھو رب المشرقین سورۃ صافات میں ہے رَبُّ الْمَشَارِقِ۝ اس کے بارے میں وہاں گفتگو گزر چکی ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۝ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۝

"اس نے رواں کیا ہے دونوں دریاؤں کو جو آپس میں مل رہے ہیں، ان کے درمیان آڑ ہے آپس میں گڈمڈ نہیں ہوتے۔ پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ نکلتے ہیں ان سے موتی اور مرجان

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 226	2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 428

پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۙ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۚ مَرَجَ کا معنی چھوڑ دینا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: مرج السلطان الناس جب بادشاہ نے لوگوں کو مہمل چھوڑ دیا۔ مَرَجَ کا اصل معنی مہمل چھوڑنا ہے جس طرح جانوروں کو چراگاہ میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: مرج یعنی خلط ملط کر دیا۔ اخفش نے کہا: ایک قوم کہتی ہے أمرج البحرین یہ مرجکی طرح ہے فعل اور افعل ایک معنی میں ہے۔ البحرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آسمان کا سمندر اور زمین کا سمندر (1)؛ یہ مجاہد اور سعید بن جبیر کا قول ہے۔ يَلْتَقِيٰنِ وہ ہر سال میں ملتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں کے کنارے ملتے ہیں (2)۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: فارس اور روم کا سمندر (3)۔ ابن جریج نے کہا: مراد نمکین سمندر اور میٹھے دریا (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشرق و مغرب کے سمندر جن کے کنارے ملتے ہیں (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لؤلؤ اور مرجان کا سمندر (6)۔ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ دونوں کے درمیان آڑ ہے۔ پہلے قول کے مطابق جو زمین و آسمان کے درمیان ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ دوسرے قول کے مطابق وہ زمین ہے جو دونوں کے درمیان ہے وہ حجاز ہے؛ یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے۔ ان دونوں کے علاوہ جو اقوال ہیں ان میں حاجز سے مراد قدرت الٰہیہ ہے جس طرح سورۂ فرقان میں گزرا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مروی ہے: ''اللہ تعالیٰ نے مغربی کنارہ سے کلام فرمایا فرمایا: میں تجھ میں ایسے بندے بنانے والا ہوں جو تسبیح کریں گے، تکبیر کہیں گے، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہیں گے اور میری حمد کریں گے تو ان کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ اس نے عرض کی: اے میرے رب! میں انہیں غرق کر دوں گا۔ فرمایا: میں انہیں اپنے ہاتھ میں اٹھالوں گا اور تیری قوت کو تیری اطراف میں رکھ دوں گا۔ پھر مشرقی کنارہ سے گفتگو کی۔ فرمایا: میں تجھ میں اپنے ایسے بندے پیدا کرنے والا ہوں جو میری تسبیح کریں گے، میری کبریائی بیان کریں گے، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھیں گے، میری بزرگی بیان کریں گے تو ان کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟

عرض کی: میں ان کے ساتھ تیری تسبیح بیان کروں گا جب وہ تیری تسبیح بیان کریں گے، میں تیری کبریائی بیان کروں گا جب وہ تیری کبریائی بیان کریں گے، جب وہ تیری الوہیت بیان کریں گے تو میں تیری الوہیت بیان کروں گا، میں ان کے ساتھ تیری بزرگی بیان کروں گا جب وہ تیری بزرگی بیان کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زیور عطا فرمایا اور دونوں کے درمیان رکاوٹ پیدا کر دی۔ ان میں سے ایک سخت کھاری ہو گیا اور دوسرا اپنی اصلی حالت پر میٹھا رہا''۔ ترمذی حکیم ابو عبد اللہ نے اس خبر کا ذکر کیا۔ کہا: صالح بن عبد اللہ نے قاسم عمری سے وہ سہیل سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ لَّا يَبْغِيٰنِ۔ قتادہ نے کہا: وہ لوگوں پر بغاوت نہیں کرتے کہ انہیں غرق کر دیں (7)۔ ان دونوں اور لوگوں کے درمیان اس نے خشکی بنا دی ہے۔ ان سے اور مجاہد سے یہ مروی ہے ان میں سے کوئی ایک دوسرے پر بغاوت نہیں کرتا کہ اس پر غالب آ جائے۔ ابن زید نے کہا کہ لَّا يَبْغِيٰنِ کا معنی ہے وہ بغاوت نہیں کرتے کہ ایک دوسرے کو ملیں (8)۔ تقدیر کلام یہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 429　2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 227　3۔ ایضاً
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 430-429　5۔ ایضاً　6۔ ایضاً　7۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 430　8۔ ایضاً

ہے مرج البحرین یلتقیان اگر ان کے درمیان رکاوٹ نہ بھی ہوتی تو وہ ملاقات کرنے کے لیے بغاوت نہ کرتے۔
ایک قول یہ کیا گیا ہے: دنیا اور آخرت میں جو آڑ ہے یعنی ان کے درمیان ایک موت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا ہے۔ یہ دنیا کی موت ہے وہ ایک دوسرے پر بغاوت نہیں کریں گے۔ جب اللہ تعالیٰ دنیا کے ختم ہونے کا اذن دے گا تو دونوں سمندر ایک ہو جائیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝ (الانفطار) سہل بن عبداللہ نے کہا: دو سمندروں سے مراد خیر اور شر کا راستہ ہے، برزخ سے مراد توفیق اور عصمت ہے (1)۔

یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ ۝ یعنی تمہارے لیے پانی سے لؤلؤ اور مرجان نکالتا ہے جس طرح مٹی سے دانا، بھوسہ اور ریحان نکالتا ہے۔ نافع اور ابو عمرو نے یخرج یاء کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے (2) یعنی مجہول کا صیغہ پڑھا ہے باقی قراء نے یَخْرُجُ یعنی یاء کے فتحہ اور راء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ لؤلؤ اس کا فاعل ہوگا۔ مِنْهُمَا کے بارے میں کہا: وہ نمکین سے نکالتا ہے میٹھے سمندر سے نہیں نکالتا، کیونکہ عرب دو جنسوں کو جمع کرتے ہیں پھر ان میں سے ایک کے بارے میں خبر دیتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یامعشر الجن و الانس الم یاتکم رسل منکم (الزمر: 41) رسل انسانوں میں سے ہوتے ہیں جنوں میں سے نہیں ہوتے؛ یہ کلبی اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ زجاج نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ذکر کیا جب ان دونوں میں سے کوئی چیز نکلتی ہے تو گویا وہ دونوں سے نکلتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝ وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا (نوح) چاند آسمان دنیا میں ہے لیکن سات آسمانوں کا ذکر اجمالاً کیا گویا ان میں سے کسی ایک میں ہے تو سب میں ہے۔ ابو علی فارسی نے کہا: یہ مضاف کے حذف کے باب سے تعلق رکھتا ہے تقدیر کلام یہ ہے من أحدهما جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ (الزخرف) یہ اصل میں من احدی القریتین تھا۔ اخفش سعید نے کہا: ایک قوم کا گمان ہے کہ وہ لؤلؤ میٹھے سمندر سے نکلتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دونوں سمندر ہیں ان دونوں میں سے ایک سے لؤلؤ اور دوسرے سے مرجان نکلتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ دونوں آسمان اور زمین کے سمندر ہیں جب آسمان کا پانی سمندر کی سیپی میں گرتا ہے تو موتی بنتا ہے پس وہ دونوں سے نکلنے والا ہوا (3)؛ یہ طبری نے کہا: ثعلبی نے کہا: میرے سامنے ذکر کیا گیا ہے ایک گٹھلی سیپی کے پیٹ میں ہوتی ہے بارش کا قطرہ اس گٹھلی کے بعض تک پہنچتا ہے اور بعض تک نہیں پہنچتا، قطرہ گٹھلی کے جس حصہ تک پہنچتا ہے وہ موتی ہوتا ہے اور باقی ماندہ گٹھلی ہی رہتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میٹھا اور نمکین بعض اوقات مل جاتے ہیں تو میٹھا نمکین کو ثمر بار کرنے کا سبب بن جاتا ہے تو موتی کو ان دونوں کی طرف منسوب کیا جس طرح بچے کو مذکر و مؤنث کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اگرچہ مونث نے اسے جنا ہوتا ہے؛ اس وجہ سے یہ قول کیا جاتا ہے کہ موتی نہیں نکلتا مگر ایسی جگہ سے جہاں میٹھا اور نمکین پانی ملتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مرجان سے مراد بڑے موتی ہیں؛ یہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور لؤلؤ چھوٹے موتیوں کو کہتے ہیں؛ ان دونوں سے اس کے برعکس بھی مروی ہے یعنی کہ لؤلؤ بڑے موتیوں کو اور مرجان چھوٹے موتیوں کو کہتے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 430　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 229　　3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 431

ہیں؛ یہ ضحاک اور قتادہ کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن مسعود اور ابو مالک نے کہا: مرجان سرخ گھونگا ہے۔

وَ لَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَـٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿٢٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢٥﴾

''اور اس کے زیر فرمان ہیں وہ جہاز جو سمندروں میں پہاڑوں کی مانند بلند نظر آتے ہیں۔ پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

وَ لَهُ الْجَوَارِ جوار سے مراد کشتیاں ہیں(1)۔ الْمُنْشَـٰتُ عام قرأت المنشآت ہے یعنی شین پر زبر ہے۔ قتادہ نے کہا: ایسی مخلوق جو چلنے کے لیے ہو(2)۔ یہ انشا سے ماخوذ ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد ایسی کشتیاں ہیں جن کے بادبان اٹھا دیئے گئے ہوں۔ جب ان کے بادبان نہ اٹھائے جائیں تو وہ منشآت نہیں۔ اخفش نے کہا: اس سے مراد چلنے والی ہیں(3)۔ حدیث میں ہے: حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ایسی کشتیوں کو دیکھا جن کے بادبان اٹھا دیئے گئے تھے(4) فرمایا: ان کشتیوں کے رب کی قسم! نہ میں نے حضرت عثمان کو قتل کیا اور نہ میں نے ان کے قتل میں مدد کی۔

حمزہ، ابو بکر نے عاصم سے اس سے مختلف روایت نقل کی ہے(5) المنشآت یعنی شین کے کسرہ کے ساتھ ہے مراد المنشآت السیر ہے فعل کی نسبت جو اس طرف کی گئی ہے وہ بطور مجاز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس کے بادبان اٹھا دیئے گئے ہوں جس نے شین کو فتحہ دیا اس نے کہا: مراد ہے المرفوعات الشرع۔ كَالْأَعْلَامِ ﴿٢٤﴾ پہاڑوں کی مانند۔ علم سے مراد طویل پہاڑ ہے۔ کہا: اذا قطعن علما بدا علم انہوں نے جب ایک طویل پہاڑ طے کیا تو دوسرا پہاڑ ظاہر ہو گیا۔ سمندر میں کشتیاں اس طرح ہیں جس طرح خشکی میں پہاڑ ہوتے ہیں۔ سورۂ شوریٰ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ یعقوب نے الجواری وقف میں یاء کے ساتھ پڑھا ہے جب کہ باقی قراء نے یاء کو حذف کیا ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّ يَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَـٰلِ وَ الْإِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢٨﴾

''جو کچھ زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے اور باقی رہے گی آپ کے رب کی ذات جو بڑی عظمت و احسان والی ہے۔ پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ عَلَيْهَا میں ضمیر الارض کے لیے ہے۔ سورت کے آغاز میں اس کا ذکر ہوا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ الْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ﴿١٠﴾ (الرحمٰن) ایک جملہ یہ بولا جاتا ہے: ھو اکرم من علیھا یہاں علیھا میں ضمیر سے مراد زمین لیتے ہیں اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی فرشتوں نے کہا: اہل زمین ہلاک ہو گئے تو یہ آیت نازل ہوئی: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص: 88) ملائکہ کو ہلاکت کا یقین ہو گیا؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ مخلوق کے فنا ہونے میں نعمت یہ ہے کہ موت میں سب کو برابر کر دیا اور موت کے ساتھ تمام قدم برابر ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نعمت کی صورت یہ ہے کہ موت دار جزا اور دار ثواب کی طرف منتقل ہونے کا سبب ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 228 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 431 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً

وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ یعنی اللہ تعالیٰ باقی رہے گا۔ وجہ سے مراد اس کا وجود اور اس کی ذات ہے؛ شاعر نے کہا:

قضى على خلقه المنايا فكلُّ شيءٍ سواه فاني

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر موتوں کا فیصلہ کر دیا تو اس کے سوا ہر شے فانی ہے۔

یہ وہ تعبیر ہے جسے ہمارے محقق علماء یعنی ابن فورک، ابو معالی اور دوسروں نے اختیار کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وجہ سے مراد اس کی ذات ہے جس طرح فرمایا: وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۞ (الرحمٰن)

ابو معالی نے کہا: وجہ سے مراد ہمارے ائمہ کے نزدیک وجود باری تعالیٰ ہے۔ ہمارے مشائخ نے اسے ہی پسند کیا ہے اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ جب مخلوق کو فنا پر پیش کیا جائے تو بقا سے موصوف اللہ تعالیٰ کا وجود ہو گا۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرہ: 115) میں گزر چکی ہے۔ ہم نے اسے کتاب الاسنیٰ میں مفصل ذکر کر دیا ہے۔ قشیری نے کہا: ایک قوم کا نقطہ نظر ہے یہ ذات پر زائد صفت ہے جس کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ جسے اکرام سے نوازنے کا ارادہ کرتا ہے اس پر توجہ اسی صفت سے حاصل ہوتی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وَجْهُ سے مراد اس کا وجود اور اس کی ذات ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: هذا وجه الامر وجه الصواب وعين الصواب ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا ظہور اس کے ادلہ کے ساتھ باقی رہے گا جس طرح انسان کا ظہور اس کے چہرے کے ذریعے ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جہت باقی رہے گی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے گا۔ ذُو الْجَلٰلِ جلال سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی کبریائی ہے اور صفات مدح کا مستحق ہونا ہے یہ کہا جاتا ہے: جل الشیٔ یعنی چیز عظیم ہو گئی أجللته میں نے اس کی عظمت کو بیان کیا۔ اجلال یہ جل کا اسم ہے۔ وَ الْاِكْرَامِ وہ اس کا اہل ہے کہ اس کی ان چیزوں سے عظمت بیان کی جائے جو اس کے مناسب نہ ہو جیسے شرک جس طرح تو کہتا ہے: أنا أكرمك عن هذا اس معنی میں اکرام الانبیاء والاولیاء کا لفظ ہے۔ ہم نے ان دونوں اسماء کے بارے میں کتاب الاسنیٰ میں مفصل بحث کی ہے۔

حضرت انس نے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ألظوا بیاذا الجلال والإكرام یا ذالجلال والاكرام کے ساتھ دعا کو لازم پکڑو (1)۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے معنی ہے دعا میں اسے لازم پکڑو۔ ابو عبید نے کہا: الظاظ کا معنی شے کو لازم پکڑنا ہے اور اس پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: الظاظ کا معنی اصرار کرنا ہے۔ سعید بن مقبری سے مروی ہے: ایک آدمی نے اصرار کیا وہ کہنے لگا اللّٰھم یا ذا الجلال والاکرام اللّٰھم یا ذا الجلال والاکرام نور سے ندا کی گئی میں نے سن لیا ہے تیری کیا حاجت ہے؟

يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞

1۔ المستدرک علی الصحیحین، کتاب الادعاء والتکبیر والتہلیل، جلد 1، صفحہ 676، حدیث 1836

جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب ماجاء فی جامع الدعوات عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث نمبر 3447، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

''مانگ رہے ہیں اس سے (اپنی حاجتیں) سب آسمان والے اور زمین والے ہر روز وہ ایک نئی شان سے تجلی فرماتا ہے۔ پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

یَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آسمانوں میں جو ہے وہ رحمت کا سوال کرتا ہے اور زمین میں جو کوئی ہے وہ رزق کا سوال کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابو صالح نے کہا: اہل آسمان مغفرت کا سوال کرتے ہیں وہ رزق کا سوال نہیں کرتے اور اہل زمین دونوں چیزوں کا سوال کرتے ہیں۔ ابن جریج نے کہا: ملائکہ اہل زمین کے لیے رزق کا سوال کرتے ہیں۔ دونوں سوال اہل زمین کے لیے ہیں وہ سوال آسمان والوں کی جانب سے ہو یا اہل زمین کی جانب سے ہو۔ حدیث میں ہے: ''فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جس کے چار چہرے ہیں ایک چہرہ انسان کے چہرہ کی طرح ہے وہ الله تعالیٰ سے انسانوں کے لیے رزق کا سوال کرتا ہے، ایک چہرہ شیر کے چہرے جیسا ہے وہ درندوں کے لیے الله تعالیٰ سے رزق کا سوال کرتا ہے، ایک چہرہ بیل کے چہرے جیسا ہے جو چوپاؤں کے لیے رزق کا سوال کرتا ہے ایک چہرہ گدھ کے چہرے جیسا ہے وہ الله تعالیٰ سے پرندوں کے لیے رزق کا سوال کرتا ہے''۔ ابن عطا نے کہا: انہوں نے الله تعالیٰ سے عبادت پر قوت کا سوال کیا۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾ یہ نئی کلام ہے كُلَّ يَوْمٍ کو فِیْ شَاْنٍ یا سوال کی ظرف کے طور پر منصوب ہے پھر نئی کلام کی هُوَ فِیْ شَاْنٍ۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ ''كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ سے مراد ہے اس کی یہ شان ہے کہ وہ گناہ بخش دیتا ہے، تکلیفوں کا دور کرتا ہے، ایک قوم کو عزت سے نوازتا ہے اور دوسروں کو پست کرتا ہے'' (1)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے الله تعالیٰ کے فرمان: كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ کا یہ معنی نقل کیا ہے ''وہ گناہ بخش دیتا ہے، وہ مصیبت کو دور کرتا ہے اور دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہے'' (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی شان یہ ہے کہ وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے، وہ عزت دیتا ہے اور ذلت دیتا ہے، وہ رزق دیتا ہے اور رزق روک لیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: دنیا و آخرت میں اس کی شان کا ارادہ کیا۔ ابن بحر نے کہا: تمام زمانہ دو دن ہیں ان دونوں میں سے ایک دنیا کے ایام کی مدت ہے اور دوسرا یوم قیامت ہے (3)، دنیا کے دنوں میں اس کی شان (اس کا عمل) یہ ہے آزمانا، امر و نہی کے ساتھ امتحان لینا، زندہ کرنا، موت دینا، عطا کرنا اور روک لینا، قیامت کے دن اس کا یہ کام ہوگا جزا دینا، حساب کرنا، ثواب دینا اور عذاب دینا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہے دنیا کے دنوں میں سے ہر دن میں اپنے عمل کے بارے میں خبر دینا۔ یہ تو ظاہر ہے۔ لغت میں شان سے مراد عظیم کام ہے۔ اس کی جمع شئون ہے یہاں شَاْنٍ سے مراد جمع ہے جس طرح الله تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا (غافر: 67) کلبی نے کہا: اس کا عمل یہ ہے مقادیر کو ان کے اوقات کی طرف لے جاتا ہے۔ عمرو بن

1۔ شعب الایمان، جلد 2، صفحہ 36، سورۂ رحمٰن، کل یوم هو فی شان، حدیث 1102۔

ایضاً سنن ابن ماجہ، باب فی ما انکرت الجهمية، حدیث 197، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 157 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 432

میمون نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ کے بارے میں فرمایا: اس کا عمل یہ ہے وہ زندہ کو موت دیتا ہے، رحموں میں جو چاہتا ہے اسے قرار دیتا ہے، ذلیل کو عزت دیتا ہے اور عزیز کو ذلت دیتا ہے۔ ایک امیر نے وزیر سے اللہ تعالیٰ کے فرمان کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ کے بارے میں سوال کیا تو وہ اس کا معنی نہیں پہچانتا وزیر نے کل تک مہلت مانگی پریشان ہو کر گھر کی طرف چلا گیا۔ اس کے حبشی غلام نے پوچھا: کیا معاملہ ہے؟ وزیر نے اسے بتایا۔ غلام نے اسے کہا: امیر کے پاس واپس جایئے میں اس کے سامنے اس کی وضاحت کروں گا۔ بادشاہ نے اسے بلالیا عرض کی: اے امیر! اس کا عمل یہ ہے وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے، بیمار کو شفا دیتا ہے اور صحت مند کو مریض کر دیتا ہے، آسودہ کو آزماتا ہے اور مصیبت زدہ کو عافیت عطا کرتا ہے، ذلیل کو عزت دیتا ہے اور عزیز کو ذلت دیتا ہے، غنی کو فقیر کرتا ہے اور فقیر کو غنی کرتا ہے۔ امیر نے اس سے کہا: تو نے میری تکلیف کو رفع کیا اللہ تعالیٰ تیری تکلیف کو رفع فرمائے۔ پھر امیر نے وزیر کی خلعت اتارنے کا حکم دیا اور غلام کو پہنادی۔ اس نے عرض کی: اے میرے آقا! یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔

حضرت عبداللہ بن طاہر سے مروی ہے اس نے حسین بن فضل کو بلایا اسے کہا: تین آیات ایسی ہیں جنہوں نے مجھے پریشان کر دیا ہے میں نے تجھے بلایا ہے تاکہ تو میرے لیے ان کی وضاحت کر دے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ﴿﴾ (المائدہ) یہ بات ثابت ہے کہ ندم توبہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ (الرحمٰن:29) یہ صحیح ہے کہ قلم اس بارے میں خشک ہو چکا ہے جو قیامت تک ہونا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ (النجم) یہ کئی گنا کا کیا مفہوم ہے؟ حسین بن فضل نے جواب دیا: یہ جائز ہے کہ اس امت میں شرمندگی توبہ نہ ہو اور اس امت میں شرمندگی توبہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو ایسے خصائص کے ساتھ خاص کیا ہے جن میں دوسری امتیں شریک نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قابیل کا شرمندہ ہونا ہابیل کے قتل پر نہ تھا بلکہ اس کے اٹھانے پر شرمندہ ہوا تھا۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ کا تعلق ہے وہ ایسے امور ہیں جن کو وہ ظاہر فرماتا ہے وہ ایسے امور نہیں جن کا وہ آغاز کرتا ہے، جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا تعلق ہے وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ اس کا معنی ہے عدل کے اعتبار سے تو اس کے لیے وہی کچھ ہے جس کی وہ کوشش کرے اور میری یہ شان ہے کہ میں ایک کے بدلہ میں بطور فضل ہزار دوں۔ عبداللہ اٹھا اس کے سر کو چوما اور اس کے لیے خراج میں سے وظیفہ جائز قرار دیا۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ یُرْسَلُ عَلَیْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ۬ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾

''ہم عنقریب توجہ فرمائیں گے تمہاری طرف اے جن وانس! پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

اے گروہ جن وانس! اگر تم میں طاقت ہے کہ تم نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کی سرحدوں سے تو نکل کر بھاگ جاؤ (سنو) تم نہیں نکل سکتے بجز سلطان کے (اور وہ تم میں مفقود ہے)۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ بھیجا جائے گا تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں پھر تم اپنا بچاؤ بھی نہ کر سکو گے۔ پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۝ یوں کہا جاتا ہے: فرغتُ من الشغل أفرغ فروغا وفرغا تفرغت لكذا واستفرغت مجهودي في كذا میں نے اپنی کوششیں خرچ کیں۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا کام نہیں جس سے فارغ ہو۔ اس کا معنی ہے ہم تمہیں جزا دینے اور تمہارا حساب لینے کا ارادہ کرتے ہیں۔ یہ ان کے لیے دھمکی ہے جس طرح جب کوئی دھمکی کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے: اذا أتفرغ لك یعنی میں تیرا قصد کرتا ہوں۔ فرغ قصد کے معنی میں ہے۔ ابن انباری نے اس کی مثل معاملہ میں پڑھا:

أَلَآنَ وقَدْ فَرَغْتُ إِلى نُمَيْرٍ (1)

خبردار! اب میں نے نمیر کا قصد کیا۔

نحاس نے کہا: فَرَغْتُ إِلى العَبْدِ المُقَيَّدِ فی الحِجْلِ

میں نے بیڑی میں قید غلام کا قصد کیا۔

حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لیلۃ العقبہ کو انصار سے بیعت لی شیطان نے چیخ ماری: یاهل الحجاجب! هذا مذمم يبايع بني قيلة على حربكم اے منیٰ میں مقیم لوگو! یہ مذمم (نعوذ باللہ) تمہارے خلاف جنگ کرنے کے لیے بنی قیلہ سے بیعت لے رہا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یہ عقبہ کا شیطان ہے خبردار! اللہ کی قسم! اے اللہ کے دشمن! لاتفرغن لك میں تیرے معاملہ کو باطل کرنے کا قصد کرتا ہوں" (2)۔ یہ قتبی، کسائی اور دوسرے علماء کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اختیار کرنے پر وعدہ کیا اور فجور پر دھمکی دی، پھر فرمایا: سَنَفْرُغُ لَكُمْ ہم نے تم سے جو وعدہ کیا ہے اس کا قصد کریں گے اور جس سے ہم نے جو وعدہ کیا ہو گا ہر ایک تک وہ پہنچائیں گے یعنی میں اسے تقسیم کرتا ہوں اور اس سے فارغ ہوتا ہوں؛ یہ حسن بصری، مقاتل اور ابن زید کا قول ہے۔ حضرت عبداللہ اور حضرت ابی نے سنفرغ اليكم پڑھا ہے۔ اعمش اور ابراہیم نے اسے سيفرغ لكم پڑھا ہے یاء پر ضمہ اور راء پر فتحہ ہے یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ ابن شہاب اور اعرج نے سنفرغ لكم پڑھا ہے یعنی نون اور راء مفتوح ہے۔ کسائی نے کہا: یہ تمیم کی لغت ہے وہ کہتے فرغ يفرَغ اور فرغ يفرُغ بھی حکایت کیا ہے دونوں کو ہبیرہ نے حفص سے انہوں نے عاصم سے روایت کیا ہے۔ جعفی نے ابو عمرو سے سيفرغ یاء اور راء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن ہرمز سے بھی روایت کی گئی ہے۔ عیسیٰ ثقفی سے سنفرغ لكم یعنی نون کے کسرہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔ حمزہ اور کسائی نے سيفرغ لكم یاء کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ تہامہ کی لغت ہے۔ ثقلان سے مراد جن وانس ہے۔ ان دونوں کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ زمین میں جو بھی مخلوق

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 434 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 229

ہے ان کی بنسبت ان دونوں کو عظمت شان حاصل ہے کیونکہ انہیں احکام کا مکلف بنایا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ یہ زندہ اور مردہ حالت میں زمین پر بوجھ ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا۝ (الزلزال) اس معنی میں ان کا قول ہے أعطه ثقلہ ثقل کا معنی وزن ہے۔ بعض اہل معانی نے کہا: ہر شی جس کی قدر اور وزن ہو جس میں مقابلہ کیا جاتا ہو تو وہ ثقل ہوتا ہے اس وجہ سے شتر مرغ کے انڈے کو ثقل کہتے ہیں کیونکہ اس کو پانے والا اور اس کو شکار کرنے والا جب اسے حاصل کر لیتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔

امام جعفر صادق نے کہا: دونوں کو ثقلین کہا گیا کیونکہ دونوں گناہوں کی وجہ سے بوجھل ہوتے ہیں (1) فرمایا: سنفرغ لکم، کم ضمیر کو جمع ذکر کیا پھر فرمایا: اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ کیونکہ دونوں فریق ہیں اور ہر فریق جمع ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ، ان استطعتما نہیں فرمایا کیونکہ یہ دونوں ایسے فریق ہیں جو جمع کی حالت میں ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِذَا هُمْ فَرِیْقٰنِ یَخْتَصِمُوْنَ۝ (النمل) اور ارشاد ہے: هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ (الحج:19) اگر ارشاد ہوتا سنفرغ لکما اور استطعتما تو یہ بھی جائز ہوتا۔ اہل شام نے پڑھا أیة الثقلان ھاء کو ضمہ دیا باقی قراء نے اسے فتحہ دیا ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ: یہ سورت، احقاف اور قل اوحی اس امر پر دلیل ہیں کہ جن مخاطب ہیں مکلف ہیں، مامور ہیں، منہی ہیں انہیں ثواب دیا جائے گا، انہیں سزا دی جائے گی، وہ انسانوں کے برابر ہیں، ان کا مومن انسانوں کے مومن کی طرح ہے، ان کا کافر انسانوں کے کافر کی طرح ہے، ہمارے اور ان کے درمیان کسی قسم کا فرق نہیں۔

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ابن مبارک نے ذکر کیا ہے کہ ہمیں جویبر نے ضحاک سے ذکر کیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کو حکم دے گا تو وہ اپنے مکینوں کے ساتھ پھٹ جائے گا اس کے فرشتے اس کی اطراف میں چلے جائیں گے یہاں تک کہ ان کا رب انہیں حکم دے گا تو وہ زمین کی طرف اتریں گے وہ زمین اور اہل زمین کو گھیر لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کے قریبی آسمان کو حکم دے گا وہ اتریں گے تو پہلی صف کے پیچھے صف میں کھڑے ہو جائیں گے پھر تیسرے آسمان پھر چوتھے پھر پانچویں پھر چھٹے پھر ساتویں آسمان کو حکم دے گا، پھر بلند ترین مرتبہ والا فرشتہ اترے گا جو بڑے جاہ و جلال میں ہوگا اس کی بائیں جانب جہنم ہوگی لوگ اس کی خوفناک آواز کو سنیں گے وہ زمین کی کسی طرف میں نہیں آئیں گے مگر وہاں فرشتوں کی صفیں پائیں گے اللہ تعالیٰ کے فرمان: یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ۝ کا یہی مطلب ہے۔ سلطان کا معنی عذر ہے۔ ضحاک نے بھی یہ کہا: اس اثناء میں کہ لوگ بازاروں میں ہوں گے آسمان کھل جائے گا، فرشتے اتریں گے جن اور انسان بھاگیں گے فرشتے انہیں گھیر لیں گے اللہ تعالیٰ کے فرمان: لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ سے یہی مراد ہے۔

میں کہتا ہوں: اس تاویل کی بنا پر یہ اس دنیا میں ہوگا۔ ابن مبارک نے جو ذکر کیا ہے وہ آخرت میں ہوگا۔ ضحاک سے یہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 230

بھی مروی ہے: اگر تم طاقت رکھتے ہو تو موت سے بھاگو تو بھاگ جاؤ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر تم طاقت رکھتے ہو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسے جانو تو اسے جان لو(1)۔ تم ہرگز نہیں جان سکو گے مگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے بینہ کے ساتھ۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ کا معنی ہے مجھے تم پر جو غلبہ اور قدرت ہے اس وجہ سے تم نہ نکل سکو گے۔ قتادہ نے کہا: تم ملک کے بغیر نہیں نکل سکو گے جب کہ تمہارے لیے کوئی ملک نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے لا تنفذون إلا إلى سلطان اس میں باء، الی کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ قَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ (یوسف: 100) یہاں بِ، الی کے معنی میں ہے؛ شاعر نے کہا:

أسِيئي بِنا أو أحسِنِي لا ملومة اس میں بنا، إلينا کے معنی میں ہے۔ ہمارے ساتھ برا سلوک کر یا اچھا سلوک کر کوئی ملامت نہ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فانفذوا عجز بیان کرنے کے لیے امر کا صیغہ ذکر کیا گیا(2)۔

یُرْسَلُ عَلَیْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ﳔ وَّ نُحَاسٌ اگر تم نکلتے تو تم پر آگ کا شعلہ بھیجا جاتا اور تمہیں ایسا عذاب اپنی گرفت میں لے لیتا جو باہر نکلنے سے مانع ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کلام کا تعلق باہر نکلنے سے نہیں بلکہ یہ خبر دی کہ وہ نافرمانوں کو آگ کے ساتھ عذاب دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے تم نے اپنے رب کی نعمتوں کو جھٹلایا تو وہ تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑ دے گا یہ اس تکذیب کی سزا ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مخلوقات کو فرشتوں کے ساتھ اور آگ کی زبان کے ساتھ گھیر لیا جائے گا پھر انہیں ندا کی جائے گی: یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وہ آگ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: یُرْسَلُ عَلَیْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کے نزدیک شواظ سے مراد ایسا شعلہ ہے جس میں دھواں نہ ہو۔ نحاس سے مراد ایسا دھواں جس میں شعلہ نہ ہو۔ اس معنی میں امیہ بن ابی صلت کا قول ہے وہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ہجو کرتا ہے تفسیر ثعلبی اور ماوردی بن ابی صلت میں ہے صحاح میں ہے اور ابن انباری کی الوقف والابتداء میں ہے امیہ بن خلف نے کہا:

١ وَيَنْفُخُ دَائِبًا لَهَبَ الشُّوَاظِ

وہ ہمیشہ شعلوں کو پھونکے مارتا تھا۔

حضرت حسان بن ثابت نے اسے جواب دیا۔

هَجَوْتُكَ فَاخْتَضَعْتَ لها بِذُلٍّ بِقافِيَةٍ تَأَجَّجُ كالشُّوَاظِ(3)

میں نے تیری ایسے اشعار سے ہجو کی جو شعلہ کی طرح بھڑک رہا ہے اور تو اس کے سامنے عاجزی کے ساتھ سر جھکا گیا۔

مجاہد نے کہا: شواظ سے مراد سبز شعلہ ہے جو آگ سے منقطع ہو جاتا ہے(4)۔ ضحاک نے کہا: ایسا دھواں جو شعلہ سے نکلتا ہے یہ لکڑی کا دھواں نہیں(5)؛ یہ سعید بن جبیر نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شُوَاظٌ سے مراد آگ اور دھواں ہے؛ یہ ابو عمرو کا قول ہے۔ اخفش نے اسے بعض عربوں سے اسے بیان کیا ہے۔ ابن کثیر نے شِواظ پڑھا ہے(6) باقی قراء نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح صِوار اور صُوار گائیوں کے ریوڑ کو کہتے ہیں۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 434 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 230 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 231 6۔ ایضاً

وَّنُحَاسٌ عام قرأت وَّنُحَاسٌ ہے اس کا عطف شُوَاظٌ پر ہے۔ ابن کثیر، ابن محیصن، مجاہد اور ابو عمرو نے ونحاسٍ جر کے ساتھ پڑھا ہے اس کا عطف النار پر ہے۔ مہدوی نے کہا: جس نے شُوَاظٌ کا معنی ایسا شعلہ لیا ہے جس میں دھواں نہیں ہوتا تو وہ بہت ہی بعید ہے یہ اس وقت تک جائز نہیں ہوتا جب تک موصوف کو حذف نہ کیا جائے، گویا کہا: یرسل علیکما شواظ من نار و شیء من نحاس پس شیء کا لفظ شواظ پر معطوف ہے یہ ایسا جملہ ہے جو شیء کی صفت ہے اور شیء کو حذف کر دیا گیا اور من کو حذف کیا گیا ہے کیونکہ اس کا ذکر فی نار میں گزر چکا ہے جس طرح علی ان کے قول میں محذوف ہے من تنزل انزل علیہ اس تعبیر کی بنا پر نحاس من محذوف کی وجہ سے مجرور ہوگا۔ مجاہد، حمید، عکرمہ اور ابو عالیہ نے ونحاس پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح شِواظ اور شُواظ۔ نحاس کا معنی طبیعت اور اصل بھی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان کریم النحاس اسی طرح نُحاس بھی ہے یعنی وہ اچھے حسب والا ہے۔

مسلم بن جندب نے ونَحْسٌ پڑھا ہے (1)۔ حنظلہ بن مرہ بن نعمان انصاری نے ونحس، نار پر عطف کرتے ہوئے پڑھا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ نحاس کسرہ کے ساتھ ہو یہ نَحْسٍ کی جمع ہے جس طرح صَعب و صِعَاب ہے ونحسٌ رفع کے ساتھ شواظ پر معطوف ہے۔ حضرت حسن بصری سے ونُحُس ہے یہ نَحْس کی جمع ہے۔ یہ بھی جائز ہے اس کی اصل ونحوس ہو اس کی واؤ کو حذف کر کے قصر کا قاعدہ جاری کیا گیا جس طرح پہلے گزر چکا ہے وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ (النحل)

عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ نے ونَحُسُّ پڑھا ہے نون مفتوح ہے حاء مضموم ہے اور سین مشدد ہے یہ حس یحس حسا سے مشتق ہے جب وہ اسے جڑ سے اکھیڑ دے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ (آل عمران: 152) ہم عذاب کے ساتھ قتل کریں گے۔ پہلی قرأت کی بنا پر ونحاس وہ پگھلا ہوا تانبا ہے جو ان کے سروں پر بہایا جائے گا؛ یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر سے یہ مروی ہے کہ نحاس سے مراد ایسا دھواں ہے جس میں شعلہ نہیں ہوتا۔ خلیل کے قول کا یہی معنی ہے کلام عرب میں یہ اسی معنی کے ساتھ معروف ہے۔ نابغہ بن جعدہ نے کہا:

يُضِئُ كَضَوءِ سَرَاجِ السَّلِيطِ　يَجْعَلِ اللهُ فيه نُحَاسَا (2)

وہ تلوں کے تیل کے چراغ کی روشنی کی طرح روشنی دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس میں دھواں نہیں بنایا۔

اصمعی نے کہا: میں نے ایک بدو کو کہتے ہوئے سنا سلیط شام میں تلوں کے تیل کو کہتے ہیں اس میں دھواں نہیں ہوتا۔ مقاتل نے کہا: یہ پگھلے ہوئے تانبے کے پانچ دریا ہوں گے جو عرش کے نیچے سے جہنمیوں کے سروں پر بہہ رہے ہوں گے تین دریا رات کے برابر اور دو دریا دن کے برابر ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: نحاس سے مراد سفید تانبا ہے۔ ضحاک نے کہا: ابالے گئے تیل کی تلچھٹ ہے۔

کسائی نے کہا: مراد ایسی آگ ہے جس پر سخت ہوا چل رہی ہوگی۔ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۝ یعنی وہ ایک دوسرے کی مدد نہیں

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 231　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 435

کریں گے مراد جن وانس ہیں۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾

''پھر جب پھٹ جائے گا آسمان تو سرخ ہو جائے گا جیسے رنگا ہوا سرخ چمڑا۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ تو اس روز کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کے بارے میں نہ پوچھا جائے گا۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ قیامت کے روز جب آسمان پھٹ جائے گا۔ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ الدھان سے مراد تیل ہے، یہ مجاہد، ضحاک اور دوسرے علماء سے مروی ہے معنی ہوگا وہ صاف تیل کی طرح ہو جائے گا۔ اس تعبیر کی بنا پر دھان، دھن کی جمع ہوگا۔ سعید بن جبیر اور قتادہ نے کہا: معنی ہے وہ سرخ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ گلاب کی طرح سرخ اور تیل کی طرح جاری ہوگا، یعنی پھٹنے کے ساتھ پگھل جائے گا یہاں تک کہ جہنم کی آگ کی گرمی سے سرخ ہو جائے گا اور اپنی نرمی اور پگھلنے کی وجہ سے تیل کی طرح ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الدھان سے مراد سرخ جلد ہے (1)؛ ابو عبید اور فراء نے یہ ذکر کیا ہے یعنی آسمان آگ کی گری کی شدت کی وجہ سے چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا۔ حضرت ابن عباس نے کہا: وہ سرخ گھوڑے کی طرح ہو جائے گا۔ کمیت گھوڑے کو ورد کہتے ہیں جب وہ مختلف رنگ اختیار کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فرس ورد موسم بہار میں کمیت أصفر (زرد) ہوتا ہے (2) موسم سرما کے آغاز میں کمیت احمر (سرخ) ہوتا ہے جب موسم سرما سخت ہو جائے تو وہ کمیت اغبر (مٹیالا) ہوتا ہے۔ فراء نے کہا: فرس ورد یہ کا ارادہ کیا۔ یہ گھوڑا موسم بہار میں زردی مائل سرخ ہوتا ہے جب سردی سخت ہوتی ہے تو گلابی سرخ ہوتا ہے اور جب اس کے بعد کا موسم ہوتا ہے تو وہ مٹیالا گلابی ہوتا ہے۔ آسمان کے مختلف رنگوں کے اپنانے کو گلابی گھوڑے کو رنگ بدلنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: كَالدِّهَانِ کا معنی ہے وہ تیل انڈیلنے کی طرح ہوگا کیونکہ جب تو اسے انڈیلتا ہے تو تو اس میں مختلف رنگ دیکھتا ہے۔ زید بن اسلم نے کہا: معنی ہے وہ تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ گزرے گا اور آئے گا۔ زجاج نے کہا: واء، راء اور دال یعنی ''ورد'' کا اصل معنی آنا ہے یہ اس کے قریب ہے جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ وردہ گھوڑے کے رنگ بدلتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: آج وہ سبز ہے عنقریب اس کا رنگ سرخ ہوگا؛ یہ ثعلبی نے حکایت بیان کی ہے۔ ماوردی نے کہا: متقدمین نے گمان کیا ہے آسمان کا اصل رنگ سرخ ہے زیادہ رکاوٹوں اور مسافت کی دوری کی وجہ سے اس کا رنگ نیلا دکھائی دیتا ہے (3)۔ لوگوں نے اسے بدن کی رگوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے یہ خون کی سرخی کی طرح سرخ ہوتی ہیں رکاوٹ کی وجہ سے نیلی دکھائی دیتی ہیں۔ اگر یہ صحیح ہو تو آسمان قیامت کے روز دیکھنے والوں کے قریب ہونے اور رکاوٹوں کے اٹھ جانے کی وجہ سے سرخ دکھائی دے گا کیونکہ یہی اس کا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 231 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 438

اصل رنگ ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۝ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے وَ لَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (القصص) قیامت کے کئی مقامات ہیں کیونکہ وہ دن لمبا ہوگا بعض مقامات پر اس سے سوال کیا جائے گا اور بعض مواقع پر سوال نہیں کیا جائے گا؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جب وہ جہنم میں قرار پذیر ہو جائیں گے تو ان سے سوال نہیں کیا جائے گا۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: ان سے گناہوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گناہوں کو ان پر محفوظ کر رکھا ہے اور فرشتوں نے انہیں لکھ رکھا ہے؛ عوفی نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور حضرت حسن بصری اور مجاہد سے بھی یہ نقل کیا ہے(1): معنی ہے فرشتے ان کے بارے میں نہیں پوچھیں گے کیونکہ وہ انہیں ان کے چہروں سے پہچانتے ہیں اس کی دلیل مابعد کلام ہے؛ یہ قول مجاہد کے ذریعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ان سے اس آیت فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (الحجر) اس آیت فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۝ کی تفسیر میں بھی مروی ہے وہ ان سے نہیں پوچھے گا تا کہ انہیں پہچانے کیونکہ وہ ان کے بارے میں ان کی بنسبت زیادہ جانتا ہے بلکہ وہ ان سے سوال کرے گا: تم نے یہ عمل کیوں کیا؟ یہ سوال شرمندہ کرنے کے لیے ہوگا۔

ابو العالیہ نے کہا: غیر مجرم سے مجرم کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ قتادہ نے کہا: پہلے سوال ہوگا پھر لوگوں کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی اور اعضاء ان کے اوپر گواہ کے طور پر کلام کریں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اس میں ہے رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ بندے سے ملاقات کرے گا اور فرمائے گا: اے فلاں! کیا میں نے تجھے معزز نہیں بنایا، تجھے سردار نہیں بنایا، میں نے تیری شادی نہیں کی، میں نے تیرے لیے گھوڑے اور اونٹ مسخر نہیں کیے اور میں نے تجھے نہیں چھوڑا کہ تو سردار بنے اور اپنی قوم سے چوتھا حصہ وصول کرے۔ بندہ عرض کرے گا: کیوں نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو گمان رکھتا تھا کہ تو مجھ سے ملاقات کرنے والا ہے؟ وہ عرض کرے گا: نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: تو میں تجھ کو بھلاتا ہوں جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا ہے۔ پھر دوسرے سے ملاقات کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی مثل ارشاد فرمائے گا، پھر تیسرے سے ملاقات کرے گا تو اسے اسی طرح ارشاد فرمائے گا۔ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں تجھ پر، تیری کتاب پر اور تیرے رسولوں پر ایمان لایا تھا، میں نے نمازیں پڑھتیں، میں نے روزے رکھے، میں نے صدقہ کیا اور جس قدر وہ طاقت رکھے گا اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے گا۔ وہ کہے گا: ھاھنا اذا پھر اسے کہا جائے گا: اب ہم اپنا گواہ تجھ پر بھیجتے ہیں۔ وہ دل میں سوچے گا وہ کون ہے جو مجھ پر گواہی دے گا؟ اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی۔ اس کی ران، اس کے گوشت اور اس کی ہڈیوں کو کہا جائے گا: تو بول۔ تو اس کی ران، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے عمل کے بارے میں بولیں گی۔ یہ اس لیے ہوگا کہ وہ جان لے کہ وہ خود گناہوں کی وجہ سے اس کا مستحق بنا ہے وہی منافق ہے یہ وہی شخص ہے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہے'' (2)۔ یہ حدیث حم السجدہ وغیرہ میں گزر چکی ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 232 2۔ صحیح مسلم، کتاب الزھد، فصل فی بیان أن الاعضاء منطقة شاهدة يوم القيمة، جلد 5، صفحہ 436

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَ الْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾

''پہچان لیے جائیں گے مجرم اپنے چہروں سے تو انہیں پکڑ لیا جائے گا پیشانی کے بالوں اور ٹانگوں سے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہی وہ جہنم ہے جسے جھٹلایا کرتے تھے مجرم۔ وہ گردش کرتے رہیں گے جہنم اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان جواز احد گرم ہوگا۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ حضرت حسن بصری نے کہا: چہرے کی سیاہی اور آنکھوں کی زردی (1)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ نَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ (طٰہٰ) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ (آل عمران: 106)

فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَ الْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ یعنی فرشتے ان کی پیشانیوں کو پکڑ لیں گے یعنی ان کے سروں کے اگلے حصہ کے بالوں اور ان کے قدموں سے پکڑ لیں گے اور انہیں جہنم میں پھینک دیں گے۔ نواصی، ناصیہ کی جمع ہے۔ ضحاک نے کہا: اس کی پیشانی اور اس کے قدموں کو اس کی پشت کے پیچھے ایک زنجیر میں جمع کر دیا جائے گا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: آدمی کی دونوں ٹانگوں کو پکڑا جائے گا اور ان دونوں اور اس کی پیشانی کو جمع کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کی کمر ٹوٹ جائے گی، پھر اسے آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ معاملہ اس کے ساتھ اس لیے کیا جائے گا تا کہ وہ اس کے عذاب کے لیے شدید ہو اور اس کے بھوننے میں زیادہ کردار کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرشتے انہیں منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے لے جائیں گے کبھی اس کی پیشانی پکڑیں گے اور اسے منہ کے بل گھسیٹیں گے اور کبھی ان کے قدم پکڑیں گے اور اسے سر کے بل گھسیٹیں گے۔

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ انہیں کہا جائے گا: یہ وہ آگ ہے جس کے بارے میں تمہیں خبر دی گئی اور تم نے اس کو جھٹلایا۔ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ قتادہ نے کہا: وہ گردش کر رہے ہوں گے کبھی حمیم اور کبھی جحیم کے درمیان۔ جحیم کا معنی آگ ہے اور حَمِيْم کا معنی شراب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: آن میں تین توجیہیں ہیں (۱) جس کی گرمائش انتہا کو پہنچی ہوئی ہو؛ یہ حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر اور سدی کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: اٰنٍ سے مراد ہے اسے پکایا گیا ہے جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ وہ ارشاد فرماتا ہے: جب وہ آگ سے پناہ طلب کریں گے تو ان کی مدد اس سے کی جائے گی۔ کعب نے کہا: اٰنٍ جہنم کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے جس میں جہنمیوں کی پیپ جمع ہو جائے گی وہ اپنے طوقوں کے ساتھ اس میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ ان کے جوڑ الگ الگ ہو جائیں گے پھر وہ اس سے نکلیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جدید صورت بنائی ہوگی تو انہیں آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ کا یہی معنی ہے۔ کعب سے یہ بھی مروی ہے: وہ حاضر ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کے پینے کا وقت آ گیا ہے اور وہ اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے (2)۔ قیامت کی ہولناکی اور مجرمین کے عتاب کے ذکر میں جو نعمت ہے وہ یہ ہے کہ اس میں معاصی سے جھڑک

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 232 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 437

اور طاعات میں ترغیب ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ رات کے وقت آپ ایک نوجوان کے پاس آئے جو پڑھ رہا تھا فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۝ نوجوان اسی پر رک گیا اور آنسوؤں نے اس کا گلا گھونٹ دیا وہ کہنے لگا: میرا اس دن پر افسوس ہے جس میں آسمان پھٹ جائے گا میرا افسوس! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ویحك یافتی مثلها (1) اے نوجوان! تجھ پر اس کی مثل افسوس۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! آسمان کے فرشتے بھی تیرے رونے سے رو پڑے۔

وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

''اور جو ڈرتا ہے اپنے رب کے روبرو کھڑا ہونے سے تو اس کو دو باغ ملیں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ جب جہنمیوں کے احوال کا ذکر کیا تو نیکوکاروں کے لیے جو تیار کیا اس کا بھی ذکر کیا معنی ہے وہ اپنے رب کے حضور حساب کے لیے کھڑا ہونے سے ڈرا تو اس نے معصیت کو ترک کیا۔ مقام مصدر ہے قیام کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے رب کے اپنے اوپر کھڑا ہونے سے ڈرا، یعنی اللہ تعالیٰ اس کو جھانک رہا ہے اور اس پر مطلع ہے اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اَفَمَنْ هُوَ قَآىٕمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ (الرعد: 33) مجاہد اور ابراہیم نخعی نے کہا: اس سے مراد وہ آدمی ہے جو معصیت کا ارادہ کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اس کی پکڑ کے خوف سے معصیت کو ترک کر دیتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت اس امر پر دلیل ہے کہ جس نے اپنی بیوی سے کہا: اگر میں جنتی نہیں تو تجھے طلاق۔ کہ وہ حانث نہیں ہوگا اگر اس نے معصیت کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ سے خوف کرتے ہوئے اور اس کا حیاء کرتے ہوئے اس کو ترک کر دے؛ یہی قول سفیان ثوری کا ہے اور اس پر فتویٰ دیا۔

محمد بن علی ترمذی نے کہا: ایک جنت اپنے رب سے خوف کی وجہ سے ہے اور ایک جنت اپنی شہوت کو ترک کرنے کی وجہ سے ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: جو فرائض کی ادائیگی کے بعد اپنے رب سے ڈرا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مقام سے مراد موضع ہے یعنی وہ اپنے رب کے سامنے حساب کے لیے کھڑا ہونے کی جگہ سے ڈرے جس طرح بات پہلے گزر چکی ہے (2)۔ یہ بھی جائز ہے کہ مقام بندے کے لیے ہو پھر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کر دیا جائے یہ اس طرح ہے جس طرح اس ارشاد میں اجل کا لفظ ہے: فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ (الاعراف: 34) ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا: اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ (نوح: 4)

جَنَّتٰنِ یعنی جو ڈرا اس کے لیے علیحدہ دو جنتیں ہیں پس ہر ڈرنے والے کے لیے دو جنتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دو جنتیں تمام ڈرنے والوں کے لیے ہیں۔ پہلا قول زیادہ نمایاں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

1۔ تفسیر درمنثور، جلد 6، صفحہ 200
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 437

روایت نقل کی ہے فرمایا: ''جنتان سے مراد جنت کے عوض میں دو باغ ہیں ہر باغ سو سال کی مسافت جتنا ہے ہر باغ کے وسط میں نور کا ایک گھر ہے اس گھر میں سے ہر ایک چیز تروتازگی کے عالم میں جھوم رہی ہے اس کا قرار ثابت ہے اور اس کے درخت ثابت ہیں''۔ اسے مہدوی نے ذکر کیا ہے اور ثعلبی نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دو جنتوں سے مراد ہے ایک جنت تو وہ ہے جو اس کے لیے پیدا کی گئی اور ایک جنت وہ ہے جس کا وہ وارث بنا(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک جنت اس کی منزل ہوگی اور دوسری اس کی بیویوں کی منزل ہوگی جس طرح دنیا کے رؤسا کا معمول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دو جنتوں میں سے ایک اس کا مسکن اور دوسرا اس کا باغ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دو جنتوں میں سے ایک اس کے نچلے محل اور دوسری اس کے بالائی محلات ہیں۔ مقاتل نے کہا: وہ دونوں جنت عدن اور جنت نعیم ہوگی۔ فراء نے کہا: یہ ایک جنت ہے آیات کے سروں کی وجہ سے اسے تثنیہ ذکر کیا۔

قتبی نے اس کا انکار کیا اور کہا: یہ کہنا جائز نہیں کہ آیات کے سروں کی رعایت سے جہنم کے داروغے بیس ہیں فرمایا: وہ انیس ہیں، نیز یہ فرمایا: ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ۝ ابو جعفر نحاس نے کہا: فراء نے کہا بعض اوقات جنت ایک ہوتی ہے اور شعر میں اسے تثنیہ ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ قول اللہ تعالیٰ کے کلام کے بارے میں بڑا غلط ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جنتان اور اس ارشاد کے ساتھ اس کی صفت بیان کرتا ہے فیھما یہ قول کرنے والا ظاہر کو چھوڑتا ہے اور کہتا ہے: یہ جائز ہے ایک جنت ہو اور شعر سے استدلال کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جنتیں دو ہیں تاکہ ایک جہت سے دوسری جہت کی طرف منتقل ہونے کے ساتھ اس کے سرور میں اضافہ ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت خصوصی طور پر حضرت ابو بکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی جب ایک روز جنت کا ذکر کیا حین أزلفت اور آگ کا ذکر کیا حین برزت، یہ عطا اور ابن شوذب کا قول ہے۔

ضحاک نے کہا: ایک روز آپ نے پیاس کی حالت میں دودھ پیا تو وہ اچھا لگا آپ نے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ کو بتایا گیا کہ وہ حلال نہ تھا تو آپ نے قے کر دی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو دیکھ رہے تھے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے تیرے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے'' اور اس آیت کو آپ پر تلاوت کیا۔

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

''دونوں باغ (پھل دار) ٹہنیوں والے ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں باغوں میں دو چشمے جاری ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ۝ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء نے کہا: وہ پھل کی مختلف اقسام والے ہوں گے۔ **اَفْنَانٍ** کا واحد فن ہے۔ مجاہد نے کہا: اَفْنَانٍ سے مراد ٹہنیاں ہیں اس کا واحد فنن ہے؛ نابغہ نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 438

بكاء حمامة تدعو هديلا مفجعة على فنن تغني

اس کبوتر کا رونا جو بچے کو بلا رہی ہے جو دکھی ہے شاخوں پر نغمے گا رہی ہے۔

محل استدلال لفظ فنن ہے۔ ایک اور شاعر دو پرندوں کی صفت بیان کرتا ہے:

باتا على غُصْنٍ بَانٍ فِي ذُرَى فَنَنٍ

دونوں پرندوں نے بان درخت کی ٹہنیوں کی چوٹیوں پر رات گزاری۔

اور ایک شاعر نے کہا:

تَدْعُو عَلَى فَنَنِ الغُصونِ حَمامَا

کبوتری ٹہنیوں پر بیٹھ کر کبوتر کو بلا رہی ہے۔

فنن کی جمع أفنان اور اس کی جمع أفانين ہے۔ ایک آدمی چکی کی صفت بیان کرتا ہے:

لهازِ مامّ مِنْ أفانِينِ الشَّجَرْ اس کی ایسی لگام ہے جو درخت کی شاخوں سے ہے۔

شجرة فناء ایسا درخت جو شاخوں والا ہے فنواء بھی خلاف قیاس ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے: إن أهل الجنة مرد مكحلون أولو أفانين (1) جنتی بے ریش، آنکھوں میں سرمہ لگائے اور ان کے سروں پر بالوں کا گچھا ہوگا۔ حدیث میں مراد أولو فنن ہے۔ یہ اَفْنَان کی جمع ہے اَفْنَان، فنن کی جمع ہے اس سے مراد بالوں کا گچھا ہے اسے ٹہنی کے ساتھ تشبیہ دی ہے؛ اسے ہروی نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ وہ دوسروں کی بنسبت زیادہ فضیلت والے ہوں گے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ مجاہد اور عکرمہ سے یہ اسی طرح مروی ہے کہ افنان سے مراد دیواروں پر شاخوں کا سایہ ہے۔

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾ یعنی ان دونوں باغوں میں جاری چشمے ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے جنتیوں پر زیادتی اور کرامت کے ساتھ پانی جاری کیے ہوں گے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت حسن بصری سے یہ قول مروی ہے: وہ میٹھا پانی جاری کیے ہوں گے دونوں چشموں میں سے ایک تسنیم اور دوسرا سلسبیل ہوگا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: دو چشمے ہوں گے جس طرح دنیا میں ہوتے ہیں ان کا پانی کئی گناہ زیادہ ہوگا، ان کے سنگریزے سرخ یاقوت اور سبز زبرجد کے ہوں گے، ان کی مٹی کافور کی ہوگی، ان کا کیچڑ خوشبودار کستوری کا ہوگا، اس کے کنارے زعفران کے ہوں گے۔ عطیہ نے کہا: ان میں سے ایک ایسے پانی کا ہوگا جو بدبودار نہیں ہوگا اور دوسرا شراب کا ہوگا جو پینے والوں کے لیے لذت کا باعث ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دونوں چشمے کستوری کے پہاڑ سے نکلیں گے۔ ابوبکر وراق نے کہا: دونوں جنتوں میں دو چشمے ہوں گے جو دونوں ان کے لیے جاری ہوں گے جن کی دونوں آنکھیں اللہ تعالیٰ کے خوف سے جاری رہتی تھیں۔

فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۳﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَ جَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۵﴾

1۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی صفۃ ثیاب اہل الجنۃ، حدیث نمبر 2462، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

''ان دونوں باغوں میں ہر طرح کے میوں کی دو دو قسمیں ہوں گے۔ پس (اے جن وانس!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے بستروں پر جن کے استر قناویز کے ہوں گے اور دونوں باغوں کا پھل نیچے جھکا ہوگا۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿٥٢﴾ زَوْجٰنِ کا معنی ہے دو قسم کے۔ دونوں بیٹھے ہوں گے جن سے لذت حاصل کی جائے گی۔ حضرت ابن عباس نے کہا: دنیا میں کوئی میٹھا یا کڑوا درخت نہیں ہوگا مگر وہ جنت میں میٹھا ہوگا یہاں تک کہ تنبہ بھی میٹھا ہو گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دو قسم کے پھل تر اور خشک ہوں گے فضیلت اور خوشبو میں یہ دوسرے سے کم درجہ کا نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ارادہ کیا گیا ہے کہ یہ دو جنتیں ان دو جنتوں سے فضیلت والی ہیں جو ان سے مرتبہ میں کم ہیں کیونکہ یہاں عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ کا ذکر کیا جو جاری ہیں وہاں عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ کا ذکر کیا جو پانی بہا رہے ہوں گے۔ نضح کی صورت میں جری کی بنسبت پانی کم نکلتا ہے گویا فرمایا: ان دونوں جنتوں میں ہر پھل کی ایک قسم ہے اور اس جنت میں ہر پھل کی دو قسمیں ہیں۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ، مُتَّكِـِٕيْنَ حال ہونے کی حیثیت سے منسوب ہے۔ فُرُشٍ یہ فراش کی جمع ہے۔ ابو حیوہ نے فراش راء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ بَطَآىِٕنُهَا یہ بطانہ کی جمع ہے اس کا معنی نچلے والا حصہ ہے۔ استبرق سے مراد موٹا اور کھردرا ریشم ہے۔ جب اس کا نیچے والا حصہ جو زمین کے ساتھ لگا ہوتا ہے وہ اس طرح ہے تو اس کے اوپر والے حصہ کا کیا عالم ہوگا؛ یہ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر ہے۔ سعید بن جبیر سے پوچھا گیا: جب اس کے نیچے والا حصہ موٹے ریشم کا ہے تو اس کے اوپر والا حصہ کیسا ہوگا؟ فرمایا: یہی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (السجدۃ: 17)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تمہارے لیے اس کے نچلے حصہ کو بیان کیا تا کہ تمہارے دل اس کی طرف مائل ہوں جہاں تک اس کے ظواہر کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا۔ حدیث طیبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''ان کا ظاہر ایسا نور ہوگا جو چمک رہا ہوگا'' (1)۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: اس کا نیچے والا حصہ استبرق کا ہوگا اور اس کا ظاہر جامد نور کا ہوگا۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: بطائن ہی اس کا ظاہر ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ قتادہ سے مروی ہے: عرب ظہر کو بطن کہتے ہیں وہ کہتے ہیں هذا ظهر السماء، هذا بطن السماء جسے ہم دیکھتے ہیں کیونکہ وہ ظاہر ہے۔ ابن قتیبہ وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے کہا: یہ نہیں ہو سکتا مگر دو متساوی چہروں میں جائز ہے جب ان میں سے ہر ایک قوم کی طرف پشت کرے جس طرح ایک دیوار تیرے اور ایک قوم کے درمیان حائل ہو اسی طرح آسمان کا معاملہ ہے۔ وَ جَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿٥٤﴾ جنی اسے کہتے ہیں جو درخت سے کاٹا جاتا ہے یہ لفظ بولا جاتا ہے: ثمر جنیٌ یہ فعیل کا وزن ہے جب اسے کاٹا جائے۔

شاعر نے کہا:

هٰذَا جَنَايَ وَخِيَارُهُ فِيهِ (2)

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 233

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 439

یہ میرا چنا ہوا پھل ہے اور اس کا بہترین اس میں ہے۔

اسے جنی بھی پڑھا گیا ہے۔ دَانٍ اس کا معنی قریب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: درخت قریب ہوگا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا ولی اسے چن لے گا چاہے کھڑا ہوا ہو، چاہے بیٹھا ہوا ہو، چاہے لیٹا ہوا ہو کوئی دوری اور کوئی کانٹا اس کے ہاتھ کو واپس نہیں کرے گا۔

فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾

''ان میں نیچی نگاہوں والی حوریں ہوں گی جن کو نہ کسی انسان نے چھوا ہو گا ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ایک قول یہ کیا گیا ہے: هن ضمیر سے مراد دو مذکور باغات ہیں۔ زجاج نے کہا: فِیْهِنَّ فرمایا فیهما نہیں کہا کیونکہ دونوں جنتیں اور جو نعمتیں ان کے لیے تیار کی گئی ہیں وہ مراد ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: هن ضمیر فرش کی طرف لوٹ رہی ہے جن کے بطائن استبرق کے ہیں، یعنی ان فرش میں قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ہوں گی یعنی ایسی عورتیں ہوں گی جو نظریں جھکائے ہوئے ہوں گی جنہوں نے اپنی نظروں کو اپنے خاوندوں تک محدود رکھا ہو گا وہ کسی اور کو نہ دیکھیں گی۔ سورۃ الصافات میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ طرف کو واحد ذکر کیا جب کہ یہ جمع کی طرف منسوب ہے کیونکہ یہ مصدر کے معنی میں ہے۔ یہ طرفت عینه تطرف طرفا سے مشتق ہے پھر آنکھ کو یہ نام دیا تو واحد و جمع کو اس سے ادا کیا گیا جس طرح ان کا قول ہے: قوم عدل و صوم۔

مسئلہ نمبر 2۔ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ ان خاوندوں سے پہلے کسی نے ان کے ساتھ جماع نہیں کیا۔ فراء نے کہا: طمث سے مراد افتضاض ہے افتضاض سے مراد خون بہاتے ہوئے وطی کرنا ہے۔ طمثها یطمثها ویطمثها طمثا کا معنی ہے جب وہ پہلی دفعہ وطی کرے اور اس کا پردہ بکارت زائل کرے؛ اس معنی میں یہ قول کیا گیا ہے: امرأة طامث حائضہ عورت۔ فراء کے علاوہ دوسرے علماء نے اس مسئلہ میں مخالفت کی ہے وہ کہتا ہے: طمثها اس کا معنی ہے جس صورت میں بھی اس نے وطی کی مگر فراء کا قول زیادہ مشہور اور معروف ہے۔ کسائی نے کہا: لم یَطْمُثْهُنَّ میم کے ضمہ کے ساتھ ہے (1) یہ جملہ بولا جاتا ہے: طمثت المرأة تطمث جب حائضہ ہوئی طمثت اس میں ایک لغت ہے اس سے اسم فاعل طامث آتا ہے؛ فرزدق نے کہا:

وَقَعْنَ اِلَیَّ لم یُطْمَثْنَ قَبْلِی وهنّ أَصَحُّ مِنْ بَیْضِ النَّعَامِ (2)

وہ میرے ہاں واقع ہوئیں مجھ سے قبل ان سے کسی نے جماع نہ کیا تھا وہ شتر مرغ کے انڈے سے زیادہ صحت مند تھیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَمْ یَطْمِثْهُنَّ انہیں کسی نے نہیں چھوا تھا (3)۔ ابو عمرو نے کہا: الطمث سے مراد چھونا ہے۔ یہ ہر

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 233 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 440 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 439

اس چیز میں بولا جاتا ہے جس کو چھوا جاتا ہے۔ چراگاہ کے بارے میں کہا جاتا ہے: ماطمث ذلك المرتع قبلنا أحد ہم سے قبل اس چراگاہ کو کسی نے نہیں چھوا۔ وما طمث هذه الناقة حبل اس اونٹنی کو کسی ڈھنگے نے مس نہیں کیا۔ مبرد نے کہا: ان سے قبل کسی انسان اور جن نے انہیں مسخر نہیں کیا(1)۔ طمث کا معنی مسخر کرنا اور کام لینا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جان ہمزہ کے ساتھ ہے۔

مسئلہ نمبر3۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ جن انسان کی طرح جماع کرتا ہے اور جنت میں داخل ہوگا جنت میں ان کے لیے جن عورتیں ہوں گی (2)۔ ضمرہ نے کہا: ان میں سے دو مومنوں کے لیے حورعین میں سے بیویاں ہوں گی انسان عورتیں انسانوں کے لیے اور جن عورتیں جنوں کے لیے ہوں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے جنت میں مومن جنوں کو جنیات میں سے جو حورعین عطا فرمائے گا انہیں کسی جن نے نہیں چھوا ہوگا اور جنت میں انسانوں میں سے مومنوں کو انسیات میں سے جو حورعین عطا فرمائے گا اسے کسی انسان نے نہیں چھوا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے عورتوں سے جماع نہیں کرتا؛ یہ قشیری نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: سورۂ نمل میں یہ قول گزر چکا ہے اور سُبْحٰنَ (الاسراء) میں یہ قول گزر چکا ہے کہ یہ جائز ہے کہ وہ انسانوں میں سے عورتوں سے شادی کریں۔ مجاہد نے کہا: جب کوئی جماع کرے اور بسم اللہ نہ پڑھے تو جن اس کے ذکر کے ساتھ لپٹ جاتا ہے اور اس کے ساتھ جماع کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان: لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ کا یہی معنی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حورعین کی صفت بیان کی ہے کہ ان سے پہلے ان سے کسی انسان اور کسی جن نے جماع نہیں کیا یہ تجھے آگاہ کرتا ہے کہ انسانوں میں سے عورتوں سے جن جماع کرتے ہیں اور حورعین اس عیب سے بری ہوتی ہیں اور پاک ہوتی ہیں۔ طمث کا معنی جماع ہے۔ ترمذی حکیم نے اسے مکمل ذکر کیا ہے؛ اسے مہدوی، ثعلبی اور دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَ الْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۱﴾

''یہ تو گویا یاقوت و مرجان ہیں۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ کیا احسان کا بدلہ بجز احسان کے کچھ اور بھی ہوتا ہے۔ پس (اے جن وانس!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَ الْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں: ''اہل جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت کی پنڈلی کی سفیدی ستر حلوں سے دکھائی دے گی یہاں تک کہ اس کا گودا بھی دکھائی دے گا'' (3)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَ الْمَرْجَانُ جہاں تک

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 439 2۔ ایضاً جلد 5، صفحہ 440

3۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی صفة نساء اهل الجنة، جلد 2، صفحہ 76

یاقوت کا تعلق ہے وہ پتھر ہے اگر تو اس میں دھاگہ ڈالے پھر اسے صاف کرے تو وہ تو تجھے اس لڑی کو دکھا دے گا۔ اسے موقوف روایت کیا گیا ہے۔ عمرو بن میمون نے کہا: حورعین میں سے ایک عورت ستر حلے پہنے گی اس کی پنڈلی کا مغز ان کے باہر سے دکھائی دے گا جس طرح سفید جام میں سرخ شراب دکھائی دیتی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ یاقوت جیسی شفاف اور مرجان جیسی سفید ہوں گی (1)۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾ هَلْ کلام میں چار صورتوں میں آتا ہے کبھی قد کے معنی میں ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ** (الدھر: 1) استفہام کے معنی میں آتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا** (الاعراف: 44) امر کے معنی میں آتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ** ﴿﴾ (المائدہ) نفی و انکار کے معنی میں آتا ہے **فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ** (النحل: 35) **هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ** ﴿﴾ عکرمہ نے کہا: جس نے **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** کہا جنت کے علاوہ اس کی کوئی جزا نہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: جس نے **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** کہا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو پیغام حق لائے اس پر عمل کیا تو اس کی جزا جنت ہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے دنیا میں احسان کیا آخرت میں اس کی جزا یہ ہے کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے؛ یہ ابن زید کا قول ہے (2)۔ حضرت انس نے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا **هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ** ﴿﴾ پھر فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو تمہارے رب نے کیا کہا ہے؟'' صحابہ نے عرض کی: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جس پر توحید کے ساتھ انعام کیا گیا اس کا بدلہ صرف جنت ہے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جس پر میں نے اپنی معرفت اور اپنی توحید کا انعام کیا اس کی جزا نہیں مگر یہ کہ میں اسے اپنی جنت اور اپنی رحمت کے ساتھ اپنی خاص بارگاہ میں رہائش دوں''۔ صادق نے کہا: جس پر میں نے ازل میں احسان کیا اس کی جزا نہیں مگر یہ کہ میں ابد میں اس پر احسان کو یاد رکھوں۔ حضرت محمد بن حنفیہ اور حضرت حسن بصری نے کہا: یہ فاجر پر دنیا میں جاری کی گئی ہے اور نیک کے لیے آخرت میں جاری کی گئی ہے۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ **فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۶۳﴾ **مُدْهَآمَّتٰنِ** ﴿۶۴﴾ **فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ** ﴿۶۵﴾

''ان دو کے علاوہ دو اور باغ بھی ہیں۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں نہایت سرسبز و شاداب۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ یعنی اس کے لیے ان پہلی دو جنتوں کے علاوہ دو اور جنتیں بھی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان دونوں سے درجہ میں کم ہوں گی۔ ابن زید نے کہا: فضیلت میں کم ہوں گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ تمام جنتیں اس کے لیے ہیں جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا۔ پہلی دو جنتوں میں کھجور کے اور دوسرے درخت ہوں گے

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 106　　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 440

اور دوسری دو میں کھیتیاں اور نباتات ہوں گی اور جو اسے خوش کریں گی۔ ماوردی نے کہا: یہ بھی احتمال موجود ہے(1) کہ وَ مِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ سے مراد ایسی جنتیں ہیں جو ان کے پیروکاروں کے لیے ہوں کیونکہ پیروکاروں کا مرتبہ اس سے کم ہوتا ہے ان میں سے ایک جنت (باغ) حورعین کے لیے اور دوسرا باغ ایسے بچوں کے لیے ہوگا جو ہمیشہ بچے ہی رہیں گے تاکہ مذکر مونثوں سے الگ رہیں۔ ابن جریج نے کہا: وہ باغ کل چار ہوں گے دو باغ سابقین مقربین کے لیے ہوں گے جن کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾، عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾ اور دو باغ اصحاب یمین کے لیے ہیں جن کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ ﴿۶۸﴾، فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ ابن زید نے کہا: پہلے دونوں باغ سونے کے ہوں گے جو مقربین کے لیے ہوں گے اور دوسرے دو چاندی کے ہوں گے جو اصحاب یمین کے لیے ہوں گے(2)۔

میں کہتا ہوں: حلیمی ابو عبداللہ حسن بن حسین اپنی کتاب منہاج الدین میں اسی طرف گئے ہیں اس نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جسے سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان آیات کی تفسیر میں کہا ہے کہ وہ دونوں باغ مقربین کے لیے ہیں اور یہ دونوں اصحاب یمین کے لیے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل مروی ہے" جب اللہ تعالیٰ نے دونوں باغوں کی صفت بیان کی تو دونوں میں فرق کی طرف اشارہ کیا پہلے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿۵۰﴾ اور دوسرے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ یعنی دونوں فوارہ کی صورت میں جاری ہیں لیکن وہ جاری کی طرح نہیں کیونکہ نضخ، جری سے کم ہے۔ پہلے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿۵۲﴾ اس کو عام ذکر کیا خاص ذکر نہیں کیا دوسرے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ اس میں من کل فاکھۃ نہیں کہا ہے دو باغوں کے بارے میں کہا: مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ، اِسْتَبْرَقٍ سے مراد ریشم ہے۔ دوسرے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ عَبْقَرِيٍّ سے مراد جس میں نقش و نگار ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ دیباج وشی سے اعلیٰ، رفرف، خیمہ کا ایک حصہ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ فرش جو ٹیک لگانے کے لیے تیار کیے جاتے ہیں وہ خیمہ کے زائد حصہ سے افضل ہوتے ہیں۔ پہلے دو باغوں میں حوروں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَ الْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ اور دوسرے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ یہ حسن یاقوت و مرجان کے حسن جیسا نہیں ہوتا۔ پہلے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾ اور دوسرے دو باغوں کے بارے میں فرمایا مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ یعنی دونوں سبز ہیں گویا وہ دونوں زیادہ سبز ہونے میں سیاہ ہیں۔ پہلے دونوں باغوں کے بارے میں فرمایا: ان میں ٹہنیاں زیادہ ہوں گی اور دوسرے دو کے بارے میں صرف یہ فرمایا: وہ سبز ہیں۔ اس تمام بحث میں وہ معنی متحقق ہو جاتا ہے جس کا ہم نے قصد کیا ہے کہ یہ دو باغ ان دو باغوں سے درجہ میں کم ہوں گے۔ ممکن ہے جس تفاوت کا ذکر نہیں کیا گیا وہ اس سے بڑھ کر ہو جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے: ان دو باغ والوں کا اس طرح ذکر نہیں کیا گیا جس طرح پہلے دو باغوں والوں کا ذکر کیا گیا؟ تو اسے کہا جائے گا: چاروں باغ اس آدمی کے لیے ہیں جو اپنے رب سے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 440　　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 441

ڈرتا ہے مگر جو ڈرنے والے ہیں ان کے کئی مراتب ہیں پہلے دو باغ ان لوگوں کے لیے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں اور دوسرے دو باغ ان لوگوں کے لیے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے خوف کھانے میں ان میں سے کم مرتبہ ہیں۔

ضحاک کا مذہب یہ ہے کہ پہلے دو باغ سونے اور چاندی سے بنے ہیں اور دوسرے دو یاقوت اور زمرد کے ہیں وہ دونوں پہلوں سے افضل ہیں۔ **وَ مِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ** ﴿۶۲﴾ یعنی ان دونوں کے سامنے؛ اس قول کی طرف ابوعبداللہ ترمذی حکیم نوادر الاصول میں گئے ہیں۔ کہا: **وَ مِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ** ﴿۶۲﴾ کا معنی ہے عرش سے قریب۔ اور ان دونوں باغوں کو پہلے دو باغوں پر فضیلت دی ہے جس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے۔ مقاتل نے کہا: پہلے دو باغ جنت عدن اور جنت نعیم ہے اور دوسرے دو باغوں سے مراد جنت فردوس اور جنت ماویٰ ہے۔

مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ دونوں سیراب ہونے کی وجہ سے سرسبز ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ مجاہد نے کہا: دونوں سیاہ ہیں(1)۔ لغت میں دہمہ سے مراد سیاہ ہے(2)، یہ جملہ بولا جاتا ہے: فرس أدهم، بعير أدهم، ناقة دهماء یعنی اس میں آسانی رنگ گہرا ہو گیا یہاں تک کہ اس میں سے وہ سفیدی بالکل ختم ہو گئی جو اس میں موجود تھی جب وہ اس سے بھی زیادہ ہو گیا یہاں تک کہ سیاہی سخت ہو گئی تو وہ جون ہو گئی۔ ادهم الفرس إدهماما گھوڑا سیاہ ہو گیا۔ إدهام الشئ إدهماما وہ سیاہ ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **مُدْهَآمَّتٰنِ** ﴿۶۴﴾ وہ سبز رنگ میں شدت کی وجہ سے سیاہ ہو گئے۔ عرب ہر سبز چیز کو اسود کہتے ہیں۔

عراق کے دیہاتی علاقوں کو سواد کہتے ہیں کیونکہ وہ بڑے سرسبز و شاداب ہوتے ہیں تاریک رات کو اخضر کہتے ہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: أباد الله خضراءهم اللہ تعالیٰ ان کی جمعیت کو ہلاک کر دے۔

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾

''ان میں دو چشمے جوش سے ابل رہے ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں میوے ہوں گے اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ پانی سے جوش مار رہے ہوں گے(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: خاء کے ساتھ جو نضخ ہے اس میں حاء کے ساتھ جو نضح ہے سے جوش زیادہ ہوتا ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ معنی ہے وہ خیر و برکت سے جوش مار رہے ہوں گے یہی قول حضرت حسن بصری اور مجاہد نے کہا: حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے یہ مروی ہے: وہ چشمے اولیاء پر ان کے جنت کے گھروں میں کستوری، عنبر اور کافور کا چھڑکاؤ کر رہے ہوں گے جس طرح بارش کا چھڑکاؤ ہوتا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر نے کہا: وہ مختلف قسم کے پھل اور پانی کا چھڑکاؤ کریں گے۔ ترمذی نے کہا: علماء نے کہا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 441　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً

مختلف قسم کے پھل، مختلف قسم کی نعمتوں، مزین عورتوں، زین ڈالے گئے گھوڑوں اور رنگ دار کپڑوں کا چھڑکاؤ کر رہے ہوں گے۔ ترمذی نے کہا: یہ کلام اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ نضخ میں جری کی نسبت پانی کا بہاؤ زیادہ ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلے چشمے پھوٹیں گے پھر رواں دواں ہو جائیں گے۔

فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ﴿۶۸﴾

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ ایک عالم نے کہا: نخل (کھجور) اور رمان (انار) فاکھہ میں سے نہیں کیونکہ کسی چیز کا عطف اس کی اپنی ذات پر نہیں ہوتا۔ چیز کا عطف اس کے غیر پر ہوتا ہے۔ یہ کلام کا ظاہر معنی ہے جمہور نے کہا: یہ دونوں فاکھہ کی قسم میں سے ہیں نخل اور رمان کا دوبارہ ذکر ان دونوں کی فضیلت کے لیے کیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (البقرہ:238) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰىلَ (البقرہ:98) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان دونوں کو مکرر اس لیے ذکر کیا کیونکہ کھجور اور انار اس وقت میں ان کے نزدیک اس حیثیت میں تھے جس طرح اس دور میں ہمارے نزدیک گندم ہے کیونکہ کھجور ان کی عام خوراک تھی اور انار پھل کی حیثیت رکھتا تھا ان دونوں کی ضرورت کی بنا پر ان کو کثرت سے لگایا جاتا تھا ان کے نزدیک فواکہ مختلف پھلوں کو کہتے جن کو دیکھ کر وہ خوش ہوتے۔ پہلے فَاكِهَةٌ کا ذکر کیا پھر نخل اور رمان کا ذکر کیا کیونکہ مدینہ طیبہ سے لے کر مکہ مکرمہ کے قریبی ممالک یعنی یمن کے علاقہ میں یہ کثرت سے ہوتے ان دونوں کو فواکہ سے نکال دیا اور فواکہ کا علیحدہ ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں کو الگ ذکر کیا کیونکہ کھجور کا پھل فَاكِهَةٌ اور کھانا ہے اور رمان فاکھہ اور دوا ہے تفکہ کے لیے انہیں خالص نہیں کیا گیا؛ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ جب کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ فاکھہ نہیں کھائے گا اس نے انار یا تر کھجور کھائی وہ حانث نہیں ہوگا۔ صاحبین اور لوگوں نے ان کی مخالفت کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جنت میں انار پالان ڈالے گئے اونٹ کی طرح ہو گا۔ ابن مبارک نے کہا: سفیان، حماد سے وہ سعید بن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جنت کی کھجوروں کے تنے سبز زمرد کے، شاخوں کے کاٹ دینے کے بعد ان کے تنے سرخ سونے کے، اس کی شاخیں جنتیوں کی چادریں ہوں گی انہیں سے ان کے چھوٹے کپڑے اور حلے ہوں گے ان کے پھل مٹکوں اور ڈولوں جیسے ہوں گے۔ وہ دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھے، مکھن سے زیادہ نرم ان میں کوئی گٹھلی نہ ہوگی۔ مسعودی نے عمرو بن مرہ سے وہ ابوعبیدہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جنت کی کھجور جڑ سے لے کر شاخ تک پھل سے بھری ہوگی، اس کے پھل مٹکوں کی مثل ہوں گے جب کبھی اس کا پھل توڑا جائے گا اس کی جگہ دوسرا آ جائے گا؛ اس کا پانی کھائی کے بغیر جاری ہوگا گچھا بارہ ہاتھ ہوگا۔

فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾

''ان میں اچھی سیرت والیاں اچھی صورت والیاں ہوں گی۔ پس (اے جن و انس!) تم اپنے رب کی کن کن

نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔

فِيهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ۞ اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ خَيْرٰتٌ سے مراد عورتیں ہیں۔ اس کی واحد خیرۃ ہے معنی ہے ذوات خیر۔ خیر والیاں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ لفظ خیرات ہے خیرات کے معنی میں ہے پھر اس میں تخفیف کی گئی جس طرح ھین اور لین ہے۔ ابن مبارک نے کہا: اوزاعی نے حسان بن عطیہ سے وہ سعید بن عامر سے روایت نقل کرتے ہیں اگر خَيْرٰتٌ حِسَانٌ میں سے ایک خیرہ آسمان کے سامنے آئے تو ہر چیز کو روشن کر دے اور اس کے چہرے کی روشنی، سورج اور چاند پر غالب آ جائے وہ اوڑھنی جو اسے پہنائی جاتی ہے وہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ حِسَانٌ وہ شکل و صورت میں بہتر ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حِسَانٌ تو وہ کون ہو گا جو ان کے حسن کا اندازہ لگائے: زہری اور قتادہ نے کہا: وہ اچھے اخلاق والی اور خوبصورت چہروں والی ہوں گی؛ یہی چیز حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے (1)۔ ابو صالح نے کہا: کیونکہ وہ کنواری اور باکرہ ہوں گی۔

قتادہ، ابن سمیقع، ابو رجاء، عطاردی اور بکر بن حبیب سہمی نے خیرات شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خیرات یہ خیر کی جمع ہے معنی ہے خیر والیاں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے مختارات۔ ترمذی نے کہا: خیرات وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار کے ساتھ ان کی صورتوں کو حسین و جمیل بنایا۔ جب حسن کا خالق کسی شی کی حسن کے ساتھ تعریف کرے تو غور کر وہاں حسن کا کیا عالم ہو گا۔ پہلی دو جنتوں میں موجود حوروں کے بارے میں فرمایا: قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ، كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۞ تو غور کر خیرہ جو اللہ تعالیٰ کی چنی ہوئی ہے اور قاصرات الطرف میں کیا فرق ہو گا؟ حدیث طیبہ میں ہے: حورعین میں سے بعض بعض کے ہاتھ پکڑیں گی وہ ایسی آوازوں سے گائیں گی مخلوق نے ان سے اچھی آواز نہ سنی ہو گی اور نہ اس کی مثل آواز سنی ہو گی۔ ہم راضی ہیں ہم کبھی ناراض نہیں ہوتیں۔ ہم ہمیشہ مقیم رہیں گے ہم کبھی بھی کوچ نہ کریں گے ہم ہمیشہ زندہ رہیں گی ہم کبھی بھی نہیں مریں گی۔ ہم ہمیشہ نرم اندام رہیں گی کبھی سخت رو یہ اختیار نہ کریں گی۔ ہم خیرات و حسان میں اپنے خاوندوں کے ہاں محبوب ہیں"۔ امام ترمذی نے حضرت علی سے اسی کی ہم معنی روایت نقل کی ہے (3)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: حورعین جب یہ بات کریں گی تو دنیا میں ان کی مومن بیویاں انہیں جواب دیں گی: ہم نمازیں پڑھتی تھیں جب کہ تم نے نمازیں نہیں پڑھیں، ہم نے روزے رکھے اور تم نے روزے نہیں رکھے، ہم نے وضو کیے اور تم نے وضو نہ کیے، ہم نے صدقے کیے اور تم نے صدقے نہ کیے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کی قسم دنیا میں ان کی مومن بیویاں ان پر غالب آ جائیں گی۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس میں اختلاف ہے کہ حسن و جمال میں کون بڑھ کر ہو گا حوریں یا انسانوں کی نسل سے ان کی بیویاں؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حوریں، کیونکہ قرآن و سنت میں ان کی صفت بیان کی گئی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میت پر جنازہ پڑھتے ہوئے ایک دعا میں کہا: وأبدله زوجا خيرا من زوجه۔ اس کی بیوی سے بہتر اسے بیوی عطا فرما۔ ایک قول یہ کیا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 442 2۔ ایضاً 3۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، حور مقصورات فی الخیام، جلد 3، صفحہ 272

گیا ہے: انسان کی نسل سے عورتیں حوروں سے ستر گنا زیادہ حسین ہوں گی۔ ایک مرفوع روایت اس بارے میں مروی ہے ابن مبارک نے یہ ذکر کیا ہے۔ رشدین، ابن انعم سے وہ حبان بن ابی جبلہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ''دنیا کی عورتوں میں سے جو جنت میں داخل ہوں گی وہ دنیا میں اعمال کرنے کی وجہ سے حورعین پر فضیلت والی ہوں گی''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حورعین جن کا ذکر قرآن میں ہے وہ انبیاء اور مومنین کی مومن بیویاں ہیں جنہیں آخرت میں دوبارہ اس سے بھی زیادہ حسین صورت میں پیدا کیا جائے گا؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ مشہور یہ ہے کہ حورعین دنیا کی عورتیں نہیں ہیں انہیں جنت میں ہی پیدا کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ جب کہ دنیا کی اکثر عورتیں ایسی ہیں جن کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے گے ہوں گے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جنت کے رہائشیوں میں سے بہت کم عورتیں ہوں گی''۔ ان میں سے ہر ایک عورت کو نہیں پائے گا جب کہ حورعین کا وعدہ تمام کے لیے ہے اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ وہ دنیا کی عورتوں کے علاوہ ہیں۔

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾

''یہ حوریں پردہ دار خیموں میں۔ پس (اے جن وانس!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان کو ابھی تک نہ کسی انسان نے چھوا ہو گا اور نہ کسی جن نے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾ حور یہ حوراء کی جمع ہے اس سے مراد ہے جس کی آنکھ کی سفیدی انتہا کی ہو ساتھ ہی ساتھ سیاہی بھی شدید ہو۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ مَّقْصُوْرٰتٌ وہ محبوس ہوں گی اور خیموں میں پوشیدہ ہوں گی وہ گلیوں میں گھومتی پھرتی نہیں ہوں گی، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: خیمہ ایسا موتی ہو گا جو اندر سے خالی ہو گا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہا: یہ ایک فرسخ چوڑا ایک فرسخ لمبا ہو گا اس کے دروازے کے پٹ سونے کے ہوں گے۔

ترمذی حکیم ابو عبداللہ نے حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾ کے بارے میں کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک بادل نے عرش سے بارش برسائی تو حوریں رحمت کے قطرات سے پیدا کی گئیں پھر ان میں سے ہر ایک پر نہروں کے کنارے خیمہ لگا دیا گیا جن کی وسعت چالیس میل ہو گی اس کا کوئی دروازہ نہ ہو گا یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کا ولی جنت میں داخل ہو گا تو دروازہ سے خیمہ پھٹ جائے گا تا کہ اللہ تعالیٰ کے ولی کو علم ہو جائے کہ فرشتوں اور خدام کی نظریں اس تک نہیں پہنچیں، یہ خیموں میں بند ہیں انہیں مخلوقات کی نظروں سے محفوظ رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

پہلی دو جنتوں میں موجود حوروں کے بارے میں فرمایا: فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ یعنی انہوں نے اپنی نظروں کو اپنے خاوندوں تک محدود کر رکھا ہے ان کے بارے میں یہ ذکر نہیں کہ وہ مقصور ہیں یہ اس امر پر دال ہے کہ خیموں میں بند اعلیٰ و افضل ہیں۔ مجاہد نے کہا: مَّقْصُوْرٰتٌ سے مراد یہ ہے انہیں اپنے خاوند تک محدود کر دیا گیا ہے وہ ان کے علاوہ کا ارادہ نہیں کرتیں۔ صحاح میں ہے: قصرت الشئ أقصرہ قصرا میں نے اسے محبوس کر دیا، اسی سے لفظ مقصورۃ الجامع ہے۔ قصرت الشئ

علی کذا یہ اس وقت بولتے ہیں جب تو اسے اسی چیز تک محدود کر دے غیر کی طرف تو اسے متجاوز نہ کرے۔ امرأة قصيرة وقصورة مراد ہے وہ عورت جو کمرے میں بند ہو اسے باہر نکلنے کی اجازت نہ ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں جنت میں ایک نہر کے پاس سے گزرا جس کے کناروں پر مرجان کے قبے تھے اس سے مجھے ندا کی گئی: السلام علیک یا رسول اللہ! میں نے پوچھا: اے جبرئیل! یہ کون ہیں؟ حضرت جبرئیل امین نے جواب دیا: یہ حورعین میں سے نوجوان عورتیں ہیں، انہوں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ وہ آپ کو سلام کہیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اجازت دے دی۔ انہوں نے کہا: ہم ہمیشہ رہیں گی، ہم کبھی بھی نہیں مریں گی، ہم نرم اندام ہیں، ہم سخت گیر نہیں، ہم راضی رہنے والیاں ہیں، ہم کبھی ناراض نہ ہوں گی، ہم معزز خاوندوں کی بیویاں ہیں'' پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ ۞ یعنی ہم محبوس ہیں یہ جس حفاظت اور کرامت کے لیے ہے۔ حضرت اسماء بنت یزید اشہلیہ سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی عرض کی: یا رسول اللہ! ہم عورتیں ہیں محصور رہتی ہیں تمہارے گھروں کا سہارا ہیں، تمہاری اولادوں کو اپنے پیٹوں میں اٹھانے والی ہیں کیا ہم اجر میں تمہارے ساتھ شریک ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم اپنے خاوندوں کے ساتھ حسن معاملہ کرو اور ان کی رضا کی طالب ہو''۔

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ انہیں چھوا تک نہ ہوگا جس طرح پہلے گزرا ہے۔ عام قرآت یطمثھن ہے۔ ابو حیوہ شامی، طلحہ بن مصرف، اعرج اور شیرازی نے کسائی سے دونوں حرفوں میں میم کو مضموم پڑھا ہے۔ کسائی ایک کو کسرہ دیتے اور دوسرے کو ضمہ دیتے اور اس میں اختیار دیتے جب پہلے کو رفع دیتے تو دوسرے کو کسرہ دیتے اور جب پہلے کو کسرہ دیتے تو دوسرے کو رفع دیتے: یہ ابو اسحاق سبیعی کی قرآت ہے۔ ابو اسحاق نے کہا: میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے پیچھے نماز پڑھتا تو وہ میم کو رفع دیتے، میں حضرت عبداللہ کے شاگردوں کے پیچھے نماز پڑھتا تو وہ میم کو کسرہ دیتے۔ کسائی نے دونوں روایات پر عمل کیا یہ دونوں لغتیں ہیں طمُث، طمِث جس طرح یعرِشون اور یعکفُون ہے۔ جس نے ضمہ دیا اس نے دونوں لغتوں کو جمع کر دیا جس نے کسرہ دیا تو یہ عام لغت ہے۔

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ کے قول کا اعادہ نہیں کیا تا کہ اس امر کی وضاحت ہو جائے کہ خیموں میں حور مقصورات کی صفت ایسے ہی ہے جس طرح ان حوروں کی صفت ہے جو قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ کی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب وہ اپنی نظروں کو جھکانے والی ہیں تو خیموں میں بھی ان کا یہی حال ہوگا۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ۞

''وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے سبز مسند پر جو از حد نفیس بہت خوبصورت ہوگی۔ (پس اے انسانو! اور جنو!) تم

دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ (اے حبیب!) بڑا بابرکت ہے آپ کے رب کا نام، بڑی عظمت والا، احسان فرمانے والا''۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ، رَفْرَفٍ سے مراد وہ چادر ہے جو اس بستر پر بچھائی جاتی ہے جس کو سونے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رَفْرَفٍ سے مراد بستروں اور قالینوں سے زائد چیز ہے(1)، ان سے یہ بھی مروی ہے: رَفْرَفٍ سے مراد وہ چادریں ہیں(2) جن کے زائد حصہ پر وہ ٹیک لگاتے ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری اور قرظی نے کہا: اس سے مراد قالینیں ہیں۔ ابن عیینہ نے کہا: اس سے مراد تکیے ہیں۔ ابن کیسان نے کہا: اس سے مراد چھوٹے تکیے ہیں؛ یہ حضرت حسن بصری کا بھی قول ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: یہ کپڑے کی ایک طرف ہے۔ لیث نے کہا: اس سے مراد سب کپڑوں کی ایک قسم ہے جسے بچھایا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد بلند بستر ہیں(3)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: عربوں کے ہاں کپڑے کے جوڑے کو رفارف کہتے ہیں۔ یہ تمام اقوال قریب ہیں۔ صحاح میں ہے: رفرف سے مراد سبز کپڑے ہیں جن سے چادریں بنائی جاتی ہیں اس کا واحد رفارفہ ہے۔ سعید بن جبیر اور حضرت ابن عباس نے کہا: رفرف سے مراد جنت کے باغات ہیں(4)۔ رفرف یہ أن یرف سے مشتق ہے وہ بلند ہوا اسی سے رفرفة الطیر ہے کیونکہ وہ ہوا میں اپنے دونوں پروں کو حرکت دیتا ہے بعض اوقات نر شتر مرغ کو اسی وجہ سے رفرف کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے پروں کو حرکت دیتا ہے پھر بھاگ جاتا ہے۔ رفارف الطائر جب وہ کسی چیز کے ارگرد اپنے پروں کو حرکت دیتا ہے تاکہ وہ اس پر گرے۔ رفرف سے مراد خیمہ کا نچلا حصہ، قمیص کی جانب اور اس میں سے جو چیز لٹک رہی ہو، اس کا واحد رفرفہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بارے حدیث میں ہے: فرفع الرفارف فرأینا وجهه کأنه ورقة یعنی خیمہ کی ایک جانب اٹھائی گئی تو ہم نے آپ کا چہرہ دیکھا گویا وہ چاندی تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: رفرف کا اصل رف النبت یرف ہے جب وہ تروتازہ ہو؛ یہ ثعلبی نے حکایت بیان کی ہے۔ قتبی نے کہا: یہ لفظ کسی شی کے لیے اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب اس کا پانی زیادہ ہو یہاں تک کہ وہ جھومنے لگے۔ رف یرف رفیفا یہ مہدوی نے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رفرف ایسی چیز کو کہتے ہیں جب اس کا مالک اس پر بیٹھے تو وہ دائیں بائیں اوپر نیچے حرکت کرے وہ اس کے ساتھ لذت حاصل کرے جس طرح جھولا جھولتا ہے، یہ قول ترمذی حکیم نے نوادر الاصول میں بیان کیا ہے ہم نے اس کا ذکر تذکرہ میں کیا ہے۔ ترمذی حکیم نے کہا: رفرف فرش سے مرتبہ میں بلند ہے پہلے دو باغوں کے بارے میں فرمایا: **مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ** جب کہ یہاں فرمایا: **مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ،** رَفْرَفٍ ایسی شی ہے جب ولی اس پر متمکن ہوتا ہے تو وہ اس کے ساتھ حرکت کرتی ہے، یعنی اسے یہاں اڑا کر لے جاتا ہے اور یہاں اڑا لے جاتا ہے جہاں اس کا ارادہ ہوتا ہے جس طرح جھولا ہوتا ہے اس کی اصل رفارف بین یدی اللہ عزو جل ہے۔

حدیث معراج میں ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو رفرف آپ کے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 443　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً

پاس آیا آپ نے اسے جبرئیل امین سے لیا اور اس کے ساتھ مسند عرش کی طرف اڑ گئے۔ اس میں آپ نے ذکر کیا کہ ''وہ مجھے لے کر اڑا کبھی مجھے نیچے لے جاتا اور کبھی اوپر لے جاتا یہاں تک کہ مجھے میرے رب کے سامنے کھڑا کر دیا۔ پھر جب واپسی کا وقت ہوا آپ نے اسے پکڑا تو وہ آپ کو لے کر اڑا کبھی نیچے ہوتا اور کبھی اوپر جاتا یہاں تک کہ اس نے آپ کو جبرئیل امین تک پہنچا دیا جب کہ جبرئیل امین رو رہے تھے اور حمد کے ساتھ اپنی آواز بلند کر رہے تھے'' رفرف ایک خادم ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہتا ہے دنو اور قرب کے محل میں اس کے خاص امور ہیں جس طرح براق ایک جانور ہے جس پر انبیاء سواری کرتے ہیں وہ اس کی زمین میں خاص ہے یہ رفرف ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دو جنت والوں کے لیے مسخر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کا قرب رکھتی ہیں یہ رفرف ان کا تکیہ اور بستر ہے وہ ولی کو ان نہروں کے کناروں پر لے کر اڑتا رہتا ہے جہاں وہ جنتی چاہتا ہے جہاں ان کی بیویاں خیرات حسان کے خیمے میں ہوتی ہیں پھر فرمایا: وَعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ۞ عَبْقَرِيٍّ ان کپڑوں کو کہتے ہیں جن پر نقش و نگار ہوتے ہیں جن کو پھیلایا جاتا ہے جب ان نقوش کا خالق کہے کہ یہ حسان ہیں تو ان عباقر کے بارے میں تیرا کیا گمان ہوگا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، جحدری، حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے متکئین علی رفارف پڑھا ہے یہ جمع ہے غیر منصرف ہے، اسی طرح وعباقری حسان بھی ہے یہ رَفْرَفٍ اور عَبْقَرِيٍّ کی جمع ہے رَفْرَفٍ اسم جمع ہے عبقری واحد ہے جو جمع پر دلالت کرتی ہے جو عَبْقَرِيٍّ کی طرف منسوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رَفْرَفٍ اور عَبْقَرِيٍّ کا واحد رفرفہ اور عبقریہ ہے رفارف اور عباقر جمع الجمع ہے۔

عَبْقَرِيٍّ سے مراد موٹی چٹائی ہے، یہ فراء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد تکیے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد قالین ہیں۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد ریشم ہے۔ قتبی نے کہا: ہر ایسا کپڑا جس پر نقش و نگار ہوں عرب اسے عبقری کہتے ہیں۔ ابو عبید نے کہا: یہ ایسی زمین کی طرف منسوب ہے جس میں کپڑے پر نقش و نگار بنائے جاتے ہیں، اس کی طرف ہر اس نقش کو منسوب کیا جاتا ہے جس کو مضبوط نقش کہا جاتا۔

یہ کہا جاتا ہے: عبقر یمن کی ایک جانب ایسی بستی ہے جس میں منقش قالین بنے جاتے۔ ابن انباری نے کہا: اس میں اصل یہ ہے کہ عبقر ایک بستی ہے جس میں جن رہتے اس کی طرف ہر عمدہ چیز منسوب کی جاتی ہے۔ خلیل نے کہا: مردوں، عورتوں اور اس کے علاوہ جو بھی عمدہ چیز ہو عربوں کے ہاں اسے عبقری کہتے ہیں؛ اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمان ہے: فلم أر عبقریا من الناس یَفْرِی فَرِیَّهٗ (1) ابو عمرو نے کہا جب کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا گیا تھا تو فرمایا: عبقری سے مراد قوم کا رئیس اور بزرگ ہے۔

جوہری نے کہا: عبقری ایسی جگہ ہے عرب یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ جنوں کا علاقہ ہے۔ لبید نے کہا:

كُهُولٌ وشُبَّانٌ كَجِنَّةِ عَبْقَرٍ

عبقر کے جنوں کی طرح ادھیڑ عمر اور جوان ہیں۔ پھر عربوں نے اس کی طرف ہر ایسی چیز کو منسوب کیا جس کی قوت اور عمدہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، علامات النبوۃ فی الاسلام دار طرافہ، جلد 1، صفحہ 513

صنعت سے وہ متعجب ہوتے انہوں نے کہا: عبقری۔ یہ واحد اور جمع ہے حدیث میں ہے: إنه كان يسجد على عبقري(1) وہ عبقری پر سجدہ کرتا ہے۔ اس سے مراد ایسی قالین ہے جس میں رنگ ہوں اور نقوش ہوں یہاں تک کہ انہوں نے کہا ظلم عبقری، هذا عبقري قوم۔ یہ جملہ اس آدمی کے لیے بولتے جو قوم میں سے قوی ہوتا۔ حدیث طیبہ میں ہے: فلم أر عبقريا يفري فريه میں نے قوم کے سردار کو نہیں دیکھا جو جھوٹ بولتا ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے ایسی چیز کے ساتھ خطاب کیا جس سے وہ متعارف تھے اور فرمایا: عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ۔ بعض قاریوں نے اسے عباقری پڑھا ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ اسم منصوب کے جمع یاء نسبت کو باقی رکھتے ہوئے نہیں بنائی جاتی۔ قطرب نے کہا: یہ منسوب نہیں یہ کرسی کراسی، بختی اور بخاتی کی طرح ہے۔ ابوبکر نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے یوں پڑھا متكئين على رفارف خضر وعباقر حسان ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے (2) خضر کے ضاء کو مضموم پڑھنا بہت ہی قلیل ہے۔

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ تَبٰرَكَ یہ برکۃ سے تفاعل کا وزن ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ذِي الْجَلٰلِ عظمت والا۔ یہ بحث بھی پہلے گزر چکی ہے۔ عامر نے ذو الجلال پڑھا ہے اور اسے اسم کی صفت بنایا ہے یہ اس امر کو قوت بہم پہنچاتا ہے کہ اسم میں مسمی ہے باقی قراء نے ذی الجلال پڑھا ہے انہوں نے ذی کو ربک کی صفت بنایا ہے گویا اس کے ساتھ اس اسم کا ارادہ کیا ہے جس کے ساتھ سورت کا آغاز کیا فرمایا: اَلرَّحْمٰنُ اس اسم کے ساتھ آغاز کیا اور انسان اور جنوں کی تخلیق کا ذکر کیا، آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا ذکر کیا، ان میں اپنی تدبیر کا ذکر کیا اور فرمایا: كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۝ پھر قیامت، اس کی ہولناکیوں اور جہنم کی صفت کا ذکر کیا پھر جنتوں کی صفت کا بیان کیا پھر سورت کے آخر میں بیان کیا تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ یعنی وہ اسم جس کے ساتھ سورت کا آغاز کیا۔ گویا انہیں آگاہ کیا کہ یہ سب کچھ تمہارے لیے میری رحمت سے پیدا ہوا ہے میں نے اپنی رحمت سے تمہیں پیدا کیا، تمہارے لیے آسمان، زمین، جنت اور دوزخ بنائے یہ سب کچھ تمہارے لیے رحمٰن کے اسم سے وقوع پذیر ہوا تو اس اسم کی مدح کی پھر کہا: ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ یعنی وہ ذات کے اعتبار سے جلیل ہے، افعال میں کریم ہے۔ قراء نے اس میں اختلاف نہیں کیا کہ سورت کے آغاز (3) میں وجہ کی صفت بنائیں جب کہ حالت رفعی میں ہو۔ یہ اس امر پر دال ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے مومن جس کو ملیں گے جب وہ اس کا دیدار کریں گے، حسن جزا، خوبصورت ملاقات اور اچھی عطا سے خوش ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، جلد 1، صفحہ 520

2۔ درمنثور، جلد 6، صفحہ 214

3۔ مراد آیت نمبر 27 ہے۔

سورة الواقعہ

آیاتها ۹۶ ‏‏‏‏ ۵۶ سورۃ الواقعۃ مکیۃ ۴۶ ‏‏‏‏ رکوعاتها ۳

یہ سورت مکی ہے، اس کی چھیانوے آیات ہیں۔

حضرت حسن بصری، عکرمہ، جابر اور عطا کے قول میں یہ مکی ہے(1)۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: ایک آیت مدنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۞ کلبی نے کہا: یہ سورت مکی ہے مگر چار آیات مدنی ہیں ان میں سے دو آیات یہ ہیں: اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۞ وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۞ یہ مکہ مکرمہ کی طرف سفر میں نازل ہوئیں اور ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۞ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۞ یہ مدینہ کی طرف سفر کے موقع پر نازل ہوئیں۔

مسروق نے کہا: جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ وہ اولین و آخرین کی خبر، اہل جنت کی خبر، اہل جہنم کی خبر، ہر اہل دنیا کی خبر اور اہل اُخری کی خبر کو جانے تو وہ سورۂ واقعہ کو پڑھے۔ ابو عمر بن عبد البر نے التمهید، التعلیق اور ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی، حضرت ابن مسعود کے پاس عیادت کے لیے گئے جس مرض میں وہ فوت ہو گئے تھے پوچھا: کیا تکلیف ہے؟ کہا: اپنے گناہوں کی شکایت کرتا ہوں پوچھا: کیا خواہش رکھتے ہو؟ کہا: اپنے رب کی رحمت کی خواہش کرتا ہوں۔ پوچھا: کیا تیرے لیے طبیب کو نہ بلاؤں؟ جواب دیا: طبیب نے ہی تو مجھے مریض کیا ہے۔ کہا: کیا ہم تیرے لیے عطیہ کا حکم نہ دیں؟ جواب دیا: مجھے اس کی ضرورت نہیں میری زندگی میں آپ نے اسے روکے رکھا اور میری موت کے وقت مجھے دیتے ہو؟ فرمایا: یہ تیری بیٹیوں کو تیرے بعد فائدہ دے گا۔ جواب دیا: کیا آپ کو میرے بعد میری بیٹیوں کے بارے میں فاقہ کا ڈر ہے؟ میں نے انہیں کہہ دیا ہے کہ ہر رات سورۂ واقعہ کی تلاوت کیا کریں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے: ''جس نے ہر روز سورۃ واقعہ کو پڑھا اسے کبھی بھی فاقہ نہیں آئے گا''(2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۞ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۞ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۞ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۞ وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۞ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۞

''جب قیامت برپا ہو جائے گی نہیں ہوگا جب یہ برپا ہو گی (اسے) کوئی جھٹلانے والا، کسی کو پست کرنے والی کسی کو بلند کرنے والی، جب زمین تھر تھر کانپے گی اور ٹوٹ پھوٹ کر پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر غبار بن کر بکھر جائیں گے''۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 445　2۔ کنز العمال، جلد 1، صفحہ 582، حدیث 2640

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ جب قیامت برپا ہوگی۔ مراد دوسرا نفحہ ہے اسے واقعہ کا نام دیا کیونکہ یہ قریب ہی وقت میں واقع ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا: اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اس میں بہت سی مشکلات واقع ہوں گی۔ اس میں اضمار ہے یعنی یاد کرو اس وقت کو جب واقعہ ہونے والی واقع ہوگی۔ جرجانی نے کہا: اذا زائد ہے مراد ہے قیامت برپا ہوگی جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ (القمر:1) اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ (النحل:1) جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: قد جاء الصوم یعنی روزے قریب آ گئے پہلی تعبیر کی صورت میں اذا وقت کے لیے ہے اس کا جواب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ۝ (الواقعہ)

لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ کاذبۃ مصدر ہے یہ کذب کے معنی میں ہے عرب بعض اوقات اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغے کو مصدر کی جگہ رکھتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا تَسْمَعُ فِیْهَا لَاغِیَةً ۝ (الغاشیہ) لاغیۃ لغو کے معنی میں ہے۔ یعنی اس میں کوئی جھوٹ سنائی نہیں دے گا؛ یہ کسائی کا قول ہے اس معنی میں عام لوگوں کا قول ہے عائذ باللہ۔ یہ معاذ اللہ کے معنی میں ہے۔

قم قائما، قم قیاما کے معنی میں ہے ایک عربی عورت بچے سے دل لگی کرتی ہے۔

قم قائما قم قائما

اٹھ کھڑے ہو اٹھ کھڑے ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: کَاذِبَةٌ صفت ہے اس کا موصوف محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہوگی لیس لوقعتها حال کاذبة او نفس کاذبة یعنی جو بھی اس کے واقعہ ہونے کے بارے میں خبر دے رہا ہے وہ سچا ہے۔ زجاج نے کہا: لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ کا معنی ہے اسے کوئی چیز رد نہیں کرتی، اس کی مثل حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے۔ ثوری نے کہا: اس کے واقع ہونے کے وقت کوئی بھی اس کو نہیں جھٹلائے گا۔ کسائی نے کہا: مراد ہے مناسب یہ ہے کوئی بھی اس کو نہ جھٹلائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا قیام یقینی ہے یہ کوئی ہنسی مذاق نہیں۔

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ عکرمہ، مقاتل اور سدی نے کہا: مفہوم یہ ہے خفضت الصوت فاسمعت من دنا و رفعت فاسمعت من نأی یعنی اس نے قریب اور بعید کو آواز سنائی (1)۔ سدی نے کہا: اس نے متکبرین کو پست کیا اور کمزوروں کو بلند کیا۔ قتادہ نے کہا: اس نے کچھ قوموں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب میں پست کیا اور کچھ قوموں کو اللہ تعالیٰ کی طاعت کی طرف بلند کیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اس نے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو جہنم میں پست کیا اور اولیاء اللہ کو جنت میں بلند کیا (2)۔ محمد بن کعب نے کہا: اس نے ان لوگوں کو پست کیا جو دنیا میں بلند تھے اور اس نے ایسی قوموں کو بلند کیا جو دنیا میں پست تھے۔ ابن عطا نے کہا: اس نے کچھ لوگوں کو عدل کے ذریعے پست کیا اور دوسروں کو فضل کے ذریعے بلند کیا۔ خفض رفع کا لفظ عربوں کے ہاں مکان، مرتبہ، عزت اور ذلت کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خفض اور رفع کی نسبت قیامت کی طرف کی ہے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 446   2۔ ایضاً

یہ بطور مجاز ہے جس طرح عربوں کی عادت ہے کہ وہ فعل کی نسبت محل زمان اور دوسری چیزوں کی طرف کر دیتے ہیں جن سے فعل حقیقت میں واقع نہیں ہوتا۔ وہ کہتے ہیں لیل نائم، نہار صائم۔ قرآن کریم میں ہے بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ (سبا:33) حقیقت میں بلند کرنے والا اور پست کرنے والا اللہ وحدہ لاشریک ہے اس نے اپنے اولیاء کو اعلیٰ درجات میں بلند کیا اور اس نے اپنے دشمنوں کو سب سے نچلے درجے میں پست کیا۔ حضرت حسن بصری اور عیسیٰ ثقفی نے پڑھا خافضةً رافعةً یعنی منصوب پڑھا ہے(1) باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے اس صورت میں مبتدا محذوف ہوگا۔ جس نے اسے نصب دی ہے تو حال ہونے کی حیثیت میں نصب دی۔ فراء کے نزدیک یہاں فعل مضمر ہوگا، معنی ہوگا وقعت خافضة رافعةً قیامت کے وقوع میں کوئی شک نہیں یہ بعض لوگوں کو بلند کرے گی اور بعض کو پست کرے گی جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝ جب زمین میں زلزلہ برپا ہوگا اور اس میں حرکت ہوگی؛ مجاہد اور دوسرے علماء سے یہی مروی ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: رجه يرجه رجا اسے حرکت دی اور اس میں زلزلہ برپا کیا۔ ناقة رجاء ایسی اونٹنی جس کی کہان بڑی ہو۔ حدیث طیبہ میں ہے "جو آدمی سمندر پر اس وقت سوار ہوا جب وہ موجزن تھا تو اس کی کوئی ضمانت نہ ہوگی" (2)۔ کلبی نے کہا: اس کی وجہ یہ ہوگی جب اللہ تعالیٰ زمین کی طرف وحی کرے گا تو اللہ تعالیٰ سے خوف کی وجہ سے وہ مضطرب ہوگی۔ مفسرین نے کہا: وہ اس طرح مضطرب ہوگی جس طرح بچہ پنگھوڑے میں مضطرب ہوتا ہے یہاں تک کہ جو کچھ اس کے اوپر ہوگا وہ گر جائے گا اور پہاڑ وغیرہ جو اس کے اوپر ہوگا وہ ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رجه سے مراد شدید حرکت ہے جس کی آواز سنی جائے گی۔ اذا، اذا وقعت کا بدل ہونے کی حیثیت سے منصوب ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ کی وجہ سے منصوب ہو، یعنی جب زمین میں زلزلہ برپا ہوگا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو اس وقت یہ کچھ کو پست کرے گی اور کچھ کو بلند کرے گی کیونکہ اس موقع پر جو بلند ہوگا وہ پست ہو جائے گا اور جو پست ہوگا وہ بلند ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب زمین میں زلزلہ برپا ہوگا تو قیامت برپا ہو جائے گی یہ زجاج اور جرجانی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے أذكر إذا رجّت الأرض رجّا، رجا مصدر ہے یہ اس امر پر دلیل ہے کہ زلزلہ دوبارہ واقع ہوگا۔

وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ یعنی پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ مجاہد نے کہا: جس طرح آٹے کو گھی سے لت پت کیا جاتا ہے۔ بسیسہ سے مراد ستو یا آٹا ہے جسے گھی یا تیل سے لت پت کیا جاتا ہے پھر اسے کھایا جاتا ہے اسے پکایا نہیں جاتا۔ بعض اوقات اسے زاد راہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ راجز نے کہا:

لَا تَخْبِزَا خُبْزًا وَبُسَّا بَسَّا

تم دونوں روٹی نہ پکاؤ اسے گھی سے لت پت کر دو۔ ابو عبید نے یہ ذکر کیا ہے یہ غطفان کا ایک چور تھا اس نے روٹی پکانے کا ارادہ کیا اسے خوف ہوا کہ وقت کم ہے تو اس نے آٹا ہی کھا لیا۔ مطلب یہ ہے انہیں خلط ملط کیا گیا تو وہ اس آٹے کی طرح ہو گئے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 239

2۔ کنز العمال، جلد 15، صفحہ 582، حدیث 41371

جسے پانی کے ساتھ ملایا گیا ہو یعنی پہاڑ مٹی ہو جائیں گے اور بعض کو بعض سے ملا دیا جائے گا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: بست کا معنی ہے انہیں جڑ سے اکھیڑ دیا جائے گا تو وہ ختم ہو جائیں گے؛ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا (طہ) عطیہ نے کہا: انہیں پھیلا دیا جائے گا جس طرح ریت اور مٹی ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ابتس سے مراد چلانا ہے یعنی پہاڑوں کو چلایا جائے گا۔ ابوزید نے کہا: سب سے مراد ہانکنا ہے قد بسست الابل أبسها بسامیں نے اونٹوں کو ہانکا۔ ابو عبید نے کہا: بسست الابل، ابسست یہ دونوں لغتیں ہیں جب تو ان کو جھڑکے اور تو انہیں کہے بس بس حدیث طیبہ میں ہے یخرج قوم من المدینة الی الیمن والشام والعراق یَبُسُّون والمدینة خیرلهم لوکانوا یعلمون (1)۔

اس معنی میں ایک اور حدیث ہے جاء کم اهل ألیمن یَبُسُّون عیالهم (2) اہل یمن تمہارے پاس آئے جب کہ وہ اپنے عیال کو ہانک رہے ہیں۔ عرب کہتے ہیں: جئ به من حسِّك وبسِّك ابوزید نے دونوں کو کسرہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ من حسك کا معنی ہے جہاں سے تو نے اس کا احساس کیا۔ من بسك جہاں سے اسے تیرا چلنا پہنچا۔ مجاہد نے کہا: معنی ہے وہ بہہ پڑے۔ عکرمہ نے کہا: انہیں گرایا گیا۔ محمد بن کعب نے کہا: انہیں چلایا گیا؛ اسی معنی میں اغلب عجلی کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انہیں کاٹ دیا گیا۔ معنی قریب قریب ہے۔

فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۝ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: هباء منبث سے مراد وہ غبار ہے جو چوپاؤں کے کھروں سے پھیلتا ہے پھر ختم ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو اس طرح بنایا ہے (3)۔ مجاہد نے کہا: هباء سے مراد وہ شعاع ہے جو روشن دان میں ہوتی ہے جس طرح غبار کی کیفیت ہوتی ہے (4)؛ اس کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: جب آگ میں حرکت ہوتی ہے تو اس سے جو شرارے اڑتے ہیں جب وہ کسی جگہ واقع ہوتے ہیں تو کچھ بھی نہیں ہوتے (5)؛ یہ عطیہ کا قول ہے۔ سورۂ فرقان میں وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ میں گزر چکا ہے۔ عام قرآت منبثا ثا مثلثہ کے ساتھ ہے۔ مراد ہے متفرق۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ (البقرہ: 164) یعنی اسے بکھیر دیا۔ مسروق، نخعی اور ابوحیوہ نے منبتا پڑھا ہے (6) جس کا معنی منقطع ہے یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: بتہ اللہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قطع کر دیا۔ اس معنی میں بتات ہے۔

وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَ اَصْحٰبُ الْمَشْــَٔمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْــَٔمَةِ ۝ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝

''اور تم لوگ تین گروہوں میں بانٹ دیئے جاؤ گے۔ پس (ایک گروہ) دائیں ہاتھ والوں کا ہوگا کیا شان ہوگی

1۔ موطا امام مالک، کتاب الجامع، ما جاء فی سکنی المدینة والخروج منها، صفحہ 696
2۔ ایضاً
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 447
4۔ ایضاً
5۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 239
6۔ ایضاً

دائیں ہاتھ والوں کی۔ اور (دوسرا گروہ) بائیں ہاتھ والوں کا ہوگا کیا (خستہ) حال ہوگا بائیں ہاتھ والوں کا۔
اور (تیسرا گروہ ہر کار خیر میں) آگے رہنے والوں کا وہ (اس روز بھی) آگے آگے ہوں گے وہی مقرب بارگاہ ہیں، عیش و سرور کے باغوں میں''۔

وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً یعنی تین قسمیں۔ ہر قسم اس کے ہم مثل ہوگی جو اس میں سے ہے جس طرح زوج زوجہ کے ہم مثل ہوتا ہے پھر وضاحت کی کہ وہ کون ہیں تو فرمایا فاصحاب الیمین، اصحاب المشئمۃ، سابقون۔ اصحاب میمنہ وہ ہیں جن کو دائیں جانب سے پکڑ کر جنت کی طرف لے جایا جائے گا، اصحاب مشئمہ وہ ہیں جن کو بائیں جانب سے پکڑ کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا؛ یہ سدی کا قول ہے (1)۔ مشأمہ کا معنی بایاں اسی طرح شأمہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے قعد فلان شأمۃ فلاں بائیں جانب بیٹھا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: یا فلاں شائم باصحابك یعنی ان کی بائیں جانب بیٹھو۔ عرب بائیں ہاتھ کو شؤمی کہتے اور بائیں جانب کو شمال کہتے۔ اسی طرح جو چیز دائیں جانب سے آتی ہے اسے یمن اور جو بائیں جانب سے آئی شؤمی کہتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی نے کہا: اصحاب میمنہ سے مراد وہ ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب تھے جب آپ کی اولاد آپ کی پشت سے نکالی جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: یہ جنت میں ہیں مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ زید بن اسلم نے کہا: اصحاب میمنہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس روز حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب سے نکالے گئے اور اصحاب مشئمہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں جانب سے نکالے گئے۔ عطاء اور محمد بن کعب نے کہا: اصحاب میمنہ سے مراد وہ ہیں جن کو کتاب ان کے دائیں ہاتھ میں دی گئی اور اصحاب مشئمہ سے مراد وہ ہیں جن کو کتاب ان کے بائیں ہاتھ میں دی گئی (2)۔ ابن جریج نے کہا: اصحاب میمنہ سے مراد نیکیوں والے ہیں اور اصحاب مشئمہ سے مراد برائیوں والے ہیں (3)۔ حسن اور ربیع نے کہا: اصحاب میمنہ سے مراد وہ ہیں جو اعمال صالحہ کرنے کی وجہ سے اپنی ذاتوں کے لیے مبارک ہوئے اور اصحاب مشئمہ سے مراد وہ ہیں جو قبیح اعمال کے ساتھ اپنے لیے منحوس ہوئے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوذر سے حدیث اسراء میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب ہم آسمان دنیا پر بلند ہوئے تو وہاں ایک شخصیت تھی جس کی دائیں جانب خلقت تھی اور اس کی بائیں جانب خلقت تھی۔ جب اپنی دائیں جانب دیکھتی تو ہنستی اور جب اپنی بائیں جانب دیکھتی تو رو دیتی۔ اس نے کہا: نبی صالح اور ابن صالح کو خوش آمدید۔ میں نے کہا: اے جبرئیل! یہ کون ہے؟ اس نے کہا: یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں ان کی دائیں جانب اور ان کی بائیں جانب یہ سائے ان کی اولاد کی روحیں ہیں دائیں جانب والے جنتی اور بائیں جانب والے جہنمی ہیں'' (4)۔ حدیث کو ذکر کیا۔

مبرد نے کہا: اصحاب میمنہ سے مراد آگے بڑھنے والے ہیں اور اصحاب مشئمہ سے مراد پیچھے رہ جانے والے ہیں۔ عرب کہتے ہیں: اجعلنی فی یمینك ولا تجعلنی فی شمالك مجھے آگے والوں میں سے بنا اور مجھے پیچھے رہ جانے والوں میں نہ بنا۔ مَآ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 448 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً
4۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی السموات، جلد 1، صفحہ 93-92

اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَةِ ۙ اور مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ۙ میں تکرار، تفخیم اور تعجب کے اظہار کے لیے ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَلۡحَآقَّةُ ۙ مَا الۡحَآقَّةُ ۙ (الحاقہ) اَلۡقَارِعَةُ ۙ مَا الۡقَارِعَةُ ۙ (القارعۃ) جس طرح کہا جاتا ہے: زید ما زید، ام زرع رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے: مالك و ما مالك مقصود اصحاب میمنہ کے لیے ثواب کی کثرت کا اظہار ہے اور اصحاب مشئمہ کے لیے عقاب کی کثرت کا اظہار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اصحاب مبتدا اور خبر کی حیثیت سے مرفوع ہے۔ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَةِ ۙ گویا یوں کلام کی ما اصحاب المیمنہ ماھم معنی ہے وہ کیا ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز ہے کہ ما تاکید کے لیے ہو۔ معنی ہے وہ لوگ جن کو ان کی کتاب ان کے دائیں ہاتھ میں دی جائے گی وہ آگے بڑھنے والے اور بلند مرتبہ والے ہیں۔

وَ السّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ۙ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ''سابقون وہ ہیں جب انہیں حق دیا گیا تو انہوں نے اسے قبول کیا جب ان سے سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کو خرچ کیا اور انہوں نے لوگوں کے لیے وہی فیصلہ کیا جو انہوں نے اپنے لیے فیصلہ کیا'' (1) یہ مہدوی نے ذکر کیا۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا: وہ انبیاء ہیں (2)۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: مراد ہر امت میں سے ایمان کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں؛ اس کی مثل عکرمہ سے مروی ہے۔ محمد بن سیرین نے کہا: مراد وہ صحابہ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی (3) اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ السّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَ الۡاَنۡصَارِ (التوبۃ: 100) مجاہد وغیرہ نے کہا ہے: مراد جہاد کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں اور نماز کی طرف سب سے پہلے جانے والے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: مراد پانچوں نمازوں کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں۔ ضحاک نے کہا: جہاد کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: توبہ اور نیکی کے اعمال کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ سَارِعُوۡۤا اِلٰى مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ (آل عمران: 133) پھر ان کی تعریف کی اور فرمایا: اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ وَهُمۡ لَهَا سٰبِقُوۡنَ ۙ (المومنون) ایک قول یہ کیا گیا: وہ چار ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے سبقت لے جانے والا۔ وہ حضرت حزقیل ہیں جو آل فرعون میں سے مومن تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے سبقت لے جانے والا۔ وہ حبیب نجار ہے وہ صاحب انطاکیہ تھا۔ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام کی امت میں سے سبقت لے جانے والے یعنی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اسے ماوردی نے بیان کیا ہے (4)۔ شمیط بن عجلان نے کہا: وہ تین قسم کے لوگ ہیں (۱) جس نے اپنی ابتدائی عمر میں ہی بھلائی کی طرف جلدی کی اس پر دوام اختیار کیا یہاں تک کہ دنیا سے چلا گیا یہی سابق مقرب ہے (۲) ایسا آدمی جس نے ابتداء میں گناہ کیے پھر طویل غفلت میں رہا پھر توبہ کی یہاں تک کہ اس پر اس کا خاتمہ ہوا یہ اصحاب یمین میں سے ہے (۳) ایسا آدمی جس نے ابتدائی عمر میں گناہ شروع کر دیئے پھر اسی پر کاربند رہا یہاں تک کہ اس پر اس کا خاتمہ ہوا یہ اصحاب شمال میں سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد تمام وہ لوگ ہیں جنہوں نے کسی صحیح امر کی طرف جلدی کی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: السّٰبِقُوۡنَ یہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے دوسرا سابقون اس کی تائید ہے اس کی خبر

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 240　　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 448　　3۔ ایضاً　　4۔ ایضاً

اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ ہے۔ زجاج نے کہا: السّٰبِقُوْنَ مبتدا ہے دوسرا سابقون اس کی خبر ہے معنی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طاعت کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ ان کی صفت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب سابقین مقربین میں سے کوئی جنت میں اپنی منزل سے نکلے گا تو اس کی اتنی روشنی ہوگی جسے اس سے کم مرتبہ کے لوگ پہچان لیں گے۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَ قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝ عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝ مُّتَّكِـِٕیْنَ عَلَیْهَا مُتَقٰبِلِیْنَ ۝

''ایک بڑی جماعت پہلوں سے اور قلیل تعداد پچھلوں سے۔ ان پلنگوں پر جو سونے کی تاروں سے بنے ہوں گے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ان پر آمنے سامنے''۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝ گزری ہوئی امتوں میں سے ایک جماعت (1) وَ قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝ یعنی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ایک جماعت ان میں سے جو اس امت سے قبل گزر چکے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھوڑے (2)۔ اے اللہ! ہمیں اپنے کرم کے ساتھ ان میں سے بنا دے۔ انہیں قلیل ماقبل کی طرف نسبت کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔ کیونکہ پہلے انبیاء بہت زیادہ ہیں تو ان میں سے ایمان کی طرف سبقت لے جانے والے بھی زیادہ ہیں۔ ہماری امت میں سے جنہوں نے تصدیق کی طرف سبقت کی ان پر ان کی تعداد بہت زیادہ ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر یہ امر شاق گزرا تو یہ آیت نازل ہوئی ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں امید کرتا ہوں کہ تم جنتیوں کا چوتھائی، بلکہ ایک تہائی بلکہ جنتیوں کا نصف ہو گے وہ باقی نصف میں باہم تقسیم ہوں گے''۔ اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے ماوردی اور دوسرے علماء نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کا معنی حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث میں صحیح مسلم میں ثابت ہے۔ گویا آپ نے ارادہ فرمایا کہ یہ منسوخ ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ محکم ہے کیونکہ وہ خبر ہے اور یہ دو مختلف جماعتوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جو امتیں گزر چکی ہیں ان میں سے سابقین ہمارے سابقین سے زیادہ ہیں اسی وجہ سے فرمایا: وَ قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝ اصحاب یمین جو سابقین کے علاوہ ہیں کے بارے میں فرمایا: ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں امید کرتا ہوں کہ میری امت جنتیوں کا نصف ہوگی'' (3) پھر اس آیت کی تلاوت کی ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝

مجاہد نے کہا: یہ سب اس امت سے تعلق رکھتے ہیں۔ سفیان، ابان سے وہ سعید بن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں الثلتان جمیعا من امتی (4) یعنی ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 241　　2۔ تفسیر عبدالرزاق، جلد 3، صفحہ 279
3۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 223　　4۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 458

الْاٰخِرِیْنَ ۞ یہ قول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: دونوں جماعتیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہیں ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اس امت کے اوّل سے ہیں اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اس امت کے آخر میں سے ہیں (1) وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ (فاطر: 32)

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۞ ایک جماعت اس امت کے اوّل سے تعلق رکھتی ہے۔ وَ قَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۞ وہ طاعت میں جلدی کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ اولین کے درجہ تک جا پہنچتے ہیں۔ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں'' (2) پھر اصحاب یمین میں اولین وآخرین کو برابر قرار دیا ثلة یہ ثللتُ الشی سے ماخوذ ہے یعنی میں نے اسے کاٹا۔ ثلة کا معنی فرقہ ہے؛ زجاج کا قول ہے۔

عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۞ سبقت لے جانے والے جنت میں پلنگوں پر ہوں گے۔ سرر، سریر کی جمع ہے موضونة حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ سونے سے بنے ہوں گے۔ عکرمہ نے کہا: ان میں موتی اور یاقوت جڑیں ہوں گے۔ حضرت ابن عباس نے یہ بھی فرمایا: مَّوْضُوْنَةٍ وہ صف در صف ہوں گے جس طرح ایک اور موقع پر فرمایا: عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ان سے اور مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: وہ سونے سے بنے ہوں گے۔ تفاسیر میں ہے وہ سونے کی تاروں سے بنے ہوں گے جن میں موتی، یاقوت اور زبرجد جڑیں ہوں گے۔ وضن کا معنی بننا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: وضن فلان الحجر والآجر بعضه فوق بعض فهو موضون فلاں نے پتھر اور اینٹ کو ایک دوسرے پر رکھا پس انہیں پیوست کر دیا گیا۔ درع موضونة ایسی زرہ جو بنائی میں محکم ہو جس طرح مصفوفة ہے۔ اعشیٰ نے کہا:

ومن نسج داؤد موضونة

حضرت داؤد علیہ السلام کی بنائی بڑی مضبوط تھی۔ السریر الموضون سے مراد ہے وہ چارپائی جس کی سطح بنی ہوئی چیز کی طرح ہو اس سے وضین ہے بطان من سیور ینسج فیدخل بعضه فی بعض تنگ بے تسموں سے بنائے گئے تھے جن کے بعض بعض میں داخل کر دیئے گئے تھے؛ اس معنی میں اس کا یہ قول ہے:

الیك تَعْدُو قَلِقًا وَضِینُها (3)

مُّتَّكِـِٕیْنَ عَلَیْهَا، ھا ضمیر سے مراد پلنگ ہیں۔ مُتَقٰبِلِیْنَ ۞ وہ ایک دوسرے کی گدی نہیں دیکھیں گے بلکہ پلنگ ان پر گھومیں گے۔ یہ مومن، اس کی زوجہ اور اس کے اہل کے بارے میں ہے یعنی وہ بالمقابل تکیہ لگائے ہوں گے؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: ہر پلنگ کی لمبائی تین سو ہاتھ ہوگی ☆۔ جب بندہ اس پر بیٹھنے کا ارادہ کرے گا تو وہ نیچے ہو جائے گا اور جب اس پر بیٹھ جائے گا تو وہ اوپر اٹھ جائے گا۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 449
2۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، فضل الصحابة ثم الذین یلونهم، جلد 2، صفحہ 309
3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 241
☆ الفاظ یہی ہیں مگر سیاق سے پتہ چلتا ہے اس کی اونچائی اتنی ہوگی۔

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۙ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ ۬ۙ وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۙ﴿۱۸﴾ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَ لَا يُنْزِفُوْنَ ۙ﴿۱۹﴾ وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۙ﴿۲۰﴾ وَ لَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ؕ﴿۲۱﴾ وَ حُوْرٌ عِيْنٌ ۙ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۚ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا تَاْثِيْمًا ۙ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾

''گردش کرتے ہوں گے ان کے اردگرد نوخیز لڑکے جو ہمیشہ ایک جیسے رہیں گے (ہاتھوں میں) پیالے، آفتابے اور شراب طہور سے چھلکتے جام لیے ہوئے، نہ سر درد محسوس کریں گے اس سے اور نہ مدہوش ہوں گے اور میوے بھی (پیش کریں گے) جو وہ جنتی پسند کریں گے اور پرندوں کا گوشت بھی جس کی وہ رغبت کریں گے اور حوریں خوبصورت آنکھوں والیاں، (سچے) موتیوں کی مانند جو چھپا رکھے ہوں۔ یہ اجر ہوگا ان نیکیوں کا جو وہ کرتے رہے تھے۔ نہ سنیں گے وہاں لغو باتیں اور نہ گناہ والی باتیں، بس ہر طرف سے سلام ہی سلام کی آواز آئے گی''۔

يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿﴾ یعنی ایسے لڑکے جو نہیں مریں گے؛ یہ مجاہد، حسن اور کلبی کا قول ہے۔ نہ وہ بوڑھے ہوں گے اور نہ ان میں کوئی تبدیلی ہوں گی۔ سعید بن جبیر نے کہا: مُخَلَّدُوْنَ کا معنی ہے انہیں بالیاں پہنائی گئی ہوں گی (1)۔ بالی کو خلدہ کہتے ہیں زیورات کے مجموعہ کو خلدہ کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں کنگن پہنائے گئے ہوں گے اس کی مثل فراء سے مروی ہے؛ شاعر نے کہا:

و مخلّدات باللُّجینِ (2)

انہوں نے چاندی کے کنگن پہنے ہوئے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں بالیاں پہنائی گئی ہوں گی۔ عکرمہ نے کہا: مُخَلَّدُوْنَ ان پر انعام کیا گیا ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ سب ہم عمر ہوں گے اللہ تعالیٰ نے انہیں جنتیوں کے لیے پیدا کیا، ان پر گردش کرتے ہوں گے جس طرح اللہ تعالیٰ نے چاہا ان میں ولادت کا سلسلہ نہیں ہوگا۔ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت حسن بصری نے کہا: یہاں ولدان سے مراد مسلمانوں کے بچے ہیں جو چھوٹی عمر میں مرجاتے ہیں نہ ان کی نیکی ہوتی ہے اور نہ ہی برائی ہوتی ہے۔ حضرت سلمان فارسی نے کہا: یہ مشرکوں کے بچے ہوں گے یہ جنتیوں کے خادم ہوں گے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: نہ ان کی نیکیاں ہوں گی کہ ان پر انہیں بدلہ دیا جاتا اور نہ ان کی برائیاں ہوں گی کہ ان پر انہیں عذاب دیا جاتا تو انہیں اس مقام پر رکھا جائے گا۔ مقصود یہ ہے کہ جنتی کامل سرور و نعمت میں ہوں گے اور خوشی وانبساط اسی وقت مکمل ہوتا ہے جب خدام اور بچے انسان کے اردگرد ہوں۔

بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ، اکواب، کوب کی جمع ہے سورۂ زخرف میں یہ گزر چکا ہے۔ یہ ایسے برتن ہوتے ہیں جن کی سنت اور دستہ نہیں ہوتا۔ اَبَارِيْقَ ایسے برتن کو کہتے ہیں جس کا دستہ اور سنت ہوتی ہے اس کا واحد ابریق ہے۔ اسے یہ نام دیا گیا ہے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 450 2۔ ایضاً

کیونکہ صفائی کی وجہ سے اس کا رنگ چمکے گا۔

وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ﴿۱۸﴾ سورۃ الصافات میں اس کے بارے میں قول گزر چکا ہے۔ معین سے مراد جو پانی یا شراب سے جاری ہو۔ یہاں اس سے مراد ایسی شراب ہے جو چشموں سے جاری ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا: آنکھوں کے لیے ظاہر ہوگی اس صورت میں معین، معاینہ سے مفعول کا صیغہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ معن سے فعیل کا وزن ہے جس کا معنی کثرت ہے یہ واضح کیا کہ یہ دنیا کی شراب جیسی نہیں جسے نچوڑنے، تکلف کرنے اور مشقت کے ساتھ نکالا جاتا ہے۔

لَّا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا اس کے پینے سے ان کے سروں میں درد نہیں ہوگا۔ معنی اس میں لذت تو ہوگی اس میں کوئی اذیت نہیں ہوگی جب کہ دنیا کی شراب کا معاملہ مختلف ہوگا۔ وَ لَا یُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ سورۃ الصافات میں یہ گزر چکا ہے انہیں نشہ نہیں آئے گا کہ ان کی عقلیں ضائع ہو جائیں۔ مجاہد نے کہا: لَّا یُصَدَّعُوْنَ کا معنی ہے وہ نہیں پھٹیں گے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یَوْمَئِذٍ یَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ (الروم) اہل کوفہ نے اسے ینزفون زاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ان کی شراب ختم نہ ہوگی؛ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

لَعَمْرِی لَئِنْ أَنْزَفتُم أو صَحَوْتُمُ　لَبِئْسَ النَّدَامَى كُنْتُم آلَ أَبْجَرَا(1)

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ شراب میں چار خصلتیں ہیں نشہ، سرور، قے اور پیشاب (2)۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب کا ذکر کیا اور اسے ان خصلتوں سے پاک کر دیا۔

وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾ جو چاہتے ہیں اسے لے لیتے ہیں کیونکہ ان پھلوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسا پھل جو پسندیدہ ہے۔ تخیر کا معنی اختیار ہے۔

وَ لَحْمِ طَیْرٍ مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوثر کے بارے میں پوچھا گیا؟ فرمایا: ''وہ ایسی نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کی ہے یعنی جنت میں جو دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھی ہے، اس میں ایسے پرندے ہیں ان کی گردنیں اونٹوں کی گردنوں جیسی ہیں'' (3)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: وہ تو بڑی موٹی تازی ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس کا کھانا اس گردن کے کھانے سے زیادہ اچھا ہوگا''۔ کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ اُسے ثعلبی نے حضرت ابودرداء کی حدیث سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: '''جنت میں پرندے ہوں گے جس طرح بختی اونٹوں کی گردنیں ہوتی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ولی کے ہاتھ پر صف در صف ہوں گے ان میں سے ایک کہے گا: اے اللہ کے ولی! میں عرش کے نیچے چراگاہوں میں چرا ہوں، میں نے تسنیم کا پانی پیا ہے، مجھ سے کھاؤ وہ اس کے سامنے اٹھکیلیاں کرتے رہیں گے یہاں تک کہ ولی اللہ کے دل میں ان میں سے کسی کو کھانے کا خیال آئے گا تو وہ اس کے سامنے گر پڑے گا۔ ولی اللہ اس سے کھائے گا جتنا ارادہ کرے گا جب وہ سیر ہو جائے گا تو پرندے کی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 242　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 451

3۔ جامع ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، ما جاء فی صفۃ طیر الجنۃ، جلد 2، صفحہ 77

ہڈیاں جمع ہو جائیں گی تو وہ اڑ جائے گا اور جہاں چاہے گا جنت میں چرے گا'' (1)۔ حضرت عمر بڑاتھ نے عرض کی: وہ بڑا لذیذ ہوگا۔ فرمایا: اس کو کھانے والا اس سے افضل ہوگا''۔

ابو سعید خدری بڑاتھ سے مروی ہے کہ نبی کریم سلٹھالیتم نے ارشاد فرمایا: '' جنت میں پرندہ ہوگا پرندے میں ستر ہزار پر ہوں گے وہ جنت کے پیالے میں آگرے گا پھر وہ پھٹ جائے گا تو ہر پر سے ایک مقیم کا کھانا نکلے گا جو برف سے زیادہ سفید، مکھن سے زیادہ ٹھنڈا اور ملائم اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ اس میں سے کوئی کھانا دوسرے کی مثل نہیں ہوگا۔ اس سے اتنا کھائے گا جتنا ارادہ کرے گا، پھر وہ چلا جائے گا اور اڑ ے گا'' (2)۔

وَحُوۡرٌ عِیۡنٌ ﴿۲۲﴾ اسے رفع، نصب اور جر کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ جس نے اسے جر دی وہ حمزہ، کسائی اور دوسرے قراء ہیں۔ یہ جائز ہے کہ اس کا عطف باکواب پر ہو۔ یہ معنی پر محمول ہوگا کیونکہ معنی ہے وہ جاموں، پھلوں، گوشت اور حوروں سے لطف اندوز ہوتے ہیں؛ یہ زجاج کا قول ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف جنات پر ہو یعنی وہ جناب النعیم میں ہوں گے اور حوروں کی معاشرت میں ہوں گے اس صورت میں حور سے پہلے معاشرہ کا لفظ ہوگا۔ فراء نے کہا: جر لفظ کی اتباع میں ہوگی اگرچہ معنی میں مختلف ہیں کیونکہ حوریں ان پر طواف نہیں کریں گی؛ ایک شاعر نے کہا:

ورأیتُ زَوْجَكِ فی الوَغَی مُتَقَلِّدًا سَیْفًا وُرمحا

سب نے تیرے خاوند کو جنگ میں دیکھا جو تلوار اور نیزے سے آراستہ تھا۔

تلوار کو گلے میں لٹکایا جاتا ہے نیزے کو نہیں لٹکایا جاتا۔

قطرب نے کہا: یہ اکواب اور اباریق پر معطوف ہیں معنی پر ان کا حمل نہیں۔ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان پر حوریں طواف کریں اور ان کے لیے اس میں لذت ہو۔ جس نے اسے نصب دی ہے وہ اشہب عقیلی، نخعی اور عیسیٰ بن عمر ثقفی ہے۔ حضرت ابی کے مصحف میں بھی اسی طرح ہے۔ اس صورت میں فعل مضمر ہوگا۔ گویا ارشاد فرمایا: دیزوجون حورا عینا نصب کی صورت اسی معنی پر حمل بھی اچھا ہے کیونکہ یطاف علیهم بھا کا معنی ہے انہیں وہ عطا کر دی جائے گی۔ جنہوں نے اسے رفع دیا ہے جب کہ وہ جمہور ہیں؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ تو اس صورت میں اس کا معنی ہے وعندھم حور عین کیونکہ حوریں ان پر گردش نہیں کریں گی۔ کسائی نے کہا: جس نے کہا وَحُوۡرٌ عِیۡنٌ ﴿۲۲﴾ اسے رفع دیا ہے۔ اور علت یہ بیان کی ہے کہ وہ ان پر چکر نہیں لگائیں گی یہی چیز فاکھه اور لحم میں بھی لازم آئے گی کیونکہ یہ چیز بھی اس پر گردش کناں نہیں ہوگی۔ اس پر صرف شراب گردش کناں ہوگی۔ اخفش نے کہا: یہ جائز ہے کہ وہ معنی پر محمول ہو کیونکہ اس کا معنی ہے لھم اکواب ولھم حور عین ان کے لیے جام اور حور عین ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف ثلة پر ہو اور ثلة مبتدا ہو اور اس کی خبر عَلٰی سُرُرٍ مَّوۡضُوۡنَةٍ ﴿۱۵﴾ ہو اسی طرح وَحُوۡرٌ عِیۡنٌ ﴿۲۲﴾ ہے نکرہ کے باوجود اسے مبتدا بنایا کیونکہ صفت کی وجہ سے یہ خاص ہو گیا۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفة الجنة، ما جاء فی صفة طیر الجنة، جلد 2، صفحہ 77

2۔ کنز العمال فی ذکر اشراط الساعة الکبری، جلد 14، صفحہ 462-463

كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۞، امثال، مثل کی جمع ہے لؤلؤ مکنون جسے ہاتھوں نے نہ چھوا ہو اور اس پر غبار نہ پڑا ہو۔ یہ موتی صفائی اور چمک میں دوسروں سے زیادہ ہوتا ہے یعنی وہ تمام اطراف سے حسن میں ایک جیسی ہیں۔

كَاَنَّمَا خُلِقَتْ فِي قِشْرِ لُؤْلُؤَةٍ

گویا اسے موتی کی سیپی میں پیدا کیا گیا ہے۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ جَزَآءً کا معنی ثواب ہے یہ مفعول لہ کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہو کیونکہ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۞ کا معنی ہے۔ انہیں جزا دی جائے گی ایسے بچوں کے ساتھ جو ہمیشہ بچے ہی رہیں گے۔

حور عین کے بارے میں گفتگو سورۂ طور وغیرہ میں گزر چکی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے حور عین کو زعفران سے پیدا کیا ہے“۔ حضرت خالد بن ولید نے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ”ایک جنتی جنت کے سیپوں میں سے ایک پکڑے گا وہ اس کے ہاتھ میں پھٹ جائے گا تو اس سے حور نکلے گی اگر وہ سورج کو دیکھے تو سورج اس کے حسن سے شرما جائے جب کہ اس سیپ میں کوئی نقص واقع نہ ہوگا“۔ ایک آدمی نے عرض کی: اے ابوسلیمان! یہ بڑی عجیب بات ہے کہ سیپ میں کچھ نقص نہ ہوگا؟ فرمایا: ہاں جس طرح ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلایا جاتا ہے یا کئی چراغ جلائے جاتے ہیں تو اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے اس پر قادر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حور عین کو اس کے پاؤں کی انگلیوں سے اس کے گھٹنوں تک زعفران سے، اس کے گھٹنوں سے اس کے پستانوں تک اذفر کستوری سے، پستانوں سے گردن تک عنبر اشہب سے، گردن سے سر تک کافور ابیض سے پیدا کیا ہے اس پر ستر ہزار حلے ہوں گے جس طرح شقائقِ (1) نعمان ہوتے ہیں جب وہ متوجہ ہوگی تو اس کا چہرہ روشن نور کے ساتھ چمک رہا ہوگا جس طرح سورج اہل دنیا کے لیے چمکتا ہے، جب وہ پیٹھ پھیرے گی تو اس کا جگر کپڑوں اور جلد کی باریکی کی وجہ سے دکھائی دے گا۔ اس کے سر میں اذفر کستوری کی ستر ہزار مینڈھیاں ہوں گی ہر مینڈھی کے لیے ایک خادمہ ہوگی جو اس کے دامن کو اٹھائے ہوگی جب کہ وہ ندا دے رہی ہوگی۔ یہ اولیاء کا ثواب ہے جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۞ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ باطل اور جھوٹ نہ سنیں گے (2)۔ لغو اسے کہتے ہیں جو کلام میں سے لہو ہو۔ تاثیم یہ اثمتہ کا مصدر ہے یعنی میں نے اسے کہا: تو نے گناہ کیا۔ محمد بن کعب نے کہا ولا تاثیما وہ ایک دوسرے کو گناہگار نہیں کہیں گے۔ مجاہد نے کہا: وہ اس میں گالی گلوچ نہیں سنیں گے (3)۔ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا، قيلا اور یہ يَسْمَعُوْنَ کی وجہ سے منصوب ہے یا یہ استثناء منقطع ہے لیکن وہ قیل کہتے ہیں یا سلام سلام بنتے ہیں یہ قول کی وجہ سے منصوب ہے یعنی مگر وہ خیر کہتے ہیں یا مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے۔ مگر یہ وہ ایک دوسرے کو سلام کہتے ہیں یا یہ

1۔ ایسی بوٹی ہے جس کی کلیاں سرخ ہوتی ہیں۔ 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 452 3۔ ایضاً

قیلا کی صفت ہے دوسرا سلام پہلے کا بدل ہے معنی ہوگا ایسی بات جو لغو سے سلامت ہوگی۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مرفوع ہو تقدیر کلام یہ ہوگی "سلام علیکم" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرشتے انہیں سلام کریں گے یا ان کا رب انہیں سلام کرے گا۔

وَ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ؕ﴿۲۷﴾ فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۙ﴿۲۸﴾ وَّ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۙ﴿۲۹﴾ وَّ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۙ﴿۳۰﴾ وَّ مَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۙ﴿۳۱﴾ وَّ فَاكِهَةٍ كَثِیْرَةٍ ۙ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ ۙ﴿۳۳﴾ وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ؕ﴿۳۴﴾ اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۙ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ۙ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ؕ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۙ﴿۳۹﴾ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ؕ﴿۴۰﴾

"اور دائیں ہاتھ والے، کیا شان ہوگی دائیں ہاتھ والوں کی۔ بے خار بیریوں میں اور کیلے کے گچھوں میں اور لمبے لمبے سایوں میں اور پانی کی آبشاروں میں اور پھلوں کی بہتات میں نہ وہ ختم ہوں گے اور نہ ان سے روکا جائے گا اور بستر بھی بچھے ہوں گے اونچے اونچے پلنگوں پر۔ ہم نے پیدا کیا ان کی بیویوں کو حیرت انگیز طریقہ سے پس ہم نے بنا لیا انہیں کنواریاں (دل و جان سے) پیار کرنے والیاں ہم عمر (یہ سب نعمتیں) اصحاب یمین کے لیے مخصوص ہوں گی۔ ایک بڑی جماعت اگلوں سے اور ایک بڑی جماعت پچھلوں میں سے ہوگی"۔

وَ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ﴿۲۷﴾، اصحاب میمنہ کی منازل کے ذکر کی طرف رجوع کیا وہ سابقون ہیں جس طرح پہلے گزرا ہے۔ یہ تکرار ان نعمتوں کی عظمت شان کو بیان کرنے کے لیے ہے جس میں وہ ہیں۔

فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ ایسے بیری کے درختوں کے سایوں میں جس کے کانٹے کاٹ دیئے گئے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء کا قول ہے؛ ابن مبارک نے یہ ذکر کیا ہے۔ صفوان نے سلیم بن عامر سے حدیث نقل کی ہے(1) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کہا کرتے تھے کہ بدو اور ان کے سوالات ہمیں نفع دیا کرتے تھے کہا: ایک روز ایک بدو آیا اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تکلیف دہ درخت کا ذکر کیا ہے میرا خیال نہیں کہ جنت میں کوئی ایسا درخت ہوگا جو جنتی کو اذیت دے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "وہ کون سا درخت ہے"؟ عرض کی بیری کا درخت اس کا کانٹا اذیت دینے والا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا اللہ تعالیٰ یہ ارشاد نہیں فرماتا فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ اللہ تعالیٰ نے اس کے کانٹے کو ختم کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر کانٹے کی جگہ اس کا پھل بنا دیا ہے وہ ایسا پھل نکالے گا کہ اس پھل سے بہتر قسم کے کھانے نکلیں گے ان میں سے ہر ایک کھانا دوسرے سے مختلف ہوگا"۔ ابو العالیہ اور ضحاک نے کہا: مسلمانوں نے وج وادی کو دیکھا تو اس کی بیری کے درختوں نے انہیں خوش کیا انہوں نے کہا: کاش! ہمارے لیے بھی ایسے درخت ہوتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ امیہ بن صلت جنت کی صفت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

1۔ در منثور، جلد 6، صفحہ 222

إنَّ الحَدَائِقَ فِي الجِنانِ ظليلةٌ فيها الكَوَاعِبُ سِدْرُها مَخْضُودُ(1)

جنت میں باغ سایہ دار ہیں ان میں نوخیز عورتیں ہیں جس کے بیری کے درخت کانٹوں والے نہیں۔

ضحاک، مجاہد اور مقاتل بن حیان نے کہا: فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ ایسی بیری جو پھل سے بوجھل ہو(2)۔ یہ اس معنی کے قریب قریب ہے جو ہم نے حدیث میں بیان کیا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس کا پھل مٹکے سے بڑا ہوگا۔ سورۂ نجم میں یہ بحث گزر چکی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ اس کے پھل ہجر کے مٹکوں جیسے ہوں گے۔ یہ حدیث حضرت انس سے مروی ہے جس کو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں(3)۔

وَّ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ طَلْحٍ کیلے کا درخت ہے اس کا واحد طلحہ ہے؛ یہ قول اکثر مفسرین نے کیا ہے ان میں حضرت علی، حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ کیلے کا درخت نہیں بلکہ ایسا درخت ہے جس کا ٹھنڈا اور تر سایہ ہوتا ہے۔ فراء اور ابوعبیدہ نے کہا: مراد بڑا درخت ہے جس کا کانٹا ہوتا ہے؛ جعدی نے کہا:

بَشَّرَهَا دَلِيلُهَا وَقَالَا غَدًا تَرَيْنَ الطَّلْحَ وَالأَجْبَالَا

اس کی رہنمائی کرنے والے نے اسے بشارت دی اور دونوں نے کہا: کل تم طلح اور بیری کے درخت دیکھوگی۔

طَلْحٍ سے مراد ہر ایسا بڑا درخت ہے جس کے بہت زیادہ کانٹے ہوتے ہیں۔ زجاج نے کہا: یہ جائز ہے کہ وہ جنت میں ہو اور اس کے کانٹے زائل کر دیئے گئے ہوں۔ زجاج نے کہا: جس طرح کیکر کا درخت ہوتا ہے اس کی بہت سی عمدہ کلیاں ہوں گی۔ انہیں ایسی چیز کے ساتھ خطاب کیا گیا اور اس چیز کا وعدہ کیا گیا جس کی مثل کو وہ پسند کرتے تھے مگر اس کی دنیا کی چیزوں پر فضیلت ایسی ہوگی جس طرح جنت میں جنتی چیزیں ہیں ان کی فضیلت دنیاوی چیزوں پر ہوتی ہے۔ سدی نے کہا: جنت کا کیلا اس طرح ہوگا جس طرح دنیا کا کیلا ہوگا مگر اس کا پھل شہد سے زیادہ میٹھا ہوتا ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے و طلع منضود پڑھا ہے یعنی حاء کی جگہ عین پڑھی ہے اور اس آیت کی تلاوت کی وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ (الشعراء) یہ مصحف کے برعکس ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان کے سامنے وَّ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ پڑھا گیا ہے تو انہوں نے کہا: یہ طلح کیا ہے؟ وہ طلع منضود ہے پھر کہا: لها طلح نضيد انہیں کہا گیا: کیا ہم اسے بدل نہ دیں؟ تو انہوں نے کہا: یہ مناسب نہیں کہ قرآن کے بارے میں جلد بازی کی جائے اور نہ اسے بدلنا مناسب ہے۔ انہوں نے اس قرأت کو پسند کیا مگر اسے مصحف میں لکھنے پر اتفاق نہ کیا کیونکہ یہ اس کے خلاف ہے جس پر سب کا اتفاق ہے؛ یہ قشیری کا قول ہے۔

ابوبکر انباری نے اس کی سند ذکر کی کہا: میرے والد نے حسن بن عرفہ سے وہ عیسیٰ بن یونس سے وہ مجالد سے وہ حسن بن سعید سے وہ قیس بن عبادہ سے روایت نقل کرتے ہیں قرأت عند علی أو قرئت عند علی مجاہد کو شک ہے یعنی میں نے حضرت علی کے ہاں اسے پڑھا یا حضرت علی شیر خدا کے ہاں اسے پڑھا گیا: و طلح منضود حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ طلح کیا ہے؟ کیا تو اسے و طلع نہیں پڑھتا پھر کہا: لها طلع نضيد اس آدمی نے عرض کی: اے امیر المومنین! کیا ہم مصحف میں اسے مٹا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 243 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 453 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 395

دیں؟ فرمایا: آج قرآن پر جلدی نہ کی جائے۔ ابوبکر نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اس امر کی طرف رجوع کر لیا جو مصحف میں ہے اور انہیں پتہ چل گیا کہ یہ درست ہے اور جس نے آپ کے قول سے تفریط اپنانا چاہی تھی اس کو باطل کر دیا۔ منضود سے مراد ہے جس کے آغاز سے لے کر آخرت تک حصہ پھل سے جڑا ہوا ہو، اس کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو بلکہ اس کا پھل ایک دوسرے کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ نضد کا معنی جوڑنا اور منتضد کا معنی جڑا ہوا پیوست۔

مسروق نے کہا: جنت کے درخت ابتدا سے لے کر آخر تک پھلوں سے لدے ہوں گے جب بھی اس کا پھل کھایا جائے گا اس کی جگہ اس سے بہتر پھل آ جائے گا۔

وَّ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ وہ دائمی ہوگا وہ ختم نہ ہوگا اور سورج اسے ختم نہیں کرے گا (1)؛ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ لَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا** (الفرقان: 45) یہ صبح کے وقت ہوتا ہے یہ صبح کے روشن ہونے سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک ہوتا ہے جس طرح اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ جنت میں سایہ ہی سایہ ہے اس کے ساتھ کوئی سورج نہیں ہوگا۔ ربیع بن انس نے کہا: مراد عرش کا سایہ ہے۔ عمرو بن میمون نے کہا: اس کی لمبائی ستر ہزار سال کے برابر ہوگی۔ ابو عبیدہ نے کہا: عرب طویل زمانہ، طویل عمر اور جو چیز ختم نہ ہو اسے **مَّمْدُوْدٍ** کہتے ہیں۔ لبید نے کہا:

دھر طویل، دائم ممدود

صحیح ترمذی اور دوسری کتب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کیا ہے: وفی الجنۃ شجرۃ یسیر الراکب فی ظلھا مأۃ عام لا یقطعھا واقرء وا إن شئتم وَ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٌ جنت میں ایک ایسا درخت ہے ایک سوار اس کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے گا وہ اسے طے نہ کر سکے گا۔ چاہو تو پڑھو۔ وظِلٍّ مَّمْدُوْدٌ (2)۔

وَّ مَآءٍ مَّسْكُوْبٍ یعنی جاری پانی ہوگا جو ختم نہیں ہوگا۔ سکب کا اصل معنی بہانا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: سکبہ سکبا، سکوب کا معنی اس کا بہنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: سکب سکوبا، انسکب انسکابا یعنی بہایا گیا پانی رات، دن بغیر کھائی کے جاری رہے گا وہ ان سے ختم نہ ہوگا۔ عرب بادیہ نشین اور گرم علاقوں کے رہائشی تھے ان کے علاقوں میں نہریں نادر و نایاب تھیں وہ ڈولوں کے ذریعے ہی پانی تک پہنچ پاتے تو اس کے برعکس ان سے نہروں کا وعدہ کیا گیا۔ ان کے لیے سیر و سیاحت کے اسباب کا ذکر کیا گیا جو دنیا میں معروف ہیں جیسے درخت، ان کے سائے، پانی، نہریں اور ان کا عام ہونا۔

وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وہ تھوڑے اور نادر و نایاب پھل نہیں ہوں گے جس طرح ان کے علاقے میں ہوتے ہیں **لَّا مَقْطُوْعَةٍ** وہ کسی وقت ختم نہ ہوں گے جس طرح موسم گرما کے پھل موسم سرما میں ختم ہو جاتے ہیں۔ **وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ** یعنی دنیا کے پھلوں کی طرح انہیں ممنوع قرار نہیں دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ** کا معنی ہے جو ان کا ارادہ کرے اسے کانٹے، دوری اور دیوار کے ساتھ نہیں روکا جائے گا بلکہ جب بندہ اس کی خواہش کرے گا پھل اس کے قریب آ جائے گا یہاں تک کہ وہ اسے لے لے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا** (الانسان) ایک قول یہ کیا گیا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 454 2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 161۔ ایضاً، حدیث نمبر 3214، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے: نہ وہ کسی زمانہ میں ختم ہوں گے اور نہ قیمت کی وجہ سے ممنوع ہوں گے۔

وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ امام ترمذی نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ''ان کی بلندی اتنی ہوگی جتنا زمین و آسمان کے درمیان دوری ہے یعنی پانچ سو سال'' (1)۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے ہم اسے نہیں پہچانتے مگر رشدین بن سعد کی سند سے۔ بعض علماء نے اس حدیث کی وضاحت میں کہا: فرش درجہ بدرجہ ہوں گے اور درجات میں یوں فاصلہ ہوگا جس طرح زمین و آسمان میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں فرش سے مراد وہ عورتیں ہیں جو جنت میں ہیں ان کا ذکر پہلے نہیں ہوا۔ معنی ہے وہ عورتیں، اپنے حسن اپنے کمال میں بلند شان والی ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ ہم نے انہیں پیدا کیا اور حسین و جمیل بنایا۔ عرب عورتوں کو فرش، لباس اور ازار کا نام دیتے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ (البقرہ: 186) پھر یہ قول کیا گیا وہ حور عین ہیں یعنی ہم نے انہیں ولادت کے عمل کے بغیر پیدا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد انسانوں کی عورتیں ہیں، یعنی ہم نے انہیں نئے سرے سے پیدا کیا یہ انہیں لوٹانا ہے۔ یعنی ہم نے انہیں جوانی کی حالت اور جمال کے کمال کے ساتھ پیدا کیا۔ معنی ہے ہم نے بوڑھی اور بچی کو ایک ہی دفعہ پیدا کر دیا ان کے لیے ضمیر ذکر کی گئی اور ان کا ذکر پہلے نہ ہوا کیونکہ وہ اصحاب یمین میں داخل ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ فرش، النساء سے کنایہ ہے جس طرح یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ کے ضمن میں روایت گزری ہے فرمایا: منهن البكر والثيب (2) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ کے بارے میں سوال کیا فرمایا: ''اے ام سلمہ! اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جنہیں دنیا میں اس حیثیت سے موت دی گئی تھی جب کہ وہ بوڑھی، ان کے بال سفید، آنکھیں کمزور چندھیائی ہوئی اور میل بہہ رہی ہوتی تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑھاپے کے بعد ہم عمر، برابر ایک ہی وقت کی پیدائش پر بنا دیا'' (3)۔ نحاس نے اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہا احمد بن عمر نے عمرو بن علی سے وہ ابو عاصم سے وہ موسیٰ بن عبیدہ سے وہ یزید رقاشی سے وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کرتے ہیں کہ ''مراد وہ بوڑھیاں ہیں جن کی آنکھیں دنیا میں چندھیائی ہوئی اور آنکھوں سے میل بہہ رہی ہوتی تھی''۔ مسیب بن شریک نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مراد دنیا کی بوڑھی عورتیں ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں نئے انداز میں پیدا کیا جب بھی ان کے خاوند ان کے پاس آئیں گے انہیں باکرہ پائیں گے'' (4)۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسے سنا تو کہا: ''ہائے درد! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہاں کوئی درد نہیں ہوگا''۔

عُرُبًا یہ عروب کی جمع ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: عرب سے مراد ہے وہ عورتیں جو اپنے

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفة الجنة، ماجاء فی صفة شباب اهل الجنة، جلد 2، صفحہ 77۔ ایضاً، حدیث نمبر 3261، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 217　3۔ ایضاً، جز 27، صفحہ 218

4۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 162

خاوندوں سے عشق کرتی ہیں؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: عرب سے مراد ملقہ (1) ہے عکرمہ نے کہا: غنجہ (2) ہے ابن زید نے کہا: یہ اہل مدینہ کی لغت میں ہے اسی معنی میں لبید کا قول ہے:

وفی الخِبَاءِ عَرُوبٌ غیرُ فاحِشَةٍ

خیمہ میں نازوادا والی ہے فاحشہ نہیں۔ زید بن اسلم نے کہا: مراد اچھی گفتگو کرنے والی۔ عکرمہ اور قتادہ سے مروی ہے: عرب ان عورتوں کو کہتے ہیں جو اپنے خاوندوں سے محبت کرنے والیاں ہوں۔ یہ اعراب سے مشتق ہے۔ جب وہ وضاحت کرے۔ عرب ایسی عورت کو کہتے ہیں جو اپنے خاوند کے لیے ناز و ادا، نخرے اور حسن کلام کے ساتھ اپنی محبت کو ظاہر کرتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ عورت ہے جو اپنے خاوند سے محبت کی وجہ سے اس کی اطاعت کرے تاکہ لطف اندوز ہونے میں زیادہ لذت کا باعث ہو۔ جعفر بن محمد نے اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عربا سے مراد ہے ان کی کلام عربی زبان میں ہوگی۔ حمزہ اور ابوبکر نے عاصم سے عربا قرأت نقل کی ہے باقی قراء نے اسے ضمہ دیا ہے۔ یہ دونوں قرأتیں جائز ہیں یہ فعول کی جمع ہے۔

اَتْرَابًا ۝ وہ ہم عمر ہوں گی ان کی عمر تینتیس سال ہوگی (3)۔ ہم عمر عورتوں میں اتراب اور ہم عمر مردوں میں اقران کا لفظ بولتے ہیں۔ عرب اس عورت میں دلچسپی کا اظہار کرتے جو بچپنے کی حد سے گزر چکی ہو اور بڑھاپے سے ابھی کم ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اترابا کا معنی ہے ہم مثل ہم شکل (4)؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ سدی نے کہا: وہ اخلاق میں ہم مثل ہوں گی ان کے درمیان کوئی بغض اور کوئی حسد نہ ہوگا (5)۔ لِّاَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حُوْرٌ عِیْنٌ ۝ سابقین کے لیے ہے اور اتراب عربا اصحاب یمین کے لیے ہے۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝ یہ کلام اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ مَاۤ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۝ کی طرف راجع ہے یعنی ھم ثلة من الاولین وثلة من الآخرین اس کے متعلق گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ ابو العالیہ، مجاہد، عطاء بن ابی رباح اور ضحاک نے کہا: ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝ یعنی اس امت کے سابقین میں سے جماعت وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝ اس امت کے آخرین میں سے جماعت ہوگی۔ اس آیت کی تفسیر پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ سب میری امت سے تعلق رکھتے ہیں'' (6)۔ واحدی نے کہا: اصحاب جنت نصف نصف ہوں گے نصف سابقہ امتوں میں سے اور نصف اس امت سے۔ ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اور ترمذی نے اپنی جامع میں حضرت بریدہ بن خصیب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے اسی صفیں اس امت کی اور چالیس باقی امتوں کی ہوں گی'' (7)۔ ابو عیسیٰ امام ترمذی نے کہا: یہ

1۔ خوشامد کرنے والی۔ 2۔ ناز و نخرے کرنے والی۔ 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 456

4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 245

7۔ جامع ترمذی، کتاب صفة الجنة، ماجاء فی صف اهل الجنة، جلد 2، صفحہ 77۔ ایضاً، حدیث نمبر 2469، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب صفة امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر 4278، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

حدیث حسن ہے۔ ثُلَّةٌ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اور خبر محذوف ہے معنی یہ بنے گا لاصحاب الیمین ثلتان، ثلۃ من ھولاء وثلۃ من ھولاء یعنی ایک جماعت ان سے اور ایک جماعت ان سے۔ پہلے سابقہ امتوں میں سے ہوں گے اور دوسرے اس امت کے ہوں گے۔ یہ دوسرے قول کی بنا پر ہے۔

وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِیْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِیْمٍ ﴿۴۲﴾ وَّ ظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا كَرِیْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَ كَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ﴿۴۶﴾ وَ كَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۙ۬ اَىِٕذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ۬ اِلٰى مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَیُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَیْهِ مِنَ الْحَمِیْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِیْمِ ﴿۵۵﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۵۶﴾

''اور بائیں ہاتھ والے، کیسی خستہ حالت ہوگی بائیں ہاتھ والوں کی۔ یہ (بدنصیب) جھلستی لو اور کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ دھویں کے سایہ میں ہوں گے نہ یہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ یہ آرام دہ۔ بے شک یہ لوگ پہلے بڑے خوشحال تھے اور اصرار کیا کرتے تھے بڑے بھاری گناہ پر اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو بھی (یہ ناممکن ہے) آپ فرما دیجئے: بے شک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں پھر تمہیں اے گمراہ ہونے والو! اے جھٹلانے والو! حکما کھانا پڑے گا زقوم کے درخت سے پس تم بھرو گے اس سے (اپنے) پیٹوں کو پھر پینا پڑے گا اس پر کھولتا پانی اس طرح پیو گے جیسے پیاس کا مارا اونٹ پیتا ہے۔ یہ ان کی ضیافت ہوگی قیامت کے دن''۔

وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ اہل نار کی منازل کا ذکر کیا اور انہیں اصحاب شمال کا نام دیا کیونکہ وہ اپنی کتابیں اپنے بائیں ہاتھ میں لیں گے۔ پھر بلاء اور عذاب میں ان کے ذکر کو بڑھ کر بیان کیا۔ فرمایا: فِیْ سَمُوْمٍ، سَمُوْمٍ سے مراد گرم ہوا ہے جو بدن کے مساموں میں داخل ہوتی ہے۔ یہاں اس سے مراد آگ کی گرمی اور اس کی لپک ہے۔ وَّ حَمِیْمٍ ﴿۴۲﴾ گرم پانی جس کی گرمی انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔ جب آگ ان کے جگر اور ان کے جسم کو جلا دے گی تو وہ کھولتے ہوئے پانی کی طرف جلدی سے جائیں گے جس طرح ایک آدمی آگ سے بھاگ کر پانی کی طرف جاتا ہے تا کہ اس کے ساتھ آگ کو بجھائے تو وہ اسے سخت گرم پاتا ہے جو گرمائش اور جوش مارنے میں انتہا کو پہنچا ہوتا ہے۔ یہ بحث وَ سُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾ (محمد) میں گزر چکی ہے۔

وَّ ظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ وہ بادسموم سے بچنے کے لیے سایہ کی طرف جائیں گے جس طرح دنیا والے کرتے ہیں تو وہ سیاہ دھویں کا سایہ ہوگا یعنی وہ جہنم کا دھواں ہوگا جو سخت سیاہ ہوگا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے؛ اسی طرح لغت میں یحموم ہے سخت سیاہ۔ یہ حم سے یفعول کا وزن ہے اس سے مراد سیاہ چربی ہے جو آگ سے جلی ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حمم سے ماخوذ ہے جس کا معنی کوئلہ ہے۔ ضحاک نے کہا: آگ سیاہ ہوگی اس کے مکین سیاہ ہوں گے اس میں جو کوئی ہوگا وہ سیاہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: آگ سیاہ ہوگی (1)۔ ابن زید نے کہا: یحموم جہنم میں ایک پہاڑ ہے جہنمی جس کے سایہ میں پناہ چاہیں گے۔

لَّا بَارِدٍ ٹھنڈا نہیں ہوگا بلکہ گرم ہوگا کیونکہ وہ جہنم کا دھواں ہوگا۔ وَّلَا كَرِيْمٍ نہ آرام دہ ہوگا؛ یہ ضحاک سے مروی ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس کا منظر حسین نہیں ہوگا۔ جس میں خیر نہ ہو وہ کریم نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَّ ظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ سے مراد ہے وہ اس آگ کا سایہ ہوگا جس کے ساتھ انہیں عذاب دیا جائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ (الزمر: 16)

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿۴۵﴾ وہ اس عذاب کے مستحق اس لیے بنے ہیں کیونکہ وہ دنیا میں حرام چیز سے لطف اندوز ہوتے رہے مترف یعنی خوشحال؛ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ سدی نے کہا: مترفین یعنی شرک کرنے والے وَ كَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿۴۶﴾ وہ شرک پر قائم تھے (2)؛ یہ حضرت حسن بصری، ضحاک اور ابن زید کا نقطہ نظر ہے۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا: مراد وہ بڑا گناہ ہے جس سے وہ توبہ نہیں کرتے تھے۔ شعبی نے کہا: اس سے مراد یمین غموس ہے یہ گناہ کبیرہ میں سے ہے (3) یہ جملہ بولا جاتا ہے: حنث فی یمینہ اس نے قسم کو پورا نہ کیا اس نے رجوع کر لیا۔ وہ قسم اٹھایا کرتے تھے کہ دوبارہ اٹھانے کا کوئی تصور نہیں اور وہ یہ قسم اٹھاتے تھے کہ بت اللہ تعالیٰ کا مد مقابل ہیں۔ یہی ان کا قسم توڑنا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے کہا: وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ (النحل: 38) حدیث میں ہے: آپ غار حرا میں تحنث کیا کرتے تھے، یعنی آپ ایسا عمل کیا کرتے تھے جس کے ساتھ آپ سے حنث ساقط ہو جائے۔ اس سے مراد گناہ ہے۔

وَ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَىِٕذَا مِتْنَا یہ ان کی جانب سے بعث کے امر کو حقیقت سے بعید خیال کرنا اور اس کو جھٹلانا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل اے محمد! انہیں کہو اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ اولین سے مراد تمہارے آباء، آخرین سے مراد تمہاری ذاتیں ہیں۔ مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ مراد یوم قیامت ہے۔ کلام کا معنی قسم ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان لَمَجْمُوْعُوْنَ میں لام کا دخول قسم کے معنی پر دال ہے یعنی تم ضرور جمع ہو گے یہ حقیقی قسم ہے جو تمہاری باطل قسم کے خلاف ہے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ ہدایت سے بھٹکے ہوئے ہو الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ بعث کو جھٹلانے والے ہو۔ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 456 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 457 3۔ ایضاً

زَقُّوْمٍ ۞ زَقُّوْمٍ سے مراد ایسا درخت ہے جس کا منظر بڑا کریہہ ہوتا ہے اور اس کا ذائقہ بھی بڑا ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ یہ وہ ہے جس کا ذکر سورہ صافات میں گزرا ہے۔

فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۞ ھا ضمیر سے مراد شجرہ ہے کیونکہ شجر سے مقصود شجرہ ہی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ پہلا من زائدہ ہو یہ بھی جائز ہے کہ مفعول محذوف ہو گویا فرمایا: لا کلون من شجر من زقوم طعاما من زقوم شجر کی صفت ہے جب تو نے جار کو زائد مقدر کیا تو صفت کو معنی کے اعتبار سے نصب دے گا یا لفظ کے اعتبار سے جر دے گا۔ اگر تو مفعول کو محذوف مقدر کرے تو صفت محل جر میں ہوگی۔

فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ، ہ ضمیر سے مرد زقوم، اکل یا شجر ہے کیونکہ یہ مذکر و مونث استعمال ہوتے ہیں مِنَ الْحَمِيْمِ ۞ اس سے مراد ابلا ہوا پانی ہے جس کا جوش سخت ہو۔ یہ جہنمیوں کی پیپ ہے یعنی بھوک کے ساتھ جو وہ زقوم کھائیں گے وہ پیاس کا باعث ہوگی۔ وہ پانی پئیں گے وہ گمان یہ کریں گے کہ یہ ان کی پیاس کو زائل کر دے گی تو وہ اسے جوش مارتا ہوا پانی پائیں گے۔

فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ۞ یہ نافع، عاصم اور حمزہ کی قرأت ہے باقی قراء نے اسے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ دونوں عمدہ لغتیں ہیں عرب کہتے ہیں: شَرِبت شُرْبًا وشَرْبًا وشِرْبًا وشُرُبًا یعنی شین اور راء پر ضمہ ہے۔ ابوزید نے کہا: میں نے عربوں کو شین کے ضمہ، فتحہ اور کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا ہے فتحہ یہی صحیح مصدر ہے کیونکہ ثلاثی سے ہر مصدر فعل کے وزن پر ہوتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ تو اسے ایک دفعہ کے عمل کی طرف پھیر دیتا ہے تو کہتا ہے: فَعلة جس طرح شَربة اور ضمہ کے ساتھ یہ اس سے اسم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مفتوح اور مضموم دونوں مصدر ہیں شَرب جس طرح اکل، شُرب جیسے ذُکر اور شِرب جو کسرہ کے ساتھ ہو اس سے مراد مشروب ہے جس طرح طِحن مطحون کے معنی میں ہے ھیم سے مراد پیاسے اونٹ ہیں جو بیماری کی وجہ سے سیراب نہیں ہوتے؛ حضرت ابن عباس، عکرمہ، قتادہ، سدی اور دوسرے علماء نے یہی کہا: عکرمہ نے یہ بھی کہا ہے: اس سے مراد مریض اونٹ ہیں۔ ضحاک نے کہا: ھیم سے مراد ایسے اونٹ ہیں جنہیں کوئی بیماری لگ جاتی ہے جس کی وجہ سے انہیں شدید پیاس لاحق ہوتی ہے اس کا واحد أھیم ہے اس کی مونث ھیماء ہے اس بیماری کو ھیام کہتے ہیں۔ قیس بن ملوح نے کہا:

يقال به داء الهُيَام أصابه وقد علِمت نفسى مكانَ شِفائِها(1)

یہ کہا جاتا ہے: اسے ہیام کی بیماری ہے جب کہ میرا نفس اس کی شفاء کے مکان سے آگاہ ہے۔

قوم ھیم پیاسے لوگ۔ ھاموا ھیاما وہ پیاسے ہو گئے عربوں میں سے کچھ اونٹوں کے بارے میں کہتے ہیں: ھائم، ھائمۃ اس کی جمع ھیم ہے۔

ضحاک، اخفش، ابن عیینہ اور ابن کیسان نے کہا: ھیم سے مراد نرم ہموار زمین ہے جس میں ریت ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: وہ ریت کی طرح پیتے ہیں وہ پانی سے سیراب نہیں ہوتے۔ یہ کہا جاتا ہے جو سیراب نہ ہو وہ اونٹ ہو یا ریت ہو اسے ھیم اور ھیماء کہتے ہیں: صحاح میں ہے: ھیام سے مراد شدید پیاس ہے ھیام سے مراد ایسا عشق جو جنون کی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 457

طرح ہو۔ ھیام ایسی بیماری ہے جو اونٹ کو لگتی ہے تو وہ زمین میں سرگرداں رہتا ہے چرنا نہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: ناقة هیاء۔ هیاء سے مراد ایسا جنگل ہے جس میں پانی نہ ہو۔ ھیام سے مراد ایسی ریت ہے جو ہاتھ سے بہنے سے نہیں رکتی اس کی جمع ھیم ہے جس طرح قذال اور قذل ہے۔ ھیام سے مراد پیاسے اونٹ ہیں اس کا واحد ھیمان ہے ناقة هیاء جس طرح عطشان کی جمع عطاش آتی ہے۔

هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٥٦﴾ یہ وہ رزق ہے جو ان کے لیے تیار کیا جاتا ہے جس طرح وہ کھانا جو مہمانوں کے لیے بطور تکریم تیار کیا جاتا ہے اس میں استہزاء ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فبشرھم بعذاب الیم۔

ابو سعد ضبی کا قول ہے: جعلنا القنا والمرهفاتِ له نزلًا ہم نے نیزے اور باریک تلواروں کو اس کے لیے ضیافت کے طور پر تیار کیا۔

یونس بن حبیب اور عباس نے ابو عمرو سے یہ قرأت نقل کی ہے **هٰذَا نُزْلُهُمْ** یعنی زاء ساکن ہے سورۂ آل عمران کے آخر میں گفتگو اس کے بارے میں گزر چکی ہے **يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٥٦﴾** سے مراد یوم جزا یعنی جہنم ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْ لَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿٥٧﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿٥٨﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿٦٠﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَ نُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْ لَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾

"(آج غور کرو) ہم نے ہی تم کو پیدا کیا ہے پس تم قیامت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے بھلا دیکھو تو جو منی تم ٹپکاتے ہو (اور سچ بتاؤ) کیا تم اس کو (انسان بنا کر) پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ہم ہی نے مقرر کیا ہے تمہارے درمیان موت اور ہم (اس سے) عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں پیدا کر دیں جس کو تم نہیں جانتے۔ اور تمہیں اچھی طرح علم ہے اپنی پہلی پیدائش کا پس تم (اس میں) کیوں غور و خوض نہیں کرتے"۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْ لَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿٥٧﴾ تم دوبارہ اٹھائے جانے کی تصدیق کیوں نہیں کرتے (1)؟ کیونکہ دوبارہ اٹھانا پہلی دفعہ پیدا کرنے کی طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ہم نے تمہارے رزق کو پیدا کیا تو تم کیوں اس کی تصدیق نہیں کرتے کہ یہ تمہارا کھانا ہے اگر تم ایمان نہیں بھی لاتے؟

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿٥٨﴾ مراد ہے منی میں سے جو تم عورتوں کی رحموں میں ٹپکاتے ہو۔ **ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ** کیا تم اس سے انسان کی تصویر کشی کرتے ہو۔ **اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٥٩﴾** یا ہم مقدر کرنے والے اور تصویر کشی کرنے والے ہیں یہ ان کے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 458

خلاف استدلال اور پہلی آیت کا بیان ہے یعنی جب تم نے اقرار کر لیا ہے کہ ہم اس کو پیدا کرنے والے ہیں کوئی اور پیدا کرنے والا نہیں تو تم دوبارہ اٹھائے جانے کا اعتراف کر لو۔ ابوسمال، محمد بن سمیقع اور اشہب عقیلی نے پڑھا ہے تَمنون یعنی تاء پر فتحہ ہے امنی اور منی دونوں لغتیں ہیں، جس طرح أمذی، مذی، یُمنی، یَمنی، یُمذی، یَمذی؛ یہ ماوردی کا قول ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ میرے نزدیک دونوں کے معنی مختلف ہوں تو امنی کا معنی ہو جب جماع سے انزال ہو اور منی سے مراد ہے جب احتلام سے انزال ہو۔ منی کو منی کہنے کی دو وجہیں ہیں۔ (۱) ایک تو اس کے امناء کی وجہ سے ہے کہ اس کو بہایا جاتا ہے (۲) اس کا اندازہ لگانے کی وجہ سے۔ اس سے لفظ منا ہے جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے کیونکہ یہ اس کی مقدار ہوتی ہے اسی طرح منی ہے مخلوق کی تصویر کشی کے لیے صحیح تعداد ہے۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ یہ بھی استدلال ہے یعنی وہ ذات جو موت دینے پر قادر ہے وہ پیدا کرنے پر قادر ہے جب وہ پیدا کرنے پر قادر ہے تو دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے۔ مجاہد، حمید، ابن محیصن اور ابن کثیر نے قدرنا دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ضحاک نے کہا: معنی ہے ہم نے اہل آسمان اور اہل زمین کے درمیان برابری کر دی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے فیصلہ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے ہم نے لکھ دیا۔ معنی قریب قریب ہے۔ اس ذات کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہے گا۔

وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ اگر ہم ارادہ کریں کہ تمہاری جگہ اور پیدا کریں تو کوئی ہم پر غالب نہیں آ سکتا۔ گویا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ کا معنی ہے ہم مغلوب نہیں۔ طبری نے کہا: معنی ہے ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کیا ہے تاکہ ہم تمہاری موت کے بعد تمہاری جنس میں سے دوسروں کو لے آئیں اور تمہاری آجال میں ہم مغلوب نہیں نہ کوئی متاخر آگے ہو سکتا ہے اور نہ متقدم پیچھے ہو سکتا ہے (2)۔

وَ نُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ یعنی جن صورتوں اور ہیئتوں کو تم نہیں جانتے ہم تمہیں ان میں پیدا کر دیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ہم تم کو بندر اور خنزیر بنا دیں جس طرح ہم نے تم سے قبل قوموں کے ساتھ کیا ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ہم تمہیں دوبارہ اٹھاتے وقت ایسی صورت میں پیدا کریں جو ان صورتوں سے مختلف ہوں جو تمہاری دنیا میں تھیں مومن اپنے چہرے کی سفیدی کی وجہ سے خوبصورت ہو گا اور کافر اپنے چہرے کی سیاہی کی وجہ سے بدصورت ہو گا۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس کا معنی ہے یعنی سیاہ پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گے جو برہوت وادی میں ہوتے ہیں برہوت یمن میں ایک وادی ہے گویا وہ آنکھیں ہیں۔ مجاہد نے کہا: فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کا معنی ہے ہم نے جس صورت میں چاہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ہم تمہیں ایسے عالم میں پیدا کریں گے جسے تم نہیں جانتے ہو گے اور ایسے مکان میں پیدا کریں گے جس کو تم نہیں جانتے۔

وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى کیونکہ تم کو نطفہ سے پھر علقہ سے پھر مضغہ سے پیدا کیا جب کہ تم کچھ بھی نہ تھے۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا: مراد حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 459 2۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 230 3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 248

فَلَوْ لَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ تم سوچ و بچار کیوں نہیں کرتے؟ حدیث میں ہے ''دوبارہ پیدا کرنے کے جھٹلانے والے پر بڑا تعجب ہے جب کہ وہ پہلی پیدائش کو دیکھتا ہے اس پر بھی تعجب ہے اور جو دوبارہ پیدا کرنے کا اقرار تو کرتا ہے مگر دار قرار کے لیے تگ و دو نہیں کرتا''۔ عام قرأت النشاۃ ہے۔ مجاہد، حضرت حسن بصری، ابن کثیر اور ابو عمرو نے النشاءۃ الف ممدودہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ سورۂ عنکبوت میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۝ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝

''کیا تم نے غور سے دیکھا ہے جو تم بوتے ہو۔ (سچ سچ بتاؤ) کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم ہی اس کو اگانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا بنا دیں پھر تم کف افسوس ملتے رہ جاؤ۔ (ہائے!) ہم تو قرضوں کے بوجھ تلے دب کر رہ گئے بلکہ ہم تو ہیں ہی بڑے بدنصیب''۔

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ یہ دوسری دلیل ہے مجھے اس چیز کے بارے میں بتاؤ: جو تم اپنی زمین میں کاشت کرتے ہو تم اس میں بیج ڈالتے ہو تم اسے کاشت کرتے ہو اور اس سے کھیتی حاصل کرتے ہو تو اس میں بالی اور دانہ بن جاتا ہے یا ہم یہ سب کچھ کرنے والے ہیں تمہارا کام بیج ڈالنا اور زمین پھاڑنا ہے جب تم اس کا اقرار کرتے ہو کہ دانے سے بالی کا نکالنا تمہارے بس میں نہیں تو تم زمین سے مردوں کو نکالنے اور انہیں دوبارہ اٹھانے سے انکار کرتے ہو۔ حرث کی نسبت ان کی طرف کی اور زرع کی نسبت الله تعالیٰ کی طرف کی کیونکہ حرث ان کا فعل ہے اور ان کے اختیار پر جاری ہوتا ہے اور زرع الله تعالیٰ کا فعل ہے وہ اپنے اختیار سے اگاتا ہے ان کے اختیار سے نہیں اگاتا؛ اس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے: ''تم میں سے کسی کو یہ نہیں کہنا چاہیے زرعت بلکہ وہ کہے: حرثت کیونکہ زارع الله تعالیٰ کی ذات ہے''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم الله تعالیٰ کا فرمان نہیں سنتے: ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ (واقعہ) جو آدمی بھی زمین میں بیج ڈالتا ہے اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنے کے بعد یہ پڑھے اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ پھر وہ کہے: بل الله الزارع والمنبت والمبلغ اے الله! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں نازل فرما ہمیں اس کا پھل عطا فرما، اس کے ضرر سے ہمیں دور رکھ ہمیں اپنی نعمتوں پر شکر بجا لانے والا بنا دے، اپنی نوازشات کا ذکر کرنے والا بنا دے اور اس میں ہمارے لیے برکت رکھ دے یا رب العالمین!۔

یہ کہا جاتا ہے: یہ قول اس کھیتی کے لیے تمام آفات سے امان ہوگا، وہ کیڑا ہو، ٹڈی دل ہو یا کوئی اور چیز ہو۔ ہم نے ثقہ لوگوں سے اسے سنا ہے اس کا تجربہ کیا گیا ہے تو اسی طرح پایا گیا۔ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ یعنی تم اسے کھیتی بناتے ہو۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: فلان زارع جس طرح کہا جاتا ہے حراث یعنی وہ ایسا کام کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کھیتی ہو جو کاشتکاروں کو خوش کرے۔ بعض اوقات بطور مجاز زرع کا لفظ زمین میں بیج ڈالنے اور ہل چلانے پر بھی بولا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ نہی راہنمائی کے لیے ہے یہ نہی روکنے اور واجب کرنے کے لیے نہیں اس معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد ہے: لا یقولون أحدکم عبدی و أمتی ولیقل غلامی وجاریتی وفتای وفتاتی تم میں سے کوئی آدمی یہ نہ کہے عبدی وامتی بلکہ وہ کہے غلامی، جاریتی، فتای، فتاتی۔ سورۂ یوسف میں اس بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ بعض علماء نے اس میں مبالغہ سے کام لیا اور کہا: وہ یہ نہ کہے حرثت فاصبت بلکہ کہے أعاننی اللہ فحرثت و أعطانی بفضلہ ما أصبت اللہ تعالیٰ نے میری مدد کی تو میں نے کھیتی باڑی کی اس نے مجھے اپنے فضل سے نوازا تو میں نے اسے پالیا۔

ماوردی نے کہا: یہ آیت دو امور کو متضمن ہے (۱) ان پر احسان جتلایا کہ اس نے ان کی کھیتی کو اگایا یہاں تک کہ اس کے ذریعے وہ زندہ رہے تاکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو انعام کیا ہے اس پر وہ اس کا شکر بجالائیں (۲) ایسی دلیل جو عبرت حاصل کرنے کو لازم کرتی ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی کھیتی کو اگایا جب کہ بیج ناپید ہو چکا تھا اور انتہائی بری حالت میں منتقل ہو چکا تھا کہ وہ مٹی میں مل چکا تھا یہاں تک کہ وہ سرسبز و شاداب کھیتی بن گیا پھر اسے اس سے کئی گناہ قوی بنا دیا جس پر وہ پہلے تھا تو جو انسان فوت ہو چکا ہے اس کو دوبارہ زندہ کرنا اس کے لیے بہت ہی آسان ہے اور وہ اس پر زیادہ قادر ہے یہ دلیل فطرت سلیمہ کے لیے کافی وشافی ہے پھر فرمایا: لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا اگر ہم چاہتے تو اس کھیتی کو ریزہ ریزہ بنا دیتے (1)۔ حطام ایسی ریزہ ریزہ چیز کو کہتے ہیں جس سے کھانے اور غذا کے طور پر کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے ساتھ دو امور پر متنبہ کیا۔ (۱) اللہ تعالیٰ نے ان کی کھیتی میں جو نعمتیں عطا کیں کہ اسے ریزہ ریزہ نہیں کیا تاکہ وہ اس کا شکر بجالائیں (۲) اس کے ذریعے وہ اپنی ذات کے بارے میں عبرت حاصل کریں جس طرح جب وہ چاہتا ہے کھیتی کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے جس طرح جب وہ چاہے گا انہیں ہلاک کر دے گا تاکہ اس سے نصیحت حاصل کریں اور ایسا کرنے سے رک جائیں۔

فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ⑮ اس کے ضائع ہو جانے پر تم تعجب کا اظہار کرتے ہو اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے اس پر شرمندہ ہوتے ہو (2)؛ یہ حضرت حسن بصری، قتادہ اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ صحاح میں ہے: تفکہ کا معنی ہے اس نے تعجب کا اظہار کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: وہ شرمندہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ⑮ یعنی تم شرمندہ ہوتے ہو۔ **تفکہت** بالشیٔ یعنی میں اس سے لطف اندوز ہوا۔ یمان نے کہا: تم اپنے خرچوں پر شرمندگی کا اظہار کرتے ہو اس کی دلیل **فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ فِيْهَا** (کہف: 42)

عکرمہ نے کہا: وہ معصیت جو تم سے ہو چکی اور تمہاری سزا کا موجب ہوئی یہاں تک کہ تمہاری کھیتیوں میں جا پہنچی اس پر تم ملامت کا اظہار کرتے ہو اور شرمندہ ہوتے ہو (3)۔ ابن کیسان نے کہا: تم غمگین ہوتے ہو (4)۔ معنی قریب ہے اس میں دو لغتیں ہیں تفکہون، تفکنون۔ فراء نے کہا: نون عکل کی لغت ہے۔ صحاح میں ہے: تفکن سے مراد جو چیز فوت ہوئی اس پر شرمندگی کا اظہار کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تفکہ کا معنی ہے بے مقصد گفتگو کرنا؛ اسی معنی میں **فکاهة** کا لفظ ہے جو مزاح کے لیے بولا جاتا ہے جہاں تک فکاهة کا تعلق ہے تو یہ فکہ الرجل فھو فکہ کا مصدر ہے۔ جب وہ اچھی طبیعت کا اور مزاح کرنے والا ہو۔ عام قرأت فظلتم ہے (5)۔ عبد اللہ نے اسے فِظلتم پڑھا ہے۔ ہارون نے حسین سے وہ ابوبکر سے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 460　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً　5۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 249

روایت نقل کرتے ہیں جس نے اسے فتحہ دیا وہ اصل پر ہے اصل میں ظللتم تھا پہلا لام تخفیف کے طور پر حذف کر دیا گیا جس نے ظاء کو کسرہ دیا ہے اس نے پہلے لام کے کسرہ کو ظاء کی طرف منتقل کیا پھر پہلے لام کو حذف کر دیا۔

اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ ابوبکر اور مفضل نے ائنا دو ہمزہ کے ساتھ استفہام کی صورت میں پڑھا ہے عاصم نے اسے زر بن حبیش سے روایت کیا ہے باقی قراء نے ایک ہمزہ کے ساتھ خبر کی صورت میں پڑھا ہے یعنی وہ کہتے ہیں: ہم عذاب میں ہیں (1)۔

حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: غرام سے مراد عذاب ہے؛ اس معنی میں ابن محلم کا قول ہے:

وثقت بأن الحفظ منیَ سجیةٌ　وأن فؤادی مُتَبَلٌ بك مغرمُ(2)

مجھے اعتماد ہے کہ میری طرف سے یاد رکھنا خصلت ہے اور میرا دل تیری وجہ سے پریشان اور عذاب میں ہے۔

مجاہد اور عکرمہ نے کہا: ہمیں شوق اور جوش دلایا گیا تھا؛ اس معنی میں نمر بن تولب کا قول ہے:

کان رَھِینا بھا مُغْرَمَا

وہ اس کے بدلہ میں رہن رکھا گیا ہے اور اسے جوش دلایا گیا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اغرم فلان بفلانۃ فلاں فلاں سے بہت محبت کرتا ہے؛ اسی سے غرام ہے یہ ایسی شر ہے جو لازم ہے۔ مجاہد نے یہ بھی کہا ہے: وہ شر کو پانے والے ہیں۔ مقاتل بن حیان نے کہا: وہ ہلاک ہونے والے ہیں۔ نحاس نے کہا: اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ یہ لفظ غرام سے مشتق ہے۔ جس کا معنی ہلاکت ہے جس طرح شاعر نے کہا۔

یوم النسار ویوم الجفا　ر کانا عذابا، کانا غراما(3)

یوم نسار (چشمہ کا نام) اور یوم جفار (جگہ کا نام) دونوں عذاب اور ہلاکت تھے۔

ضحاک اور ابن کیسان نے کہا: یہ غرم سے مشتق ہے مغرم اسے کہتے ہیں جس کا مال بغیر عوض کے چلا جائے یعنی ہمارا وہ دانہ بھی ضائع ہو گیا جو ہم نے بویا تھا۔ مرہ ہمدانی نے کہا: ہمارا محاسبہ کیا جائے گا۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۶۷﴾ یعنی ہم نے جس شادابی کا مطالبہ کیا تھا اس سے ہمیں محروم کر دیا گیا۔ محروم اسے کہتے ہیں جس کو رزق سے روک دیا گیا ہو محروم، مرزوق کی ضد ہے۔ قتادہ کے قول میں یہی محارف ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی زمین کے پاس سے گزرے پوچھا: ”کس چیز نے تمہیں کھیت کو کاشت کرنے سے روکا“۔ انہوں نے عرض کی: زمین کے بنجر ہونے نے۔ فرمایا: ”ایسا نہ کہا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے انا الزارع میں کھیتوں کو اگانے والا ہوں، میں چاہوں تو میں پانی کے ساتھ کھیتی کو اگاؤں، چاہوں تو ہوا کے ساتھ اگاؤں اور چاہوں تو بیج کے ساتھ اگاؤں“۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی: اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿۶۴﴾ (الواقعہ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں اور اس سے قبل کی حدیث میں وہ دلیل موجود ہے جو اس کے قول کی صحت کو ثابت کرتی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 461　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً

ہے جس نے زارع کے لفظ کو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں داخل کیا ہے۔ اکثر علماء نے اس کا انکار کیا ہے ہم نے اس کی وضاحت الکتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنی میں کر دی ہے۔

اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿۷۲﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾

''کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے پانی جو تم پیتے ہو (سچ سچ بتاؤ) کیا تم نے اس کو بادل سے اتارا ہے یا ہم ہی اتارنے والے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو اس کو کھاری بنا دیتے پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے۔ کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے آگ کو جو تم سلگاتے ہو (سچ سچ بتاؤ) کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم ہی پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم نے ہی بنایا ہے اس کو نصیحت اور فائدہ مند مسافروں کے لیے تو (اے حبیب!) تسبیح کیجئے اپنے رب عظیم کے نام کی''۔

اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۶۸﴾ تا کہ اس کے ساتھ تم اپنے آپ کو زندہ رکھو اور اس کے ساتھ اپنی پیاس کو سکون بہم پہنچاؤ کیونکہ مشروب کھانے کے تابع ہوتا ہے؛ اسی وجہ سے آیت میں کھانے کا ذکر پہلے ہوتا ہے کیا تو دیکھتا نہیں کہ تو مہمان کو کھانا کھلانے کے بعد اسے پلاتا ہے۔

ایک عرب کو مشروب پلایا گیا تو اس نے کہا: أنا لا أشرب إلا علی ثمیلة میں نہیں پیتا مگر ہلکے پیٹ والا ہو کر۔

ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ، مزن سے مراد بادل ہے اس کا واحد مزنہ ہے؛ شاعر نے کہا:

فنحنُ کماءِ الْمُزْنِ مانی نِصَابِنَا کَهَامٌ ولا فینا یُعَدُّ بَخِیلُ(1)

ہم بادل کے پانی کی طرح ہیں نہ ہماری اصل میں کوئی مال سے خالی ہے اور نہ ہی ہم میں کوئی بخیل شمار ہوتا ہے۔

یہ حضرت ابن عباس، مجاہد وغیرہما کا قول ہے کہ مزن سے مراد بادل ہے۔ حضرت ابن عباس اور ثوری سے یہ مروی ہے کہ مزن سے مراد آسمان اور بادل ہے۔ صحاح میں ہے ابو زید نے کہا: مزنہ سے مراد سفید بادل ہے اس کی جمع مزن ہے مزنہ سے مراد بارش ہے شاعر نے کہا:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللهَ أَنْزَلَ مُزْنَةً

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کو نازل کیا۔

اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۶۹﴾ جب تم نے پہچان لیا کہ میں نے اسے نازل کیا ہے تو تم میرے لیے عبادت کو خاص کر کے شکر

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 249

کیوں نہیں بجالاتے اور تم دوبارہ پیدا کرنے کی میری قدرت کا کیوں انکار کرتے ہو؟

لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا یعنی ایسا نمکین جو حد درجہ نمکین ہو؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سخت کڑوا تم پینے، کاشت وغیرہ میں اس سے کوئی نفع حاصل نہیں کرتے۔ فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ۝ تو کیا تم اس کا شکر بجا نہیں لاؤ گے جس نے تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ۝ مجھے اس آگ کے بارے میں تو بتاؤ جسے تم تر درخت سے رگڑنے کے ساتھ نکالتے ہو۔ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ جس درخت سے آگ جلائی جاتی ہے وہ مرخ اور عفار ہے؛ اسی معنی میں ان کا قول ہے: ہر درخت میں آگ ہے مرخ اور عفار میں زیادہ ہے گویا ان دونوں نے اس سے وہ حصہ لیا جو انہیں کافی ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: کیونکہ یہ دونوں آگ کو جلدی پھیلاتے ہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: أوريتُ النار جب تو اسے جلائے۔ وَرِى الزَّنْدُ يَرِى جب اس سے آگ نکلے اس میں ایک اور لغت بھی ہے وَرِى الزَّنْدُ يَرِى یعنی ماضی اور مضارع کے عین کلمہ میں کسرہ ہے۔ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ۝ یا ہم پیدا کرنے والے ہیں یعنی جب تم میری قدرت کو پہچان چکے تو میرا شکر بجا لاؤ اور دوبارہ اٹھانے پر میری قدرت کا انکار نہ کرو۔

نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً یعنی دنیا کی آگ بڑی آگ کے لیے نصیحت ہے(1)؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ لوگوں کے لیے تاریکی سے بصیرت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ صحیح روایت مروی ہے ”تمہاری یہ آگ جسے انسان روشن کرتے ہیں یہ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے“۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ تو کافی ہے فرمایا: ”جہنم کی آگ انہتر گنا زائد ہے ان میں سے ہر جز دنیا کی آگ کی گرمی کی مثل ہے“۔

وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ۝ ضحاک نے کہا: یہ مسافروں کے لیے نفع کا باعث ہے(2)۔ اسے یہ نام اس لیے دیا کیونکہ وہ چٹیل میدان میں اترتے جسے قوی کہتے۔ فراء نے کہا: مسافروں کو مقوین کہا جاتا جب وہ چٹیل جگہ پر ڈیرہ ڈالتے جہاں کوئی چیز نہ ہوتی؛ اسی طرح قوی اور قواء ہے منزل قواء ایسی جگہ کو کہا جاتا جہاں کوئی انس کرنے والا نہ ہوتا۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: اقوت الدار، قويت الدار جب وہ اپنے مکینوں سے خالی ہو جائے۔

عنترہ نے کہا:

حُيِّيتَ مِنْ طَلَلٍ تَقَادَمَ عَهْدُهُ ‏ ‏ ‏ أَقْوَىٰ وَأَقْفَرَ بَعْدَ أُمِّ الْهَيْثَمِ(3)

تجھے طلل کی جانب سے سلام پہنچے جس کا زمانہ پہلے گزر چکا ہے جو ام ہیثم کے بعد بے آباد ہو چکا ہے۔

یہ جملہ کہا جاتا ہے: أَقْوَى أصحابه وقَوِي أصحابه۔

أقوى إذا سافر یعنی وہ قواء اور قی میں فروکش ہوا۔ مجاہد نے کہا: لِّلْمُقْوِيْنَ کا معنی ہے تمام لوگ سالن پکانے، روٹی پکانے، گرمائش حاصل کرنے اور روشنی حاصل کرنے میں اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس کے ساتھ جہنم کی آگ کو یاد دلایا جاتا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 461 ‏ ‏ 2۔ ایضاً ‏ ‏ 3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 250

ہے اور اس سے الله تعالیٰ کی پناہ طلب کی جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بھوکوں کے لیے ان کے کھانے کے بنانے میں فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بنا دیا ہے(1) یہ جملہ کہا جاتا ہے: اقویت منذ کذا و کذا یعنی میں نے اتنے عرصہ سے کوئی چیز نہیں کھائی بات فلان القواء و بات القفر جب اس نے کوئی چیز کھائے بغیر بھوکے رات گزاری۔

شاعر نے کہا:

وإِنّی لَأَختارُ القَوىٰ طاوِیَ الحَشٰی

میں بھوکا رہنے کو پسند کرتا ہوں۔

ربیع اور سدی نے کہا: المقوین سے مراد ایسے فروکش ہونے والے ہیں جن کے پاس آگ نہیں ہوتی جس کو وہ جلائیں اور اس کے ساتھ کھانا پکائیں؛ اسے عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ قطرب نے کہا: مقوی اضداد میں سے ہے یہ فقیر اور غنی کے معنی میں ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: اقوی الرجل جب اس کے پاس زاد راہ نہ ہو اقوی جب اس کے پاس بہت زیادہ چوپائے ہوں اور مال بہت زیادہ ہو۔

مہدوی نے کہا: یہ آیت تمام لوگوں کے لیے مناسب ہے کیونکہ آگ ایسی چیز ہے جس کے مسافر، مقیم، غنی اور فقیر ضرورت مند ہوتے ہیں؛ ثعلبی نے بیان کیا ہے۔ اکثر مفسرین پہلے قول کی طرف گئے ہیں۔ قشیری نے کہا: اس سے انتفاع کے اعتبار سے مسافر کو خاص کیا گیا ہے کیونکہ مسافر مقیم کی بنسبت اس سے زیادہ نفع حاصل کرتا ہے کیونکہ جنگل و صحرا میں رہنے والوں کو رات کے وقت آگ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تاکہ درندے اس سے دور رہیں اس کے علاوہ بھی انہیں ضرورت ہوتی ہے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾ مشرکوں نے الله تعالیٰ کی طرف جو شریکوں کی اور دوبارہ اٹھانے سے عجز کی نسبت کی ہے اس سے اس کی پاکی بیان کر۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُومِ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهُۥ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿٧٦﴾ إِنَّهُۥ لَقُرْءَانٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِى كِتَٰبٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٨٠﴾

”پس میں قسم کھاتا ہوں ان جگہوں کی جہاں ستارے ڈوبتے ہیں اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے بے شک یہ قرآن ہے بڑی عزت والا ایک کتاب میں جو محفوظ ہے اس کو نہیں چھوتے مگر وہی جو پاک ہیں۔ یہ اتارا گیا ہے رب العالمین کی طرف سے“۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر1۔ فَلَآ أُقْسِمُ اکثر مفسرین کے نزدیک لا زائدہ ہے(2) معنی ہے میں قسم اٹھاتا ہوں اس کی دلیل وَإِنَّهُۥ لَقَسَمٌ ہے فراء نے کہا: یہ نفی ہے۔ معنی ہے معاملہ اس طرح نہیں جس طرح تم کہتے ہو پھر نئے سرے سے کلام کو شروع کیا۔ اقسم میں قسم اٹھاتا ہوں۔ بعض اوقات ایک آدمی کہتا ہے: لا والله، کان کذا اس سے وہ قسم کی نفی کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ پہلی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 461
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 462

کلام کی نفی کا ارادہ کرتا ہے یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح تو نے ذکر کیا بلکہ معاملہ اس طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:
لا، اِلا کے معنی میں ہے جو تنبیہ کے لیے ہے۔
اس کے ساتھ قرآن کی فضیلت پر متنبہ کیا تا کہ وہ اس میں غور وفکر کریں یہ شعر نہیں، جادو نہیں اور کہانت بھی نہیں جس طرح انہوں نے گمان کیا ہے۔ حضرت حسن بصری، حمید اور عیسیٰ بن عمر نے فلا قسم لام کے بعد الف کے بغیر پڑھا یہ تحقیق کے معنی پر وال ہے۔ یہ فعل حال ہے اس کا مبتدا محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی فلانا أقسم بذلك اگر اس سے مستقبل کا زمانہ مرادلیا جاتا تو نون لازم ہوتی۔ جب فعل سے استقبال مراد لیا جائے تو بعض اوقات نون کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ یہ شاذ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ قتادہ اور دوسرے علماء کے نزدیک مواقع النجوم سے مراد ان کے گرنے اور غروب ہونے کی جگہیں ہیں۔ عطاء بن ابی رباح نے کہا: مراد ان کی منازل ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: قیامت کے روز ان کا بے نور ہونا اور بکھر کر گر جانا ہے (1)۔ ضحاک نے کہا: مراد وہ ستارے ہیں جن کے بارے میں دور جاہلیت میں لوگ کہا کرتے تھے جب ان پر بارش ہوتی (2): ہم پر فلاں ستارے کی وجہ سے بارش کی گئی۔ ماوردی نے کہا: فَلَآ اُقْسِمُ یہ اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوتا ہے نفی کا معنی دیتا ہے (3)۔ قشیری نے کہا: یہ قسم ہے اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ جس چیز کا ارادہ کرے اس کی قسم اٹھاوے جب کہ ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات قدیمہ کے سوا کسی چیز کی قسم اٹھادیں۔

میں کہتا ہوں: اس امر پر حضرت حسن بصری کی قرأت فلا قسم دلالت کرتی ہے (4) اور اسی طرح وہ قسمیں بھی دلالت کرتی ہیں کہ مخلوقات میں سے جن چیزوں کی قرآن حکیم میں مختلف مواقع پر قسم اٹھائی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مواقع النجوم سے مراد قرآن حکیم کا آیت در آیت نازل ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بالا آسمان سے لوح محفوظ سے سفرہ کاتبین پر نازل کیا سفرہ نے جبریل امین پر بیس راتوں میں نازل کیا اور جبرئیل امین بیس (5) سالوں تک تھوڑا تھوڑا کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرتے رہے۔ حضرت جبرئیل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی مناسبت سے اسے نازل کرتے تھے؛ اسے ماوردی نے حضرت ابن عباس اور سدی سے روایت کیا ہے (6)۔

ابوبکر انباری نے کہا اسماعیل بن ابی اسحاق، قاضی حجاج بن منہال سے وہ ہمام سے وہ کلبی سے وہ ابو صالح سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ قرآن حکیم آسمان دنیا میں پر ایک ہی دفعہ نازل ہوا۔ پھر زمین کی طرف تھوڑا تھوڑا نازل ہوا اس کے بعد اسے پانچ پانچ اور کم وبیش کی صورت میں الگ الگ نازل کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۙ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ ۙ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ کا یہی مفہوم ہے۔ فراء نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ مواقع النجوم سے مراد محکم القرآن ہے (7)۔ حمزہ اور کسائی نے بموقع کا لفظ پڑھا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 463　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً
4۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 463　5۔ وحی کا عرصہ بائیس سال سے کچھ اوپر ہے۔
6۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 463　7۔ ایضاً

ہے؛ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود، نخعی، اعمش، ابن محیصن اور رویس نے یعقوب سے یہ روایت نقل کی ہے۔ باقی قراء نے جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ جس نے اسے مفرد پڑھا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اسم جنس ہے جس میں واحد کو جمع کے قائم مقام رکھا جاتا ہے جس نے اسے جمع کا صیغہ پڑھا ہے تو اس کی انواع کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ھاء ضمیر قرآن کی طرف لوٹتی ہے کہ قرآن عظیم قسم ہے؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کا قول ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے جس کی قسم اٹھائی ہے وہ عظیم ہے (2)۔ وہ قرآن کریم ہے۔ مقسم علیہ کا ذکر کیا یعنی نجوم کے مواقع کی قسم اٹھائی کہ بے شک یہ قرآن، قرآن کریم ہے (3)، یہ سحر اور کہانت نہیں، اس میں کوئی افتراء نہیں بلکہ یہ قرآن کریم اور محمود ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نبی کے لیے معجزہ بنایا ہے۔ یہ مومنوں کے لیے بڑا معزز ہے کیونکہ یہ ان کے رب کا کلام ہے، ان کے سینوں کے لیے شفاء ہے۔ آسمان والوں کے لیے بڑا معزز ہے کیونکہ یہ ان کے رب کا کلام ہے، ان کے سینوں کے لیے شفا ہے آسمان والوں کے لیے بڑا معزز ہے کیونکہ یہ ان کے رب کا نازل کردہ اور وحی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: کریم سے مراد ہے وہ غیر مخلوق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کریم اس لیے ہے کیونکہ اس میں اخلاق اور امور کے عظیم معانی کا ذکر ہے (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے حافظ کی عزت کی جاتی ہے اور اس کے قاری کی تعظیم بجالائی جاتی ہے (5)۔

مسئلہ نمبر 4۔ یہ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ مَّكْنُوْنٍ کا معنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہے (6)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ باطل سے محفوظ ہے (7)۔ یہاں کتاب سے مراد آسمان میں کتاب ہے (8)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ جابر بن زید اور حضرت ابن عباس نے کہا: مراد لوح محفوظ ہے (9)۔ عکرمہ نے کہا: مراد تورات و انجیل ہے (10) ان دونوں میں قرآن کا ذکر ہے اور اس کا بھی ذکر ہے جس پر قرآن نازل ہوگا۔ سدی نے کہا: مراد زبور ہے۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا: مراد وہ صحف ہیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔

مسئلہ نمبر 5۔ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ لَا يَمَسُّهٗٓ کے معنی میں اختلاف ہے کیا یہ اعضاء سے مس کرنے کے معنی میں ہے (11) یا اس کے معنی کو چھونا مراد ہے؟ اسی طرح الْمُطَهَّرُوْنَ میں اختلاف ہے کہ وہ کون لوگ ہیں؟ حضرت انس اور حضرت سعید بن جبیر نے کہا کہ اس کتاب کو مس نہیں کرتے مگر وہ جو گناہوں سے پاک ہوتے ہیں وہ فرشتے ہیں۔ ابو العالیہ اور ابن زید نے بھی یہی کہا ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو گناہوں سے پاک ہیں جس طرح ملائکہ میں سے رسل اور انسانوں میں سے رسل۔ جبریل امین جو اس کو لاتے رہے وہ مطہر ہیں اور وہ رسول جن کے پاس وہ لاتے رہے وہ بھی مطہر ہیں۔ کلبی نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 463　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً
5۔ ایضاً　6۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 464　7۔ ایضاً　8۔ ایضاً
9۔ ایضاً　10۔ ایضاً　11۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1737

مراد سفرہ، کرام براہ ہیں۔ یہ سب ایک ہی قول ہے۔ یہ اس کی مثل ہے جو امام مالک نے اختیار کیا ہے آپ نے فرمایا: میں نے لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ کی تفسیر میں جو سب سے بہترین قول سنا وہ یہ ہے کہ یہ اس آیت کے قائم مقام ہے جو سورۂ عبس میں ہے فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝ اس سے یہ ارادہ کیا ہے کہ مطہرین سے مراد وہ فرشتے ہیں جن کی صفت سورۂ عبس میں طہارت سے ذکر کی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَا یَمَسُّهٗۤ کا معنی ہے اسے لے کر نازل نہیں ہوتے مگر فرشتوں میں سے رسول جو انبیاء میں سے رسولوں پر نازل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ لوح محفوظ جو کتاب مکنون ہے اسے نہیں چھوتے مگر پاکیزہ فرشتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت اسرافیل کو یہ ذمہ داری سونپی گئی؛ قشیری نے اس کی حکایت بیان کی۔ ابن عربی نے کہا: یہ باطل ہے کیونکہ فرشتے اسے کسی وقت بھی نہیں پکڑتے اور اس تک کسی وقت بھی رسائی حاصل نہیں کرتے اگر یہ مراد ہو تو اس میں استثناء کی کوئی گنجائش ہی نہ ہوتی۔ جس نے یہ کہا کتاب سے مراد وہ مصحف ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے یہ زیادہ مناسب ہے۔ امام مالک اور دوسرے علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ عمرو بن حزم کا مکتوب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لکھا تھا اس میں یہ خط حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے شرحبیل بن عبد کلال، حرث بن عبد کلال اور نعیم بن عبد کلال کی طرف ہے جو ذی رعین معاصر اور ہمدان کے بادشاہ ہیں (1)۔ امابعد، آپ کے مکتوب میں تھا خبردار! قرآن کریم نہ چھوئے مگر پاک آدمی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: تو قرآن کو نہ چھوئے مگر اس وقت جب تو پاک ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن نے حضرت عمر کے اسلام لانے کے موقع پر کہا تھا جب کہ وہ ان کے پاس گئے اور صحیفہ منگوایا تو حضرت عمر کی بہن نے کہا: لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ اسے پاک لوگ ہی چھوتے ہیں، حضرت عمر اٹھے، غسل کیا اور اسلام لائے۔ یہ واقعہ سورۂ طٰہٰ کے شروع میں گزر چکا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا: یہاں مطہرون سے مراد احداث اور انجاس سے پاک لوگ ہیں (2)۔ کلبی نے کہا: وہ شرک سے پاک ہوں (3)۔ ربیع بن انس نے کہا: وہ گناہوں اور خطاؤں سے پاک ہوں (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اسے موحد ہی پڑھیں: یہ محمد بن فضیل اور عبدہ کا قول ہے۔ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس چیز سے منع کیا کرتے تھے کہ یہود و نصاریٰ میں سے کسی کو قرآن پڑھنے کا موقع دیا جائے۔ فراء نے کہا: اس کا ذائقہ، اس کا نفع اور اس کی برکت قرآن پر ایمان رکھنے والا ہی پا سکتا ہے (5)۔ ابن عربی نے کہا: یہ امام بخاری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا (6) جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوا اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔ حسین بن فضل نے کہا: اس کی تفسیر اور تاویل کو کوئی نہیں پہنچا سکتا مگر جسے اللہ تعالیٰ نے شرک اور نفاق سے پاک کر لیا ہو۔

1۔ مؤطا امام مالک، کتاب القرآن، الأمر بالوضوء عن مس القرآن، صفحہ 185 — 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 464

3۔ ایضاً — 4۔ ایضاً — 5۔ ایضاً

6۔ جامع ترمذی، ما جاء فی ترک الصلوٰۃ، جلد 2، صفحہ 86 — 7۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 464

ابوبکر وراق نے کہا: اس پر عمل کرنے کی توفیق نہیں دی جاتی مگر سعادت مندوں کو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے ثواب کو مس نہیں کرے گا مگر مومن (7)؛ اسے حضرت معاذ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیت کا ظاہر شرع کی خبر ہے یعنی شرعی طور پر پاکیزہ لوگ ہی اسے چھوتے ہیں اگر ان کے برعکس پایا گیا تو یہ شرع کے خلاف ہوگا؛ یہ قاضی ابوبکر بن عربی کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ اور اس امر کو باطل قرار دیا ہے کہ اس کا لفظ تو خبر کا لفظ ہو اور اس کا معنی امر کا ہو۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ مہدوی نے کہا: یہ جائز ہے کہ یہ امر ہو اور سین کا ضمہ اعراب کا ضمہ ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ نہ ہو اور سین کا ضمہ مبنی ہونے کا ضمہ ہو اور فعل مجزوم ہو۔

مسئلہ نمبر 6۔ علماء نے وضو کے بغیر مصحف کے چھونے میں اختلاف کیا ہے جمہور نے اس سے منع کیا ہے کیونکہ حضرت عمرو بن حزم کی حدیث اس بارے میں مروی ہے؛ یہ حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم عطا، زہری، نخعی، حکم، حماد اور فقہاء کی ایک جماعت کا مذہب ہے ان میں امام مالک اور امام شافعی بھی ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ سے مختلف روایات مروی ہیں ان سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ محدث اسے چھو سکتا ہے۔ سلف صالحین کی ایک جماعت سے بھی مروی ہے ان میں حضرت ابن عباس، امام شعبی وغیرہ ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس کے ظاہر، حواشی اور جس میں مکتوب نہ ہو اس کو چھوا جا سکتا ہے جہاں تک مکتوب کا تعلق ہے اسے پاکیزہ آدمی ہی چھو سکتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: اگر اسے کوئی تسلیم بھی کرے تب بھی یہ ان چیزوں میں سے ہے جس پر حجت غالب ہے کیونکہ ممنوع کا حریم بھی ممنوع ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم کو جو خط لکھا اس کے خلاف قوی ترین دلیل ہے۔ امام مالک نے کہا: جو آدمی حالت طہارت میں نہ ہو نہ اسے کسی واسطہ سے اٹھائے اور نہ ہی تکیہ پر رکھ کر اٹھائے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں اور جو آدمی کسی واسطہ سے اسے اٹھاتا ہے یا کسی واسطہ سے چھوتا ہے اسے منع نہیں کیا۔ حکم، حماد اور داؤد بن علی سے مروی ہے کہ مصحف کو اٹھانے اور اس کے چھونے میں کوئی حرج نہیں، وہ مسلمان ہو یا کافر ہو، حالت طہارت میں ہو یا حالت حدث میں ہو مگر داؤد ظاہری نے اس سے اختلاف کیا ہے کہا مشرک کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اسے اٹھائے۔ وہ اس کی اباحت کا استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کو خط لکھا جب کہ یہ تو مجبوری کا موقع تھا اس میں کوئی دلیل نہیں۔ بچوں کے اسے چھونے میں دو صورتیں ہیں (۱) بالغ پر قیاس کرتے ہوئے اسے منع کیا جائے گا (۲) یہ جائز ہے کیونکہ اگر بچے کو اس سے روک دیا جائے گا تو قرآن کی حفاظت نہ کی جا سکے گی کیونکہ بچے کا سیکھنا صغر سنی کی عمر میں ہی ہوا کرتا ہے بچے کو اگرچہ طہارت حاصل ہوتی ہے مگر وہ کامل نہیں ہوتی، کیونکہ بچے کی جانب سے نیت درست نہیں ہوتی۔ جب اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کامل طہارت کے بغیر اسے اٹھا لے تو اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ حالت حدث میں اسے اٹھا لے۔

مسئلہ نمبر 7۔ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ یعنی رب العالمین کی جانب سے نازل کی گئی ہے جس طرح ضرب الامیر اور نسج الیمن میں مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تنزیل اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ ۝ کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تَنْزِیْلٌ یہ ھو مبتدا کی خبر ہے۔

اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْ لَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَ اَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْ لَاۤ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾

''کیا تم اس قرآن کے بارے میں کوتاہی کرتے ہو اور اس کی بے پایاں برکتوں سے تم نے اپنا یہی نصیب لیا ہے کہ تم اس کو جھٹلاتے رہو گے۔ پس تم کیوں نہیں لوٹا دیتے جب روح حلق تک پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت (پاس بیٹھے) دیکھ رہے ہوتے ہو اور ہم اس وقت بھی تم سے زیادہ مرنے والے کے قریب ہوتے ہیں البتہ تم دیکھ نہیں سکتے۔ پس اگر تم کسی کے پابند حکم نہیں ہو تو پھر کیوں نہیں لوٹا دیتے (مرنے والے کی روح) اگر تم سچے ہو''۔

اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ، هذا الحديث سے مراد قرآن ہے **اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ** ﴿۸۱﴾ **مُّدْهِنُوْنَ** کا معنی ہے جھٹلاتے ہو؛ یہ حضرت ابن عباس، عطا اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے (1)۔ مدھن اسے کہتے ہیں جس کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف ہو۔ گویا اسے دہن (تیل) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ اس کے ظاہر میں نرمی اور ملائمت ہوتی ہے۔ مقاتل بن سلیمان اور قتادہ نے کہا: **مُّدْهِنُوْنَ** کا معنی ہے کافرون۔ اس کی مثل **وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ** ﴿۹﴾ (القلم) مورج نے کہا: مدھن سے مراد منافق یا کافر ہے جو خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتا ہے تاکہ اپنے کفر کو چھپائے۔ ادھان اور مداھنہ کا معنی جھٹلانا۔ کفر کرنا اور نفاق کرنا ہے۔ اس کا اصل معنی نرمی کرنا ہے اور جو ظاہر کرے اس کے برعکس کو اپنے اندر چھپانا ہے۔ ابوقیس بن سلت نے کہا:

الحَزْمُ والقُوَّةُ خيرٌ من الإدهان والفَهَّةِ والهَاعِ

احتیاط اور قوت نفاق، عاجزی اور حرص سے بہتر ہے۔

ادھن اور داھن دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ کچھ لوگوں کا نقطہ نظر ہے داھنت کا معنی ہے تو نے چھپایا اور ادھنت کا معنی ہے تو نے دھوکہ کیا۔ ضحاک نے کہا: مدھنون کا معنی ہے تم عرض کرنے والے ہو (2)۔ مجاہد نے کہا: کفر کے باوجود کفار سے دوستی کرنے والے ہیں (3)۔ ابن کیسان نے کہا: مدھن اسے کہتے ہیں جو یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کا اس پر کیا حق ہے اور حیلے بہانوں سے اسے ٹالنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک لغوی نے کہا: مدھنون کا معنی ہے قرآن کو قبول کرنے میں وہ یقین کو ترک کرنے والے ہیں۔

وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تم نے اپنے شکر کو جھٹلانا بنا لیا ہے۔ ہشیم بن عدی نے کہا: یہ ازدشنوءہ کی لغت میں سے ہے ما رزق فلان بھرا دے اس کا شکر کیا ہے یہ مناسب ہے کہ رزق کے اسم کو شکر کی جگہ رکھا جائے کیونکہ رزق کا شکر اس میں زیادتی کا تقاضا کرتا ہے تو شکر اس معنی کی وجہ سے رزق ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ** سے اصل مقصود ہے وتجعلون شکر رزقکم تم نے اپنے رزق کا شکر (جو اگر تم سے پایا جاتا تو وہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 464　　2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 465　　3۔ ایضاً

تمہارے لیے رزق کی صورت میں لوٹتا) یہ بنالیا ہے کہ تم رزق کو جھٹلاتے ہو، یعنی تم شکر کی جگہ رزق کو رکھتے ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ تَصْدِيَةً (الانفال:35) یعنی وہ نماز نہیں پڑھتے بلکہ وہ نماز کی جگہ سیٹیاں بجاتے ہیں اور تالیاں بجاتے ہیں۔ اس میں اس امر کی وضاحت ہے کہ بندوں کو جو بھی بھلائی پہنچی ہے تو ان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ایسے واسطوں کے جانب سے دیکھیں جس کے بارے میں عام قاعدہ ہے کہ وہ واسطے اسباب ہوں بلکہ مناسب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے دیکھیں پھر اگر وہ نعمت ہے تو اس کے بالمقابل شکر کریں اور اگر وہ امر ناپسندیدہ ہو تو اس پر صبر کریں مقصود اس کے سامنے اپنی عبودیت اور عاجزی کا اظہار ہو۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا وتجعلون شکرکم أنکم تکذبون (1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے: اس سے مراد ستاروں سے بارش کو طلب کرنا ہے، یہ عربوں کا قول ہے مطرنا بنوء کذا ہم پر فلاں ستارے کی وجہ سے بارش کی گئی؛ حضرت علی شیر خدا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے روایت کیا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں پر بارش کی گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لوگوں میں سے کچھ نے شکر گزار بندے کی حیثیت سے صبح کی اور ان میں سے کچھ نے کافر کی حیثیت سے صبح کی قالوا هذه رحمة الله وقال بعضهم لقد صدق نوء كذا و كذا۔ انہوں نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور بعض نے کہا: فلاں فلاں ستارہ نے سچ کہا(2)، تو یہ آیت نازل ہوئی: فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں نکلے وہ پیاسے ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے بتاؤ اگر میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں اور تم پر بارش ہو جائے تو ممکن ہے تم کہو: هذا المطر بنوء كذا یہ بارش فلاں ستارے کی وجہ سے ہے''(3)۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ ان ستاروں کا وقت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی، اپنے رب سے دعا کی، ہوا چلی پھر بادل آئے تو لوگوں پر بارش ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چلے ایک آدمی کے پاس سے گزرے جب کہ آپ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت تھی وہ اپنے پیالے سے پانی بھر رہا تھا وہ کہہ رہا تھا ہم پر فلاں ستارے کی وجہ سے بارش کی گئی، اس نے یہ نہ کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے تو یہ آیت نازل ہوئی وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس پر شکر بجالانے کی بجائے تم نے اپنا حصہ یہ بنالیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جھٹلاتے ہو اور تم یہ کہتے ہو: ہم پر فلاں ستارے کی وجہ سے بارش کی گئی ہے جس طرح تو کہتا ہے: جعلت إحساني إليك إساءة منك إلي میں نے تجھ پر جو احسان کیا تھا اس کا بدلہ تو نے میرے ساتھ برائی کرنے کو بنا دیا۔ اور میرا تجھ پر جو انعام تھا اس کا تو نے یہ بدلہ دیا کہ تو نے مجھے اپنا دشمن بنالیا۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 162　　2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، بیان کفر من قال مطرنا بالنوء، جلد 1، صفحہ 59

3۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 162

مؤطا میں حضرت زید بن خالد جہنی سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حدیبیہ کے مقام پر صبح کی نماز پڑھائی جب کہ رات کو بارش ہوئی تھی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، فرمایا: ''جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟'' (1) صحابہ نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندوں میں سے کچھ نے مجھ پر ایمان کی حالت میں صبح کی اور ستارے کے ساتھ کفر کیا۔ جس نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کے ساتھ مجھ پر بارش کی گئی تو وہ مجھ پر ایمان رکھنے والا اور ستارے کا انکار کرنے والا ہے جس نے کہا مجھ پر فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش کی گئی تو وہ ستارے پر ایمان رکھنے والا اور میرے ساتھ کفر کرنے والا ہے''۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: میں یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی کہے مطرنا بنوء کذا و کذا اگرچہ ہمارے نزدیک نوء ایسا وقت ہے جو مخلوق ہے نہ نقصان دیتا ہے اور نہ نفع دیتا ہے، نہ بارش برساتا ہے اور نہ بارش کو روکتا ہے۔ جو پسند کرے تو یہ کہے: مطرنا وقت کذا کما تقول مطرنا شھر کذا ہم پر فلاں وقت بارش ہوئی جس طرح تو یہ کہتا ہے ہم پر فلاں مہینہ میں بارش کی گئی جس نے یہ کہا: مطرنا بنوء کذا وہ یہ ارادہ کرتا ہو کہ نوء نے بارش کو نازل کیا ہے جس طرح دور جاہلیت میں بعض مشرک ارادہ کرتے تھے تو وہ کافر ہوگا۔ اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کا خون حلال ہوگا۔

ابو عمر بن عبد البر نے کہا: جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کی حکایت بیان کرتے ہیں أصبح من عبادی مومن بی و کافر (2) میرے نزدیک اس کے معنی کی دو صورتیں ہیں (ا) وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ نوء ہی بارش نازل کرنے والا ہے، وہی بادل کو پیدا کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا نہیں کیا وہ صریح کافر ہوگا، اس سے توبہ طلب کرنا ضرور ہوگا اگر وہ انکار کرے تو اسلام کو چھوڑنے اور قرآن کو رد کرنے کی وجہ سے اسے قتل کرنا ضروری ہوگا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس ستارے کے ذریعے بارش نازل فرماتا ہے یہ بارش کا سبب ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے مقدر کیا ہے اور اس کے علم میں پہلے سے موجود ہے۔ اگرچہ یہ مباح صورت ہے پھر بھی اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار ہے اور اس کی لطیف حکمت سے جہالت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے بارش نازل فرماتا ہے کبھی کسی ستارے کے واسطہ سے اور کبھی کسی ستارے کے واسطہ سے۔ بے شمار مواقع پر ستارے ظاہر ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ بارش نہیں ہوتی۔ یہ بارش اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے ستارے کی طرف سے نہیں ہوتی، اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے جب وہ صبح کرتے جب کہ بارش ہو چکی ہوتی: مطرنا بنوء الفتح پھر وہ اس آیت کی تلاوت کرتے مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا (فاطر: 2) ابو عمر نے کہا: میرے نزدیک یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی طرح ہے مطرنا بفضل اللہ و رحمتہ (3) ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کے ساتھ بارش ہوئی۔ اس باب میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو ارشاد ہے جب حضرت عمر نے ان کے واسطہ سے بارش طلب

1۔ مؤطا امام مالک، کتاب الاستسقاء، الاستمطار بالنجوم، صفحہ 180

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، بیان کفر من قال مطرنا بالنوء، جلد 1، صفحہ 59

3۔ ایضاً

کی: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا جان! کم بقی من نوء الثریا حضرت عباس نے جواب دیا: علماء گمان کرتے ہیں کہ وہ افق میں عرضاً ظاہر ہوگی سات دنوں کے بعد ابھی ساتواں دن نہیں گزرا تھا کہ ان پر بارش ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: الحمدللہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے ہے۔

گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ نوء ثریا ایسا وقت ہے جس میں بارش کی امید کی جاتی ہے تو آپ نے حضرت عباس سے سوال کیا: وہ ظاہر ہو چکا ہے یا اس میں سے کوئی باقی ہے؟

سفیان بن عیینہ نے اسماعیل بن امیہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سفر میں ایک آدمی سے سنا وہ کہہ رہا تھا: مطرنا بعثانین الاسد۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو نے جھوٹ بولا یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بارش ہے''۔ سفیان نے کہا: عثانین الاسد سے مراد بازو اور پیشانی ہے۔

عام قرأت تکذبون ہے جو تکذیب سے مشتق ہے، مفضل نے عاصم اور یحییٰ بن وثاب سے تَکْذِبون نقل کیا ہے۔ اس کا معنی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جس نے کہا: مطرنا بنوء کذا حضرت انس بن مالک کی حدیث میں یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری امت میں تین چیزیں ہمیشہ رہیں گی حسب ونسب پر فخر، نوحہ اور انواء''۔ اس بارے میں صحیح مسلم کے الفاظ ہیں۔ ''میری امت میں چار امور دور جاہلیت کے ہوں گے جنہیں لوگ نہیں چھوڑیں گے۔ حسب ونسب پر فخر، انساب میں طعن، ستاروں کے ذریعے بارش کو طلب کرنا، نوحہ کرنا'' (1)۔

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ لولا، هلا کے معنی میں ہے جب نفس اور روح حلقوم تک پہنچ جائے۔ نفس کا پہلے ذکر نہیں ہوا کیونکہ معروف ہے۔

حاتم نے کہا:

اذا حشرجت یومًا وضاق بها الصدرُ

جب گھنگھرو بول جائے گا اور سینہ تنگ ہو جائے گا۔ محل استدلال حشرجت کی ضمیر ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے ''ملک الموت کے مددگار ہیں جو رگوں کو کاٹتے ہیں اور آہستہ آہستہ روح کو جمع کرتے ہیں یہاں تک کہ روح حلقوم تک پہنچ جاتی ہے تو ملک الموت اسے قبض کر لیتا ہے'' (2)۔

وَ اَنْتُمْ حِیْنَىِٕذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ تَنْظُرُوْنَ کا مفعول یہ أمری اور سلطان ہے۔ یعنی تم میرا اصرار، میری سلطان دیکھ رہے ہوتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے تم میت کو دیکھ رہے ہوتے ہو تم اس کے لیے کسی چیز پر قادر نہیں ہوتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کرتا ہے کہ میت کے گھر والے انتظار کر رہے ہوتے ہیں کہ اس کا نفس کب نکلے گا؟ پھر یہ کہا گیا ہے: یہ ان کے اس قول کا رد ہے جو انہوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا تھا لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَ مَا قُتِلُوْا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، فصل فی النہی عن الفخر بالأحساب والطعن فی الأنساب والاستسقاء، جلد 1، صفحہ 303

2۔ کنز العمال، تلقین المحتضر، جلد 15، صفحہ 563، حدیث 12185

(آل عمران:156) کیا جب روح حلقوم تک آ پہنچی تھی تو کیا انہوں نے ان میں سے کسی کی روح کو لوٹا یا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے ایسا کیوں نہ ہوا جب تم میں سے کسی کا نفس نزع کے وقت حلقوم تک پہنچا جب کہ تم حاضر تھے تو تم اس کی روح کو اس کے جسم میں روک لیتے جب کہ تم اس کی طویل عمر کے حریص تھے اور اس کی بقا سے محبت رکھتے تھے۔ یہ ان کے قول کا رد ہے: نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا يُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ (الجاثیہ:24) ہم مرتے ہیں اور ہم زندہ ہوتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس آدمی کو خطاب ہے جو حالت نزع میں ہے یعنی تجھے جو مصیبت پہنچی ہے اگر یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہے تو تو نے اپنی روح کی حفاظت کیوں نہیں کی؟

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ ہم قدرت، علم اور رؤیت میں تمہاری بنسبت اس کے زیادہ قریب تھے۔ عامر بن عبد القیس نے کہا: میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنی بنسبت اس کے زیادہ قریب دیکھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ارادہ کیا کہ ہمارے بھیجے ہوئے جو اس کی روح کو قبض کرنے کے ذمہ دار تھے وہ تمہاری بنسبت اس کے زیادہ قریب تھے۔ وَ لٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ۝ یعنی تم انہیں دیکھتے۔

فَلَوْ لَاۤ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ۝ یہاں بھی لولا، ھلا کے معنی میں ہے یعنی اگر تمہارا محاسبہ نہیں ہونا اور تمہیں اپنے اعمال کا بدلہ نہیں دیا جانا۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ۝ (الصافات) یعنی ہمیں جزا دی جائے گی اور ہمارا محاسبہ ہوگا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ کا معنی ہے غیر مملوکین و لا مقھورین غیر مملوک اور غیر مغلوب ہوں۔ فراء اور دوسرے علماء نے کہا: دِنته کا معنی ہے میں اس کا مالک ہوا، حطیہ کا شعر پڑھا:

لقد دُيِّنْتِ أَمْرَ بَنِيكَ حَتَّى تَرَكْتِهِمْ أَدَقَّ مِنَ الطَّحِينِ

تجھے اپنے بیٹوں کے معاملات سپرد کیے گئے یہاں تک کہ تو نے انہیں آٹے سے بھی زیادہ باریک چھوڑا۔

دانه اسے ذلیل کیا اور اسے اپنا غلام بنایا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: دنته فدان میں نے اسے ذلیل کیا تو وہ ذلیل ہو گیا۔

اس بارے میں بحث سورۂ فاتحہ میں يَوْمِ الدِّيْنِ کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

تَرْجِعُوْنَهَاۤ تم روح کو جسم کی طرف لوٹاتے۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ اگر تم سچے ہو یعنی تم اسے ہرگز نہیں لوٹاؤ گے تو تمہارا گمان باطل ہو گیا کہ مملوک نہیں اور تمہارا محاسبہ نہیں ہوگا۔ تَرْجِعُوْنَهَاۤ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَلَوْ لَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ۝ اور فَلَوْ لَاۤ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ۝ کا جواب ہے دونوں کا ایک ہی جواب ہے: یہ فراء کا قول ہے۔ بعض اوقات عرب دو حرفوں کا اعادہ کرتے ہیں اور ان کا معنی ایک ہی ہوتا ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝ (البقرہ) دونوں کا ایک جواب دیا گیا جب کہ یہ دونوں شرطیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایک کو حذف کیا گیا کیونکہ دوسرا اس پر دلالت کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی

فلولا وهلا ان كنتم غير مَدِينين ترجعونها، تردون نَفْس هذا الميت إلى جسده إذا بلغت الحلقوم۔

فَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ۬ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ وَ اَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ وَ اَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ وَّ تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾

''پس وہ (مرنے والا) اگر اللہ کے مقرب بندوں سے ہوگا تو اس کے لیے راحت، خوشبودار غذائیں اور سرور والی جنت ہوگی۔ اور اگر وہ اصحاب یمین (کے گروہ) سے ہوگا تو (اسے کہا جائے گا) تمہیں سلام ہو اصحاب یمین کی طرف سے۔ اور اگر وہ (مرنے والا) جھٹلانے والے گروہوں سے ہوگا تو اس کی مہمانی کھولتے پانی سے ہوگی اور داخل ہونا پڑے گا اسے بھڑکتے دوزخ میں۔ بے شک (جو بیان ہوا) یہ یقیناً حق ہے۔ پس (اے حبیب!) پاکی بیان کیجئے اپنے رب کے نام کی جو بڑی عظمت والا ہے''۔

فَاَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ موت اور بعث کے وقت مخلوق کے طبقات کا ذکر کیا اور ان کے درجات کو بیان کیا اور کہا: اگر یہ فوت ہونے والا مقربین میں سے ہوا جو سابقون ہیں (1) فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ۬ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ عام قرأت فروح ہے واؤ پر فتحہ ہے۔

حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کے نزدیک اس کا معنی دنیا سے راحت ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: روح سے مراد راحت ہے۔ ضحاک نے کہا: روح سے مراد استراحت ہے (2)۔ قتبی نے کہا: اس کا معنی ہے اس کے لیے قبر میں عمدہ خوشبو ہوگی۔ ابو العباس بن عطاء نے کہا روح سے مراد اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف دیکھنا ہے۔ ریحان سے مراد اس کی کلام اور وحی کو سننا ہے وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ اس سے مراد ہے کہ جنت میں وہ اللہ تعالیٰ سے حجاب میں نہیں ہوگا۔ حضرت حسن بصری، قتادہ، نصر بن عاصم، جحدری، رویس اور زید نے یعقوب سے یہ قرأت نقل کی ہے (3)۔ فَرُوْحٌ یعنی راء پر ضمہ ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: روح سے مراد رحمت ہے کیونکہ مرحوم کے لیے یہ زندگی کی طرح ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھا فَرُوْحٌ یعنی راء پر ضمہ ہے معنی ہے اس کے لیے جنت میں بقا اور زندگی ہے، یہی رحمت ہے۔ وَّ رَيْحَانٌ مجاہد اور سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد رزق ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد حمیر کی لغت میں رزق ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: خرجت أطلب ریحان اللہ میں اللہ تعالیٰ کے رزق کی تلاش میں نکلا۔ نمر بن تولب نے کہا: سلام الإله و ریحانه یہاں بھی ریحان سے مراد رزق ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد جنت ہے۔ ضحاک نے کہا: مراد رحمت ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ معروف ریحان ہے جسے سونگا جاتا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا نقطہ نظر ہے۔ ربیع

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 466 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 254 3۔ ایضاً

بن خثیم نے کہا: وہ موت کے وقت ہوگا اور جنت دوبارہ اٹھائے جانے تک اس کے لیے چھپا کر رکھی جائے گی۔ ابو جوزاء نے کہا: یہ اس کی روح کے قبض کے وقت ہوگا وہ ریحان کا بنڈل پائے گا۔ ابوالعالیہ نے کہا: مقربین میں سے کوئی بھی دنیا میں اپنی روح سے جدا نہیں ہوگا یہاں تک کہ اسے ریحان کی دو ٹہنیاں دی جائیں گی وہ ان دونوں کو سونگھے گا پھر اس کی روح قبض کی جائے گی۔ ریحان کی اصل اور اس کا اشتقاق سورۂ رحمن کے آغاز میں گزر چکا ہے اس میں غور و فکر کیجئے۔ ثعلبی نے روح و ریحان میں ان اقوال کے علاوہ اقوال ذکر کیے ہیں جو ہم نے ذکر کیے، جو ان کا ارادہ کرے وہاں سے دیکھ لے۔

وَ اَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ۝ یعنی اگر فوت ہونے والا اصحاب یمین میں سے ہو **فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ۝** تو ان میں سے کسی کو نہیں دیکھے گا مگر یہ کہ جو تو سلامتی سے محبت رکھتا ہے اس لیے ان کے بارے میں تو غمگین نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان کی جانب سے تیرے لیے سلامتی ہے یعنی تو ان کے لیے غمگین ہونے سے سلامت ہے۔ معنی ایک ہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اصحاب یمین آپ کے لیے دعا کرتے ہیں اے محمد! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمتیں نازل فرمائے اور تجھ پر سلام بھیجے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے محمد! وہ تجھ پر سلام بھیجتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے بندے! تو اس چیز سے سلامت رہے جسے تو ناپسند کرتا ہے، کیونکہ تو اصحاب یمین سے ہے یہاں سے انك محذوف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں سلام کے ساتھ سلام کیا جاتا ہے مقصد تعظیم بجالانا ہے(1)۔ اس تاویل کی بنا پر سلام کے محل میں تین قول ہیں (۱) جب دنیا میں اس کی روح قبض کی جاتی ہے تو ملک الموت اسے سلام کہتا ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے(2)۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: جب ملک الموت آتا ہے تاکہ مومن کی روح قبض کرے تو وہ کہتا ہے تیرا رب تجھے سلام فرماتا ہے۔ یہ بحث سورۂ نحل آیت 32 میں اللہ تعالیٰ کے فرمان **الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ طَیِّبِیْنَ** کے ضمن میں گزر چکی ہے (۲) قبر میں جب اس سے سوال و جواب ہوتا ہے(3) تو منکر نکیر اس کو سلام کہتے ہیں (۳) قیامت کے روز جب اسے اٹھایا جاتا ہے تو فرشتے اسے سلام کہتے ہیں قبل اس کے کہ وہ پہنچے(4)۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال موجود ہے کہ اسے تینوں مواقع پر سلام کیا جائے۔ یہ اس کے لیے اکرام کے بعد اکرام ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ مبرد کے نزدیک ان کا جواب محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہے مهما يكون من شئ فسلام لك من أصحاب اليمين، إن كان من أصحاب اليمين فسلام لك من أصحاب اليمين جواب شرط کو حذف کرلیا گیا کیونکہ ماقبل کلام اس پر دلالت کرتی ہے؛ جس طرح تیرے اس قول میں جواب محذوف ہے أنت ظالم إن فعلت کہہ کر ماقبل کلام اس پر دلالت کر رہی ہے۔ اخفش کا مذہب ہے کہ فاء (کا مابعد) اما اور ان کا جواب ہے اس کا معنی ہے فاء، اما کا جواب ہے یہ متقدمہ تقدیر کی بنا پر ان کے جواب کے قائم مقام ہے۔ فاء اس تعبیر کی بنا پر دونوں کا جواب ہے۔ زجاج کے نزدیک اما کا معنی ہے ایک شی سے دوسری شی کی طرف نکلنا یعنی جس میں ہم ہیں اس کو چھوڑ دے اور اس کے غیر میں شروع ہو جا۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 447 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

وَ اَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ یعنی بعث کا انکار کرنے والے اور ہدایت اور حق کے راستہ سے گمراہ۔
فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ یعنی ان کے لیے کھولتے ہوئے پانی کا رزق ہے، جس طرح فرمایا: ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ جس طرح فرمایا: ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۶۷﴾ (الصافات) وَّ تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ جہنم میں داخل کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جہنم میں رہنا اور مختلف قسم کے عذابوں کو برداشت کرنا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: أصلاه النّار وصلاه مراد ہے اسے بنادیا کہ وہ اسے تاپے۔ یہاں مصدر، مفعول کی طرف مضاف ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: لفلان أعطاء مال فلاں کو مال دیا جاتا ہے اسے وتصلیة تاء کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی نزل من تصلیة جحیم پھر ابو عمرو نے تاء کو جیم میں مدغم کیا۔ یہ بعید ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ جو ہم نے تم پر بیان کیا ہے یہ محض یقین اور حق ہے۔ حق کی یقین کی طرف اضافت درست ہے جب کہ دونوں ایک ہی چیز ہیں کیونکہ ان دونوں کے الفاظ مختلف ہیں۔ مبرد نے کہا: یہ تیرے اس قول کی طرح ہے عین الیقین، محض الیقین۔ کوفیوں کے نزدیک یہ شی کو اپنی ذات کی طرف مضاف کرنے کی طرح ہے۔ بصریوں کے نزدیک مراد ہے: حقّ الأمر الیقین أو الخبر الیقین۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تاکید ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یقین کی اصل یہ ہے کہ یہ حق کی نعت ہو تو مبعوث کو مجازاً نعت کی طرف مضاف کیا گیا ہے جس طرح ہے وَ لَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ (الانعام: 32) قتادہ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: اللہ تعالیٰ لوگوں میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑے گا یہاں تک کہ اسے اس قرآن کے بارے میں یقین پر کھڑا کرے گا جہاں تک مومن کا تعلق ہے تو اس نے دنیا میں یقین کر لیا تو اس چیز نے اسے قیامت کے روز نفع دیا۔ جہاں تک کافر کا تعلق ہے اسے قیامت کے روز یقین ہوگا تو اسے یقین نفع نہیں دے گا۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾ اللہ تعالیٰ کی ہر عیب سے پاکی بیان کرو۔ باء زائدہ ہے یعنی اپنے رب کی پاکی بیان کرو۔ اسم سے مراد مسمی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اپنے رب کا ذکر کرتے ہوئے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اس کی نماز پڑھیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنے عظیم رب کے نام کا ذکر کیجئے اور اس کی تسبیح بیان کیجئے۔

حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے جب فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے اپنے رکوع میں رکھ لو'' اور جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ﴿۱﴾ نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اسے اپنے سجدہ میں رکھ لو'' (1) اسے ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، ما یقول الرجل فی رکوعہ و سجودہ، جلد 1، صفحہ 126

سورۃ الحدید

آیاتہا ۲۹ — ۵۷ سورۃ الحدید مدنیۃ ۹۴ — رکوعاتہا ۴

تمام کے قول میں یہ سورت مدنی ہے، اس کی انتیس آیات ہیں۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے مسبحات سورتیں پڑھا کرتے تھے (1)، ان میں ایک ایسی آیت ہے جو ہزار آیتوں پر فضیلت رکھتی ہے۔ مسبحات سورتوں سے مراد سورۃ الحدید، سورۃ الحشر، سورۃ الصف، سورۃ الجمعہ اور سورۃ التغابن ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

''اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہی ہے ہر چیز جو آسمان اور زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے اسی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، وہ زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے۔ وہی اوّل، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کی اور ہر عیب سے اس کی پاکی بیان کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آسمانوں میں جو کچھ ہے یعنی فرشتے اور زمین میں جو کچھ ہے جس میں روح ہو یا نہ ہو اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کا اظہار کیا اور نماز پڑھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد تسبیح دلالت ہے۔ زجاج نے اس کا انکار کیا اور کہا: اگر مراد تسبیح دلالت اور صنعت کے آثار کا ظہور تھا تو یہ ایسی چیز تھی جس کو عقل میں سمجھنا تھا تو یہ کیوں فرمایا: **وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ** (الاسراء:44) یہ تسبیح قول ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا گیا ہے: **وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ** (الانبیاء:49) اگر یہ تسبیح دلالت تھی تو حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے کیا تخصیص ہوگی؟

میں کہتا ہوں: انہوں نے جو ذکر کیا ہے وہ صحیح ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو سبحان میں اللہ تعالیٰ کے فرمان **وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ** (الاسراء:44) کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ **وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ** ۝

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت صرف اس کے لیے ہے۔ ملک سے مراد ملکیت اور امر

1۔ جامع ترمذی، فضائل القرآن، جلد 2، صفحہ 116

کا نافذ ہونا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ملک، قادر اور غالب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد بارش، نبات اور تمام رزق کے خزانے ہیں۔

یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ وہ دنیا میں زندوں کو مارتا ہے اور مردوں کو دوبارہ اٹھانے کے لیے زندہ کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ نطفہ کو زندہ کرتا ہے جب کہ وہ مردہ ہوتا ہے اور زندوں کو موت عطا کرتا ہے۔ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ محل رفع میں ہے تقدیر کلام یہ ہے ھویحیی و یمیت۔ یہ بھی جائز ہے کہ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ محل رفع میں ہے، تقدیر کلام یہ ہے ھویحیی و یمیت۔ یہ بھی جائز ہے کہ محییا و ممیتا کے معنی میں حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یہ لہ کی ضمیر سے حال ہے اور جار اس میں عامل ہے۔ وَ هُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔

هُوَ الۡاَوَّلُ وَ الۡاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الۡبَاطِنُ اسماء کے معانی میں اختلاف ہے ہم نے انہیں الکتاب الاسنی میں بیان کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ایسی وضاحت فرمائی ہے جو ہر قول سے غنی کر دیتی ہے (1)۔ صحیح مسلم میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے۔ ''اے اللہ! تو اول ہے تجھ سے قبل کوئی چیز نہیں، تو آخر ہے تیرے بعد کوئی چیز نہیں، تو ظاہر (غالب) ہے تیرے اوپر کوئی چیز نہیں، تو باطن ہے تجھ سے دور کوئی چیز نہیں ہمارے قرضوں کو ادا کرنے کے اسباب پیدا فرما اور ہمیں فقر سے غنی کر دے''۔ یہاں ظاہر سے مراد غالب ہے اور باطن سے مراد عالم ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ هُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۳﴾ یعنی جو کچھ ہونے والا ہے اور جو کچھ بعد میں ہوگا ان میں سے کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ؕ یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا یَخۡرُجُ مِنۡهَا وَ مَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعۡرُجُ فِیۡهَا ؕ وَ هُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۴﴾ لَهٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ اِلَی اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۵﴾ یُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوۡلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیۡلِ ؕ وَ هُوَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۶﴾

''وہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا تخت حکومت پر، وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس کی طرف عروج کرتا ہے، اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہو اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو (اسے) خوب دیکھنے والا ہے اسی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، اور اللہ کی طرف ہی سارے کام لوٹائے جائیں گے، داخل فرماتا ہے رات (کا کچھ حصہ) دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کا کچھ حصہ) رات میں اور وہ خوب جانتا ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے''۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ، مایقول عند النوم، جلد 2، صفحہ 348

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اس کی وضاحت سورۃ الاعراف میں مفصل گزر چکی ہے۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ یعنی بارش وغیرہ (1) جو زمین میں داخل ہوتی ہے وَ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مراد نباتات وغیرہ ہے (2)۔ وَ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ یعنی رزق، بارش اور فرشتے۔ وَ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا جو آسمانوں کی طرف بلند ہوتے ہیں جیسے فرشتے اور بندوں کے اعمال۔ وَهُوَ مَعَكُمْ یعنی اپنی قدرت، سلطان اور علم کے ذریعے تمہارے ساتھ ہے۔ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھتا ہے اور اس پر کوئی چیز مخفی نہیں (3) اس آیت میں اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اور وَ هُوَ مَعَكُمْ کو جمع کر دیا گیا ہے دونوں کے ظاہر کو لیا جائے تو تناقص واقع ہوتا ہے اس لیے تاویل ضروری ہے، تاویل سے اعراض تناقص کو تسلیم کرنا ہے۔ امام ابو المعالی نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ المعراج کو حضرت یونس علیہ السلام کی بنسبت اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب نہ تھے جب کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں تھے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ تکرار تاکید کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی حقیقت میں معبود ہے۔ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ امور سے مراد آخرت میں مخلوقات کے امور ہیں۔ حضرت حسن بصری، اعرج، یعقوب، ابن عامر، ابو حیوہ، ابن محیصن، حمید، اعمش، حمزہ، کسائی اور خلف نے تَرْجِعُ پڑھا ہے (4)، باقی قراء نے تُرْجَعُ پڑھا ہے۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ سورۂ آل عمران میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ وَ هُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اس پر ضمائر مخفی نہیں، جس کی یہ صفت ہو تو جائز نہیں کہ اس کے غیر کی عبادت کی جائے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ اَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ وَ مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَ قَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

"ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو (اس کی راہ میں) ان مالوں سے جن میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے، پس جو لوگ ایمان لائے تم میں سے اور (راہ خدا میں) خرچ کرتے رہے ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے، حالانکہ (اس کا) رسول دعوت دے رہا ہے تمہیں کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ بھی لے چکا ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ وہی ہے جو نازل فرما رہا ہے اپنے (محبوب) بندہ پر روشن آیتیں تاکہ تمہیں نکال لے (کفر کے) اندھیروں سے (ایمان کے) نور کی طرف، اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بڑی شفقت فرمانے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے"۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 470 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 258

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ یعنی اس امر کی تصدیق کرو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ وَ اَنْفِقُوْا اور صدقہ کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد فرض زکوۃ ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد فرض زکوٰۃ کے علاوہ طاعات کی صورتیں ہیں (2) اور وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کرتی ہیں۔

مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ یہ دلیل ہے کہ اصل ملک اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بندے کا صرف اتنا کام ہے کہ وہ اس میں ایسا تصرف کرے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو راضی کرے اور اس پر اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا فرمائے۔ جس نے ان اموال میں سے حقوق اللہ میں خرچ کیا اور اس پر ان میں سے انفاق آسان ہوا جس طرح ایک آدمی کے لیے غیر کے مال میں سے مال خرچ کرنا آسان ہوتا ہے جب وہ اسے خرچ کرنے کی اجازت دے تو اس کے لیے بڑا ثواب اور اجر عظیم ہوگا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ سے مراد ہے کہ تمہیں تمہارے پہلوں کے مال کا وارث بنا دیتا ہے۔ یہ چیز اس امر پر دال ہے کہ یہ اموال حقیقت میں تمہارے نہیں تم تو صرف ان میں نائب اور وکیل ہو تو تم اس فرصت کو غنیمت سمجھو کہ قبل اس کے کہ یہ مال تمہارے ہاتھ سے نکل کر تمہارے بعد تک جا پہنچیں تم اس میں حق بجا لاؤ۔ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ اَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِیْرٌ۝ تم میں سے جو ایمان لائے اور جس نے اعمال صالحہ کیے، اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا ان کے لیے جنت ہے۔

وَ مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ یہ استفہام ہے مراد توبیخ ہے یعنی ایمان نہ لانے کا تمہارے پاس کیا عذر ہے جب کہ تمام رکاوٹیں ختم ہو چکی ہیں وَ الرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ اس کے ساتھ یہ واضح کیا کہ شرائع کے وارد ہونے سے پہلے کوئی حکم نہیں۔ ابو عمرو نے اسے پڑھا وَ قَدْ اُخِذَ مِیْثَاقُكُمْ، اخذ فعل مجہول ہے باقی قراء نے اسے معروف پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تم سے پختہ وعدہ لیا ہے کہ تم میں عقلیں رکھیں اور تم پر دلائل اور حجتیں قائم کیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی طرف لے جاتی ہیں اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۝ یہاں اِنْ، اذ کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر تم حجتوں اور دلائل پر ایمان رکھتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر تم کسی روز حق پر ایمان رکھتے ہو تو آج سب سے مناسب وقت ہے کہ تم ایمان لے آؤ کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے دلائل قائم ہو چکے ہیں پس اس کے دلائل صحیح ثابت ہو گئے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر تم اللہ تعالیٰ جو تمہارا خالق ہے اس پر ایمان رکھتے ہو۔ وہ اس چیز کا اعتراف کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ ایسی قوم کو خطاب ہے جو ایمان لائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وعدہ لیا بعد میں وہ مرتد ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۝ سے مراد ہے اگر تم ایمان کی شرائط کا اقرار کرتے ہو۔

هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ مراد قرآن حکیم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد معجزات ہیں یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا تم پر لازم ہے کیونکہ اس کے ساتھ معجزات ہیں اور قرآن حکیم ان میں سے سب سے بڑا معجزہ ہے۔ لِّیُخْرِجَكُمْ تاکہ تمہیں قرآن کے ساتھ نکالے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہیں رسول کے ساتھ نکالے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہیں موت کے ساتھ نکالے۔ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اس سے مراد شرک اور کفر ہے۔ اِلَى النُّوْرِ اس سے مراد ایمان ہے(3)۔ وَ اِنَّ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 471　2۔ ایضاً　3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 259

اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑨

وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ۭ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ۭ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑩

”آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خرچ نہیں کرتے (اپنے مال) راہ خدا میں حالانکہ الله تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کا وارث ہے۔ تم میں سے کوئی برابری نہیں کر سکتا ان کی جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے (راہ خدا میں) مال خرچ کیا اور جنگ کی، ان کا درجہ بہت بڑا ہے ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا اور جنگ کی، (ویسے تو) سب کے ساتھ الله نے وعدہ کیا ہے بھلائی کا اور الله تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے بخوبی خبردار ہے“۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی وہ کون سی چیز ہے جو تمہیں الله تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتی ہے اور ایسا کام کرنے سے روکتی ہے جو تمہیں الله تعالیٰ کا قرب عطا کرے جب کہ تم مر رہے ہو اور اپنے مال پیچھے چھوڑے جا رہے ہو جبکہ یہ مال الله تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ کلام کا معنی خرچ نہ کرنے پر شرمندہ کرنا ہے۔ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یعنی جب ان دونوں میں رہنے والے ختم ہو جائیں گے تو یہ الله تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں جس طرح میراث اپنے مستحق کی طرف لوٹ جاتی ہے(1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ فتح سے مراد فتح مکہ ہے(2)۔ شعبی اور زہری نے کہا: مراد صلح حدیبیہ ہے(3)۔ قتادہ نے کہا: دونوں قتال تھے ان دونوں میں سے ایک دوسرے سے افضل تھا، دو نفقات تھے دونوں میں سے ایک دوسرے سے افضل تھا۔ فتح مکہ سے پہلے قتال اور مال خرچ کرنا اس کے بعد قتال اور مال خرچ کرنے سے افضل تھا۔ اس کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہے لا یستوی منکم من أنفق من قبل الفتح و قاتل و من أنفق من بعد الفتح و قاتل اسے حذف کیا گیا ہے کیونکہ کلام اس محذوف پر دال ہے۔ فتح سے پہلے نفقہ عظیم تھا کیونکہ لوگوں کی ضرورت زیادہ تھی کیونکہ اسلام کمزور تھا اور خرچ کرنے والوں پر یہ عمل زیادہ شاق تھا اور اجر تھکاوٹ کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ الله تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اشہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے: مناسب یہ ہے کہ اہل فضل اور اہل عزم کو مقدم رکھا جائے، الله تعالیٰ کا فرمان ہے لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ۔

کلبی نے کہا: یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور تقدیم پر واضح دلیل ہے کیونکہ یہ پہلے وہ شخص ہیں جو اسلام لائے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: سب سے پہلے جس

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 471 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

نے اپنی تلوار کے ساتھ اسلام کی مدد کی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے اور حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنا مال خرچ کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود تھا جب کہ حضرت ابوبکر صدیق آپ کے پاس حاضر تھے ان پر ٹاٹ کا لباس تھا انہوں نے اپنے سینے پر کانٹوں کے بٹن لگائے ہوئے تھے۔ حضرت جبرئیل امین حاضر ہوئے عرض کی: اے اللہ کے نبی! کیا وجہ ہے میں حضرت ابوبکر صدیق پر ایسی عباء دیکھتا ہوں کہ انہوں نے اپنے سینے پر اس میں کانٹوں کے بٹن لگائے ہوئے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''انہوں نے فتح سے پہلے اپنا مال مجھ پر خرچ کیا ہے''(1)۔ حضرت جبرئیل امین نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو ارشاد فرماتا ہے ابوبکر کو سلام کہیں اور اس سے پوچھیں کیا تو اس فقر کے عالم میں راضی ہے یا ناراض ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے ابا بکر! اللہ تعالیٰ تجھے سلام فرماتا ہے اور کہتا ہے کیا تو اپنے فقر میں راضی ہے یا ناراض ہے؟'' حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی: کیا میں اپنے رب پر ناراض ہو سکتا ہوں؟ میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے ارشاد فرماتا ہے میں تجھ سے اسی طرح راضی ہوں جس طرح تو مجھ سے راضی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رونے لگے حضرت جبرئیل امین نے عرض کی: اے محمد! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے حاملین عرش نے بھی اس وقت سے ایسی عبائیں پہنی ہوئی ہیں جن میں کانٹوں کے بٹن ہیں جب سے آپ کے اس دوست نے ایسی عبا پہنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ اپنے آپ پر آپ کو مقدم کرتے اور ان کے لیے تقدم اور سبقت کا اقرار کرتے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم سبقت لے گئے، دوسرا نمبر حضرت ابوبکر صدیق کا ہے اور تیسرا حضرت عمر کا ہے میرے پاس کوئی آدمی نہیں لایا جائے گا جو مجھے حضرت ابوبکر صدیق پر فضیلت دے گا تو میں اس پر افتراء باندھنے والے کی حد جاری کروں گا، اس کو اسی کوڑے ماروں گا، شہادت رد کر دوں گا۔ متقدمین نے متاخرین سے زیادہ مشقتیں اٹھائیں، ان کی بصیرت بھی زیادہ قوی تھیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ تقدم و تاخر دنیا کے احکام میں ہوتا ہے جہاں تک دین کے احکام کا تعلق ہے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم لوگوں کو ان کی منازل میں رکھیں رتبہ کے اعتبار سے سب سے عظیم منزل نماز ہے(2)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض وصال میں فرمایا: ''ابوبکر کو حکم دو وہ لوگوں کو نماز پڑھائے''۔ فرمایا: لوگوں کی امامت وہ کرائے جو ان میں سے کتاب اللہ کو زیادہ پڑھنے والا ہو(3)۔ فرمایا: ''تم دونوں میں سے بڑا تمہاری امامت کرائے''(4)۔ یہ حضرت مالک بن حویرث سے مروی ہے اور یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ امام بخاری اور دوسرے علماء نے یہ سمجھا کہ مراد مقام و مرتبہ کے اعتبار سے بڑا ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ولاء بڑے کے لیے ہے'' یہاں کبر سے مراد عمر میں بڑا نہیں۔ امام مالک اور دوسرے علماء نے کہا: عمر کا حق ہے۔ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ نے کہا: ''وہ مراعات کا زیادہ حق رکھتا ہے

1۔ اسباب النزول، صفحہ 210، حدیث 785
2۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، جلد 1، صفحہ 93
3۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 96
4۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 94-95

کیونکہ جب علم اور عمر جمع ہو جائیں تو عالم کو مقدم رکھا جائے گا۔ جہاں تک دنیا کے احکام کا تعلق ہے وہ احکام دین پر مرتب ہیں جسے دین میں مقدم کیا جائے گا اسے دنیا میں مقدم کیا جائے گا۔ آثار میں ہے: ''جو آدمی ہمارے بڑے کی عزت نہ کرے، ہمارے چھوٹے پر شفقت نہ کرے اور ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے وہ ہم میں سے نہیں'' (1)۔ افراد کے بارے میں جو حدیث ثابت ہے اس میں ہے ''کوئی نوجوان کسی بوڑھے کی اس کی عمر کی وجہ سے تعظیم بجا نہیں لاتا مگر اس کے بڑھاپے کے وقت الله تعالیٰ ایسا آدمی مقرر کر دیتا ہے جو اس کی عزت کرتا ہے'' (2)۔ علماء ان اشعار کو پڑھتے ہیں:

أذكر إذا شئتَ أن تُعِيرَهُمُ جَدَّكَ واذكر أباكَ يا بن أخِ

واعلم بأن الشباب منسلِخٌ عنك وما وِزْرُهُ بمنسلِخِ

من لايعزّ الشيوخ لا بلغتْ يومًا به سِنُّه إلى الشَّيَخِ

جب تو بوڑھوں کو عار دلانا چاہے تو اپنے دادا کو یاد کر اور اپنے باپ کو یاد کر، اے بھتیجے! جان لے تجھ سے جوانی جانے والی ہے اور اس کا بوجھ جانے والا نہیں۔ جو آدمی بزرگوں کی عزت نہیں کرتا اس کی عمر ایک روز اسے بڑھاپے کی عمر تک پہنچانے والی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى، کُلًّا سے مراد آگے بڑھنے والے رکنے والے، اور سبقت لے جانے، پیچھے آنے والے اور لاحق ہونے والے ہیں الله تعالیٰ نے سب سے وعدہ کیا ہے اگرچہ ان کے درجات مختلف ہیں۔ ابن عامر نے کل کو مرفوع پڑھا ہے اسی طرح اہل شام کے مصاحف میں یہ مرقوم ہے۔ باقی قراء نے اسے کلا پڑھا ہے جس طرح ان کے مصاحف میں ہے جس نے اسے منصوب پڑھا ہے اس کے نزدیک یہ مفعول بہ ہے یعنی الله تعالیٰ نے ہر کسی کے ساتھ حسنیٰ کا وعدہ کیا ہے۔ جس نے اسے مرفوع پڑھا ہے تو کیونکہ جب مفعول مقدم ہو تو فعل کا عمل کمزور ہو جاتا ہے تو اس صورت میں ضمیر محذوف ہو گی یعنی وعدہ۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَ لَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۱﴾ یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۲﴾

''کون ہے جو (اپنا مال) الله تعالیٰ کو (بطور) قرضہ حسنہ دے اور الله تعالیٰ کئی گناہ بڑھا دے اس کے مال کو اس کے لیے (اس کے علاوہ) اسے شاندار اجر بھی ملے گا۔ جس روز آپ دیکھیں گے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو کہ ضوفشانی کر رہا ہو گا ان کا نور ان کے آگے بھی ان کی دائیں جانب بھی (مومنو!) تمہیں مژدہ ہو آج ان باغوں کا، بہہ رہی ہیں جن کے نیچے نہریں تم ہمیشہ وہاں رہو گے، یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے''۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا الله کی راہ میں خرچ کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس

1۔ مجمع الزوائد، کتاب الادب، توقیر الکبیر، جلد 8، صفحہ 33، حدیث 12610

2۔ جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، ما جاء فی اجلال الکبیر، جلد 2، صفحہ 23

بارے میں گفتگو گزر چکی ہے جو آدمی بھی کوئی اچھا عمل کرے عرب اس کے بارے میں کہتے ہیں: قد أقرض؛ شاعر نے کہا:

وإذا جوزیت قرضا فأجزہ (1)

جب تیرے ساتھ حسن سلوک کیا جائے تو اس کا بدلہ دے۔

اسے قرض کا نام دیا گیا کیونکہ قرض بدل واپس لینے کے لیے دیا جاتا ہے یعنی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے کئی گناہ بدل عطا فرماتا ہے۔ کلبی نے کہا: قرض سے مراد صدقہ ہے، حسنا سے مراد ہے وہ دل سے ثواب کی نیت رکھتا ہو، وہ احسان جتلانے اور اذیت دینے کا کوئی ارادہ نہ رکھتا ہو۔

فَيُضٰعِفَهٗ یعنی سات گنا سے سات سو گنا تک جتنا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے (2): قرض حسن سے مراد ہے کہ وہ اپنی زبان سے یہ کہے سبحان الله، الحمد لله، لا إله إلا الله، الله اکبر یہ سفیان نے ابوحیان سے روایت نقل کی۔ زید بن اسلم نے کہا: مراد اپنے گھر والوں پر مال خرچ کرنا ہے (3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مراد نفلی عبادت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد عمل خیر ہے (4)؛ عرب کہتے ہیں: لی عند فلان قراض و قراض سوء۔ قشیری نے کہا: قرض حسن سے مراد ہے کہ صدقہ کرنے والا، سچی نیت اور پاکیزہ نفس سے صدقہ کرے وہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو وہ ریا کاری اور شہرت کا خواہش مند نہ ہو، وہ مال حلال کا ہو۔ قرض حسن یہ ہے کہ وہ ردی چیز کا قصد نہ کرے کہ وہ اسے صدقہ کر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ (البقرہ: 267) وہ اس وقت صدقہ کرے جب اسے زندگی کی امید ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہترین صدقہ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: ”تو صدقہ کرے جب کہ تو صحت مند ہو، بخل موجود ہو، تو زندگی کی امید رکھتا ہو، تو اسے موخر نہ کیے رکھ یہاں تک کہ سانس ہنسلی کی ہڈی تک آپہنچے تو تو کہے فلاں کے لیے اتنا، فلاں کے لیے اتنا“ (5)۔ وہ اپنے صدقہ کو مخفی رکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (البقرہ: 264) وہ جو کچھ دے رہا ہے اسے حقیر جانے کیونکہ تمام دنیا قلیل ہے، جو مال دے وہ اس کا محبوب ترین مال ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران: 92) وہ بہت زیادہ ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”بہترین غلام وہ ہے جس کی قیمت زیادہ ہو اور مالکوں کے نزدیک زیادہ نفیس ہو“ (6)۔

فَيُضٰعِفَهٗ ابن کثیر اور ابن عامر نے فیضعفه پڑھا ہے یعنی الف کو ساقط کر دیا ہے مگر ابن عامر اور یعقوب نے فاء کو نصب دی ہے۔ نافع اور اہل کوفہ اور اہل بصرہ نے فیضاعفه پڑھا ہے یعنی الف کے ساتھ اور عین کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے مگر عاصم نے فاء کو نصب دی ہے باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے یہ یقرض پر معطوف ہے۔ نصب کی صورت میں یہ استفہام کا جواب ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس بارے میں قول مفصل گزر چکا ہے۔ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۱﴾ اس سے مراد جنت ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 472 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

5۔ صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ، فضل صدقة الشحیح الصحیح، جلد 1، صفحہ 191-190

6۔ موطا امام مالک، العتق والولاء، فضل عتق الرقاب وعتق الزانیة، صفحہ 542

یَوۡمَ تَرَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ یوم میں عامل وَلَهٗۤ اَجۡرٌ کَرِیۡمٌ ﴿۱۱﴾ ہے کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہے وله أجر كريم في يوم ترى فيه المؤمنين والمؤمنات يسعى نورهم یعنی وہ پل صراط پر سے گزریں گے۔ بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ یعنی ان کے سامنے وَبِاَیۡمَانِهِمۡ فراء نے کہا: باء، فی کے معنی میں ہے یا یہ عن کے معنی میں ہے۔ ضحاک نے کہا: نُوۡرُهُمۡ سے مراد ان کی ہدایت ہے وَبِاَیۡمَانِهِمۡ سے مراد ان کی کتب ہیں؛ طبری نے اسے پسند کیا ہے، یعنی ان کا ایمان اور عمل صالح ان کے سامنے ہوگا اوروں کے ہاتھوں میں ان کے اعمال کی کتابیں ہوں گی (1)۔ اس تعبیر کی بنا پر ھذا، فی کے معنی میں ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر وقف نہ کیا جائے۔ سہل بن سعد ساعدی اور ابو حیوہ نے بایمانهم الف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا مراد وہ ایمان لیا ہے (2) جو کفر کی ضد ہے اور جو ظرف نہیں اس کا عطف ظرف پر ہے کیونکہ ظرف کا معنی حال ہے یہ محذوف کے متعلق ہے معنی ہوگا یسعی كائنا بين أيديهم و كائنا بأيمانهم، بين أيديهم کا قول یسعی کی ذات کے متعلق نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نور سے مراد قرآن ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ان کو ان کے اعمال کے مطابق نور عطا کیا جائے گا (3)، ان میں سے کوئی ایسا ہوگا جس کو نور کھجور کے درخت جیسا دیا جائے گا اور ان میں سے کوئی ایسا ہوگا جس کو نور کھڑے آدمی کی طرح دیا جائے گا، ان میں سے سب سے کم نور والا وہ ہوگا جس کے پاؤں کے انگوٹھے میں نور ہوگا جو کسی وقت بھی بجھ جائے گا اور کسی وقت روشن ہو جائے گا۔ قتادہ نے کہا: ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مومنوں میں سے کچھ مومن ایسے ہوں گے جن کا نور مدینہ اور عدن کے درمیان کا علاقہ روشن کر دے گا یا مدینہ طیبہ اور صنعاء کے درمیان کا علاقہ منور کر دے گا یہاں تک کہ ان میں سے ایک ایسا مومن بھی ہوگا جس کا نور صرف اس کے قدموں کی جگہ کو روشن کرے گا''۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ''تا کہ وہ اس نور کے ساتھ صراط پر روشنی حاصل کریں''۔ جس طرح پہلے بات گزر چکی ہے۔ مقاتل نے کہا: ''تا کہ یہ جنت کی طرف ان کے لیے راہنما بن جائے''۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

بُشۡرٰىکُمُ الۡیَوۡمَ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ تقدیر کلام یہ ہے يقال لهم بشراكم اليوم یعنی قول محذوف ہے۔ یعنی آج تمہیں جنات میں داخل ہونے کی بشارت ہے۔ مضاف کو حذف کرنا ضروری ہے کیونکہ بشری امر حدثی ہے اور جنت عینی چیز ہے اس لیے بشری تو جنت نہیں ہو سکتی۔ ان کی رہائشوں کے نیچے دودھ، پانی، شراب اور شہد کی نہریں رواں ہوں گی۔

خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا یہ دخول محذوف سے حال ہے، تقدیر کلام یہ ہے بشراكم اليوم دخول جنات تجري من تحتها الانهار اس میں ہمیشہ رہنا مقدر کر دیا گیا ہے یہ بُشۡرٰىکُمُ سے حال نہیں کیونکہ صلہ اور موصول کے درمیان فاصلہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ بشری جس پر دلالت کر رہا ہے اس سے حال ہو گویا کہا: تبشرون خالدين۔ یہ بھی جائز ہے کہ ظرف جو اليوم ہے یہ بشراكم کی خبر ہو اور جنات یہ بشری سے بدل ہو اور مضاف محذوف ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ خٰلِدِیۡنَ حال ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ فراء نے جنات پر نصب کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ حال ہے اس شرط پر کہ الۡیَوۡمَ، بُشۡرٰىکُمُ کی خبر ہے جب کہ یہ بعید ہے کیونکہ جنات میں فعل کا معنی موجود نہیں اس امر کو جائز قرار دیا کہ بُشۡرٰىکُمُ منصوب ہو معنی یہ ہے

1۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 260 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 261 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 473

یبشرہم بشرای اور جنات کو نصب بشرای کی وجہ سے ہو اس صورت میں صلہ اور موصول میں فرق ہوگا۔

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَ لٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَ تَرَبَّصْتُمْ وَ ارْتَبْتُمْ وَ غَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّ لَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

''اس روز کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے (اے نیک بختو!) ذرا ہمارا بھی انتظار کرو ہم بھی روشنی حاصل کر لیں تمہارے نور سے (انہیں) کہا جائے گا لوٹ جاؤ پیچھے کی طرف اور (وہاں) نور تلاش کرو، پس کھڑی کر دی جائے گی ان کے اور اہل ایمان کے درمیان ایک دیوار جس کا ایک دروازہ ہوگا اس کے باطن میں رحمت اور اس کے ظاہر کی جانب عذاب ہوگا۔ منافق پکاریں گے اہل ایمان کو کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے، کہیں گے بے شک! لیکن تم نے اپنے آپ کو خود فتنوں میں ڈال دیا اور (ہماری تباہی کا) انتظار کرتے رہے اور شک میں مبتلا رہے اور دھوکہ میں ڈال دیا تمہیں جھوٹی امیدوں نے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان آ پہنچا اور دھوکہ دیا تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں شیطان (دغاباز) نے۔ پس آج نہ تم سے فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کفار سے، تم (سب کا) ٹھکانا آتش (جہنم) ہے، وہ تمہاری رفیق ہے اور بہت بری جگہ ہے لوٹنے کی''۔

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ، يَوْمَ میں عامل ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ پہلے یوم سے بدل ہے(1)۔ انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ عام قرأت ہمزہ وصلی اور ظاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ یہ نظر سے مشتق ہے۔ نظر، انتظار کے معنی میں ہے یعنی ہمارا انتظار کیجئے۔ اعمش، حمزہ اور یحییٰ بن وثاب نے اَنْظِرُوْنَا الف قطعی اور ظاء کے کسر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ انظار سے مشتق ہے یعنی ہمیں مہلت دو۔ انظرته میں نے اسے مہلت دی، استنظرته میں نے اس سے مہلت طلب کی۔ فراء نے کہا: عرب کہتے انظرنی انتظرنی اور عمرو بن کلثوم کا شعر پڑھا:

أبا هِنْدٍ فلا تَعْجَلْ عَلَيْنَا وأَنْظِرْنَا نُخَبِّرْكَ الْيَقِيْنَا(2)

اے ابو ہند! ہم پر جلدی نہ کرو، ہمارا انتظار کرو ہم تجھے یقینی خبر دیتے ہیں۔

شعر میں انظرنا، انتظرنا کے معنی میں ہے۔

نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ہم تمہارے نور سے روشنی حاصل کرتے ہیں(3)۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابو امامہ نے کہا:

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 261 | 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 262 | 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 474

قیامت کے روز لوگوں پر ظلمت چھا جائے گی۔ ماوردی نے کہا: میں گمان کرتا ہوں۔ یہ فیصلہ کے بعد ہوگا۔ پھر انہیں نور عطا کیا جائے گا جس میں وہ چلیں گے۔ مفسرین نے کہا: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مومنوں کو ان کے اعمال کے مناسب نور عطا فرمائے گا جس کی مدد سے وہ صراط پر چلیں گے۔ منافقوں کو نور دیا جائے گا انہیں دھوکہ دینے کے لیے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَ هُوَ خَادِعُهُمْ (النساء:142) ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں نور دیا جائے گا کیونکہ ان میں سے سب اہل دعوت تھے کافروں کو نور نہیں دیا جائے گا (1)۔

پھر منافق کا نور اس کے نفاق کی وجہ سے سلب کر لیا جائے گا؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ حضرت ابوامامہ نے کہا: مومن کو نور دیا جائے گا اور کفار و منافق کو نور کے بغیر چھوڑ دیا جائے گا۔ کلبی نے کہا: منافق مومنوں کے لیے نور سے روشنی حاصل کرنا چاہیں گے انہیں نور نہیں دیا جائے گا اسی اثناء میں کہ وہ چل رہے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ان میں ہوا اور تاریکی بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ منافقوں کے نور کو بجھا دے گا؛ اللہ تعالیٰ کے فرمان رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا (التحریم:8) کا یہی مصداق ہے۔ یہ مومن عرض کریں گے کیونکہ انہیں ڈر ہوگا کہ کہیں ان کا نور بھی سلب نہ کر لیا جائے جس طرح منافقوں کا نور سلب کیا گیا۔ جب منافق تاریکی میں رہیں گے تو وہ اپنی قدموں کی جگہ کو بھی نہ دیکھیں گے تو وہ مومنوں سے کہیں گے: انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ۔

قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فرشتے انہیں کہیں گے: واپس پلٹ جاؤ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بات مومن انہیں کہیں گے کہ اس جگہ کی طرف لوٹ جاؤ جہاں سے ہم نے نور حاصل کیا ہے وہاں سے اپنے لیے نور حاصل کرو کیونکہ تم ہمارے نور سے کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ جب وہ نور کی تلاش میں واپس پلٹیں گے تو درمیان میں دیوار بنا دی جائے گی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے تم نے دنیا سے اپنا نور کیوں طلب نہیں کیا کہ تم ایمان لاتے۔ بِسُوْرٍ یعنی سور میں باء زائدہ ہے، یہ نسائی کا قول ہے۔ سور یہ جنت اور دوزخ کے درمیان آڑ ہوگی۔ ایک روایت یہ کی گئی ہے کہ "وہ دیوار بیت المقدس میں ہوگی یہ اس جگہ ہوگی جو وادی جہنم کے نام سے معروف ہے"۔

بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ جس جانب مومن ہوں گے وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ یعنی جس جانب منافق ہوں گے۔

کعب الاحبار نے کہا: مراد وہ دروازہ ہے جو بیت المقدس میں ہے جو باب رحمت کے نام سے معروف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا: یہ بیت المقدس کی مشرقی دیوار ہے جس کی اندر کی جانب رحمت ہے اور باہر کی جانب جہنم ہے؛ اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ زیاد بن ابی سوادہ نے کہا: حضرت عبادہ بن صامت بیت المقدس کی مشرقی دیوار پر کھڑے ہوئے اور رو دیے اور کہا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی کہ آپ نے یہاں سے جہنم کو دیکھا۔ قتادہ نے کہا: یہ جنت اور دوزخ کے درمیان دیوار ہے۔ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ رحمت سے مراد جنت ہے وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ عذاب سے مراد جہنم ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ حجاب ہے جس طرح سورۂ اعراف میں ہے، اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 474

بے شک رحمت جس کے باطن میں سے مراد مومنین کا نور ہے اور عذاب جس کے ظاہر میں سے مراد منافقین کی تاریکی ہے۔

یُنَادُوْنَهُمْ منافق مومنوں کو ندا دیں گے۔ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ کیا وہ دنیا میں تمہارے ساتھ نہ تھے یعنی ہم نماز پڑھتے تھے جس طرح تم نماز پڑھتے تھے، ہم جہاد کرتے جس طرح تم جہاد کیا کرتے تھے اور ہم وہی کام کیا کرتے تھے جس طرح تم کیا کرتے تھے (1)۔ قَالُوْا بَلٰى مومن کہیں گے: کیوں نہیں تم ظاہراً ہمارے ساتھ تھے وَ لٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ یعنی تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں مبتلا کیا۔ مجاہد نے کہا: تم نے نفاق کے ساتھ اپنے آپ کو ہلاک کیا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا: معاصی کے ساتھ اپنے آپ کو ہلاک کیا (3)؛ یہ ابو سنان کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شہوات اور لذات کے ساتھ ہلاک کیا (4)، یہ ابونمیر ہمدانی نے روایت کیا ہے۔

وَ تَرَبَّصْتُمْ وَ ارْتَبْتُمْ تم نے نبی کریم ﷺ کی موت اور مومنین کے لیے حادثات زمانہ کا انتظار کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم نے توبہ کا انتظار کیا اور توحید و نبوت میں شک کیا (5)۔ وَ غَرَّتْكُمُ الْاَمَانِیُّ باطل چیزوں نے تمہیں دھوکہ میں مبتلا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لمبی امیدوں نے تمہیں دھوکہ میں مبتلا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے جو مومنوں کو کمزور ہونے اور اس کے بارے میں مصائب کے نازل ہونے کی آرزو رکھتے تھے۔ قتادہ نے کہا: یہاں أمانی سے مراد شیطان کا دھوکہ ہے (6)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد دنیا ہے؛ یہ حضرت عبد اللہ بن عباس کا قول ہے۔ ابو سنان نے کہا: مراد ان کا یہ قول ہے (7) سیغفر لنا ہلال بن سعد نے کہا: تیرا اپنی نیکیوں کو یاد کرنا اور اپنی برائیوں کو بھلا دینا یہ دھوکہ ہے۔

حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ مراد موت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اپنے نبی کی مدد ہے۔ قتادہ نے کہا: مراد انہیں جہنم میں پھینکنا ہے۔ وَ غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ⑭ یعنی شیطان نے تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکہ میں مبتلا کر دیا ہے؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد دنیا ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ بعض علماء نے کہا: باقی کے لیے ماضی میں عبرت ہے بعد والے کے لیے پہلے میں جھڑک ہے۔ سعید وہ ہے جو طمع سے دھوکہ میں مبتلا نہ ہو اور دھوکہ دینے والی چیزوں کی طرف مائل نہ ہو۔ جو موت کو یاد کرتا ہے آرزو کو بھول جاتا ہے، جو امید کو لمبا کرتا ہے عمل کو بھول جاتا ہے اور موت سے غافل ہو جاتا ہے۔ غرور کا لفظ مبالغہ کا وزن ہے مقصود کثرت کا اظہار ہے۔ ابوحیوہ، محمد بن سمیقع اور سماک بن حرب نے غُرُور پڑھا ہے یعنی غین پر ضمہ ہے۔ مراد باطل امور ہیں یہ مصدر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم ﷺ نے ہمارے لیے خط لگائے اور ایک ان سے ایک جانب لگایا فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ یہ انسان اور اس کی تمنا کی مثال ہے، وہ خطوط درمیان میں امیدیں ہیں اسی اثناء میں کہ وہ تمنا کرتا ہے تو اسے موت آجاتی ہے“ (8)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مربع خط لگایا اس کے درمیان ایک خط لگایا اور اسے مربع سے باہر نکالا، اس کی دائیں بائیں چھوٹے خطوط لگائے فرمایا: ”یہ انسان ہے، یہ اس کی موت ہے جو اس کو ہر طرف

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 476　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً　5۔ ایضاً
6۔ ایضاً　7۔ ایضاً　8۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، الأمل والأجل، صفحہ 322

سے گھیرے ہوئے ہے، یہ اس کی آرزو ہے جو اس کی موت سے باہر نکل رہی ہے، یہ چھوٹے خطوط آفتیں ہیں اگر یہ خطا جائے تو دوسری اسے نوچ لیتی ہے اگر دوسری خطا جائے تو یہ اسے اپنی گرفت میں لے لیتی ہے''۔

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ خطاب منافقوں کو ہے وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا انہیں نجات سے مایوس کر دیا۔ عام قرأت یوخذ ہے کیونکہ فدیہ مؤنث غیر حقیقی ہے کیونکہ اس کے درمیان اور فعل کے درمیان فاصلہ ہے۔ ابن عامر اور یعقوب نے تُؤخذ پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے اسے ہی اختیار کیا ہے کیونکہ فدیہ مؤنث ہے پہلی قرأت کو ابو عبید نے اختیار کیا ہے یعنی تم سے بدل، عوض اور کوئی اور نفس قبول نہ کیا جائے گا۔

مَاْوٰىكُمُ النَّارُ یعنی تمہارا مقام اور تمہاری منزل جہنم ہے هِيَ مَوْلٰىكُمْ یہی تمہارے حق میں مناسب اور بہترین ہے۔ مولیٰ اسے کہتے ہیں جو انسان کے مصالح کا ذمہ دار ہوتا ہے پھر اس کا استعمال اس شخص کے بارے میں ہونے لگا جو کسی چیز کو لازم ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آگ ان کے امور کی مالک ہوگی، معنی ہے اللہ تعالیٰ اس میں زندگی اور عقل پیدا فرما دے گا وہ کفار پر غصہ کی وجہ سے پھٹ جائے گی، اس وجہ سے اس ارشاد میں اسے خطاب کیا گیا: يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝ (ق)

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ وہ کتنی بری لوٹنے کی جگہ اور کتنا برا ٹھکانہ ہے۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

''کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا اہل ایمان کے لیے کہ جھک جائیں ان کے دل یاد الٰہی کے لیے اور اس سچے کلام کے لیے جو اترا ہے اور نہ بن جائیں ان لوگوں کی طرح جنہیں کتاب دی گی اس سے پہلے پس لمبی مدت گزر گئی ان پر تو سخت ہو گئے ان کے دل اور ایک کثیر تعداد ان میں سے نافرمان بن گئی۔ جان لو! اللہ تعالیٰ زندہ کر دیتا ہے زمین کو اس کے مرنے کے بعد، ہم نے کھول کر بیان کر دی ہیں تمہارے لیے (اپنی) نشانیاں تا کہ تم سمجھو''۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا، يَاْنِ کا معنی ہے قریب ہونا قوت آنا، شاعر نے کہا

أَلَمْ يَأْنِ لِي يَا قَلْبُ أَنْ أَتْرُكَ الْجَهْلَا　　وأن يُحْدِثَ الشَّيبُ المبينُ لنا عَقْلَا

اے میرے دل! کیا میرے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ میں جہالت کو ترک کر دوں اور یہ بڑھاپا میرے لیے عقل کو پیدا کر دے۔

اس فعل کا ماضی انی الف مقصورہ کے ساتھ ہے مضارع یانی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے آن لك أن تفعل كذا، يئين أينا یعنی

وہ وقت آ گیا ہے کہ تو اس طرح کرے۔ یہ أن للک کی مثل ہے یہ اس سے مقلوب ہے۔ ابن سکیت نے یہ شعر پڑھا:

أَلَمَّا يِبِنْ لِي أَنْ تَجَلَّى عَمَايَتِي وَأُقْصِرُ عن لَيْلَى بَلَى قَدْأَنَى لِيَا

کیا میرے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ میری گمراہی عیاں ہو جائے اور میں لیلی سے ہاتھ کھینچ لوں کیوں نہیں میرے لیے وہ وقت آ چکا ہے۔

دونوں لغتوں کو جمع کیا۔ حضرت حسن بصری نے پڑھا أَلَمَّا یأن اس کی اصل أَلَمْ ہے(1) اس میں ما زائدہ ہے۔ یہ قائل کے قول کی نفی ہے جو قد کان کذا ہے اور لم اس کے قول کان کذا کی نفی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے اسلام لانے اور اس آیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں عتاب کیا چار سال کا عرصہ حائل تھا(2)۔ خلیل نے کہا: عتاب سے مراد ناراضگی کا ذکر ہے تو کہتا ہے: عاتبته معاتبة۔

اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ، تَخْشَعَ کا معنی ہے مطیع ہونا اور نرم ہونا۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ مزاح اور ہنسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں بہت زیادہ ہو گیا جب وہ مدینہ طیبہ میں خوشحال ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہارے خشوع میں آہستگی پاتا ہے'' تو اس موقع پر صحابہ نے کہا: ہم نے خشوع کو اپنایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مومنین کے دلوں میں سستی پائی تو نزول قرآن کے تیرہویں سال انہیں عتاب کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہجرت کے ایک سال بعد منافقین کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی؛ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ منافقین نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا کہ وہ انہیں تورات کے عجائب بیان کریں۔ تو الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ (یوسف) تک آیات نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ یہ غیر سے زیادہ حسین اور زیادہ نفع مند ہے۔ تو وہ حضرت سلمان سے سوال کرنے سے رک گئے۔ انہوں نے پھر پہلے کی طرح آپ سے سوال کیے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس تاویل کی بنا پر ایمان داروں سے مراد وہ لوگ ہیں جو زبان سے ایمان لائے۔

سدی وغیرہ نے کہا: اس آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو ظاہراً ایمان لائے اور کفر کو چھپائے ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مومنین کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت سعد نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کاش آپ ہمیں کوئی قصہ بیان کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ (یوسف:3) کچھ عرصہ بعد انہوں نے عرض کی: کاش! آپ کچھ بیان کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ (الزمر:23) انہوں نے کچھ عرصہ بعد عرض کی: کاش! آپ کچھ ذکر کرتے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ کہا: ہمارے اسلام لانے اور اس آیت کے ذریعے ہمارے عتاب کے درمیان چار سال کا عرصہ حائل ہے تو ہم ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور ہر کوئی یہ کہتا: ہم نے کیا کیا ہے؟ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سستی پائی جب کہ وہ مخلوقات میں سے وہ سب سے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 264
2۔ صحیح مسلم، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 421

زیادہ اسے محبوب تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خطاب ان لوگوں کو ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لائے مگر حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر ایمان نہ لائے کیونکہ اس کے بعد فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ (الحدید: 19) یعنی وہ لوگ جو تورات اور انجیل پر ایمان لائے ان کے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل قرآن کے لیے نرم ہوں وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کے متقدمین کی طرح کیوں نہ ہوئے؟ جب ان لوگوں اور ان کے نبی کے درمیان عرصہ زیادہ ہوا تو ان کے دل سخت ہو گئے۔

وَلَا يَكُوْنُوْا یہ الا یکونوا ہے اس کا عطف اَنْ تَخْشَعَ پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہی ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اس کا مجاز لا یکونن ہے اس تاویل کی دلیل حضرت رویس کی روایت ہے جو یعقوب سے مروی ہے کہ یہ لا تکونوا ہے۔ یہ عیسیٰ اور ابن اسحاق کی قرأت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: یہودیوں اور نصاریٰ کے راستہ پر نہ چلو جنہیں تورات اور انجیل دی گئی تو ان کا زمانہ طویل ہو گیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: جب بنی اسرائیل پر طویل زمانہ گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے، انہوں نے اپنی جانب سے ایک کتاب گھڑ لی حق ان کے اور ان کی خواہشوں کے درمیان حائل ہو جاتا یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پس پشت پھینک دیا گویا وہ اسے جانتے ہی نہیں پھر انہوں نے کہا: اس کتاب کو بنی اسرائیل پر پیش کرو اگر وہ تمہاری پیروی کریں تو تم انہیں چھوڑ دو بصورت دیگر انہیں قتل کر دو۔ پھر انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ وہ اسے ان کے علماء میں سے ایک عالم کے پاس بھیجتے ہیں اور کہا: اگر اس نے ہماری موافقت کی تو کوئی بھی ہماری مخالفت نہ کرے گا اگر اس نے انکار کیا تو ہم اسے قتل کر دیں گے تو اس کے بعد کوئی بھی ہماری مخالفت نہیں کرے گا۔ انہوں نے اس عالم کو بلا بھیجا اس نے اللہ کی کتاب ورقہ میں لکھی اسے ایک سینگ میں رکھا اور اسے گلے میں لٹکا لیا، پھر اس پر اپنے کپڑے پہن لیے۔ پھر وہ ان کے پاس آیا انہوں نے اس پر اپنی کتاب پیش کی اور کہا: کیا تو اس کتاب پر ایمان رکھتا ہے؟ اس نے اپنا ہاتھ اپنے سینہ پر مارا۔ اس نے کہا: میں اس (یعنی جو سینے پر لٹک رہی ہے) پر ایمان لایا تو بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے۔ ان میں بہترین اس سینگ والے تھے۔

حضرت عبداللہ نے کہا: تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ برائیاں دیکھے گا جب وہ برائی دیکھے اور وہ یہ طاقت نہیں رکھتا کہ وہ اس کو تبدیل کر سکے تو اس کے دل کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ جانے کہ وہ اس برائی کو ناپسند کرتا ہے۔ مقاتل بن حیان نے کہا: مراد اہل کتاب میں سے مومن ہیں جن پر عرصہ طویل ہو گیا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں دیری محسوس کی۔

فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۝ مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے رہبانیت شروع کی یعنی گرجے والوں نے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ لوگ ہیں جو فقہ نہیں جانتے جس کو وہ اپنائیں اور جو علم رکھتے ہیں اس کے خلاف عمل کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ایمان دار نہیں۔ ان میں سے ایک طائفہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر قائم رہا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو وہ آپ پر ایمان لائے۔ ان میں سے کچھ لوگ وہ تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین سے پھر گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فاسق قرار دیا۔ محمد بن کعب نے کہا: صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں تنگی کی زندگی بسر کرتے تھے، جب انہوں نے ہجرت کی تو خوشحال ہوئے تو جس حال میں پہلے تھے اس میں سستی ہوئی تو ان کے دل

سخت ہو گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں نصیحت کی تو انہیں افاقہ ہو گیا۔

ابن مبارک نے ذکر کیا: امام مالک بن انس نے ذکر کیا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر زیادہ باتیں نہ کیا کرو ورنہ تمہارے دل سخت ہو جائیں گے۔ سخت دل اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے لیکن تم علم نہیں رکھتے لوگوں کے گناہوں کو نہ دیکھو گویا تم مالک ہو انہیں دیکھو یا فرمایا: اپنے گناہ دیکھو گویا تم غلام ہو۔ بے شک لوگوں کی دو قسمیں ہیں جو عافیت میں ہیں یا جنہیں آزمائش میں ڈالا گیا ہے۔ جو لوگ آزمائش میں مبتلا ہیں ان پر رحم کرو اور عافیت پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرو۔ یہ آیت کریمہ حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت عبداللہ بن مبارک کی توبہ کا باعث بنی۔

ابو مطرف عبدالرحمن بن مروان قلانسی سے ذکر کیا کہ محمد بن حسن بن اشیق، علی بن یعقوب زیات سے وہ ابراہیم بن ہشام سے وہ زکریا ابن ابی ابان سے وہ لیث بن حرث سے وہ حسن بن داہر سے روایت کرتے ہیں: ایک روز اپنے بھائیوں کے ساتھ اپنے باغ میں تھا یہ وہ وقت تھا جب باغ میں مختلف قسم کے پھل موجود تھے ہم نے رات تک کھایا پیا پھر سو گئے میں عود طنبور بجانے کا عادی تھا۔ میں رات کے کسی حصہ میں اٹھا، میں نے ایک راگ گانا چاہا جسے راشین السحر کہتے سنان نے گانے کا ارادہ کیا جب کہ ایک پرندہ میرے سر کے اوپر ایک درخت پر چیخ رہا تھا، عود میرے ہاتھ میں تھا جس کا میں ارادہ کر رہا تھا وہ اس طرح نہیں بج رہا تھا اچانک وہ یوں بولنے لگا جس طرح انسان بولتا ہے: اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ میں نے کہا: کیوں نہیں؟ اللہ کی قسم! میں نے عود کو توڑ دیا اور جو مال میرے پاس تھا اس کو صرف کر دیا یہ میرا زہد اور تگ و دو کا پہلا مرحلہ تھا۔ ہم تک وہ اشعار بھی پہنچے ہیں جو حضرت ابن مبارک نے عود پر بجانا چاہا:

أَلَمْ يَأْنِ لِی مِنكَ أَنْ تَرْحَمَا وتَعْصِ العَواذِلَ واللُّوَّما

وتَرْثِی لصَبٍّ بِكم مُغْرَمٍ أقام على هجرِكم مَأْتَمَا

يَبِيتُ إذا جَنَّهُ لَيْلُهُ يُراعِی الكَواكِبَ والأَنْجُمَا

وما ذا على الظَّبيِ لَوْ أَنَّهُ أَحَلَّ من الوَصْلِ ما حَرَّمَا

کیا میرے لیے تیری جانب سے وہ وقت نہیں آیا کہ تو رحم کرے اور ملامت کرنے والوں کی نافرمانی کرے اور اپنے عاشق پر شفقت کرے جو بڑی مصیبت میں ہے وہ تمہارے فراق میں ماتم کر رہا ہے۔ جب رات تاریک ہو جاتی ہے تو وہ کواکب اور انجم شماری کرتا رہتا ہے۔ اس ہرن کو کیا ہو گا اگر وہ اس وصل کو حلال کر دے جس کو اس نے حرام کر رکھا ہے۔

جہاں تک فضیل بن عیاض کا تعلق ہے اس کی توبہ کا سبب یہ ہے کہ وہ ایک لڑکی پر عاشق تھا اس نے ان سے رات کے وقت کا وعدہ کیا۔ اسی اثنا میں کہ وہ دیواریں چڑھ رہے تھے تو ایک قاری کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا تو واپس پلٹ آئے اور کہہ رہے تھے: کیوں نہیں؟ اللہ کی قسم! وہ وقت آ چکا ہے۔ وہ رات انہیں ایک کھنڈر تک لے گئی جہاں مسافروں کی ایک جماعت تھی وہ ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے: فضیل ڈاکو ہے۔ فضیل نے کہا: افسوس! میں اپنی رات اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں گزارتا ہوں مسلمانوں میں سے ایک قوم مجھ سے ڈرتی ہے، اے اللہ! میں نے توبہ کر لی ہے اور میں نے اپنی توبہ اس طرح کی ہے کہ

میں تیرے بیت اللہ میں ہی رہوں گا۔

اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا بنجر زمین کو بارش کے ساتھ اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ صالح مری نے کہا: دلوں کی سختی کے بعد ان کو نرم کر دیتا ہے۔ جعفر بن محمد نے کہا: ظلم کے بعد عدل کے ساتھ زندہ کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کافر کو ایمان کی طرف ہدایت دے کر زندہ کرتا ہے جب کہ کفر اور گمراہی کے ساتھ اسے مارتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسی طرح اللہ تعالیٰ امتوں میں سے مردوں کو زندہ کرتا ہے ان میں سے جو خشوع والے دل ہیں اور سخت دل ہیں ان میں فرق کرتا ہے۔

قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ زمین کے مردہ ہونے کے بعد انہیں زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلیل ہے کہ وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ۝ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۖۗ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ ؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۝

"بے شک صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیا کئی گنا بڑھا دیا جائے گا ان کے لیے (ان کا مال) اور انہیں فیاضانہ اجر ملے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولوں پر وہی (خوش نصیب) اللہ کی جناب میں صدیق اور شہید ہیں، ان کے لیے (خصوصی) اجر اور ان کا (مخصوص) نور ہے، اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ تو دوزخی ہیں"۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ ابن کثیر اور ابو بکر نے عاصم سے دونوں میں صاد کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے یہ تصدیق سے مشتق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو نازل کیا اس کی وہ تصدیق کرتے ہیں باقی نے اسے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اصل میں یہ المتصدقین اور المتصدقات تھا تاء کو صاد میں مدغم کیا گیا ہے اسی وجہ سے فرمایا: وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا صدقہ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے ساتھ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرضہ حسنہ دیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی قرض حسن کا ذکر ہے اس سے مراد نفل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عمل صالح ہے وہ صدقہ ہو یا کوئی اور صورت ہو جب کہ وہ ثواب کی نیت رکھتا ہو اور اپنی نیت میں سچا ہو۔ فعل کا عطف اسم پر کیا گیا ہے کیونکہ وہ اسم فعل کے حکم میں ہے مراد ہے ان الذین صدقوا و اقرضوا ہے۔ یُّضٰعَفُ لَهُمْ انہیں اس کا کئی گنا عطا کیا جائے گا۔ عام قرأت عین کے فتحہ کے ساتھ ہے اور یہ فعل مجہول کا صیغہ ہے۔ اعمش نے اسے یُضاعفه پڑھا ہے۔ ابن کثیر، ابن عامر اور یعقوب نے یُضعّفُ پڑھا ہے۔ وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ۝ مراد جنت ہے۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۖۗ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ ؕ

الشُّهَدَآءُ کے بارے میں اختلاف ہے کیا یہ ماقبل سے مقطوع ہے یا متصل ہے؟ مجاہد اور زید بن اسلم نے کہا: شہداء اور صدیقین ہی مومنین ہیں اور یہ ماقبل سے متصل ہے اسی کی ہم معنی روایت نبی کریم ﷺ سے مروی ہے۔ اس اعتبار سے الصِّدِّيْقُوْنَ پر وقف نہیں کیا جائے گا؛ آیت کی تاویل میں یہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ قشیری نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (النساء:69) صدیقین کا مرتبہ ہی انبیاء کے بعد ہوتا ہے، شہداء ہی وہ لوگ ہیں جو صدیقین کے بعد کا درجہ رکھتے ہیں اور صالحین کا درجہ شہداء کے بعد ہوتا ہے تو یہ جائز ہے کہ یہ آیت ان کے بارے میں ہو جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی میری مراد ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ تو شہداء کا معنی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیں۔ تو ایک صدیق دوسرے صدیق سے درجات میں بلند ہوگا جس طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جنت اعلیٰ کے مکین اپنے سے کم مرتبہ جنتیوں کو یوں دیکھیں گے جس طرح تم میں سے کوئی ستارے کو آسمان کے افق میں دیکھتا ہے'' حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ان میں سے ہیں اور فضیلت میں بڑھ کر ہیں۔

حضرت ابن مسعود اور مسروق سے روایت مروی ہے کہ شہداء صدیقین کے علاوہ ہیں۔ اس تاویل کی بناء پر شہداء ماقبل سے منفصل ہیں اور وقف اللہ تعالیٰ کے فرمان الصِّدِّيْقُوْنَ پر اچھا ہے۔ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ کا معنی ہے ان کے لیے ان کے انفس کا اجر اور نور ہوگا۔ ان کے بارے میں دو قول ہیں۔

(۱) وہ رسل ہیں وہ اپنی امتوں کے بارے میں تصدیق اور تکذیب کی گواہی دیں گے؛ یہ کلبی کا قول ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ (النساء) (۲) وہ رسولوں کی امتیں ہیں وہ قیامت کے روز گواہی دیں گے جس کے بارے میں گواہی دیں گے اس میں دو قول ہیں (۱) وہ اپنے بارے میں گواہی دیں گے جو وہ طاعت و معصیت کا عمل کرتے رہے؛ یہ مجاہد کے قول کا معنی ہے (۲) وہ انبیاء کے بارے میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنی امتوں کو رسالت کی تبلیغ کی؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ مقاتل نے ایک تیسرا قول بھی کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والے ہیں، اس کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے اس سے مراد مومنوں کے شہید لیے ہیں۔ واؤ ابتداء کی واؤ ہے۔ اس قول کی بنا پر صدیقین شہداء سے الگ ہیں ان کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ضحاک نے کہا: وہ آٹھ افراد ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی شیر خدا، حضرت زید، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی موافقت کی جب آپ نے نبی کریم ﷺ کی تصدیق کی اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے ساتھ ملا دیا۔ مقاتل بن حیان نے کہا: صدیقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو رسولوں پر ایمان لائے، آنکھ جھپکنے کے برابر بھی ان کی تکذیب نہ کی جس طرح آل فرعون کا مومن، صاحب آل یاسین، حضرت ابوبکر صدیق اور اصحاب اخدود (خندقوں والے)۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ آیات سے مراد رسل اور معجزات ہیں اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ ان کے لیے نہ اجر ہے اور نہ ہی نور ہے۔

اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

''خوب جان لو کہ دنیاوی زندگی محض کھیل، تماشا اور (سامان) آرائش ہے اور آپس میں (حسب ونسب پر) اترانا اور ایک دوسرے سے زیادہ مال اور اولاد حاصل کرنا، اس کی مثال یوں سمجھو جیسے بادل برسے اور نہال کر دے کسانوں کو اس کی (شاداب سرسبز) کھیتی ہو وہ (یکایک) سوکھنے لگے تو تو اسے دیکھے کہ اس کا رنگ زرد پڑ گیا ہے پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے، اور (دنیا پرستوں کے لیے) آخرت میں سخت عذاب ہوگا۔ اور (خدا پرستوں کے لیے) اللہ کی بخشش اور (اس کی) خوشنودی ہوگی، اور نہیں ہے دنیوی زندگی مگر نرا دھوکہ۔ تیزی سے آگے بڑھو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے جو تیار کر دی گئی ہے ان کے لیے جو ایمان لے آئے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر، یہ اللہ کا فضل (وکرم) ہے عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے''۔

اِعْلَمُوْۤا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ اتصال کی صورت یہ ہے کہ انسان بعض اوقات قتل اور موت کے خوف سے جہاد ترک کر دیتا ہے۔ اس امر کو بیان کیا کہ دنیاوی زندگی حقیر چیز ہے اس لیے مناسب نہیں کہ جو چیز باقی رہنے والی نہیں اس کے خوف سے اللہ تعالیٰ کے امر کو ترک کر دیا جائے۔ ما زائد ہے تقدیر کلام یہ ہے جان لو دنیاوی زندگی باطل، کھیل اور خوشی کا لہو ہے پھر یہ ختم ہو جائے گا۔ قتادہ نے کہا: لعب ولہو کا معنی ہے کھانا اور پینا۔

مجاہد نے کہا: یہ لعب لہو ہے۔ سورۃ الانعام میں یہ معنی گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لعب سے مراد ہے جو دنیا میں رغبت پیدا کرے اور لہو سے مراد ہے جو آخرت سے غافل کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لعب سے مراد مال جمع کرنا اور لہو سے مراد عورتیں ہیں۔ وَّ زِيْنَةٌ زینت سے مراد وہ چیز ہے جس سے زینت حاصل کی جاتی ہے۔ کافر دنیا سے زینت حاصل کرتا ہے اور آخرت کے لیے عمل نہیں کرتا اسی طرح وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز سے زینت حاصل کرتا ہے۔

وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ یعنی تم میں سے بعض بعض پر اس کے ذریعے فخر کرتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خلقت اور قوت پر فخر کرتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عربوں کی عادت کے مطابق انساب پر فخر کرتے ہو۔ صحیح مسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ تم باہم تواضع کرو یہاں تک کہ کوئی دوسرے پر سرکشی نہ کرے اور کوئی

دوسرے پر فخر نہ کرے''۔ نبی کریم ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے: ''میری امت میں چار چیزیں جاہلیت سے تعلق رکھتی ہیں انساب پر فخر کرنا''۔ یہ تمام باتیں پہلے گزر چکی ہے۔

وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ کیونکہ دور جاہلیت کی عادت تھی کہ بیٹوں اور اموال پر فخر کیا جاتا تھا مومنین کا فخر ایمان اور طاعت پر ہے۔ بعض متاخرین نے کہا: لعب سے مراد بچوں کا کھیلنا ہے اور لہو سے مراد نوجوانوں کا لہو ہے۔ زِيْنَةٌ عورتوں کی زینت ہے، تفاخر سے مراد ساتھیوں کا فخر کرنا ہے، تکاثر سے مراد تاجروں کا مال پر فخر کرنا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: دنیا انہیں چیزوں کی طرح زائل اور فنا ہونے والی ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے حضرت عمار سے فرمایا: دنیا کے بارے میں غمگین نہ ہو کیونکہ دنیا چھ چیزیں ہیں ماکول، مشروب، ملبوس، مشموم (جس کو سونگھا جائے) مرکوب، منکوح۔ بہترین کھانا شہد ہے یہ مکھی کا لعاب ہے، اکثر مشروب پانی ہے اس میں تمام حیوانات برابر ہیں، بہترین لباس ریشم ہے یہ کیڑے کا بنا ہوتا ہے، افضل خوشبو کستوری ہے یہ نافہ کا خون ہوتا ہے، بہترین سواری گھوڑا ہے اس پر سوار ہو کر لوگ قتل ہوتے ہیں، بہترین نکاح کی گئی عورتیں ہیں وہ بول کا محل بول کے محل میں ہوتا ہے۔ اللہ کی قسم! عورت اپنے بہترین حصہ کو مزین کرتی ہے جس کے ساتھ اس کے قبیح ترین حصہ کا ارادہ کیا جاتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال ایسی کھیتی سے دی جس پر بارش ہوئی ہو، فرمایا: كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ، غَيْثٍ سے مراد بارش ہے یہاں کفار سے مراد کاشتکار ہیں کیونکہ وہ بیج کو زمین میں دباتے ہیں۔ معنی ہے دنیاوی زندگی اس کھیتی کی مانند ہے جو زیادہ بارشوں کے باعث اپنی سرسبزی کے ساتھ دیکھنے والوں کو خوش کرتی ہے پھر وہ تھوڑے وقت میں ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے گویا وہاں کوئی کھیتی تھی ہی نہیں۔ جب وہ کاشتکاروں کو خوش کرتی ہے تو اس وقت حد درجہ حسین ہوتی ہے۔ اس کی مثل گفتگو سورۂ یونس اور سورۂ کہف میں گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں کفار سے مراد اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والے ہیں کیونکہ مومنین کے مقابلہ میں وہ دنیا کی زینت سے زیادہ خوش ہونے والے ہیں۔ یہ بہت اچھا قول ہے کیونکہ اعجاب (خوش ہونا) اصل میں ان کے لیے اور انہی میں ہوتا ہے اور انہیں سے یہ چیز ظاہر بھی ہوتی ہے وہ دنیا اور مافیہا کی عظمت بجالاتا ہے موحدین میں تو اس کی حیثیت فرع کی سی ہوتی ہے جو ان کی شہوات سے جنم لیتی ہے۔ جب وہ آخرت کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے نزدیک یہ کم ہو جاتی ہے۔ یہاں کاف کا محل رفع ہے کیونکہ یہ صفت ہے ثُمَّ يَهِيْجُ یعنی سرسبز و شاداب ہونے کے بعد وہ خشک ہو جاتی ہے۔ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا جو اس پر تر و تازگی تھی وہ متغیر ہو جاتی ہے ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وہ ٹکڑے ٹکڑے اور تنکا ہو جاتی ہے اس کے بعد اس کا حسن جاتا رہتا ہے اسی طرح کافر کی دنیا ہے۔ وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ یعنی کافروں کے لیے آخرت میں شدید عذاب ہے۔ اس پر وقف بہت اچھا ہے پھر کلام سے آغاز ہوگا وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ یعنی یہ مومنین کے لیے ہے۔ فراء نے کہا: فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ (الحدید: 28) اس میں تقدیر کلام یہ ہے إمّا عذاب شديد وإمّا مغفرة تو لفظ شدید پر کوئی وقف نہیں کیا جائے گا۔

وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۞ یہ سابقہ کلام کی تاکید ہے یعنی دنیاوی زندگی کفار کو دھوکہ میں ڈالتی ہے جہاں

تک مومن کا تعلق ہے دنیا اس کے لیے ایسی متاع ہے جو اسے جنت تک پہنچانے والی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے دنیاوی زندگی کے لیے عمل دھوکے کا بیان ہے یہ دنیا کے لیے عمل کرنے سے روکنا اور آخرت کے لیے عمل میں رغبت دلانا ہے۔

سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اعمال صالحہ کی طرف جلدی کرو جو تمہارے لیے تمہارے رب کی مغفرت کو ثابت کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: توبہ کی طرف جلدی کرو کیونکہ یہ عمل مغفرت کی طرف لے جاتا ہے؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ؛ یہ مکحول کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد پہلی صف ہے۔

وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اگر انہیں ایک دوسرے کے ساتھ ملا یا جائے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مراد ہے تمام زمین اور تمام آسمان ایک دوسرے کے ساتھ پھیلا دیئے جائیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر ایک آدمی کے لیے اتنی وسیع جنت ہوگی۔ ابن کیسان نے کہا: مراد جنتوں میں سے ایک جنت ہے۔ عرض، طول سے کم ہوتا ہے۔ عربوں کی عادت ہے کہ وہ کسی شی کی وسعت کو عرض سے تعبیر کرتے ہیں اس کی طوالت سے تعبیر نہیں کرتے؛ شاعر نے کہا:

كَأَنَّ بِلَادَ اللّٰهِ وَهِيَ عَرِيضَةٌ　عَلَى الْخَائِفِ الْمَطْلُوبِ كِفَّةُ حَابِلِ

گویا اللہ تعالیٰ کے ملک جب کہ وہ بڑے وسیع وعریض ہیں خوفزدہ اور مطلوب شخص کے لیے شکاری کا پھندہ ہیں۔

یہ سب آل عمران میں بحث گزر چکی ہے۔ طارق بن شہاب نے کہا: اہل حیرہ میں سے ایک جماعت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ کو پیش نظر رکھتے ہوئے بتایئے جہنم کہاں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا: بتاؤ جب رات چلی جاتی ہے اور دن آجاتا ہے تو رات کہاں ہوتی ہے؟ انہوں نے عرض کی: تو رات میں جو کچھ ہے اسی کو آپ نے اخذ کیا ہے۔

اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ یہاں صرف ایمان کی شرط ہے کوئی اور شرط نہیں اس میں امید کو تقویت دی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں ایمان کی شرط ذکر کی اور سورۂ آل عمران میں اضافہ کیا فرمایا اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (آل عمران)

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ یعنی جنت کو حاصل نہیں کیا جا سکتا اور اس میں داخل نہیں ہوا جا سکتا مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کے ساتھ ہی اس میں داخل ہوا جا سکتا ہے۔ یہ بحث سورۂ اعراف وغیرہ میں گزر چکی ہے۔ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۝ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

"نہیں آئی کوئی مصیبت زمین پر اور نہ تمہاری جانوں پر مگر وہ لکھی ہوئی ہے کتاب میں اس سے پہلے کہ ہم ان کو پیدا کریں، بے شک یہ بات اللہ کے لیے بالکل آسان ہے (ہم نے تمہیں یہ اس لیے بتا دیا ہے) کہ تم غمزدہ نہ

ہو اس چیز پر جو تمہیں نہ ملے اور نہ اترانے لگو اس چیز پر جو تمہیں مل جائے، اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کسی مغرور، شیخی باز کو، جو لوگ خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں، اور جو (اللہ کے حکم سے) روگردانی کرے تو بے شک اللہ ہی بے نیاز ہر تعریف کا مستحق ہے''۔

مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ مقاتل نے کہا: مصیبت سے مراد قحط، نباتات اور پھلوں کی قلت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کھیتی میں آفات ہیں۔ وَ لَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ مراد جو تمہیں بیماریاں لاحق ہوتی ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حدود کا قائم کرنا ہے؛ یہ ابن حبان کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد معاش کی تنگی ہے۔ یہ وہ معنی ہے جسے ابن جریج نے روایت کیا ہے۔ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مراد لوح محفوظ ہے۔ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا، ھا ضمیر نفوس، الارض، المصائب یا سب کی طرف لوٹ رہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے قبل اس کے کہ وہ مصیبت کو پیدا کرے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس سے قبل کہ وہ زمین اور نفس کو پیدا کرے۔ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝ یعنی ان تمام چیزوں کو پیدا کرنا اور ان کی حفاظت کرنا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ ربیع بن سالم نے کہا: جب حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا گیا تو میں رونے لگا انہوں نے فرمایا: کس چیز نے تجھے رلایا ہے؟ میں نے کہا: میں آپ کے ساتھ جو سلوک دیکھتا ہوں اور جس کی طرف آپ جا رہے ہیں اس کو دیکھ کر رو رہا ہوں۔ فرمایا: نہ رو اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ایسا ہوگا کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں سنا؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ماقبل کے ساتھ متصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اس امر کو آسان کر دیا جو انہیں جہاد میں قتل اور زخم کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس امر کی وضاحت کی کہ اموال کی محافظت جو انہیں جہاد سے روکتی ہے اور ان اموال میں جو نقصان ہوا ہے سب مکتوب و مقدر ہے اس کو روکنے والا کوئی نہیں، بندے کے ذمہ امر کی اطاعت ہے۔ پھر انہیں ادب سکھایا تو یہ ارشاد فرمایا: لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ یعنی تم سے جو رزق فوت ہوا ہے اس پر تم غمگین نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے جب وہ جانتے ہیں کہ رزق کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے تو ان کے ہاتھ سے جو چیز نکل چکی ہے اس پر وہ غمگین نہ ہوں گے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے: لایجد أحد کم طعم الایمان حتّی یعلم أنّ ما أصابه لم یکن یخطئه وما أخطاه لم یکن لیصیبه تم میں سے کوئی آدمی ایمان کا ذائقہ نہیں پا سکتا یہاں تک کہ وہ یہ جان لے کہ اسے جو مصیبت پہنچی ہے وہ چھوٹنے والی نہ تھی اور جو نہیں پہنچی وہ پہنچے والی نہ تھی۔ پھر لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ کی قرآت کی۔ یعنی دنیا میں سے جو چیز تمہارے ہاتھ سے نکل چکی ہے اس پر غمگین نہ ہو کیونکہ یہ تمہارے حق میں مقدر نہ تھی اگر تمہارے حق میں مقدر ہوتی تو وہ تم سے فوت نہ ہوتی۔

وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ یعنی دنیا میں سے جو چیز تمہیں ملتی ہے اس پر خوش نہ ہو؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت سعید بن جبیر نے کہا: جو تمہیں عافیت اور خوشحالی ملی ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: کوئی آدمی نہیں مگر وہ غمگین بھی ہوتا ہے اور خوش بھی ہوتا ہے۔ لیکن مومن اپنی مصیبت کو صبر اور غنیمت کو شکر بنا دیتا ہے۔ حزن

اور خوشی جن سے منع کیا گیا ہے وہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جن میں ایسی چیز کی طرف تجاوز کیا جاتا ہے جو جائز نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿﴾ اسے دنیا میں سے جو عطا کیا گیا ہے اس کے ساتھ تکبر کرنے والا ہے اور اس کے ذریعے لوگوں پر فخر کرتا ہے۔ عام قرأت آتاکم ہے یعنی الف مد کے ساتھ ہے یعنی اس نے تمہیں دنیا میں سے جو چیز عطا کی؛ ابوحاتم نے اسے پسند کیا ہے۔ ابو العالیہ، نصر بن عاصم اور ابو عمرو نے اتاکم الف کے قصر کے ساتھ اسے پڑھا ہے ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے معنی ہے جو تمہارے پاس آئے۔ یہ اتاکم، فاتکم کا معادل ہے۔ اسی وجہ سے أفاتکم نہیں فرمایا۔

حضرت جعفر بن محمد صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: اے انسان! تجھے کیا ہو گیا ہے تو مفقود چیز پر غمگین ہوتا ہے یہ غم کرنا فوت شدہ چیز کو تیری طرف واپس نہیں لوٹائے گا اور موجود چیز پر خوش نہ ہو کیونکہ موت اسے تیرے ہاتھ میں نہ چھوڑے گی۔ بزرجمہر سے کہا گیا: اے حکیم! تجھے کیا ہو گیا ہے تو فوت ہونے والی چیز پر غمگین نہیں ہوتا اور حاصل ہونے والی چیز پر خوش نہیں ہوتا؟ اس نے جواب دیا: فوت ہونے والی چیز آنسوؤں سے نہیں ملتی اور آنے والی چیز خوشی سے باقی نہیں رہتی۔ حضرت فضیل بن عیاض نے اسی بارے میں کہا: دنیا ہلاک کرنے والی اور فائدہ پہنچانے والی ہے جس کو ہلاک کر دے وہ چیز لوٹنے والی نہیں اور جس کا فائدہ پہنچائے تو اس کے کوچ کا اعلان کرتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: مختال اسے کہتے ہیں جو اپنی ذات کی طرف افتخار کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور فخور اسے کہتے ہیں جو لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ دو شرک خفی ہیں فخور مصراۃ کی طرح ہے جس کے تھنوں کو باندھا جاتا ہے تاکہ ان میں دودھ جمع ہو جائے اور مشتری کو وہم ہو کہ یہی اس کا معمول ہے اسی طرح وہ شخص جو اپنے اندر زینت و جمال دیکھتا ہے اس کے ساتھ وہ اس کا دعویٰ بھی کرتا ہے تو اسے فخور کہتے ہیں۔

الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ یعنی وہ مختال کو پسند نہیں کرتا جو بخل کرتے ہیں۔ الذین محل جر میں ہے اور یہ مختال کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے تقدیر کلام یہ ہے الذین یبخلون فاللہ غنی عنھم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد یہودیوں کے رئیس ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی صفات کو بیان کرنے سے بخل کرتے تھے جو صفات ان کی کتابوں میں موجود تھیں تاکہ لوگ آپ کی ذات پر ایمان نہ لے آئیں تاکہ ان کا کھاجہ ختم نہ ہو جائے؛ یہ سدی اور کلبی کا قول ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: جو علم کے بارے میں بخل کرتے وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ اور لوگوں کو بھی یہ کہتے کہ وہ لوگوں کو کسی شی کی تعلیم نہ دیں۔

زید بن اسلم نے کہا: مراد اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں بخل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد صدقہ اور حقوق میں بخل ہے؛ یہ عامر بن عبد اللہ اشعری کا قول ہے۔ طاؤس نے کہا: مراد ہے ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے اس میں بخل کرتے ہیں۔ یہ تینوں قول قریب المعنی ہیں۔

اصحاب خواطر نے بخل اور سخاوت میں لوگوں کو دو فریقوں میں تقسیم کیا ہے (۱) بخیل وہ ہے جو مال روکنے کے ساتھ لذت حاصل کرتا ہے اور سخی وہ ہے جو مال عطا کر کے لذت حاصل کرتا ہے (۲) بخیل وہ ہے جو سوال کرنے کی صورت میں عطا کرتا ہے اور سخی وہ ہے جو سوال کے بغیر عطا کرتا ہے۔

وَ مَنْ يَّتَوَلَّ جو ایمان سے اعراض کرے فَاِنَّ اللّٰهَ تو اللہ تعالیٰ اس سے غنی ہے۔ یہ بھی جائز ہے جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو صدقہ کرنے پر برانگیختہ کیا تو لوگوں کو بتایا کہ جو لوگ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے غنی ہے۔ عام قرأت بِالبُخل ہے یعنی باء مضموم اور فاء ساکن ہے۔ حضرت انس، عبید بن عمیر، یحییٰ بن یعمر، مجاہد، حمید، ابن محیصن، حمزہ اور کسائی نے بالبَخَل دو فتحوں کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ انصار کی لغت ہے۔ ابو العالیہ اور ابن سمیقع نے بالبَخْلِ پڑھا ہے یعنی باء مفتوح اور خاء ساکن ہے۔ یہ انصار کی لغت ہے۔ نصر بن عاصم نے البُخُل دو ضموں کے ساتھ پڑھا ہے۔ سب کی سب مشہور لغتیں ہیں۔ سورۂ آل عمران کے آخر میں بخل اور شح میں فرق گزر چکا ہے۔

نافع اور ابن عامر نے فاِنّ اللہ الغنیّ الحمید، ھو کے بغیر پڑھا ہے باقی قراء نے ھو الغنی پڑھا ہے یہ ضمیر فصل ہے یہ بھی جائز ہے۔ کہ یہ ضمیر مبتدا ہو اور الغنی اس کی خبر ہو اور جملہ انّ کی خبر ہو۔ جس نے اس کو حذف کیا ہے تو بہتر یہ ہے کہ یہ ضمیر فصل ہو کیونکہ ضمیر فصل کا حذف مبتدا کے حذف سے آسان ہوتا ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾

”یقیناً ہم نے بھیجا ہے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ اور ہم نے اتاری ہے ان کے ساتھ کتاب اور میزان (عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے پیدا کیا ہے لوہے کو اس میں بڑی قوت ہے اور طرح طرح کے فائدے ہیں لوگوں کے لیے اور (یہ سب اس لیے) تاکہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ کہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا زور آور، سب پر غالب ہے۔ اور ہم نے نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے رکھ دی ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب پس ان میں چند تو ہدایت یافتہ ہیں اور ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں“۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ، بینات سے مراد واضح معجزات اور ظاہر شرائع ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عبادت میں اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا ہے۔ رسولوں نے اس امر کی دعوت دی یہ سلسلہ حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جاری رہا۔

وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ کتاب سے مراد کتب ہیں یعنی ہم نے ان کی طرف ان سے پہلوں کی خبریں وحی کیں۔ وَالْمِيْزَانَ ابن زید نے کہا: اس سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے اور معاملہ کیا جاتا ہے۔ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ یعنی معاملات میں عدل کریں۔ اس کا فرمان بِالْقِسْطِ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مراد معروف میزان ہے۔ ایک قوم نے کہا: مراد عدل ہے۔ قشیری نے کہا: جب ہم نے اسے معروف میزان پر محمول کیا تو معنی ہوگا ہم نے کتاب کو نازل کیا اور

میزان رکھا، یعنی الْمِیْزَانَ سے پہلے وضعنا کا لفظ محذوف ہے جس طرح اس جملہ میں ماء بارداس سے پہلے فعل محذوف ہے:

علفتھا تبنا و ماء باردا

اسی قول پر اللہ تعالیٰ کا فرمان وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ (الرحمن) دلالت کرتا ہے پھر فرمایا: وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ (الرحمن: 9) اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آسمان سے زمین کی طرف چار برکتیں نازل کیں۔ لوہا، آگ، پانی اور نمک''۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: تین چیزیں ایسی ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ نازل ہوئیں۔ حجر اسود یہ برف سے بھی زیادہ سفید تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا جو جنت کی آس کی لکڑی کا تھا اس کی لمبائی دس ہاتھ تھی جس قدر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قد مبارک تھا اور لوہا اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ تین چیزیں نازل فرمائیں۔ آئرن، لوہار کا زنبور اور ہتھوڑا یہی مطرقہ ہے؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اترے جب کہ ان کے ساتھ لوہے کی پانچ چیزیں تھیں جو لوہاروں کے آلات میں شمار ہوتی ہیں آہرن، زنبور، بڑا ہتھوڑا، ہتھوڑا اور سوئی۔ ہتھوڑا جس کے ساتھ کوٹا جاتا ہے یوں اس کا باب ذکر کیا جاتا ہے وقعت الحدیدۃ أقعها یعنی میں نے اسے کوٹا۔ صحاح میں ہے میقعه اس جگہ کو بھی کہتے ہیں جس جگہ سے باز مانوس ہوتا ہے اور اس پر گرتا ہے اور دھوبی کی لکڑی کو بھی کہتے ہیں جس پر وہ کپڑے کو مارتا ہے اور لمبی سان۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ لوہا منگل کو نازل کیا گیا۔ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ یعنی خون بہانے کے لیے اس میں بڑی طاقت ہے اسی وجہ سے منگل کے روز فصد کرانے اور پچھنے لگانے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ یہ ایسا دن ہے جس میں خون بہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ ''منگل کے روز ایسی گھڑی ہے جس میں خون نہیں رکتا'' (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا: اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ کا معنی ہے ہم نے اسے پیدا کیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ (الزمر: 6) یہ حضرت بصری کا قول ہے: پس لوہا زمین سے ہے اسے آسمان سے نازل نہیں کیا گیا۔

علماء معانی نے کہا: لوہے کو معدن سے نکالا اور حضرت آدم علیہ السلام کو وحی کے ذریعے صنعت کا علم سکھایا۔ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ یعنی اسلحہ اور ڈھال۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں قتل کے ڈر سے شدید خوف ہے۔

وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ مجاہد نے کہا: اس سے مراد ڈھال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: لوگ لوہے سے بنی ضرورت کی چیزوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں جس طرح چھری، کلہاڑا، سوئی وغیرہ۔ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ لوہے کو اتارا تا کہ اللہ تعالیٰ جان لے کون اس کی مدد کرتا ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا عطف لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ پر ہے یعنی ہم نے رسولوں کو بھیجا، ان کے ساتھ کتاب نازل کی اور ان چیزوں کو پیدا کیا تا کہ لوگ حق و انصاف سے معاملہ کریں اور اس لیے تا کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطب باب ما تستحب الحجامة، حدیث نمبر 3364، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کون اس کے دین کی مدد کرتا ہے؟۔ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اور کون اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ان کی مدد کرتے ہیں وہ ان کو جھٹلاتے نہیں اور وہ ان پر ایمان لاتے ہیں جب کہ انہیں دیکھتے نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾ وہ پکڑنے میں قوی ہے اور غالب ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بالغیب سے مراد اخلاص ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ پہلے جس کا ذکر اجمالی طور پر ہوا تھا کہ اس نے کتابوں کے ساتھ رسول بھیجے اب تفصیل بیان کی اور یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کو رسول بنا کر بھیجا اور نبوت ان کی نسل میں رکھی۔

وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ ہم نے ان کی اولاد میں سے بعض کو انبیاء بنایا اور بعض کو امی بنا دیا جو آسمان سے نازل ہونے والی کتابوں کی تلاوت کرتے ہیں وہ تورات، انجیل زبور اور فرقان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کتاب سے قلم کے ساتھ لکھنا ہے۔ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ یعنی جس نے حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہ السلام کی اتباع کی وہ ہدایت یافتہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان دونوں کی اولاد میں سے ہدایت یافتہ ہیں۔ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾ یعنی کافر طاعت سے خارج ہیں۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ۬ وَ جَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ رَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

''پھر ہم نے ان کے پیچھے ان کی راہ پر اور رسول بھیجے اور ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو اور انہیں انجیل عطا فرمائی اور ہم نے رکھ دی ان لوگوں کے دلوں میں جو عیسیٰ کے تابعدار تھے شفقت اور رحمت، اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا تھا ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اسے اختیار کیا تھا پھر اسے وہ نباہ نہ سکے جیسے اس کے نباہنے کا حق تھا، پس ہم نے عطا فرمایا جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے (ان کے حسن عمل اور حسن نیت) کا اجر اور ان میں سے اکثر فاسق (وفاجر) تھے''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ، ہم ضمیر سے مراد ذریۃ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام ہیں۔ بِرُسُلِنَا مراد حضرت موسیٰ، حضرت الیاس، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یونس علیہم السلام ہیں یعنی ان کے پیچھے ان انبیاء و رسل کو بھیجا۔

وَ قَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ یہ اپنی ماں کی جانب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ، انجیل سے مراد وہ کتاب ہے جو ان پر نازل کی گئی۔ اس کا مادہ اشتقاق سورۂ آل عمران کے آغاز میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَ جَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ اسم موصول سے مراد حواری اور متبعین ہیں جنہوں نے آپ کے دین کی اتباع کی۔ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً مراد محبت ہے وہ ایک دوسرے سے محبت کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ انہیں انجیل میں حکم دیا گیا کہ باہم صلح سے رہیں اور لوگوں کو اذیت نہ دیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ان کے دلوں کو نرم کر دیا۔ یہودیوں کا معاملہ مختلف ہے جن کے دل سخت ہو گئے اور انہوں نے کلمات کو اپنی جگہ سے بدل دیا۔ رَاْفَةً کا معنی نرمی اور رَحْمَةً کا معنی شفقت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رَاْفَةً کا معنی بوجھ میں کمی کرنا اور رحمت کا معنی بوجھ کو اٹھانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رَاْفَةً رحمت کی شدید صورت ہے اور کلام مکمل ہو گئی۔ پھر فرمایا: وَ رَهْبَانِیَّةَ ابْتَدَعُوْهَا یعنی انہوں نے اپنی جانب سے رہبانیت کو گھڑ لیا ہے۔ اس صورت میں کہ رَهْبَانِیَّةَ کا لفظ مضمر فعل کی وجہ سے منصوب ہو۔ ابو علی نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے ابتدعوا رهبانية ابتدعوها۔ زجاج نے کہا: ابتدعوها رهبانية جس طرح تو کہتا ہے رأیت زیدًا و عمرا کلمت۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا عطف رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً پر ہے اس صورت میں معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ چیز عطا کی تو انہوں نے اسے تبدیل کر دیا اور اس میں بدعت کا سلسلہ شروع کیا۔ ماوردی نے کہا: اس میں دو قرأتیں ہیں ان میں سے ایک راء کے فتحہ کے ساتھ ہے جس کا معنی خوف ہے۔ یہ رهب سے مشتق ہے۔ دوسری قرأت راء کے ضمہ کے ساتھ ہے یہ رهبان کی طرف منسوب ہے جس طرح رضوانیه، رضوان سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو مشقتوں پر برانگیختہ کیا کیونکہ انہوں نے کھانا، پینا، نکاح کرنا چھوڑ دیا اور گرجوں سے وابستہ ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے بادشاہوں نے دین عیسوی کو تبدیل کر دیا تھا اور ایک چھوٹی سی جماعت رہ گئی تھی تو انہوں نے رہبانیت کو اختیار کر لیا اور اللہ تعالیٰ سے لو لگا لی۔ ضحاک نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بادشاہوں نے حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب کیا یہ سلسلہ تین سو سال تک چلتا رہا جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طریقہ پر قائم تھے انہوں نے بادشاہوں کے طریقہ کار کو پسند نہ کیا تو بادشاہوں نے انہیں قتل کر دیا تو وہ لوگ جوان کے بعد باقی رہ گئے انہوں نے کہا: جب ہم انہیں منع کرتے ہیں تو وہ ہمیں قتل کرتے ہیں اب ان کے ساتھ رہنا ہمارے لیے ممکن نہیں تو وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو گئے اور انہوں نے گرجے بنا لیے۔ قتادہ نے کہا: وہ رہبانیت جس کو انہوں نے اپنی جانب سے گھڑا تھا وہ عورتوں کو چھوڑنا اور گرجے بنانا تھا۔ مرفوع حدیث میں ہے کہ ''رہبانیت جس کو انہوں نے اپنایا تھا وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں چلے جانا ہے''۔

مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ نہ ہم نے ان پر اسے فرض کیا تھا اور نہ ہی ہم نے انہیں اس کا حکم دیا تھا؛ یہ ابن زید کا قول ہے اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ یعنی ہم نے انہیں حکم نہیں دیا مگر اس چیز کا جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو؛ یہ ابن سلم کا قول ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے ان پر کسی چیز کو لازم نہیں کیا تھا۔ ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ یہ ھا ضمیر سے بدل ہے جو كَتَبْنٰهَا میں موجود ہے معنی ہے ہم نے اسے ان پر لازم نہیں کیا مگر اللہ تعالیٰ کی رضا کو لازم کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِلَّا ابْتِغَآءَ مستثنیٰ منقطع ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ما کتبنا ھا علیھم لکن ابتدعوھا ابتغاء رضوان اللہ۔

فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَایَتِهَا یعنی انہوں نے اس کا حق ادا نہ کیا۔ یہ عام کی تخصیص ہے کیونکہ جن لوگوں نے رعایت نہ کی تھی

کون اس کے دین کی مدد کرتا ہے؟۔ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اور کون اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ان کی مدد کرتے ہیں وہ ان کو جھٹلاتے نہیں اور وہ ان پر ایمان لاتے ہیں جب کہ انہیں دیکھتے نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ وہ پکڑنے میں قوی ہے اور غالب ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بالغیب سے مراد اخلاص ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ پہلے جس کا ذکر اجمالی طور پر ہوا تھا کہ اس نے کتابوں کے ساتھ رسول بھیجے اب تفصیل بیان کی اور یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کو رسول بنا کر بھیجا اور نبوت ان کی نسل میں رکھی۔

وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ ہم نے ان کی اولاد میں سے بعض کو انبیاء بنایا اور بعض کو امی بنادیا جو آسمان سے نازل ہونے والی کتابوں کی تلاوت کرتے ہیں وہ تورات، انجیل زبور اور فرقان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کتاب سے قلم کے ساتھ لکھنا ہے۔ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ یعنی جس نے حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہ السلام کی اتباع کی وہ ہدایت یافتہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان دونوں کی اولاد میں سے ہدایت یافتہ ہیں۔ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ یعنی کافر طاعت سے خارج ہیں۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ۬ وَ جَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ رَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

''پھر ہم نے ان کے پیچھے ان کی راہ پر اور رسول بھیجے اور ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو اور انہیں انجیل عطا فرمائی اور ہم نے رکھ دی ان لوگوں کے دلوں میں جو عیسیٰ کے تابعدار تھے شفقت اور رحمت، اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا تھا ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اسے اختیار کیا تھا پھر اسے وہ نباہ نہ سکے جیسے اس کے نباہنے کا حق تھا، پس ہم نے عطا فرمایا جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے (ان کے حسن عمل اور حسن نیت) کا اجر اور ان میں سے اکثر فاسق (وفاجر) تھے''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ، ھم ضمیر سے مراد ذریۃ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام ہیں۔ بِرُسُلِنَا مراد حضرت موسیٰ، حضرت الیاس، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یونس علیہم السلام ہیں یعنی ان کے پیچھے ان انبیاء ورسل کو بھیجا۔

وَ قَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ یہ اپنی ماں کی جانب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ، انجیل سے مراد وہ کتاب ہے جو ان پر نازل کی گئی۔ اس کا مادہ اشتقاق سورۂ آل عمران کے آغاز میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَ جَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ اسم موصول سے مراد حواری اور متبعین ہیں جنہوں نے آپ کے دین کی اتباع کی۔ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً مراد محبت ہے وہ ایک دوسرے سے محبت کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ انہیں انجیل میں حکم دیا گیا کہ وہ صلح سے رہیں اور لوگوں کو اذیت نہ دیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ان کے دلوں کو نرم کر دیا۔ یہودیوں کا معاملہ مختلف ہے جن کے دل سخت ہو گئے اور انہوں نے کلمات کو اپنی جگہ سے بدل دیا۔ رَاْفَةً کا معنی نرمی اور رَحْمَةً کا معنی شفقت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رَاْفَةً کا معنی بوجھ میں کمی کرنا اور رحمت کا معنی بوجھ کو اٹھانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رَاْفَةً رحمت کی شدید صورت ہے اور کلام مکمل ہو گئی۔ پھر فرمایا: وَ رَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا یعنی انہوں نے اپنی جانب سے رہبانیت کو گھڑ لیا ہے۔ اس صورت میں رَهْبَانِيَّةَ کا لفظ مضمر فعل کی وجہ سے منصوب ہو۔ ابو علی نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے ابتدعوا رهبانية ابتدعوها۔ زجاج نے کہا: ابتدعوها رهبانية جس طرح تو کہتا ہے رأیت زیداً و عمرا کلمت۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا عطف رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً پر ہے اس صورت میں معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ چیز عطا کی تو انہوں نے اسے تبدیل کر دیا اور اس میں بدعت کا سلسلہ شروع کیا۔ ماوردی نے کہا: اس میں دو قراءتیں ہیں ان میں سے ایک راء کے فتحہ کے ساتھ ہے جس کا معنی خوف ہے۔ یہ رهب سے مشتق ہے۔ دوسری قراءت راء کے ضمہ کے ساتھ ہے یہ رهبان کی طرف منسوب ہے جس طرح رضوانیہ، رضوان سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو مشقتوں پر برانگیختہ کیا کیونکہ انہوں نے کھانا، پینا، نکاح کرنا چھوڑ دیا اور گرجوں سے وابستہ ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے بادشاہوں نے دین عیسوی کو تبدیل کر دیا تھا اور ایک چھوٹی سی جماعت رہ گئی تھی تو انہوں نے رہبانیت کو اختیار کر لیا اور اللہ تعالیٰ سے لو لگا لی۔ ضحاک نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بادشاہوں نے حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب کیا یہ سلسلہ تین سو سال تک چلتا رہا جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طریقہ پر قائم تھے انہوں نے بادشاہوں کے طریقہ کار کو پسند نہ کیا تو بادشاہوں نے انہیں قتل کر دیا تو وہ لوگ جو ان کے بعد باقی رہ گئے انہوں نے کہا: جب ہم انہیں منع کرتے ہیں تو وہ ہمیں قتل کرتے ہیں اب ان کے ساتھ رہنا ہمارے لیے ممکن نہیں تو وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو گئے اور انہوں نے گرجے بنا لیے۔ قتادہ نے کہا: وہ رہبانیت جس کو انہوں نے اپنی جانب سے گھڑا تھا وہ عورتوں کو چھوڑنا اور گرجے بنانا تھا۔ مرفوع حدیث میں ہے کہ ”رہبانیت جس کو انہوں نے اپنایا تھا وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں چلے جانا ہے“۔

مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ نہ ہم نے ان پر اسے فرض کیا تھا اور نہ ہی ہم نے انہیں اس کا حکم دیا تھا؛ یہ ابن زید کا قول ہے اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ یعنی ہم نے انہیں حکم نہیں دیا مگر اس چیز کا جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو؛ یہ ابن سلم کا قول ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے ان پر کسی چیز کو لازم نہیں کیا تھا۔ ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ یہ ھا ضمیر سے بدل ہے جو كَتَبْنٰهَا میں موجود ہے معنی ہے ہم نے اسے ان پر لازم نہیں کیا مگر اللہ تعالیٰ کی رضا کو لازم کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِلَّا ابْتِغَآءَ مستثنیٰ منقطع ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ما كتبنا ها عليهم لكن ابتدعوها ابتغاء رضوان الله۔

فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا یعنی انہوں نے اس کا حق ادا نہ کیا۔ یہ عام کی تخصیص ہے کیونکہ جن لوگوں نے رعایت نہ کی تھی

وہ قوم کے کچھ افراد تھے انہوں نے رہبانیت کے ساتھ لوگوں پر حاکمیت چاہی اور ان کے اموال کھانا چاہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (التوبہ: 34) یہ ایسی قوم کے بارے میں ہے جنہیں رہبانیت آخر کار حکومت کی طلب کی طرف لے گئی۔

سفیان ثوری نے عطاء بن سائب سے وہ سعید بن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کرتے ہیں وَ رَهْبَانِیَّةَ ِۨابْتَدَعُوْهَا کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بادشاہوں نے تورات اور انجیل کو بدل دیا تھا ان میں مومن بھی تھے جو تورات اور انجیل کو پڑھا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دیا کرتے تھے تو کچھ لوگوں نے اپنے بادشاہوں سے کہا: کاش! تو اس جماعت کو قتل کر دیتا۔ مومنوں نے کہا: ہم تمہاری جانب سے اپنے نفسوں کو کافی ہیں۔ ایک طائفہ نے کہا: ہمارے لیے مینارہ بنادو اور ہمیں اس پر چڑھادو اور ہمیں کوئی ایسی چیز دے دو جس کے ساتھ ہم اپنا کھانا اور اپنا پانی اوپر لے جاسکیں؛ ہم تمہارے پاس نہیں آئیں گے۔ ایک طائفہ نے کہا: ہمیں چھوڑ دو ہم زمین میں گھومیں پھریں گے ہم اسی طرح پئیں گے جس طرح وحشی جانور پانی پیتے ہیں،۔ جب تمہیں ہمارے اوپر قدرت ہو تو تم ہمیں قتل کر دینا۔ ایک جماعت نے کہا: ہمارے لیے جنگلوں میں گھر بنادو ہم کنویں کھودیں گے اور سبزیاں کاشت کریں گے تم ہمیں نہیں دیکھو گے ان میں سے کوئی فرد نہیں تھا مگر ان لوگوں میں سے ایک جگری دوست تھا تو انہوں نے اس طرح کیا۔ وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے طریقہ پر چلتے رہے۔ ان کے بعد ایسے لوگ آئے جنہوں نے کتاب کو تبدیل کر دیا۔ انہوں نے کہا: ہم سیاحت کریں گے اور ہم اسی طرح عبادت کریں گے جس طرح وہ عبادت کیا کرتے تھے جب کہ وہ شرک پر قائم تھے انہیں ان لوگوں کے ایمان کا کچھ علم نہ تھا جن کی وہ اقتدا کر رہے تھے تو یہی اس ارشاد کا مفہوم ہے وَ رَهْبَانِیَّةَ ِۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اس کا آغاز تو ان صالحین نے کیا تھا تو متاخرین نے اس کی کماحقہ رعایت نہ کی۔

فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ یعنی جنہوں نے اس کا آغاز کیا اور اس کی رعایت کی انہیں ہم نے اجر دیا وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۝ مراد متاخرین ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا تو ان لوگوں میں سے تھوڑے افراد ہی رہ گئے تھے تو وہ غاروں اور گرجوں سے نکل کر آئے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ آیت اس امر پر دال ہے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے جو آدمی اچھا کام شروع کرے اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ اس پر قائم دائم رہے اس کی ضد کی طرف نہ پھرے کہ وہ اس آیت میں داخل ہو جائے۔ حضرت ابوامامہ باہلی سے مروی ہے جن کا نام صدی بن عجلان تھا انہوں نے کہا: تم نے رمضان شریف کا قیام شروع کیا ہے جب کہ یہ تم پر فرض نہ تھا بے شک تم پر روزے فرض کیے گئے۔ جب تم نے یہ شروع کیا ہے تو اس پر دوام اختیار کرو اسے نہ چھوڑو۔ بے شک بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگوں نے ایسے امور کو شروع کیا اللہ تعالیٰ نے ان پر ان چیزوں کو لازم نہیں کیا تھا وہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے تھے تو انہوں نے اس کی کماحقہ رعایت نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ترک کرنے پر ان پر عیب لگایا جس طرح اس ارشاد میں ذکر ہوا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ آیت میں گرجوں اور گھروں میں الگ تھلگ ہو کر بیٹھ جانے پر دلیل موجود ہے جب زمانہ میں فساد برپا ہو جائے اور دوست و بھائی بدل جائیں تو یہ امر مندوب ہوگا۔ اس کی وضاحت سورۂ کہف میں مفصل گزر چکی ہے۔ مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ہم ایک سریہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے کہا: ایک آدمی ایک غار کے پاس سے گزرا اس میں کچھ پانی موجود تھا اس کے دل میں خیال آیا کہ اس غار میں رہے اس میں جو پانی ہے اس سے قوت حاصل کرے اور اس کے اردگرد جو سبزیاں ہیں انہیں حاصل کرے اور دنیا سے کنارہ کش ہو جائے۔ کہا: اگر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں آپ سے یہ بات عرض کروں گا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دی تو میں ایسا کروں گا۔ بصورت دیگر ایسا نہیں کروں گا۔ وہ آدمی حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں ایک غار کے پاس سے گزرا اس میں پانی اور سبزی تھی جو میری خوراک کے لیے کافی تھی میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس میں رہوں اور دنیا سے کنارہ کش ہو جاؤں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے تو سیدھے سادے آسان دین کے ساتھ بھیجا گیا ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے تمہارا پہلی صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا اکیلے ساٹھ سال تک نماز پڑھنے سے بہتر ہے'' (1)۔

کوفیوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا تو جانتا ہے کہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ علم رکھنے والا کون ہے؟'' میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''لوگوں میں سے زیادہ علم رکھنے والا وہ شخص ہے جو حق کے بارے میں لوگوں سے زیادہ بصیرت رکھتا ہو جب لوگ اس میں اختلاف کریں اگرچہ وہ عمل میں کوتاہی کرنے والا ہو اگرچہ وہ اپنی سرین پر گھسٹتا ہو۔ کیا تو جانتا ہے کہ بنی اسرائیل نے کہاں سے رہبانیت کو شروع کیا؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جابران پر غالب آ گئے وہ نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔ اہل ایمان ان پر ناراض ہوئے تو جابروں نے ان سے جنگ کی اور تین دفعہ اہل ایمان کو شکست دی۔ تو ان میں سے تھوڑے ہی افراد بچے۔ انہوں نے کہا: اگر ان جابر لوگوں نے ہمیں فنا کر دیا تو دین کے لیے کوئی بھی نہ بچے گا جو اس دین کی طرف دعوت دے آؤ ہم زمین میں بکھر جائیں یہاں تک کہ نبی امی مبعوث ہو جس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہم سے وعدہ کیا ہے۔ اس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد لیتے۔ وہ پہاڑوں کی غاروں میں بکھر گئے۔ انہوں نے رہبانیت کو شروع کیا ان میں سے کچھ حضرت عیسیٰ کے دین پر کاربند رہے اور کچھ نے کفر کیا اور اس آیت کی تلاوت کی۔ کیا تو جانتا ہے میری امت کے لیے رہبانیت کیا ہے؟ ہجرت، جہاد، روزہ، نماز، حج، عمرہ اور بلند و پست زمین پر تکبیر کہنا۔ اے ابن مسعود! تم میں سے قبل جو یہودی ہو گزرے ہیں وہ اکہتر فرقوں میں بٹے ان میں سے ایک فرقہ نے نجات پائی اور باقی ہلاک ہوئے، تم میں سے قبل جو نصاریٰ ہوئے وہ بہتر فرقوں میں بٹے ان میں تین بچے باقی سب ہلاک ہو گئے۔ بادشاہوں نے ان سے مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ان سے جنگ کی یہاں تک کہ انہیں قتل کر دیا ایک فرقہ ایسا تھا جن میں بادشاہوں سے

1۔ جامع ترمذی، کتاب ابواب الجہاد، باب ما جاء فی فضل الغدو والرواح فی سبیل اللہ، حدیث نمبر 1573، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مقابلہ کرنے کی ہمت نہ تھی وہ اپنی قوم میں ہی رہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی طرف دعوت دی، بادشاہوں نے انہیں پکڑ لیا، انہیں قتل کیا اور انہیں آریوں کے ساتھ چیر دیا ایک جماعت ایسی تھی انہیں بادشاہوں کے ساتھ مقابلہ کی طاقت نہ تھی اور نہ یہ طاقت تھی کہ وہ اپنی قوم کے درمیان رہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کی طرف دعوت دیں وہ پہاڑوں میں سیاحت کرنے لگے اور ان میں رہبانیت کو پالیا یہی وہ جماعت ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ رَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا جو مجھ پر ایمان لایا، میری پیروی کی اور میری تصدیق کی اس نے اس کی رعایت کی جس طرح رعایت کرنے کا حق تھا اور جو مجھ پر ایمان نہ لایا تو وہ فاسق ہے یعنی جس نے یہودیت اور نصرانیت کو اپنایا''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا اور آپ پر ایمان نہ لائے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔ آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے۔ یعنی پہلے لوگوں نے کفر پر اصرار کیا اس لیے اپنے زمانہ کے لوگوں پر تعجب نہ کیجئے اگر وہ کفر پر اصرار کریں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۸ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۹

''اے ایمان والو! تم ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور (سچے دل سے) ایمان لے آؤ اس کے رسول (مقبول) پر اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرمائے گا دو حصے اپنی رحمت سے اور بنا دے گا تمہارے لیے ایک نور جس کی روشنی میں تم چلو گے اور بخش دے گا تمہیں، اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے (تم پر یہ خصوصی کرم اس لیے کیا) تاکہ جان لیں اہل کتاب کہ ان کا کوئی قابو نہیں اللہ تعالیٰ کے فضل (و کرم) پر اور یہ کہ فضل تو اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے، نوازتا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے''۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لائے۔ اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ رسول سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ تمہیں دوگنا اجر دیا جائے گا کیونکہ تم حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے ہو یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا (القصص: 54) اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ کفل کا معنی حصہ ہے۔ سورۂ نساء میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ اصل میں اس کا معنی ایسا کمبل یا چادر ہے سوار جس کو اونٹ کی کوہان لپیٹ لیتا ہے جو اسے گرنے سے بچاتی ہے؛ یہ ابن جریج کا نقطۂ نظر ہے۔ کیا اس سے مراد وہ چادر ہے جسے سوار اونٹ کی کوہان کے اردگرد لپیٹ لیتا ہے جب وہ اس کی کوہان کی پچھلی جانب بیٹھتا ہے تاکہ وہ نہ گرے؟ اس کا معنی ہے وہ تمہیں دو حصے دے گا وہ دونوں حصے تمہیں معاصی کی ہلاکت سے محفوظ رکھیں گے

جس طرح کفل (چادر) سوار کی حفاظت کرتی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے کہا: کفلین کا معنی حبشہ کی زبان میں دوگنا ہے۔ حضرت ابن زید سے مروی ہے: کفلین سے مراد دنیا و آخرت کا اجر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب یہ آیت اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا (القصص: 54) نازل ہوئی تو اہل کتاب کے مومنوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر فخر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایک نیکی کا اجر ایک مثل ہی ہوگا۔ کہا: حسنہ عام اسم ہے اس کا صدق ایمان کی ہر نوع پر آئے گا اور اسے عموم پر ہی بولا جائے گا۔ جب حسنہ کا لفظ ایک نوع پر بولا جائے تو اس پر ثواب بھی ایک مثل ہی ہوگا۔ اگر ایسی نیکی پر بولا جائے جو دونوں پر مشتمل ہو تو اس پر ثواب دو مثل ہوگا؛ اس کی دلیل یہ آیت ہے کیونکہ فرمایا: کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ اور کفل کا معنی نصیب ہے جس طرح مثل ہوتا ہے۔ جو آدمی متقی ہوا اور اس کے رسول پر ایمان لایا اس کے لیے دو حصے ہیں ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی وجہ سے اور ایک حصہ اس کے رسول پر ایمان کے باعث ہے۔ اس چیز نے اس امر پر دلالت کی کہ وہ نیکی جس کا اجر دس گنا بنایا گیا ہے وہ نیکی کی دس انواع کو جامع ہے وہ ایمان ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت میں دس انواع کو جمع کیا ہے؛ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ (الاحزاب: 35) یہ دس انواع جس کا ثواب ان کی مثل ہے تو یہ نوع کے بدلے میں ایک مثل ہوئی۔ یہ تاویل فاسد ہے کیونکہ یہ ظاہر کلام سے خارج ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (الانعام: 160) عموم کی تخصیص اس کا احتمال نہیں رکھتی، کیونکہ جو دس نیکیوں کو جامع ہو تو ہر نیکی کو اس کی مثل ہی بدلہ دیا جائے گا تو اس سے یہ امر باطل ہو گیا کہ ایک نیکی کا بدلہ دس گنا ہو جب کہ اخبار اس پر دال ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اگر معاملہ اس طرح ہو جس طرح ذکر کیا گیا ہے تو حسنہ اور سیئہ میں کوئی فرق نہ ہو۔

وَ یَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا، نور سے مراد بیان اور ھدی ہے؛ یہ مجاہد سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اس سے مراد قرآن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ضیاء ہے۔

تَمْشُوْنَ بِهٖ جس کی روشنی میں تم آخرت میں پل صراط پر سے گزرو گے اور قیامت کے روز جنت کی طرف جاؤ گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس کی روشنی میں تم لوگوں میں چلو پھرو گے۔ انہیں اسلام کی طرف دعوت دو گے تو تم دین اسلام میں لوگوں کے رؤساء بن جاؤ گے تو تم سے وہ ریاست زائل نہ ہوگی جس میں تم ہو گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں یہ خوف لاحق ہوا تھا کہ اگر وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تو ان کی ریاست ختم ہو جائے گی۔ حل میں ان سے وہ رشوت ختم ہوتی تھی جو وہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں تحریف کر کے کمزور لوگوں سے حاصل کرتے تھے دین میں حقیقی سرداری ختم نہیں ہوتی تھی۔ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

لِّئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ تا کہ اہل کتاب جان لیں۔ ان لا زائدہ ہے تاکید کا فائدہ دے رہا ہے؛ یہ اخفش کا قول ہے۔ فراء نے کہا: معنی ہے کہ وہ جان لیں۔ لا ہر اس کلام میں زائد ہوتا ہے جس پر لام جحد داخل ہو۔ قتادہ نے کہا: اہل کتاب نے مسلمانوں سے حسد کیا تو یہ آیت نازل ہوئی لِّئَلَّا یَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ معنی ہے تا کہ اہل کتاب جان لیں۔

اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ مجاہد نے کہا: یہودیوں نے کہا قریب ہے کہ ہم میں سے ایک ایسا نبی ظاہر ہو جو ہاتھ پاؤں کاٹے، جب اس نبی کا ظہور عربوں میں ہوا تو انہوں نے اس نبی کا انکار کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی لِئَلَّا يَعْلَمَ تا کہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اس پر قادر نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا (طٰہٰ:89) حضرت حسن بصری سے یہ قرأت منقول ہے لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ؛ یہ مجاہد سے روایت مروی ہے۔ قطرب نے لام کے کسرہ اور یاء کے سکون کے ساتھ روایت نقل کی ہے اور جر کو فتحہ دینا یہ عام لغت ہے یاء کو ساکن کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا ہمزہ حذف کر دیا گیا ہے تو وہ لنلا بن گیا تو نون کو لام میں مدغم کر دیا گیا تو وہ للا بن گیا جب تین لام جمع ہو گئے تو درمیانی لام کو یاء سے بدل دیا گیا مگر مشہور لغت میں لام کو باقی رکھا گیا تو وہ اس توجیہ سے اقوی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: لکیلا یعلم۔ حطان بن عبداللہ سے مروی ہے لأن یعلم۔ عکرمہ سے مروی ہے: لیعلم۔ یہ مصحف میں جو لکھا گیا ہے اس کے خلاف ہے۔

مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ، فَضْلِ اللّٰهِ سے مراد اسلام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ثواب ہے۔ کلبی نے کہا: مراد رزق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کا فضل اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے ان کے قبضہ قدرت میں نہیں کہ وہ نبوت کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی طرف پھیر دیں جسے وہ پسند کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اسی کا ہے يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ جسے چاہے عطا فرمائے۔ بخاری شریف میں ہے حکم بن نافع، شعیب سے وہ زہری سے وہ سالم بن عبداللہ سے وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا جب کہ آپ منبر پر کھڑے تھے: ''تم سے قبل جو امتیں گزری ہیں ان کے مقابلہ میں تمہاری بقا اس قدر ہے جس قدر عصر کی نماز سے سورج غروب ہوتا ہے، اہل تورات کو تورات دی گئی انہوں نے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ دن نصف تک پہنچ گیا پھر وہ عاجز آ گئے تو انہیں ایک ایک قیراط دیا گیا پھر اہل انجیل کو انجیل دی گئی تو انہوں نے اس پر عصر کی نماز کے وقت تک عمل کیا پھر وہ عاجز آ گئے تو انہیں ایک ایک قیراط دیا گیا پھر تمہیں قرآن دیا گیا تو تم نے اس پر سورج کے غروب ہونے تک عمل کیا تو تمہیں دو دو قیراط دیئے گئے۔ تورات والوں نے کہا: اے اللہ! یہ عمل کے اعتبار سے کم اور اجر کے اعتبار سے زیادہ ہیں۔ فرمایا: کیا میں نے تمہارے اجر میں کوئی کمی کی ہے۔ عرض کی: نہیں تو فرمایا: یہ میرا فضل ہے جسے چاہوں میں دوں''۔ ایک روایت میں ہے: ''یہودی اور نصرانی غضبناک ہو گئے عرض کی: اے ہمارے رب!'' وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ اللہ تعالیٰ فضل عظیم والا ہے۔

سورۃ المجادلہ

آیاتہا ۲۲ ۔ ۵۸ سورۃ المجادلۃ مدنیۃ ۱۰۵ ۔ رکوعاتہا ۳

اس کی بائیس آیات ہیں۔
تمام کے قول میں یہ مدنی ہے مگر عطا کی روایت میں ہے کہ پہلی دس آیات مدنی ہیں اور باقی مکی ہیں۔ کلبی نے کہا: تمام کی تمام سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی مگر اللہ تعالیٰ کا فرمان مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَ اللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ①

"بے شک اللہ تعالیٰ نے سن لی اس کی بات جو تکرار کر رہی تھی آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں (ساتھ ہی) شکوہ کیے جاتی تھی اللہ تعالیٰ سے (اپنے رنج و غم کا) اور اللہ سن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو، بے شک اللہ (سب کی باتیں) سننے والا (سب کچھ) دیکھنے والا ہے"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ جس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کی وہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بنت حکیم تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام جمیلہ تھا۔ اور خولہ نام زیادہ صحیح ہے ان کے خاوند کا نام حضرت اوس بن صامت تھا جو حضرت عبادہ بن صامت کے بھائی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں اس عورت کے پاس سے گزرے جب کہ کچھ لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے آپ گدھے پر سوار تھے اس عورت نے طویل وقت تک آپ کو روکے رکھا آپ کو نصیحتیں کیں کہا: اے عمر! کبھی تجھے عمیر کہا جاتا تھا، پھر تمہیں عمر کہا جانے لگا، پھر تمہیں امیر المومنین کہا جانے لگا۔ اے عمر! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیونکہ جس کو موت کا یقین ہوتا ہے وہ فوت ہونے سے ڈرتا ہے جسے حساب کا یقین ہوتا ہے وہ عذاب سے ڈرتا ہے جب کہ حضرت عمر کھڑے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ آپ سے عرض کی گئی: اے امیر المومنین! کیا آپ اس بڑھیا کے لیے اتنا ٹھہرتے ہیں؟ فرمایا: اللہ کی قسم! اگر یہ مجھے دن کے پہلے پہر سے آخری پہر تک روکے رکھے تو میں کھڑا رہوں گا مگر فرض نماز کے لیے جاؤں گا کیا تم جانتے ہو یہ بڑھیا کون ہے؟ یہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ ہیں اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں سے اوپر اس کی بات کو سنا کیا رب العالمین اس کی بات کو سنے اور عمر اس کی بات کو نہ سنے؟
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بڑی ہی برکتوں والی ہے وہ ذات جس کی قوت سماعت ہر شی کو وسیع ہے۔ میں حضرت

خولہ بنت ثعلبہ کی گفتگو سن رہی تھی اور مجھ پر کچھ گفتگو مخفی تھی جب کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنے خاوند کی شکایت کر رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی: یارسول اللہ! اس نے میری جوانی کو کھالیا میں نے اپنے پیٹ کو اس کے لیے بکھیر دیا۔ جب میں بوڑھی ہو گئی اور میری جانب سے ولادت کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو اس نے مجھ سے ظہار کیا۔ اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں شکایت کرتی ہوں۔ وہ وہیں تھی کہ حضرت جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ اسے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔

بخاری شریف میں جو روایت ہے وہ یہ ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تمام تر تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس کی قوت سماعت تمام آوازوں کو جامع ہے۔ ایک جھگڑا کرنے والی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ میں کمرے کے ایک کونے میں موجود تھی میں اس کی بات نہیں سن رہی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(1)۔

ماوردی نے کہا: وہ حضرت خولہ بن ثعلبہ تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد بنت خویلد تھیں۔ ان میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ایک ان میں سے باپ اور دوسرا دادا تھا۔ ان دونوں میں ہر ایک کی طرف اسے منسوب کیا گیا۔ ان کے خاوند حضرت اوس بن صامت تھے جو حضرت عبادہ بن صامت کے بھائی تھے۔ ثعلبی نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا مراد حضرت خولہ بنت خویلد خزرجیہ ہیں، یہ حضرت اوس بن صامت کے عقد میں تھیں۔ جو حضرت عبادہ بن صامت کے بھائی تھے یہ بڑے خوبصورت جسم کی مالک تھیں۔ ان کے خاوند نے انہیں سجدہ کرتے ہوئے دیکھ لیا اس کی سرین کو دیکھا تو معاملہ بڑا عجیب لگا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو خاوند نے ان کا ارادہ کیا تو اس نے انکار کر دیا تو خاوند اس پر ناراض ہو گیا۔

حضرت عروہ نے کہا: وہ ایسا آدمی تھا جسے جنون کی کچھ تکلیف تھی اسے یہ عارضہ لاحق ہوا تو اس نے اپنی بیوی سے کہا: انت علیّ کظھر أمی تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ دور جاہلیت میں ایلاء اور ظہار طلاق تھے۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو اس پر حرام ہو گئی ہے''۔ اس نے عرض کی: اللہ کی قسم! اس نے طلاق کا ذکر نہیں کیا۔ پھر کہا: میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے فاقہ، تنہائی، وحشت، اپنے خاوند کے فراق اور چچازاد بھائی کی جدائی کی شکایت کرتی ہوں۔ میں نے اس کے لیے اپنے پیٹ کو بکھیر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو اس پر حرام ہو گئی ہے''۔ وہ لگاتار بات دہراتی رہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے جواب دیتے رہے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس نے عرض کی یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے دور جاہلیت کے طریقوں کو منسوخ کر دیا ہے جب کہ میرے خاوند نے مجھ سے ظہار کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس بارے میں مجھ پر کوئی وحی نہیں آئی''۔ اس نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ پر ہر چیز کے بارے میں وحی کی گئی اور آپ سے اس امر کو لپیٹ دیا گیا؟ فرمایا: ''میں نے جو کچھ تجھے کہا ہے وہی کچھ ہے''۔ اس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرتی ہوں اس کے رسول کی بارگاہ میں شکایت نہیں کرتی، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ۔

دارقطنی نے قتادہ کی حدیث سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے انہیں بیان کیا کہ حضرت اوس بن

1۔ سنن ابن ماجہ، باب فیما انکرت الجھمیۃ، حدیث نمبر 183، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

صامت نے اپنی بیوی حضرت خویلہ بنت ثعلبہ سے ظہار کیا حضرت خویلہ نے اسی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں شکایت کی عرض کی: اس نے اس وقت ظہار کیا جب میری عمر بڑی ہوگئی اور میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے آیت ظہار کو نازل فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اوس سے کہا: ''غلام کو آزاد کرو''۔ عرض کی: میرے پاس تو کوئی غلام نہیں۔ فرمایا: ''دو ماہ کے پے در پے روزے رکھو'' عرض کی: میری حالت یہ ہے کہ میں دن میں تین بار کھانا نہ کھاؤں تو میری نظر کمزور ہوجاتی ہے۔ فرمایا: ''ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ'' عرض کی: میں تو کوئی چیز نہیں پاتا سوائے اس کے کہ آپ صلہ رحمی اور مدد کے طور پر میری مدد فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اس کی پندرہ صاع کے ساتھ مدد کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اس مال کو جمع کر دیا۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ لوگوں کی رائے ہے کہ اس صحابی کے پاس اسی کی مثل مال موجود تھا تو یہ ساٹھ مسکینوں کے لیے ہوگیا۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت سلمہ بن صخر بیاضی نے اپنی بیوی سے ظہار کیا اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ایک غلام آزاد کرو'' کہا: میں نے اپنے ہاتھ سے اپنی گردن پر ہاتھ مارا عرض کی نہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں اس کے سوا کسی کا مالک نہیں۔ فرمایا: ''دو ماہ کے روزے رکھو'' میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے جو مصیبت پہنچی ہے وہ روزوں کی وجہ سے ہی پہنچی ہے۔ فرمایا: ''تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو'' (1)۔ ابن عربی نے احکام میں ذکر کیا ہے روایت کی گئی ہے کہ حضرت خولہ بنت خدیج سے ان کے خاوند نے ظہار کیا وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اس نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے عرض کی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تو اس پر حرام ہوچکی ہے'' انہوں نے عرض کی: میں اپنی حاجت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتی ہوں۔ وہ پھر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تو اس پر حرام ہوچکی ہے'' اس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی حاجت پیش کرتی ہوں جب کہ آپ ﷺ کے سر کے دائیں حصہ کو دھو رہی تھیں پھر وہ بائیں حصہ کی طرف متوجہ ہوئیں جب کہ وحی ان پر نازل ہوچکی تھی وہ دوبارہ عرض کرنے لگی۔ حضرت عائشہ نے کہا: خاموش ہوجا! آپ پر وحی نازل ہوچکی ہے جب قرآن نازل ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے خاوند سے فرمایا: ''ایک غلام آزاد کرو''۔ اس نے عرض کی: میں تو کوئی غلام نہیں پاتا۔ فرمایا: ''دو ماہ کے پے در پے روزے رکھو'' اس نے عرض کی: اگر میں دن میں تین بار کھانا نہ کھاؤں تو مجھے خوف ہوجاتا ہے کہ میری آنکھیں نابینا ہی نہ ہوجائیں۔ فرمایا: ''ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ'' تو اس نے عرض کی: میری مدد کیجئے تو نبی کریم ﷺ نے اس کی مدد کی۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: مفسرین کی رائے ہے کہ وہ حضرت خولہ تھیں اور ان کے خاوند کا نام حضرت اوس بن صامت تھا۔ اس کے نسب میں علماء نے اختلاف کیا ہے بعض نے کہا: وہ ایک انصاری عورت تھی جو ثعلبہ کی بیٹی تھی۔ بعض نے کہا: وہ خدیج کی بیٹی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ خویلد کی بیٹی تھی۔ بعض نے کہا: وہ صامت کی بیٹی تھی۔ بعض نے کہا: وہ ایک لونڈی تھی جو عبداللہ بن ابی کی ملک میں تھی یہی وہ لونڈی تھی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَلَا تُكْرِهُوْا**

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب الظہار، حدیث نمبر [illegible]

فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا (النور: 33) کیونکہ وہ اسے بدکاری پر مجبور کیا کرتا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حکیم کی بیٹی تھی۔ نحاس نے کہا: اس میں کوئی تناقض نہیں؛ یہ جائز ہے کہ ایک دفعہ وہ اپنے باپ کی طرف منسوب ہو، ایک دفعہ اپنی ماں کی طرف منسوب ہو، ایک دفعہ اپنے دادا کی طرف منسوب ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ عبداللہ بن ابی کی لونڈی ہو تو اسے ولاء کی وجہ سے انصاریہ کہا گیا ہو کیونکہ عبداللہ انصار میں شمار ہوتا تھا اگرچہ منافق تھا۔

مسئلہ نمبر 2۔ قَدْ سَمِعَ کو ادغام اور اظہار کی صورت میں بھی پڑھا گیا ہے۔ سماع میں اصل مسموعات کا ادراک ہے؛ یہ شیخ ابوالحسن کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ابن فورک نے کہا: صحیح یہ ہے کہ یہ مسموع کا ادراک ہے۔ حاکم ابوعبداللہ نے سمیع کے معنی میں کہا: وہ آوازوں کا ادراک کرتا ہے جن آوازوں کا مخلوقات کانوں سے ادراک کرتی ہے جب کہ اس کے کوئی کان نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آوازیں اس پر مخفی نہیں اگرچہ وہ اس حس سے متصف نہیں جو کانوں میں رکھی گئی ہے جس طرح لوگوں میں سے اصم (بہرہ) ہوتا ہے جب اس میں حاسہ نہیں ہوتا تو وہ آواز کے ادراک کا اہل نہیں ہوتا۔ سمع اور بصر دونوں صفتیں ہیں جس طرح علم، قدرت، حیات اور ارادہ۔ یہ دونوں صفات ذات میں سے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ان سے متصف ہے۔ شکی اور اشتکی کا معنی ایک ہے اسے تحاور ک بھی پڑھا گیا ہے یعنی وہ بات کو بار بار لوٹاتی تھی۔ تجادلک یعنی وہ آپ سے سوال کرتی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِيْ وَ لَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝

''جو لوگ تم میں سے ظہار کرتے ہیں اپنی بیویوں سے وہ ان کی مائیں نہیں ہیں، نہیں ہیں ان کی مائیں بجز ان کے جنہوں نے انہیں جنا ہے، بے شک یہ لوگ کہتے ہیں بہت بری بات اور جھوٹ، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت درگزر فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے''۔

اس میں تیئیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ ابن عامر، حمزہ، کسائی اور خلف نے یاء کے فتحہ، ظاء کی تشدید اور الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ نافع، ابن کثیر، ابوعمرو اور یعقوب نے یظھرون یعنی الف کو حذف کرنے، ھاء اور ظاء کی تشدید اور یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابوالعالیہ، عاصم اور زر بن حبیش نے یظاھرون یعنی یاء کے ضمہ، ظاء کی تخفیف، الف اور ھاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ سورۂ احزاب میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ ابی کی قرأت میں یتظاھرون ہے؛ یہ ابن عامر اور حمزہ کی قرأت کا معنی ہے۔ ظہر کے لفظ کا ذکر رکوب کے معنی سے کنایہ ہے عورت کے بطن پر سوار ہوا جاتا ہے لیکن ظہر کو اس سے کنایۃ ذکر کیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: نزل عن أمراته اسے طلاق دے دی، گویا وہ سواری سے اتر آیا۔ أنت علی کظھر امی یعنی تو مجھ پر حرام ہے تیرے اوپر سوار ہونا میرے لیے حلال نہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ ظہار کی حقیقت یہ ہے کہ ایک ظہر کو دوسری ظہر سے تشبیہ دی جاتی ہے اس کے حکم کا موجب یہ چیز ہے

کہ حلال پشت کو حرام پشت سے تشبیہ دی جاتی ہے (1)۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے: اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا أنت علی کظھر بنتی او أختی وغیرہ جب کہ جس عورت کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے وہ ذوات المحارم میں سے ہو تو وہ مظاہر ہوگا؛ یہ امام مالک، امام ابوحنیفہ وغیرہ کا مذہب ہے۔ امام شافعی سے اس بارے میں اختلاف مروی ہے۔ ان سے امام مالک کے قول جیسا قول بھی مروی ہے کیونکہ اس نے اپنی بیوی کو ایسی محرم کی پشت سے تشبیہ دی ہے جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام تھی جیسے ماں۔ ان سے ابوثور نے روایت کی ہے کہ ظہار صرف ماں کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے؛ یہ قتادہ اور شعبی کا مذہب ہے۔ پہلا قول حضرت حسن بصری، نخعی، زہری، اوزاعی اور ثوری کا نقطہ نظر ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ظہار کی اصل یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنی بیوی سے کہے: أنت علی کظھر أمی اللہ تعالیٰ نے ظہر کا لفظ بطن سے کنایہ اور پردہ کے طور پر ذکر کیا ہے اگر وہ کہے: أنت علی کأمی اور ظھر کا ذکر نہیں کیا یا کہا أنت علی مثل أمی اگر اس صورت میں ظہار کا ارادہ کیا تو جو اس نے نیت کی وہی حکم ہوگا۔ اگر طلاق کا ارادہ کیا تو امام مالک کے نزدیک اسے طلاق بائنہ ہو جائے گی، اگر طلاق اور ظہار کی نیت نہ ہو تو وہ مظاہر ہوگا صریح ظہار نیت کے ساتھ طلاق کی طرف نہیں پھرے گا۔ جس طرح صریح طلاق اور معروف کنایہ ظہار کی طرف نہیں پھرے گا۔ ظہار کو جب کنایہ کی صورت میں ذکر کیا گیا تو یہ نیت کے ساتھ طلاق بائنہ کی طرف پھر جائے گا۔

مسئلہ نمبر 4۔ ظہار کے الفاظ دو قسم کے ہیں صریح، کنایہ، صریح یہ ہے أنت علی کظھر أمی، أنت عندی و أنت منی وأنت معی کظھر امی، تو مجھ پر، میرے ہاں میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ اس طرح اس کا یہ قول أنت علی کبطن أمی أو کر أسھا أو فرجھا أونحوہ اسی طرح اس کا یہ قول فرجك، رأسك، ظھرك، بطنك، رجلك علی کظھر أمی تو اس صورت میں بھی وہ مظاہر ہوگا۔ اس کا قول یدك، رجلك، رأسك، فرجك طالق تو اسے طلاق ہو جائے گی۔

امام شافعی کا ایک قول یہ ہے: وہ ظہار کرنے والا نہیں ہوگا۔ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ انہوں نے ہمارے ساتھ موافقت کی ہے کہ ان اعضاء کی طرف طلاق کو منسوب کرنا صحیح ہے۔ امام ابوحنیفہ نے اس سے اختلاف کیا تو پس اس کی طرف ظہار کی نسبت کرنا بھی صحیح ہے۔ جس نے اپنی بیوی کو اپنی ماں، اپنی دادی خواہ باپ کی جانب سے ہو یا ماں کی جانب سے تو بغیر کسی اختلاف کے وہ ظہار ہوگا۔ اگر اس نے ان کے علاوہ کسی اور ایسی عورت سے اپنی بیوی کو تشبیہ دی جو کسی حال میں بھی اس کے لیے حلال نہیں ہوتی جس طرح بیٹی، بہن، پھوپھی اور خالہ تو اکثر فقہاء کے نزدیک وہ مظاہر ہوگا اور امام شافعی کا بھی صحیح مذہب یہی ہے۔ جو ہم نے ذکر کیا ہے اس کا کنایہ ہے کہ وہ کہے: أنت علی کأمی أو مثل أمی اس میں نیت کا اعتبار ہوگا اگر ظہار کا ارادہ کیا تو ظہار ہوگا اگر ظہار کا ارادہ نہ کیا تو امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ظہار نہیں ہوگا۔ امام مالک کا مذہب اس کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو ماں کے ساتھ تشبیہ دی ہے تو یہ ظہار ہوگا اس کی اصل یہ ہے کہ وہ ظہر کے لفظ کا ذکر کرے اور یہ قوی ہے کیونکہ لفظ کا معنی اس میں موجود ہے اور لفظ اپنے معنی کے ساتھ ہی ہوتا ہے ظہر کا

1۔ احکام القرآن لابن العربی

حکم اپنے لفظ کی وجہ سے لازم نہیں اسے اس کے معنی کی وجہ سے لازم کیا گیا ہے جو تحریم ہے؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔(1)

مسئلہ نمبر 5۔ اگر اس نے اپنی بیوی کو اپنی ماں کے کسی عضو کے ساتھ تشبیہ دی تو وہ ظہار کرنے والا ہوگا جب کہ امام ابوحنیفہ نے اس سے اختلاف کیا ہے آپ کا کہنا ہے: اگر خاوند نے اپنی بیوی کو کسی ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دی جس کی طرف دیکھنا اس کے لیے حلال تھا تو وہ مظاہر نہیں ہوگا۔ یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ استمتاع کے طریقہ پر اس کی طرف دیکھنا حلال نہیں اس میں تشبیہ واقع ہے اور مظاہر نے اس کا قصد کیا ہے۔ امام شافعی نے ایک قول میں کہا: وہ صرف اس صورت میں مظاہر ہوگا جب وہ لفظ ظہر کا ذکر کرے گا۔ یہ استدلال فاسد ہے کیونکہ اس کا ہر عضو حرام ہے تو اس عضو کے ساتھ تشبیہ ظہار ہوگا جس طرح ظہر کا لفظ ذکر کیا جائے تو ظہار ہوتا ہے کیونکہ ظہار کرنے والا حلال عورت کو حرام عورت کے ساتھ تشبیہ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو حکم ضرور لازم ہوگا۔

مسئلہ نمبر 6۔ اگر اس نے اپنی بیوی کو کسی اجنبی عورت کے ساتھ تشبیہ دی اگر اس نے ظہار کا ذکر کیا تو وہ ظہار ہوگا پہلے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے۔ اگر لفظ ظہر کا ذکر نہ کیا تو اس میں ہمارے علماء نے اختلاف کیا ہے ان علماء میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے کہا: یہ ظہار ہے، ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے کہا: یہ طلاق ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا: یہ کچھ بھی نہیں۔ ابن عربی نے کہا یہ فاسد ہے(2) کیونکہ حلال عورت کو حرام عورت کے ساتھ تشبیہ دی ہے تو یہ اس کے حکم کے ساتھ مقید ہوگی جس طرح ظہر کا لفظ ہے ہمارے نزدیک اسماء معانی کے ساتھ ہوتے ہیں جب کہ ان کے نزدیک اپنے الفاظ کے ساتھ ہوتے ہیں یہ ان کی جانب سے اصل کے خلاف ہے۔

میں کہتا ہوں: اجنبیہ کے ساتھ جب تشبیہ دی جائے تو امام مالک کے نزدیک ظہار میں اختلاف کیا ہے۔ آپ کے اصحاب میں سے کچھ وہ ہیں جو ظہار صرف اس صورت میں تسلیم کرتے ہیں جب ذوی المحارم کے ساتھ تشبیہ دی جائے اور باقی ماندہ عورتوں کے ساتھ تشبیہ دینے کی صورت میں وہ ظہار تسلیم نہیں کرتے۔ ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اسے کوئی چیز بھی قرار نہیں دیتے اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اجنبی میں اسے طلاق قرار دیتے ہیں۔ امام مالک کے نزدیک جب اس نے کہا: کظهر ابنی أو غلامی او کظهر زید او کظهر أجنبیة تو یہ ظہار ہوگا اس عورت کے ساتھ قسم کے ہوتے ہوئے وطی کرنا حلال نہیں ہوگا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے جب غیر ذوی المحارم کے ساتھ تشبیہ دی جائے تو یہ کچھ بھی نہیں جس طرح کوفی اور امام شافعی نے کہا: اوزاعی نے کہا: اگر اس خاوند نے کہا: أنت علیّ کظهر فلان رجل تو یہ قسم ہوگی وہ اس قسم کا کفارہ دے گا۔

مسئلہ نمبر 7۔ جب اس نے کہا: انت علی حرام کظهر أمی یہ ظہار ہوگا، طلاق نہیں ہوگی کیونکہ اس کا قول أنت علیّ حرام یہ طلاق کے ساتھ حرمت کا احتمال رکھتا ہے تو اس عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ یہ ظہار کی وجہ سے بھی حرمت کا احتمال رکھتی ہے جب اس نے وضاحت کر دی تو یہ دو احتمالوں میں سے ایک کی تفسیر ہوگی اس میں اس کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔(3)

مسئلہ نمبر 8۔ ظہار ہر ایسی بیوی کے بارے میں لازم ہو جائے گا وہ مدخولہ ہو یا نہ ہو کسی بھی ایسی حالت میں جس میں

1۔ احکام القرآن لابن العربی	2۔ ایضاً	3۔ ایضاً

اس بیوی کو طلاق جائز ہو اسی طرح امام مالک کے نزدیک اس لونڈی کے ساتھ بھی ظہار کرنا جائز ہے جس کے ساتھ اس کا وطی کرنا جائز ہے۔ جب مرد نے ان کے ساتھ ظہار کیا تو ان کے بارے میں ظہار لازم ہو جائے گا۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا: لازم نہیں ہوگا۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: یہ ہمارے لیے بہت مشکل مسئلہ ہے کیونکہ امام مالک کہا کرتے تھے: جب اس نے اپنی لونڈی سے کہا انت علی حرام تو یہ لازم نہیں آتا۔ اس میں صریح تحریم کیسے باطل ہوگی اور کنایہ صحیح ہوگا۔ مگر لونڈی مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ کے عموم میں داخل ہے کیونکہ اس نے ان کی حلال عورتوں کا ارادہ کیا ہے۔ اس میں علت یہ ہے کہ یہ ایسا لفظ ہے جو بضع کے متعلق ہے عقد ختم کرنے کے متعلق نہیں پس لونڈی میں ظہار صحیح ہے اس کی اصل اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھانا ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ نکاح سے پہلے بھی ظہار ہو سکتا ہے جب وہ اس عورت سے نکاح کرے جس سے اس نے ظہار کیا ہو؛ یہ امام مالک کا نقطہ نظر ہے۔ جب کہ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ظہار لازم نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ جب کہ وہ عورتیں جس سے ابھی شادی نہ ہوئی ہو وہ اس کی عورتوں میں سے نہیں سورۂ برأت میں اس مسئلہ کی اصل آیت وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ (التوبہ:75) میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ ذمی کا ظہار لازم نہیں ہوتا؛ یہ امام ابوحنیفہ کا نقطہ نظر ہے۔ امام شافعی نے کہا: ذمی کا ظہار صحیح ہے ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے مِنْكُمْ یعنی مسلمانوں میں سے۔ یہ کلام ذمی کے خطاب سے نکلنے کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے: یہ خطاب کی دلیل سے استدلال ہے۔ ہم کہیں گے: یہ اشتقاق اور معنی سے استدلال ہے کیونکہ کفار کے نکاح فاسد اور فسخ کے مستحق ہیں ان کے ساتھ طلاق اور ظہار کا حکم متعلق نہیں ہوتا؛ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (الطلاق:2) جب نکاح صحت کی شروط سے خالی ہوں تو یہ فاسد ہوں گے نکاح فاسد میں کسی حال میں بھی ظہار نہیں (1)۔

مسئلہ نمبر 11۔ مِنْكُمْ کے الفاظ غلام کے ظہار کے صحیح ہونے کا تقاضا کرتے ہیں جو اس سے منع کرتے ہیں انہوں نے اس سے اختلاف کیا ہے؛ ثعلبی نے اسے امام مالک سے حکایت کیا ہے کیونکہ وہ مسلمانوں میں سے ہے اور اس کے حق میں احکام نکاح ثابت ہیں اگرچہ اس پر غلام آزاد کرنا اور کھانا کھلانا متعذر رہے۔ وہ صرف روزوں پر قادر ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: عورتیں ظہار نہیں کر سکتیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕهِمْ یہ نہیں فرمایا واللائی یظھرن منکم من جھن ظہار صرف مردوں کے لیے ہے۔ ابن عربی نے کہا: ابن قاسم، سالم، یحییٰ بن سعید، ربیعہ اور ابوزناد نے یہی روایت کیا ہے معنی کے اعتبار سے یہ صحیح ہے کیونکہ حل، عقد، تحلیل اور تحریم نکاح کے معاملہ میں مردوں کے ہاتھ میں ہے۔ ان میں سے عورتوں کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں یہی اجماع ہے۔ ابوعمر نے کہا: جمہور کے قول کے مطابق عورتوں پر کوئی ظہار نہیں۔ حسن بن زیاد نے کہا: وہ ظہار کر سکتی ہے۔ امام ثوری، امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے کہا: نکاح سے قبل اور اس کے بعد عورت اپنے خاوند سے ظہار نہیں کر سکتی۔ امام شافعی نے کہا: عورت

1۔ احکام القرآن لابن العربی 2۔ ایضاً

اپنے خاوند سے ظہار نہیں کر سکتی۔ امام اوزاعی نے کہا: جب عورت اپنے خاوند سے کہے انت علیّ کظھر أمی أو کظھر فلانۃ تو یہ عورت کی جانب سے قسم ہو جائے گی وہ اس کا کفارہ دے گی۔ اسحاق نے اسی طرح کہا ہے: ایک عورت خاوند سے ظہار کرنے والی نہیں ہو سکتی لیکن اس پر قسم لازم ہوگی جس کا وہ کفارہ دے گی۔ زہری نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ وہ ظہار کا کفارہ دے اس کا یہ قول اس کے اور اس کے خاوند کے درمیان حقوق زوجیت کے اعتبار سے حائل نہیں ہوگا۔ یہ روایت ان سے معمر نے نقل کی ہے۔ ابن جریج نے عطا سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس پر جو امر حلال کیا تھا اس نے اسے حرام کر دیا اس پر کفارہ یمین ہوگا؛ یہ امام ابو یوسف کا قول ہے۔ محمد بن حسن نے کہا: اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔

مسئلہ نمبر 13۔ جسے کچھ جنون کا مرض ہو۔ کسی موقع پر اس کے کلام میں نظم پیدا ہو جائے جب وہ ظہار کرے تو اس پر ظہار لازم ہو جائے گا، کیونکہ حدیث طیبہ میں یہ روایت مروی ہے کہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ جن کے خاوند کا نام اوس بن صامت تھا اسے جنون کی کچھ شکایت تھی اور اس نے اپنی بیوی سے ظہار کیا۔

مسئلہ نمبر 14۔ جس کو غصہ آئے اور وہ اپنی بیوی سے ظہار کر لے یا اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کا غصہ اس کے حکم کو ساقط نہیں کرے گا۔ ایک حدیث کی سند میں ہے کہ یوسف بن عبداللہ بن سلام نے حضرت خولہ جو حضرت اوس بن صامت کی زوجہ تھیں سے روایت نقل کی ہے حضرت خولہ نے کہا: میرے اور اس کے (خاوند) کے درمیان کچھ ناراضگی ہوئی تو اس نے کہا: أنت علیّ کظھر أمی تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے پھر وہ اپنی قوم کی مجلس کی طرف چلے گئے۔ حضرت خولہ کا قول کان بینی وبینہ شئ میں دلیل ہے کہ ان میں کوئی جھگڑا ہوا تھا جس نے انہیں مجبور کیا تو ان کے خاوند نے ان سے ظہار کر لیا۔ غضب لغو چیز ہے یہ کسی حکم کو ختم نہیں کرتی اور نہ ہی شرعی حکم میں تبدیلی کرتی ہے، اسی طرح نشہ ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ جب خاوند نشہ کی حالت میں ہو اور وہ اپنے قول کو سمجھتا ہو اور کلام کو منظم کر سکتا ہو تو ظہار اور طلاق کا حکم اس پر لازم آئے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (النساء: 43) جس طرح سورۂ نساء میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ مظاہر اپنی بیوی کے قریب نہ آئے، اس سے مباشرت نہ کرے اور کسی بھی حوالے سے اس سے لذت حاصل نہ کرے یہاں تک کہ وہ کفارہ ادا کرے مگر امام شافعی نے اپنے دو قولوں میں سے ایک میں اختلاف کیا ہے کیونکہ خاوند کا یہ قول أنت علیّ کظھر أمی تقاضا کرتا ہے کہ ہر قسم کا استمتاع حرام ہو وہ لفظ کے ساتھ ہو یا اس کے معنی یعنی عمل کی صورت میں ہو۔

مسئلہ نمبر 17۔ اگر وہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے وطی کرے تو اللہ تعالیٰ سے بخشش کا طالب ہو اور اس سے رک جائے یہاں تک کہ ایک کفارہ ادا کرے۔ مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: اس پر دو کفارے لازم ہیں۔ سعید نے قتادہ سے اور مطرف نے رجاء بن حیوہ سے وہ قبیصہ بن ذویب سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مظاہر کے بارے میں روایت نقل کرتے ہیں: جب اس نے کفارہ ادا کرنے سے قبل وطی کی تو اس پر دو کفارے ہوں گے۔ معمر نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ قبیصہ بن

ذ و یب نے کہا: اس پر دو کفارے ہوں گے۔ ائمہ کی جماعت نے روایت کی جب کہ ان میں ابن ماجہ اور نسائی بھی ہیں: ایک آدمی نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تو کفارہ ادا کرنے سے قبل اس سے جماع کیا پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کا آپ کے سامنے ذکر کیا آپ نے پوچھا: "کس چیز نے تجھے اس امر پر برانگیختہ کیا؟" اس نے عرض کی: میں نے چاند کی روشنی میں اس کے پازیب کی سفیدی کو دیکھا تو میں اپنے آپ پر قابو نہ کرسکا تو میں نے اس سے جماع کرلیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور اسے حکم دیا کہ "وہ اس کے قریب نہ جائے یہاں تک کہ وہ کفارہ ادا کرلے" (1)۔ ابن ماجہ اور دارقطنی نے سلیمان بن یسار سے وہ حضرت سلمہ بن صخر سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ظہار کیا پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کرلیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔

مسئلہ نمبر 18۔ جب کوئی مرد ایک ہی کلمہ سے چار عورتوں سے ظہار کرے جس طرح وہ کہے أنت علی کظھر امی وہ ان میں سے ہر عورت سے ظہار کرنے والا ہوگا ان میں سے کسی سے بھی وطی کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہوگا اور صرف ایک کفارہ اس کے لیے کافی ہوگا۔ امام شافعی نے کہا: اسے چار کفارے لازم ہوں گے۔ آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ جمع کا لفظ عام مومنوں کے بارے میں ہے اعتماد معنی پر ہوگا۔ دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب کہا کرتے تھے: جب ایک مرد کی چار بیویاں ہوں تو وہ ان سے ظہار کرے تو اسے ایک کفارہ ہی کافی ہوگا۔ اگر وہ ایک کے بعد دوسری سے ظہار کرے تو ہر ایک میں ایک کفارہ لازم آئے گا۔ یہی اجماع ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ اگر اس نے چار عورتوں سے کہا: اگر میں تم سے شادی کروں تو تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو اس نے ان میں سے ایک عورت سے شادی کی تو وہ ان کے قریب نہ جائے یہاں تک کہ وہ کفارہ دے پھر سب عورتوں کے بارے میں اس کی قسم ختم ہوجائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ باقی عورتوں سے بھی وطی نہیں کرسکتا (شادی کے بعد) یہاں تک کہ وہ کفارہ ادا کرے۔ پہلا قول مذہب ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا: أنت علی کظھر أمی، وانت طالق البتہ (2) تو اسے طلاق اور ظہار دونوں لازم ہوجائیں گے، وہ کفارہ نہیں دے گا یہاں تک کہ اس عورت سے ایک اور خاوند کے بعد نکاح کرے اور جب اس سے نکاح کرلیا تو کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے وطی نہ کرے۔ اگر اس نے کہا: أنت طالق البتۃ وأنت علی کظھر أمی اسے طلاق لازم ہوجائے گی اور اسے ظہار لازم نہیں ہوگا کیونکہ جس کو طلاق بائنہ دی جاچکی ہو اسے ظہار لاحق نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ نمبر 21۔ بعض علماء نے کہا: جس بیوی سے حقوق زوجیت ادا نہ کیے ہوں اس کے ساتھ ظہار کرنا درست

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی الظھار، حدیث 1898۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب المظاھر یجامع قبل ان یکفر، حدیث 2054۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ یہاں البتہ سے مراد طلاقیں ہیں جس طرح عبارت سے اسے سمجھا جارہا ہے جس طرح ابن عربی نے کہا ہے جب اس نے ظہار کے بعد تین طلاقیں دیں پھر نکاح جدید کے ساتھ وہ عورت اس کی طرف لوٹی تو وہ وطی نہیں کرے گا یہاں تک کہ وہ کفارہ ادا کرے۔

نہیں۔ مزنی نے کہا: مطلقہ رجعیہ سے ظہار صحیح نہیں۔ یہ قول کچھ بھی نہیں کیونکہ دونوں صورتوں میں زوجیت کے احکام باقی ہیں جس طرح ایسی عورت کو طلاق ہوسکتی ہے اسی طرح ظہار بھی ہوسکتا ہے۔ قیاس ونظر یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 22۔ مَّا هُنَّ أُمَّهٰتِهِمْ ان کی بیویاں ان کی مائیں نہیں۔ عام قرأت أمهاتهم ہے اہل حجاز کی لغت کے مطابق تاء مکسور ہے۔ جس طرح فرمایا: مَا هٰذَا بَشَرًا (یوسف: 31) فراء نے کہا: اہل نجد اور بنو تمیم کہتے ہیں: ما هذا بشر، ماهن أمهاتهم یہ مرفوع ہے۔ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِیْ وَلَدْنَهُمْ ان کی مائیں نہیں مگر جنہوں نے انہیں جنا ہے ضرب المثل ہے ولدك مَنْ دَمّٰی عقبیك تیری والدہ وہ ہے جس نے تیرے بعد خون بہایا۔ اس بارے میں گفتگو سورۂ احزاب میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 23۔ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا، منکر کا معنی ہے ایسی بات جو شروع میں معروف نہ ہو اور زور سے مراد جھوٹ ہے(1) وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وہ عفو وغفور اس اعتبار سے ہے کہ اس نے کفارہ کو اس قول سے خلاصی کے لیے ذریعہ بنا دیا ہے۔

وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝

''جو لوگ ظہار کر بیٹھیں اپنی عورتوں سے پھر وہ پلٹنا چاہیں اس بات سے جو انہوں نے کہی تو (خاوند) غلام آزاد کرے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، یہ ہے جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو (اس سے) آگاہ ہے۔ پس جو شخص غلام نہ پائے تو وہ دو ماہ لگاتار روزے رکھے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو تو کھانا کھلائے ساٹھ مسکینوں کو، یہ اس لیے کہ تم تصدیق کرو اللہ اور اس کے رسول (کے فرمان) کی اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں اور منکرین کیلئے دردناک عذاب ہے''۔

اس میں بارہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ہے کیونکہ کلام اس پر دلالت کرتی ہے اس لیے اسے حذف کر دیا گیا ہے یعنی فعلهم تحرير رقبة۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کفارتهم عتق رقبة ظہار کے معاملہ میں جس قول پر تمام علماء کا اجماع ہے وہ ایک آدمی کا اپنی بیوی کو یہ کہنا ہے: أنت علی کظهر أمی یہ وہ قول منکر اور قول زور ہے جس کا ارادہ اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں فرمایا ہے: وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا جس نے یہ

1۔ تفسیر بغوی

قول کیا اس پر اپنی بیوی سے وطی کرنا حرام ہے، جس نے یہ بات کہی پھر اس سے رجوع کیا تو اس پر کفارہ ظہار لازم ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ یہ کلام اس بات کے رد پر دلالت کرتا ہے کہ کفارہ ظہار صرف قول سے لازم نہیں آتا یہاں تک کہ اس کے ساتھ رجوع ملا ہوا ہو۔ یہ مشکل حرف ہے اس میں اختلاف پایا جاتا ہے اس کے بارے میں سات اقوال ہیں: (۱) اس سے مراد وطی پر عزم ہے یہ امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب کا مشہور قول ہے۔ امام مالک سے مروی ہے: اگر اس نے وطی کا عزم کر لیا تو یہ عود تصور ہوگا اگر اس نے وطی کا عزم نہ کیا تو یہ عود نہ ہوگا (۲) اس سے ظہار کرنے کے بعد امساک (اپنے پاس روکنے پر عزم)؛ یہ امام مالک کا قول ہے (۳) دونوں پر اس کا عزم؛ یہ امام مالک کا موطا میں قول منقول ہے۔ امام مالک نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا کے بارے میں کہا: میں نے سنا کہ اس کی تفسیر یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی بیوی سے ظہار کرے پھر وہ اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرے اور اس کو اپنے پاس روکنے کا پختہ عزم کرے۔ اگر اس نے یہ عزم کر لیا تو اس پر کفارہ واجب ہوگا۔ اگر اس نے اسے طلاق دے دی اور اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کیے اور اسے پاس رکھنے کا ارادہ نہ کیا تو اس پر کوئی کفارہ نہ ہوگا۔ امام مالک نے کہا: اگر اس نے اس سے اس کے بعد شادی کی تو جب تک کفارہ ظہار ادا نہ کرے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا۔ (۴) عود سے مراد وطی کرنا ہے اگر اس نے وطی نہ کی تو یہ عود نہ ہوگا؛ یہ حضرت حسن بصری اور امام مالک کا نقطہ نظر ہے (۵) امام شافعی نے کہا: اس سے مراد ہے کہ ظہار کے بعد طلاق پر قادر ہونے کے باوجود وہ اس کو اپنی بیوی کی حیثیت سے روکے رکھے کیونکہ جب اس نے ظہار کیا تھا تو اس نے تحریم کا قصد کیا تھا اگر اس نے اس کو طلاق دے دی تو اس نے اس کے برعکس کر دیا جو اس نے حرمت واقع کرنے کا قصد کیا تھا اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا۔ اگر وہ طلاق دینے سے رک گیا تو وہ اس امر کی طرف لوٹ آیا جس پر وہ پہلے سے تھا تو اس پر کفارہ واجب ہوگا (۶) ظہار حرمت کو ثابت کرتا ہے اسے کفارہ ہی ختم کر سکتا ہے۔ اس قول کے قائلین کے نزدیک عود کا معنی ہے اس کے ساتھ وطی کرنا مباح نہیں مگر اس صورت میں کہ پہلے وہ کفارہ ادا کرے؛ یہ امام ابو حنیفہ آپ کے اصحاب اور لیث بن سعد کا نقطہ نظر ہے۔ (۷) اس سے مراد ظہار کے لفظ کو مکرر ذکر کرنا ہے؛ یہ اہل ظواہر کا قول ہے۔ جو قیاس کی نفی کرتے ہیں انہوں نے کہا: اگر اس نے ظہار کا لفظ مکرر ذکر کیا تو یہی لوٹنا ہے اگر مکرر ذکر نہیں کیا تو یہ لوٹنا نہیں؛ اس قول کو بکیر بن اشج، ابو العالیہ اور امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: آیت کا ظاہر اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا یعنی جو انہوں نے کہا اس کی طرف لوٹتے ہیں۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا کے بارے میں روایت نقل کی ہے کہ اس سے مراد ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو کہتا ہے: أنت علی کظهر أمی جب اس نے اپنی بیوی کو یہ کہا تو وہ اس پر حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ کفارہ ظہار ادا کرے (1)۔ ابن عربی نے کہا: جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ اس سے مراد لفظ ظہار کی طرف لوٹنا ہے تو یہ قطعی طور پر باطل ہے، یہ بکیر سے ثابت نہیں یہ اس کے

1۔ تفسیر طبری

زیادہ مشابہ ہے کہ یہ داؤد اور اس کے متبعین کی جہالت ہے۔ ظہار کرنے والوں کے قصے روایت کیے گئے ہیں ان پر کفاروں کے واجب ہونے کے ذکر میں ان کے قول کو دوبارہ کرنے کا ذکر نہیں۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ معنی اس کی نفی کر دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس قول کی یہ صفت بیان کی ہے کہ یہ قول منکر اور زور ہے تو اسے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے: جب تو نے ایسا قول دوبارہ کیا اور ممنوع سبب دوبارہ کیا تو تجھ پر کفارہ واجب ہو جائے گا؟ یہ قابل فہم بات نہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہر وہ سبب جو کفارہ کو واجب کرتا ہے اس میں اعادہ کی کوئی شرط نہیں وہ قتل ہو، روزہ کی حالت میں وطی ہو یا کوئی اور چیز (1)۔

میں کہتا ہوں: اس (ابن عربی) کا قول یہ اس کے مشابہ ہے کہ یہ داؤد اور اس کے پیروکاروں کی جہالت ہو یہ ابن عربی کی جانب سے اس پر ایک بات کو مسلط کرنا ہے اس نے داؤد کا وہ قول کیا جس کو ہم نے اس سے ذکر کیا ہے جہاں تک امام شافعی کے قول کا تعلق ہے کہ یہ طلاق پر قدرت کے باوجود اسے ترک کرنا ہے تو تین اہم امور اس کی نفی کرتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ یہ ظاہر میں تراخی کا تقاضا کرتا ہے (۲) اللہ تعالیٰ کا فرمان: ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ ایک جہت سے فعل کے وجود کا تقاضا کرتا ہے اور مرور زمانہ اس کی جانب سے فعل نہیں (۳) طلاق رجعی ملک کی بقا کے منافی نہیں تو ظہار کا حکم ساقط نہیں ہوگا جس طرح ایلاء ہے۔ اگر یہ قول کیا جائے: جب اس نے اسے اپنی ماں کی حیثیت میں دیکھا ہے تو اسے اپنے پاس نہ روکے کیونکہ ماں کو نکاح میں روکنا صحیح نہیں۔ ماوراء النہر کے علماء کے قول کا انحصار اسی استدلال پر ہے۔ میں کہتا ہوں: جب اس نے اپنے قول کے خلاف کا عزم کر لیا اور اسے اپنی ماں کے خلاف دیکھا تو کفارہ ادا کر دیا اور اپنے اہل کی طرف لوٹ آیا۔ اس قول کی وضاحت یہ ہے کہ عزم قول نفسی ہے یہ ایسا آدمی ہے جس نے ایسا قول کیا جو تحلیل کا تقاضا کرتا ہے وہ نکاح ہے اور اس نے ایسا قول کیا جو تحریم کا تقاضا کرتا ہے وہ ظہار ہے پھر اس نے اس کی طرف رجوع کیا جو اس نے کہا تھا وہ تحلیل ہے۔ یہ صحیح نہیں کہ اس کی جانب سے عقد کی ابتداء ہو، کیونکہ عقد باقی ہے تو کوئی چیز باقی نہیں مگر یہ کہ اس نے ایسا عزم کیا جو اس کے اعتقاد کے مخالف تھا اس نے اپنے دل میں ظہار کا قول کیا تھا جس کی خبر اس نے أنت علی کظھر أمی کے قول سے دی، جب یہ اس طرح ہے تو اس نے کفارہ ادا کیا اور اپنے اہل کی طرف لوٹ آیا کیونکہ ارشاد ہے مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا یہ بہت عمدہ تفسیر ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ بعض علماء نے کہا: آیت میں تقدیم و تاخیر ہے معنی ہے جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اس کی طرف رجوع کرتے ہیں جس پر وہ پہلے تھے یعنی جماع کیا تو اس پر غلام کو آزاد کرنا لازم ہے یعنی انہوں نے جو کچھ کہا ہے اس کی وجہ سے ان پر غلام آزاد کرنا لازم ہے۔ لِمَا قَالُوْا کا حرف جار اسی محذوف کے متعلق ہے جو مبتدا کی خبر ہے وہ علیھم ہے؛ یہ اخفش کا قول ہے۔ زجاج نے کہا: معنی ہے وہ جماع کے ارادہ کی طرف لوٹتے ہیں اس وجہ سے جو انہوں نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی یہ ہے وہ دور جاہلیت میں اپنی بیویوں سے ظہار کیا کرتے تھے پھر وہ دور اسلام سے اس بات کی طرف لوٹتے ہیں جو انہوں نے دور جاہلیت میں کہی تھی تو جس نے دور اسلام میں ایسی بات کہی تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ ایک غلام آزاد کرے۔ فراء نے کہا: لام، عن کے معنی میں ہے معنی ہے جو انہوں نے کہا اسی سے وہ رجوع کرتے ہیں اور وطی کا ارادہ کرتے

1۔ احکام القرآن لابن العربی

ہیں۔ اخفش نے کہا: لِمَا قَالُوْا اور الی قالوا دونوں ایک ہی ہیں لام اور الی ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا (الاعراف:43)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِیْمِ ۝ (الصافات) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝ (الزلزلۃ) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاُوْحِیَ اِلٰى نُوْحٍ (ہود:36)

مسئلہ نمبر 3۔ فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ اس پر غلام کا آزاد کرنا لازم ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: حررتہ یعنی میں نے اسے آزاد کر دیا۔ پھر اس غلام کے لیے ضروری ہے کہ وہ کامل ہو اور ہر عیب سے محفوظ ہو۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اس کے کامل ہونے سے مراد اس کا مسلمان ہونا ہے جس طرح کفارہ قتل میں مسلمان غلام ہی آزاد کیا جا سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کے نزدیک کافر غلام بھی آزاد کیا جا سکتا ہے اسی طرح وہ غلام بھی آزاد کیا جا سکتا ہے جس میں رق کا شائبہ ہو جیسے مکاتبت وغیرہ۔

مسئلہ نمبر 4۔ اگر اس نے دو غلاموں کا ایک ایک نصف آزاد کیا تو ہمارے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز نہیں ہو گا۔ امام شافعی نے کہا: جائز ہے کیونکہ دو غلاموں کا نصف ایک غلام کے معنی میں ہے کیونکہ غلام کی صورت میں کفارہ کا طریقہ مال ہے تو اس میں تبعیض اور تجزیہ جائز ہے جس طرح کھانا کھلانا۔ ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ اس اسم سے مراد ایک شخص ہے۔ رقبہ کا بعض رقبہ نہیں یہ ان چیزوں میں سے نہیں جس میں دو چیزوں کو ملا کر داخل کیا جا سکے کیونکہ وہ عبارت جو ایک رقبہ کے متعلق ہے تو دو رقبہ کا نصف اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ اس کی اصل یہ ہے کہ جب آدمی دو قربانیوں میں شریک ہوں اور اس لیے بھی کہ اگر کسی نے دو آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ اس کی طرف سے ایک حج کریں تو ان میں سے کسی کے لیے جائز نہیں ہو گا کہ ان دونوں میں ایک اس کا نصف حج کرے اسی طرح یہ ہے اور اس لیے بھی کہ اگر اس نے وصیت کی کہ ایک غلام خریدا جائے اور اس کی طرف سے اسے آزاد کر دیا جائے تو یہ جائز نہ ہو گا کہ دو غلام کا نصف نصف اس کی طرف سے آزاد کیا جائے اس طرح ہمارے اس مسئلہ میں ہے۔ اس بحث کے ساتھ ان کی دلیل باطل ہو جاتی ہے کھانا کھلانا وغیرہ میں بھی ہمارے نزدیک اس میں تجزی جائز نہیں۔

مسئلہ نمبر 5۔ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے۔ مظاہر کے لیے کفارہ ادا کرنے سے قبل وطی کرنا جائز نہیں (1) اگر اس نے کفارہ ادا کرنے سے قبل جماع کیا تو وہ گناہ گار ہو گا، نافرمانی کرے گا اور اس سے کفارہ ساقط نہیں ہو گا۔ مجاہد سے مروی ہے: اگر اس نے کفارہ ادا کرنے میں شروع ہونے سے پہلے ہی وطی کی تو اس پر دوسرا کفارہ لازم ہو جائے گا۔ دوسرے علماء سے یہ مروی ہے: وہ کفارہ جو ظہار کی وجہ سے واجب ہوتا ہے وہ اس سے ساقط ہو جائے گا اس پر اصلاً کوئی چیز لازم نہ ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفارہ واجب کیا ہے اور جماع کرنے سے قبل اسے ادا کرنے کا حکم دیا ہے جب اس نے اسے موخر کیا یہاں تک کہ اس کے ساتھ جماع کر لیا تو اس کا وقت فوت ہو جائے گا۔ صحیح یہ ہے کہ کفارہ ثابت ہو گا کیونکہ وطی کے

1۔ تفسیر بغوی

ساتھ وہ گناہ کا مرتکب ہوا ہے تو یہ کفارہ کو ساقط کرنے والا نہیں ہوگا اور اس کی قضا دے گا جس طرح اگر وہ نماز کو اس کے وقت سے موخر کرے گا۔

حضرت اوس بن صامت کی حدیث میں ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی سے حقوق زوجیت ادا کیے ہیں تو آپ نے اسے کفارہ کا حکم دیا، یہ اس میں نص ہے خواہ کفارہ عتق کی صورت میں ہو یا روزے کی صورت میں ہو یا کھانا کھلانے کی صورت میں ہو۔

امام ابوحنیفہ نے کہا: کفارہ اطعام کی صورت میں ہو تو یہ جائز ہوگا کہ وہ وطی کرے پھر کھانا کھلائے۔ جہاں تک وطی کے علاوہ بوسہ، معاشرت اور لذت حاصل کرنے کا تعلق ہے تو اکثر علماء کے نزدیک حرام نہیں؛ یہ حضرت حسن بصری اور سفیان کا قول ہے؛ امام شافعی کا بھی صحیح مذہب یہ ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سب حرام ہیں اور سب کے معانی ہیں؛ یہ امام مالک، امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ اس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۝ یعنی تم جو کفارہ وغیرہ دیتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ جو نہ غلام پائے اور نہ ہی اس کی قیمت پائے یا مالک تو ہو مگر اس غلام کی اس کو شدید ضرورت ہو یا وہ غلام کی قیمت کا مالک تو ہو مگر اس کو اپنے نفقہ کے لیے اس رقم کی ضرورت ہو یا اس کا مسکن تو ہو اس کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہ ہو اور وہ اس کے علاوہ کوئی چیز نہ پاتا ہو تو اس کے لیے روزے رکھنا جائز ہے؛ یہ امام شافعی کا نقطہ نظر ہے امام ابوحنیفہ نے کہا: وہ روزے نہ رکھے اس پر غلام ہی آزاد کرنا لازم ہے اگرچہ اسے اس کی ضرورت بھی ہو۔ امام مالک نے کہا: جب اس کا گھر ہو اور اس کے پاس خادم بھی ہو تو اس پر غلام آزاد کرنا لازم ہوگا۔

مسئلہ نمبر 8۔ اگر وہ غلام آزاد کرنے سے عاجز ہو تو اس پر دو ماہ کے پے در پے روزے رکھنا لازم ہوں گے اگر اس نے عذر کے بغیر ان میں افطار کیا تو وہ نئے سرے سے روزے رکھے اگر اس نے سفر یا مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بنا کرے؛ یہ ابن مسیب، حضرت حسن بصری، عطا بن ابی رباح، عمرو بن دینار اور امام شافعی کا نقطہ نظر ہے۔ یہ امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے اور یہ ہی ان کا صحیح مذہب ہے۔ امام مالک نے کہا: جب وہ کفارہ ظہار کے روزوں میں بیمار ہو گیا تو جب صحیح ہو تو پہلے روزوں پر بنا کر لے۔ امام اعظم ابوحنیفہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ نئے سرے سے روزے رکھے۔ امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ جب اس نے روزے شروع کر دیے پھر غلام پایا تو روزوں کو مکمل کرے؛ یہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے کیونکہ جب وہ ان میں داخل ہوا تو اسے روزوں کا ہی حکم دیا گیا تھا۔ امام اعظم ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کے نزدیک روزے اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائیں گے اور وہ غلام آزاد کرے گا۔ وہ اسے اس نجی پر قیاس کرتے ہیں جو

1۔ تفسیر بغوی

پہلے بالغ تھی جو مہینوں کے اعتبار سے عدت گزار رہی تھی تو وہ عدت کے ختم ہونے سے قبل خون دیکھتی ہے علماء کا اس پر اجماع ہے کہ وہ نئے سرے سے حیض کے اعتبار سے عدت گزارے گی۔ جب اس نے روزوں کی حالت میں سفر شروع کیا تو اس نے روزہ افطار کر دیا تو وہ نئے سرے سے روزہ رکھے گا؛ یہ امام مالک، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا نقطہ نظر ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مُتَتَابِعَيْنِ۔ حضرت حسن بصری کا قول یہ ہے کہ وہ پہلے روزوں پر ہی بنا کرلے کیونکہ یہ عذر ہے اور وہ رمضان پر قیاس کرتے ہیں۔ اگر ان روزوں کے درمیان کوئی زمانہ حائل ہو جائے تو کفارہ میں اس کا روزہ حلال نہیں رہے گا جس طرح عیدین اور رمضان شریف کا مہینہ، اس سے انقطاع واقع ہو جائے گا۔

مسئلہ نمبر 10۔ ایک ظہار کرنے والے نے دونوں مہینوں کے درمیان دن میں وطی کی تو امام شافعی کے نزدیک اس کا تتابع باطل ہو جائے گا اگر رات کے وقت کی تو تتابع باطل نہیں ہوگا کیونکہ رات روزے کا محل نہیں۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے کہا: ہر حال میں تتابع باطل ہو جائے اور اس پر ابتداء سے کفارہ واجب ہو جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا یہ شرط دونوں مہینوں اور ان کے بعض کی طرف لوٹ رہی ہے جب اس نے دونوں مہینوں کو ختم ہونے سے پہلے وطی کی تو یہ وہ روزے نہیں ہوں گے جن کا اسے حکم دیا گیا تھا تو نئے سرے سے روزے رکھنے لازم ہوں گے، جس طرح فرمایا: صل قبل أن تکلم زیدا تو اس نے زید سے نماز کی حالت میں کلام کیا یا کہا: صل قبل أن تبصر زیدا تو اس نے نماز کی حالت میں زید کو دیکھا تو اس پر نئے سرے سے نماز پڑھنا لازم ہو جائے گی کیونکہ یہ نماز وہ نماز نہیں جس کا اسے حکم دیا گیا تھا اسی طرح یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ جس کا مرض لمبا ہو جائے جس سے تندرست ہونے کی امید نہ ہو تو وہ بڑھاپے کی وجہ سے عاجز کے حکم میں ہوگا اور روزوں سے اطعام کی طرف عدول جائز ہوگا۔ اگر مرض ایسا ہو جس سے صحت یاب ہونے کی امید ہو اور اسے اپنی بیوی سے وطی کی حاجت ہو تو اسے اختیار ہوگا کہ صحت مند ہونے کا انتظار کرے یہاں تک کہ روزوں پر قادر ہو جائے۔ اگر اس نے کھانا کھلا کر کفارہ دے دیا اور روزوں پر قادر ہونے کا انتظار نہ کیا تو یہ جائز ہوگا۔

مسئلہ نمبر 12۔ جس نے ظہار کیا جب کہ وہ تنگدست تھا پھر خوشحال ہو گیا تو اس کے لیے روزے رکھنا جائز نہ ہوں گے۔ جس نے ظہار کیا جب کہ وہ خوشحال تھا پھر وہ تنگدست ہو گیا جب کہ اس نے ابھی کفارہ ادا نہ کیا تھا تو وہ روزے رکھے جس دن اس نے کفارہ دیا اس کی اس دن کی حالت کو دیکھا جائے گا۔ اگر اس نے تنگدست اور محرومی کی حالت میں جماع کر لیا اور اس نے روزے نہ رکھے یہاں تک کہ خوشحال ہو گیا تو اس پر غلام آزاد کرنا لازم ہو جائے گا۔ اگر اس نے روزے رکھنے شروع کیے پھر وہ خوشحال ہو گیا اگر روزوں میں سے مناسب حصہ گزر چکا تھا جیسے جمعہ یا اس کی مثل (یعنی پورا ہفتہ گزر چکا ہو) تو اس سلسلہ کو جاری رکھے اگر ایک یا دو دن گزرے ہوں تو روزے کو ترک کر دے اور آزادی کی طرف لوٹ آئے یہ اس پر واجب نہیں ہوگا کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس پر نماز ترک کرنا واجب نہیں جس کو پانی میسر ہو جب کہ وہ تیمم کرنے کے بعد نماز میں داخل ہو چکا ہو اور نئے سرے سے وضو کرے؛ یہ امام مالک کا نقطہ نظر ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ اگر اس نے دو کفارہ ظہار کی جانب سے یا قتل اور رمضان کا روزہ توڑنے کی وجہ سے دو غلام آزاد کیے اور ان دونوں کو ہر ایک میں شریک کیا تو یہ اس کے لیے جائز نہیں ہوگا۔ یہ اس کے قائم مقام ہوگا کہ اس نے دو کفاروں کی جانب سے ایک غلام کو آزاد کیا ہو۔ اسی طرح اگر اس نے ان دونوں کی جانب سے چار ماہ کے روزے رکھے یہاں تک ان دونوں میں سے ہر ایک جانب سے دو ماہ کے روزے رکھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس کے لیے جائز ہوگا اگر اس نے اپنی دو عورتوں سے ظہار کیا اس نے ایک کی جانب سے ایک غلام آزاد کر دیا مگر کسی عورت کا تعین نہ کیا تو اس کے لیے ان دو میں سے کسی سے بھی وطی کرنا جائز نہیں ہوگا یہاں تک کہ دوسرا کفارہ ادا کرے اگر ان دونوں عورتوں میں سے ایک کا تعین کرے تو اس کے لیے جائز ہے کہ اس کے ساتھ وطی کرے اور دوسری کی جانب سے بعد میں کفارہ ادا کرے۔ اگر اس نے چار عورتوں سے ظہار کیا تو اس نے ان کی طرف سے تین غلام آزاد کیے اور دو ماہ کے روزے رکھے تو اس کے لیے غلام آزاد کرنا اور روزے رکھنا جائز نہ ہوگا کیونکہ اس نے ہر ایک عورت کی جانب سے پندرہ روزے رکھے ہیں اگر اس نے اس کا کفارہ کھانا کھلانے کی صورت میں دیا تو اس پر دو سو مسکینوں کو کھانا کھلانا جائز ہوگا اگر اکٹھے کھانا کھلانے پر قادر نہ ہو تو الگ الگ کھانا کھلا لے مگر غلام آزاد کرے اور روزہ رکھنے میں تفریق نہیں کر سکتا کیونکہ دو ماہ کے روزوں میں تفریق نہیں کر سکتا اور کھانا کھلانے میں تفریق کر سکتا ہے۔

فصل

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں کفارہ کا ذکر ترتیب وار کیا ہے روزے رکھنے کی صورت نہ ہوگی یہاں تک غلام آزاد کرنے سے عاجز نہ ہو اسی طرح کھانا اس وقت تک نہیں کھلا سکتا جب تک روزے رکھنے پر قادر ہو جو آدمی روزے نہیں رکھ سکتا اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہوگا ہر مسکین کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے حساب سے دو مد لازم ہوں گے اگر اس نے ہشام کی مد سے کھانا دیا تو 1/2/3 یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے حساب 1/1/2 مد دیا تو بھی جائز ہو جائے گا۔

ابو عمر بن عبد البر نے کہا: افضل، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے حساب سے دو مد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفارہ ظہار میں یہ ارشاد نہیں فرمایا: مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ (المائدہ:89) اس لیے سیر ہو کر کھلانے کا ارادہ واجب ہے۔ ابن عربی نے کہا: امام مالک نے ابن قاسم اور ابن عبد الحکم کی روایت میں کہا ایک مد ہشام کے مد کے حساب سے اور اسی سے یہاں سیر ہوا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں طعام کو مطلق ذکر کیا ہے اور وسط کا ذکر نہیں کیا۔ اشہب کی روایت میں ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے حساب سے دو مد۔ انہیں کہا گیا: کیا تو ہشام کے مد کے حساب سے نہیں کہا کرتا تھا؟ کہا: کیوں نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے حساب سے دو مد مجھے زیادہ محبوب ہیں؛ ابن قاسم نے بھی اس سے اسی طرح نقل کیا۔

میں کہتا ہوں: یہ ابن وہب اور مطرف کی امام مالک سے روایت ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے حساب سے دو مد دے؛ یہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔ امام شافعی وغیرہ علماء کا مذہب یہ ہے کہ ہر مسکین کو ایک مد دے اس پر اس سے زائد لازم نہیں ہوگا کیونکہ وہ کھانا کھلانے کی صورت میں کفارہ ادا کر رہا ہے اس پر ایک مد سے زیادہ دینا لازم نہیں؛

گا۔ اس کی بنیاد روزہ توڑنے اور قسم کا کفارہ ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا اور اطعام جب مطلق ذکر کیا جائے تو اس سے مراد سیر ہونا ہے۔ یہ عادت کے مطابق ایک مد سے نہیں ہوتا بلکہ زیادہ سے ہوتا ہے۔

اشہب نے اسی طرح کہا ہے کہ میں نے امام مالک سے کہا: کیا ہمارے اور تمہارے درمیان سیر ہونا مختلف ہے؟ فرمایا: ہاں ہمارے نزدیک سیر ہونا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے حساب سے ایک مد سے ہوتا ہے اور تمہارے نزدیک اس سے زیادہ سے ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حق میں برکت کی دعا کی ہے تمہارے بارے میں برکت کی دعا نہیں کی تم ہماری بنسبت زیادہ کھاتے ہو(1)۔ ابوالحسن قابسی نے کہا: اہل مدینہ نے کفارہ ظہار میں ہشام کے مد کا حساب لگایا مقصد ظہار کرنے والوں پر سختی کرنا تھا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے گواہی دی کہ وہ منکر اور جھوٹ بولتے ہیں۔ ابن عربی نے کہا(2): یہاں گفتگو ہشام کے مد کے بارے میں ہے جس طرح تم دیکھتے ہو میں پسند کرتا ہوں کہ زمانہ اس کا ذکر مٹا دے اور کتابوں سے اس کا نشان مٹا دے کیونکہ مدینہ طیبہ جہاں وحی نازل ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں مقیم رہے وہاں ہی ظہار واقع ہوا۔ اس کے بارے میں انہیں حکم دیا فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا انہوں نے اس حکم کو سمجھا اور اس کی مراد کو سمجھا اور یہی سیر ہونا ہے ان کے نزدیک اس کی مقدار معروف تھی۔ اس سیر ہونا کا ذکر روایات میں کثرت سے ہوا اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں اس پر عمل ہوتا رہا یہاں تک کہ شیطان نے ہشام کے کان میں یہ پھونکا اور اس نے یہ رائے قائم کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مد بندے کو سیر نہیں کرتا شیطان نے اسے وسوسہ ڈالا کہ وہ ایک ایسا مد بنائے جس میں انسان سیر ہو جائے تو اس نے مد کو دو رطل کا بنا دیا اور لوگوں کو اس پر مجبور کیا جب وہ بیماری سے صحت یاب ہوا تو اس نے مد تین رطل کا بنا دیا؛ اس نے سنت کو تبدیل کر دیا اور برکت کے محل کو ختم کر دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے رب سے اہل مدینہ کے لیے دعا کی کہ ان کے مد اور صاع میں برکت رکھے جس طرح حضرت ابراہیم کی دعا سے اہل مکہ کے مد میں برکت رکھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ان کے مد میں برکت جاری رہی شیطان نے اس سنت کو تبدیل کرنے اور اس برکت کو ختم کرنے کے لیے کوشش کی ہشام کے علاوہ اس کی کسی نے بات نہیں کی۔ علماء پر لازم ہے کہ وہ اس کے ذکر کو لغو قرار دیں اور اس کے نشان کو مٹا دیں جب وہ اس کے امر کو لغو قرار نہیں دیتے مگر جب وہ احکام میں اس کا ذکر کریں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے جو ذکر کیا ہے اس کی اسے تفسیر بنائیں جب کہ یہ امر صحابہ پر پہلے ہی منتشر تھا جن پر یہ حکم نازل ہوا تو یہ بہت بڑی غلطی ہوگی؛ اس وجہ سے اشہب کی روایت جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کا ذکر ہے میرے نزدیک اس روایت سے زیادہ پسندیدہ ہے جس میں ہشام کے مد کا ذکر ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ امام مالک نے کیسے اس امر پر متنبہ کیا جس قول کا ذکر اشہب نے کیا ہمارے نزدیک سیر ہونا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مد سے ہے اور تمہارے نزدیک سیر ہونا زیادہ سے ہوتا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے حق میں برکت کی دعا کی ہے اسی وجہ سے میں یہ قول کرتا ہوں، کیونکہ وہ عبادت جو سنت طریقہ کے مطابق کی جائے اگر وہ بدنی ہو تو جلدی قبول ہو جاتی ہے اگر مالی ہو تو تھوڑی بھی میزان میں بھاری ہوتی ہے پکڑنے والے کے ہاتھ میں زیادہ برکت والی ہوتی ہے، منہ میں زیادہ پاکیزہ اور پیٹ میں کم

1۔ احکام القرآن لابن العربی
2۔ ایضاً

آفت کا باعث اور رزیادہ قوت کا باعث ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ ساٹھ سے کم مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: اگر ہر روز ایک ہی مسکین کو نصف صاع دے یہاں تک کہ ساٹھ کا عدد پورا ہو جائے تو یہ اس کے لیے کافی ہو جائے گا۔

مسئلہ نمبر 3۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: عجیب و غریب بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ (☆) نے کہا: آزاد آدمی پر حجر کرنا باطل ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ سے استدلال کیا ہے مگر رشید اور سفیہ میں فرق نہیں کیا۔ یہ کمزور فقہ ہے جو ان کی شان کے مناسب نہیں۔ یہ آیت عام ہے اور اصحاب رسول میں حجر کا فیصلہ عام تھا اور مصالح کو پیش نظر رکھنا اس کا تقاضا کرتا ہے جس پر چھوٹی عمر یا ولایت کی وجہ سے حجر ہو اور وہ سفیہ کی حیثیت میں بالغ ہو مال اسے دینے سے منع کیا ہے تو اس کا عمل اس میں کیسے نافذ ہوگا؟ جب کہ خاص، عام پر غالب آجاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ بعض علماء کے نزدیک ظہار کا حکم اس ظہار کے لیے ناسخ ہے جو ان لوگوں میں طلاق کے طور پر موجود تھا؛ اس کا ہم معنی قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابوقلابہ اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ ذٰلِكَ لِتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ کفارہ میں جس تغلیظ کا ذکر کیا ہے اس لیے ہے کہ تم اس بات کی تصدیق کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔ بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ کفارہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے جب اس کا ذکر کیا تو اسے واجب کر دیا۔ فرمایا: یہ اس لیے ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے مطیع ہو جاؤ، اس کی قائم کردہ حدود پر رک جاؤ ان سے تجاوز نہ کرو اسے تکفیر کا نام دیا کیونکہ یہ طاعت ہے اور ایمان کی حیثیت سے حد کی رعایت کرنا ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر وہ چیز جو اس کے مشابہ ہو وہ ایمان ہے اگر یہ سوال کیا جائے: اس کا معنی یہ ہے کہ تم ظہار کی طرف نہ لوٹو جو منکر قول اور جھوٹ ہے۔ اسے کہا جائے گا: یہ جائز ہے کہ یہ مقصود ہو اور پہلا قول بھی مقصود ہو اور معنی یہ ہو کہ یہ اس لیے ہے کہ تم قول منکر اور جھوٹ کی طرف نہ لوٹو بلکہ تم اللہ تعالیٰ کی طاعت کرتے ہوئے ان دونوں کو چھوڑ دو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو حرام قرار دیا ہے اور جن عورتوں سے ظہار کیا ہے ان سے اجتناب کرو یہاں تک کہ تم کفارہ دے لو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسی عورتوں سے حقوق زوجیت ادا کرنے سے منع کیا ہے۔ اور کفارہ ادا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفارہ کا حکم دیا ہے اور اس کی ادائیگی کو لازم کیا ہے اس کے ساتھ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والے ہو جاؤ گے کیونکہ یہ ایسی حدود ہیں جس کی تم حفاظت کر رہے ہو اور ایسی اطاعتیں ہیں جن کو تم ادا کرتے ہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی توفیق دینے والی ہے۔

☆ امام اعظم کے نزدیک حجر (بیع وشراء کی اجازت نہ ہونا بلکہ اس کا کیا ہوا عقد ولی کی اجازت پر موقوف ہونا) کے تین اسباب ہیں بچپنہ، غلام اور پاگل پن۔ جب بچہ بالغ ہو جائے اور اس میں رشد کے آثار ظاہر نہ ہوں تو اس کا سارا مال حوالے کرنے سے منع کیا گیا تاہم اسے معاملات کی اجازت دی گئی تاکہ تجربہ اس کی عقل میں اضافہ کا باعث ہو جب وہ پچیس سال کا ہو جائے تو مال اس کے حوالے کرنے کا حکم ہے اس کے بعد کوئی اور فرد اس کے مال کو قبضہ میں نہیں رکھ سکتا۔ یہ عین حکمت کی بات ہے اس میں تعجب کے اظہار پر تعجب ہی کیا جا سکتا ہے۔ مترجم

مسئلہ نمبر 6۔ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ اپنی نافرمانی اور اپنی طاعت کو بیان کیا اس کی معصیت ظہار ہے اور اس کی طاعت کفارہ ہے وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝ جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تصدیق نہ کرے اس کے لیے عذاب جہنم ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ قَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۝ۚ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَ نَسُوْهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ۝۠

"بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی انہیں ذلیل کیا جائے گا جس طرح ذلیل کیے گئے وہ (مخالفین) جو ان سے پہلے تھے اور بے شک ہم نے اتاری ہیں روشن آیتیں، اور کفار کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔ (یاد کرو) جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو زندہ کرے گا پھر انہیں آگاہ کرے گا جو کچھ انہوں نے کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو گن رکھا ہے اور وہ بھلا چکے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شاہد ہے"۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ جب مومنین کا ذکر کیا جو اس کی حدود پر رک جاتے ہیں تو اس کی مخالفت کرنے والوں کا بھی ذکر کیا۔ محادہ کا معنی دشمنی کرنا اور حدود کی مخالفت کرنا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ (الحشر: 4) ایک قول یہ کیا گیا ہے: يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ کا معنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کی مخالفت کرتے ہیں جس طرح حدیث میں ہے من أهان لي وليا فقد بارزني بالمحاربة جس نے میرے دوست کی اہانت کی اس نے میرے ساتھ اعلان جنگ کیا۔ زجاج نے کہا: محادہ یہ ہے کہ تو ایسی حد میں ہو جو تیرے ساتھی کی حد کی مخالف ہو۔ اس کا اصل معنی ممانعت ہے اسی سے لفظ حدید ہے اس سے لفظ حداد ہے؛ یعنی لوہار۔

كُبِتُوْا ابو عبیدہ اور اخفش نے کہا: انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ قتادہ نے کہا: انہیں ذلیل و رسوا کیا گیا جس طرح ان سے قبل لوگوں کو ذلیل و رسوا کیا گیا۔ ابن زید نے کہا: انہیں عذاب دیا تھا۔ سدی نے کہا: ان پر لعنت کی گئی۔ فراء نے کہا: خندق کے روز انہیں غیظ و غضب میں مبتلا کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: بدر کے روز انہیں غیظ و غضب میں مبتلا کیا گیا مراد مشرک ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد منافق ہیں۔ كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ كُبِتُوْا سے مراد ہے انہیں ذلیل و رسوا کیا جائے گا یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مومنوں کو مدد کی بشارت ہے کلام کو ماضی کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے تاکہ یہ بتایا جائے کہ جس کے بارے میں خبر دی جا رہی ہے وہ قریب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مذحج کی لغت میں ہے۔

وَ قَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ جنہوں نے اللہ، اس کے رسول کی مخالفت کی جو ان لوگوں میں سے تھے جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کے ساتھ جو ہم نے کیا اس بارے میں ہم نے آیات کو نازل کیا۔ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۝

يَوْمَ، پر نصب عذاب مہین کی وجہ سے ہے یا ایسے فعل کے ساتھ ہے جو مضمر ہے اس کی تقدیر ہے أذكر تعظيما لليوم(1)۔

1۔ الکشاف

يَبۡعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيۡعًا مردوں اور عورتوں کو ان کی قبروں سے ایک ہی حالت میں اٹھائے گا۔
فَيُنَبِّئُهُمۡ یعنی انہیں خبر دے گا۔ بِمَا عَمِلُوۡا دنیا میں جو عمل کرتے رہے اَحۡصٰىهُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کے صحیفوں کو شمار کر رکھا ہے وَ نَسُوۡهُ وہ اسے بھول چکے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے اعمال کے صحیفوں میں یاد کرایا تاکہ حجت ان پر زیادہ بلیغ ہو جائے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ۝ اللہ تعالیٰ مطلع ہے اور دیکھ رہا ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ ؕ مَا يَكُوۡنُ مِنۡ نَّجۡوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمۡ وَلَا خَمۡسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمۡ وَلَاۤ اَدۡنٰى مِنۡ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكۡثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمۡ اَيۡنَ مَا كَانُوۡا‌ ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ۝

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، نہیں ہوتی کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ میں مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ میں مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں وہ ہوں پھر وہ انہیں آگاہ کرے گا جو (کرتوت) وہ کرتے رہے قیامت کے دن، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ اس پر کوئی راز مخفی ہے اور نہ ہی اعلانیہ بات۔ مَا يَكُوۡنُ مِنۡ نَّجۡوٰى عام قرأت یاء کے ساتھ ہے کیونکہ فعل اور فاعل کے درمیان فاصلہ ہے۔ ابو جعفر بن قعقاع، اعرج، ابو حیوہ اور عیسیٰ نے ماتکون پڑھا ہے کیونکہ فعل مونث ہے۔ نجوی کا معنی راز داری ہے۔ یہ مصدر ہے اور مصدر کے ساتھ کبھی صفت لگائی جاتی ہے یہ کہا جاتا ہے: قوم نجوی یعنی قوم ذو نجوی اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِذۡ هُمۡ نَجۡوٰٓى (الاسراء: 47)

ثَلٰثَةٍ یہ مجرور ہے کیونکہ نجوی کا لفظ اس کی طرف مضاف ہے۔ فراء نے کہا: یہ نجوی کی صفت ہے اس وجہ سے مجرور ہے اگر تو چاہے تو نجوی کو اس کی طرف مضاف کر دے اگر تو فعل کو مضمر مانتے ہوئے نصب دے تو یہ جائز ہے؛ یہ ابن ابی عبلہ کی قرأت ہے۔ ثَلٰثَةٍ اور خَمۡسَةٍ حال ہونے کی حیثیت سے منسوب ہوں گے جب کہ یتناجون مضمر ہو کیونکہ نجوی اس پر دلالت کرتا ہے؛ یہ زمخشری کا قول ہے۔ ثلاثہ پر رفع پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ نجوی کے محل سے بدل ہے۔ پھر یہ کہا گیا: یہ راز داری نجوی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نجوی تین افراد میں ہوتی ہے وہ کسی امر کو چھپاتے ہیں اور اس کے بارے میں مشورہ کرتے ہیں اور اسرار اسے کہتے ہیں جو بات دو افراد کے درمیان ہوتی ہے۔

اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمۡ وہ جانتا ہے اور ان کی سرگوشی کو سنتا ہے اسی چیز پر آیت کا آغاز اور اختتام دلالت کرتا ہے کہ وہ جانتا ہے۔
ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نجوی نجوۃ سے مشتق ہے اس سے مراد ابھری ہوئی زمین ہے دو سرگوشیاں کرنے والے سرگوشیاں کرتے ہیں اور راز داری میں تنہائی کا ماحول پیدا کرتے ہیں جس طرح زمین میں سے بلند جگہ متصل جگہوں سے الگ تھلگ ہوتی ہے آیت کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ کی قوت سماعت ہر کلام کو محیط ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے مجادلہ کو سن لیا ہے جس

سے اس کے خاوند نے ظہار کیا تھا۔

وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ سلام، یعقوب، ابوالعالیہ، نصر اور عیسیٰ نے اسے مرفوع پڑھا ہے کیونکہ اس کا عطف مِنْ نَّجْوٰی کے محل پر ہے جب کہ ابھی اس پر مِنْ داخل نہ ہوا کیونکہ اس کی تقدیر مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ (اکثر) یہ اس بنا پر مرفوع ہو کہ اس کا عطف لَآ پر اَدْنٰی کے ساتھ ہو جس طرح تیرا یہ قول ہے: لاحول ولا قوة الا باللہ کے حول پر فتحہ اور قوۃ پر رفع پڑھا جائے۔ یہ بھی جائز ہے کہ دونوں مبتدا کی حیثیت میں مرفوع ہوں جس طرح تیرا قول: لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس کی وضاحت سورۂ بقرہ میں مفصل گزر چکی ہے۔ زہری اور عکرمہ نے اکبر، باء کے ساتھ پڑھا ہے جب کہ عام قرأت ثاء اور راء کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس کا محل جر ہے۔ فراء نے مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ کے بارے میں کہا: یہاں عدد مقصود نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ ہر عدد کی صورت میں سب سے زیادہ آگاہ ہے خواہ عدد کم ہو یا زیادہ ہو۔ وہ راز داری یا بلند آواز سے جو کچھ کہتے ہیں سب کچھ جانتا ہے اس پر کوئی راز یا عدد یا چیز مخفی نہیں اسی وجہ سے بعض اعداد کا ذکر کیا بعض کا ذکر نہیں کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ اپنے علم کے ساتھ ان کے ساتھ ہے خواہ وہ جہاں بھی ہوں اس کا علم نہ زائد ہوگا نہ منتقل ہوگا۔ یہ آیت منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ کچھ امور راز داری سے کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا: یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔

ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا پھر اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اچھے برے عمل کے بارے میں آگاہ کر دے گا۔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۡ وَاِذَا جَاۗءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

''کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہیں (اسلام کے خلاف) سرگوشیوں سے روکا گیا پھر دوبارہ وہی کرتے ہیں جس سے انہیں روکا گیا اور سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ، ظلم اور رسول کی نافرمانی کے بارے میں۔ اور جب آپ کی خدمت میں آتے ہیں تو آپ کو اس طرح سلام دیتے ہیں جیسے اللہ نے آپ کو سلام نہیں دیا اور وہ کہا کرتے تھے آپس میں کہ (اگر یہ سچے رسول ہیں) تو اللہ تعالیٰ ہماری ان باتوں پر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔ کافی ہے انہیں جہنم اور اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ یہودیوں اور منافقوں کے بارے میں ہے جیسا پہلے ہم نے بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مومنوں کے بارے میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت یہودیوں اور منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی وہ مومنوں کو دیکھتے اور آنکھوں سے اشارہ کرتے۔ مومن کہتے: شاید انہیں ہمارے مہاجر اور انصاری بھائیوں اور رشتہ داروں کے بارے میں شہادت، مصیبت اور ہزیمت کے بارے میں خبر پہنچی ہے۔ یہ امر انہیں پریشان کرتا ان کی شکایات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں زیادہ ہوگئیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نجوی سے منع کیا تو وہ نہ رکے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

مقاتل نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور یہودیوں کے درمیان لاتعلقی سی تھی جب کوئی مومن ان کے پاس سے گزرتا تو وہ آپس میں مشورہ کرتے یہاں تک کہ مومن کسی برائی کا گمان کرتا تو وہ مومن اپنا راستہ چھوڑ دیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں منع کیا تو وہ نہ رکے۔ حضرت عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے کہا: کوئی آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اپنی ضرورت پیش کرتا اور سرگوشی کا انداز اپناتا ان دنوں جنگ کا دور دورہ تھا صحابہ کرام یہ گمان کرتے کہ یہ آدمی آپ سے جنگ، مصیبت یا کسی اہم امر کے بارے میں سرگوشی کررہا ہے تو اس وجہ سے صحابہ کرام گھبرا جاتے تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے: ایک روز ہم گفتگو کررہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے پوچھا: ''یہ سرگوشیاں کیا ہیں؟ کیا تم سرگوشی سے باز نہیں آؤ گے؟'' ہم نے عرض کی: ہم نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا یارسول اللہ! ہم دجال کے بارے میں گفتگو کررہے تھے جب کہ ہم ڈر رہے تھے۔ فرمایا: ''کیا میں تمہیں اس امر کے بارے میں خبر نہ دوں جو میرے نزدیک اس سے بھی زیادہ خوفناک ہے''۔ ہم نے عرض کی: کیوں نہیں یارسول اللہ! فرمایا: ''شرک خفی، وہ یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی آدمی کے ہاں مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے لیے کوئی کام کرنے لگے''۔ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ حمزہ، خلف اور رویس نے یعقوب سے وینتجون، یفتعلون کے وزن پر پڑھا ہے: یہ حضرت عبداللہ اور ان کے اصحاب کی قرأت ہے باقی قراء نے ویتناجون، یتفاعلون کے وزن پر پڑھا ہے؛ ابوعبید اور ابوحاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِذَا تَنَاجَيْتُمْ اور تَتَنَاجَوْا۔ نحاس نے کہا: سیبویہ نے حکایت بیان کی ہے کہ باب تفاعل اور افتعال ایک ہی معنی میں آتے ہیں جس طرح تخاصموا اور اختصموا، تقاتلوا اور اقتتلوا اسی وجہ سے یتناجون اور ینتجون ہم معنی ہیں بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ مراد جھوٹ اور ظلم ہے۔ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ رسول اللہ کی مخالفت۔ ضحاک، مجاہد اور حمید نے و معصیات الرسول جمع کے صیغہ کے طور پر پڑھا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَ اِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ علماء میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس کا مصداق یہودی ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور کہتے: السام علیك وہ ظاہر میں سلام اور باطن میں موت مراد لیتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں کہتے ''علیکم'' یہ ایک روایت میں ہے اور دوسری روایت میں ہے وعلیکم۔ ابن عربی نے کہا: یہ مشکل

1۔ تفسیر طبری

ہے(1)۔ وہ کہا کرتے تھے: اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں گالی دینے اور انہیں حقیر جاننے کے باوجود ہمیں مہلت نہ دیتا اور اس امر سے ناواقف تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حلیم ہے جو اس کو گالی دیتا ہے اس کے بارے میں جلدی نہیں کرتا، تو جو اس کے نبی کو گالی دے گا اس کے بارے میں کیوں جلدی کرے گا؟ یہ بات تو ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی ذات سے بڑھ کر اذیت پر صبر کرنے والا کوئی نہیں۔ لوگ اس کے لیے بیوی اور بچے کا دعویٰ کرتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ انہیں عافیت عطا فرماتا ہے اور انہیں رزق عطا فرماتا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو ان کے رازوں کو ظاہر کرنے، ان کے باطن کو ذلیل ورسوا کرنے کے لیے نازل فرمایا تا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معجزہ ہو جائے۔ قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے کہا: السام علیکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب دیا اور پوچھا: ''کیا تم جانتے ہو اس نے کیا کہا؟'' صحابہ نے عرض کی: اللہ ورسوله اعلم۔ فرمایا: ''اس نے یہ کہا، اسے میرے پاس واپس لاؤ''۔ صحابہ اسے واپس لائے فرمایا: ''تو نے کہا السام علیکم'' اس نے کہا: ہاں۔ اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب اہل کتاب تمہیں سلام کہیں تو کہو تجھ پر وہی جو تو نے کہا'' تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

میں نے کہا: امام ترمذی نے اس کی تخریج کی ہے، کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے یہ بات ثابت ہے انہوں نے کہا: کچھ یہودی لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے کہا: السام علیك یا ابا القاسم! تو میں نے کہا: السام علیکم و فعل اللہ بکم و فعل۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عائشہ! رک جاؤ اللہ تعالیٰ فحش گوئی کو پسند نہیں فرماتا''۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا آپ دیکھتے نہیں وہ کیا کہتے ہیں؟ فرمایا: کیا تو نہیں دیکھتی کہ میں انہیں وہی جواب دیتا ہوں جو وہ کہتے ہیں، میں کہتا ہوں وعلیکم'' تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور وہ کہتے ہیں: السام علیك اور سام سے مراد موت ہے: اسے امام بخاری نے نقل کیا ہے اور امام مسلم نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے۔ صحیحین میں حضرت انس بن مالک سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب اہل کتاب تمہیں سلام کریں تو تم کہو وعلیکم'' روایت اسی طرح ہے یعنی وعلیکم۔ علماء نے اس بارے میں گفتگو کی ہے کیونکہ واؤ عاطفہ شرکت کا تقاضا کرتی ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ انہوں نے ہمارے بارے میں جس موت کی دعا کی ہے وہ ان پر بھی واقع ہو یا یہ سامة سے مشتق ہے جس کا معنی اکتا جانا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: سئم یسئم سامة وساما بعض نے کہا: واؤ زائدہ ہے جس طرح شاعر کے شعر میں

لَمَّا أَجَزْنَا سَاحَةَ الْحَيِّ وانْتَحَى

اصل کلام یہ ہے لما اجزنا انتحی یہاں واؤ زائدہ ہے۔ بعض نے کہا: واؤ مستانفہ ہے گویا کہا: والسام علیکم۔ بعض نے کہا: یہ واؤ عاطفہ ہے اور ہمیں کوئی تکلیف نہیں دیتی کیونکہ جب ہم ان کے حق میں بددعا کرتے ہیں تو ہماری بددعا قبول کی

1۔ احکام القرآن لابن العربی

جاتی ہے اور ہمارے بارے میں ان کی بددعا قبول نہیں کی جاتی، جس طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا زبیر نے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کچھ یہودیوں نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں سلام کیا تو کہا: السام علیك یا ابا القاسم! تو فرمایا: وعلیکم حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا: میں غصے ہوگئی عرض کی: ألم تسمع ما قالوا؟ کیا وہ جو کہتے ہیں آپ سنتے نہیں؟ فرمایا: ''کیوں نہیں میں نے اسے سنا ہے میں نے انہیں جواب دے دیا ہے۔ ان کے بارے میں ہماری بددعا قبول کی جاتی ہے اور ان کی بددعا ہمارے بارے میں قبول نہیں کی جاتی''۔ امام مسلم نے اسے نقل کیا ہے واؤ کی روایت معنی کے اعتبار سے اچھی ہے اس کا ثابت رکھنا زیادہ صحیح ہے اور زیادہ مشہور ہے۔

اہل ذمہ کو سلام کا جواب دینے میں اختلاف ہے کہ کیا یہ واجب ہے جس طرح مسلمانوں کو جواب دینا واجب ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، شعبی اور قتادہ نے کہا: یہ واجب ہے۔ امام مالک اس طرف گئے ہیں کہ جواب دینا واجب نہیں؛ یہ اشہب نے ان سے روایت نقل کی ہے۔ اگر تو اسے جواب دے تو تو کہہ علیك۔ ابن طاؤس نے جواب میں یہ کہنا پسند کیا ہے: علاك السلام۔ یعنی سلامتی تجھ سے اٹھ چکی ہے۔ ہمارے بعض اصحاب نے کہا: السلام سین کے کسرہ کے ساتھ ہے مراد پتھر ہے۔ امام مالک نے جو کہا ہے سنت کی اتباع میں یہ اولی ہے۔ الله تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسروق نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں یہودی آئے انہوں نے کہا: السام علیك یا ابا القاسم! فرمایا: وعلیکم۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا: میں نے کہا: بل علیکم السام والذام۔ رسول الله ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! فحش گفتگو کرنے والی نہ بن''۔ حضرت عائشہ نے کہا: انہوں نے جو کہا اس کو آپ نے نہیں سنا۔ فرمایا: ''انہوں نے جو کچھ کہا کیا میں نے اسے لوٹا نہیں دیا؟ میں نے کہا وعلیکم'' ایک روایت میں ہے۔ حضرت عائشہ انہیں بھانپ گئیں تو انہیں گالیاں دیں تو رسول الله ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے عائشہ! رک جاؤ الله تعالیٰ فحش اور تفحش کو پسند نہیں کرتا'' اور کچھ زائد ارشاد فرمایا تو الله تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: الذام میم کی تخفیف کے ساتھ ہے جس کا معنی عیب ہے ضرب المثل میں ہے لا تَعْدَمُ الحسناءُ ذاماً۔ حسینہ عیب سے خالی ہوتی۔ کبھی اس میں ہمزہ لایا جاتا ہے اور کبھی نہیں لایا جاتا یہ کہا جاتا ہے: ذَامَهُ يَذْأَمُهُ جس طرح ذأب یذأب اس کا اسم مفعول مذءوم ہے یہ مہموز ہے اس سے مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا (الاعراف: 18) ہے یہ کہا جاتا ہے: ذامه یذومه جس طرح رامه، یرومه۔

وَ يَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ انہوں نے کہا: اگر حضرت محمد (ﷺ) نبی ہوتے تو ہم جو کچھ کہتے ہیں تو الله تعالیٰ ہمیں ضرور عذاب دیتا تو الله تعالیٰ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کہتے وہ ہمیں جواب دیتا ہے اور کہتا ہے وعلیکم السام اور سام کا معنی موت ہے اگر وہ نبی ہوتا تو ہمارے بارے میں اس کی دعا قبول کی جاتی اور ہم مر جاتے۔ یہ ان کی جانب سے تعجب کا موقع ہے کیونکہ وہ اہل کتاب تھے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ انبیاء کبھی غضب ناک ہوتے ہیں تو جن پر وہ غضب ناک ہوتے ہیں ان کو جلدی عذاب نہیں دیا جاتا۔

حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ دار آخرت میں سزا کے طور پر جہنم ان کے لیے کافی ہے فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۝ یہ کتنا برا ٹھکانہ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

''اے ایمان والو! جب تم خفیہ مشورہ کرو تو مت خفیہ مشورہ کرو گناہ، زیادتی اور رسول (کریم) کی نافرمانی کے متعلق بلکہ نیکی اور تقویٰ کے بارے میں مشورہ کیا کرو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کی (بارگاہ) میں تمہیں جمع کیا جائے گا''۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ مومنوں کو اس سے منع کیا کہ وہ منافقوں اور یہودیوں کی طرح باہم سرگوشیاں نہ کریں تو فرمایا: اے مومنو! جب تم رازداری سے بات کرو فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَ تَنَاجَوْا یہ عام قرأت ہے یحییٰ بن وثاب، عاصم اور رویس نے یعقوب سے فلا تنتجوا، انتجاء سے پڑھا ہے۔ وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ بر سے مراد طاعت ہے۔ وَ التَّقْوٰى اللہ تعالیٰ نے جس سے بچنے کا حکم دیا ہے اس سے بچنے کی بات کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خطاب منافقوں کو ہے مراد ہوگا اے وہ لوگو! جو اپنے گمان کے مطابق مومن ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والو! وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ یعنی آخرت میں تمہیں جس کی بارگاہ میں جمع کیا جائے گا اس اللہ سے ڈرو۔

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

''(کفار کی) سرگوشیاں تو شیطان کی طرف سے ہیں تاکہ وہ غمزدہ کردے ایمان والوں کو حالانکہ وہ انہیں کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر اور اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرنا چاہیے اہل ایمان کو''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ یہ نجویٰ شیطان کی طرف سے مزین کرنے کی وجہ سے ہے لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کیونکہ مومن خیال کرتے تھے سرایا (چھوٹے لشکر) میں مسلمانوں کو کوئی مصیبت واقع ہوگئی ہے یا وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے اجتماع کیا کرتے تھے بعض اوقات وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مناجات کیا کرتے تھے تو مسلمان گمان کرتے تھے کہ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ان کے نقائص بیان کیا کرتے ہیں۔ وَ لَيْسَ بِضَآرِّهِمْ یہ سرگوشیاں مومنوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے علم سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اس کے امر سے۔ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ یعنی انہیں اپنے امور اللہ کے سپرد کرنے اور تمام لوگ اس کی مدد کے سپرد کرنے چاہئیں اور شیطان اور اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے کیونکہ اسی ذات نے بندے کے امتحان اور آزمائش کی خاطر شیطان کو وساوس کے ساتھ ان پر مسلط کیا ہے اگر چاہے تو

1۔ زاد المسیر

شیطان کو اس سے دور کر دے۔

مسئلہ نمبر 2۔ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تین افراد ہوں تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں سرگوشیاں نہ کریں''۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم تین ہو تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمی آپس میں سرگوشیاں نہ کریں یہاں تک کہ تم لوگوں میں گھل مل جاؤ تا کہ وہ اکیلا غمگین نہ ہو''۔ اس حدیث میں اس منع کرنے کی علت بیان کر دی ہے وہ یہ ہے کہ تیسرا آدمی اس کو پائے جس کے ساتھ وہ گفتگو کرے جس طرح حضرت ابن عمر نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ایک آدمی کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے تو ایک اور آدمی آ گیا جو آپ سے سرگوشی کرنا چاہتا تھا تو آپ نے اس سے راز داری سے بات نہ کی یہاں تک کہ چوتھے آدمی کو بلایا تو آپ نے اسے اور پہلے آدمی کو کہا: تم دونوں پیچھے ہو جاؤ اور جو سرگوشیاں کرنا چاہتا تھا اس کے ساتھ سرگوشی کی۔ اسے امام موطا نے نقل کیا ہے۔ اس میں علت پر تنبیہ بھی ہے۔ من اجل ان یحزنہ۔ یعنی اس کے دل میں ایسی بات واقع ہو جو اسے غمگین کرے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے دل میں سوچے کہ یہ بات اس کے متعلق ہے جو اسے ناپسند ہے یا انہوں نے اسے اس کے اہل نہیں سمجھا کہ وہ اسے اپنی بات میں شریک کریں اس کے علاوہ شیطان کے وساوس اور نفس کے توہمات ہو سکتے ہیں یہ سب صورتیں تب ہو سکتی ہیں کہ وہ اکیلا رہ گیا ہو جب اس کے ساتھ کوئی اور بھی ہو تو وہ اس سے امن میں ہوگا اس علت کی بنا پر تمام عدد اس حکم میں برابر ہوں گے۔ چار ایک کو چھوڑ کو سرگوشی نہ کریں اور دس ایک کو چھوڑ کر اسی طرح ایک ہزار کیونکہ یہی وجہ اس عدد میں بھی پائی جا رہی ہے بلکہ کثیر تعداد میں اس کا وجود زیادہ وقیع ہے اس لیے اسے منع کرنا زیادہ مناسب ہے۔ تین کا خصوصی ذکر کیا کیونکہ یہ پہلا وہ عدد ہے جس میں یہ معنی پایا جاتا ہے۔ اس حدیث کا ظاہر تمام زمانوں اور احوال کو شامل ہے؛ اسی طرف حضرت ابن عمر، امام مالک اور جمہور گئے ہیں۔ خواہ سرگوشی کسی مستحب امر میں ہو، مباح میں ہو یا واجب میں ہو کیونکہ غم اس میں واقع ہوتا ہے۔ بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ یہ ابتداء اسلام میں تھا کیونکہ یہ حکم منافقین کے بارے میں تھا منافق مومنوں کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشیاں کیا کرتے تھے جب اسلام عام ہو گیا تو یہ حکم ساقط ہو گیا۔ بعض نے کہا: یہ حکم سفر میں ایسے مواقع پر ہوتا ہے جس میں ایک آدمی اپنے ساتھی سے امن میں نہیں ہوتا جہاں تک شہر اور آبادی کا تعلق ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہاں وہ ایسے شخص کو پاتا ہے جو اس کی مدد کر سکتا ہے سفر کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہاں دھوکہ کا امکان ہوتا ہے اور مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَ اِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

''اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ (آنے والوں کے لیے) جگہ کشادہ کر دو مجلس میں تو کشادہ کر دیا کرو اللہ تمہارے لیے کشادگی فرمائے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو اللہ تعالیٰ ان کے جو

تم میں سے ایمان لے آئے اور جن کو علم دیا گیا درجات بلند فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو اس سے خوب آگاہ ہے"۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ جب اس امر کی وضاحت کی کہ یہودی آپ کو ایسے انداز میں سلام کرتے ہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام نہیں کیا اور اس امر پر ان کی مذمت کی ساتھ ہی انہیں رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حسن ادب کا حکم دیا تا کہ وہ آپ پر مجلس کو تنگ نہ کر دیں اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ باہم شفقت اور محبت کا اظہار کریں یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کے لیے جگہ کھلی کر دیں تا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بات سن سکیں اور آپ کا دیدار کر سکیں۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا: صحابہ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں باہم مقابلہ کیا کرتے تھے تو انہیں حکم دیا کیا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے جگہ کھلی کر دیں؛ یہ ضحاک کا قول ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہاں مراد قتال کی مجالس ہیں جب وہ جنگ کرنے کے لیے صف بندی کیا کرتے تھے (2)۔ حضرت حسن بصری اور یزید بن ابی حبیب نے کہا: نبی کریم ﷺ جب مشرکوں سے جنگ کرتے تو آپ کے صحابہ پہلی صف میں کھڑا ہونے کو پسند کرتے تھے وہ ایک دوسرے کے لیے جگہ نہ چھوڑتے وہ قتال اور شہادت میں رغبت رکھتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح فرمایا: مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ (آل عمران: 121) مقاتل نے کہا: نبی کریم ﷺ صفہ میں موجود تھے جمعہ کے روز جگہ میں تنگی ہو جاتی نبی کریم ﷺ بدری مہاجرین وانصاری کی تعظیم کرتے بدری صحابہ آئے ان میں حضرت ثابت بن قیس بن شماس تھے ان سے پہلے ہی لوگ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بدری صحابہ نبی کریم ﷺ کے اردگرد کھڑے ہو گئے وہ انتظار کر رہے تھے کہ ان کے لیے جگہ کھلی کر دی جائے گی تو لوگوں نے ان کے لیے جگہ کھلی نہ کی یہ امر نبی کریم ﷺ کو شاق گزرا آپ کے اردگرد جو غیر بدری صحابہ موجود تھے آپ نے انہیں فرمایا: "اے فلاں تو اٹھ، اے فلاں تو اٹھ" اتنے افراد کا نام لیا جس قدر بدری صحابہ کھڑے تھے جسے اٹھایا گیا اس پر یہ امر شاق گزرا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے چہروں سے ناگواری کے آثار محسوس کر لیے۔ منافقوں نے آنکھوں سے اشارے کیے اور یہ کہا: ان سے انصاف نہیں ہوا انہوں نے اپنے نبی کے قرب کو پسند کیا اور پہلے آئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: تَفَسَّحُوْا کا معنی ہے کھل جاؤ۔

فسح فلان لأخیه فی مجلسه یفسح فسحا یعنی اس کے لیے جگہ کو کھلا کر دیا؛ اسی معنی میں ان کا قول ہے بلد فسیح ولك فی كذا فسحة شہر کھلا ہے تیرے لیے اس میں وسعت ہے فسح یفسح کا باب منع یمنع کی طرح ہے معنی ہے بیٹھنے والی جگہ کو کھلا کر دیا۔ فَسُحَ یَفْسُحُ فَسَاحَةً جس طرح کَرُمَ یَکْرُمُ کَرَامَةً یعنی کھلا ہو گیا اسی معنی میں مکان فسیح ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ سلمی، زر بن حبیش اور عاصم نے فی المجالس پڑھا ہے۔ قتادہ، داؤد بن ہند اور حسن بصری نے ان سے اختلاف کیا ہے جب کہ باقی قراء نے تفسحوا فی المجلس پڑھا ہے۔ جس نے جمع کا صیغہ پڑھا ہے تو وہ اس امر کی خبر

1۔ تفسیر طبری 2۔ زاد المسیر

دیتا ہے کہ ہر ایک کے لیے ایک مجلس ہے اسی طرح اگر جنگ کا ارادہ کیا جائے اس طرح یہ بھی جائز ہے کہ مسجد نبوی کا ارادہ کیا جائے۔ صیغہ جمع کا ذکر کیا کہ ہر بیٹھنے والے کے لیے ایک مجلس ہے اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ اگر مجلس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ جنس کے اعتبار سے جمع مراد ہو جس طرح عربوں کا قول ہے: کثر الدینار والدرھم۔

میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ یہ ہر مجلس میں عام ہے جس میں مسلمان خیر اور اجر کے لیے جمع ہوں خواہ جنگ کی مجلس ہو، ذکر کی مجلس ہو یا جمعہ کے دن کی مجلس ہو کیونکہ ہر ایک ایسی جگہ کا زیادہ حق دار ہے جس کی طرف وہ سبقت لے گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو ایسی جگہ کی طرف سبقت لے گیا جس کی طرف پہلے کوئی سبقت نہیں لے گیا تھا تو وہ اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے مگر وہ اپنے بھائی کے لیے جگہ وسیع کر دے جب تک اس سے اذیت میں مبتلا نہ ہو کہ کہیں تنگی اسے اپنی جگہ سے ہی نہ نکال دے''۔

امام مسلم حضرت ابن عمر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی آدمی کسی آدمی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے پھر اس میں خود بیٹھے'' آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا کہ ایک آدمی کو اس کی جگہ سے اٹھایا جائے اور اس میں کوئی آدمی بیٹھے، بلکہ کھل جاؤ اور جگہ کو وسیع کر دو۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اس امر کو ناپسند کرتے تھے کہ ایک آدمی اپنی جگہ سے اٹھ جائے پھر اس جگہ بیٹھے۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ جب لوگوں میں سے کوئی مسجد کی ایک جگہ میں بیٹھے تو کسی اور کے لیے جائز نہیں کہ اسے اٹھائے اور اس کی جگہ بیٹھے۔ امام مسلم نے ابو زبیر سے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ''تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو جمعہ کے روز اپنی جگہ سے نہ اٹھائے پھر اس کے بیٹھنے کی جگہ کی طرف آئے اور اس میں بیٹھ جائے بلکہ کہے کھل جاؤ''۔

مسئلہ۔ کسی جگہ بیٹھنے والا شخص جب اٹھے یہاں تک کہ کوئی اور اس کی جگہ بیٹھ جائے تو اس میں غور و فکر کیا جائے گا اگر وہ جگہ جس کے لیے وہ اٹھا ہے وہ امام کا کلام سننے میں پہلے کی طرح ہے تو اس کے لیے یہ مکروہ نہیں اگر وہ جگہ امام سے دور ہے تو یہ اس کے لیے مکروہ ہے کیونکہ اس میں اپنے حصہ کو فوت کرنا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جب کوئی انسان دوسرے انسان کو کہے کہ وہ جامع مسجد کی طرف جلدی جائے وہ اس کے لیے ایک جگہ مختص کر دے جہاں وہ آ کر بیٹھے تو یہ مکروہ نہیں جب کہنے والا آئے تو پہلے سے موجود شخص اس کے لیے اٹھ کھڑا ہو کیونکہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت ابن سیرین کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنے غلام کو جمعہ کے روز بھیجتے کہ وہ ان کے لیے جگہ بنائے وہ غلام ان کے لیے ایک جگہ بیٹھ جاتا جب وہ آتے تو وہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہوتا۔

مسئلہ۔ اس صورت میں یہ مسئلہ مستنبط کیا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی قالین یا سجادہ بھیجے تو مسجد کی کسی جگہ اس کے لیے بچھا دیا جائے تو یہ جائز ہوگا۔

مسئلہ نمبر 5۔ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اذا قام احدکم اور ابو عوانہ کی حدیث میں ہے من قام من مجلس یعنی جو آدمی اپنی جگہ سے اٹھا پھر وہ اسی جگہ کی طرف لوٹا تو وہ

اس جگہ بیٹھنے کا زیادہ حقدار ہے۔

ہمارے علماء نے کہا: یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا قول صحیح ہے جو یہ کہتا ہے کہ بیٹھنے والا اپنی جگہ کے لیے خاص ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ وہاں سے اٹھ جائے کیونکہ وہاں سے اٹھنے کے بعد جب وہ اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے تو اس سے پہلے تو بدرجہ اولی اسی جگہ کا مستحق ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس جگہ کا اس کے لیے خاص ہونا بطور ندب ہے کیونکہ یہ جگہ کسی کی ملکیت نہیں نہ بیٹھنے سے پہلے اور نہ ہی بیٹھنے کے بعد۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے وہ یہ ہے کہ کہا جائے: ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ کسی کی ملکیت نہیں لیکن یہ جگہ اس کے لیے خاص رہے گی یہاں تک کہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے تو وہ جگہ اسی طرح ہو جائے گی گویا وہ اس کی منفعت کا مالک ہے کیونکہ کسی دوسرے فرد کو اس سے منع کر دیا گیا ہے کہ اس کے ساتھ مزاحمت کرے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ یَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ اللہ تعالیٰ تمہاری قبروں میں وسعت پیدا کر دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہارے دلوں میں وسعت پیدا کر دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دنیا و آخرت میں تمہارے لیے وسعت پیدا کر دے گا(1)۔

وَ اِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا نافع، ابن عامر اور عاصم نے دونوں میں شین کو مضموم پڑھا ہے اور باقی قراء نے اسے کسرہ دیا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح يَعْكُفُوْنَ اور يَعْرِشُوْنَ ہے اس کا معنی ہے نماز، جہاد اور عمل خیر کے لیے اٹھو؛ یہ اکثر مفسرین نے کہا۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا: جب نماز کے لیے اذان کہی جائے تو نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہو اس کی وجہ یہ تھی کہ کچھ لوگ نماز سے سستی کیا کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت حسن بصری اور مجاہد نے کہا: جنگ کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔ ابن زید نے کہا: یہ حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے متعلق ہے ہر ایک آدمی یہ پسند کرتا کہ وہ سب سے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں رہے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جب تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کہا جائے اٹھو تو اٹھ جاؤ کیونکہ آپ کی کچھ ضروریات ہیں تو اس لیے رکے نہ رہو۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے جب تم کو معروف امر کی دعوت دی جائے تو اس پر لبیک کہو؛ یہی قول صحیح ہے کیونکہ یہ عام ہے۔ اور نشز کا معنی بلند ہونا ہے یہ نشز الارض سے ماخوذ ہے اس سے مراد زمین کا بلند ہونا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: نَشَزَ يَنْشُزُ وَ يَنْشِزُ جب وہ اپنی جگہ سے اوپر اٹھ جائے۔ امراۃ ناشزۃ یعنی وہ عورت جو اپنے خاوند سے علیحدگی اختیار کرے۔ اس کی اصل نشز ہے نشز کا معنی ہے جو زمین سے اوپر اٹھ جائے؛ نحاس نے اس کا ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ یعنی آخرت میں ثواب اور دنیا میں کرامت میں درجات بلند فرمائے گا، اللہ تعالیٰ مومن کو غیر مومن پر بلند کرے گا اور عالم کو غیر عالم پر بلند کرے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں علماء کی مدح کی ہے معنی ہے اللہ تعالیٰ علماء کو ان مومنوں پر درجہ میں بلند کرے گا جن کو علم نہیں دیا گیا جب کہ وہ ان امور کو بجالائیں جن کا انہیں حکم دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غنی لوگ ناپسند کرتے تھے کہ ان کے ساتھ وہ آدمی مل بیٹھے جو اون کا لباس زیب تن کرتا ہے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جلدی جائے تو خطاب ان

1۔ الکشاف

کو ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غنی کو دیکھا جو ایک فقیر سے نفرت کی وجہ سے اپنے کپڑے کو سمیٹ رہا تھا جس فقیر نے اس کے پاس بیٹھنے کا ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے فلاں! کیا تجھے ڈر ہوا کہ تیری غنا اس کی طرف متعدی ہو جائے گی یا اس کا فقر تیری طرف متعدی ہو جائے گی''۔

اس آیت میں اس امر کو واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں رفعت و بلندی علم و ایمان کے ساتھ ہے مجالس میں آگے بیٹھنے کے ساتھ نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن حکیم کو پڑھا۔ یحییٰ بن یحییٰ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے: يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ سے مراد صحابہ ہیں۔ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے عالم اور حق کے طالب کو بلند فرماتا ہے۔

میں کہتا ہوں: مسئلہ میں عموم زیادہ وقیع اور آیت کے معنی کے زیادہ مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ پہلی دفعہ مومن کو اس کے ایمان کے ساتھ اور دوسری دفعہ اس کے علم کے ساتھ بلند فرماتا ہے۔ صحیح میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس کو صحابہ پر مقدم رکھتے تھے صحابہ نے آپ سے اس بارے میں گفتگو کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو بلایا اور حضرت عبداللہ بن عباس کو بھی بلایا صحابہ سے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ کی تفسیر کے بارے میں پوچھا تو صحابہ خاموش ہو گئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا وقت ہے جس بارے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اسے وہی جانتا ہوں جو آپ جانتے ہیں۔

بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عیینہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر آئے اور اپنے بھتیجے حسر بن قیس بن حصن کے ہاں ٹھہرے لوگوں میں سے کچھ ایسے تھے جنہیں حضرت عمر اپنے قریب بٹھاتے تھے۔ قراء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصحاب مجلس اور اہل مشورہ ہوا کرتے تھے وہ بڑی عمر کے ہوتے یا جوان ہوتے۔ یہ چیز سورۂ اعراف کے آخر میں واقع ہوئی ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نافع بن عبد حرث حضرت عمر سے عسفان میں ملے حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں مکہ مکرمہ کا عامل بنانا چاہتے تھے۔ پوچھا: اہل وادی پر کس کو آپ نے عامل بنایا ہے؟ جواب دیا: ابن ابزی کو۔ پوچھا: ابن ابزی کون ہے؟ جواب دیا: وہ ہمارے غلاموں میں سے ایک غلام ہے۔ پوچھا: کیا آپ نے ان پر ایک غلام کو عامل بنایا ہے؟ جواب دیا: وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا قاری ہے، وہ فرائض کا علم رکھنے والا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خبردار! تمہارے نبی نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے کئی لوگوں کو رفعت عطا فرماتا ہے اور اس کے ذریعے دوسروں کو پست کرتا ہے''۔ کتاب کے شروع میں بحث گزر چکی ہے۔ علم و علماء کی فضیلت کے حوالے سے گفتگو اسی کتاب میں کئی اور مواقع پر گزر چکی ہے۔ الحمدللہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت مروی ہے کہ فرمایا: ''عالم اور عابد کے درمیان ستر درجے ہیں اور ہر درجے کے درمیان ضامر گھوڑے کی ستر سال کی مسافت حائل ہے''۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے: ''عالم کی عابد پر فضیلت اس طرح ہے جس طرح چودھویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہوتی ہے''۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے: قیامت کے روز تین

قسم کے افراد شفاعت کریں گے انبیاء، علماء اور شہداء۔ اس مقام کی عظمت کو تصور کر جو نبوت اور شہادت کے درمیان واسطہ ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی دی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم، مال اور ملک میں اختیار دیا گیا تو آپ نے علم کو پسند کیا تو مال اور ملک آپ کو ساتھ میں دے دیا گیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

''اے ایمان والو! جب تنہائی میں بات کرنا چاہو رسول (مکرم) سے تو سرگوشی سے پہلے صدقہ دیا کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور (دلوں کو) کو پاک کرنے والی ہے، اور اگر تم (اس کی سکت) نہ پاؤ تو بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ، نَاجَيْتُمُ یعنی تم راز داری سے بات کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت اس وجہ سے نازل ہوئی کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بے شمار مسائل پیش کیا کرتے تھے یہاں تک کہ وہ آپ کے لیے مشکلات پیدا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پریشانی میں کمی کر دے۔ جب یہ کہا تو بہت سے لوگ رک گئے پھر اللہ تعالیٰ نے بعد والی آیت کے ساتھ اس میں تخفیف کر دی۔ حضرت حسن بصری نے کہا یہ آیت اس وجہ سے نازل ہوئی کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں ملتے اور آپ سے سرگوشیاں کرتے تو مسلمانوں میں سے ایک قوم نے گمان کیا کہ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ان کے نقائص بیان کرتے ہیں تو یہ چیز ان پر شاق گزری تو اللہ تعالیٰ نے راز داری سے بات کرنے پر صدقہ کرنے کا حکم دیا تا کہ وہ خلوت میں بات کرنے سے رک جائیں۔

زید بن اسلم نے کہا: یہ آیت اس وجہ سے نازل ہوئی کہ منافقین اور یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشیاں کرتے اور کہتے: یہ کان کے کچے ہیں جو کچھ انہیں کہا جائے اسے مان لیتے ہیں، وہ کسی کو مناجات سے منع نہیں کرتے۔ یہ امر مسلمانوں پر شاق گزرتا کیونکہ شیطان ان کے نفسوں میں یہ القاء کرتا کہ ان لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کی ہے کہ کچھ لشکر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وہ نہ رکے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا تو اہل باطل سرگوشی کرنے سے رک گئے کیونکہ انہوں نے سرگوشی سے قبل صدقہ نہ کیا۔ یہ امر اہل ایمان پر شاق گزرا اور وہ بھی سرگوشی کرنے سے رک گئے کیونکہ ان کی کثیر تعداد صدقہ پیش کرنے سے عاجز تھی تو اللہ تعالیٰ نے بعد والی آیت میں ان سے تخفیف فرما دی۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عربی نے کہا(1): زید سے مروی اس خبر میں ایسی چیز ہے جو اس بات پر دال ہے کہ احکام مصالح کے اعتبار سے مرتب نہیں ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ پھر اس کے خیر اور پاکیزہ ہونے کے

1۔ احکام القرآن لابن العربی

باوجود اسے منسوخ کر دیا۔ یہ معتزلہ پر عظیم رد ہے جو وہ یہ کہتے ہیں کہ احکام میں مصالح کا التزام ضروری ہے لیکن اس حدیث کا راوی عبدالرحمن ہے جو زید کا بیٹا ہے علماء نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ یہ معتزلہ کے رد میں نص متواتر ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر3۔ امام ترمذی نے علی بن علقمہ انماری سے وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب یہ آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً نازل ہوئی تو میں نے آپ سے پوچھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: ”دینار کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟“ میں نے عرض کی: وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ فرمایا: ”نصف دینار؟“ میں نے عرض کی: وہ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ فرمایا: ”تو کتنا؟“ میں نے عرض کی: جو (کے برابر وزن) فرمایا: ”تو تو بہت ہی زہد اختیار کرنے والا ہے“ تو یہ آیت نازل ہوئی ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ کہا: میری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت سے تخفیف فرمائی۔ ابوعیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے اسی سند سے ہی پہچانتے ہیں۔ ان کے قول شعیرہ (جو) کا معنی ہے سونے میں سے جو کا وزن۔ ابن عربی نے کہا: یہ امر دو اصولی اچھے مسالوں پر راہنمائی کرتا ہے (۱) عبادت پر عمل سے پہلے ہی منسوخ کرنا (۲) معین مقداروں میں قیاس کے ذریعے غور و فکر کرنا جب کہ امام ابوحنیفہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

میں نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ نسخ صدقہ کے فعل کے بعد ہوا۔ مجاہد سے مروی ہے کہ اس بارے میں سب سے پہلے صدقہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سرگوشی کی۔ ان کے بارے میں یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے انگوٹھی کا صدقہ کیا۔ قشیری اور دوسرے علماء نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا: کتاب اللہ میں ایک ایسی آیت ہے جس پر مجھ سے قبل کسی نے عمل نہیں کیا اور میرے بعد اس پر کوئی عمل نہیں کرے گا وہ یہ آیت ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً میرے پاس ایک دینار تھا جس کو میں نے بیچا جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرتا تو میں ایک درہم صدقہ کرتا یہاں تک کہ وہ درہم ختم ہو گئے۔ تو اسے ایک دوسری آیت کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی طرح کہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو بعد والی آیت سے منسوخ کر دیا۔ حضرت ابن عمر نے کہا: حضرت علی شیر خدا کے لیے تین خصوصیات ایسی تھیں اگر ان میں سے ایک بھی میرے لیے ہوتی تو وہ مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتی۔ (۱) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح (۲) غزوۂ خیبر کے موقع پر جھنڈے کا عطا کیا جانا (۳) سرگوشی والی آیت۔ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ روکنے سے یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور نافرمانیوں سے پاکی کے لیے تمہارے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ اے فقراء! اگر تم نہ پاؤ تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا

تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳﴾

"کیا تم (اس حکم سے) ڈر گئے کہ تمہیں سرگوشی سے پہلے صدقہ دینا چاہیے پس جب تم ایسا نہیں کر سکے تو الله نے تم پر نظر کرم فرمائی پس (اب) تم نماز صحیح صحیح ادا کیا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور تابعداری کیا کرو الله اور اس کے رسول کی، اور الله تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کرتے رہتے ہو"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ ءَاَشۡفَقۡتُمۡ یہ جملہ استفہامیہ ہے اور کلمہ استفہام قد کے معنی میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے تم صدقہ کرنے میں بخل کرتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم ڈرتے ہو۔ اشفاق سے مراد ناپسندیدہ چیز سے خوف کھاتا ہے (1)، یعنی تم ڈر گئے، صدقہ میں بخل کیا اور یہ امر تم پر شاق گزرا۔ اَنۡ تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیۡ نَجۡوٰىکُمۡ صَدَقٰتٍ مقاتل بن حیان نے کہا: یہ حکم دس دن تک رہا پھر اسے منسوخ کر دیا گیا۔ کلبی نے کہا: یہ حکم صرف ایک دن کے لیے رہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ حکم دن کی چند گھڑیوں کے لیے رہا یہاں تک کہ منسوخ ہو گیا؛ قتادہ نے اسی طرح کہا ہے۔ الله تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ فَاِذۡ لَمۡ تَفۡعَلُوۡا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَیۡکُمۡ الله تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ یہ خطاب ان کو ہے جس نے ایسا مال پایا جس کو وہ صدقہ کر سکتا تھا۔ فَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ فرض زکوٰۃ نے اس صدقہ کو منسوخ کر دیا۔ یہ امر اس پر دال ہے کہ فعل سے پہلے فسخ کرنا جائز ہے۔ حضرت علی شیر خدا سے جو مروی ہے وہ ضعیف ہے کیونکہ الله تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِذۡ لَمۡ تَفۡعَلُوۡا یہ اس امر پر دال ہے کہ کسی نے بھی کوئی چیز صدقہ نہ کی۔ الله تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ اس کے فرائض میں اس کی اطاعت کرو اور سنن میں اس کے رسول کی اتباع کرو۔

وَ اللّٰهُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳﴾ جو کچھ تم عمل کرتے ہو الله تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا قَوۡمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ ؕ مَا هُمۡ مِّنۡکُمۡ وَ لَا مِنۡهُمۡ ۙ وَ یَحۡلِفُوۡنَ عَلَی الۡکَذِبِ وَ هُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۴﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ عَذَابًا شَدِیۡدًا ؕ اِنَّهُمۡ سَآءَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵﴾ اِتَّخَذُوۡۤا اَیۡمَانَهُمۡ جُنَّۃً فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ فَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ ﴿۱۶﴾

"کیا تم نے نہیں دیکھا ان (نادانوں) کی طرف جنہوں نے دوست بنا لیا اس قوم کو جن پر خدا کا غضب ہوا، نہ یہ لوگ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے یہ جان بوجھ کر جھوٹی باتوں پر قسمیں کھاتے ہیں۔ تیار کر رکھا ہے الله نے ان کے لیے سخت عذاب، بلاشبہ یہ لوگ بہت برے کام کیا کرتے تھے انہوں نے بنا رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال پس وہ (اسی طرح) روکتے ہیں الله کی راہ سے، سو ان کے لیے رسوا کن عذاب ہے"۔

1۔ تفسیر طبری

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا قَوۡمًا غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ قتادہ نے کہا: مراد منافق ہیں جنہوں نے یہودیوں سے دوستی کی مَا ھُمۡ مِّنۡکُمۡ وَ لَا مِنۡہُمۡ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: منافق یہودیوں اور مسلمانوں میں سے نہیں بلکہ وہ ان دونوں طبقات کے درمیان مذبذب ہیں۔ وہ مسلمانوں کی خبریں ان تک پہنچاتے تھے۔ سدی اور مقاتل نے کہا: یہ آیت عبداللہ بن ابی اور عبداللہ بن نبتل منافق کے حق میں نازل ہوئی ان میں سے ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتا تھا پھر آپ کی گفتگو یہودیوں تک پہنچاتا تھا۔ اس اثناء میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجروں میں سے ایک حجرہ میں تھے کہ فرمایا: ''ابھی تم پر ایک ایسا آدمی داخل ہوگا جس کا دل جبار کا دل ہے اور وہ شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے''۔ تو عبداللہ بن نبتل داخل ہوا۔ اس کی آنکھیں نیلی، رنگ گندم گوں، قد چھوٹا اور داڑھی کے بال تھوڑے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو اور تیرے ساتھی مجھے کیوں برا بھلا کہتے ہیں؟'' اس نے قسم اٹھائی کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ''تو نے ایسا کیا ہے''۔ وہ گیا اور اپنے ساتھیوں کو لے آیا تو انہوں نے اللہ کے نام کی قسم اٹھائی کہ انہوں نے آپ کو گالی نہیں دی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اس کے ہم معنی قول کیا ہے۔ عکرمہ نے ان سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے سایہ آپ سے سمٹنے والا تھا کہ آپ نے فرمایا: ''تمہارے پاس ابھی ایسا آدمی آئے گا جس کی آنکھیں نیلی ہوں گی وہ تمہیں شیطان کی آنکھ سے دیکھے گا'' ہم اسی طرح تھے کہ ایک آدمی آیا جس کی آنکھیں نیلی تھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا فرمایا: ''تو اور تیرے ساتھی مجھے کیوں برا بھلا کہتے ہیں؟'' اس نے جواب دیا: مجھے چھوڑ دیں میں انہیں لے آتا ہوں۔ وہ گیا اور انہیں لے آیا، ان سب نے قسم اٹھادی کہ ایسی کوئی بات نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ یہودیوں کا ذکر قرآن حکیم میں غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اَعَدَّ اللّٰہُ لَہُمۡ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے لیے جہنم میں شدید عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ درک اسفل ہے اِنَّہُمۡ سَآءَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵﴾ یعنی ان کے اعمال کتنے برے ہیں۔

اِتَّخَذُوۡۤا اَیۡمَانَہُمۡ جُنَّۃً وہ قتل سے بچنے کے لیے قسم کو ڈھال بناتے ہیں۔ حضرت حسن بصری اور ابو العالیہ نے کہا: یہاں ایمانہم ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے اور سورۃ المنافقون میں بھی اسی طرح ہے انہوں نے اپنے اقرار کو ڈھال بنالیا۔ ان کی زبانیں قتل کے خوف سے ایمان لائی ہیں اور ان کے دلوں نے کفر کیا ہے۔

فَلَہُمۡ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ﴿۱۶﴾ دنیا میں قتل اور آخرت میں آگ کا عذاب ہے۔ صد سے مراد اسلام سے روکنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عذاب سے مراد کفر کی وجہ سے قتل ہے جب انہوں نے نفاق کو ظاہر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ عذاب خوف پیدا کرنے، مسلمانوں کو جہاد سے روکنے اور ان کو ڈرانے کی وجہ سے ہوگا۔

لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡہُمۡ اَمۡوَالُہُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُہُمۡ مِّنَ اللّٰہِ شَیۡـًٔا ؕ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ؕ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۷﴾ یَوۡمَ یَبۡعَثُہُمُ اللّٰہُ جَمِیۡعًا فَیَحۡلِفُوۡنَ لَہٗ کَمَا یَحۡلِفُوۡنَ لَکُمۡ وَ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ عَلٰی شَیۡءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّہُمۡ ہُمُ الۡکٰذِبُوۡنَ ﴿۱۸﴾ اِسۡتَحۡوَذَ عَلَیۡہِمُ الشَّیۡطٰنُ

فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

”کچھ نفع نہ پہنچا ئیں گے انہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد عذاب الٰہی سے بچانے کے لیے، یہ لوگ جہنمی ہیں، یہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھالے گا تو وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کے سامنے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور خیال کریں گے کہ وہ کس مفید چیز پر تکیہ کیے ہیں۔ خبردار! یہی وہ جھوٹے لوگ ہیں تسلط جمالیا ہے ان پر شیطان نے اور اس نے، اللہ کا ذکر انہیں فراموش کرا دیا ہے، یہ لوگ شیطان کا ٹولہ ہیں، خوب سن لو! شیطان کا ٹولہ ہی یقینا نقصان اٹھانے والا ہے“۔

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا یعنی اس کے عذاب سے کچھ نفع نہ دے گا۔ مقاتل نے کہا: منافقوں نے کہا (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گمان کرتے ہیں کہ قیامت کے روز ان کی مدد کی جائے گی تو اس وقت یقینا ہم بد بخت ہوں گے اللہ کی قسم! اگر قیامت ہوئی تو قیامت کے روز ہماری مدد کی جائے گی ہماری ذاتوں، ہماری اولادوں اور ہمارے اموال کی وجہ سے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا اللہ تعالیٰ انہیں جس روز دوبارہ اٹھائے گا ان کے لیے ذلیل ورسوا کرنے والا عذاب ہوگا۔ فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وہ اس روز اسی طرح اس کے لیے قسم اٹھائیں گے جس طرح آج وہ تمہارے لیے قسم اٹھاتے ہیں۔ یہ عجب امر ہے وہ ان کا قسم کے ساتھ مغالطہ پیدا کرنا ہے، جب کہ تمام معارف عیاں ہو چکے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ان کا یہ قول ہے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ (الانعام)

وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ یعنی انکار کرنے اور قسم اٹھانے کے ساتھ۔ ابن زید نے کہا: انہوں نے گمان کیا کہ وہ آخرت میں انہیں نفع پہنچائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دنیا میں گمان کریں گے کہ وہ بہت بڑی چیز پر قائم ہیں کیونکہ آخرت میں وہ مجبور ہو کر حق کو جانیں گے، جب کہ پہلا معنی زیادہ واضح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قیامت کے روز ایک منادی کرنے والا اعلان کرے گا: اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرنے والے کہاں ہیں؟ تو قدریہ اٹھیں گے جب کہ ان کے چہرے سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوں گی، ان کی باچھیں ایک طرف مائل ہوں گی، ان کا لعاب بہہ رہا ہو گا، تو وہ کہیں گے: اللہ کی قسم! ہم نے تیرے سوا کسی سورج، کسی چاند، کسی بت کی عبادت نہیں کی اور ہم نے تیرے سوا کسی کو اپنا الٰہ نہیں بنایا“۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ کی قسم! انہوں نے سچ کہا، ان تک شرک ایسی جگہ سے پہنچے گا جسے وہ نہیں جانتے ہوں گے۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ اللہ کی قسم! وہ قدریہ ہیں یہ تین دفعہ قسم اٹھائی (1)۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ یعنی شیطان ان پر غالب آ گیا ہے یعنی دنیا میں اپنے وسوسہ کے ساتھ ان پر غالب آ گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ ان پر قوی ہو گیا ہے۔ مفضل نے کہا: اس نے ان کا احاطہ کرلیا ہے۔ یہ چوتھے معنی کا بھی احتمال رکھتا ہے شیطان نے انہیں جمع کرلیا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: احوذ الشیء اسے جمع کر دیا اور اس کے بعض کو بعض سے ملا دیا جب

1۔ المحرر الوجیز

انہیں جمع کر لیا تو وہ ان پر غالب آ گیا، ان پر قوی ہو گیا اور ان کو احاطہ میں لے لیا۔

فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ذکر سے اس کے اوامر مراد ہیں۔ جب انسان طاعت کر رہا ہے تو اوامر کو بھلا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد زواجر ہیں یعنی اس کی معصیت سے جو جھڑ کنے والی چیزیں تھیں، انہیں بھلا دیا۔ نسیان کبھی غفلت کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی ترک کی صورت میں ہوتا ہے یہاں دونوں وجوہ کا احتمال ہے۔

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ حزب سے مراد طائفہ اور رھط ہے۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝ یعنی وہ اپنی تجارت میں خسارے پانے والے ہیں کیونکہ انہوں نے جہنم کے بدلے جنت کو بیچ دیا ہے اور گمراہی کے بدلے ہدایت کو بیچ دیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ۝۲۰ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ۝۲۱

”بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی وہ ذلیل ترین لوگوں میں شمار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آ کر رہیں گے“۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ سورت کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ۝ وہ ذلیل لوگوں میں سے ہیں ان سے بڑھ کر کوئی ذلیل نہیں كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ یعنی اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ انہیں ضرور غالب کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے؛ یہ قتادہ سے مروی ہے۔ فراء نے کہا: كَتَبَ یہ قال کے معنی میں ہے۔ انا یہ ضمیر تاکید کے لیے ہے۔ وَرُسُلِيْ جس کو جہاد کے حکم کے ساتھ مبعوث کیا گیا وہ جہاد کے ساتھ غالب آئے گا، جس کو حجت کے ساتھ مبعوث کیا گیا وہ حجت کے ساتھ غالب آئے گا۔ مقاتل نے کہا: مومنوں نے کہا اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مکہ مکرمہ، طائف، خیبر اور اس کے اردگرد کے علاقوں پر فتح دی تو ہم امید رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فارس اور روم پر بھی فتح دے گا۔ عبداللہ بن ابی بن سلول نے کہا: کیا تم روم اور فارس کو ان دیہاتوں کی طرح سمجھتے ہو جن پر تم غالب آ گئے ہو؟ اللہ کی قسم! وہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور قوت میں اس سے بہت سخت ہیں جتنا تم ان کے بارے میں گمان کرتے ہو تو یہ آیت نازل ہوئی اسی کی مثل وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ۝ۚۖ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۝ (الصافات) ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝۲۲

”تو ایسی قوم نہیں پائے گا جو ایمان رکھتی ہو اللہ اور قیامت پر پھر وہ محبت کرے ان سے جو مخالفت کرتے ہیں اللہ

اور اس کے رسولوں کی خواہ وہ (مخالفین) ان کے باپ ہوں یا ان کے فرزند ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے کنبہ والے ہوں، یہ وہ لوگ ہیں نقش کر دیا ہے اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان اور تقویت بخشی ہے انہیں اپنے فیض خاص سے، اور داخل کرے گا انہیں باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں، اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ان سے اور وہ اس سے راضی ہو گئے یہ، (بلند اقبال) اللہ کا گروہ ہیں سن لو! اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ، يُوَآدُّوْنَ یعنی وہ محبت کرتے ہوں اور ان سے دوستی رکھتے ہو۔

مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ سدی نے کہا: یہ آیت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی کے حق میں نازل ہوئی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی نوش کیا انہوں نے عرض کی: اللہ کی قسم! یا رسول اللہ آپ اپنے پانی میں سے کوئی چیز باقی چھوڑتے جسے میں اپنے باپ کو پلاتا ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اس کے دل کو پاکیزہ بنا دیتا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے پانی چھوڑ دیا تو وہ پانی عبداللہ بن ابی کے پاس لے آیا۔ عبداللہ بن ابی نے کہا: یہ کیا چیز ہے؟ بیٹے نے کہا: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بچا ہوا پانی ہے تا کہ تو اسے پیے ممکن ہے اللہ تعالیٰ تیرے دل کو پاکیزہ بنائے۔ اس کے باپ نے اسے کہا: تو اپنی ماں کا بول کیوں نہیں لے آیا وہ اس پانی سے پاکیزہ تر تھا۔ بیٹا غضب ناک ہو گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے اپنے باپ کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیں گے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بلکہ تو اس کے ساتھ نرمی کر اور اس پر احسان کر'' (1)۔

ابن جریج نے کہا: مجھے یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابو قحافہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا ان کے بیٹے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسے ایک تھپڑ مارا اور وہ اپنے منہ کے بل گر گیا۔ پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کا ذکر آپ سے کیا۔ فرمایا: ''کیا تو نے ایسا کیا ہے؟ آئندہ ایسا نہ کرنا''۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! اگر تلوار میرے قریب ہوتی تو میں اسے قتل کر دیتا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ آیت حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ احد کے موقع پر انہوں نے باپ جراح کو قتل کر دیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یوم بدر کو قتل کیا تھا۔ جراح حضرت ابو عبیدہ کے سامنے آتا اور حضرت ابو عبیدہ ایک طرف ہو جاتے۔ جب یہ سلسلہ بار بار ہوا تو حضرت ابو عبیدہ نے اسے قتل کر دیا جب انہوں نے اپنے باپ کو قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ واقدی نے کہا: اہل شام بھی یہ کہتے ہیں میں نے بنی حرث بن فہر کے لوگوں سے پوچھا انہوں نے کہا: حضرت ابو عبیدہ کے والد تو دور اسلام سے قبل فوت ہو چکے تھے۔

1۔ زاد المسیر

اَوْ اَبْنَآءَهُمْ مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کو دعوت مبارزت دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابوبکر! ہمیں اپنی ذات سے لطف اندوز کر کیا تو نہیں جانتا کہ تو میرے ہاں کان اور آنکھ کی طرح ہے۔'' اَوْ اِخْوَانَهُمْ مراد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے غزوہ بدر کے موقع پر اپنے بھائی عبید بن عمیر کو قتل کر دیا تھا۔ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ مراد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بدر کے دن قتل کیا تھا اور حضرت علی شیر خدا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما ہیں جنہوں نے بدر کے دن عتبہ، شیبہ اور ولید کو قتل کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ آیت حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے حق میں نازل ہوئی جب فتح مکہ کے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے متعلق انہوں نے اہل مکہ کو خط لکھا۔ جس کی وضاحت سورۂ ممتحنہ کے شروع میں آئے گی۔ ان شاء اللہ۔ اس امر کو واضح کیا کہ کفار کی دوستی کی وجہ سے ایمان میں فساد برپا ہو جاتا ہے اگرچہ وہ قریبی ہوں۔

مسئلہ نمبر 2۔ امام مالک نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ قدریہ سے دشمنی کی جائے اور ان کی صحبت کو ترک کر دیا جائے۔ اشہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے: قدریہ کی صحبت میں نہ بیٹھو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان سے دشمنی کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ (1)

میں کہتا ہوں: اہل قدر سے مراد تمام ظلم و عدوان والے ہیں۔ ثوری سے مروی ہے انہوں نے کہا: علماء خیال کرتے تھے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے نازل ہوئی جو سلطان کے مصاحب ہوتے تھے۔ عبدالعزیز بن بن ابی داؤد سے مروی ہے کہ وہ طواف میں منصور سے ملا جب منصور کو پہچانا تو اس سے دور بھاگ گیا اور اس آیت کی تلاوت کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ کہتے: ''اے اللہ! کسی فاجر کے لیے میرے ہاں کوئی نعمت نہ بنا، بے شک تو نے جو وحی میری طرف کی ہے میں نے اس میں پایا ہے لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ ''(2) یعنی ان کے دلوں میں تصدیق پیدا کر دی۔ مراد ہے جس نے اس سے دوستی نہ کی جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دشمنی کی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ كَتَبَ کا معنی ثبت کرنا ہے؛ یہ ربیع بن انس کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جعل کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (آل عمران) یعنی ہمیں شاہدوں کا ساتھی بنا دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے كتب کا معنی جمع کرنا ہے: اسی سے الکتیبہ کا لفظ ہے یعنی وہ ان میں سے نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔ عام قرأت کاف کے فتحہ کے ساتھ ہے اور ایمان کا نون منصوب ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان کو ثبت کر دیا ہے۔ یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ابوالعالیہ، زر بن حبیش اور مفضل نے عاصم سے کتب مجہول کا صیغہ پڑھا ہے اور الایمان کو نون کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ زر بن حبیش نے وَعَشِيْرَتُهُمْ جمع کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اعمش نے ابوبکر سے وہ عاصم سے یہی روایت نقل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ یہ

1۔ احکام القرآن لابن العربی 2۔ تفسیر کشاف

کتب عی قلوبھم کے معنی میں ہے جس طرح فرمایا: فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ (طہٰ: 71) یہ علی جذوع النخل کے معنی میں ہے۔ قلوب کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ یہ ایمان کا محل ہے۔

وَ اَیَّدَهُمْ یعنی انہیں قوت بہم پہنچائی اور ان کی مدد کی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: روح کا معنی نصر ہے۔ ربیع بن انس نے کہا: قرآن اور دلائل کے ساتھ ان کی مدد کی۔ ابن جریج نے کہا: نور، ایمان، برہان اور ہدایت کے ساتھ ان کی مدد کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ روح سے مراد رحمت ہے۔ بعض نے کہا: حضرت جبریل امین کے ساتھ ان کی مدد کی (1)۔

وَ یُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ یہاں رَضِیَ سے مراد ہے ان کے اعمال کو قبول کیا۔ وَ رَضُوْا عَنْهُ اللہ تعالیٰ نے جو انہیں عطا کیا اس پر وہ خوش ہیں۔ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ سعید بن ابی سعید جرجانی نے اپنے بعض مشائخ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: اے میرے اللہ! تیری جماعت کون سی ہے اور تیرے عرش کے اردگرد رہنے والے کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: اے داؤد! جن کی آنکھیں جھکی ہوئی، جن کے دل پاکیزہ، جن کے ہاتھ ظلم سے محفوظ ہیں وہ میری جماعت اور میرے عرش کے اردگرد رہنے والے ہیں۔

1۔ تفسیر بغوی

سورۃ الحشر

آیاتھا ۲۴ ۵۹ سُوْرَۃُ الْحَشْرِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۰۱ رکوعاتھا ۳

تمام علماء کے قول میں یہ سورت مدنی ہے، اس کی چوبیس آیات ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے سورۂ حشر پڑھی تو جنت، جہنم، عرش، کرسی، آسمان، زمین، کیڑے مکوڑوں، بادلوں، پرندوں، چوپاؤں، درختوں، پہاڑوں، سورج، چاند، فرشتوں میں سے کوئی چیز باقی نہیں بچتی مگر اس کے لئے دعا مانگتی ہے اور بخشش طلب کرتی ہے اگر وہ اس روز یا اس رات مر جائے تو وہ شہید کی موت مرتا ہے''۔ اسے ثعلبی نے نقل کیا ہے۔

ثعالبی نے حضرت یزید رقاشی سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے سورۂ حشر کی آخرت آیات کو پڑھا لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا تو جو اسی رات فوت ہو گیا تو وہ شہید کی حیثیت سے فوت ہوا'' (1)۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے صبح کے وقت تین دفعہ أعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم اور سورۂ حشر کی آخری تین آیات کو پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر ہزار فرشتے معین کر دیتا ہے جو اس پر درود پڑھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ شام ہو جاتی ہے، اگر وہ اسی دن فوت ہو جاتا ہے تو شہید کی حیثیت سے فوت ہوتا ہے اور جو شام کے وقت یہ پڑھتا ہے تو اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جاتا ہے''۔ کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے (2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

''اللہ کی پاکی بیان کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے''۔

اس کی وضاحت سورۂ حدید کی پہلی آیت میں گزر چکی ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي

1۔ تفسیر در منثور
2۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ما جاء فی من قرء حرفا من القرآن، حدیث نمبر 2846، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ ۝

''وہی تو ہے جو باہر نکال لایا اس کتاب کے کافروں کو ان کے گھروں سے پہلی جلاوطنی کے وقت تک تم نے کبھی خیال بھی نہ کیا تھا کہ نکل جائیں گے اور وہ بھی گمان کرتے تھے کہ انہیں ان کے قلعے بچالیں گے اللہ (کے قہر) سے پس آیا ان پر اللہ کا قہر اس جگہ سے جس کا انہیں خیال بھی نہ آیا تھا اور اللہ نے ڈال دیا ان کے دلوں میں رعب چنانچہ وہ برباد کررہے ہیں اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور اہل ایمان کے ہاتھوں سے پس عبرت حاصل کرو اے دیدہ بینا رکھنے والو!''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ هُوَ الَّذِيْۤ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ حضرت سعید بن جبیر نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا: یہ سورۂ حشر ہے؟ فرمایا: کہو سورۂ نضیر یہ؛ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا جب بنو اسرائیل مصائب کا شکار ہوئے تو یہ لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتظار میں مدینہ طیبہ آکر رہائش پذیر ہوئے۔ انہوں نے یہ اس لئے کیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام پر اس امر کو بیان کیا تھا (1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ حشر کا معنی جمع ہونا ہے۔ اس کی چار صورتیں ہیں: دو حشر دنیا میں اور دو حشر آخرت میں ہونگے۔ جو دنیا میں ہوگا اس کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: هُوَ الَّذِيْۤ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ زہری نے کہا: وہ ایسے خاندان سے تھے انہیں جلاوطنی کی معیت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا اللہ تعالیٰ نے ان پر جلاوطنی کو فرض کیا اگر ایسا نہ ہوتا تو انہیں دنیا میں عذاب دیتا (2)۔ اوّل حشر سے مراد ہے کہ وہ دنیا میں شام کی طرف جمع کیے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عکرمہ نے کہا: جسے اس میں شک ہو کہ کیا محشر شام میں ہے تو وہ اس آیت کو پڑھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا: ''تم یہاں سے نکل جاؤ''۔ انہوں نے عرض کی: کہاں جائیں؟ فرمایا: ''ارض محشر کی طرف''۔ حضرت قتادہ نے کہا: یہ پہلا حشر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ وہ پہلے اہل کتاب ہیں جنہیں نکالا گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ملک سے جلاوطن کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں خیبر کی طرف جلاوطن کیا گیا۔ اور لِاَوَّلِ الْحَشْرِ کا معنی ہے انہیں ان کے قلعوں سے خیبر کی طرف نکالا گیا۔ اور دوسرا حشر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خیبر سے نجد اور اذرعات کی طرف جلاوطن کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تیاء اور اریحاء کی طرف جلاوطن کیا گیا۔ ان کو یہ سزا ان کے کفر اور وعدہ توڑنے کی وجہ سے دی گئی۔ جہاں تک دوسرے حشر کا تعلق ہے: یہ قیامت کے قریب ہوگا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک آگ ظاہر ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف ہانک کر لے جائے گی جہاں لوگ رات گزاریں گے وہ بھی وہاں ہی رات گزارے گی، جہاں وہ قیلولہ کریں گے وہاں آگ بھی قیلولہ کرے گی اور جو پیچھے رہ جائے گا وہ انہیں کھا جائے گی۔ یہ حدیث

1۔ احکام القرآن لابن العربی
2۔ تفسیر بغوی

صحیح ،ثابت ہے ہم نے اسے ''کتاب التذکرہ'' میں ذکر کیا ہے۔اس کی مثل ابن وہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہا: میں نے امام مالک سے عرض کی: اس حشر سے مراد ان کو ان کے گھروں سے جلاوطن کرنا ہے؟ آپ نے مجھے فرمایا: قیامت کے روز حشر، یہود کا حشر ہوگا فرمایا: رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہودیوں کو خیبر کی طرف جلاوطن کیا جب ان سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اسے چھپایا، اس وجہ سے ان کی جلاوطنی حلال ہوگئی۔ ابن عربی نے کہا: حشر تین ہیں پہلا، درمیانی اور آخری۔ پہلا بنونضیر کی جلاوطنی ہے۔ درمیانی بنونضیر کی خیبر کی طرف جلاوطنی ہے؛ آخری قیامت کے روز ان کو ہانکنا ہوگا۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: مراد بنوقریظہ ہیں۔ باقی مفسرین نے ان کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے کہا بنوقریظہ کو جلاوطن نہیں کیا گیا تھا بلکہ انہیں قتل کیا گیا تھا؛ ثعلبی نے اس کی حکایت بیان کی ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ الکیا طبری نے کہا: اہل حرب سے آج اس شرط پر صلح کرنا کہ بغیر کسی شرط کے انہیں ان کے گھروں سے جلاوطن کر دیا جائے یہ جائز نہیں یہ ابتداء اسلام میں تھا پھر اسے منسوخ کر دیا گیا آج یا تو انہیں قتل کر دیا جائے گا، انہیں قیدی بنالیا جائے گا یا ان پر جزیہ نافذ کر دیا جائے گا۔

مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا مراد یہ ہے کہ یہودیوں کا معاملہ مسلمانوں کے دلوں میں بڑا عظیم تھا، وہ بڑے محفوظ تھے، قوی تھے اور بڑے متحد تھے اس لیے مسلمان یہ گمان نہیں کرتے تھے۔ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ ایک قول یہ کیا گیا: قلعوں سے مراد وطیح ،نطاہ ،سلالم اور کتیبہ ہے۔ مِّنَ اللّٰهِ یعنی الله کے حکم سے۔ وہ بڑے اسلحہ اور محفوظ قلعوں والے تھے ان میں سے کوئی چیز بھی محفوظ نہ رکھ سکی۔ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ الله تعالیٰ کا امر اور اس کا عذاب انہیں آ پہنچا۔

مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا جہاں انہیں گمان تک نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جہاں سے انہیں علم نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کعب بن اشرف کا قتل ہے؛ یہ قول ابن جریج، سدی اور ابو صالح نے کیا ہے۔

وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ ان کے سردار کعب بن اشرف کے قتل کے ساتھ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ جس صحابی نے اسے قتل کیا تھا وہ حضرت محمد بن مسلمہ حضرت ابو نائلہ سلکان بن سلالہ بن وقش (جو کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے) حضرت عباد بن بشر بن وقش، حضرت حارث بن اوس بن معاذ اور حضرت ابو عبس بن جبر رضی اللہ عنہم تھے اس کا واقعہ سیرت کی کتاب میں مشہور ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے'' (1)۔ تو بنی نضیر کا محلہ جو ایک میل کی مسافت پر تھا وہاں آپ کی مدد کیوں نہ کی جاتی۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے یہ شرف کسی اور کو حاصل نہیں۔

یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ عام قراءت تخفیف کے ساتھ ہے۔ یہ اخراب سے مشتق ہے یعنی وہ گرا دیتے ہیں۔ سلمی، حضرت حسن بصری، نصر بن عاصم، ابو العالیہ، قتادہ اور ابو عمرو نے یخربون قراءت کی ہے۔ یہ تخریب سے مشتق ہے۔ حضرت ابو عمرو نے کہا: میں نے تشدید کو اس لیے پسند کیا ہے کیونکہ اخراب کا معنی ہوتا ہے کسی شے کو رہائش کے بغیر بے آباد چھوڑنا، جبکہ بنونضیر نے اسے اس

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین

طرح نہیں چھوڑا تھا انہوں نے اسے گرا کر برباد کیا تھا۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کرتا ہے: بِاَیۡدِیۡهِمۡ وَاَیۡدِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ
دوسرے علماء نے کہا: تخریب اور اخراب کا معنی ایک ہی ہے اور تشدید، تکثیر کے معنی میں ہے۔ سیبویہ نے کہا: فعلت اور افعلت کا معنی ایک جیسا ہے جس طرح اخربتہ اور خربتہ، افرحتہ اور فرحتہ، ابو عبید اور ابو حاتم نے پہلے قول کو پسند کیا ہے۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا: مومن باہر سے انہیں اکھیڑ رہے تھے تاکہ اندر داخل ہوں اور یہودی اندر سے اکھیڑ رہے تھے تاکہ ان کے قلعے جو خراب کیے جا رہے ہیں انہیں درست کریں۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر صلح کی تھی کہ وہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی کی مدد کریں گے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں گے۔

جب غزوۂ بدر کے روز آپ کو فتح نصیب ہوئی تو انہوں نے کہا: یہی وہ نبی ہیں جن کی تورات میں صفت بیان کی گئی ہے؛ تو اس کے جھنڈے کو لوٹایا نہیں جا سکے گا (یعنی انہیں شکست نہ ہوگی)۔ جب غزوہ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو انہیں شک پڑ گیا اور انہوں نے اپنے معاہدہ کو توڑ دیا۔ کعب بن اشرف چالیس سواروں کو لے کر مکہ مکرمہ گیا، کعبہ معظمہ کے پاس ان کے ساتھ معاہدہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ انصاری کو حکم دیا تو اس نے کعب کو ایک چال کے ذریعے قتل کر دیا پھر صبح کے وقت ان پر لشکروں سے حملہ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا: ''مدینہ طیبہ سے نکل جاؤ''۔ انہوں نے کہا: اس سے موت ہمیں زیادہ پسندیدہ ہے۔ انہوں نے جنگ کے لئے اپنے حمایتیوں کو دعوت دی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے دس روز کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مہلت طلب کی تاکہ وہ یہاں سے نکل جانے کی تیاری کر لیں۔ عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں نے انہیں خفیہ پیغام بھجوایا کہ وہ قلعوں سے نہ نکلیں۔ اگر مسلمان تم سے جنگ کریں تو ہم تمہارے ساتھ ہونگے اور تمہیں بے یارومددگار نہیں چھوڑیں گے۔ اگر تمہیں یہاں سے نکالا گیا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے، تو اکیس دنوں تک ان کی گلیوں اور قلعوں میں محبوس رکھا گیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور یہودی منافقوں کی مدد سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے صلح کا مطالبہ کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطنی کے سوا کسی بات پر اتفاق نہ کیا(1)۔ جس کی وضاحت بعد میں آ رہی ہے۔

زہری، ابن زید اور حضرت عروہ بن زبیر نے کہا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس بات پر صلح کر لی کہ ان کے لیے وہ کچھ ہوگا جو اونٹ اٹھا کر لے جا سکے، تو وہ جو لکڑیاں اور ستون اچھے خیال کرتے تو اپنے گھروں کو گراتے اور انہیں اپنے اونٹوں پر باندھ لیتے باقی ماندہ کو مومن برباد کر دیتے۔

ابن زید سے یہ بھی مروی ہے، وہ اپنے گھروں کو اس لیے گرا رہے تھے تاکہ بعد میں مومن ان میں نہ رہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مسلمان جب بھی ان کے گھروں میں سے کسی گھر پر غالب آتے تو اسے گرا دیتے تاکہ جنگ کا میدان وسیع ہو جائے جبکہ یہودی اپنے گھروں کی پچھلی جانب سے سوراخ کرتے تاکہ پچھلے گھر میں قلعہ بند ہو جائیں اور جس گھر سے نکالے گئے ہیں اس سے مومنوں پر تیر چلائیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تاکہ ان پر گلیوں کو بند کر دیں۔ عکرمہ نے کہا:

1۔ الکشاف 2۔ تفسیر بغوی

بِاَيْدِيْهِمْ کا مصداق یہ ہے کہ وہ ان گھروں کے داخلی حصہ اور اس میں جو کچھ ہے اس کو برباد کرتے تا کہ مسلمان انہیں اپنے کام میں نہ لا سکیں۔ اور اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ سے مراد ہے مومن ان کو باہر سے برباد کر رہے تھے تا کہ اس کے ذریعے وہ یہودیوں تک پہنچ سکیں۔ عکرمہ نے کہا: ان کے مکانات بڑے اعلیٰ تھے تو انہوں نے مسلمانوں کے بارے میں حسد کیا کہ وہ ان گھروں میں رہائش اختیار کریں انہوں نے اندر کی جانب سے انہیں برباد کیا اور مومنوں نے باہر کی جانب سے انہیں برباد کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ وعدہ کو توڑ کر اپنے گھروں کو برباد کرتے ہیں اور وَ اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ سے مراد جنگ کر کے برباد کرتے ہیں؛ یہ زہری کا قول ہے۔ اور عمرو بن علاء نے کہا: بِاَيْدِيْهِمْ سے مراد ہے خود انہیں چھوڑنے کے ساتھ اور وَ اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ سے مراد ہے مومنوں نے انہیں جلاوطن کیا۔ ابن عربی نے کہا: جب فساد کے لیے کوئی چیز پکڑی جائے تو اگر ہاتھوں کے ساتھ ہو تو یہ حقیقی معنی میں ہوگا اور جب وعدہ توڑنے کی صورت میں ہو تو یہ مجازی معنی میں ہوگا، مگر مجاز میں زہری کا قول ابو عمرو بن علاء کے قول سے زیادہ اچھا ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ۝ اے دانشمندو! نصیحت حاصل کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اے وہ شخص جو اپنی آنکھوں سے اسے دیکھتا ہے! یہ بصر کی جمع ہے۔ یہاں عبرت حاصل کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے الله تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر قلعوں پر اعتماد کیا تو الله تعالیٰ نے انہیں ان سے نیچے اتار دیا۔ اس کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ تھی کہ الله تعالیٰ نے ان پر ایسی ذات کو مسلط کر دیا جو ان کی مدد کرتی تھی۔ اس کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی تھی انہوں نے اپنے اموال اپنے ہاتھوں سے برباد کیے۔ جو آدمی غیر سے عبرت حاصل نہیں کرتا تو اس کی ذات سے عبرت حاصل کی جاتی ہے۔ امثال صحیحہ میں سے ہے سعادت مند وہ ہے جو غیر سے نصیحت حاصل کرے۔

وَ لَوْلَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ؕ وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۝

''اور اگر نہ لکھ دی ہوتی الله نے ان کے حق میں جلاوطنی تو انہیں عذاب دے دیتا اس دنیا میں، اور ان کے لئے آخرت میں تو آگ کا عذاب ہے ہی۔ یہ سزا اس لیے دی گئی کہ انہوں نے مخالفت کی تھی الله اور اس کے رسول کی، اور جو الله کی مخالفت کرتا ہے تو الله عذاب دینے میں بہت سخت ہے''۔

وَ لَوْلَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ یعنی اگر الله تعالیٰ نے ان کے حق میں جلاوطنی کا فیصلہ نہ کر دیا ہوتا اور وہ ایک عرصہ وہاں ہی رہتے تو ان میں سے بعض ایمان لاتے اور ان کے ہاں ایسے بچے جنم لیتے جو ایمان لاتے۔

لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا تو الله تعالیٰ دنیا میں انہیں قتل اور قید کی صورت میں عذاب دیتا جس طرح اس نے بنی قریظہ کے ساتھ کیا ہے۔ جلاوطنی سے مراد اپنے وطن کو چھوڑنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: جلا بنفسه جلاء۔ أجلاہ غیرہ اجلاء۔

جلاء اور اخراج اگرچہ دونوں کا معنی دور کرنا ہے تاہم دو وجوہ سے فرق ہے۔ (1) جلاوطنی اہل اور اولاد کے ساتھ ہوتی

ہے۔ اور اخراج کبھی اہل اور اولاد کو وہاں ہی رکھنے کی صورت میں ہوا کرتا ہے۔ (۲) جلاوطنی صرف جماعت کے لئے ہوتی ہے اور اخراج کبھی ایک کے لیے اور کبھی جماعت کے لیے ہوتا ہے؛ یہ ماوردی کا قول ہے۔

ذٰلِكَ یعنی وہ جلاوطنی بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی وَ مَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ طلحہ بن مصرف اور محمد بن سمیقع نے پڑھا۔ ومن يشاقق الله یعنی ہم جنس حروف کو اظہار کی سمت میں پڑھا ہے؛ جس طرح سورۃ انفال میں ہے باقی قراء نے ادغام کیا ہے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

''جو کھجور کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جن کو تم نے چھوڑ دیا کہ کھڑے رہیں اپنی جڑوں پر تو یہ (دونوں باتیں) اللہ کے اذن سے تھیں تاکہ وہ رسوا کرے فاسقوں کو''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ، مَا محل نصب میں ہے اس کو قَطَعْتُمْ نصب دے رہا ہے (1) گویا فرمایا: تم نے کس چیز کو کاٹا؟ اس کی وجہ یہ بنی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ وہ بویرہ تھے یہ اس وقت ہوا جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف غزوہ احد کے موقع پر قریش کی مدد کی۔ آپ نے ان کے کھجوروں کے درخت کاٹنے اور انہیں جلانے کا حکم دیا۔ علماء نے اس کی تعداد میں اختلاف کیا ہے۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا: صحابہ نے ان کے چھ کھجوروں کے درختوں کو کاٹا اور انہیں جلایا۔ محمد بن اسحاق نے کہا: صحابہ نے ایک درخت کو کاٹا اور اسے جلایا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع نہ کرنے کی وجہ سے تھا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا تھا۔ مقصود یا تو انہیں کمزور کرنا تھا یا ان درختوں کو کاٹ کر جگہ کو کھلا کرنا تھا۔ یہ امر یہودیوں کے لیے بڑا تکلیف دہ ثابت ہوا۔ انہوں نے کہا: اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم کیا تم یہ گمان نہیں کرتے کہ تم نبی ہو اور اصلاح چاہتے ہو، کیا یہ کھجوروں کے درختوں کو کاٹنا اور درختوں کو جلانا اصلاح احوال میں سے ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے جو آپ پر نازل کیا ہے اس میں زمین میں فساد برپا کرنا مباح ہے؟ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بڑی تکلیف دہ ہوئی اور مومنوں نے بھی اپنے دلوں میں ایسی ہی بات پائی اور انہوں نے آپس میں اختلاف رائے کا اظہار کیا۔ بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جب تمہیں مال عطا کیا ہے اسے نہ کاٹو۔ بعض نے کہا: ان درختوں کو کاٹ دو تاکہ ہم ان کو غضب ناک کریں۔ یہ آیت اس لیے نازل ہوئی تاکہ جنہوں نے درخت کاٹنے سے منع کیا تھا ان کی تصدیق کی جائے اور جنہوں نے انہیں کاٹا تھا ان سے گناہ کو ختم کرنے کا اعلان ہو۔ اور اس امر کی خبر دی کہ انہیں کاٹنا اور ان کا ترک کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے۔ ان کے شاعر سماک یہودی نے اس بارے میں یہ اشعار کہے تھے۔

اَلَسْنَا وَرِثْنَا الكتاب الحكيم ... على عهد موسىٰ و لم نَصْدِفِ

کیا ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کتاب حکیم کے وارث نہیں بنے اور ہم نہیں پھرے۔

1۔ الکشاف

وأنتم رِعاءٌ لشاءٍ عِجَافٍ　بسَهْل تِهامة والأخْيَف

تم تہامہ اور اخیف کے میدانی علاقہ میں دبلی بکریاں چرانے والے ہو۔

تَرَوْنَ الرعايةَ مجدًا لكم　لدى كل دهرٍ لكم مُجْحف

تم ہلاک کرنے والے زمانہ میں بکریاں چرانے کو اپنے لیے بزرگی خیال کرتے ہو۔

فيأيها الشاهدون انتهُوا　عن الظلم و المنطق المُؤنِف

اے حاضرین! اس ظلم اور ترش گفتگو سے رک جاؤ۔

لعل الليالي و صَرْفَ الدُّهور　يُدِلْنَ من العادل المنصف

ممکن ہے یہ مصائب اور حادثات زمانہ حکومت ایک عادل منصف کو دے دیں۔

بقَتْل النَّضير و إجلاءها　و عقْرِ النخيل و لم تُقْطِف

جو بنو نضیر کو قتل کیا گیا، انہیں جلاوطن کیا گیا اور کھجور کے ان درختوں کو کاٹ دیا گیا جن کا پھل ابھی کاٹا بھی نہیں گیا تھا۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ جواب دیا(1):

تفاقد مَعْشَرٌ نصرُوا قريشًا　وليس لهم ببلدتهم نَصِيرُ

ایک جماعت نے قریش سے معاہدہ کیا کہ وہ ان کے حلیف ہیں جبکہ ان کے شہر میں ان کا کوئی مددگار نہ تھا۔

هُمُو أوتوا الكتاب فضيعوه　وهم عُمْيٌ عن التوراة بُورُ

تم ہی وہ لوگ ہو جنہیں کتاب دی گئی تو انہوں نے اسے ضائع کر دیا وہ تورات سے اندھے اور ہلاک ہونے والے ہیں۔

كفرتم بقرآن ان وقد أبيتم　بتصديق الذي قال النذير

تم نے قرآن کا انکار کیا اور نذیر نے جو کہا اس کی تصدیق کرنے سے بھی تم نے انکار کر دیا۔

وهان على سَرَاة بني لُؤيٍّ　حريقٌ بالبُوَيْرَة مستطير

بویرہ میں بنی لوئی کے سرداروں پر پھیلنے والی آگ آسان ہو گئی۔

حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب نے اسے یہ جواب دیا تھا:

أدام الله ذلك صنيعٍ　و حرّق في نواحيها السَّعِيرُ

اللہ تعالیٰ اس عمل کو دوام بخشے اور ان کی اطراف میں آگ خوب بھڑکائے۔

فلو كان النخيل بها رِكابًا　لقالوا لامُقامَ لكم فسيرُوا

اگر کھجوروں کے درخت وہاں اونٹ ہوتے تو وہ بھی کہتے اب تمہارے ٹھہرنے کا وقت ختم ہو گیا پس چلو۔

مسئلہ نمبر 2۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر حملہ آور ہونے کے لیے ۴ھ ربیع الاول میں نکلے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بچنے

1۔ سیرت ابن ہشام میں تعاھد کا لفظ ہے۔ مترجم

کے لیے قلعہ بند ہو گئے تھے رسول اللہ ﷺ نے کھجوروں کے درخت کاٹنے اور انہیں جلانے کا حکم دیا اسی موقع پر شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔ عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے منافق ساتھیوں نے بنی نضیر کی طرف خفیہ پیغام بھیجا: ہم تمہارے ساتھ ہیں اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہارے ساتھ ہو کر جنگ کریں گے اگر تمہیں جلاوطن کیا گیا تو ہم تمہارے ساتھ جلاوطن ہو جائیں گے۔ اس وجہ سے بنو نضیر دھوکہ میں مبتلا ہو گئے۔ جب اصل صورتحال سامنے آئی تو منافقین نے یہودیوں کو بے یارو مددگار چھوڑ دیا۔ انہیں مسلمانوں کے حوالے کر دیا اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا کہ ان کو قتل نہ کریں اور انہیں جلاوطن کر دیں اس شرط پر کہ ان کے لیے وہی کچھ ہوگا جو وہ اونٹوں پر لے جا سکتے ہیں مگر اسلحہ نہیں لے جا سکتے وہ اس طرح خیبر چلے گئے ان میں سے کچھ شام چلے گئے اس میں سے جو خیبر کی طرف گئے وہ ان کے اکابرین تھے جس طرح حی بن اخطب، سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن ربیع سارا خیبر ان کا مطیع ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ صحیح مسلم اور دوسری کتابوں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر کے کھجور کے درختوں کو کاٹنے کا حکم دیا اور انہیں جلایا اس بارے میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا:

وھان علی سراۃ بنی لؤی　　حریق بالبویرۃ مستطیر

بنو لوئی کے سرداروں پر بویرہ میں پھیلنے والی آگ آسان ہو گئی۔

اس بارے میں مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ کے الفاظ نازل ہوئے۔

علماء نے دشمنوں کے گھروں کو بے آباد کرنے، ان کو جلانے اور ان کے پھل کاٹنے کے بارے میں اختلاف کیا ہے (۱) یہ جائز ہے یہ مدونہ میں کہا ہے (۲) اگر مسلمانوں کو علم ہو جائے کہ یہ ان کے قبضہ میں آنے والے ہیں تو وہ ایسا نہ کریں۔ اگر وہ اس سے مایوس ہو جائیں تو ایسا کر گزریں؛ یہ امام مالک نے "واضحہ" میں کہا ہے۔ اصحاب امام شافعی اسی کی موافقت کرتے ہیں۔ ابن عربی نے کہا: صحیح پہلا قول ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو علم تھا کہ یہ درخت آپ ﷺ کے لیے ہی ہیں لیکن حضور ﷺ نے انہیں کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا تا کہ یہ ان کے مغلوب ہونے اور ان کی کمزوری کا باعث بنیں یہاں تک کہ وہ یہاں سے نکل جائیں۔ بعض مال کو ضائع کرنا تا کہ باقی مال محفوظ رہے یہ ایسی مصلحت ہے جو شرعاً جائز اور عقلاً مقصود ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ ماوردی نے کہا: اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ ہر مجتہد صحیح نتیجہ تک پہنچنے والا ہوتا ہے۔ الکیا طبری نے کہا: اگر چہ حضور ﷺ کی موجودگی میں اجتہاد بعید از حقیقت ہے تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ سب کچھ دیکھا اور خاموشی اختیار فرمائی۔ صحابہ نے اسی خاموشی سے جواز کا حکم اخذ کیا۔ ابن عربی نے کہا: یہ باطل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ تھے اور حضور ﷺ کی موجودگی میں کوئی اجتہاد نہیں یہ نبی کریم ﷺ کے ایسے امور میں اجتہاد پر دال ہے جن میں کوئی وحی نازل نہ ہوئی ہو۔ یہ حکم ان آیات سے اخذ کیا جن میں کفار کو اذیت دینے کا ذکر ہے اور ان کے بارے میں جڑ سے اکھیڑنے اور ہلاکت کا فیصلہ کیا گیا ہے، اس اجازت میں یہ بھی داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: لِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ میں یہی مقصود ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللینۃ کی تعبیر میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں دس اقوال ہیں ا۔ عجوہ کے علاوہ تمام قسم کے کھجور کے درخت، یہ قول امام زہری، امام مالک، سعید بن جبیر، عکرمہ اور خلیل رحمہم اللہ کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور حضرت حسن بصری نے کہا: تمام قسم کے کھجور کے درخت ہیں، انہوں نے عجوہ اور کسی دوسری قسم کو مستثنیٰ نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد کھجور کی ایک قسم ہے۔ امام ثوری سے مروی ہے: یہ عمدہ کھجوروں کے درخت ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا: عجوہ اور برنی کے علاوہ تمام اقسام کے درخت مراد ہیں۔ جعفر بن محمد نے کہا: اس سے مراد عجوہ ہے۔ یہ ذکر کیا عتیق اور عجوہ دونوں حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں تھے۔ عتیق سے مراد فحل ہے۔ عجوہ تمام مونث درختوں کی اصل ہے؛ اس وجہ سے یہودیوں پر یہ امر بڑا شاق گزرا؛ یہ ماوردی نے بیان کیا ہے۔ یہ کھجور کی ایک قسم ہے جس کے پھل کو لون کہتے ہیں اس کی خشک کھجور سب سے عمدہ ہوتی ہے۔ یہ سخت زرد ہوتی ہے، اس کی گٹھلی باہر سے دیکھی جا سکتی ہے۔ اس میں داڑھ غائب ہو جاتی ہے، اس کا درخت انہیں غلام سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایسا درخت ہے جو زمین سے قریب ہو زیادہ بلند نہ ہو۔

اخفش نے یہ شعر پڑھا:

قد شجانی الحمام حین تَغَنّیٰ ۔۔۔ بفراق الأحباب من فوق لِينَۃ

فاختہ نے جب لینہ درخت پر محبوبوں کے فراق میں گانا گایا تو اس نے مجھے غمگین کر دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لینہ سے مراد فسیلہ (قلمی کھجور) ہے کیونکہ یہ سب سے نرم کھجور ہوتی ہے؛ اسی بارے میں شاعر نے کہا:

غَرَسُوا لِینھا بمجری مَعِینٍ ۔۔۔ ثم حَفّوا النخیل بالآجام

انہوں نے لینہ کو چشمہ کی گزرگاہ پر لگایا پھر گھنے جنگلوں سے باغ کو چھپا لیا۔

ایک قول یہ کیا گیا: لینہ سے مراد تمام درخت ہیں کیونکہ اپنی زندگی کی وجہ سے نرم ہوتے ہیں؛ ذو رمہ نے کہا:

طِراقُ الخَوَافی واقِعٌ فوق لِینۃ ۔۔۔ نَدَی لیلہ فی ریشہ یترقرق

پرندوں کے چھوٹے پر، درختوں پر پڑے ہیں رات کی شبنم کے قطرے اس کے پر سے ہلکے ہلکے بہ رہے ہیں۔

دسواں قول یہ ہے: اس سے مراد ردی کھجور ہے؛ یہ اصمعی کا قول ہے۔ کہا: اہل مدینہ کہتے ہیں: لاتنتفخ الموائد حتی توجد الألوان جب تک ردی چیز نہ ہو قدر و منزلت والی چیز کا پتہ نہیں چلتا۔ یہاں الوان سے ردی کھجور مراد لیتے ہیں۔ ابن عربی نے کہا: زہری اور امام مالک نے جو کہا دو وجوہ سے صحیح ہے (۱) وہ دونوں اپنے شہر اور درختوں کو خوب جانتے تھے (۲) اشتقاق بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ اہل لغت اس کی تصحیح کرتے ہیں کیونکہ لِيْنَةٍ کا وزن لونہ ہے۔ علماء کے اصول کے مطابق اس میں تعلیل کی گئی تو وہ لینہ ہو گیا، یہی لون ہے جب اس کے آخر میں ھاء داخل ہوئی تو اس کے پہلے حرف کو کسرہ دے دیا گیا جس طرح کبرك الصدر یہ باء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ بر کہ باء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ وجہ آخر میں ھاء کا آنا ہے۔ ایک

قول یہ کیا گیا ہے: لینہ اصل میں لونہ تھا، واؤ کو یاء سے بدل دیا کیونکہ اس کا قبل مکسور ہے لینہ کی جمع لین ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کی جمع لیان ہے۔

اخفش نے کہا: اسے لینہ نام دیا گیا یہ لون سے مشتق ہے یہ لین سے مشتق نہیں۔ مہدوی نے کہا: اس کے اشتقاق میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ لون سے مشتق ہے اس کی اصل لونہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ اصل میں لینہ ہے یہ لان یلین سے مشتق ہے۔ عبد اللہ نے یوں قراءت کی ماقطعتم مِنْ لِینَۃٍ ولا ترکتم قوما علی أصولها یعنی وہ اپنے تنوں پر کھڑے ہیں۔ اعمش نے یوں قراءت کی ماقطعتم من لِینَۃٍ اوترکتموھا قُوَّمَاء علی اصولها معنی ہے تم انہیں نہ کاٹو اسے قَوْماء علی أصلِها بھی پڑھا گیا ہے، اس میں دو وجوہ ہیں (۱) یہ اصل کی جمع ہے جس طرح رَھْن اور رُھُن ہے (۲) واؤ کی بجائے ضمہ پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ اسے قائمًا علی أصوله بھی پڑھا گیا ہے اس میں لفظ ما کا اعتبار کیا گیا ہے۔

فَبِاِذْنِ اللّٰهِ اذن، امر کے معنی میں ہے۔ وَ لِیُخْزِیَ الْفٰسِقِیْنَ۝ تا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور اپنی کتب کے ذریعے انہیں ذلیل ورسوا کرے۔

وَ مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَاۤ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ یُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۝ مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ۝

''اور جو مال پلٹا دیئے اللہ نے اپنے رسول کی طرف ان سے لے کر تو نہ تم نے اس پر گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ بلکہ اللہ تعالیٰ تسلط بخشتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ جو مال پلٹا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف ان گاؤں کے رہنے والوں سے تو وہ اللہ کا ہے، اس کے رسولوں کا ہے اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ مال گردش نہ کرتا رہے تمہارے دولت مندوں کے درمیان اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمہیں عطا فرمادیں وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تو رک جاؤ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے، بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے''۔

ان دو آیات میں دس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَاۤ اَوْجَفْتُمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر بنو نضیر کے اموال لٹا دیئے تم نے اس پر گھوڑے نہیں دوڑائے۔ ایجاف سے مراد رفتار میں تیزی دکھانا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: وجف الفرس جب گھوڑا تیز دوڑا، أو جفته أنا میں نے اسے حرکت دی، میں نے اسے کسی کے پیچھے لگایا: اسی معنی میں تمیم بن مقبل کا قول

ہے: إذا الركب أَوْ جَفُوا جب اونٹ تیزی سے چل پڑے۔ رکاب کا معنی اونٹ ہے اس کی واحد راحلہ ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: تم نے وہاں تک پہنچنے میں کوئی لمبا سفر طے نہیں کیا، نہ وہاں جنگ اور کسی مشقت کا سامنا کیا۔ یہ بستی مدینہ طیبہ سے دو میل کے فاصلے پر تھی۔ فراء نے کہا: صحابہ کرام پیدل ہی وہاں گئے گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار نہ ہوئے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اونٹ پر سوار ہوئے تھے یا ایسے دراز گوش پر سوار ہوئے تھے جس کو چھال کی رسی ڈالی گئی تھی۔ اس بستی کو صلح کے ذریعے فتح کیا۔ انہیں جلاوطن کیا اور ان کے اموال اپنے قبضہ میں لے لیے۔ مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس امر کا سوال کیا کہ یہ اموال بھی ان میں تقسیم کر دیئے جائیں تو یہ آیت نازل ہوئی وَ مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَاۤ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ اللہ تعالیٰ نے بنی نضیر کے اموال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے خاص کر دیئے جہاں آپ چاہیں انہیں صرف کریں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہ اموال مہاجرین میں تقسیم کر دیئے۔

علامہ واقدی نے کہا: اسے ابن وہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تین محتاج انصاریوں کے علاوہ کسی انصاری کو کچھ بھی نہ دیا ان میں حضرت ابو دجانہ، حضرت سماک بن خرشہ، حضرت سہل بن حنیف اور حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہم تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صرف دو انصاری صحابہ کو مال عطا کیا حضرت سہل اور حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہما۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: آپ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ابن ابی حقیق کی تلوار عطا کی۔ اس کی یہ تلوار ایسی تھی جس کا ان کے ہاں بڑا شہرہ تھا۔ بنو نضیر میں سے صرف دو افراد ایمان لائے سفیان بن عمیر اور سعد بن وہب، دونوں نے اس شرط پر اسلام قبول کیا کہ ان کے اموال انہیں کے پاس رہیں گے تو انہوں نے اپنے اموال کو محفوظ کر لیا۔

صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت منقول ہے کہ بنو نضیر کے اموال وہ اموال تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو عطا کر دیئے جن پر مسلمانوں نے اپنے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے خاص تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان اموال میں سے اپنے گھر والوں کو سال بھر کا خرچہ عطا کرتے اور ان اموال میں سے جو کچھ بچ رہتا اسے جہاد میں استعمال ہونے والے جانوروں اور اسلحہ میں استعمال کرتے تاکہ جہاد کی تیاری رہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: میرے اور حضرت علی کے درمیان ان اموال میں فیصلہ کر دیجئے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عطا فرمائے۔ حضرت عمر نے کہا: کیا تم دونوں جانتے ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو مال ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے''۔ دونوں نے جواب دیا: ہاں ہم جانتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو خاص کیا ہے کسی اور فرد کو ان اموال کے لیے خاص نہیں کیا مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ۔

میں نہیں جانتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پہلے والی آیت پڑھی ہے یا نہیں پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بنو نضیر کے اموال تمہارے درمیان تقسیم کر دیئے اللہ کی قسم! حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان اموال کو تمہارے مقابلہ میں اپنے لیے خاص نہیں کیا اور نہ تمہیں چھوڑ کر خود لیا یہاں تک کہ یہ مال باقی رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سال بھر کا روزینہ اس سے لیتے باقی ماندہ کو دوسرے اموال جیسا قرار دیتے۔ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب بنو نضیر نے اپنے گھر اور اپنے اموال چھوڑے تو مسلمانوں نے یہ مطالبہ کر دیا کہ مال غنیمت کی طرح ان اموال میں بھی ان کا حصہ معین کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمایا کہ یہ مال فئی ہے وہاں کچھ لڑائی ہوئی تھی کیونکہ انہیں کچھ عرصہ محاصرہ میں رکھا گیا تھا، انہوں نے قتال کیا اور کچھ لوگ قتل ہوئے پھر جلاوطنی کی شرط پر صلح کر لی حقیقت میں کوئی بڑی جنگ نہیں ہوئی تھی بلکہ جنگ کی شروعات ہوئی تھیں اور محاصرہ ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان اموال کو اپنے رسول کے لیے خاص کر دیا تھا۔ مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو آگاہ کیا اور یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی مدد کی اور بغیر لشکر کشی اور سامان حرب کے انہیں غلبہ عطا کیا۔

وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ یُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ یعنی دشمنوں میں سے جس پر چاہتا ہے غلبہ عطا فرماتا ہے۔ اس میں اس امر کی وضاحت ہے کہ یہ اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھے، صحابہ کرام کا ان میں کوئی حصہ نہیں تھا۔

مسئلہ نمبر 2۔ مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اہل قری سے مراد قریظہ اور بنی نضیر ہیں۔ یہ دونوں قبیلے مدینہ طیبہ اور فدک میں آباد تھے۔ فدک جو مدینہ طیبہ اور خیبر سے تین دن کی مسافت پر واقع تھا۔ عرینہ اور ینبع کی بستیاں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھیں۔ اس امر کی وضاحت کی کہ اس مال میں جسے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص کیا اس میں رسول اللہ کے علاوہ کے لیے بھی حصے ہیں مقصد بندوں کی ضروریات کو پیش نظر رکھنا تھا۔ علماء نے اس آیت اور اس سے قبل آیت کے معنی میں گفتگو کی ہے کیا دونوں کا معنی ایک ہے یا مختلف ہے؟ آیت جو سورۂ انفال میں ہے تو علماء میں سے ایک جماعت نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى اس کا حکم اس آیت کے حکم سے منسوخ ہے جو سورۂ انفال میں ہے کہ خمس ان افراد کے لیے ہے جن کا ذکر کیا گیا اور باقی چار حصے جہاد کرنے والوں کے لیے ہے۔ ابتداء اسلام میں غنیمت انہیں اقسام پر تقسیم ہوتی تھی؛ یہ قول یزید بن رومان، قتادہ اور دوسرے علماء کا ہے؛ اس کی مثل امام مالک سے مروی ہے۔ ایک قوم نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال صلح کے ساتھ لیا اس پر گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تو یہ ان کے لیے ہوگا جن کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا ہے پہلا مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہوگا جب ضرورت ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے لے لیتے اور باقی ماندہ مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ کر دیتے۔ معمر نے کہا: پہلا مال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اور دوسرا مال جزیہ اور خراج ہے۔ یہ ان مذکورہ افراد کے لیے جن کا ذکر ہوا ہے۔ تیسرا مال غنیمت ہے جس کا ذکر سورۂ انفال میں ہے یہ مجاہدین کے لیے ہے۔ ایک قوم نے کہا جن میں امام شافعی بھی ہیں: دونوں آیتوں کا معنی ایک ہی ہے، یعنی کفار کے وہ اموال جو جنگ کے بغیر حاصل ہوں گے انہیں پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، چار حصے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوں گے اور پانچواں حصہ پانچ حصوں میں تقسیم ہوگا۔ ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا، ایک حصہ قریبی رشتہ داروں کا ہوگا۔ وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں۔ کیونکہ انہیں زکوٰۃ لینے سے روک دیا گیا تھا۔ تو مال فئی میں ان کا حق رکھ دیا گیا۔ ایک حصہ یتیموں کے لیے ہوگا، ایک حصہ مسکینوں کے لیے ہوگا، ایک حصہ مسافروں کے لیے ہوگا۔ جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد مال فئی میں سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حصہ تھا۔ امام شافعی کے قول کے

مطابق ان مجاہدین پر صرف کیا جائے گا جو سرحدوں کی نگہبانی کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ہیں۔ دوسرے قول میں ہے: اس مال کو مسلمانوں کی ضروریات کے لیے صرف کیا جائے گا جیسے سرحدوں کی حفاظت، نہریں کھودنا، پل بنانا۔ زیادہ اہم کو اہم پر مقدم رکھا جائے گا۔ یہ طریقہ مال فئی کے 4/5 حصہ میں جاری ہوگا یہ حکم مال فئی کے 4/5 حصہ میں ہے۔ جہاں تک مال فئی میں اور مال غنیمت میں سے پانچویں حصہ کا تعلق ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مسلمانوں کے مصالح کے لیے استعمال ہوگا۔ اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تمہاری غنیمتوں میں سے میرے لیے خمس کے سوا کچھ نہیں اور خمس (پانچوں حصہ) بھی تمہاری طرف ہی لوٹا دیا گیا ہے''۔ اس بارے میں گفتگو سورۂ انفال میں گزر چکی ہے؛ اسی طرح جو مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیچھے چھوڑ جائیں اس میں بھی وراثت جاری نہیں ہوگی بلکہ یہ صدقہ ہے جسے مسلمانوں کے مصالح میں صرف کیا جائے گا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے''۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فئی کا مال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ** اللہ تعالیٰ نے اس مال کو اپنے رسول کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مال جمع نہیں کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اس قدر مال لیا کرتے تھے جس قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کی ضروریات ہوتیں تھیں باقی ماندہ مسلمانوں کی ضروریات کے لیے خرچ کر دیتے۔

قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: اس میں کوئی اشکال نہیں کہ تین آیات میں تین معانی ہیں۔ جہاں تک پہلی آیت کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ** پھر فرمایا: **وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ**۔ **مِنْهُمْ** سے مراد اہل کتاب ہیں اس کا عطف سابقہ کلام پر ہے۔

فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ اس سے اسی چیز کا ارادہ کیا جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔ پس تمہارا اس میں کوئی حق نہیں اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھا۔ مراد بنی نضیر اور جوان کی مثل ہیں۔ یہ ایک ہی آیت ہے اور معنی بھی ایک ہی ہے۔

دوسری آیت اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: **مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ** یہ نئی کلام ہے پہلی سے مختلف ہے پہلی آیت میں موجود مستحقین کے علاوہ کے استحقاق کے لیے ہے۔

تیسری آیت سے مراد آیت غنیمت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا معنی اور ہے، ایک اور مستحق کے استحقاق کو ثابت کرتی ہے مگر پہلی اور دوسری آیت دونوں اس میں شریک ہیں کہ ان میں سے ہر ایک سی ایسی چیز کو ضمن میں لیے ہوئے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عطا فرمائی ہے۔ پہلی آیت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ مال جنگ کے بغیر حاصل ہوا ہے۔ آیت انفال اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ مال قتال کے ساتھ حاصل ہوا ہے جبکہ تیسری آیت **مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى** اس امر سے خالی ہے کہ وہ مال جنگ سے یا بغیر جنگ کے حاصل ہوا؛ اسی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا۔ ایک

جماعت نے کہا: یہ پہلی آیت کے ساتھ لاحق کی جائیگی، یہ سب کا سب صلح کا مال ہوگا یا اس کی مثل مال ہوگا۔

ایک جماعت کا قول ہے: یہ دوسری آیت جو آیت انفال ہے کے ساتھ لاحق کی جائیگی۔ جنہوں نے کہا: یہ آیت آیت انفال کے ساتھ لاحق کی جائیگی انہوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کیا یہ منسوخ ہے جس طرح پہلے گزرا ہے یا یہ محکم ہے؟ اللہ تعالیٰ کی وہ شہادت جو اس سے پہلے ہے اسے اس کے ساتھ لاحق کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں ایک نیا فائدہ اور نیا معنی ہے؛ جبکہ یہ تو معلوم و مشہور ہے کہ آیت کے حرف جو دوسری آیت سے زائد ہوں اسے نئے فائدہ پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے بنسبت اس کے کہ اسے سابقہ فائدہ پر ہی محمول کیا جائے۔

ابن وہب نے امام مالک سے فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ کی تفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد بنونضیر ہیں اس میں خمس لازم نہیں تھا اور نہ ہی ان اموال کو حاصل کرنے کے لیے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے گئے تھے۔ یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اموال کو مہاجرین اور تین انصاری صحابہ کے درمیان تقسیم فرما دیا جس طرح مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى کی تفسیر میں یہ قول گزر چکا ہے کہ اَهْلِ الْقُرٰى سے مراد قریظہ کا قبیلہ ہے۔ قریظہ اور غزوہ خندق کا واقعہ ایک ہی روز ہوا تھا۔ ابن عربی نے کہا: امام مالک کا قول کہ دوسری آیت بنو قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کا معنی آیت انفال کے معنی کی طرف لوٹ رہا ہے اور اسے نسخ لاحق ہوتا ہے۔ اسے محکم قرار دینے کی بنسبت یہ قول زیادہ قوی ہے۔ ہم کسی قول کو پسند نہیں کرتے مگر اسے ہی جسے ہم نے اس انداز میں تقسیم کیا ہے۔ اور ہم نے وضاحت کر دی ہے کہ دوسری آیت کا معنی نیا ہے جس طرح ہم نے اس پر دلیل قائم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

میں کہتا ہوں: انہوں نے جو پسند کیا ہے، وہ حسن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ سورۂ حشر سورۂ انفال کے بعد نازل ہوئی یہ امر محال ہے کہ متقدم بعد میں نازل ہونے والی آیت کو منسوخ کر دے۔ ابن ابی نجیح نے کہا: مال تین قسم کے ہیں۔ مال غنیمت، مال فئی، صدقہ۔ ان میں سے کوئی درہم نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس کا محل بیان کر دیا ہے۔ یہ زیادہ مناسب ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ وہ اموال جن میں ائمہ اور والیوں کا عمل دخل ہوتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ جو مسلمانوں سے اس طریقہ پر لیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو پاک کیا جائے جس طرح صدقات، زکوٰۃ وغیرہ۔

۲۔ مال غنیمت، اس سے مراد وہ مال ہے جو کفار کے اموال میں سے مسلمانوں کے ہاتھ لگتا ہے جیسے جنگ و غلبہ کے ذریعے۔

۳۔ مال فئی: اس سے مراد وہ اموال ہیں جو کفار کے اموال میں سے مسلمانوں کے ہاتھ لگتے ہیں اس میں کوئی جنگ نہیں ہوتی اور نہ گھوڑوں کو دوڑایا جاتا ہے جس طرح صلح، جزیہ، خراج اور کافر تجار سے ٹیکس، اس کی مثل یہ صورت بھی ہے کہ مشرک بھاگ جائیں اور اپنے اموال چھوڑ جائیں یا ان میں سے کوئی دار السلام میں فوت ہو جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو۔ جہاں تک صدقہ کا تعلق ہے اس کا مصرف فقراء، مساکین اور عاملین زکوٰۃ ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔ جس کی وضاحت سورۂ براءت میں گزر چکی ہے۔ جہاں تک مال غنیمت کا تعلق ہے۔ ابتداء اسلام میں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھے، جیسے چاہیں

اس میں صرف کریں جس طرح سورۂ انفال میں فرمایا قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ (آیت:1) پھر اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ (انفال:41) سورۂ انفال میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ جہاں تک مال فئی کا تعلق ہے تو اس کی تقسیم اور خمس کی تقسیم برابر ہے۔ امام مالک کے نزدیک دونوں قسم کے اموال کی تقسیم کا انحصار امام کی رائے پر ہے۔ اگر اس کی رائے بنے کہ اسے ان مصائب کے لئے محفوظ کر لے جو مسلمانوں پر واقع ہوتی ہیں تو ایسا کرے اگر وہ دونوں یا ایک کی تقسیم کی رائے بنے تو لوگوں کے درمیان اسے تقسیم کر دے اور عربی اور اس کے مولی میں برابری کرے اور مرد و عورت میں سے فقراء سے شروع کرے یہاں تک کہ وہ غنی ہو جائیں۔ مال فئی میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کو وہ حصہ دے جو امام کی رائے بنے ان کے لیے کوئی معلوم حد نہیں ان میں سے غنی کو عطا کرنے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اکثر کی رائے ہے کہ انہیں اس میں سے حصہ دیا جائے کیونکہ یہ ان کا حق ہے۔ امام مالک نے کہا: فقراء کے علاوہ کسی کو کچھ نہ دیا جائے گا کیونکہ ان کے حق میں یہ صدقہ کا عوض ہے۔

امام شافعی نے کہا: کفار کا جو مال بغیر قتال کے حاصل ہوتا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پچیس حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا۔ بیس حصے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں جو چاہتے کرتے اور پانچواں حصہ وہاں صرف کیا جاتا جہاں مال غنیمت کا پانچواں حصہ صرف کیا جاتا۔

ابو جعفر بن داؤدی نے کہا: یہ ایسا قول ہے جو پہلے کسی نے نہیں کیا جو کچھ ہم جانتے ہیں بلکہ یہ سارا مال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا۔ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں ثابت ہے۔ اگر یہ بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ کا فرمان: خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (الاحزاب:50) اس پر دلالت کرتا کہ کسی غیر کو ہبہ کرنا جائز ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ (الاعراف:32) اس امر کو جائز کرتا ہے کہ اس میں اور بھی شریک ہیں۔ امام شافعی کا اس بارے میں مفصل قول گزر چکا ہے۔ الحمدللہ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ فئی کے خمس کا طریقہ وہی ہے جو مال غنیمت کے خمس کا طریقہ ہے اور 4/5 حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوگا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ مسلمانوں کی مصلحتوں کے لیے ہوگا۔ آپ کا ایک اور قول بھی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ ان لوگوں کے لیے ہوگا جنہوں نے اپنے آپ کو جہاد کے لیے وقف کر رکھا ہوگا۔

مسئلہ نمبر 4۔ ہمارے علماء نے کہا: جس شہر سے جو مال اکٹھا کیا گیا ہے تمام مال وہاں ہی تقسیم کر دیا جائے گا۔ جس شہر سے وہ مال جمع کیا گیا ہے وہاں سے اسے منتقل نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ غنی ہو جائیں۔ پھر وہاں سے قریبی کی طرف منتقل کیا جائے، مگر اس صورت میں کہ جس جگہ سے مال وصول کیا گیا ہے اس کی بجائے کسی اور جگہ سخت فاقہ کی نوبت آ جائے تو وہاں سے فاقہ والی جگہ کی طرف مال منتقل کر دیا جائے گا جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آفت کے سالوں میں کیا تھا وہ پانچ سال تھے یا چھ سال تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دو سال تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایک سال تھا جس میں طاعون کے ساتھ بھوک شدید ہو گئی تھی۔

اگر ایسی صورتحال نہ ہو جو ہم نے بیان کی اور امام کی یہ رائے ہو کہ مال فئی کو روک لے تو مسلمانوں پر واقع ہونے والی

آفتوں کے لیے اسے روک لے اور اس مال میں سے نوزائیدہ بچے کو دے اور اس کی تقسیم اس فرد سے شروع کرے جس کا باپ فقیر ہو۔ مال فئی اغنیاء کے لیے بھی حلال ہے۔ اس کی تقسیم میں سب لوگوں کو برابر رکھے مگر ضرورت مندوں کو ترجیح دے، جس قدر کسی کی ضرورت ہو اس کی مناسبت سے زیادہ دے۔ اس مال سے مقروضوں کو دے جس کے ذریعے وہ اپنے قرضے ادا کریں اگر کوئی انسان اہل ہو تو اس میں سے انعام اور عطیہ دے۔ قاضیوں، حکام اور ان کو دے جس میں انسان کی منفعت ہو۔ اس میں سے زیادہ حصہ کے مستحق وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے لئے زیادہ نفع کا باعث ہوں۔ جس نے مال فئی میں سے کوئی چیز دیوان میں نام لکھوا کر لی تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ جہاد میں شریک ہو جب جہاد کیا جائے۔

مسئلہ نمبر 5۔ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً عام قراءت یَکُوْنَ یاء کے ساتھ ہے۔ اور دُوْلَۃً نصب کے ساتھ ہے تقدیر کلام یہ ہوگی کی لایکون الفئی دولۃ۔ ابوجعفر، اعرج اور ہشام نے ابن عامر سے اور ابوحیوہ نے تکون تاء کے ساتھ اور دولۃ کو مرفوع پڑھا ہے۔ یہ کان غوجی سپاہیوں میں سے وظیفہ خواروں کا رجسٹر نامہ ہے۔ دولۃ یہ کان کا اسم ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اور اس کی خبر نہیں ہے۔ یہ جائز ہے کہ یہ ناقصہ ہو اور اس کی خبر بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ یہ دُوْلَۃً کا وصف ہو۔ عام قرائت دول۔ دال کے ضم کے ساتھ ہے۔ سلمی اور ابوحیوہ نے اسے نصب کے ساتھ یعنی دولۃ پڑھا ہے۔ عیسیٰ بن عمر، یونس اور اصمعی نے کہا: یہ دونوں لغتیں ایک ہی معنی میں ہیں۔ ابوعمرو بن علاء نے کہا: دولۃ سے مراد جنگ وغیرہ میں کامیابی کو کہتے ہیں۔ یہ مصدر ہے اور ضمہ کے ساتھ اس شے کا نام ہے جو مال ہو اور لوگوں کے درمیان گردش کناں ہو؛ ابوعبید نے یہی کہا ہے: الدولۃ ایسی چیز کو کہتے ہیں جو گردش کناں رہتی ہے اور دولۃ مصدر ہے آیت کا معنی یہ ہے مال فئی میں یہ اس لئے کہا تا کہ رؤساء، اغنیاء اور قوی لوگ آپس میں تقسیم نہ کرلیں فقراء اور کمزور لوگوں کو کچھ حصہ نہ ملے کہ دور جاہلیت میں جب کوئی قوم مال غنیمت حاصل کرتی تو ان کا رئیس اس کا چوتھا حصہ اپنے لیے لیتا یہی مرباع تھا پھر مرباع کے بعد اپنے لیے جو چاہتا منتخب کر لیتا؛ اس بارے میں شاعر نے کہا:

لك المرباع منها و الصفایا

اس مال غنیمت میں سے تیرے لیے مرباع اور چنا ہوا مال ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تا کہ اس میں اس طرح کا معاملہ نہ کیا جائے جس طرح کا معاملہ دور جاہلیت میں کیا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے یہ مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص کر دیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے وہاں صرف کر دیں جہاں صرف کرنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ اس میں خمس نہیں جب خمس لازم ہوگا تو وہ تمام مسلمانوں میں تقسیم ہوگا۔

مسئلہ نمبر 6۔ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا یعنی مال غنیمت میں سے رسول اللہ جو تمہیں دیں وہ لے لو اور جس چیز کو لینے اور خیانت کرنے سے روکیں اس سے رک جاؤ؛ یہ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ سدی نے کہا: مال فئی میں سے جو رسول اللہ تمہیں عطا کریں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس کا مطالبہ نہ کرو۔ ابن جریج نے کہا: میری طاعت کے بارے میں جو پیغام لائیں اسے بجالاؤ اور میری معصیت سے روکیں تو اس سے رک

جاؤ۔ ماوردی نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا: یہ امر تمام اوامر ونواہی پر محمول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اچھے امر کا حکم دیتے ہیں اور فاسد امر سے روکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں: اس سے مراد بھی وہی ہے جو اس سے ماقبل قول کی مراد تھی۔ یہ تین اقوال ہیں۔

مسئلہ نمبر 7۔ مہدی نے کہا: وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا یہ ارشاد اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کا حکم دیا وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے امر ہے۔ یہ آیت کریمہ اگرچہ غنائم کے بارے میں ہے پھر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوامر اور نواہی اس میں داخل ہیں۔ حضرت حکم بن عمیر نے کہا جو صحابی تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ قرآن اس کے لیے سخت مشکل ہے جو اسے ترک کرے اور جو اس کی اتباع کرے اور اس کی طلب کرے اس کے لیے آسان ہے۔ اور میری حدیث بھی مشکل ہے جس نے میری حدیث کو مضبوطی سے پکڑا اور اسے یاد کیا تو وہ قرآن کے ساتھ نجات پا گیا جس نے قرآن اور میری حدیث کے بارے میں سستی کی تو وہ دنیا و آخرت میں خسارے میں رہا۔ تمہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ میرے قول کو مضبوطی سے پکڑو، میرے حکم کی محافظت کرو اور میری سنت کی اتباع کرو۔ جو میرے قول پر راضی ہوا وہ قرآن پر راضی ہوا جس نے میرے قول کا مذاق اڑایا تو اس نے قرآن کا مذاق اڑایا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔

مسئلہ نمبر 8۔ عبد الرحمن بن زید نے کہا: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک محرم سے ملے جس کے جسم پر کپڑے تھے حضرت عبد اللہ بن مسعود نے کہا: یہ کپڑے اتار دو۔ اس آدمی نے عرض کی: کیا تم اس کی تصدیق کے لیے مجھ پر کتاب اللہ کی کوئی آیت پڑھو گے؟ فرمایا: ہاں وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا عبد اللہ بن محمد بن ہارون فریابی نے کہا: میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: جو چاہو تم مجھ سے سوال کرو میں کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے تمہیں آگاہ کروں گا۔ میں نے آپ سے عرض کی: اللہ تعالیٰ آپ کے معاملات کو درست کرے، آپ اس محرم کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو بھڑ کو قتل کر دیتا ہے؟ حضرت امام شافعی نے جواب دیا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔

سفیان بن عیینہ، عبد الملک بن عمیر سے وہ ربعی بن حراش وہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اقتدوا باللذین من بعدی أبی بکر و عمر میرے بعد تم ابو بکر و عمر کی پیروی کرنا۔

سفیان بن عیینہ، مسعر بن کدام سے وہ قیس بن مسلم سے وہ طارق بن شہاب سے وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے بھڑ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ ہمارے علماء نے کہا: یہ بہت اچھا جواب ہے۔ امام شافعی نے حالت احرام میں بھڑ کو قتل مارنے کا فتویٰ دیا اور امام شافعی نے اس امر کی وضاحت کی کہ وہ اس مسئلہ میں حضرت عمر کی اقتداء کر رہے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی اقتدا کا حکم دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس امر کو قبول کرنے کا حکم دیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں، تو بھڑ کے قتل کا جواز کتاب و سنت سے مستنبط ہے؛ یہی معنی عکرمہ کے قول میں گزر چکا ہے جب ان سے امہات اولاد کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا: سورۂ نساء میں انہیں آزاد قرار دیا گیا ہے؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

أَطِيعُوا اللّٰهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُوْلَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (آیت: 59)

صحیح مسلم اور دوسری کتب میں علقمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لعن اللہ الواشمات والمستوشمات و المتنمصات و المتفلجات للحسن المغيرات خلق اللہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو گودنے والیوں پر، گودجانے والیوں پر، چہرے سے بال نوچنے والیوں پر، خوبصورتی کے لئے دانتوں کو کھلا کرانے والیوں پر اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں میں تبدیلی کرنے والیوں پر۔

بنی اسد کی ایک عورت تک یہ خبر پہنچی جسے ام یعقوب کہا جاتا وہ عورت آئی اس نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تو نے اس اس عورت پر لعنت کی ہے۔ فرمایا: جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے میں اس پر کیوں لعنت نہ کروں جبکہ وہ کتاب اللہ میں ہے؟ اس عورت نے کہا: دفتین میں جو کچھ ہے میں نے اسے پڑھا ہے میں نے اس میں وہ نہیں پایا جو تم کہتے ہو۔ فرمایا: اگر تو اس کو پڑھتی تو ضرور پاتی، کیا تو نے اسے پڑھا: وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ اس نے کہا: کیوں نہیں؟ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے۔ یہ بحث سورۂ نساء میں مفصل گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ یہاں لفظ ایتاء آیا ہے جس کا معنی عطا کرنا ہے تاہم اس کا معنی حکم دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا اس کے مقابل نہی کا لفظ ذکر کیا۔ نہی، امر کے سوا کسی کے مقابل نہیں ہوتی۔ جو چیز ہم نے پہلے ذکر کی ہے اس کے فہم پر دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم وإذا نهيتكم عن شئي فاجتنبوا۔

جب میں تمہیں کسی امر کا حکم دوں تو جتنی طاقت رکھو اس کو بجالاؤ اور جب میں کسی چیز سے منع کروں تو اس سے اجتناب کرو۔ کلبی نے کہا: یہ آیت مسلمان رؤسا کے بارے میں نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مشرکوں کے اموال پر غالب آئے تو عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم پسندیدہ چیز اور چوتھا حصہ لے لیں باقی ہمارے لیے چھوڑ دیں، ہم دور جاہلیت میں اس طرح کیا کرتے تھے اور انہوں نے یہ پڑھا: لك المرباع منها و الصفايا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس میں سے چوتھا حصہ اور منتخب چیز ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

مسئلہ نمبر 10۔ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچو جس نے اس کی نافرمانی کی اس کے لیے وہ شدید ہے۔ ایک قول کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی میں اس سے ڈرو تم اسے ضائع نہ کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞ اللہ تعالیٰ نے جس کا حکم دیا اس کے بارے میں وہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۞

"(نیز وہ مال) نادار مہاجرین کے لیے جنہیں (جبرا) نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے اور جائیدادوں سے (یہ نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا اور (ہر وقت) مدد کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے

رسول کی، یہی راستباز لوگ ہیں''۔

مال فیٔ اور غنیمتیں مہاجر فقراء کے لیے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اغنیاء میں ہی گردش کناں نہ رہے بلکہ یہ فقراء کے لیے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ کا بیان ہے۔ جب ان کی اصناف کا ذکر کیا گیا تو کہا گیا: مال ان لوگوں کے لئے ہے، کیونکہ یہ فقراء، مہاجر ہیں انہیں اپنے گھروں سے نکالا گیا ہے، یہ دوسرے لوگوں کی نسبت اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی یہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ مہاجر فقراء کے لئے اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے تا کہ یہ اموال دنیا داروں میں سے اغنیاء کے درمیان ہی گردش نہ کرتے رہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اللہ تعالیٰ مہاجر فقراء کی وجہ سے کفار کو سخت سزا دینے والا ہے۔ ان فقراء میں وہ فقراء بھی داخل ہو گئے ہیں جن کا ذکر پہلے ہوا وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ اس کا عطف ماقبل پر ہے مگر یہاں واؤ عاطفہ نہیں جس طرح تیرا یہ قول ہے: هذا المال لزيد لبكر لفلان لفلان یہاں مہاجرین سے مراد وہ مہاجر ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی۔ قتادہ نے کہا: یہاں وہ مہاجر مراد ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی وجہ سے اپنے گھر، اپنے اموال، اپنے اہل اور اپنے وطن کو چھوڑا یہاں تک کہ ایک آدمی بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا تا کہ اس کی کمر سیدھی رہے، ایک آدمی موسم سرما میں ایک گڑھا کھودتا موسم سرما میں اس کے لئے اس کے سوا کوئی گرمی پہنچانے والا بستر نہ ہوتا۔

عبدالرحمن بن ابزی اور سعید بن جبیر نے کہا: مہاجروں میں سے ایسے لوگ بھی تھے جن میں سے کسی کے پاس غلام، بیوی، گھر اور سواری نہ تھی جس پر سوار ہو کر وہ حج کرتا یا جہاد کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فقیر قرار دیا اور زکوٰۃ میں ان کا حصہ رکھا۔ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ کا معنی ہے کفار مکہ نے انہیں گھروں سے نکالا یعنی انہیں گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا۔ وہ سو افراد تھے۔

یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وہ اللہ تعالیٰ سے دنیا میں غنیمت اور آخرت میں اپنے رب کی رضا چاہتے ہیں۔ وَّ یَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۝ وہ اس فعل میں سچے ہیں۔

روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جابیہ کے مقام پر خطبہ دیا فرمایا: جو آدمی قرآن کے بارے میں کوئی سوال کرنا چاہے تو وہ حضرت ابی بن کعب کے پاس جائے، جو فرائض (وراثت) کا مسئلہ سمجھنا چاہے تو وہ حضرت زید بن ثابت کے پاس جائے، جو فقہ کا مسئلہ پوچھنا چاہے تو وہ حضرت معاذ بن جبل کے پاس جائے، جو مال کا سوال کرنا چاہے تو وہ میرے پاس آئے اللہ تعالیٰ نے مجھے مال کا خازن اور قاسم بنایا ہے۔ خبردار! میں مال کی تقسیم کا آغاز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے کرنے والا ہوں، میں انہیں عطا کروں گا پھر مہاجرین اولین کا حق ہے میں اور میرے صحابہ کو مکہ مکرمہ سے نکالا گیا نہ ہمارے گھر رہے اور نہ ہی ہمارے اموال رہے۔

وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ۫ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ

''اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں مہاجرین (کی آمد) سے پہلے، محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں (انہیں) اپنے آپ پر اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو، اور جس کو بچا لیا گیا اپنے نفس کی حرص سے تو وہی لوگ بامراد ہیں''۔

اس میں گیارہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ سے مراد انصار ہیں جنہوں نے مہاجرین سے قبل مدینہ طیبہ کو اپنا وطن بنایا تھا۔ الْاِيْمَانَ کا لفظ تَبَوَّؤُا کی بجائے کسی اور فعل کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ تبوّء کا تعلق مکان سے ہوتا ہے۔ مِنْ قَبْلِهِمْ، من تَبَوَّؤُا کے متعلق ہے معنی ہے جنہوں نے مہاجرین سے پہلے یہاں رہائش اختیار کی، ایمان کا اعتقاد رکھا اور اس کے لئے اخلاص کا مظاہرہ کیا کیونکہ ایمان ایسی چیز نہیں جس کو ٹھکانہ بنایا جائے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ (یونس: 71) یہاں بھی تقدیر کلام یہ ہے وادعوشرکاءکم ابوعلی، زمخشری اور دوسرے علماء نے اس کا ذکر کیا ہے۔

یہ کلام بھی اس طریقہ پر ہے عَلَفْتُها تِبْنًا و ماءً باردًا یہاں بھی ایجاز حذف کا قاعدہ ہے۔ اصل میں سقیتھا ماءً باردًا یہ بھی جائز ہے کہ مضاف کے حذف پر اسے محمول کیا جائے گویا یوں ارشاد فرمایا: تبوّؤ الدار و مواضع الایمان یہ بھی جائز ہے کہ اسے اس پر محمول کیا جائے جس پر تبوّؤ ادلالت کرتا ہے۔ گویا فرمایا: لزموا الدار ولزموا الایمان یہ بھی جائز ہے کہ تبوأ الایمان ضرب المثل کے طریقہ پر ہو جس طرح تو کہتا ہے: تبوأ من بنی فلان الصمیم، التبوأ سے مراد تمکن اور استقرار ہے۔ یہ مراد نہیں کہ انصار مہاجرین سے پہلے ایمان لائے بلکہ یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے ایمان لائے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کیا اس آیت کا ماقبل آیت سے اعرابی تعلق نہیں یا اس کا ماقبل پر عطف ہے؟ ایک قوم کی یہ رائے ہے: اس کا عطف لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ پر ہے سورۂ حشر میں جتنی بھی آیات ہیں سب ایک دوسرے پر معطوف ہیں۔ پس اگر اس میں وہ غور و فکر کرتے اور انصاف سے کام لیتے تو جو نقطہ نظر انہوں نے اپنایا ہے اس کے خلاف پاتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: هُوَ الَّذِيْۤ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۗ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَ اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ وَ لَوْ لَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ

الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۖ وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ - میں بنی نضیر اور بنی قینقاع کے بارے میں خبر دی ہے، پھر فرمایا: وَ مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَاۤ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ اس میں خبر دی کہ یہ اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہیں کیونکہ جب اموال ان سے چھڑوائے گئے ان پر کوئی گھوڑے نہیں دوڑائے گئے۔ ان کے بارے میں جو گزرا کہ قتال ہوا، ان کے درخت کاٹے گئے۔ صحابہ نے اسے چھوڑ دیا تھا اور وہ امر ختم ہو گیا تھا۔ پھر فرمایا: مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ اس کا ماقبل کلام پر کوئی عطف نہیں اسی طرح وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ انصار کی مدح اور ان کی ثنا کا آغاز ہو رہا ہے کیونکہ انہوں نے اس مال فئی کو مہاجرین کے سپرد کر دیا تھا گویا فرمایا: مال فئی مہاجر فقراء کے لیے ہے۔ انصار ان سے محبت کرتے ہیں اور مال فئی جو مہاجرین کے لئے خاص کیا گیا انہوں نے اس سے حسد نہ کیا اسی طرح وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ نئی کلام ہے اس کی خبر يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ہے۔

اسماعیل بن اسحاق نے کہا: وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ اور وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ کا ماقبل پر عطف ہے۔

وہ مال فئی میں شریک ہیں، یعنی یہ مال مہاجرین اور انصار کے لیے ہے۔ مالک بن اوس نے کہا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی۔ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ (التوبہ: 60) فرمایا: یہ ان کے لیے پھر وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ (الانفال: 41) فرمایا: یہ ان کے لیے، پھر مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۚ وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ - وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ، وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ آیات پڑھیں۔ پھر فرمایا: اگر میں زندہ رہا تو ایک چرواہا جو حمیر کے پہاڑوں (جو یمن کا علاقہ ہے) میں ہوگا اس کا حصہ اس کے پاس پہنچے گا، اس کی پیشانی کو پسینہ سے شرابور نہ ہونا پڑے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انصار و مہاجرین کو بلایا اور اللہ تعالیٰ نے جو فتوحات عطا فرمائی تھیں ان کے بارے میں مشورہ طلب کیا فرمایا: معاملہ میں خوب غور و فکر کرو پھر اگلے روز میرے پاس آؤ، آپ نے رات بھر سوچ و بچار کی تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ یہ آیات اس معاملہ میں نازل ہوئی ہیں۔ جب وہ صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے فرمایا: میں نے گزشتہ رات ان آیات کو پڑھا جو سورۂ حشر میں ہیں اور ان آیات کو تلاوت کیا۔ مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ جب اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ تک پہنچے فرمایا: یہ اموال صرف ان کے لیے نہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کی وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۠ پھر فرمایا: اہل اسلام میں سے کوئی آدمی نہیں بچا جو اس میں داخل نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 3۔ امام مالک نے زید بن اسلم سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں: اگر بعد میں آنے والے لوگوں کا خیال نہ ہوتا تو کوئی بستی فتح نہ کی جاتی مگر میں اسے اس طرح تقسیم کر دیتا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کیا۔ کثیر سندوں سے اخبار مشہورہ میں یہ موجود ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کا دیہاتی علاقہ، مصر اور ان کی غنیمتوں کو مجاہدین میں تقسیم کیے بغیر باقی رہنے دیا تا کہ ان اموال سے مجاہدین کے عطیات، کمزور لوگوں اور بچوں کو روزینہ کا بندوبست ہو سکے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ نے یہ ارادہ کیا تھا کہ مفتوحہ علاقوں کو ان میں تقسیم کر دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی اس رائے کو پسند نہ کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا اس میں اختلاف کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: آپ نے یہ عمل غازیوں کی خوشنودگی سے کیا۔ جس نے اپنا حصہ بغیر قیمت کے چھوڑ دیا تا کہ مسلمانوں کے لئے باقی چھوڑے اور وہ اس پر راضی تھا وہ آپ نے لے لیا اور جس نے ایسا کرنے سے انکار کیا آپ نے اسے اس کے حصہ کی قیمت دے دی۔ کچھ نے کہا: آپ نے لوگوں کی رضامندی کے بعد زمین کو اس طرح رہنے دیا آپ کے اس عمل کی بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بنا دیا جائے گا کیونکہ آپ نے خیبر کے علاقہ کو تقسیم کیا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خریدا اور جس نے اپنے حصہ کو خوشدلی سے ترک کر دیا یہ اس کی تقسیم کے قائم مقام ہی ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ آپ نے مجاہدین کو کوئی چیز دیئے بغیر اس علاقہ کو مملکت اسلامیہ کی ملکیت میں باقی رہنے دیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ نے الله تعالیٰ کے فرمان لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ یَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ وَ الَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَ لَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ۫ وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ وَ الَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۠ میں تاویل کر دی تھی۔

مسئلہ نمبر 4۔ زمینوں اور جاگیروں کی تقسیم میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ امام مالک نے کہا: امام کو حق حاصل ہے کہ وہ ان زمینوں کو مسلمانوں کے مصالح کے لئے وقف کر دے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: امام کو اختیار حاصل ہے کہ ان زمینوں کو تقسیم کر دے یا مسلمانوں کی ضروریات کے لئے اسے وقف کر دے۔ امام شافعی نے کہا: مجاہدین کی رضا کے بغیر امام کو وہ زمینیں روکنے کا حق نہیں بلکہ دوسرے اموال کی طرح ان زمینوں کو بھی ان میں تقسیم کر دے۔ جس نے خوش دلی سے اپنا حق امام کے حوالے کر دیا کہ وہ لوگوں کے مصالح کے لئے اسے وقف کر دے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا اور جو راضی نہ ہو تو وہ اپنے مال کا زیادہ حقدار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کو راضی کیا اور ان سے وہ زمینیں خرید لیں (1)۔

میں کہوں گا: اس تعبیر کی بنا پر وَ الَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ماقبل کلام سے لاتعلق ہوگا انہیں پہلوں کے حق میں دعا اور ان

1۔ احکام القرآن لابن العربی

کی تعریف کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ ابن وہب نے کہا: میں نے امام مالک کو مدینہ طیبہ کی دوسرے علاقوں پر فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے سنا: مدینہ کو ایمان اور ہجرت کا ٹھکانہ بنایا گیا جبکہ دوسری بستیاں انہیں بزور شمشیر فتح کیا گیا۔ پھر آپ نے اس آیت وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ کی قراءت کی۔ اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے اور اسی طرح دونوں مسجدوں مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نماز کی فضیلت کی بحث گزر چکی ہے۔ اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

مسئلہ نمبر 6۔ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا۔ مال فئی اور دوسری چیزوں کو جو مہاجرین کے لئے خاص کیا گیا ہے اس پر انصار کوئی حسد نہیں کرتے؛ اسی طرح لوگوں نے کہا: اس میں دو مضاف مقدر ہونگے تقدیر کلام یہ ہوئی مَسَّ حاجةِ مِنْ فَقْدِ ما أوتوا انسان اپنے سینہ میں کوئی ایسی چیز پاتا ہے جس کے ازالہ کی اسے ضرورت ہوتی ہے تو اسے حاجت کہتے ہیں مہاجرین، انصار کے گھروں میں رہتے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنونضیر کے اموال حاصل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلایا انہوں نے مہاجرین کے ساتھ جو سلوک کیا کہ انہیں اپنے گھروں میں ٹھہرایا اور اپنے اموال میں انہیں شریک کیا اس پر ان کا شکریہ ادا کیا پھر فرمایا: ''اگر تم پسند کرو تو الله تعالیٰ نے بنونضیر کے جو اموال ہمیں عطا کیے ہیں وہ میں تمہارے اور ان کے درمیان تقسیم کردوں اور مسلمان اسی طرح تمہارے گھروں اور اموال میں حصہ دار رہیں اور اگر تم پسند کرو تو میں یہ اموال ان کو دے دوں اور وہ تمہارے گھروں سے نکل جائیں''۔

حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما نے عرض کی: نہیں بلکہ ان اموال کو مہاجرین میں تقسیم کردو اور وہ ہمارے گھروں میں ہی رہیں جس طرح وہ پہلے گھروں میں رہتے تھے۔ سب انصار نے یک زبان ہو کر کہا: یارسول الله! صلی اللہ علیہ وسلم ہم اس پر راضی ہیں اور سر تسلیم خم کرتے ہیں تو رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں یوں دعا کی: اللّٰھم الأنصار و أبناء الانصار اے الله! انصار اور انصار کی اولادوں پر رحم فرما۔ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اموال مہاجرین کو دے دیئے اور انصار کے تین افراد کے سوا کسی کو کچھ نہ دیا جن کا ذکر ہم پہلے آیت 10 کے ضمن میں کر چکے ہیں۔

یہ احتمال بھی موجود ہے کہ اس سے مراد وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا ہو جب مال تھوڑا ہو تو وہ اس پر قناعت کرتے ہیں اور اسی پر راضی ہوتے ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی میں اسی طرح تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بھی اسی طرح رہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خبردار کیا تھا فرمایا: ستروں بعدی أثرة فاصبروا حتی تلقونی علی الحوض (1) تم میرے بعد دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دیا جاتا دیکھو گے تم صبر کرنا یہاں تک کہ تم حوض پر مجھے ملو۔

مسئلہ نمبر 7۔ وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ ایک آدمی کے پاس مہمان نے رات گزاری۔ اس کے پاس صرف اپنے اور اپنے بچوں کے لیے کھانا موجود

1۔ احکام القرآن لابن العربی

تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا: بچوں کو سلا دو، چراغ بجھا دو اور جو کچھ تیرے پاس ہے مہمان کی خدمت میں پیش کر۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے: ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: میں بڑی مشقت میں مبتلا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیوی کے پاس آدمی بھیجا انہوں نے عرض کی: اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا! میرے پاس تو صرف پانی ہی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری کے پاس آدمی بھیجا انہوں نے بھی اس کی مثل عرض کی یہاں تک کہ تمام ازواج مطہرات نے یہی گزارش کی۔ نہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا میرے پاس تو پانی نہیں۔ فرمایا: "آج رات کو اس کی جو مہمان نوازی کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے"۔ ایک انصاری اٹھا عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں (یہ خدمت سرانجام دوں گا) وہ انصاری اس مہمان کو گھر لے گیا اپنی بیوی سے کہا: کیا تیرے پاس کوئی شے ہے۔ اس نے کہا: نہیں مگر بچوں کا کھانا ہے۔ کہا: بچوں کو کسی طرح بہلا پھسلا لینا، جب ہمارا مہمان گھر میں داخل ہو تو چراغ کو بجھا دینا، میں اسے یہ ظاہر کروں گا کہ میں کھانا کھا رہا ہوں۔ جب وہ کھانا کھانے کے لئے جھکا تو عورت چراغ کی طرف اٹھی اور اسے گل کر دیا۔ کہا: وہ سب بیٹھ گئے اور مہمان نے کھانا کھالیا۔ جب صبح ہوئی تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہارے عمل سے بہت خوش ہوا ہے"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کھانا کھلائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی کھانا نہیں تھا جو آپ اسے کھلاتے فرمایا: "کیا کوئی ایسا آدمی نہیں جو اس کی ضیافت کرے، اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے"۔ ایک انصاری اٹھا جسے ابوطلحہ کہتے وہ اسے اپنے گھر لے گئے اور پہلی حدیث کی مثل حدیث نقل کی۔ اس میں آیت کے نزول کا ذکر کیا۔

مہدوی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس اور انصار کے ایک آدمی کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت ثابت اس کے پاس مہمان کے طور پر آئے تھے جسے ابوالتوکل کہا جاتا۔ حضرت ابوالتوکل کے پاس اپنے اور اپنے بچوں کے لئے کھانا تھا۔ آپ نے اپنی بیوی سے کہا: چراغ کو گل کر دو اور بچوں کو سلا دو جو کچھ کھانا ہے اسے مہمان کے سامنے پیش کر دو: نحاس نے بھی اسی کی مثل ذکر کیا ہے۔ کہا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک انصاری جس کو ابوالتوکل کہا جاتا کے پاس حضرت ثابت بن قیس مہمان کے طور پر ٹھہرے ان کے پاس اپنے اور بچوں کے کھانے کے سوا کوئی کھانا نہیں تھا۔ آپ نے اپنی بیوی سے کہا: چراغ کو گل کر دو اور اپنے بچوں کو سلا دو۔ تو یہ آیت وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ نازل ہوئی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عمل کرنے والے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تھے (1)۔ قشیری ابونصر عبد الرحیم بن عبد الکریم نے ذکر کیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک کو ایک سر تحفہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ اس نے کہا: میرا

1۔ المحرر الوجیز

فلاں بھائی اور اس کے اہل ہم سے اس کی زیادہ ضرورت رکھتے ہیں۔ اس نے وہ سر اس کی طرف بھیج دیا۔ وہ سر لگاتار ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف بھیجا جاتا رہا یہاں تک کہ وہ سات گھروں تک پہنچا اور پھر انہیں تک واپس آ گیا تو یہ آیت نازل ہوئی؛ ثعلبی نے اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ صحابہ کرام میں سے ایک کو بکری کا سر تحفہ کے طور پر پیش کیا گیا وہ بڑے تنگدست تھے۔ اس نے وہ سر اپنے پڑوسی کو بھیج دیا۔ وہ سر سات گھروں میں سے سات افراد تک گھومتا رہا، پھر وہ پہلے کی طرف لوٹ آیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی نضیر کے ساتھ جنگ کے موقعہ پر انصار سے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو میں تمہارے گھروں اور اموال کو مہاجرین کے لئے تقسیم کر دوں اور تم بھی اس غنیمت میں شریک ہو جاؤ۔ اگر تم چاہو تو تمہارے گھر اور تمہارے اموال تمہارے پاس رہیں اور مال غنیمت میں سے کوئی چیز تمہیں نہ دیں''۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ ایک صحابی اپنی زمین میں سے کچھ کھجوروں کے درخت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مختص کرتا یہاں تک کہ بنو نضیر اور بنو قریظہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح ہوئی۔ اس صحابی نے جو درخت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے واپس کر دیے۔ الفاظ مسلم شریف کے ہیں۔

انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب مہاجر مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آئے، ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ انصار زمینوں اور جائیدادوں والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں یوں تقسیم کی کہ انصار ہر سال اپنے اموال کا نصف مہاجرین کو دیں گے اور مہاجرین کام اور مشقت کے ذمہ دار ہونگے۔ حضرت انس بن مالک کی ماں جسے حضرت ام سلمہ کہتے ہیں جو حضرت عبد اللہ بن ابی طلحہ کی والدہ تھی۔ یہ حضرت انس کے ماں کی طرف سے بھائی تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی کھجوروں کے کچھ درخت پیش کیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنی لونڈی حضرت ام ایمن عطا کی جو حضرت اسامہ بن زید کی والدہ تھی۔

ابن شہاب نے کہا: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مجھے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اہل خیبر کے ساتھ جنگ سے فارغ ہوئے اور مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے مہاجرین نے انصار کو ان کے عطیات واپس کر دیئے جو انہوں نے مہاجرین کو عطا فرمائے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری ماں (ام انس بن مالک) کو کھجوریں واپس کر دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام ایمن کو ان کی جگہ اپنے باغ میں سے کھجوریں عطا کیں۔

مسئلہ نمبر 8۔ ایثار کا معنی ہے کسی غیر کو اپنی ذات اور نفس کے دنیاوی فوائد پر مقدم کرنا اور دینی منافع کی خواہش رکھنا۔ یہ چیز اس وقت پیدا ہوتی ہے جب مضبوط یقین، قوی محبت اور مشقت پر صبر کی صلاحیت موجود ہو۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: **آثرتہ بکذا** میں نے اسے اس کے ساتھ خاص کیا اور اسے فضیلت دی۔ ایثار کا مفعول یہاں محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہوئی **یوثرونھم منازلھم** وہ اپنے اموال اور اپنے گھروں کے بارے میں انہیں اپنی ذاتوں پر ترجیح دیتے ہیں، اس لیے نہیں کہ وہ خود غنی

ہیں بلکہ انہیں اس کی سخت ضرورت ہوتی ہے جس طرح اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ امام مالک کو یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک سائل نے سوال کیا جبکہ وہ روزے سے تھیں، آپ کے گھر میں صرف ایک روٹی موجود تھی۔ آپ نے اپنی لونڈی سے فرمایا: روٹی اسے دے دو۔ اس نے عرض کی: آپ کے لئے کوئی ایسی چیز نہیں جس کے ساتھ آپ روزہ افطار کریں گی۔ فرمایا: روٹی اسے دے دو۔ لونڈی نے کہا: میں نے اسی طرح کیا۔ اس نے کہا: جب ہم نے شام کی تو کسی گھر والے یا کسی انسان نے ہمارے لیے وہ ہدیہ بھیجا جو وہ بھیجا کرتا تھا، یعنی بکری کا بھنا ہوا گوشت جسے روٹیوں میں لپیٹا گیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بلایا فرمایا: اس سے کھاؤ یہ تیری اس روٹی سے بہتر ہے۔

ہمارے علماء نے کہا: یہ نفع مند مال میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑھنے والا فعل ہے، جتنا چاہتا ہے جلدی بدلہ دے دیتا ہے اور اس کے لیے آخرت میں جو ذخیرہ کیا ہوا ہے اس میں سے کوئی کمی نہیں کرتا۔ جو آدمی اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز کو چھوڑتا ہے تو اس کو ناپید ہونے والا نہیں پاتا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے اس فعل کی وجہ سے ان لوگوں میں شامل ہو گئی ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے کہ خود انہیں ایک چیز کی سخت ضرورت ہوتی ہے اس کے باوجود وہ دوسرے لوگوں پر اپنی ذات کو ترجیح دیتے ہیں۔ جس نے یہ عمل کیا تو اس نے اپنے آپ کو نفس کے بخل سے بچا لیا اور کامل کامیابی حاصل کر لی اس کے بعد اس کے لیے کوئی خسارہ نہیں۔

شاۃ و کَفَنَھا کا معنی ہے تمام عرب، بعض عرب یا ان میں سے بعض رؤساء کا یہ کھانا ہوا کرتا تھا۔ وہ بکری یا بکرے کے بچہ کی جلد جب اتار لیتے تو گندم کا آٹا اس پر مل دیتے اور کوئی حصہ خالی نہ چھوڑتے۔ پھر اسے تنور میں لٹکا دیتے اس کی چربی اسی آٹے میں ہی رہتی۔ یہ ان کے نزدیک سب سے عمدہ کھانا شمار ہوتا تھا۔

امام نسائی نے حضرت نافع سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیمار ہوئے اور انگور کی خواہش کی۔ ایک درہم میں ان کے لئے انگور کا گچھا خریدا گیا۔ ایک مسکین آیا اس نے سوال کیا۔ فرمایا: گچھا اسے دے دو۔ ایک آدمی اس کے پیچھے گیا اس نے وہ انگور کا گچھا اس سے ایک درہم میں خریدا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں لایا۔ سائل نے ارادہ کیا کہ وہ لوٹے تو اسے روک دیا گیا۔ اگر حضرت ابن عمر کو اس بات کا علم ہو جاتا کہ یہ وہی گچھا ہے تو اسے نہ کھاتے کیونکہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ایک دفعہ ہاتھ سے نکل جائے تو آپ اس کی طرف نہ لوٹتے۔

حضرت عبد اللہ ابن مبارک نے ذکر کیا کہ محمد بن مطرف، ابو حازم سے وہ عبد الرحمن بن سعید بن یربوع سے وہ مالک الدار سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے چار سو دینار لیے انہیں ایک تھیلی میں رکھا پھر غلام سے کہا: یہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح کے پاس لے جاؤ، پھر کسی بہانے سے وہاں ٹھہر جانا تا کہ دیکھو آپ اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ غلام وہ تھیلی لے کر وہاں گیا۔ عرض کی: حضرت امیر المومنین کہتے ہیں انہیں اپنی ضرورت کے لئے خرچ کرو۔ حضرت ابو عبیدہ نے کہا: اللہ تعالیٰ امیر المومنین پر رحم کرے پھر فرمایا: اے بچی! یہ سات دینار فلاں کو دے آؤ اور یہ پانچ فلاں کو دے آؤ یہاں تک کہ انہیں خرچ کر دیا۔ غلام حضرت عمر کے پاس واپس آیا تو سب واقعہ عرض کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پایا کہ آپ نے

اسی کی مثل دینار حضرت معاذ کے لئے شمار کر رکھے ہیں۔ فرمایا: یہ دینار حضرت معاذ بن جبل کے پاس لے جاؤ اور وہاں بہانے سے کچھ دیر ٹھہرنا تاکہ دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں؟ غلام وہ مال لے کر ان کے پاس گیا۔ عرض کی: امیر المومنین فرماتے ہیں انہیں اپنی کسی ضرورت میں خرچ کرو۔ حضرت معاذ بن جبل نے کہا: اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ فرمایا: اے بچی! اتنے فلاں کے گھر لے جاؤ، اتنے فلاں کے گھر لے جاؤ۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی بیوی کو اس کی اطلاع ہوئی عرض کی اللہ کی قسم! ہم مساکین ہیں ہمیں بھی کچھ دو اس تھیلی میں صرف دو دینار باقی تھے وہ دونوں آپ نے اسے دے دیے غلام حضرت عمر کی طرف واپس لوٹا اور سب واقعہ بتایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وجہ سے خوش ہوئے۔ فرمایا: وہ سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

اس کی مثل واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ کا بھی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں مال بھیجا جس کی تعداد دس ہزار دینار تھی حضرت منکدر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے......

اگر یہ سوال کیا جائے: انسان جتنے مال کا مالک ہو تمام مال صدقہ کرنے سے نہی وارد ہوئی ہے اور اس کے بارے میں صحیح احادیث ہیں۔ اس کی خدمت میں عرض کی جائے گی: یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جسے فقر کے عالم میں صبر پر اعتماد نہ ہو اور جب ضروریات کے لیے مال نہ پائے تو سوال کرنے کا خوف ہو۔ جہاں تک انصار کا تعلق ہے جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے کی ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو اپنی ذاتوں پر ترجیح دیتے ہیں تو وہ اس صفت کے حامل نہیں بلکہ وہ اس طرح ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ (البقرہ: 177) ان کے بارے میں ایثار مال روکنے سے بہتر ہے اور جو آدمی صبر نہ کرے اور سوال کے لیے ہاتھ پھیلائے تو اس کے لیے ایثار کی بجائے مال روک لینا افضل ہے۔

روایت بیان کی جاتی ہے: ایک آدمی ایک انڈے کے برابر سونا لے کر حاضر ہوا۔ عرض کی: یہ صدقہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پھینکا فرمایا: ''تم میں سے کوئی ایک وہ تمام مال لے آتا ہے جو اس کے پاس ہوتا ہے، اسے صدقہ کرتا ہے پھر لوگوں سے سوال کرنے کے لیے بیٹھ جاتا ہے''(1)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ ذات کی قربانی مال کی قربانی سے بڑھ کر ہے اگرچہ وہ آخر کار نفس کی طرف ہی طرف لوٹ آئے مشہور و معروف ضرب الامثال میں سے یہ ہے: والجُودُ بالنَّفسِ أقصى غايةِ الجُودِ ذات کی سخاوت سب سے بڑی سخاوت ہے۔ محبت کی تعریف میں صوفیاء کی عمدہ عبارات ہیں وہ یہ کہ یہ بھی ایثار ہے کیا تم نہیں دیکھتے جب عزیز مصر کی بیوی حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی تو اپنی قربت پر آپ کو ترجیح دی کہا: أنا راودته عن نفسه میں نے اسے اپنے بارے میں بہلانا چاہا۔ اپنی ذات کی سخاوت میں سے سب سے افضل سخاوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں سخاوت ہے۔

حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ (احد) کے موقع پر اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈھال بنایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جھانکتے تھے تاکہ قوم کو دیکھیں تو حضرت ابوطلحہ عرض کرتے: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم نہ جھانکیے کہیں وہ آپ کو تیر ہی نہ ماریں میری گردن حاضر ہے نہ کہ آپ کی گردن، تیر مجھے لگے نہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الزکوۃ، باب عطیۃ من سأل بانہ، حدیث نمبر 1425-1427، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

رسول اللہ ﷺ کا دفاع کیا تو ان کا ہاتھ شل ہو گیا۔

حضرت حذیفہ عدوی نے کہا: میں جنگ یرموک کے موقع پر اپنے چچا زاد بھائی کی تلاش میں نکلا، میرے پاس کچھ پانی تھا۔ میں کہہ رہا تھا: اگر اس میں زندگی کی رمق ہوئی تو میں اسے پانی پلاؤں گا، اچانک میں اس کے پاس تھا۔ میں نے کہا: میں تجھے پانی پلاؤں؟ اس نے سر سے اشارہ کیا: ہاں، تو اچانک میں ایک ایسے آدمی کو پاتا ہوں جو آہ آہ کہہ رہا ہے۔ میرے چچا زاد بھائی نے میری طرف اشارہ کیا کہ اس کی طرف جاؤ (میں اس کی طرف گیا) تو وہ فوت ہو چکا تھا میں واپس ہشام کی طرف آیا تو وہ بھی فوت ہو چکا تھا، میں اپنے چچا زاد بھائی کی طرف لوٹا تو وہ بھی فوت ہو چکا تھا۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: مجھ پر کبھی کوئی آدمی اس طرح غالب نہیں آیا جس طرح بلخ کا ایک نوجوان مجھ پر غالب آیا۔ وہ حج کے ارادہ سے ہمارے پاس آیا۔ اس نے پوچھا: اے ابا یزید! تمہارے نزدیک زہد کی کیا تعریف ہے؟ میں نے کہا: اگر ہم کوئی چیز پاتے ہیں تو کھا لیتے ہیں اور اگر نہیں پاتے تو صبر کرتے ہیں۔ اس نے کہا: ہمارے ہاں بلخ کے کتوں کی یہی صورتحال ہے۔ میں نے پوچھا: تمہارے نزدیک زہد کی کیا تعریف ہے؟ اس نے کہا: اگر ہم نہ پائیں تو شکر کرتے ہیں اور اگر ہم کوئی چیز پائیں تو دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں (1)۔ حضرت ذوالنون مصری سے پوچھا گیا: وہ زاہد جسے انشراح صدر حاصل ہوتا ہے اس کی کیا تعریف ہے؟ فرمایا: تین چیزیں، جمع شدہ چیز کو تقسیم کر دینا، مفقود چیز کی طلب کو ترک کرنا اور روزی کے حصول کے وقت دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا۔ ابو الحسن انطاکی سے مروی ہے: ری کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات میں ان کے پاس تیس سے زائد آدمی جمع ہو گئے۔ ان کے پاس چند روٹیاں تھیں جو سب کو سیر نہیں کرتی تھیں۔ انہوں نے روٹیوں کے ٹکڑے کیے، چراغ کو گل کر دیا اور کھانے کے لیے بیٹھ گئے۔ جب کھانے کو اٹھایا گیا تو کھانا اسی طرح تھا۔ اس کھانے میں سے کسی نے بھی کوئی چیز نہ کھائی تھی، مقصد دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا تھا۔

مسئلہ نمبر 10۔ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ خَصَاصَةٌ سے مراد ایسی حالت ہے جس کی وجہ سے اموال میں خلل واقع ہو جائے۔ اس کی اصل اختصاص ہے اس سے مراد کسی امر کے لیے خاص ہونا۔ خَصَاصَةٌ کا معنی ہوا حاجت میں منفرد ہونا یعنی اگرچہ انہیں فاقہ اور حاجت لاحق ہو؛ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

أما الربيع إذا تكون خصاصة

جہاں تک ربیع کا تعلق ہے جب اسے حاجت لاحق ہوتی ہے۔

وَمَنْ يُوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ شح اور بخل دونوں برابر ہیں، رجل شحیح جس کا بخل واضح ہو اس کے لیے شح، شح اور شحاحہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے: عمرو بن کلثوم نے کہا:

ترى اللحز الشحيح تو انتہائی بخیل کو دیکھے گا۔

بعض اہل لغت نے شح کو بخل سے بھی زیادہ شدید قرار دیا ہے۔ صحاح میں ہے: شح سے مراد بخل کے ساتھ حرص مراد

1۔ المحرر الوجیز

ہے۔ تو کہتا ہے: شَحِحْتَ، تَشَحُّ، شَحَحْتَ، تَشُحُّ، تَشِحُّ، رَجُلٌ شَحِيحٌ، قومٌ شِحاحٌ، قومٌ أَشِحَّة۔

آیت سے مراد ہے زکوٰۃ میں بخل کرنا اور ذوی الارحام کے ساتھ صلہ رحمی اور ضیافت وغیرہ جوفرض نہیں ان میں بخل کرنا۔ جو آدمی ان مصارف پر مال خرچ کرے اور اپنے لیے بھی کچھ روک لے تو وہ شحیح اور بخیل نہیں اور جو آدمی اپنی ذات پر زیادہ خرچ کرے اور ہم نے زکوٰۃ اور طاعات میں سے جن چیزوں کا ذکر کیا ہے ان میں خرچ نہ کرے تو اس نے اپنے آپ کو بخل سے نہیں بچایا۔

اسود نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک آدمی ان کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: مجھے خوف ہے کہ میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ پوچھا: کیا بات ہے؟

اس نے عرض کی: میں نے اللہ تعالیٰ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ میں ایک بخیل آدمی ہوں، میں اپنے ہاتھ سے کوئی چیز نہیں نکالتا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ وہ شح نہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کیا ہے۔ بے شک وہ شح جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے وہ یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا مال ظلماً کھائے، لیکن جس چیز کا تو نے ذکر کیا ہے وہ بخل ہے اور بخل بھی کتنی بری چیز ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے شح اور بخل میں فرق کیا ہے؟ طاؤس نے کہا: بخل سے مراد یہ ہے کہ انسان کے قبضہ میں جو کچھ ہے اس میں بخل کرے اور شح یہ ہے کہ لوگوں کے ہاتھوں میں جو ہے اس کے بارے میں کنجوسی کرے۔ وہ یہ پسند کرتا ہے کہ لوگوں کے ہاتھوں میں جو کچھ ہے حلال و حرام کے طریقہ سے حاصل کرے، وہ اس میں قناعت نہیں کرتا۔

ابن جبیر نے کہا: شح سے مراد زکوٰۃ روک لینا اور حرام چیز کو ذخیرہ کرنا۔ ابن عیینہ نے کہا: شح سے مراد ظلم ہے۔ لیث نے کہا: فرائض کو ترک کرنا اور حرام کردہ چیزوں کو اپنانا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جو اپنی خواہش کی اتباع کرے اور ایمان کو قبول نہ کرے وہ شحیح ہے۔ ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے منع کیا ہو وہ نہ لے اور اللہ تعالیٰ نے اسے جس چیز کا حکم دیا ہے شح اسے اس چیز سے نہ روک سکے تو اللہ تعالیٰ نے اسے شح سے بچا لیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بَرِئَ من الشُّحّ من أَدَّى الزكاة وقَرَى الضيف وأعطى في النائبة وہ آدمی جس نے زکوٰۃ دی، مہمان کی ضیافت کی اور مصیبت کے وقت کسی کو مال دیا تو وہ شح سے بری ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے۔ اللّٰهُمّ أن اعوذبك من شح نفسى واسرافها ووساوسها۔ اے اللہ! میں اپنے نفس کے شح، اس کے اسراف اور اس کے وساوس سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ ابوالہیاج اسدی نے کہا: میں نے طواف میں ایک آدمی کو یہ دعا کرتے ہوئے دیکھا: اے اللہ! مجھے میرے نفس کے شح سے بچا۔ وہ اس سے زیادہ کوئی دعا نہیں کر رہا تھا۔ میں نے اس سے اس کی وجہ پوچھی۔ اس نے جواب دیا: جب میں نے اپنے نفس کو شح سے بچا لیا تو میں چوری نہیں کروں گا، بدکاری نہیں کروں گا اور اس جیسا کوئی فعل نہیں کروں گا۔ کیا دیکھتا ہوں وہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔

میں کہتا ہوں اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: اتقوا الظلم فإنّ الظُّلم ظلمات يوم القيامة واتّقوا الشحّ

فإنّ الشحّ أهلك من كان قبلكم حملكم على أن سفكوا دماءهم واستحلوا محارمهم ظلم سے بچو کیونکہ قیامت کے روز ظلم تاریکیاں ہوں گے، شح سے بچو کیونکہ شح نے ان لوگوں کو ہلاک کر دیا جو تم سے پہلے تھے اس نے لوگوں کو برانگیختہ کیا کہ وہ اپنے خونوں کو بہائیں اور اپنی محارم کو حلال جانیں۔ ہم نے اس کی وضاحت سورۂ آل عمران کے آخر میں کی ہے۔ کسری نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا: انسان کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ چیز کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: فقر و تنگدستی۔ کسری نے کہا: شح فقر سے زیادہ نقصان دینے والی ہے کیونکہ فقیر جب کوئی چیز پاتا ہے تو سیر ہو جاتا ہے اور شحیح جب پاتا ہے تو کبھی بھی سیر نہیں ہوتا۔

وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

"اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے جو کہتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں بغض اہل ایمان کے لیے اے ہمارے رب! بے شک تو رؤف رحیم ہے"۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مراد تابعین اور قیامت تک اسلام میں داخل ہونے والے ہیں۔ ابن ابی لیلی نے کہا: لوگوں کے تین درجے ہیں (۱) مہاجرین (۲) انصار جن کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ۔ (۳) بعد کے مومنین جو قیامت تک آئیں گے جن کا ذکر وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ کے ساتھ کیا گیا ہے، اس لیے کوشش کرو کہ ان سے باہر نہ نکلو۔ کسی نے کہا: سورج بنو، اگر تم اس کی طاقت نہیں رکھتے تو چاند بنو، اگر یہ بھی طاقت نہیں رکھتے تو روشن ستارہ بنو۔ اگر تم یہ بھی طاقت نہیں رکھتے تو چھوٹا ستارہ بن جاؤ اور نور کی جہت ختم نہیں ہونی چاہئے۔ اس کا معنی ہے مہاجر ہی بن جاؤ۔ اگر تو کہے: میں تو ایسا موقع نہیں پاتا تو انصاری بن جاؤ اگر تم یہ بھی نہ پاؤ تو ان کے اعمال جیسے اعمال کرو، اگر یہ بھی طاقت نہ رکھو تو ان سے محبت کرو اور ان کے حق میں بخشش طلب کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھے حکم دیا ہے۔

حضرت مصعب بن سعد نے کہا: لوگوں کی تین منازل ہیں دو منزلیں گزر چکی ہیں اور ایک منزل باقی ہے جس پر تم ہو اس میں بہترین یہ ہے کہ جو منزل باقی ہے تم اسی منزل پر رہو۔

جعفر بن محمد بن علی اپنے باپ سے وہ اپنے دادا حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اس نے عرض کیا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے! آپ حضرت عثمان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ آپ نے اسے فرمایا: اے بھائی! تو اس قوم سے تعلق رکھتا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ اس نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: اگر تو اس آیت کا مصداق نہیں تو ان لوگوں سے تعلق رکھتا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ اس نے عرض کی: نہیں، فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تو تیسری آیت کا مصداق بھی نہ بنے تو تم اسلام سے خارج ہو جاؤ گے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا

الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہما اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ عراق کے چند لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم کو سب و شتم کیا پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھی برا بھلا کہا اور حد سے تجاوز کیا۔ آپ نے انہیں فرمایا: کیا تم مہاجرین اولین میں سے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں، پوچھا: کیا تم انصار میں سے ہو جنہوں نے دار ہجرت کو پہلے ہی ٹھکانہ بنایا ہوا تھا، انہوں نے کہا: نہیں، فرمایا: تم ان دونوں جماعتوں سے نہ ہونے کا اعلان کر چکے ہو۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی نہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے: وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ اٹھ جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل و رسوا کرے (1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت صحابہ کرام کی محبت کے وجوب پر دلیل ہے کیونکہ ان کے بعد جو لوگ بھی ہوں گے مال فئی میں ان کا حصہ اس صورت میں ہے جب تک وہ لوگ صحابہ کی محبت، ان کی حمایت اور بخشش طلب کرنے پر قائم رہیں گے جس نے ان سب کو گالیاں دیں یا ان میں سے ایک کو گالیاں دیں یا ان میں کسی شر کا اعتقاد رکھا تو مال فئی میں ان کا کوئی حق نہیں؛ یہی چیز امام مالک اور دوسرے علماء سے بھی مروی ہے۔ امام مالک نے کہا: جو آدمی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی سے بھی بغض رکھتا ہے یا اس کے دل میں ان کے بارے میں کوئی کینہ ہے تو مسلمانوں کے مال فئی میں ان کے لیے کوئی حصہ نہیں، پھر اس آیت کی تلاوت کی (2)۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علماء کے اقوال میں سے صحیح یہ ہے کہ منقولہ اموال کو تقسیم کر دیا جائے اور جائیداد اور زمین کو تمام مسلمانوں کی ضروریات کے لیے باقی رکھا جائے جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا مگر یہ کہ والی اجتہاد کرے، وہ امر نافذ کرے اور اس کا عمل اس میں جاری و ساری ہو جائے کیونکہ لوگوں کا اس میں اختلاف تھا یہ آیت اس بارے میں فیصلہ کرنیوالی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فئی کے بارے میں خبر دی اور اسے تین طائفوں کے لیے بنایا، مہاجرین، انصار یہ تو معلوم و مشہور ہیں، وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ یہ آیت تابعین اور ان کے بعد قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے عام ہے۔

حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان کی طرف تشریف لے گئے، فرمایا: السلام علیکم دار قوم مومنین و انا ان شاء اللہ بکم لاحقون وددتُ أن رأیت إخواننا، اے مومن قوم کے گھر (والو!) تم پر سلام ہو ہم ان شاء اللہ تمہیں لاحق ہونے والے ہیں میں پسند کرتا ہوں کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھوں۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم آپ کے بھائی نہیں؟ فرمایا: بلکہ تم میرے صحابہ ہو ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی نہیں آئے میں حوض پر پہلے جا کر ان کا انتظام کرنے والا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کیا کہ ان کے بھائی وہ ہیں جو ان کے بعد آئیں گے (3)۔ بات اس طرح نہیں جس طرح

1۔ المحرر الوجیز 2۔ احکام القرآن لابن العربی 3۔ ایضاً

سدی اور کلبی نے کہی کہ جنہوں نے اس کے بعد ہجرت کی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: وَ الَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ سے مراد ہے جس نے ہجرت کے ختم ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد کیا اور مدینہ آیا۔

مسئلہ نمبر 4۔ یَقُوْلُوْنَ حال ہونے کی حیثیت سے محل نصب میں ہے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ اس میں دو وجوہ ہیں۔ ا: انہیں حکم دیا گیا کہ اہل کتاب میں سے جو جو مومن اس امت سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کے لیے بخشش طلب کرو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: انہیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ وہ ان کے لیے بخشش کے طلب گار ہوں تو انہوں نے ان کو گالیاں دیں۔ انہیں حکم دیا گیا کہ وہ مہاجرین و انصار میں سے اولون ساتھیوں کے لیے بخشش طلب کریں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے لیے بخشش طلب کرنے کا حکم دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ انہیں آزمائش میں ڈالا جائیگا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تمہیں تو یہ حکم دیا گیا کہ تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے لیے بخشش طلب کرو تو تم نے انہیں گالیاں دیں۔ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''یہ امت ہلاک نہیں ہوگی یہاں تک کہ اس کے بعد والا پہلے والے کو لعنت کرے گا''۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو گالیاں دیتے ہیں تو کہو: اللہ تعالیٰ تم میں سے سب سے شریر پر لعنت کرے''۔ عوام بن حوشب نے کہا: میں نے اس امت کے متقدمین کو پایا وہ کہتے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے محاسن بیان کرو تاکہ تمہارے دل ان سے محبت کرنے لگیں اور ان کے درمیان جو تنازعات پیدا ہوئے ان کا ذکر نہ کرو کہ تم لوگوں کو بھی ایسی باتیں کرنے پر جری بنا دو گے۔ شعبی نے کہا: یہ یہودی اور نصاریٰ، رافضیوں پر ایک خصلت میں فضیلت رکھتے ہیں۔ یہودیوں سے پوچھا جائے: تمہاری ملت میں سے سب سے بہتر لوگ کون ہیں؟ وہ کہتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحابہ۔ نصاریٰ سے پوچھا جائے: تمہاری ملت میں سے سب سے بہتر لوگ کون ہیں؟ وہ جواب دیں گے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابہ۔ رافضیوں سے پوچھا جائے: تمہاری ملت میں سے سب سے برے کون ہیں؟ وہ کہیں گے: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ۔ لوگوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ ان کے لیے استغفار کریں تو رافضیوں نے انہیں برا بھلا کہا۔ قیامت تک ان پر تلوار سونتی جاتی رہے گی نہ ان کے لیے جھنڈا قائم ہوگا اور نہ ان کے قدم ثابت ہونگے اور نہ ان کی جمعیت اکٹھی ہو گی۔ جب وہ جنگ کی آگ بھڑکائیں گے اللہ تعالیٰ ان کے خون بہانے اور ان کی حجت کو پست کرنے کے ساتھ اسے بجھا دے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں گمراہ کن خواہشات سے محفوظ رکھے۔ غل سے مراد کینہ اور حسد ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَىٕنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَ لَا نُطِیْعُ فِیْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّ اِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

''کیا آپ نے منافقوں کی طرف نہیں دیکھا جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب میں سے کہ اگر تمہیں (یہاں سے) نکالا گیا تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ یہاں سے نکل جائیں گے اور ہم تمہارے

بارے میں کسی کی بات ہرگز نہیں مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں''۔

منافقوں نے یہودیوں کے ساتھ مدد کا جو وعدہ کیا اس سے یہودیوں کے دھوکہ کھانے پر تعجب کا اظہار کیا جا رہا ہے کیونکہ یہ منافق نہ کسی دین پر اعتقاد رکھتے ہیں اور نہ ہی کسی کتاب پر اعتقاد رکھتے ہیں ان منافقین میں سے عبد اللہ بن ابی سلول، عبد اللہ بن نبتل اور رفاعہ بن زید تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رافعہ بن تابوت اور اوس بن قیظی تھے۔ وہ انصار میں سے تھے لیکن انہوں نے منافقت کی اور بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودیوں سے کہا: لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قول بنو نضیر نے بنو قریظہ سے کیا تھا۔ اور وَ لَا نُطِیْعُ فِیْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا میں احد سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے یعنی ہم تمہارے ساتھ جنگ کرنے میں اس کی اطاعت نہیں کریں گے۔ اس میں علم غیب کی جہت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صحت پر دلیل موجود ہے کیونکہ یہودیوں کو نکالا گیا اور منافقین نہ نکلے ان کے ساتھ جنگ کی گئی اور منافقین نے ان کی مدد نہ کی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ وہ اپنے قول و فعل میں جھوٹے ہیں۔

لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا یَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَ لَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا یَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَ لَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَیُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ ۝

''(سن لو) اگر یہودیوں کو نکالا گیا تو یہ نہیں نکلیں گے ان کے ساتھ اور اگر ان کے ساتھ جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر (جی کڑا کر کے) انہوں نے ان کی مدد کی تو یقیناً پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی''۔

یعنی وہ شکست کھا کر پیٹھ پھیر جائیں گے پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ خوشی خوشی ان کی مدد نہ کریں گے۔ اگر وہ مجبوراً مدد کریں بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ ان کی ہمیشہ مدد نہیں کریں گے۔ یہ تعبیر اس وقت ہوگی جب دونوں ضمیروں کا مصداق ایک ہو۔ اگر مصداق مختلف ہو تو اس کا معنی ہے اگر یہودیوں نے منافقین کی مدد کی تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا یَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اگر یہودیوں کو نکالا گیا تو منافق ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے۔ وَ لَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا یَنْصُرُوْنَهُمْ اور اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بھی تھا کہ اگر ان سے قتال کیا گیا ہے تو منافق ان کی مدد نہ کریں گے۔ پھر فرمایا: لَیُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ تو یہ گفتگو اس انداز میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الانعام: 28) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی یہ ہے وَ لَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ یعنی اگر ہم چاہیں کہ وہ ان کی مدد کریں تو یہ امر ہم ان کے لیے مزین کر دیں گے لَیُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ۔

لَاَانْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ۝

''اے فرزندان اسلام! ان (یہودیوں) کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ تمہارا ڈر ہے، یہ اس لیے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں''۔

لَاَنْتُمْ یعنی اے مسلمانوں کی جماعت! اَشَدُّ رَهْبَةً فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ تم بنونضیر کے سینوں میں اللہ تعالیٰ کی نسبت زیادہ ہیبت والے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: منافقین کے سینوں میں تم زیادہ ہیبت والے ہو۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ ھم ضمیر دونوں جماعتوں کے لیے ہو یعنی یہ دونوں طبقات اللہ تعالیٰ کی نسبت تم سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ۝ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت کی قدر نہیں سمجھتے۔

لَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِیْعًا اِلَّا فِیْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَیْنَهُمْ شَدِیْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِیْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ۝

''(یہ بڑے بزدل ہیں) کبھی اکٹھے ہو کر (کھلے میدان میں) تم سے جنگ نہیں کریں گے جنگ کریں گے تو قلعہ بند بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ لے کر ان کا اختلاف آپس میں بہت سخت ہے تم انہیں متحد خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں یہ اس لیے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں''۔

لَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِیْعًا واؤ ضمیر سے مراد یہودی ہیں۔ اِلَّا فِیْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ وہ دیواروں اور گھروں کی اوٹوں میں رہتے ہوئے تم سے جنگ کریں گے وہ گمان کرتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں انہیں تم سے محفوظ رکھیں گی۔ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ یا دیواروں کے پیچھے سے وہ بزدلی اور خوف کی وجہ سے ان کے پیچھے چھپے ہیں۔ عام قراءت جُدُرٍ ہے جو جمع کا صیغہ ہے؛ یہ ابوعبیدہ اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: فِیْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ کی طرح ہے۔ اور قری جمع کا صیغہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ابن کثیر، ابن محیصن اور ابوعمرو نے جدار واحد کا صیغہ پڑھا ہے۔ مکہ کے ایک قاری نے اسے جدر پڑھا ہے یہ بھی جدار میں ایک لغت ہے یہ بھی جائز ہے کہ اس کا معنی ہو وہ اپنے باغوں اور درختوں کی اوٹ سے لڑیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اجدر النخل جب موسم بہار میں کھجور کی کونپلیں پھوٹیں جدر سے مراد بوٹی ہے اس کی واحد جدرۃ ہے اسے جدر پڑھا گیا ہے۔ جو جدار کی جمع ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کے واحد میں الف اس طرح ہو جس طرح کتاب میں الف ہے اور جمع میں الف اس طرح ہے جس طرح ظراف میں الف ہے۔ اس کی نقل ناقة هَجانٌ ونُوقٌ هِجَانٌ ہے کیونکہ تثنیہ میں ھجانان ہے پھر واحد اور جمع کا لفظ لفظاً ایک دوسرے کے مشابہ اور معنی میں مختلف ہیں؛ یہ ابن جنی نے قول کیا ہے۔

بَاْسُهُمْ بَیْنَهُمْ شَدِیْدٌ یعنی ان کی ایک دوسرے کے حق میں عداوت شدید ہے۔ مجاہد نے کہا: معنی ہے وہ سخت گفتگو کرتے ہیں اور یوں دھمکیاں دیتے ہیں: لنفعلن کذا سدی نے کہا: مراد ان کے دلوں کا اختلاف ہے وہ ایک امر پر متفق نہیں ہوتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب دشمن سے ملاقات نہیں ہوتی تو وہ اپنے آپ کو شدت اور باس کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن جب دشمن سے ملاقات ہوتی تو شکست کھا جاتے ہیں۔

تَحْسَبُهُمْ جَمِیْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى مراد یہود و منافقین ہیں؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ مراد منافقین ہیں۔ ثوری نے کہا: مراد مشرک اور اہل کتاب ہیں۔ قتادہ نے کہا: تم ان کے بارے میں گمان کرو گے کہ وہ ایک امر اور رائے پر مجتمع ہیں جبکہ ان کے دل مختلف ہیں۔ اہل باطل کی آراء مختلف ہیں ان کی شہادتیں مختلف ہیں، ان کی خواہشات مختلف ہیں اور

وہ اہل حق کی عداوت میں مجتمع ہیں۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: یہ ارادہ کیا کہ منافقین کا دین، یہودیوں کے دین کے خلاف ہے۔ یہ اس لیے واضح کیا تا کہ ان کے خلاف مومنوں کے دل قوی ہو جائیں؛ شاعر نے کہا:

هي اليوم شَتَّى و هي أمس جُمَّعٌ

وہ آج مختلف ہے اور وہ کل مجتمع تھی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں وقلوبهم اشت ہے یعنی ان کے دل اختلاف میں بہت شدید ہیں۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ۝ ان میں یہ اختلاف اور کفر اس وجہ سے ہے کہ وہ عقل نہیں رکھتے، اس کی مدد سے اللہ تعالیٰ کے امر کو نہیں سمجھتے۔

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝

''یہ ان لوگوں کی مانند ہیں جو ان سے پہلے ابھی ابھی اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھ چکے ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد بنوقینقاع ہیں۔ قتادہ نے کہا: مراد بنونضیر ہیں (1)۔ بنوقریظہ سے قبل اللہ تعالیٰ نے ان پر قدرت عطا فرمائی۔ مجاہد نے کہا: غزوہ بدر کے موقع پر قریش کے کفار مراد ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ ہر اس قوم کے بارے میں ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بنونضیر سے قبل اس کے کفر کی وجہ سے انتقام لیا۔ وبال کا معنی ان کے کفر کی جزا ہے۔ جس نے کہا: وہ بنوقریظہ ہیں تو اس نے وَبَالَ اَمْرِهِمْ کی تعبیر ان کے بارے میں حضرت سعد بن معاذ کے حکم پر اپنے قلعوں سے نیچے آنا ہے۔ حضرت سعد بن معاذ نے ان کے جنگجو افراد کو قتل کرنے اور ان کے بچوں کو قیدی بنا لینے کا حکم دیا؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ جس نے کہا: مراد بنونضیر ہیں اس نے کہا: وبال سے مراد ان کی جلاوطنی ہے، بنونضیر اور بنوقریظہ کے واقعہ کے درمیان دو سال کا عرصہ حائل تھا۔ غزوہ بدر کا واقعہ غزوہ بنونضیر سے چھ ماہ پہلے ہوا تھا؛ اسی وجہ سے فرمایا: قَرِيْبًا ایک قوم کا کہنا ہے کہ بنونضیر کا واقعہ غزوہ احد کے بعد ہوا تھا۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝ آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۝ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ۝

''منافقین اور یہود کی مثال شیطان کی سی ہے جو (پہلے) انسان کو کہتا ہے: انکار کر دے، اور جب وہ انکار کر دیتا ہے تو شیطان کہتا ہے: میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب العالمین ہے۔ پھر ان دونوں

1۔ تفسیر بغوی

(شیطان اور اس کے چیلے) کا انجام یہ ہوگا کہ دونوں آگ میں ڈالے جائیں گے اس میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے اور یہی ظالموں کی جزا ہے''۔

کَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اکْفُرْ یہ منافقوں اور یہودیوں کے لیے ضرب المثل ہے کہ وہ بے یارومددگار چھوڑ دیتے ہیں اور مدد کے وعدہ کو پورا نہیں کرتے (1)۔ حرف عطف کو حذف کیا کمثل الشیطان نہیں کہا کیونکہ حرف عطف اکثر حذف ہوتا ہے جس طرح تو کہتا ہے: انت عاقل . انت کریم . انت عالم۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ انسان جسے شیطان نے کہا تھا تو کفر کر وہ ایک راہب تھا اس کے ہاں ایک عورت چھوڑ دی گئی جس کو سایہ کا مرض تھا تا کہ وہ اس کے حق میں دعا کرے۔ شیطان نے اس راہب کے لیے اس عمل کو مزین کیا تو راہب نے اس عورت سے وطی کی تو وہ عورت حاملہ ہوگئی پھر شرمندگی سے بچنے کے لیے اس عورت کو قتل کر دیا۔ شیطان نے اس کی قوم کو اس عورت کی میت کی جگہ سے آگاہ کر دیا، وہ لوگ آئے انہوں نے راہب کو نیچے اتارا تا کہ اسے قتل کریں۔ شیطان اس راہب کے پاس آیا اور اس سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اسے سجدہ کرے تو وہ لوگوں سے اسے بچا لے گا۔ اس راہب نے اس کے سامنے سجدہ کیا تو شیطان نے اس سے براءت کا اظہار کر دیا اور اسے ان کے سپرد کر دیا''۔ اس روایت کو اسماعیل اور علی بن مدینی نے سفیان بن عیینہ سے وہ عمرو بن دینار سے وہ عروہ بن عامر سے وہ حضرت عبید بن رفاعہ زرقی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور وہب بن منبہ نے تفصیلاً ذکر کیا ہے، الفاظ مختلف ہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ راہب فترہ کے دور میں تھا جسے برصیصا کہتے۔ اس نے اپنی عبادت گاہ میں ستر سال تک عبادت کی اس عرصہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کی یہاں تک کہ اس نے ابلیس کو بھی بے بس کر دیا۔ ابلیس نے سرکش شیاطین کو جمع کیا اس نے کہا: کیا میں تم میں سے ایک بھی ایسا نہیں پاتا جو برصیصا کے معاملہ میں مجھے کافی ہو؟ ابیض نے کہا: جو انبیاء کو آزمائش میں ڈالنے کی کوشش کرتا یہی وہ شیطان تھا جس نے جبریل امین کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی تا کہ وحی کی صورت میں وسوسہ اندازی کرے۔ حضرت جبریل امین حاضر ہو گئے اور دونوں کے درمیان آ گئے پھر اس شیطان کو ہاتھ سے دھکا دیا یہاں تک کہ وہ ہند کے دور دراز علاقہ میں جا پڑا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ ۝ (التکویر) میں اسی قوت کی طرف اشارہ ہے۔ ابیض نے کہا: میں اس راہب کو تیری طرف سے کافی ہوں، وہ گیا راہبوں کا لباس پہنا، سر کے درمیان سے حلق کرایا یہاں تک کہ برصیصاء کی عبادت گاہ کے پاس آیا۔ ابیض نے برصیصاء کو ندا دی تو برصیصاء نے اس ابیض شیطان کو کوئی جواب نہ دیا وہ اپنی عبادت میں وقفہ نہیں کرتا تھا مگر دس دنوں میں سے ایک دن وقفہ کرتا اور دس دنوں میں سے ایک دن روزہ افطار کرتا۔ وہ دس دن، بیس دن اور اس سے زیادہ دن صوم وصال رکھتا۔ جب ابیض نے یہ دیکھا کہ وہ اسے کوئی جواب نہیں دے رہا تو وہ بھی برصیصاء کی عبادت گاہ کے نیچے والے حصہ میں عبادت کرنے لگا جس روز برصیصا نے نماز میں وقفہ کیا تو اس نے ابیض کو دیکھا کہ وہ کھڑے ہو کر عبادت کر رہا

1۔ تفسیر بغوی

ہے اور راہبوں کی بہت ہی اچھی حالت میں ایسا کر رہا ہے تو اس نے اس امر پر شرمندگی کا اظہار کیا کہ اس نے اسے اس وقت کوئی جواب نہ دیا تھا جب اس نے اسے بلایا تھا۔ برصیصاء نے پوچھا: تیرا کیا کام ہے؟ ابیض نے کہا: میں تیرے ساتھ رہنا چاہتا ہوں اور تیرے ادب سے ادب سیکھنا چاہتا ہوں اور تیرے عمل سے اقتساب فیض کرنا چاہتا ہوں اور ہم اکٹھے عبادت کریں گے۔ برصیصاء نے کہا: میں تجھ سے اعراض کرنے والا ہوں۔ پھر اپنی عبادت کی طرف متوجہ ہو گیا اور ابیض بھی نماز کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جب برصیصاء نے اس کی سخت محنت اور عبادت کو دیکھا تو پوچھا: تیرا کیا کام ہے؟ ابیض نے کہا: تو مجھے اجازت دے کہ میں تیرے پاس اوپر آ جاؤں۔ برصیصاء نے اسے اجازت دے دی۔ ابیض اس کے ساتھ ایک سال تک رہا۔ وہ چالیس دنوں میں صرف ایک روز افطار کیا کرتا تھا اور چالیس دنوں میں عبادت میں ایک دن وقفہ کیا کرتا تھا۔ بعض اوقات وہ اس عرصہ کو چالیس روز تک بڑھا دیتا۔ جب برصیصاء نے اس کی محنت کو دیکھا تو اسے اس کے مقابلہ میں اپنا عمل تھوڑا محسوس ہوا۔ پھر ابیض نے کہا: میرے پاس ایسی دعائیں ہیں اللہ تعالیٰ جن کے ذریعے بیمار، ابتلاء زدہ اور مجنون کو شفا عطا فرماتا ہے اور وہ دعائیں برصیصاء کو سکھا دیں۔ پھر ابلیس کے پاس آ گیا۔ اس سے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس آدمی کو ہلاک کر دیا ہے۔ پھر ایک آدمی سے آمنا سامنا ہوا، اس کا گلا دبایا پھر اس کے گھر والوں سے کہا جب کہ ان کے پاس ایک انسان کی شکل میں آیا: تمہارے ساتھی کو جنون کا مرض ہے کیا میں اس کا علاج کروں؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: جنیہ پر میرا کوئی اختیار نہیں بلکہ تم اسے برصیصاء کے پاس لے جاؤ۔ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے جب اس کے واسطہ سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ عطا کر دیتا ہے اور جب اس کے واسطہ سے دعا کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ وہ دعا قبول کرتا ہے۔ لوگ برصیصاء کے پاس آئے تو شیطان اس آدمی کے پاس سے چلا گیا پھر ابیض لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ کرتا اور برصیصاء کی طرف ان کی راہنمائی کرتا اور لوگ اس مصیبت سے نجات پا جاتے۔ پھر وہ بادشاہ کی بیٹیوں میں سے ایک بیٹی تک جا پہنچا جس کے تین بھائی تھے ان کا باپ بادشاہ تھا، وہ خود مر گیا اور اپنے بھائی کو اپنا نائب بنایا ان کا چچا بنی اسرائیل میں بادشاہ تھا۔ ابیض نے اس بچی کو بڑی تکلیف دی اور اس کا گلہ دبایا پھر ایک معالج کی حیثیت سے ان کے پاس آیا تاکہ اس کا علاج کرے، پھر کہا: اس کا شیطان بہت ہی سرکش ہے وہ قابو آنے والا نہیں بلکہ اسے برصیصاء کی طرف لے جاؤ اور اس کے پاس چھوڑ آؤ۔ جب اس کا شیطان آئے گا، برصیصاء اس کے حق میں دعا کرے گا تو وہ لڑکی ٹھیک ہو جائے گی۔ لوگوں نے کہا: برصیصاء ہماری اس بات کو تو قبول نہیں کرتا۔ ابیض نے کہا: اس کی عبادت گاہ کے قریب ایک اور مینارہ بنا دو۔ پھر اس میں اس بچی کو رکھ آؤ اور اسے کہہ آؤ: یہ تیرے پاس امانت ہے اس کا خیال رکھنا۔ لوگوں نے برصیصاء سے پوچھا: اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ لوگوں نے اس طرح کی عبادت گاہ بنائی اور لڑکی کو وہاں ہی چھوڑ آئے۔ جب وہ اپنی عبادت سے فارغ ہوا اس نے اس لڑکی اور اس کے جمال کو دیکھا تو اس کے ہاتھ میں جو کچھ تھا وہ نیچے گر گیا۔ شیطان اس بچی کے پاس آیا اور اس کے گلے کو دبایا، اس نے عبادت میں وقفہ کیا، اس کے حق میں دعا کی تو شیطان اس کے پاس سے چلا گیا۔ پھر وہ نماز کی طرف متوجہ ہو گیا۔ شیطان اس کے پاس پھر آیا اور اس کا گلہ دبایا۔ شیطان اس کے ستر سے پردے کو ہٹاتا اور برصیصاء کے سامنے کرتا پھر برصیصا کے پاس

شیطان آیا اور کہا: تو ہلاک ہو، اس سے لطف اٹھا تو اس کی مثل کوئی عورت نہیں پائے گا، پھر توبہ کر لینا۔ شیطان لگا تار اس کے پاس آتا رہا یہاں تک کہ اس نے اس لڑکی سے بدکاری کی وہ لڑکی حاملہ ہوگئی اور اس کا حمل ظاہر ہو گیا۔ شیطان نے اسے کہا: تو ہلاک ہو! تو تو رسوا ہو گیا۔ کیا تیرے لیے ممکن ہے کہ تو اس کو قتل کرے پھر تو توبہ کر لے اور رسوا نہ ہو۔ اگر لوگ تیرے پاس آئیں اور تجھ سے سوال کریں تو کہہ دینا: اس کا شیطان اس کے پاس آیا تھا اور اسے لے گیا ہے۔ برصیصاء نے اسے قتل کر دیا اور رات کے وقت دفن کر دیا۔ شیطان نے اس لڑکی کے کپڑوں کی ایک جانب کو پکڑ لیا یہاں تک کہ مٹی میں سے باہر نکال دیا اور برصیصا اپنی عبادت گاہ کی طرف واپس لوٹ آیا۔ پھر شیطان خواب میں اس کے بھائیوں کے پاس آیا اور کہا: برصیصاء نے تمہاری بہن کے ساتھ یہ عمل کیا ہے پھر اسے قتل کیا اور فلاں فلاں پہاڑ میں اسے دفن کیا ہے۔ انہوں نے اس امر کو عجیب وغریب جانا۔ انہوں نے برصیصاء سے پوچھا: تو نے ہماری بہن کے ساتھ کیا کیا؟ اس نے جواب دیا: اس کا شیطان اسے لے گیا۔ انہوں نے برصیصا کی تصدیق کی اور واپس چلے گئے۔ شیطان پھر ان کے پاس نیند میں آیا، اس نے کہا: وہ تو فلاں فلاں جگہ مدفون ہے اور اس کی چادر کی ایک جانب مٹی سے باہر ہے۔ وہ لوگ اس جگہ گئے اور اسے اس طرح پایا۔ انہوں نے برصیصاء کی عبادت گاہ کو گرا دیا، اسے نیچے اتارا اور اس کا گلا دبا دیا اور اسے بادشاہ کے پاس لے آئے۔ برصیصاء نے اپنے خلاف اقرار کر لیا۔ بادشاہ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ جب برصیصاء کو سولی پر لٹکایا گیا تو شیطان نے کہا: کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! کہا: میں وہی تیرا ساتھی ہوں جس نے تجھے دعائیں سکھائی تھیں۔ کہا: تو اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرا، کیا تجھے حیا نہ آئی جبکہ تو بنی اسرائیل میں سے سب سے زیادہ عبادت گزار تھا۔ پھر تیرا عمل تجھے کافی نہ ہوا یہاں تک کہ تو نے اپنے آپ کو ذلیل ورسوا کر لیا اور اپنے خلاف اقرار کر لیا اور اپنے جیسے لوگوں کو بھی ذلیل ورسوا کر دیا۔ اگر تو اسی طرح مر گیا تو تیرے بعد تجھ جیسے افراد میں سے کوئی کبھی بھی کامیاب نہیں ہوگا۔ برصیصا نے پوچھا: میں کیا کروں؟ اس نے کہا: تو میری ایک بات مان میں تمہیں ان سب سے نجات دلا دوں گا اور ان کی آنکھیں سلب کر لوں گا۔ برصیصا نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ ابلیس نے کہا: تو مجھے ایک سجدہ کر۔ اس نے کہا: میں ایسا کرتا ہوں۔ برصیصا نے اللہ تعالیٰ کی بجائے اسے سجدہ کیا۔ ابلیس نے کہا: اے برصیصا! میں نے تجھ سے اسی کا ارادہ کیا تیرا انجام یہ ہوا کہ تو نے اپنے رب کا انکار کر دیا، میں تجھ سے بری ہوں، میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں (1)۔

وہب بن منبہ نے کہا: بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار تھا وہ اپنے زمانہ کا سب سے زیادہ عبادت گزار تھا اس کے زمانہ میں تین بھائی تھے اور ان کی ایک بہن تھی۔ وہ نوجوان بچی تھی، اس کی کوئی اور بہن نہیں تھی۔ تینوں کو ایک فوجی مہم پر جانا پڑا وہ نہیں جانتے تھے کہ اپنی بہن کو کس کے پاس چھوڑ جائیں؟ وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کس کے پاس محفوظ رہے گی اور کس کے پاس سے اسے ضائع کر بیٹھیں گے؟ ان کی رائے اس پر متفق ہوئی کہ وہ اسے بنی اسرائیل کے ایک عبادت گزار کے پاس چھوڑ جائیں انہیں اس پر اعتماد تھا وہ اس کے پاس آئے اور اس سے پوچھا کہ وہ اپنی بہن کو اس کے پاس چھوڑ جائیں، وہ اس کی عبادت گاہ اور پناہ میں رہے گی یہاں تک کہ وہ جنگ سے واپس آ جائیں۔ اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا ان سے اور ان

1۔ تفسیر بغوی

کی بہن سے اللہ کی پناہ چاہی وہ لگا تار اس سے مطالبہ کرتے رہے یہاں تک کہ اس نے ان کی بات مان لی۔ اس نے کہا: میری عبادت گاہ کے سامنے والے کمرے میں اسے ٹھہرا جاؤ۔ انہوں نے اسے اس کمرہ میں ٹھہرا دیا پھر وہ چلے گئے اور اسے وہاں چھوڑ دیا۔ وہ ایک زمانہ تک اس عبادت گزار کی پناہ گاہ میں رہی وہ اپنی عبادت گاہ سے اس کے لیے کھانا لاتا، اسے عبادت گاہ کے دروازہ پر رکھتا پھر دروازہ بند کر دیتا اور اپنی عبادت گاہ پر چلا جاتا، پھر اسے حکم دیتا وہ اپنے کمرے سے نکلتی تو اس کے لیے جو کھانا رکھا ہوتا اسے لے لیتی۔ شیطان نے اس کے ساتھ لطیف حیلہ کیا وہ اسے بھلائی کی رغبت دلاتا اور بچی کے لیے دن کے وقت گھر سے نکلنے کو بہت برا خیال کرتا اور اسے ڈراتا کہ کوئی اسے دیکھ ہی نہ لے اور اس کی محبت میں گرفتار نہ ہو جائے۔ وہ ایک زمانہ تک اسی خیال میں رہا۔ پھر ابلیس اس کے پاس آیا، اسے بھلائی اور اجر میں رغبت دلائی اسے کہا: اگر تو خود اس کی طرف کھانا لے جائے یہاں تک کہ تو خود کھانا اس کے کمرے میں رکھ آئے تو یہ تیرے لیے بڑے اجر کا باعث ہو گا۔ وہ اسی طرح رہا یہاں تک کہ کھانا اس کے کمرے تک لے گیا اور کھانا اس کے کمرے میں رکھ آیا۔ وہ کافی عرصہ سے یہی کام کرتا رہا پھر اس کے پاس ابلیس آیا، اسے بھلائی کی طرف رغبت دلائی اور اسے اس پر برانگیختہ کیا اور کہا: اگر تو اس کے ساتھ کلام کرتا اور وہ تیری گفتگو سے مانوس ہوتی کیونکہ اسے سخت تنہائی کا سامنا ہے۔ وہ اس طرح کرتا رہا وہ اپنی عبادت گاہ سے اس پر جھانکتا پھر ابلیس اس کے پاس آیا کاش! تو اس کی طرف اترتا تو اپنی عبادت گاہ کے دروازہ پر بیٹھتا اور تو اس سے بات کرتا اور وہ اپنے کمرے کے دروازے پر بیٹھتی تو یہ اس کے لیے زیادہ انس کا باعث ہوتا۔ وہ اس طرح باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ اسے نیچے اتارا اور اسے اپنی عبادت گاہ کے دروازہ پر لا بٹھایا وہ اس لڑکی کے ساتھ باتیں کرتا، وہ لڑکی اپنے کمرے سے نکلتی وہ طویل عرصہ تک اسی طرح باتیں کرتے رہے، پھر ابلیس اس کے پاس آیا، اسے خیر و ثواب کی رغبت دلائی جو وہ اس لڑکی کے ساتھ حسن عمل کر سکتا تھا اور کہا: اگر تو اپنی عبادت گاہ کے دروازہ سے نکلے اور اس لڑکی کے کمرہ کے دروازہ کے قریب بیٹھے تو وہ اس کے لیے زیادہ انس کا باعث ہوگا، وہ اسی طرح راغب کرتا رہا یہاں تک کہ اس عبادت گزار نے یہ عمل بھی کیا۔ وہ طویل عرصہ تک اسی طرح رہے۔ پھر ابلیس اس کے پاس آیا، اسے بھلائی کی رغبت دلائی اور جو وہ احسان اس لڑکی کے ساتھ کر رہا ہے اس کے حسن ثواب کا ذکر کیا اور اس سے کہا: اگر تو اس کے کمرے کے دروازے کے قریب چلا جائے اور وہ اپنے کمرے سے نہ نکلے۔ اس عبادت گزار نے اسی طرح کیا وہ اپنی عبادت گاہ سے نیچے اترتا اس کے کمرے کے دروازے پر بیٹھتا اور اس سے باتیں کرتا۔ وہ دونوں اسی حالت میں رہے اس کے پاس پھر ابلیس آیا کہا: اگر تو اس کے کمرے میں داخل ہو اور اس سے باتیں کرے اور وہ لڑکی کسی کے لیے بھی اپنا چہرہ ظاہر نہ کرے تو یہ تیرے لیے زیادہ بہتر ہے۔ وہ اسی طرح وسوسہ ڈالتا رہا یہاں تک کہ وہ گھر میں داخل ہو گیا، وہ سارا سارا دن اس سے باتیں کرتا رہا، جب شام ہوتی وہ اپنی عبادت گاہ میں چلا جاتا۔ پھر ابلیس اس کے پاس آیا وہ لگا تار اس لڑکی کو اس کے سامنے مزین کر کے پیش کرتا یہاں تک کہ عبادت گزار نے اس کی ران پر ہاتھ مارا اور اس کا بوسہ لیا۔ ابلیس لگا تار اسے مزین کر کے پیش کرتا رہا اور ورغلاتا رہا یہاں تک کہ اس عبادت گزار نے اس کے ساتھ بدکاری کی اور اس لڑکی کو حمل ہو گیا تو اس کا لڑکا پیدا ہو گیا۔ ابلیس اس کے پاس آیا اسے کہا: بتا اگر اس لڑکی کے بھائی

تیرے پاس آئے جبکہ اس لڑکی نے تجھ سے یہ بچہ جنا ہے تو تو کیا کرے گا؟ مجھے تو خوف ہے کہ تو رسوا ہو جائے گا۔ اس کے بیٹے کی طرف اٹھو اسے ذبح کر دو اور اسے دفن کر دو۔ یہ اپنے بھائیوں کے ڈر سے تیرا راز مخفی رکھے گی کہ جو کچھ تو نے اس کے ساتھ کیا ہے وہ اس پر مطلع ہوں۔ اس نے اسی طرح کیا، پھر اسے کہا: کیا تیرا خیال ہے کہ یہ اس راز کو اپنے بھائیوں سے مخفی رکھے گی جو تو نے اس کے ساتھ کیا اور اس کے بیٹے کو قتل کیا؟ اسے پکڑ لے اسے ذبح کر دے اور اس کے بیٹے کے ساتھ اسے بھی دفن کر دے۔ شیطان لگا تار اسے ورغلاتا رہا یہاں تک کہ اسے بھی ذبح کر دیا اور اس کے بیٹے کے ساتھ اسے گڑھے میں پھینک دیا اور اس پر بہت بڑی چٹان ڈال دی اور اپنے گرجے میں عبادت کرنے لگا۔ وہ اس میں اس طرح رہا جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ رہے یہاں تک کہ اس کے بھائی جنگ سے واپس آئے وہ اس کے پاس آئے اور اس کے بارے میں سوال کیا۔ راہب نے اس کی خبر دی اور اس کے لیے دعا کی اور ان کے لیے رویا اور کہا: وہ بہت اچھی بچی تھی، یہ اس کی قبر ہے اسے دیکھ لو۔ بھائی قبر پر آئے اور اس کی قبر پر روئے اور اس کے لیے رحم کی دعا کی، چند روز اس کے قبر پر رہے پھر اپنے گھر چلے گئے۔ جب رات تاریک ہو گئی اور اپنے بستروں پر سوئے تو شیطان ان کے پاس ایک مسافر کی صورت میں آیا۔ ان میں سے بڑے سے ان کی بہن کے بارے میں پوچھا۔ اس نے عابد کے قول، اس کی موت اور دعا کے بارے میں بتایا اور جس طرح اس نے انہیں قبر دکھائی سب کا ذکر کیا۔ شیطان نے اسے جھٹلایا، کہا: اس نے تم سے تمہاری بہن کے بارے میں سچ نہیں بولا۔ اس نے تمہاری بہن کو حاملہ کیا اور اس کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا اس نے بچے اور اس لڑکی کو ذبح کیا اور ایک گڑھے میں پھینک دیا جو اس نے اس دروازہ کے پیچھے بنایا تھا جو آدمی اس دروازہ سے داخل ہوتا ہے اس کی دائیں جانب یہ گڑھا ہے۔ تم چلو اور دروازے سے داخل ہو جاؤ وہ گڑھا اس آدمی کی دائیں جانب ہوگا جو آدمی اس میں داخل ہوتا ہے، میں نے جو کچھ تمہیں بتایا ہے تم وہاں سب کچھ پالو گے۔ وہ درمیانے کو خواب میں آیا اور اسے اس طرح بتایا پھر سب سے چھوٹے کے پاس آیا اسے بھی اس کی مثل بتایا۔ جب وہ سارے اٹھے تو ان میں سے ہر ایک نے جو خواب دیکھا تھا اس پر متعجب ہوا وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوا۔ ان میں سے ہر ایک یہ کہہ رہا تھا: میں نے عجیب و غریب خواب دیکھا ہے اور ہر ایک نے جو خواب دیکھا تھا اس کا ذکر کیا۔ ان میں سے سب سے بڑے نے کہا: یہ خواب پریشان ہے یہ کوئی چیز نہیں چلو اور اس کو چھوڑ دو۔ ان میں سے سب سے چھوٹے نے کہا: میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک اس جگہ کو نہ دیکھ لوں۔ وہ سب گئے یہاں تک کہ اس کمرے میں داخل ہوئے جس میں ان کی بہن رہتی تھی انہوں نے دروازہ کھولا، انہوں نے اس جگہ کو کھودا جو خواب میں ان کے لیے بیان کی گئی تھی انہوں نے اپنی بہن اور اس کے بیٹے کو ذبح شدہ پایا وہ دونوں اس گڑھے میں تھے جس طرح ان کے لیے بیان کیا گیا تھا انہوں نے اس عبادت گزار سے پوچھا تو اس نے ابلیس کے قول کی تصدیق کر دی کہ اس نے ان دونوں کے ساتھ وہی سلوک کیا تھا۔ انہوں نے اپنے حاکم سے اس عبادت گزار کے خلاف مدد طلب کی اسے اس کے گرجا سے اتارا گیا اور وہ اسے لے گئے تاکہ اسے سولی پر لٹکایا جائے۔ جب انہوں نے اسے سولی پر کھڑا کیا تو شیطان اس کے پاس آیا اور اسے کہا: تو جانتا ہے میں وہی تیرا ساتھی ہوں میں نے تجھے اس عورت کے بارے میں فتنہ میں ڈالا یہاں تک کہ تو نے

اسے حاملہ کردیا، تونے اس کو ذبح کیا اور اس کے بیٹے کو ذبح کیا اگر تو آج میری اطاعت کرے اور جس اللہ نے تجھے پیدا کیا ہے اس کا انکار کردے تو تو جس مصیبت میں ہے میں تجھے اس سے نجات عطا کردوں گا۔ اس عبادت گزار نے اللہ تعالیٰ کا انکار کردیا۔ جب اس نے کفر کرلیا تو شیطان اس کے اور اس کے ساتھیوں کے درمیان سے ہٹ گیا اور انہوں نے اسے سولی پر لٹکا دیا، کہا: اسی بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے منافقین کے یہودیوں کے ساتھ رویہ کی مثال بیان کی ہے۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ بنونضیر کو مدینہ طیبہ سے جلاوطن کرے گا منافقین نے انہیں پیغام بھیجا کہ تم اپنے گھروں سے نہ نکلو اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کریں گے تو ہم تمہارے ساتھ ہونگے اور اگر وہ تمہیں گھروں سے نکالیں گے تو ہم تمہارے ساتھ ہونگے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کی تو منافقوں نے انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ منافقوں نے ان سے یوں براءت کا اظہار کردیا جس طرح شیطان نے برصیصا عابد سے براءت کا اظہار کیا تھا۔ اس کے بعد راہب تقیہ اور خفیہ انداز کو اپناتے فاسقوں اور فاجروں نے راہبوں پر تہمتیں لگائیں یہاں تک کہ جریج راہب کا واقعہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے اسے بری کیا۔ اس کے بعد راہب پھیل گئے اور لوگوں کے لیے ظاہر ہوئے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے (1): منافقوں کو بنونضیر کے ساتھ دھوکہ کی مثال اس طرح ہے جس طرح ابلیس کی مثال ہے جب اس نے قریش کے کفار کو کہا۔ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ إِنِّي جَارٌ لَّكُمْ (الانفال: 48) مجاہد نے کہا: یہاں انسان سے مراد تمام لوگ ہیں جن کو شیطان دھوکہ میں ڈالتا ہے۔ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ کا معنی ہے یعنی اسے گمراہ کیا یہاں تک کہ اس انسان نے کہہ دیا کہ میں کافر ہوں شیطان کا قول اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ حقیقی معنی پر نہیں یہ صرف انسان سے براءت کے اظہار کے سلیقہ پر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ کی تاکید کے طریقہ پر ہے (2)۔ اِنِّیْ کی یاء کو نافع، ابن کثیر اور ابو عمرو نے فتحہ دیا ہے اور باقی نے اسے ساکن قرار دیا ہے۔

فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَاۤ اَنَّهُمَا فِی النَّارِ خَالِدَیْنِ فِیْهَا شیطان اور اس انسان کی عاقبت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے خَالِدَیْنِ حال ہونے کی حیثیت میں منصوب ہے۔ جس نے آیت کو راہب اور شیطان میں خاص کیا ہے اس میں تو تثنیہ ظاہر ہے جس نے اسے جنس کے لیے بنایا ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا دونوں فریقوں اور دونوں صنفوں کا انجام عَاقِبَتَهُمَاۤ کی نصب کان کی خبر ہونے کی وجہ سے ہوگی۔ کان کا اسم اَنَّهُمَا فِی النَّارِ ہے۔ حضرت حسن بصری نے فَكَانَ عَاقِبَتُهُمَاۤ رفع کے ساتھ پڑھا ہے تو یہ پہلے کی ضد ہے۔ اعمش نے خالدان فیہا رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس کا رفع اس صورت میں ہوگا کہ یہ انکی خبر ہے اور ظرف لغو ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۸

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 27 2۔ ایضاً

''اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے کل کے لیے اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے جو تم کرتے ہو''۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اس کے اوامر، نواہی، فرائض کی ادائیگی اور معاصی سے اجتناب میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ غد سے مراد یوم قیامت ہے۔ عرب زمانہ مستقبل کو غد سے کنایۃً تعبیر کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ غد کا ذکر اس بات پر آگاہ کرنے کے لیے ہے کہ قیامت قریب ہے؛ جس طرح شاعر نے کہا:

وان غداً للناظرین قریب دیکھنے والوں کے لیے قیامت قریب ہے۔

حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: قیامت کو قریب کر دیا یہاں تک کہ اسے غد کی طرح بنا دیا (1)۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر آنے والی چیز قریب ہے اور موت ہر صورت میں آنے والی ہے۔ مَّا قَدَّمَتْ سے مراد خیر اور شر ہے۔ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اس قول کو تکرار کے لیے دوبارہ ذکر کیا ہے جس طرح تیرا یہ قول ہے: اعجل، اعجل، ارم، ارم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلا تقوی سابقہ گناہوں سے توبہ ہے اور دوسرے تقوی سے مراد زمانہ آئندہ میں معاصی سے بچنا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝ سعید بن جبیر نے کہا: جو عمل تمہاری جانب سے ہوگا اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے (2)۔

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝

''اور ان (نادانوں) کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے بھلا دیا اللہ تعالیٰ کو پس اللہ نے ان کو خود فراموش بنا دیا یہی نافرمان لوگ ہیں''۔

وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے امر کو ترک کر دیا (3) فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا آپ بھلا دیا کہ وہ اپنے لیے بھلائی کا عمل کرے؛ یہ ابن حبان کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے اللہ تعالیٰ کا حق بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نفوس کا حق بھلا دیا؛ یہ سفیان کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے اس کا شکر اور تعظیم ترک کر کے اس کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب دے کر بھلا دیا کہ وہ ایک دوسرے کے سامنے ذکر کریں؛ ابن عیسیٰ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ سہل بن عبداللہ نے کہا: انہوں نے گناہوں کے وقت اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا اور توبہ کے وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں بھلا دیا۔ فَاَنْسٰىهُمْ میں اللہ تعالیٰ نے فعل کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ یہ اس امر اور نہی کی وجہ سے تھا جس کو انہوں نے ترک کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا امر اور نہی کو ترک کرنے والا پایا۔ جس طرح تیرا یہ قول ہے: احمدت الرجل جب تو نے اسے تعریف کیا گیا پایا۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے خوشحالی میں اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے شدائد میں انہیں بھلا دیا۔ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝ ابن جبیر نے کہا: مراد نافرمان ہیں۔ ابن زید نے کہا: وہ جھوٹے ہیں۔ فسق کا اصل معنی نکلنا ہے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل گئے۔

لَا یَسْتَوِیْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ۝

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 510 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 511 3۔ ایضاً

''یکساں نہیں ہو سکتے دوزخی اور اہل جنت، اہل جنت ہی تو کامیاب لوگ ہیں''۔

لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یعنی فضیلت اور رتبہ میں ایک جیسے نہیں۔ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ یعنی جنتی مقرب و مکرم ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ آگ سے نجات پانے والے ہیں۔ سورۂ مائدہ آیت 100 میں قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ۔ سورۂ سجدہ میں اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ۞ اور سورۂ ص آیت 28 میں اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؗ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۞ کے ضمن میں کلام گزر چکی ہے۔ اس لیے اس کے دہرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۞

''اگر ہم نے اتارا ہوتا اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو آپ دیکھتے کہ وہ جھک جاتا (اور) پاش پاش ہو جاتا اللہ کے خوف سے اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ غور و فکر کریں''۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا قرآن کے مواعظ میں غور و فکر کرنے پر برانگیختہ کیا جا رہا ہے اور اس امر کو واضح کیا کہ ترک تدبر میں کوئی عذر نہیں کیونکہ اس قرآن کے ساتھ اگر پہاڑوں کو خطاب کیا جاتا جبکہ ان میں عقل بھی ہوتی تو پہاڑ بھی اس کے مواعظ کو سنتے اور آپ انہیں دیکھتے کہ وہ انتہائی مضبوط ہونے کے باوجود عاجزی کا اظہار کرتے اور اللہ تعالیٰ کی خشیت کی وجہ سے پھٹ جاتے۔ خاشع کا معنی ذلیل ہے اور متصدع کا معنی پھٹنے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خَاشِعًا کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے جن امور میں اپنی طاعت کا مکلف بنایا ہے ان میں اللہ تعالیٰ کے حضور خشوع کرنے والے ہیں۔ مُّتَصَدِّعًا وہ اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے پھٹنے والے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں سزا دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کفار کے لیے مثال کے طریقہ پر ہے۔

وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ یعنی اللہ تعالیٰ اگر اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتا تو وہ پہاڑ اس کے وعدہ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتا اور اس کی وعید کے سامنے پھٹ جاتا (1)۔ اے لوگو! جو اس کے اعجاز کے سامنے مغلوب ہو تم اس کے وعدے میں رغبت نہیں رکھتے اور اس کی وعید سے نہیں ڈرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا: خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے (2)، یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ ثابت نہ رہتا اور قرآن کے نازل ہونے سے پھٹ جاتا جبکہ ہم نے اسے آپ پر نازل کیا ہے اور ہم نے آپ کو اس کے لیے ثابت کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر احسان ہے کہ آپ اس چیز کے لیے ثابت رہے جس کے لیے پہاڑ ثابت نہیں رہتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خطاب امت کو ہے یعنی اللہ تعالیٰ اگر اس قرآن کے ذریعے پہاڑوں کو ڈراتا تو وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے پھٹ جاتے انسان قوت میں کم اور

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 512 2۔ ایضاً

ثابت قدمی میں بڑھ کر ہے اگر وہ طاقت رکھے تو وہ اس کے حق کو بجا لاتا ہے اور اگر نافرمانی کرے تو اس کے اوپر قادر ہے کیونکہ اس کو ثواب کا وعدہ اور عقاب کی وعید دی گئی ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾

''اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جاننے والا ہر چھپی ہوئی اور ظاہر چیز کا وہی بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ راز اور علانیہ امور کو جانتا ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ ماکان (جو کچھ ہو چکا) اور مایکون جو کچھ ہونے والا ہے اس کو جانتا ہے۔ سہل نے کہا: وہ آخرت اور دنیا کو جاننے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غیب سے مراد ہے جس کو لوگ نہ جانتے ہیں اور نہ ہی انہوں نے اسے دیکھا ہوتا ہے اور شہادت سے مراد ہے جس کو لوگ جانتے ہیں اور جسے لوگوں نے دیکھا ہوتا ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾

''اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، سب کا بادشاہ، نہایت مقدس، سلامتی رکھنے والا، امان بخشنے والا، نگہبان، عزت والا، ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا، متکبر ہے، پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں''۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ ہر نقص سے منزہ اور ہر عیب سے پاک۔ قدس اہل حجاز کی لغت میں سطل (ایک برتن) کو کہتے ہیں کیونکہ اس کے ساتھ پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے۔ اس سے قادوس ہے یہ لفظ اس برتن کے لیے بولا جاتا ہے جس کے ساتھ کنویں سے پانی نکالا جاتا ہے اور اونٹنی سے مدد لی جاتی ہے۔ سیبویہ کہا کرتے تھے: قدوس اور سبوح دونوں میں پہلا لفظ مفتوح ہے۔ اور ابو حاتم نے یعقوب سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کسائی کے نزدیک ایک فصیح بدو کو سنا جس کو ابو دینار کہتے وہ پڑھ رہا تھا۔ القدوس یعنی قاف پر فتحہ پڑھ رہا تھا۔ ثعلب نے کہا: ہر اسم جو فعول کے وزن پر ہو اس کا پہلا حرف مفتوح ہوتا ہے جس طرح سفود، کلوب، تنور، سمور، سبوط مگر السبوح اور القدوس کیونکہ ان دونوں میں اکثر ضمہ آتا ہے۔ بعض اوقات ان دونوں پر فتحہ آتا ہے؛ اسی طرح ذروح بعض اوقات اس کو فتحہ دیا جاتا ہے۔

السَّلٰمُ وہ نقائص سے سلامت ہے۔ ابن عربی نے کہا: علماء کا اتفاق ہے کہ لفظ السلام جب اللہ تعالیٰ کے بارے میں بولا جائے تو یہ نسبت کے معنی میں ہوگا تقدیر ہوگی ذوالسلامۃ پھر اس اسم منسوب کے ترجمہ میں اختلاف ہے۔ وہ ہر عیب سے سلامت اور ہر نقص سے بری ہے۔ ذوالسلام جنت میں اپنے بندوں کو سلام کرنے والا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾ (یٰس) مخلوق اس کے ظلم سے محفوظ ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ خطابی کا قول ہے اسے اور اس سے قبل جو اسم ہے اس پر صفات افعال کا اطلاق ہوگا۔ یہ تعبیر کی جائے وہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 512

عیوب ونقائص سے بری ہے تو یہ صفت ذات میں سے ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ السلام کا معنی ہے وہ اپنے بندوں کو سلام کرنے والا ہے۔ **الْمُؤْمِنُ** وہ اپنے رسولوں کی تصدیق کرنے والا ہے کہ ان کے ہاتھوں سے معجزات کا ظہور فرماتا ہے۔ مومنوں سے ثواب کا جو وعدہ کیا اس کی تصدیق کرنے والا ہے اور کافرین کو جو عقاب کی دھمکی دی اس کو سچ کر دکھانے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مومن اسے کہتے ہیں جو اپنے اولیاء کو عذاب سے محفوظ رکھتا ہے اور اپنے بندوں کو ظلم سے محفوظ رکھتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: آمنه یہ امان سے مشتق ہے جو خوف کی ضد ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ** ۝ (القریش) اس سے اسم فاعل مومن ہے۔

مجاہد نے کہا: مومن اسے کہتے ہیں جس نے اپنی وحدانیت کا اظہار اپنے اس ارشاد سے کیا: **شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ** (آل عمران: 18) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب قیامت کا روز ہوگا اللہ تعالیٰ اہل توحید کو آگ سے نکالے گا، سب سے پہلے جہنم سے جو نکلے گا وہ وہ ہوگا جس کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے موافق ہوگا جب جہنم میں کوئی ایسا نہیں رہے گا جس کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہو تو اللہ تعالیٰ باقی سے فرمائے گا: تم مسلمان ہو اور میں السلام ہوں تم مومنین ہو اور میں مومن ہوں تو اللہ تعالیٰ ان دوناموں کی برکت سے انہیں جہنم سے باہر نکالے گا۔

الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ سورۂ مائدہ میں **الْمُهَيْمِنُ**، اور مواقع پر **الْعَزِيْزُ** کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ **الْجَبَّارُ** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد عظیم ہے(1)۔ جبروت اللہ سے مراد اس کی عظمت ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ صفت ذات ہے۔ اس معنی میں ان کا قول ہے: نخلة جبارة کھجور کا بڑا درخت۔ یہ اسم اللہ تعالیٰ کی عظمت اور تقدیس پر دلالت کرتا ہے کہ نقائص اور صفات حادث اس کو لاحق ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جبر سے ماخوذ ہے جس کا معنی اصلاح ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: جبرت العظم فجبر میں نے ہڈی کو درست کیا تو وہ ہڈی درست ہوگئی۔ یہ جبر سے فعال کے وزن پر ہے۔ جب وہ ٹوٹی ہوئی چیز کو درست کر دے اور فقیر کو غنی کر دے۔ فراء نے کہا: یہ اجبرہ علی الامر سے مشتق ہے جس کا معنی ہے اس پر غلبہ پالیا۔ کہا: لغت میں باب افعال سے فعال کا وزن نہیں آتا مگر جبّار یہ أجبر سے اور دَرّاك یہ أدرك سے استعمال ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جبار اسے کہتے ہیں جس کی سطوت کی طاقت نہ رکھی جائے۔

الْمُتَكَبِّرُ وہ اپنی ربوبیت کی وجہ سے متکبر ہے، اس کی مثل کوئی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہر برائی سے بالا ہے اور ہر نامناسب چیز جیسے حادث اور مذمت کی صفات سے عظیم ہے(2)۔ کبر اور کبریا کا اصل معنی رکنا اور اطاعت نہ کرنا ہے۔

کبریاء اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے صفات مدح میں شمار ہوتی ہے اور مخلوق کی صفات میں صفات مذمت میں سے ہے۔ صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا فرمان حدیث قدسی کی صورت میں بیان کیا ہے: الکبریاءُ رِدَائِي و العظمةُ إزاري فمن نازَعَنِي في واحد منهما قصمته ثم قذفته في النار (3) کبریائی میری چادر اور عظمت میرا اعزاز ہے ان دونوں میں جس نے بھی مجھ سے منازعہ کیا میں اسے توڑ کر رکھ دوں گا پھر اسے آگ میں

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 356 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 375 3۔ مسند امام احمد بن حنبل، جلد 2، صفحہ 414

چھینک دوں گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: متکبر کا معنی بلند ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی کبیر ہے کیونکہ وہ اس سے عظیم ہے کہ وہ کبر کا تکلف کرے۔ بعض اوقات تظلم، ظلم کے معنی میں، تشتم، شتم کے معنی میں اور استقر، قر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح متکبر، کبیر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ اس طرح نہیں جس طرح مخلوق کے لیے اس صیغہ کے ساتھ صفت بیان کی جاتی ہے کیونکہ جب کسی مخلوق کی اس صیغہ کے ساتھ صفت بیان کی جائے تو وہ اس میں نہیں پائی جاتی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکی بیان فرمائی فرمایا: سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ اپنی عظمت اور جلالت کی پاکی بیان کی۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۭ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲۴﴾

”وہی سب کا خالق، سب کو پیدا کرنے والا، (سب کی مناسب) صورت بنانے والا ہے، سارے خوبصورت نام اسی کے ہیں، اس کی تسبیح کر رہے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور وہی عزت والا اور حکمت والا ہے“۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ یہاں خالق سے مراد مقدر ہے۔ الْبَارِئُ سے مراد پیدا کرنے والا اور ایجاد کرنے والا ہے۔ الْمُصَوِّرُ صورتیں بنانے والا اور مختلف ہیئتوں میں ترکیب دینے والا۔ تصور، خلق اور برایۃ پر مرتب اور ان دونوں کے تابع ہے۔ تصویر کا معنی خط لگانا اور شکل بنانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی ماں کے رحم میں تین انداز میں پیدا کیا اسے علقہ بنایا، پھر مضغہ بنایا پھر اس کی صورت بنائی یہی تشکیل ہے جس کے ذریعے صورت اور ہیئت ہوتی ہے، جس کے ساتھ اس کی پہچان ہوتی ہے اور غیر سے اپنی علامت کے ساتھ ممتاز ہوتا ہے۔ فتبارك الله احسن الخالقین اللہ تعالیٰ کی ذات جو احسن الخالقین ہے وہ بڑی برکتوں والی ہے؛ نابغہ نے بھی انہیں اسماء کو اپنے شعر میں ذکر کیا ہے:

الخالق الباری المصور فی الأرحام ماء حتی یصیر دما (1)

بعض لوگوں نے خلق کو تصویر کے معنی میں کیا ہے جبکہ بات اس طرح نہیں تصویر آخری مرحلہ میں ہوتی ہے۔ تقدیر سب سے پہلے اور برایۃ یہ درمیان میں ہوتی ہے۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ (المائدہ: 110)

زہیر نے کہا:

ولأنت تفری ما خلقت و بعض القوم یخلق ثم لایفری

شاعر کہتا ہے: تو اندازہ لگاتا ہے جو لگاتا ہے پھر اپنے اندازہ کے مطابق اسے کر گزرتا ہے۔ تیرے سوا آدمی اندازہ لگاتا ہے جو اس کے لیے مکمل نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں اس کی مراد پوری ہوتی ہے یا تو اس کے اندازہ کے تصور میں کوتاہی ہوتی ہے یا وہ اپنی مراد کو مکمل کرنے سے عاجز ہوتا ہے۔ ہم نے اس کے متعلق تمام بحث الکتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنی میں کردی ہے۔ الحمد للہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 515

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ انہوں نے اَلْبَارِیُٔ الْمُصَوَّرُ پڑھا یعنی وہ ذات جو مختلف ہیئتوں کے ساتھ اس کو ممتاز کرتی ہے جس کی تصویر بناتی ہے(1)؛ زمخشری نے اس کا ذکر کیا ہے۔

لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ اس کے بارے میں گفتگو پہلے (جلد اول) میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اپنے خلیل ابو القاسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: ''اے ابو ہریرہ! سورۂ حشر کے آخری حصہ کو لازم پکڑو اس کو کثرت سے پڑھا کرو''۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سوال دہرایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو مجھ پر دہرایا۔ میں نے پھر آپ کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے پھر مجھ پر اسی قول کو دہرایا۔

حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم اس آیت کے مکان کی وجہ سے اللہ ہی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے سورۂ حشر کو پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیتا ہے''(2)۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے رات یا دن کے وقت سورۂ حشر کے آخر کو پڑھا اور اللہ تعالیٰ نے اس رات یا اس دن اس کی روح کو قبض کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت کو واجب کر دیا''(3)۔

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 510　2۔ ایضاً　3۔ کنز العمال، جلد 1، صفحہ 583، حدیث 2643

سورۃ الممتحنة

آیاتہا ۱۳ ۔ ۶۰ سورۃ الممتحنۃ مدنیۃ ۹۱ ۔ رکوعاتہا ۲

تمام کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے، اس کی تیرہ آیات ہیں۔

الممتحنہ حاء کے کسرہ کے ساتھ امتحان لینے والی۔ فعل کو مجازاً اس کی طرف منسوب کیا جس طرح سورۂ براءت کو مبشرہ اور فاصحہ نام دیا گیا کیونکہ اس نے منافقوں کے عیوب کو ظاہر کر دیا۔ جس نے اس سورت کے بارے میں الممتحنہ کہا تو اس نے اسے اس عورت کی طرف مضاف کیا جس کے بارے میں یہ سورت نازل ہوئی۔ وہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۖ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۔ یہ حضرت عبدالرحمن بن عوف کی بیوی تھیں ان کے بطن سے ان کے بیٹے ابراہیم پیدا ہوئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۗ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۗ وَ اَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَيْتُمْ وَ مَاۤ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَ مَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝

”اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو اپنے (جگری) دوست تم تو اظہار محبت کرتے ہو ان سے حالانکہ وہ انکار کرتے ہیں (اس دین) حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے، انہوں نے نکالا ہے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور تمہیں بھی (مکہ سے) محض اس لیے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے، اگر تم جہاد کرنے نکلے ہو میری راہ میں اور میری رضاجوئی کے لیے (تو انہیں دوست مت بناؤ) تم بڑی رازداری سے ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ میں جانتا ہوں جو تم نے چھپا رکھا ہے، اور جو تم نے ظاہر کیا ہے اور جو ایسا کرے تم میں سے تو وہ بھٹک گیا راہ راست سے“۔

اتخذ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے۔ وہ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ ہے عدو یہ عدا سے فعول کا وزن ہے جس طرح عفو، عفا سے ہے کیونکہ اس کا وزن مصدر کا ہے اس طرح یہ جمع پر اس طرح صادق آتا ہے جس طرح واحد پر صادق آتا ہے۔

اس آیت میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1 ۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ ائمہ نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے جبکہ الفاظ امام مسلم کے ہیں (1)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے، حضرت زبیر اور حضرت مقداد کو بھیجا۔ فرمایا: ''روضہ خاخ (جگہ کا نام) جاؤ وہاں ایک ہودج میں عورت ہوگی اس کے پاس خط ہے وہ خط اس سے لے لو''۔ ہم چلے ہمارے گھوڑے ہمیں لے کر دوڑ رہے تھے تو اچانک ہم اس عورت تک جا پہنچتے ہیں ہم نے کہا: خط نکال دو۔ اس نے کہا: میرے پاس تو کوئی خط نہیں۔ ہم نے کہا: خط نکال دو یا تو اپنے کپڑے اتارے گی۔ اس نے اپنے جوڑے سے وہ خط نکال دیا۔ ہم وہ خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں لے آئے، تو اس میں یہ تھا۔ ''حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے اہل مکہ کے مشرکوں کی جانب''۔ وہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارادہ کے بارے میں آگاہ کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے حاطب! یہ کیا ہے؟'' عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھ پر جلدی نہ کیجئے۔ میں ایسا شخص ہوں جو قریش کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے۔ سفیان نے کہا: وہ ان کے حلیف تھے وہ قریش کے خاندان میں سے نہ تھے۔ آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں وہاں ان کے رشتہ دار ہیں جو ان کے اہل کی حفاظت کرتے ہیں جب کہ میرا وہاں کوئی رشتہ نہیں تو میں نے یہ پسند کیا کہ میں ان میں ایک ایسا احسان کروں جس کی وجہ سے وہ میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں۔ میں نے یہ عمل کفر یا دین سے ارتداد اختیار کرتے ہوئے نہیں کیا اور نہ ہی اسلام کے بعد کفر کو پسند کرنے کی وجہ سے کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس نے سچ کہا ہے''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ فرمایا: ''یہ غزوہ بدر میں شامل ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ اہل بدر کے اعمال پر مطلع تھا اسی لیے ارشاد فرمایا: جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے''۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عورت سارہ تھی جو قریش کے غلاموں میں سے تھی (2)۔ خط میں یہ تھا أما بعد فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد توجه إليكم بجيش كالليل يسير كالسيل وأقسم بالله لو لم يسر إليكم إلا وحده لأظفره الله بكم وأنجز له موعده فيكم فإن الله وليه وناصره۔

اما بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسے لشکر کے ساتھ روانہ ہونے والے ہیں جو رات کی مانند ہے۔ سیلاب کی طرح چلے گا۔ میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں اگر آپ صرف اکیلے ہی تمہاری طرف چلیں تو اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تم پر کامیابی عطا فرمائے گا وہ اپنے وعدہ کو پورا کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ اس کا حمایتی اور مددگار ہے؛ یہ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے۔

قشیری اور ثعلبی نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ یمن کے باشندے تھے ان کا مکہ مکرمہ میں بنی اسد بن عبد العزی جو حضرت زبیر بن عوام کا خاندان تھا سے معاہدہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حضرت زبیر بن عوام کے حلیف تھے۔ مکہ مکرمہ سے ابو عمرو بن صیفی بن ہشام بن عبد مناف کی لونڈی سارہ مدینہ طیبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے لیے لشکر کی تیاری میں مصروف تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حدیبیہ کا سال تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

1۔ صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، جلد 2، صفحہ 302

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 517

نے ارشاد فرمایا: ''اے سارہ کیا تو ہجرت کر کے آئی ہے؟'' اس نے عرض کی: نہیں۔ پوچھا: ''کیا تو مسلمان ہو کر آئی ہے؟'' اس نے عرض کی: نہیں۔ پوچھا: ''کس وجہ سے آئی ہو؟'' اس نے عرض کی: آپ لوگ ہی میرے اہل، آقا، اصل اور خاندان تھے سب آقا تو چلے گئے یعنی غزوہ بدر میں قتل ہو گئے۔ میں سخت مصیبت کا شکار ہو گئی میں آپ لوگوں کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئی ہوں تا کہ تم مجھے مال اور لباس دو۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اہل مکہ کے جوانوں کا تیرے ساتھ کیا سلوک ہے؟'' وہ لونڈی مغنیہ تھی۔ اس نے عرض کی: واقعہ غزوہ بدر کے بعد مجھ سے کسی نے گانے کا کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بنی عبدالمطلب اور بنی مطلب کو رغبت دلائی کہ وہ اسے مال عطا کریں۔ انہوں نے اسے مال عطا کیا، لباس دیا اور اسے سواری دی اور وہ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ اس کے پاس آئے فرمایا: میں تجھے دس دینار اور دھاری دار چادریں دوں گا مگر شرط یہ ہے کہ تو میرا یہ خط اہل مکہ تک پہنچا دے۔ خط میں یہ تحریر تھی۔ رسول اللہ ﷺ تمہارا ارادہ رکھتے ہیں اس لیے محتاط رہو۔ سارہ لونڈی وہاں سے نکلی تو حضرت جبریل امین حاضر ہو گئے انہوں نے نبی کریم ﷺ کو اس بارے میں آگاہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت ابو مرثد غنوی کو بھیجا۔ ایک روایت میں ہے: حضرت علی اور حضرت عمار بن یاسر کو بھیجا۔ ایک روایت میں ہے: حضرت علی، حضرت عمار، حضرت عمر، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت مقداد اور حضرت ابو مرثد کو بھیجا۔ یہ سب شاہسوار تھے۔ انہیں فرمایا: ''تم چلو یہاں تک کہ تم روضہ خاخ پہنچو گے۔ وہاں ہودج میں ایک عورت ہو گی اس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا مشرکوں کے نام خط ہو گا، وہ اس سے لے لینا اور اسے چھوڑ دینا۔ اگر وہ خط تمہیں نہ دے تو اسے قتل کر دینا''۔ ان صحابہ نے اسے وہاں ہی پایا۔ صحابہ نے پوچھا: خط کہاں ہے؟ اس نے قسم اٹھا دی اس کے پاس کوئی خط نہیں۔ صحابہ نے اس کے سامان میں خط کو تلاش کیا خط اس میں نہ ملا۔ صحابہ نے واپس لوٹنے کا ارادہ کر لیا۔ حضرت علی شیر خدا نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے ہم سے جھوٹ نہیں بولا اور نہ ہی ہم نے آپ کو جھٹلایا ہے۔ اور اپنی تلوار سونت لی۔ فرمایا: خط نکال دو بصورت دیگر میں تیرے کپڑے اتار دوں گا اور تیری گردن اتار دوں گا۔ جب اس نے آپ کے پختہ ارادہ کو دیکھا تو خط اپنی مینڈھیوں سے نکال دیا۔ ایک روایت میں ہے: جہاں تہہ بند باندھا جاتا ہے وہاں سے نکال دیا۔ انہوں نے اسے جانے دیا اور خط رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب کو بلا بھیجا پوچھا: ''کیا تو یہ خط پہچانتا ہے''۔ عرض کی: جی ہاں۔ پھر تمام واقعہ بیان کیا۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے تمام لوگوں کو امان دے دی مگر چار افراد کو امان نہ دی یہ سارہ لونڈی ان میں سے ایک تھی۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ سورت کفار کے ساتھ دوستی سے نہی میں اصل ہے۔ یہ بحث کئی مواقع پر گزر چکی ہے جیسے لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (آل عمران: 28) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ (آل عمران: 118) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ (المائدہ: 51) اس جیسی کثیر آیات ہیں۔ حضرت حاطب بن بلتعہ کو جب مومن ہونے کی حیثیت میں خطاب کیا گیا تو ان پر غشی طاری ہو گئی۔

مسئلہ نمبر 3۔ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ تم ظاہر سے ان کی طرف محبت کا اظہار کرتے ہو (1) کیونکہ حضرت حاطب کا دل اس سے محفوظ تھا اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: أما صاحبکم فقد صدق جہاں تک تمہارے ساتھی کا تعلق ہے تو اس نے سچ کہا ہے۔ یہ ارشاد اس کے دل کی سلامتی اور اعتقاد کے درست ہونے پر نص ہے۔ بِالْمَوَدَّةِ میں باء زائدہ ہے جس طرح تو کہتا ہے: قرأت السورة، قرأت بالسورة۔ رميت إليه مافی نفسی رميت إليه بمافی نفسی یہ بھی جائز ہے کہ باء زائدہ نہ ہو اس صورت میں تُلْقُوْنَ کا مفعول محذوف ہوگا۔ اس کا معنی ہوگا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبریں ان کو پہنچاتے ہو کیونکہ تمہارے اور ان کے درمیان محبت موجود ہے (2)؛ اسی طرح تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ میں باء سببیہ ہے۔ فراء نے کہا: تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ میں باء اولیاء سے متعلق ہے اور مودة پر باء داخل کرنا اور داخل نہ کرنا برابر ہے۔ یہ بھی جائز ہے یہ لَا تَتَّخِذُوْا کے ساتھ متعلق ہو اور حال ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا تعلق اولیاء کے ساتھ ہو اور یہ صفت ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہو۔ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ تم مسلمانوں کے راز انہیں بتاتے ہو اور ان کے مخلص بنتے ہو؛ یہ زجاج کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جو مسلمانوں کے رازوں پر آگاہ ہو اور ان کی خبریں دشمنوں کو بتائے اگر اس کا فعل دنیوی غرض کے لیے ہو تو اس وجہ سے وہ کافر نہیں ہوگا جبکہ اس کا اعتقاد صحیح ہو جس طرح حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ان پر احسان کے رادہ سے ایسا کیا اور دین سے ارتداد کی خاطر ایسا نہیں کیا۔

مسئلہ نمبر 5۔ جب ہم نے یہ کہا کہ وہ اس کی وجہ سے کافر نہیں، کیا وہ اس جرم کی وجہ سے حداً قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ امام مالک، ابن قاسم اور اشہب نے کہا: امام اس میں اجتہاد کرے گا۔ عبد الملک نے کہا: اگر اس کی یہ عادت ہو تو اسے قتل کیا جائے گا کیونکہ وہ جاسوس ہے۔ امام مالک جاسوس کو قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ یہ قول صحیح ہے کیونکہ اس نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا ہے اور اس کی کاوش سے زمین میں فساد برپا ہوا ہے۔ ابن ماجشون نے اس میں تکرار کو بنیاد بنایا ہے کیونکہ حضرت حاطب تو پہلی دفعہ ہی پکڑے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اگر جاسوس کافر ہو تو اوزاعی نے کہا: اس کو قتل اس لیے کیا جائے گا کیونکہ اس نے اپنے عہد کو توڑا ہے۔ اصبغ نے کہا: حربی جاسوس قتل کیا جائے گا۔ جاسوس مسلمان ہو یا ذمی ہو انہیں سزا دی جائے گی مگر جب وہ اسلام کے خلاف کام کریں تو انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مشرکوں کا ایک جاسوس پیش کیا گیا جس کا نام فرات بن حیان تھا (3)۔ اسے قتل کرنے کا حکم دیا گیا وہ چلایا اے جماعت انصار! مجھے قتل کیا جائے گا جبکہ میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی گواہی دیتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں حکم دیا تو اسے چھوڑ دیا گیا پھر فرمایا: ''تم میں سے جسے میں اس کے ایمان کے سپرد کرتا ہوں۔ ان میں سے

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1783
2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 512
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1784

ایک فرات بن حیان ہے''(1)۔ وَقَدْ كَفَرُوْا حال ہے یا تو لَا تَتَّخِذُوْا کی ضمیر سے یا تُلْقُوْنَ کی ضمیر سے یعنی تم ان سے دوستی اختیار نہ کرو اور تم ان سے محبت نہ کرو جبکہ اس کی یہ حالت ہو۔ جحدری نے یہ کہا: بِمَا جَآءَكُمْ کا معنی ہے انہوں نے کفر کیا کیونکہ تمہارے پاس حق آیا۔

مسئلہ نمبر 7۔ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ یہ نئی کلام ہے جو ان کے کفر اور سرکشی کی تفسیر بیان کرتی ہے یا یہ کفروا سے حال ہے۔ وَ اِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ یہ يُخْرِجُوْنَ کی علت ہے معنی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمہیں مکہ مکرمہ سے نکالتے ہیں کیونکہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو یعنی تمہارے ایمان لانے کی وجہ سے وہ ایسا کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت حاطب بھی ان صحابہ میں سے تھے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ سے نکالا گیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے(2) تقدیر کلام یوں ہے۔ لاتتخذوا عدوی وعدوکم أولیاء إن کنتم خرجتم مجاهدین فی سبیلی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں حذف ہے معنی ہے اگر تم میری راہ میں جہاد اور میری رضا حاصل کرنے کے لیے نکلے ہو تو ان کی طرف محبت کا پیغام نہ بھیجو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ شرط ہے اور اس کا جواب مقدم ہے(3)۔ معنی ہے اگر تم میرے راستہ میں جہاد کے لیے نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ جہاد اور ابتغاء مفعول لہ ہونے کی حیثیت میں منصوب ہے۔

تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ یہ تُلْقُوْنَ کا بدل ہے اور اس کی وضاحت کر رہا ہے۔ افعال، افعال سے بدل ہو سکتے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ (الفرقان)

سیبویہ نے یہ شعر پڑھا ہے:

مَتَى تَأْتِنَا تُلْمِم بنا فی دیارنا　　تَجِدْ حَطَبًا جَزْلًا و نارًا تأجّجا

جب تم ہمارے پاس آؤ گے ہمارے گھروں میں پڑاؤ ڈالو گے تو تم بڑا ایندھن اور سرکش آگ دیکھو گے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یوں ہے أنتم تسرون إلیهم بالمودة تو یہ جملہ مستانفہ ہے۔ یہ سب حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ کو عتاب ہے۔ یہ عتاب حضرت حاطب کے فضل، کرامت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخلص ہونے اور ان کے ایمان کے صدق پر دال ہے کیونکہ عتاب صرف محب کا حبیب کے لیے ہوتا ہے جس طرح شاعر نے کہا:

أعاتب ذا المودة من صديق　　إذا ما رابنی منه اجتناب

إذا ذهب العتاب فليس ودّ　　ويبقى الود ما بقی العتاب

1۔ احکام القرآن لابن العربی۔ سنن ابی داود، کتاب الجهاد، باب فی الجاسوس الذمی، حدیث نمبر 2280، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 36　　3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 361

میں محبت والے دوست کو عتاب کرتا ہوں۔ جب اس کی طرف سے اجتناب مجھے شک میں ڈالتا ہے۔ جب عتاب چلا جائے تو کوئی محبت نہیں اور جب تک عتاب باقی رہے تو محبت باقی رہتی ہے۔ بِالْمَوَدَّةِ کا معنی ہے انہیں خط لکھنے میں اخلاص کا مظاہرہ کر رہے ہیں جس طرح ہم نے ذکر کیا باء زائدہ ہے یا ثابت ہے زائدہ نہیں۔

وَ اَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَیْتُمْ وَ مَاۤ اَعْلَنْتُمْ جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو اسے میں جانتا ہوں۔ بما میں باء زائدہ ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: علمت کذا و علمت بکذا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں تم سے ہر ایک فرد کی ہر اس بات کو جانتا ہوں جو تم چھپاتے ہو یا جو تم ظاہر کرتے ہو۔ تو من کل احد محذوف ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان أعلم و أفضل من غیرہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جو تم اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہو اور جو تم اپنی زبانوں سے اقرار توحید کو ظاہر کرتے ہو سب جانتا ہوں۔ وَ مَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ جو ان کی طرف راز داری سے پیغام بھیجتا ہے اور تم میں سے جو انہیں خط لکھتا ہے۔ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔

اِنْ یَّثْقَفُوْكُمْ یَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّ یَبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ وَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۝۲

''اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہارے دشمن ہوں گے اور بڑھائیں گے تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ وہ تو چاہتے ہیں کہ تم (ان کی طرح) کافر بن جاؤ''۔

اِنْ یَّثْقَفُوْكُمْ اگر وہ تمہیں ملیں اور تمہیں اچانک پالیں۔ اس سے ثاقفہ ہے جس کا معنی ہے تلوار چلانے وغیرہ کے لیے موقع کی تلاش کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ تم پر کامیابی حاصل کریں (1) اور تم پر قدرت حاصل کریں اَیْدِیَهُمْ وار کرنے اور قتل کرنے اور اَلْسِنَتَهُمْ گالی گلوچ کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ وہ خواہش کرتے ہیں کہ تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دو پس تم ان کے ساتھ اخلاص کا مظاہرہ نہ کرو وہ تم سے مخلص نہیں۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ ۚ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۚ یَفْصِلُ بَیْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝۳

''نہ نفع پہنچائیں گے تمہیں تمہارے رشتہ دار اور نہ تمہاری اولاد روز قیامت اللہ تعالیٰ جدائی ڈال دے گا تمہارے درمیان اور اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو خوب دیکھنے والا ہے''۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ جب حضرت حاطب نے معذرت پیش کی کہ ان کی قریش مکہ کے ہاں اولاد اور رشتہ دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ اہل اور اولاد قیامت کے روز کچھ نفع نہ دیں گے اگر اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی۔

یَفْصِلُ بَیْنَكُمْ وہ مومنوں کو جنت میں اور کافروں کو آگ میں داخل فرمائے گا۔ یَفْصِلُ میں سات قراءتیں ہیں۔ عاصم

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 36

نے یَفْصِلُ قراءت کی ہے۔ حمزہ اور کسائی نے اسے یُفَصِّلُ پڑھا ہے۔ طلحہ اور نخعی نے نُفَصِّلُ قراءت کی ہے۔ علقمہ سے نُفْصِلُ مروی ہے۔ قتادہ اور ابو حیوہ نے یُفْصِلُ قراءت کی ہے۔ یہ افصل سے مضارع کا صیغہ ہے۔ باقی قراء نے یُفْصَلُ قراءت کی ہے؛ ابوعبیدہ نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ جس نے اسے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے وہ ان آیات کی وجہ سے قراءت کرتے ہیں۔ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ۝ (الانعام) اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ (الدخان: 40) جس نے اسے مشدد پڑھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس فعل میں زیادہ واضح ہے جو کثیر، مکرر اور متعدد ہے۔ جس نے اسے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ فاعل معروف و مشہور ہے۔ اور جو اسے معروف کا صیغہ پڑھتا ہے تو وہ ضمیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹاتا ہے۔ جو اسے جمع متکلم کا صیغہ پڑھتا ہے تو وہ تعظیم کی بنا پر ایسا کرتا ہے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَ مَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَيْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ اغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

"بے شک تمہارے لیے خوبصورت نمونہ ہے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں (کی زندگی) میں جب انہوں نے (برملا) کہہ دیا اپنی قوم سے کہ ہم بیزار ہیں تم سے اور ان معبودوں سے جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کے سوا ہم تمہارا انکار کرتے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت اور بغض پیدا ہو گیا ہے یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ ایک اللہ پر مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا اس سے مستثنیٰ ہے کہ میں ضرور مغفرت طلب کروں گا تمہارے لیے اور میں مالک نہیں ہوں تمہارے لیے اللہ کے سامنے کسی نفع کا۔ (پھر کہا) اے ہمارے رب! ہم نے تجھی پر بھروسہ کیا اور تیری طرف ہی رجوع کیا اور تیری طرف ہی ہمیں پلٹ کر آنا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں نہ بنا دے فتنہ کافروں کے لیے اور ہمیں بخش دے اے ہمارے رب! بے شک تو ہی عزت والا (اور) حکمت والا ہے"۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ دوستی سے منع کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا۔ آپ کی سیرت میں یہ بات تھی کہ آپ نے کفار سے براءت کا اظہار کیا۔ یعنی تم آپ کی اقتداء کرو مگر جو آپ نے اپنے اب آزر کے لیے استغفار کی اس میں اقتدا نہ کرو۔ أُسوۃ اور إسوۃ اسے کہتے ہیں جس کی اقتدا کی جائے۔

جس طرح قِدْوَہ اور قُدْوَہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ھو اسوتک یعنی وہ تیری اور تو اس کی مثل ہے۔ عاصم نے اسے أُسْوَۃ پڑھا ہے دو لغتیں ہیں۔

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ یعنی مومنین میں سے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحابہ تھے۔ ابن زید نے کہا: مراد انبیاء ہیں(1)۔

اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قوم سے مراد کفار ہیں۔ ما سے مراد بت ہیں براء یہ بری کی جمع ہے جس طرح شریک کی جمع شرکاء، ظریف کی جمع ظرفاء عام قراءت فعلاء کے وزن پر ہے۔

عیسیٰ بن عمر اور ابن ابی اسحاق نے براء قراءت کی ہے یہ فعال کا وزن ہے؛ جس طرح قصیر کی جمع قصار، طویل کی جمع طوال، ظریف کی جمع ظراف ہمزہ کو ترک کرنا بھی جائز ہے۔ یہاں تک کہ تو پڑھے گا براً اور تنوین دے گا۔ اسے براء مصدر کی صورت میں صفت پر بھی پڑھا گیا ہے اسے براء کسرہ کو ضمہ سے بدل کر کے بھی پڑھا گیا ہے جس طرح رخال اور رباب ہے۔

یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے افعال میں اقتدا کے بارے میں نص ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم سے قبل کی شریعتیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے خبر دی ہے۔ وہ ہمارے لیے بھی شرعی احکام ہیں۔

كَفَرْنَا بِكُمْ یعنی جن بتوں پر تم ایمان لائے ہو ہم اس مسئلہ میں تمہارا انکار کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم تمہارے افعال کا انکار کرتے ہیں اور ہم تمہارے حق پر ہونے میں تمہیں جھٹلاتے ہیں اور انکار کرتے ہیں۔

وَ بَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا جب تک تم کفر کرو گے تمہارے ساتھ ہمارا یہی رویہ ہوگا تو ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت اور بغض ظاہر ہے۔ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ یہاں تک کہ تم اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک پر ایمان لے آؤ اس وقت دشمنی دوستی میں بدل جائے گی۔

اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ استغفار میں تم آپ کی اقتداء نہ کرو کہ تم مشرکوں کے لیے استغفار کرنے لگو کیونکہ انہوں نے یہ عمل ایک خاص وعدہ کی وجہ سے کیا تھا؛ یہ قول قتادہ، مجاہد اور دوسرے علماء کا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: استثناء کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو چھوڑا اور ان سے دوری اختیار کی مگر اپنے اب آذر کے لیے استغفار میں دوری اختیار نہ کی پھر سورت توبہ میں ان کے عذر کو واضح کیا۔

اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام انبیاء پر فضیلت کی دلیل ہے کیونکہ ہمیں آپ کی اقتدا کا حکم دیا گیا اور یہ امر مطلق ہے۔ فرمان عالی شان ہے: وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر: 7) جب ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اقتدا کا حکم دیا گیا تو بعض افعال کی استثناء کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مستثنیٰ منقطع ہے، یعنی لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول جو انہوں نے اپنے اب آذر کے حق میں کیا تھا۔ یہ اس لیے انہوں نے کیا کیونکہ انہیں گمان تھا کہ وہ مسلمان ہے جب یہ واضح ہو گیا کہ وہ مسلمان نہیں تو آپ نے اس سے براءت کا اظہار کر دیا۔ اس تاویل کی بناء پر اس آدمی کے حق میں استغفار کرنا جائز ہے جس کے مسلمان ہونے کا گمان ہو۔ تم جب اس قسم کا ظن نہیں پاتے تو تم کیوں ان سے دوستی کا اظہار کرتے ہو۔

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 37

وَ مَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے اب آذر کے لیے قول ہے یعنی اگر تو نے شرک کیا تو میں اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے کچھ بھی تم سے دور نہیں کر سکوں گا۔ رَبَّنَا عَلَیْكَ تَوَكَّلْنَا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کی دعا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مومنین کو یہ تعلیم دی کہ وہ یہ کہیں یعنی کفار سے براءت کا اظہار کرو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اور کہو: رَبَّنَا عَلَیْكَ تَوَكَّلْنَا یعنی ہم نے بھروسہ کیا وَ اِلَیْكَ اَنَبْنَا ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔ وَ اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ آخرت میں تیری طرف ہی رجوع ہے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا ہمارے دشمنوں کو ہم پر غلبہ نہ دے تو وہ یہ گمان کرنے لگیں کہ وہ حق پر ہیں اور اس وجہ سے فتنہ میں پڑ جائیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تو انہیں ہم پر مسلط نہ کر کہ وہ ہمیں فتنہ میں ڈالیں اور ہمیں عذاب دیں (1)۔

وَ اغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے تو عزیز و حکیم ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْیَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ۝ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ عَادَیْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَ اللّٰهُ قَدِیْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

”بے شک تمہارے لیے ان میں خوبصورت نمونہ ہے اس کے لیے جو اللہ اور روز قیامت کا امیدوار ہے، اور جو روگردانی کرے (اس سے) تو بلاشبہ اللہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا، یقیناً اللہ پیدا فرمائے گا تمہارے درمیان اور ان کے درمیان جن سے تم (اس کی رضا کے لیے) دشمنی رکھتے ہو محبت، اور اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے“۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْهِمْ، ھم ضمیر سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھ انبیاء و اولیاء ہیں۔ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ یعنی کفار سے براءت کا اظہار کرنے میں بہترین اسوہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تاکید کے لیے اسے مکرر ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ ذکر کیا گیا ہے: دوسری آیت پہلی آیت کے کچھ عرصہ بعد نازل ہوئی، قرآن حکیم میں اکثر تکرار اسی وجہ سے ہے۔

وَ مَنْ یَّتَوَلَّ جو آدمی اسلام اور ان مواعظ کو قبول کرنے سے اعراض کرے فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ اللہ تعالیٰ غنی ہے، اس نے اپنی کسی حاجت کی وجہ سے انہیں اپنا بندہ نہیں بنایا۔ الْحَمِیْدُ ۝ وہ اپنی ذات و صفات میں محمود ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے مشرک رشتہ داروں سے دشمنی شروع کر دی اس وجہ سے مسلمانوں کو جس دکھ کا سامنا کرنا پڑا اللہ تعالیٰ کو علم ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ عَادَیْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وہ اس طرح ہوا کہ کافر مسلمان ہو جائیں گے ان میں سے ایک قوم نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا اور مسلمانوں سے میل جول رکھا جس طرح حضرت ابوسفیان بن حرب، حضرت حارث بن ہشام، حضرت سہیل بن عمرو، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں مودہ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے شادی ہے۔ اس موقع پر ابوسفیان کی نخوت ٹوٹ پھوٹ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 518

کا شکار ہو گئی اور عداوت میں ان کی طبیعت ڈھیلی پڑ گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مودۃ سے مراد فتح مکہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے شادی کرنا ہے۔ وہ حضرت عبد اللہ بن جحش کے عقد میں تھیں۔ انہوں نے اور ان کے خاوند نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی ان کے خاوند نصرانی ہو گئے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ دین میں اس کی اتباع کریں حضرت ام حبیبہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے دین پر ہی کاربند رہیں اور ان کا خاوند نصرانیت پر ہی فوت ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی طرف پیغام بھیجا اور حضرت ام حبیبہ کو دعوت نکاح دی۔ نجاشی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے پوچھا: تم میں سے کون اس کا قریبی رشتہ دار ہے؟ صحابہ نے بتایا: حضرت خالد بن سعید، نجاشی نے کہا: ام حبیبہ کی شادی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دو۔ اس نے اسی طرح کیا۔ نجاشی نے اپنی جانب سے چار سو دینار بطور مہر پیش کیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان کی طرف ان کے نکاح کے لیے پیغام بھیجا۔ جب حضرت عثمان نے حضرت ام حبیبہ کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا تو نجاشی کی طرف ان کے بارے میں پیغام بھیجا نجاشی نے اپنی جانب سے مہر دیا اور حضرت ام حبیبہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھیج دیا۔ ابوسفیان جو ابھی مشرک تھا جب اسے یہ خبر پہنچی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیٹی سے شادی کر لی ہے تو اس وقت کہا: ذٰلِكَ الْفَحْلُ لَا يُقْدَعُ أَنْفُهُ یعنی یہ ایسا نر ہے جس کی ناک پر ضرب نہیں لگائی جاتی (1)۔ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی بہت ہی معزز ہو۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝

''اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ احسان کرو اور ان کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے''۔

اس آیت میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی کی رخصت ہے جو مومنوں سے دشمنی نہیں رکھتے اور ان سے برسر پیکار نہیں رہتے۔ ابن زید نے کہا: یہ ابتداء اسلام میں تھا جب ایک دوسرے کو چھوڑنے اور قتال کے معاملہ کو ترک کرنے کا حکم تھا پھر اسے منسوخ کر دیا گیا (2)۔ قتادہ نے کہا: اسے فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ: 5) سے منسوخ کر دیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حکم خاص علت کی بناء پر تھا اور وہ صلح تھی جب فتح مکہ کے ساتھ صلح ختم ہو گئی تو یہ حکم بھی منسوخ کر دیا گیا اور صرف اس کی قراءت و تلاوت باقی رہ گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی عہد و پیمان تھا جس کو انہوں نے نہ توڑا تھا ان کے لیے ہے: یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: وہ بنو خزاعہ اور بنو حارث بن عبد مناف ہیں۔ ابو صالح نے بھی یہی کہا ہے کہ مراد بنو خزاعہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب الصداق، کچھ کمی کے ساتھ، حدیث نمبر 1802، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 519

ہیں۔ مجاہد نے کہا: یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو ایمان لائے اور ہجرت نہ کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد عورتیں اور بچے ہیں کیونکہ یہ قتال نہیں کرتے (1)، اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ نیکی کا حکم دیا؛ بعض مفسرین نے یہ قول کیا ہے۔ اکثر علماء تاویل نے کہا: یہ آیت محکم ہے۔ انہوں نے اس واقعہ سے استدلال کیا کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کیا وہ اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہے جبکہ وہ مشرکہ کی حیثیت میں اس کے پاس آئی ہے؟ فرمایا: ''ہاں''۔ اسے امام بخاری اور امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت انہیں کے حق میں نازل ہوئی۔ عامر بن عبد اللہ بن زبیر نے اپنے باپ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دور جاہلیت میں اپنی بیوی قتیلہ کو طلاق دی یہی حضرت اسماء بنت ابوبکر کی والدہ تھی (2)۔ یہ اس وقت حضرت اسماء کے پاس آئی تھی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان صلح تھی۔ اس نے حضرت اسماء کو ایک بالی اور کچھ اشیا تحفہ کے طور پر دیں۔ حضرت اسماء نے انہیں قبول کرنے کو ناپسند کیا یہاں تک کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا؛ اس واقعہ کو ماوردی اور دوسرے علماء نے بیان کیا۔ ابوداؤد طیالسی نے اپنی مسند میں اسے نقل کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ، اس کا محل جر میں ہے اور الَّذِيْنَ سے بدل ہے یعنی وہ افراد جو تم سے جنگ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ صلہ رحمی سے منع نہیں کرتا۔ وہ بنو خزاعہ تھے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ نہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں گے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی کی مدد کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ نیکی کرنے اور وقت مقررہ تک اسے پورا کرنے کا حکم دیا؛ یہ فراء نے بیان کیا ہے۔

وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ یعنی اپنے اموال میں سے کچھ حصہ صلہ رحمی کے طور پر انہیں دے دو (3)۔ اس سے مراد عدل نہیں کیونکہ عدل تو قتال کرنے والے اور قتال نہ کرنے والے کے درمیان واجب ہے؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ قاضی ابوبکر نے کتاب ''الاحکام'' میں کہا: اس سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جن پر اعتماد کیا جا سکتا ہے کہ مسلمان بچے کا نفقہ کافر باپ پر واجب ہے (4)۔ یہ بڑی غلطی اور بھول ہے کیونکہ کسی چیز کے بارے میں اذن اور کسی شی کے بارے میں نہی کا نہ ہونا اس کے واجب ہونے پر دال نہیں۔ یہ انداز تجھے صرف اباحت عطا کر سکتا ہے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسماعیل بن اسحاق قاضی کے پاس ایک ذمی آیا آپ نے اس کی تکریم کی تو اس بارے میں حاضرین نے ان کی گرفت کی تو آپ نے اسی آیت کو ان پر تلاوت کیا۔

اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

''اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تمہیں

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 519
2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 520
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1785
4۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 1786

تمہارے گھروں سے نکالا یا مدد دی تمہارے نکالنے میں کہ تم انہیں دوست بناؤ اور جو انہیں دوست بناتے ہیں تو وہی (اپنے آپ پر) ظلم توڑتے ہیں''۔

قٰتَلُوْكُمْ یعنی دین کے خلاف تمہارے ساتھ جنگ کی۔ اخرجوا میں واؤ ضمیر سے مراد اہل مکہ میں سے سرکش لوگ ہیں۔ وَ ظٰهَرُوْا انہوں نے تمہیں نکالنے میں مدد کی اور وہ اہل مکہ کے مشرک ہیں۔ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ میں ان محل جر میں ہے اور ان تبتدھم سے بدل ہے۔ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ جو انہیں اولیاء، انصار اور احباب بناتا ہے۔ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ یہی لوگ ظالم ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ یَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَ اٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَ سْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَ لْیَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝

''اے ایمان والو! جب آجائیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے تو ان کی جانچ پڑتال کرلو، الله تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف مت واپس کرو، نہ وہ حلال ہیں کفار کے لیے اور نہ وہ (کفار) حلال ہیں مومنات کے لیے، اور دے دو کفار کو جو مہر انہوں نے خرچ کیے، اور تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم ان عورتوں سے نکاح کرلو جب تم انہیں ان کے مہر ادا کردو، اور (اس طرح) تم بھی نہ روکے رکھو (اپنے نکاح میں) کافر عورتوں کو اور مانگ لو جو تم نے (ان پر) خرچ کیا اور کفار بھی مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا، یہ الله کا فیصلہ ہے، وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے، اور الله (سب کچھ) جاننے والا بڑا دانا ہے''۔

اس آیت میں سولہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ جب الله تعالیٰ نے مشرکوں کے ساتھ دوستی کے ترک کرنے کا حکم دیا اس امر نے یہ تقاضا کیا کہ مسلمان مشرکوں کے علاقے چھوڑ کر مسلمانوں کے علاقوں کی طرف ہجرت کر جائیں۔ باہم نکاح، باہم دوستی کا موکدترین سبب تھا تو عورتوں کی ہجرت کے احکام کو بیان کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قریش کے مشرکوں کے ساتھ حدیبیہ کے سال صلح ہوئی کہ مکہ مکرمہ میں سے جو بھی شخص مدینہ طیبہ آئے گا اسے ان کی طرف واپس کردیا جائے گا ابھی تحریر سے فراغت ہوئی تھی کہ حارث اسلمیہ کی بیٹی حضرت سعیدہ آگئی۔ ابھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں ہی تھے اس کا خاوند آگیا جبکہ وہ کافر تھا اس کا نام صیفی بن راہب تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا نام مسافر مخزومی تھا۔ اس نے کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم میری بیوی مجھے واپس کردو کیونکہ آپ نے یہ شرط تسلیم کی ابھی تحریر کی مٹی بھی خشک نہیں ہوئی تو الله تعالیٰ

نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط آئی تو اس کے خاندان والے واپس لے جانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے خاوند عمرو بن عاص سے بھاگ آئی اس کے ساتھ اس کے دو بھائی عمارہ اور ولید تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دونوں بھائیوں کو واپس بھیج دیا اور اسے روک لیا۔ قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اسے شرط کی وجہ سے واپس کر دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''شرط مردوں کے متعلق تھی عورتوں کے متعلق نہ تھی'' (2)۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

حضرت عروہ سے مروی ہے: سہیل بن عمرو نے حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ شرط لگائی کہ ہم میں سے کوئی آدمی آپ کے پاس نہیں آئے گا اگر چہ وہ آپ کے دین پر ہو تو آپ اسے ہماری طرف واپس کر دیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مومنات کے بارے میں یہ آیت نازل کی (3)۔ یہ قول اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ عورتوں کے بارے میں شرط کو اس آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو عورت آئی تھی وہ امیمہ بنت بشر تھی جو ثابت شمر کے عقد میں تھی (4)۔ وہ ثابت سے بھاگ آئی جبکہ وہ ابھی کافر تھا اور حضرت سہل بن حنیف نے اس سے شادی کر لی تو اس کے بطن سے ان کا بیٹا عبداللہ پیدا ہوا۔ مہدوی نے کہا: ابن وہب نے خالد سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت امیمہ بنت بشر جو بنی عمرو بن عوف سے تعلق رکھتے تھے کے بارے میں نازل ہوئی۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد سعیدہ ہے جو صیفی بن راہب کی زوجہ تھی جو اہل مکہ میں سے مشرک تھا۔ اکثر علماء کی رائے ہے کہ وہ عورت ام کلثوم بنت عقبہ تھی۔

مسئلہ نمبر 2۔ اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کیا عورتیں صلح میں لفظاً شامل تھیں یا عموماً شامل تھیں (5)؟ ایک طائفہ کا کہنا ہے: صلح میں واضح اور صراحۃً یہ شرط شامل تھی کہ عورتوں کو واپس کیا جائے گا اللہ تعالیٰ نے معاہدہ سے ان کے لوٹانے کی شرط کو منسوخ کر دیا اور اس سے منع کر دیا اور مردوں کی شرط کو اسی طرح باقی رکھا جس طرح وہ تھی۔ یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احکام میں اپنی رائے سے اجتہاد فرما سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو خطا پر قائم نہیں رکھتا۔ علماء میں سے ایک طائفہ کا کہنا ہے صراحۃً ان کی واپسی کی کوئی شرط نہ تھی۔ معاہدہ اس پر ہوا تھا کہ جو مسلمان ہوگا اس کو واپس کر دیا جائے گا۔ عموم کا ظاہر مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عموم سے عورتوں کے نکلنے کو واضح کیا اللہ تعالیٰ نے دو امور کی وجہ سے مردوں اور عورتوں میں فرق بیان کیا ہے۔ (۱) اب ان کی شرمگاہیں کفار پر حرام ہیں۔ (۲) وہ زیادہ رقیق القلب اور مردوں کی نسبت جلدی پھر جانے والی ہیں۔ ان میں سے جو شرک پر قائم رہیں وہ ان پر لوٹا دی جائیں گی۔

مسئلہ نمبر 3۔ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ایک قول یہ کیا گیا ہے (6): ان میں سے جو اپنے خاوند کو تنگ کرنا چاہتی وہ کہتی: میں عنقریب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کر جاؤں گی، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان لینے کا حکم دیا۔ جس چیز کے

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 39 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1786 3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 364
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 521 5۔ ایضاً 6۔ ایضاً

ساتھ ان کا امتحان لیا جائیگا اس کے بارے میں تین قول ہیں۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: امتحان یہ ہے کہ ان سے اللہ کے نام کی قسم لی جائیگی (1) کہ وہ خاوند سے ناراض ہو کر اور ایک علاقہ کی بجائے دوسرے علاقہ کی محبت، دنیا کے لالچ اور کسی مرد کی محبت کے لیے نہیں نکلی بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت کی وجہ سے نکلی ہے۔ جب وہ اس پر اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھا دیتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خاوند کو اس کا مہر عطا فرما دیتے اور اس نے اس پر جو خرچ کیا ہوتا وہ بھی عطا فرما دیتے اور اسے واپس نہ کرتے اللہ تعالیٰ کے فرمان فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ...... کا یہی مدعا و مقصود ہے۔ (۲) امتحان یہ ہے کہ وہ یہ گواہی دے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ (۳) جس کی وضاحت بعد میں اسی سورت میں کی گئی ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا (2): رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے ساتھ آزماتے اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ۔ اسے معمر نے زہری سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے۔ اسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت اس معاہدہ کے لیے ناسخ ہے جو آپ نے قریش سے کیا تھا کہ جو بھی مسلمان آئے آپ اس کو واپس کر دیں۔ اس کے ساتھ عورتوں کا حکم منسوخ ہو گیا۔ یہ اس کا مذہب ہے جو قرآن کے ساتھ سنت کے نسخ کو جائز سمجھتا ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ مردوں اور عورتوں کے بارے میں حکم منسوخ ہے۔ یہ جائز نہیں کہ امام دشمنوں کے ساتھ اس بات پر صلح کرے کہ جو آدمی مسلمان ہو کر آئے وہ اسے واپس کر دے گا کیونکہ کسی مسلمان کو مشرکوں کی سرزمین پر رکھنا جائز نہیں؛ یہ کوفیوں کا نقطہ نظر ہے۔ امام مالک کے نزدیک اس نقطہ پر صلح جائز ہے۔ کوفیوں نے جو نقطہ نظر اپنایا ہے وہ اسے اسماعیل بن ابی خالد کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں وہ قیس بن ابی حازم سے وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بنو خثعم کی طرف بھیجا انہوں نے انہیں سجدہ کی حالت میں پکڑ لیا اور قتل کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نصف دیت دی اور فرمایا: ''میں ہر ایسے مسلمان سے بری ہوں جو دار الحرب میں مشرکوں کے ساتھ مقیم ہو وہ ایک دوسرے کی آگ نہ دیکھیں'' (3)۔

انہوں نے کہا: یہ روایت اس روایت کے لیے ناسخ ہے جس میں مسلمانوں کو مشرکوں کے حوالے کرنے کا ذکر تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے براءت کا اظہار کیا جو ان کے ساتھ دار الحرب میں مقیم ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں۔ امام شافعی نے کہا: اس قسم کا معاہدہ خلیفہ یا ایسا شخص جو امر کرتا ہے وہی کر سکتا ہے کیونکہ وہ تمام اموال کا والی ہوتا ہے خلیفہ کے علاوہ جس نے یہ عقد کیا تو وہ عقد مردود ہوگا۔

مسئلہ نمبر 5۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ یہ امتحان تمہارے لیے ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے کیونکہ وہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ　　2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 164

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، النهی عن القتل من اعتصم بالسجود، جلد 1، صفحہ 356

رازوں کو خوب جانتا ہے۔ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ ایمان میں سے جو ظاہر ہے اگر تم انہیں مومن جانتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر تم امتحان سے قبل ان کے مومن ہونے کا علم رکھتے ہو۔ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ اللہ تعالیٰ نے کوئی مومنہ کسی کافر کے لیے حلال نہیں کی اور نہ ہی کسی مومن کے لیے کسی مشرکہ سے نکاح کو حلال کیا ہے۔

یہ واضح ترین دلیل ہے کہ جس امر نے مسلمان عورت کی اپنے خاوند سے جدائی کو ثابت کیا وہ اس کا اسلام لانا ہے، اس کا ہجرت کرنا نہیں۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: جس امر نے ان کے درمیان تفریق کو ثابت کیا وہ دونوں داروں کا مختلف ہونا ہے۔ امام مالک کے مذہب میں اسی کی طرف اشارہ ہے بلکہ وہ اس میں صریح اور عبارۃ النص ہے۔ صحیح قول پہلا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ اس امر کو واضح کیا کہ عدم حل کی علت اسلام ہے داروں کا مختلف ہونا نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ابو عمر نے کہا: دار میں کوئی فرق نہیں نہ کتاب اللہ میں ایسی بات ہے نہ سنت میں ہے اور نہ ہی قیاس میں ہے۔ اس میں جس کی رعایت کی گئی ہے وہ دو دین ہیں۔ ان دونوں کے اختلاف اور اجتماع کے ساتھ حکم مرتب ہوگا، دار کی وجہ سے کوئی حکم نہیں ہوگا۔

مسئلہ نمبر 6۔ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا جب مسلمان عورت کو اس بات سے روک دیا جائے کہ اسے اس کے خاوند کے پاس واپس بھیجا جائے تو اس کے خاوند نے اس پر جو مال خرچ کیا ہے وہ اسے واپس کر دیا جائے۔ یہ وعدہ کو پورا کرنے کی صورت ہے کیونکہ جب اسلام کی حرمت کی وجہ سے اسے روکا گیا ہے تو اسکے مال کو واپس کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ دونوں صورتوں میں اس پر خسارہ واقع نہ ہو، بیوی اور مال۔

مسئلہ نمبر 7۔ کوئی چٹی وغیرہ لازم نہ ہوگی مگر اس صورت میں جب کافر خاوند مطالبہ کرے، جب وہ حاضر ہو اور مطالبہ کرے ہم اسے روک لیں گے اور چٹی بھر دیں گے۔ اگر وہ عورت خاوند کے آنے سے پہلے ہی مر جائے تو ہم مہر چٹی کے طور پر نہ دیں گے کیونکہ روکنا متحقق نہیں ہوا۔ اگر مہر شراب یا خنزیر: دتو ہم کسی چیز کے ذمہ دار نہیں ہونگے کیونکہ اس کی کوئی قیمت نہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں امام شافعی کے دو قول ہیں۔ (۱) یہ منسوخ ہے۔ امام شافعی نے کہا: جب ایسے افراد کے پاس سے مسلمان عورت آئے جن کے ساتھ صلح ہو جبکہ وہ مسلمان ہو مہاجر ہو دارالحرب سے امام کی طرف دارالاسلام میں یا دارالحرب میں آئے۔ اگر اسکے خاوند کے علاوہ ولی نے مطالبہ کیا تو بغیر عوض کے اسے روک لیا جائے گا اگر خاوند اپنے لیے یا کسی غیر کے لیے اپنی وکالت کے ساتھ مطالبہ کرے تو اس میں دو قول ہیں۔

(۱) وہ عوض دے گا دلیل وہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ (۲) اس میں دوسرا قول بھی ہے: مشرک خاوند کو کوئی عوض نہیں دیا جائیگا جس کی بیوی مسلمان ہو کر آئی اگر امام عورتوں کے واپس کرنے کی شرط لگائے تو یہ شرط باطل ہوگی۔ جس نے یہ قول کیا اس نے کہا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل حدیبیہ کے لیے یہ شرط لگائی تھی کہ ان میں سے جو بھی آئے گا اسے واپس کر دیا جائیگا۔ عورتوں کے بارے میں ان کی جانب سے شرط، شرط صحیح تھی اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر دیا اور عوض کو رد کر دیا جب اللہ تعالیٰ

نے فیصلہ کر دیا پھر اس کے رسول نے فیصلہ کر دیا کہ ان عورتوں کو واپس نہ کیا جائے گا تو جس نے بھی عورتوں کے واپس کرنے کی شرط لگائی وہ شرط منسوخ ہوگی اور اس پر کوئی عوض نہ ہوگا کیونکہ منسوخ کو شرط قرار دینا باطل ہے اور باطل چیز کا کوئی عوض نہیں۔

مسئلہ نمبر 8۔ خاوندوں نے جس قدر خرچ کیا ہو اس مقدار میں اللہ تعالیٰ نے واپس کرنے کا حکم دیا۔ اس امر کا مخاطب امام ہے اس کے پاس بیت المال میں جو ایسا مال ہے جس کا مصرف متعین نہ ہو اس میں سے وہ خرچ کرے گا۔ مقاتل نے کہا: وہ مہر کافر خاوند کو واپس کرے گا جس مہر پر عورت سے مسلمان مرد شادی کرے گا۔ اگر مسلمانوں میں سے کوئی بھی اس سے شادی نہ کرے تو کافر خاوند کے لیے کوئی چیز نہ ہوگی۔ قتادہ نے کہا: مہر واپس کرنے کا حکم ان لوگوں کی عورتوں کے بارے میں ہے جن کے ساتھ مسلمانوں کے عہد و پیمان ہوں۔ جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ نہیں انہیں کوئی مہر وغیرہ نہیں دیا جائیگا۔ معاملہ اسی طرح ہے جس طرح انہوں نے کہا۔

مسئلہ نمبر 9۔ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ یعنی جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور ان کی عدت ختم ہوگئی۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ مشرکہ اور معتدہ کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ اگر ایسی عورت حقوق زوجیت سے قبل ہی مسلمان ہو جائے تو اس کا نکاح اسی وقت ثابت ہو جائے گا اور اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرنا بھی جائز ہوگا۔

مسئلہ نمبر 10۔ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مہر کی شرط کے ساتھ ان کے ساتھ نکاح کرنے کو مباح قرار دیا کیونکہ اسلام نے اس کے اور اس کی کافر بیوی کے درمیان جدائی کر دی ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ عام قراء کی قراءت تخفیف کے ساتھ ہے یہ امساک سے مشتق ہے؛ یہ ابوعبید کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ (البقرہ: 231) حضرت حسن بصری، ابو العالیہ اور ابو عمرو نے لَا تُمَسِّكُوا پڑھا ہے یہ تمسیك سے مشتق ہو گا یوں کہا جاتا ہے: مَسَّكَ يمسك تمسيكا۔ یہ أمسك يُمْسِكُ کے معنی میں ہے۔ اسے ولا تمسكوا تاء کے نصب کے بھی ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اصل میں یہ لا تتمسكوا تھا۔ العصم یہ عصمہ کی جمع ہے اس سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ انسان محفوظ رہتا ہے یہاں عصمہ سے مراد نکاح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس کی مکہ مکرمہ میں کافرہ بیوی ہو وہ اسے بیوی شمار نہ کرے وہ اس کی بیوی نہیں (1)۔ دار کے مختلف ہونے کی وجہ سے نکاح ختم ہو چکا ہے۔

امام نخعی سے مروی ہے: مراد وہ مسلمان عورت ہے جو دارالحرب بھاگ گئی اور کافر ہوگئی۔ کفار مسلمان عورتوں سے شادیاں کیا کرتے تھے اور مسلمان مرد مشرک عورتوں سے شادی کیا کرتے تھے پھر اس آیت میں اس کو منسوخ کر دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو ایسی عورتوں کو طلاق دے دی جو مکہ مکرمہ میں تھیں اور مشرک تھیں ان میں سے ایک قریبہ بنت ابی امیہ تھی جس سے بعد میں معاویہ بن ابی سفیان نے شادی کی جو دونوں مکہ مکرمہ میں مشرک کی حیثیت سے رہ رہے تھے۔ اور ام کلثوم بنت عمرو خزاعیہ جو عبد اللہ بن مغیرہ کی والدہ تھی ابوجہم بن حذافہ نے اس سے شادی کی جو دونوں مشرک تھے۔ جب

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 518

حضرت عمر بن خطاب امیر المومنین بنے تو حضرت ابوسفیان نے اپنے بیٹے حضرت معاویہ سے کہا: قریبہ کو طلاق دے تاکہ حضرت عمر بن خطاب یہ خیال نہ کریں اس کا چھینا ہوا مال تیرے گھر میں ہے۔ حضرت معاویہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت طلحہ بن عبداللہ کے عقد میں اروی بنت ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب تھی اسلام نے دونوں میں تفریق کر دی پھر حالت اسلام میں ان سے حضرت خالد بن سعید بن عاص نے شادی کی۔ یہ بھی کفار کی ان عورتوں میں سے تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روک لیا اور حضرت خالد سے ان کی شادی کر دی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کی شادی ابوالعاص بن ربیع سے کی تھی۔ عبدالرزاق ابن جریج سے وہ ایک آدمی سے وہ ابن شہاب سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت زینب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد ہجرت کی ان کا خاوند ابوالعاص بن ربیع عبدالعزیٰ مکہ مکرمہ میں مشرک کی حیثیت میں تھا اس کی یہ وضاحت ہے کہ اس نے حضرت زینب کے بعد اسلام قبول کیا۔ شعبی نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ شعبی نے کہا: حضرت زینب بنت رسول اللہ ابوالعاص بن ربیع کی زوجہ تھیں وہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں چلی گئیں پھر ان کا خاوند مدینہ طیبہ آیا حضرت زینب نے اسے امان دی تو وہ اسلام لے آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کو اس کی طرف لوٹا دیا۔

ابوداؤد نے عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ پہلے نکاح کی وجہ سے ہی انہیں واپس کر دیا اور کوئی نیا عمل نہ کیا۔ محمد بن عمر نے اپنی حدیث میں کہا: یہ واقعہ چھ سال بعد ہوا۔ حسین بن علی نے کہا: دو سال بعد ہوا(1)۔ ابو عمر نے کہا: اگر یہ صحیح ہے تو یہ دو وجوہ سے خالی نہیں۔ آپ کو حیض ہی نہ آیا یہاں تک کہ ان کا خاوند مسلمان ہو گیا یا ان کے بارے میں یہ امر منسوخ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ (البقرہ: 228) یہ ایسا امر ہے جس بارے میں علماء میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس سے مراد عدت ہے۔ ابن شہاب زہری نے حضرت زینب کے اس قصہ میں کہا: یہ فرائض کے نازل ہونے سے پہلے تھا۔ قتادہ نے کہا: یہ سورۂ براءۃ کے نازل ہونے سے پہلے واقع ہوا جس میں مشرکین کے ساتھ تمام معاہدے ختم کرنے کا حکم ہوا۔

مسئلہ نمبر 12۔ بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ، کوافر سے یہاں مراد بت پرست ہیں ان کے ساتھ ابتداء ہی نکاح کرنا جائز نہیں۔ یہ حکم اہل کتاب کے علاوہ کوافر کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عام ہے۔ اہل کتاب کی عورتوں کا حکم اس سے منسوخ ہے۔ اگر آیت کے ظاہر کو دیکھا جائے تو کوئی کافر عورت کسی صورت میں حلال نہیں۔ پہلے قول کی بناء پر جب کوئی بت پرست یا مجوسی مسلمان ہو جائے اور اس کی بیوی مسلمان نہ ہو تو دونوں میں تفریق کر دی جائے گی، یہ قول بعض علماء کا ہے۔ ان میں سے کچھ نے کہا: عدت کے ختم ہونے کا انتظار کیا جائے گا۔ جس نے یہ کہا: اسی وقت ان میں تفریق کر دی جائے گی اور عورت کی

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب الی متی ترد الیہ، حدیث نمبر 1913، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
جامع ترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی الزوجین المشرکین یسلم احدھما، حدیث نمبر 1062، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب الزوجین یسلم احدھما قبل الآخر، حدیث نمبر 1998، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عدت کے مکمل ہونے کا انتظار نہ کیا جائیگا جب اس پر اسلام پیش کیا جائے اور وہ اسلام قبول نہ کرے وہ امام مالک بن انس ہیں؛ یہی قول حضرت حسن بصری، طاؤس، مجاہد، عطا، عکرمہ قتادہ اور حکم کا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے: وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ۔ زہری نے کہا: وہ اس کے ساتھ عدت کا انتظار کرتا ہے؛ یہ امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے انہوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت ابوسفیان بن حرب اپنی بیوی ہند بنت عتبہ سے پہلے اسلام لائے انہوں نے مرالظہر ان کے مقام پر اسلام قبول کیا پھر وہ مکہ مکرمہ کی طرف لوٹے جبکہ ہند وہاں کافرہ کی حیثیت سے رہ رہی تھی اور اپنے کفر پر قائم تھی۔ اس نے حضرت ابوسفیان کی داڑھی کو پکڑ لیا اور کہا: اس گمراہ شیخ کو قتل کر دو پھر اس کے چند روز بعد وہ مسلمان ہوگئی۔ دونوں اپنے نکاح پر قائم رہے کیونکہ ان کی عدت ختم نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا: اس کی مثل حضرت حکیم بن حزام کا واقعہ ہے۔ انہوں نے اپنی بیوی سے پہلے اسلام قبول کیا۔ پھر ان کے بعد ان کی بیوی مسلمان ہوئی۔ دونوں اپنے نکاح پر باقی رہے۔ امام شافعی نے کہا: جس نے وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ سے استدلال کیا ہے اس کے لیے اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ مسلمان عورتیں کافروں پر حرام ہیں جس طرح مسلمان مرد کافر، بت پرست اور مجوسی عورتوں کے لیے حلال نہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ پھر سنت نے اس کی وضاحت کی کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مراد یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے حلال نہیں ہوتے مگر اس صورت میں کہ دوسرا فرد عدت میں اسلام قبول کرلے۔ جہاں تک کوفیوں کا تعلق ہے کوفیوں سے مراد حضرت سفیان ثوری، حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب ہیں انہوں نے ذمی کافروں کے بارے میں کہا: جب عورت مسلمان ہو جائے تو خاوند پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر وہ اسلام قبول کرلے تو ٹھیک ورنہ دونوں میں تفریق کر دی جائیگی۔ ان علماء نے کہا: اگر دونوں حربی ہوں تو یہ اس کی بیوی رہے گی یہاں تک کہ اس کے تین حیض گزر جائیں۔ جب وہ دونوں دارالحرب میں ہوں یا دارالاسلام میں ہوں۔ اگر ان میں سے ایک دارالاسلام میں ہو اور دوسرا دارالحرب میں ہو تو دونوں میں عصمت ختم ہو جائے گی۔ ان علماء نے دار کا اعتبار کیا ہے جبکہ یہ کچھ بھی نہیں۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ یہ اختلاف مدخول بہا کے بارے میں ہے۔ اگر وہ غیر مدخول بھا ہو تو دونوں کے درمیان نکاح ختم ہو جانے میں کسی اختلاف کو نہیں جانتے کیونکہ اس پر کوئی عدت نہیں۔ امام مالک اس عورت کے بارے میں بھی یہی کہتے ہیں جو خود مرتد ہو جائے اور اس کا خاوند مسلمان ہو: دونوں کے درمیان نکاح ختم ہو جائے گا۔ ان کی دلیل وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ہے یہی قول حضرت حسن بصری اور حضرت حسن بن صالح بن حی کا ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ وہ عدت کے مکمل ہونے کا انتظار کرے۔

مسئلہ نمبر 14۔ اگر دونوں میاں بیوی نصرانی ہوں اور بیوی مسلمان ہو جائے اس میں بھی اختلاف ہے۔ امام مالک، امام احمد اور امام شافعی کا کہنا یہ ہے کہ وہ عدت کے مکمل ہونے تک وقوف کرے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ اس طرح بت پرست ہے اس کی بیوی مسلمان ہو جاتی ہے۔ اگر وہ عورت کی عدت میں مسلمان ہو جائے تو خاوند اس کا زیادہ حقدار ہوگا جس طرح حضرت صفوان بن امیہ اور حضرت عکرمہ بن ابی جہل اپنی بیویوں کے زیادہ مستحق رہے جب وہ دونوں اپنی بیویوں کی

عدت میں مسلمان ہوئے تھے۔ روایت ابن شہاب سے مروی ہے، اسے امام مالک نے موطا میں ذکر کیا ہے۔ ابن شہاب نے کہا: حضرت صفوان اور ان کی بیوی کے اسلام لانے میں ایک ماہ کا عرصہ حائل ہے۔ ابن شہاب نے کہا: ہمیں یہی خبر پہنچی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرے اور اس کا خاوند کافر ہو اور دارالحرب میں مقیم ہو مگر ہجرت اس کے اور اس کے خاوند کے درمیان تفریق کر دے گی ہاں یہ صورت مختلف ہے کہ اس کا خاوند عدت ختم ہونے سے پہلے آ جائے (1)۔ علماء میں سے وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں: دونوں کے درمیان نکاح منسوخ ہو جائے گا۔ یزید بن علقمہ نے کہا: میرا دادا مسلمان ہو گیا اور میری دادی مسلمان نہ ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں میں تفریق کر دی؛ یہ طاؤس کا قول ہے۔ دوسری جماعت جن میں عطا، حضرت حسن بصری اور عکرمہ نے کہا: دعوت نکاح کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔

مسئلہ نمبر 15۔ وَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا مفسرین نے کہا: مسلمان عورتوں میں سے جو عورتیں مرتد ہو کر ان کفار کے پاس چلی گئیں جن کے ساتھ مسلمانوں کے معاہدے تھے تو کفار کو کہا جائے گا: ان عورتوں کے مہر دے دو (2)۔ جب کفار کی عورتوں میں سے کوئی ایک مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آ جائے تو مسلمانوں کو کہا جائے گا: کفار کو ان عورتوں کے مہر واپس کر دو۔ یہ دونوں حالتوں میں عدل کی صورت ہے۔ اجماع امت یہی ہے کہ یہ حکم اس زمانہ میں ایک خاص واقعہ کے ساتھ خاص ہے؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ یعنی جو اس آیت میں مذکور ہے۔ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ یہ پہلے کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝

"اور اگر بھاگ جائے تم سے کوئی عورت تمہاری بیبیوں سے کفار کی طرف پھر تمہاری باری آ جائے (کہ کوئی کافرہ تمہارے قبضہ میں آ جائے) تو جن کی بیبیاں ان کے قبضہ سے نکل گئیں جتنا انہوں نے خرچ کیا اتنا انہیں دے دو، اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ روایت میں ہے کہ مسلمانوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اس پر ہم راضی ہیں اور مسلمانوں نے مشرکوں کو خط لکھے تو انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو یہ حصہ نازل ہوا۔ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا زہری نے عروہ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے وَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا مسلمانوں نے کفار کو خط لکھے اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر ہماری کوئی عورت تمہارے پاس آئے تو تم ہمیں مہر دو

1۔ موطا امام مالک، نکاح المشرک، صفحہ 508　2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1788

اور اگر تمہاری کوئی عورت ہمارے پاس آئے تو ہم اس کا مہر تمہیں دیں گے۔ جواب میں انہوں نے مسلمانوں کو خط لکھے:
جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو ہم نہیں جانتے کہ تمہارا کوئی حق ہم پر ہے اور اگر ہمارا تم پر کوئی حق ہے تو اسے ہماری طرف بھیج دو۔
اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو نازل کیا: وَ اِنْ فَاتَكُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یہ ان مسلمانوں اور ان کفار کے بارے میں ہے جو اہل مکہ سے تھے جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہے۔ زہری نے کہا: اگر عہد و پیمان نہ ہو تو مسلمان عورتوں کو روک لیا جائے گا اور انہیں مہر واپس نہیں کیا جائے گا (1)۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا: انہیں حکم دیا گیا کہ جن کی بیویاں چلی گئی ہیں انہیں اتنا مال، مال فئی اور غنیمت میں سے دے دو جتنا انہوں نے بیویوں پر خرچ کیا تھا۔ دونوں نے کہا: یہ حکم اس کے بارے میں ہے جس کے ساتھ ہمارا اس معاملہ میں کوئی عہد و پیمان ہو جبکہ ہمارا اور ان کے درمیان تو کوئی ایسا معاہدہ نہیں۔ دونوں نے کہا: فَعَاقَبْتُمْ کا معنی ہے تم بدلہ لو۔

فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مراد مہر ہیں۔ یہ تمام کفار میں عام ہے۔ قتادہ نے یہ بھی کہا ہے: اگر تم میں سے کسی کی بیوی ان کفار کے پاس چلی جائے جن کا اور تمہارا عہد و پیمان ہو تو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں انہیں اس کے برابر مال دو جتنا انہوں نے خرچ کیا۔ پھر سورۂ براءت میں یہ حکم منسوخ ہے۔ زہری نے کہا: فتح مکہ کے سال یہ حکم منقطع ہو گیا۔ سفیان ثوری نے کہا: آج اس پر عمل نہیں ہو گا۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے: یہ حکم آج بھی ثابت ہے؛ قشیری نے یہ بیان کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ فَعَاقَبْتُمْ عام قراءت فَعَاقَبْتُمْ ہے۔ علقمہ، نخعی، حمید اور اعرج نے فعقّبتم مشدد پڑھا ہے۔ مجاہد نے اسے فعاقبتم پڑھا ہے کہا: تم نے اس طرح کیا۔ جس طرح انہوں نے تمہارے ساتھ کیا۔ زہری نے فعَقَبْتم الف کے بغیر تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ مسروق اور شقیق بن سلمہ نے فعَقِبْتم قاف کے کسرہ کے ساتھ بغیر تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور کہا: اس کا معنی ہے تمہیں غنیمت حاصل ہو۔ تمام لغات کا ایک ہی معنی ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے۔ عَاقَبَ، عَقَبَ، عَقَّبَ، أعقب، تَعَقَّبَ، أعتقب اور تَعاقب جب غنیمت حاصل ہو۔ قتبی نے کہا فَعَاقَبْتُمْ کا معنی ہے تم یکے بعد دیگرے جنگ میں شریک ہو۔ ابن بحر نے کہا: تم مرتد عورت کو قتل کی سزا دو تو مسلمانوں کی غنیمتوں سے اس کے خاوند کو اس کا مہر واپس کیا جائے گا (2)۔

مسئلہ نمبر 3۔ فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اگر کوئی مومن عورت اہل مکہ کے کفار تک جا پہنچے، تمہارے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ نہ ہو اور اس کا خاوند مسلمان ہو اور تمہیں غنیمت حاصل ہو تو تم اس مسلمان خاوند کو مال غنیمت سے مہر کے برابر مال دے دو اور یہ ادائیگی پانچواں حصہ نکالنے سے پہلے ہو۔ زہری نے کہا: مال فئی سے اسے مہر دیا جائے گا (3)۔ ان سے یہ قول بھی مروی ہے: جو ہمارے ساتھ آ ملا ہے اسے مہر دیا جائیگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر کفار اس عورت کے مہر کی چٹی ادا کرنے کے لیے تیار نہ ہوں جو ان کے پاس چلی گئی ہے تو ان کے ساتھ معاہدہ ختم کر دو یہاں تک کہ تم فتح پاؤ اور وہ مہر ان سے لے لو۔ اعمش نے کہا: یہ منسوخ ہے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 366　　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 523　　3۔ ایضاً

عطا نے کہا: بلکہ اس کا حکم ثابت ہے۔ یہ سب پہلے گزر چکا ہے۔ قشیری نے کہا: یہ آیت ام حکم بنت ابی سفیان کے حق میں نازل ہوئی وہ مرتد ہوگئی تھی اور اس نے اپنے خاوند عیاض بن غنم قرشی کو چھوڑ دیا۔ قریش میں سے اس کے علاوہ کوئی عورت مرتد نہیں ہوئی تھی پھر اسلام قبول کر لیا۔

ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: وہ کل چھ عورتیں تھیں جنہوں نے اسلام چھوڑا اور مشرکوں کے ساتھ جا ملی تھیں یہ مہاجر مسلمانوں کی بیویاں تھیں (1)۔ (۱) ام الحکم بنت ابی سفیان، یہ حضرت عیاض بن ابی شداد فہری کے عقد میں تھی۔ (۲) فاطمہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ جو حضرت ام سلمہ کی بہن تھی۔ یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی تو اس نے انکار کیا اور مرتد ہوگئی۔ (۳) بروع بنت عقبہ یہ حضرت شماس بن عثمان کے عقد میں تھی۔ (۴) عبدہ بنت عبد العزی یہ حضرت ہشام بن عاص کے عقد میں تھی۔ (۵) ام کلثوم بنت جرول یہ حضرت عمر بن خطاب کے عقد میں تھی۔ (۶) شہبہ بنت غیلان۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خاوندوں کو ان کے مہر مال غنیمت سے ادا کیے تھے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اس چیز سے بچو کہ تم ان امور میں حد سے تجاوز کرو جس کا تمہیں حکم دیا گیا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲

"اے نبی (مکرم) جب حاضر ہوں آپ کی خدمت میں مومن عورتیں تا کہ آپ سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ وہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہیں لگائیں گی جھوٹا الزام جو انہوں نے گھڑ لیا ہو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اور نہ آپ کی نافرمانی کریں گی کسی نیک کام میں تو (اے میرے محبوب) انہیں بیعت فرما لیا کرو اور اللہ سے ان کے لیے مغفرت مانگا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے"۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کو فتح کیا تو مکہ مکرمہ کی عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ ان سے عہد لیں کہ وہ شرک نہیں کریں گی۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں نے کہا: مومن عورتیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرتیں تو ان کا امتحان اس آیت کے ساتھ لیا جاتا يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ۔ (2)

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 519
2۔ صحیح مسلم، کتاب الاجارۃ، کیفیۃ بیعۃ النساء، جلد 2، صفحہ 131

مومنات میں سے جس نے اقرار کر لیا تو اس نے محنۃ کا اقرار کر لیا۔ جب وہ یہ اقرار کر لیتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرماتے: ''جاؤ میں نے تم سے بیعت لے لی ہے''۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کسی عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا آپ نے صرف گفتگو کے ذریعے ان سے بیعت لی۔ حضرت عائشہ نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے کبھی بھی بیعت نہیں لی مگر اسی چیز کی جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کبھی بھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بیعت لیتے تو یہ فرماتے: ''میں نے تم سے زبانی بیعت لے لی ہے۔'' یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ان عورتوں کے درمیان کپڑا تھا آپ ان پر شرط لگاتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: جب آپ مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو آپ صفا پہاڑی پر بیٹھے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھوڑا نیچے حضرت عمر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں پر شرط ذکر کرتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان عورتوں پر اسے دہراتے تھے۔ ایک روایت یہ کی گئی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کی ذمہ داری لگائی جو صفا پر کھڑی ہوئی تو اس نے عورتوں سے بیعت لی۔ ابن عربی نے کہا: یہ ضعیف ہے (1)۔ چاہیے کہ اس چیز پر اعتماد کیا جائے جو صحیح میں ہے۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گھر میں انصار کی عورتوں کو جمع کیا پھر حضرت عمر بن خطاب کو ہماری طرف بھیجا حضرت عمر دروازے پر کھڑے ہو گئے انہوں نے عورتوں کو سلام کیا اور عورتوں نے انہیں سلام کا جواب دیا۔ حضرت عمر نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تمہیں پیغام پہچانے والا ہوں۔ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گی۔ سب نے کہا: ہاں ٹھیک ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کمرے کے باہر سے اور ہم نے کمرے کے اندر سے اپنے ہاتھوں کو بڑھایا۔ پھر حضرت عمر نے کہا: اے اللہ گواہ رہنا۔ عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے وہ دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب عورتوں سے بیعت لیتے تو پانی کا ایک پیالہ لیتے اپنا ہاتھ اس میں رکھتے پھر عورتوں کو حکم دیتے کہ وہ اپنا ہاتھ اس میں رکھیں تو وہ اپنا ہاتھ اس پیالہ میں رکھتیں (2)۔

مسئلہ نمبر 2۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہا: ''تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گی۔'' ہند بنت عتبہ نے کہا جبکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خوف کی وجہ سے نقاب میں تھی کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہچان ہی نہ لیں۔ خوف کی وجہ سے اس کا وہ عمل تھا جو اس نے غزوہ احد کے موقع پر حضرت حمزہ کے ساتھ روا رکھا تھا: اللہ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ایسی باتوں کا وعدہ لے رہے ہیں جو آپ نے مردوں سے نہیں لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اسلام اور جہاد پر بیعت لی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ چوری نہیں کریں گی'' (3)۔ ہند نے کہا: ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے میں اس کے مال سے ضرورت کی چیز لے لیتی ہوں۔ ابوسفیان نے کہا: وہ تیرے لیے حلال ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور اسے پہچان لیا۔ فرمایا: ''تو ہند ہے؟'' اس نے عرض کی: جو گزر چکا اللہ تعالیٰ اسے معاف کرے۔ پھر فرمایا: ''وہ بدکاری نہیں کریں گی''۔ ہند نے عرض کی: کیا آزاد عورت بھی بدکاری کرتی ہے؟ پھر فرمایا: ''وہ اپنی اولادوں کو قتل نہیں کریں گی، وہ بچیوں کو

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1791 2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 521 3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 368

زندہ درگور نہیں کریں گی اور جنین کو نہیں گرائیں گی"۔ ہند نے کہا: ہم نے ان بچوں کو چھوٹی عمر میں پالا اور جب وہ بڑے ہو گئے تو میدان بدر میں تم نے انہیں قتل کر دیا۔ تم اور وہ زیادہ بصیرت والے ہیں۔ مقاتل نے یہ نقل کیا ہے: ہم نے انہیں چھوٹی عمر میں پالا اور بڑی عمر میں تم نے انہیں قتل کیا تم اور وہ زیادہ جانتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہنس پڑے یہاں تک کہ پشت زمین پر جا لگی۔ حنظلہ بن ابی سفیان یہی ہند کا پہلا بیٹا تھا جو غزوہ بدر میں قتل ہوا تھا۔ پھر فرمایا: وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ کا معنی یہ ہے زبان سے چغل خوری کرنا۔ اور (بین) اَرْجُلِهِنَّ کا معنی ہے شرمگاہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ سے مراد بوسہ لینا اور ٹٹولنا اور بین ارجلهن سے مراد جماع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہے کہ وہ کسی غیر کا بچہ اپنے خاوندوں کے ساتھ لاحق نہیں کریں گی؛ یہ جمہور کا قول ہے۔ عورت کوئی بچہ پاتی تو اسے اپنے خاوند کے ساتھ لاحق کر دیتی اور کہتی: یہ تجھ سے میرا بچہ ہے (1)۔ یہ بہتان اور افتراء ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مابین یدیھا و رجلیھا یہ بچے سے کنایہ ہے کیونکہ اس کا بطن جس میں وہ بچے کو اٹھاتی ہے وہ اس کے سامنے ہوتا ہے اور وہ شرمگاہ جس سے وہ بچہ جنتی ہے وہ اس کی ٹانگوں کے درمیان ہوتا ہے۔ یہ حکم عام ہے اور بچے کو لانے اور اپنے خاوند کے ساتھ اسے لاحق کرنے کو شامل ہے۔ اگرچہ زنا سے نہی پہلے گزر چکی ہے۔ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ جب ہند نے یہ سنا تو اس نے کہا: اللہ کی قسم! بہتان یہ قبیح امر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم نہیں دیتے مگر سب سے بہترین امر اور مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں۔ پھر فرمایا: وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ۔ قتادہ نے کہا: "وہ نوحہ نہیں کریں گی اور ان میں سے کوئی عورت خلوت اختیار نہیں کرے گی مگر ذی رحم محرم رشتہ کے ساتھ ہی"۔ مراد ہے غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں وقت نہیں گزارے گی۔ سعید بن مسیب، محمد بن سائب اور زید بن اسلم نے کہا: "وہ چہرے کو نہیں نوچیں گی، وہ گریبان نہیں پھاڑیں گی، وہ ہائے ہلاکت وغیرہ کا واویلا نہیں کریں گی، وہ شعر نہیں پڑھیں گی، وہ ذی رحم محرم رشتہ دار کے سوا مردوں سے گفتگو نہیں کریں گی"۔

حضرت ام عطیہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ یہ حکم نوحہ کے متعلق ہے، یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ شہر بن حوشب نے حضرت ام سلمہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: اس سے مراد نوحہ ہے (2)۔

مصعب بن نوح نے کہا: میں ایک ایسی بوڑھی سے ملا جو ان عورتوں میں سے تھی جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی اس نے مجھے وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ کی تفسیر کے حوالے سے حدیث بیان کی کہ مراد نوحہ ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فرمایا: "اس سے مراد نوحہ ہے" (3)۔ کہا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مگر آل فلاں کیونکہ انہوں نے دور جاہلیت میں

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 43

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، النهی عن النیاحۃ صفحہ 114

3۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، النهی عن النیاحۃ، جلد 1، صفحہ 304

میری مدد کی تھی۔ اس عورت سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کے ساتھ ہم سے یہ وعدہ بھی لیا کہ ہم نوحہ نہیں کریں گی۔ ہم میں سے پانچ عورتوں کے سوا کسی نے بھی ان سے وفا نہ کی۔ حضرت ام سلیم، حضرت ام العلاء، حضرت بنت ابی سرہ جو حضرت معاذ کی زوجہ تھیں یا حضرت بنت ابی سرہ، حضرت معاذ کی زوجہ رضوان اللہ علیہن۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں معروف سے مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے؛ یہ قول میمون بن مہران کا ہے۔ بکر بن عبد اللہ مزنی نے کہا: وہ کسی ایسے امر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کریں گی جس میں ان کے لیے ہدایت کا پہلو ہو۔ کلبی نے کہا: یہ ہر معروف میں عام ہے جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حکم دیا(1)۔ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت ہند نے اس وقت کہا: ہم اس مجلس میں نہ بیٹھتیں اگر ہمارے دلوں میں کوئی ایسی بات ہوتی کہ ہم آپ کے کسی معاملہ میں نافرمانی کریں۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے بیعت کی صفت میں کئی امور ذکر کیے ہیں ان امور میں دین میں جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان کی وضاحت کی گئی اور امر کے ارکان ذکر نہیں کیے گئے وہ بھی چھ چیزیں ہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی، نماز، زکوۃ، روزہ، حج اور جنابت سے غسل، اس کی وجہ یہ ہے کہ نہی ہر زمانہ اور ہر حال میں قائم رہتی ہے تو دائمی رہنے والی چیزوں پر تنبیہ زیادہ موکد ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جن امور سے منع کیا گیا ہے عورتوں میں یہ بہت زیادہ ہوتی ہیں اور نسب کا شرف انہیں اس سے نہیں روکتا، اس لیے انہیں خصوصی طور پر ذکر کیا گیا؛ اس کی مثل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو آپ نے عبد القیس کے وفد سے فرمایا: ''میں تمہیں دباء (کدو سے بنا برتن) حنتم (روغنی گھڑا) نقیر (کھجور کے تنے سے بنا برتن) اور مزفت (تارکول ملا برتن) سے منع کرتا ہوں''(2)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے گناہوں سے نہی کے بجائے صرف شراب پینے سے منع کیا کیونکہ یہی ان کی پسندیدہ چیز اور عادت تھی۔ جب انسان نافرمانیوں میں سے پسندیدہ امر کو ترک کرتا ہے تو اس کے لیے باقی شہوتوں کو چھوڑنا آسان ہو جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت میں وَلَا يَسْرِقْنَ فرمایا: حضرت ہند نے عرض کی: یا رسول اللہ! ابو سفیان بخیل آدمی ہے۔ کیا مجھ پر گناہ ہوگا کہ میں اس کے مال سے اتنا لے لوں جو میرے اور میری اولاد کے لیے کافی ہو؟ فرمایا: ''نہیں مگر معروف طریقہ سے''(3)۔ حضرت ہند کو خوف ہوا کہ اگر اس نے اسی مال پر اکتفاء کیا جتنا حضرت ابو سفیان اسے دیتے ہیں تو وہ تو ضائع ہو جائے گی یا اس سے زیادہ لیا تو وہ چوری کرنے والی اور مذکورہ بیعت کو توڑنے والی ہو جائے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: ''تو معروف طریقہ سے جو لے گی اس میں کوئی حرج نہیں'' یعنی جب وہ ضرورت سے زائد نہ لے تو کوئی حرج نہیں۔ ابن عربی نے کہا: یہ اس مال کے بارے میں ہوگا جو خاوند اس سے چھپا کر نہیں رکھتا اور اسے تالے میں نہیں رکھتا۔ جب بیوی اس تالے کو توڑے اور مال اس سے لے تو وہ چوری ہوگی، اس کی وجہ سے وہ گناہ گار ہوگی اور اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 526
2۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، الاعتصام بالکتاب والسنۃ، جلد 2، صفحہ 1079
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1795

مسئلہ نمبر 5۔ حضرت عبادہ بن صامت نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کا عہد لیا جس طرح عورتوں سے عہد لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، کسی کے ساتھ بدکاری نہیں کرو گے، اپنی اولادوں کو قتل نہیں کرو گے، تم ایک دوسرے کے خلاف جادو نہیں کرو گے اور جو نیکی کا تمہیں حکم دیا جائے گا اس میں تم نافرمانی نہیں کرو گے۔ ابن بحر اور دوسرے علماء نے کہا: وَلَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ سے مراد وہ جادو نہیں کریں گے۔ بہتان سے مراد جادو ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ يَفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ بہتان سے مراد وہ بچہ ہے يَفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ جسے وہ لقیط کے طور پر لے وَاَرْجُلِهِنَّ جس کو وہ بدکاری سے جنے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ کی تفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے فرمایا: یہ ایسی شرط ہے جو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے مقرر کی ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس کے معنی میں اختلاف کیا گیا ہے (1)۔ صحیح یہ ہے کہ یہ عام ہے اور نبی کریم ﷺ نے جو بھی حکم دیا ہے اور جن سے منع کیا ہے ان کو جامع ہے اس میں نوحہ، کپڑے پھاڑنا، بال کاٹنا اور غیر محرم کے ساتھ خلوت کرنا شامل ہے۔ یہ سب گناہ کبیرہ اور دور جاہلیت کے افعال ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو مالک اشعری سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں چار امور دور جاہلیت سے تعلق رکھتے ہیں ان میں سے آپ ﷺ نے نوحہ کا بھی ذکر کیا'' (2)۔ یحییٰ بن ابی کثیر، ابو سلمہ سے اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ان نوحہ کرنے والیوں کی قیامت کے روز دو صفیں بنائی جائیں گی ایک صف دائیں جانب اور ایک صف بائیں جانب ہوگی وہ اس دن میں یوں بھونکیں گی جس طرح کتے بھونکتے ہیں جو دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا پھر انہیں جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''فرشتے نوحہ کرنے والی اور چیخنے والی کے لیے رحمت طلب نہیں کرتے''۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک عورت کو نوحہ کرتے ہوئے سنا آپ اس کے پاس آئے اس کو درے سے مارا یہاں تک کہ اس کی اوڑھنی اس کے سر سے نیچے گر گئی۔ عرض کی گئی: اے امیر المومنین! عورت، عورت اس کی اوڑھنی گر گئی ہے۔ فرمایا: اس کی کوئی حرمت نہیں۔ ثعلبی نے تمام کی سندیں ذکر کی ہیں۔ جہاں تک فِيْ مَعْرُوْفٍ کا ارشاد ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَلَا يَعْصِيْنَكَ میں قوت ہے اس میں دو قول ہیں۔ (1) یہ تاکید کے انداز میں معنی کی تفسیر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ (الانبیاء: 112) کیونکہ اگر احکم فرماتا تو یہ بھی کافی ہوتا۔ (۲) نبی کریم ﷺ کی بیعت میں معروف کی شرط لگائی تاکہ اس امر پر تنبیہ ہو کہ کوئی اور اس شرط کا زیادہ مستحق ہے، اس پر یہ چیز لازم ہے اور اشکال کی نفی کرنے والی ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ امام بخاری نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس موجود تھے۔ فرمایا: ''کیا تم میری اس پر بیعت کرتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے، تم بدکاری نہیں کرو

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 727
2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، الوعید فی النیاحۃ اذا لم یتب، جلد 1، صفحہ 303

گے اور تم چوری نہیں کرو گے'' (1)۔ سورۂ نساء کی آیت کی تلاوت کی۔ آیت کے ساتھ ان الفاظ کا اضافہ کیا: ''جس نے اس عہد کو پورا کیا تو اس کا اجر الله تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے اور جس نے کوئی غلطی کی تو اسے سزا دی گئی تو وہ اس کا کفارہ بن جائے گی اور جس نے کوئی غلطی کی اور الله تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تو اس کا معاملہ الله تعالیٰ کے سپرد ہے چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو اسے بخش دے''۔

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ میں عید الفطر کے روز رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا سب خطبہ سے پہلے نماز پڑھتے تھے پھر خطبہ دیا کرتے تھے الله کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نیچے اترے گویا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے لوگوں کو بٹھا رہے ہیں پھر لوگوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے یہاں تک کہ حضرت بلال کے ساتھ عورتوں تک پہنچے (2) اور یہ آیت تلاوت کی یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ یہاں تک کہ آیت سے فارغ ہوئے۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا: ''تم اس پر ہو؟'' ایک عورت نے جواباً عرض کیا اس کے علاوہ کسی نے بھی جواب نہ دیا: ہاں یا رسول الله! صلی اللہ علیہ وسلم۔ حسن بن مسلم راوی نہیں جانتا کہ وہ عورت کون تھی۔ کہا: عورتوں نے صدقہ کیا۔ حضرت بلال نے اپنا کپڑا پھیلا دیا، عورتیں اپنے چھلے اور انگوٹھیاں حضرت بلال کے کپڑے میں ڈالنے لگیں۔ الفاظ بخاری کے ہیں۔

مسئلہ نمبر 8۔ مہدوی نے کہا: تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ امام کے لیے ضروری نہیں کہ وہ عورتوں پر یہ شرط لگائے اس کا حکم دینا مستحب ہے لازم نہیں۔ بعض اہل نظر نے کہا: جب امتحان (جانچ پڑتال) کی ضرورت ہو کیونکہ دار دور ہے تو اس امتحان (جانچ پڑتال) کا قائم کرنا مسلمانوں کے امام پر ضروری ہوگا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ قَدْ یَىِٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا یَىِٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾

''اے ایمان والو! نہ بناؤ دوست ان لوگوں کو، غضب فرمایا ہے الله تعالیٰ نے جن پر یہ آخرت (کے ثواب سے) مایوس ہو گئے ہیں جیسے وہ کفار مایوس ہو چکے ہیں جو قبروں میں ہیں''۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ۔ قَوْمًا سے مراد یہودی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان فقراء میں سے کچھ لوگ یہودیوں کو مومنوں کی خبریں دیتے اور ان کے ساتھ تعلقات قائم کرتے اس طرح ان سے کچھ پھل حاصل کر لیتے تو انہیں اس امر سے منع کیا گیا۔

قَدْ یَىِٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ مراد یہودی ہیں؛ یہ ابن زید کا قول ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ اس سے مراد منافق ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مراد یہود و نصاریٰ ہیں (3)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کا معنی ہے انہوں نے آخرت

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 727 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 526

کے لیے عمل کو ترک کر دیا اور دنیا کو ترجیح دے دی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے وہ آخرت کے ثواب سے مایوس ہو گئے (1)؛ یہ مجاہد کا قول ہے: كَمَا يَىِٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ۠ یعنی زندہ کافر اصحاب قبور کے بارے میں مایوس ہو چکے ہیں کہ وہ ان کی طرف پلٹ کر آئیں گے؛ یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے۔ ابن عرفہ نے کہا: اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا: وَ مَا يُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ (الجاثیۃ: 24) ہمیں زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے جس طرح وہ کفار مایوس ہو گئے جو قبروں میں ہیں کہ وہ دنیا کی طرف لوٹیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے سورت کا اختتام بھی اسی چیز سے کیا جس سے سورت کو شروع کیا تھا کہ کفار کے ساتھ دوستی کو ختم کر دیا جائے۔ یہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو خطاب ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ ارادہ فرماتا ہے کہ قریش کے کفار آخرت کی بھلائی سے یوں مایوس ہو گئے ہیں جس طرح وہ کفار جو قبروں میں دفن ہیں آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو گئے ہیں (2)۔ قاسم بن ابی بزہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: کفار میں سے جو فوت ہو چکا ہے وہ بھلائی سے مایوس ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 370
2۔ تفسیر الماوردی، جلد 5، صفحہ 526

سورۃ الصّف

اٰیاتھا ۱۴ ۶۱ سُوْرَۃُ الصَّفِّ مَدَنِیَّۃٌ ۱۰۹ رکوعاتھا ۲

تمام کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے جس طرح ماوردی نے ذکر کیا ہے(1)۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مکی ہے؛ نحاس نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے۔اس کی چودہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝

"اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔ اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ بڑا ناراضگی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو"۔

پہلی آیت کی تفسیر سورۂ حدید کی پہلی آیت کے تحت گزر چکی ہے۔

دوسری دو آیات کے ضمن میں پانچ مسائل بیان کئے گئے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ داری ابو محمد نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے کہ محمد بن کثیر، اوزاعی سے وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے وہ ابو سلمہ سے وہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں: ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک جماعت بیٹھی ہم نے آپس میں بات چیت کی ہم نے کہا: اگر ہم جانتے کہ اعمال میں سے کون سا عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زیادہ محبوب ہے تو ہم اس پر ضرور عمل کرتے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ کو نازل فرمایا۔ابو سلمہ نے کہا: حضرت ابن سلام نے انہیں ہم پر تلاوت کیا۔یحییٰ نے کہا: ابو سلمہ نے انہیں ہم پر پڑھا، انہیں یحییٰ نے ہم پر پڑھا، اوزاعی نے انہیں ہم پر پڑھا اور محمد نے انہیں ہم پر پڑھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے کہا: اگر ہم ایسا عمل جانتے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے محبوب ہے تو ہم اس پر عمل کرتے؟ جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو صحابہ نے اسے ناپسند کیا(2)۔کلبی نے کہا: مومنوں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر ہم ایسے عمل کو جانتے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زیادہ محبوب ہے تو ہم اس عمل کو بجالانے میں جلدی کرتے تو یہ

1۔تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 527 2۔ایضاً

آیت نازل ہوئی هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ صحابہ کرام طویل زمانہ تک رکے رہے وہ کہتے: کاش! ہم جانتے کہ وہ کیا ہے تو ہم انہیں اموال، اپنی جانوں اور اہل کے بدلے خرید لیتے؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ارشاد کے ساتھ انہیں آگاہ کیا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ۔

غزوہ احد کے موقع پر آزمایا گیا تو وہ بھاگ گئے اس وعدہ خلافی کرنے پر انہیں عار دلانے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ محمد بن کعب نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے شہداء بدر کے ثواب کے بارے میں خبر دی تو صحابہ نے کہا: اے اللہ! گواہ رہنا اگر ہمیں جنگ کا موقع ملا تو ہم اپنی پوری طاقت صرف کر دیں گے، وہ غزوہ احد کے موقع پر بھاگ گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس پر عار دلائی (1)۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا: یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو یہ کہتے تھے: ہم نے جہاد کیا، ہم نے فلاں کو قتل کیا جبکہ انہوں نے اس طرح نہیں کیا تھا۔ حضرت صہیب رومی نے کہا: ایک آدمی تھا جس نے غزوہ بدر کے موقع پر مسلمانوں کو بڑی مصیبت میں ڈالا اور انہیں زخمی کیا تو میں نے اسے قتل کر دیا۔ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے نبی! میں نے فلاں کو قتل کیا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وجہ سے خوش ہوئے۔ حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عبد الرحمن بن عوف نے کہا: اے صہیب! کیا تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بتایا کہ میں نے فلاں کو قتل کیا ہے؟ فلاں آدمی اس کے قتل کو اپنی طرف منسوب کر رہا تھا۔ حضرت صہیب رومی نے بتایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا! ''اے ابو یحییٰ! کیا بات اسی طرح ہے؟'' عرض کی: جی ہاں، اللہ کی قسم! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تو جس نے اس قتل کو اپنی طرف منسوب کیا تھا اس کے بارے میں آیت نازل ہوئی۔ ابن زید نے کہا: یہ آیات منافقین کے حق میں نازل ہوئیں (2)۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو کہا کرتے تھے: اگر تم نکلے اور تم نے جنگ کی تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے اور جنگ کریں گے۔ جب وہ نکلے تو منافق ان سے پیچھے ہٹ گئے۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ جس آدمی نے اپنے اوپر کوئی عمل لازم کیا جس میں طاعت ہو تو وہ اس کو پورا کرے صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے آپ نے اہل بصرہ کے قراء کی طرف پیغام بھیجا تو آپ کی خدمت میں تین سو آدمی حاضر ہوئے جنہوں نے قرآن پڑھ رکھا تھا (3)۔ فرمایا: تم اہل بصرہ کے بہترین لوگ ہو اور ان کے قاری ہو تم اس کی تلاوت کرو تم پر کوئی عرصہ نہ گزرے کہ تمہارے دل سخت ہو جائیں جس طرح ان کے دل سخت ہو گئے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں، ہم ایک ایسی سورت پڑھتے تھے جو طوالت اور شدت میں سورۂ براءت جیسی تھی، مجھے وہ بھلا دی گئی مگر مجھے اتنی بات یاد ہے کہ اس میں تھا اگر انسان کے پاس مال کی دو وادیاں ہوں تو تیسری وادی کی خواہش کرتا ہے مٹی کے سوا کوئی چیز انسان کے پیٹ کو بھر نہیں سکتی۔ ہم ایک سورت پڑھا کرتے تھے جسے ہم مسبحات سورتوں میں سے ایک کے مشابہ خیال کرتے تو وہ مجھے بھلا دی گئی مگر مجھے اس میں سے یہ یاد ہے: اے مومنو! تم وہ کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں۔ تمہاری گردنوں میں بطور شہادت اسے لکھ دیا جائے گا اور قیامت کے روز تم سے اس بارے میں سوال کیا جائے گا۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 371 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 527
3۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، کراھیۃ حرص علی الدنیا، جلد 1، صفحہ 335

ابن عربی نے کہا: یہ سب باتیں دین میں ثابت ہیں جہاں تک یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝ کا تعلق ہے یہ تو دین میں لفظ اور معنی کے اعتبار سے اس سورت میں ثابت ہے (1)۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ تمہاری گردنوں میں شہادت ہوئی اور قیامت کے روز اس بارے میں تم سے پوچھا جائے گا، یہ معنی کے اعتبار سے دین میں ثابت ہے کیونکہ جو کسی چیز کو اپنے اوپر لازم کرتا ہے وہ شرعاً اس پر لازم ہو جاتی ہے۔ جو چیز لازم ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ا: نذر، نذر کی بھی دو قسمیں ہیں (ا) جو ابتداء عبادت ہو جس طرح کسی کا یہ قول ہے: لِلّٰہِ عَلَیَّ صلاۃٌ و صومٌ و صدقۃٌ اللہ کے لیے مجھ پر نماز، روزہ اور صدقہ ہے یا اسی طرح کسی عبادت کا ذکر کرے۔ بالاجماع اس کو پورا کرنا لازم ہے۔ (۲) نذر مباح۔ اس سے مراد ایسی نذر ہے جس کو اس نے پسندیدہ شرط کے ساتھ معلق کیا ہو جس طرح اس کا قول ہے: اگر میرا غائب آیا تو مجھ پر صدقہ لازم ہے۔ یا کسی خوف والی شرط کے ساتھ معلق کرے جیسے: اگر اللہ تعالیٰ میری فلاں تکلیف کے لیے کافی ہو گیا تو مجھ پر صدقہ لازم ہے۔ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے کہا: اس کو پورا کرنا لازم ہے۔ امام شافعی نے اپنے ایک قول میں کہا: اس کو پورا کرنا لازم نہیں آیت کا عموم ہماری دلیل ہے، کیونکہ آیت کا مطلق ہونا ان آدمیوں کی مذمت کو شامل ہے جو کسی طور پر بھی ایسا نہ کرے خواہ وہ مطلق ہو یا شرط کے ساتھ مقید ہو۔ امام شافعی کے اصحاب نے کہا: بے شک وہ نذر جس سے عبادت کا مقصد ہو۔ یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب وہ عبادت کی جنس سے ہو۔ یہ اگرچہ عبادت کی جنس سے تو ہے مگر اس کے ساتھ عبادت کا قصد نہیں کیا گیا بلکہ اس سے یہ قصد کیا گیا ہے کہ اپنے نفس کو کسی فعل سے روکنے یا کسی فعل کے کرنے کا قصد کیا گیا ہے۔ ہم کہتے ہیں: تمام شرعی عبادات حقیقت میں مشقتیں اور مشکل امور ہیں، اگرچہ یہ عبادات ہیں۔ یہ کسی نفع کے حصول یا تکالیف کو دور کرنے کے لیے کسی مشقت کے ساتھ قربت کو لازم کرنا ہے۔ تو یہ امور مکلف بنانے سے خارج نہ ہوں گے۔ ابن عربی نے کہا: اگرچہ جو بات کی گئی ہے وہ وعدہ ہے تب بھی اس سے خالی نہیں کہ یہ کسی سبب پر منحصر ہو جس طرح کوئی کہتا ہے: اِنْ تزوجت أعنتك بدينار، اگر میں نے شادی کی تو ایک دینار کے ساتھ تیری مدد کروں گا یا اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں تجھے یہ عطا کروں گا۔ یہ لازم ہے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے۔ اگر صرف وعدہ ہو تو ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اپنے مطلق ہونے کی وجہ سے لازم ہو گیا۔ انہوں نے آیت کے سبب سے استدلال کیا ہے۔ کیونکہ روایت کی گئی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: اگر ہم ایسا عمل جانتے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے افضل ہے یا اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے محبوب ہے تو ہم ضرور اس پر عمل کرتے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ یہ ایسی حدیث ہے جس میں کوئی کجی نہیں۔ مجاہد سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جب اس آیت کو سنا تو کہا: میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے آپ کو روکے رکھوں گا یہاں تک کہ شہید کیا جاؤں۔ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وعدہ عذر کے بغیر ہر صورت میں پورا کرنا لازم ہے۔

میں کہتا ہوں: امام مالک نے کہا جہاں تک وعدہ کا تعلق ہے جس طرح ایک آدمی کسی سے سوال کرتا ہے کہ وہ اسے کوئی چیز ہبہ کرے تو وہ آدمی کہتا ہے: ہاں ٹھیک ہے۔ پھر اس کے لیے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایسا نہ کرے تو میں اسے نہیں دیکھتا کہ یہ اس پر

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1800-1799

لازم ہوگا۔ ابن قاسم نے کہا: جب اس نے قرض خواہوں سے وعدہ کیا اور کہا: میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے ہبہ کر دیا جو وہ تمہیں دے دے گا۔ یہ اس پر لازم ہو جائے گا، مگر اس کا یہ کہنا: ہاں میں ایسا کروں گا۔ پھر اس کے لیے ظاہر ہوا (کہ وہ اسے نہ دے) تو میں اس پر کوئی چیز لازم نہیں دیکھتا۔

میں کہتا ہوں: اس پر اس چیز کو لازم نہیں کیا جائے گا۔ جہاں تک مکارم اخلاق اور حسن مروت کا تعلق ہے تو اس حد تک تو ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کی تعریف کی ہے جس نے اپنے وعدے کو سچ کر دکھایا اور اپنی نذر کو پورا کیا فرمایا: وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا (البقرہ: 177) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (مریم: 54) اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ امام نخعی نے کہا: تین آیات ایسی ہیں جنہوں نے مجھے منع کر رکھا ہے کہ میں لوگوں کو وعظ و نصیحت کروں اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (البقرہ: 44) وَ مَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ (ہود: 88) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝ (الصف) ابونعیم حافظ نے مالک بن دینار سے وہ ثمامہ سے وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں ایک قوم کے پاس آیا جن کے منہ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے جب بھی انہیں کاٹا جاتا تو وہ پھر بڑھ جاتے۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبریل امین نے عرض کی: یہ تیری امت کے خطباء ہیں جو کہتے ہیں، عمل نہیں کرتے، وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے" (1)۔ سلف صالحین کے بارے میں مروی ہے: ان سے عرض کی گئی: ہمیں کچھ بیان کیجئے تو وہ خاموش رہے پھر انہیں کہا گیا: ہمیں کچھ بیان کیجئے۔ فرمایا: کیا تمہاری رائے یہ ہے کہ میں ایسی بات کروں جو میں خود نہ کروں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا جلدی مستحق ہو جاؤں۔

مسئلہ نمبر 4۔ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝ کلمہ استفہام انکار اور توبیخ کے لیے ہے کہ انسان بھلائی کا ذکر تو کرے مگر خود اس پر عمل نہ کرے، اگر یہ ماضی سے متعلق ہو تو یہ جھوٹ ہوگا اور مستقبل سے متعلق ہو تو یہ وعدہ خلافی ہوگی۔ دونوں چیزیں مذموم ہیں۔ سفیان بن عیینہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی یہ تاویل بیان کی ہے جو معاملہ تمہارے قبضہ میں نہیں تم وہ کیوں کہتے ہو تم نہیں جانتے کہ کیا تم اس کو کر سکو گے یا نہیں کر سکو گے۔ اس صورت میں کلام ظاہر معنی پر محمول ہوگی کہ ایسے قول پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝ امام شافعی کے ایک قول کے مطابق غضب کی حالت میں بھی وفا کرنا ضروری ہے۔ ان مابعد سے مل کر مبتدا ہے اور ماقبل اس کی خبر ہے گویا فرمایا: تمہارا ایسی بات کرنا جس پر خود عمل نہ کرو یہ مذموم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہو۔ کسائی نے کہا: ان محل رفع میں ہے یونکہ كَبُرَ ایسا فعل ہے جو بئس رجلا اخوك کے قائم مقام ہے اور مَقْتًا تمیز کے طور پر منصوب ہے۔ معنی یہ بنتا ہے۔ کبر قولهم ما لا یفعلون

1۔ کنز العمال، جلد 10، صفحہ 195، حدیث 29026

مقتا ان کا ایسی بات کرنا جس پر وہ عمل پیرا نہ ہوں یہ بڑی ناراضگی کا باعث ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حال ہے مقتا اور مقاتہ یہ دونوں مصدر ہیں یوں کہا جاتا ہے: رجل مقیت و ممقوت جب لوگ اسے پسند نہ کریں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝

''بے شک اللہ تعالیٰ بہت محبت کرتا ہے ان (مجاہدوں) سے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پرا باندھ کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا وہ صف بندی کرتے ہیں۔ مفعول یہ مضمر ہے تقدیر کلام یہ ہے یصفون أنفسهم صفا۔

كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ فراء نے کہا: وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں (1)۔ مبرد نے کہا: یہ رصصت البناء سے مشتق ہے جب تو اسے اس طرح بنا دے کہ وہ ایک ٹکڑے کی طرح ہو جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ رصیص سے مشتق ہے اس سے مراد دانتوں کا ایک دوسرے کے ساتھ جڑنا ہے۔ تراص سے مراد باہم جڑنا ہے۔ اسی سے تراصوا فی الصف ہے آیت کا معنی ہے۔ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتا ہے اور اپنی جگہ جم جاتا ہے جس طرح دیوار ایک جگہ ثابت رہتی ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مومنین کو تعلیم ہے کہ جب دشمنوں سے جنگ کا مرحلہ ہو تو وہ کیسے رہیں (2)۔

مسئلہ نمبر 2۔ بعض اہل تاویل نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ پیدل کا جہاد شاہسوار کے جہاد سے افضل ہے کیونکہ شاہسوار اس طریقہ سے صف بندی نہیں کرتے۔ مہدوی نے کہا: یہ درست نہیں کیونکہ شہسوار کے اجر اور غنیمت میں فضیلت کا ذکر ہے۔ شاہسوار آیت کے معنی سے خارج نہیں کیونکہ اس کا معنی ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ صف سے نکلنا جائز نہیں مگر ایسی ضرورت کی بناء پر جو انسان کو لاحق ہوتی ہے یا ایسے پیغام کی وجہ سے جو امام بھیجتا ہے یا ایسی منفعت میں جو خاص مقام میں ظاہر ہوتی ہے یا فرصت جس کا موقع ملتا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

دعوت مبارزت کے لیے صف سے نکلنے میں دو قول ہیں۔ (ا) اس بارے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مقصد دشمن کو خوفزدہ کرنا ہے، شہادت کو طلب کرنا ہے اور قتال پر برانگیختہ کرنا ہے۔ ہمارے اصحاب کہتے ہیں: کوئی آدمی دعوت مبارزت کے لیے نہ نکلے کیونکہ اس میں ریاکاری اور اس امر کی طرف نکلنا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ مبارزت اس وقت ہے جب کافر اسے طلب کرے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں غزوہ بدر اور غزوہ خیبر میں ہوا۔ سلف صالحین کا یہی انداز رہا۔ سورۂ بقرہ آیت 195 میں وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ کے ضمن میں مفصل بحث گزر چکی ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 528 2۔ ایضاً

''اور یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم مجھے کیوں ستاتے ہو حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں، پس جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا، اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا''۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ جب جہاد کے امر کا ذکر کیا تو یہ بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توحید کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کا حکم دیا اور جن لوگوں نے ان کی مخالفت کی ان پر عقاب نازل ہوا، اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی قوم کے سامنے اس قصہ کا ذکر کیجئے۔

يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ یہ اس وقت ہوا جب آپ کی قوم نے آپ پر ادرہ (ایک بیماری جس کی وجہ سے خصیتین پھول جاتے ہیں) کی تہمت لگائی جس طرح سورۂ احزاب میں گزرا ہے۔ اذی سے مراد وہ ہے جس کا ذکر قارون کے واقعہ میں گزر چکا ہے۔ قارون نے ایک عورت کے ساتھ سازش کی تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فسق و فجور کا دعویٰ کرتی۔ اور اذی سے مراد وہ قول بھی ہے جس کا ذکر اس ارشاد باری میں ہے۔ اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (الاعراف: 138) فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ (المائدہ: 24) اور ان کا یہ قول کہ تو نے ہارون کو قتل کیا۔ اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَ قَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ رسول کا احترام کیا جاتا ہے اور ان کی تعظیم بجا لائی جاتی ہے۔ تَّعْلَمُوْنَ پر قد تاکید کے لیے ہے گویا فرمایا: تم یقینی علم جانتے ہو، تمہارے لیے اس میں کوئی شبہ نہیں۔

فَلَمَّا زَاغُوْۤا جب وہ حق سے مائل ہوئے اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ انہیں ہدایت سے دور کرایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ طاعت سے پھرے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت سے پھیر دیا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان سے پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ثواب سے پھیر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام اور رب کی طاعت کو ترک کر دیا جن کا انہیں حکم دیا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں گمراہی کو پیدا کر دیا جو ان کے فعلوں پر ان کے لیے عقوبت ہے۔

وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

''اور یاد کرو جب فرمایا عیسیٰ فرزند مریم نے: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں میں تصدیق کرنے والا ہوں تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہے اور مژدہ دینے والا ہوں ایک رسول کا جو تشریف لائے گا میرے بعد اس کا نام (نامی) احمد ہوگا، پس جب وہ (احمد) آیا ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تو انہوں نے کہا: یہ تو کھلا جادو ہے''۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 528

وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ان کے لیے یہ قصہ بھی بیان کرو فرمایا: اے بنی اسرائیل! اے میری قوم نہیں فرمایا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ان میں نسب نہیں تھا کہ وہ ان کی قوم ہوتے۔ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ میں انجیل دے کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں، تورات میں میری صفت موجود ہے، میں تمہارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں لایا جو تورات کے خلاف ہو کہ تم مجھ سے نفرت کرتے۔ اور میں رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں۔ مُبَشِّرًا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ اس میں عامل ارسال کا معنی ہے۔ اِلَيْكُمْ رسول کا صلہ ہے۔

يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ نافع، ابن کثیر اور ابو عمرو نے من بعدی میں یاء کو فتحہ دیا ہے(1)۔ یہ سلمی، زر بن حبیش اور ابوبکر کی عاصم سے منقول قراءت ہے؛ ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے۔ کیونکہ یہ اسم ہے، جس طرح بعدك میں کاف اور قمت میں تاء مفتوح ہے۔ باقی قراء نے اسے ساکن پڑھا ہے۔ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ میں یاء کو لفظوں سے حذف کر دیا ہے۔ احمد یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ یہ ایسا اسم علم ہے جو صفت سے منقول ہے فعل سے منقول نہیں۔ اس صفت سے مراد اسم تفضیل ہے۔ احمد کا معنی حمد کرنے والوں میں سے اپنے رب کی سب سے زیادہ حمد کرنے والا۔ تمام انبیاء اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے ہیں اور ہمارے نبی ان میں سے سب سے زیادہ حمد کرنے والے ہیں۔ جہاں تک لفظ محمد کا تعلق ہے۔ یہ بھی صفت سے منقول ہے۔ یہ محمد کے معنی میں ہے لیکن اس میں مبالغہ اور تکرار کا معنی پایا جاتا ہے۔ پس محمد اس کو کہیں گے جس کی یکے بعد دیگرے تعریف کی جاتی ہو جس طرح مکرم ہے جس کی بار بار تکریم کی جاتی ہو اسی طرح ممدح وغیرہ ہے۔ اسم محمد اپنے معنی کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اس سے قبل رکھا کہ اپنا یہ نام رکھتے یہ نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری طرح صادق آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں محمود ہیں کیونکہ آپ کے علم و حکمت کی طرف رہنمائی کی گئی اور اس سے نفع اٹھایا گیا، وہ آخرت میں شفاعت کی وجہ سے محمود ہیں جس طرح لفظ تقاضا کرتا ہے اس طرح حمد کے معنی میں تکرار ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم محمد نہ ہوتے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم احمد ہوتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی حمد کی، اس کی عظمت شان اور شرف کو بیان کیا، اسی وجہ سے احمد کا اسم اس اسم پر مقدم ہوا جو محمد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کا ذکر کیا فرمایا: اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا ذکر کیا جب ان کے رب نے انہیں ارشاد فرمایا: وہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔ فرمایا: اے اللہ! مجھے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے بنا دے۔ انہوں نے محمد کے ذکر سے قبل احمد کا ذکر کیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی جو حمد کی ہے وہ اس سے قبل واقع ہوا جب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد کی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پائی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالفعل محمد ہو گئے۔ شفاعت میں بھی صورت حال اسی طرح ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی ایسے الفاظ کے ساتھ حمد کریں گے جو اللہ تعالیٰ ان پر القا کرے گا، آپ تمام لوگوں سے بڑھ کر حمد کرنے والے ہوں گے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کریں گے تو شفاعت کی وجہ سے

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 47

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی جائے گی۔

یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تورات میں میرا نام احید ہے کیونکہ میں اپنی امت کو آگ سے دور کروں گا(1)۔ زبور میں میرا نام ماحی ہے اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے بت پرستی کو مٹایا ہے۔ انجیل میں میرا نام احمد ہے اور قرآن میں میرا نام محمد ہے، کیونکہ میں اہل سماء اور اہل زمین میں محمود ہوں''۔ صحیح میں ہے: ''میرے پانچ نام ہیں میں محمد، احمد، ماحی: اللہ تعالیٰ میرے ذریعے کفر کو مٹاتا ہے) حاشر (میرے قدموں پر لوگوں کو اٹھائے گا) اور عاقب ہوں''(2)۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں بینات سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ کسائی اور حمزہ نے اسے ساحر پڑھا ہے۔ یہ رجل کی صفت ہے۔ ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے: یہ حضرت ابن مسعود کی قراءت ہے باقی قراء نے سحر پڑھی ہے۔ یہ اس کی صفت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے۔

وَ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُوَ يُدۡعٰۤى اِلَى الۡاِسۡلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ۞

''اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹے بہتان باندھتا ہے حالانکہ اسے بلایا جارہا ہے اسلام کی طرف، اور اللہ تعالیٰ (ایسے) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا''۔

وَ مَنۡ اَظۡلَمُ یعنی اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں۔ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ اس کے بارے میں گفتگو پہلے کئی بار گزر چکی ہے۔ وَهُوَ يُدۡعٰۤى اِلَى الۡاِسۡلَامِ اس آدمی پر تعجب کا اظہار کیا جارہا ہے جس نے معجزات کے ظاہر ہونے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔ طلحہ بن مصرف نے وھو یَدّعی قراءت کی ہے، یعنی وہ منسوب ہوتا ہے۔ یَدّعی اور ینتسب دونوں برابر ہیں۔ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ۞ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ میں ہے کہ اس پر گمراہی کی مہر لگائی جائے گی۔

يُرِيۡدُوۡنَ لِيُطۡفِـُٔـوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوۡرِهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكٰفِرُوۡنَ ۞

''یہ (نادان) چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے، لیکن اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا خواہ سخت ناپسند کریں اس کو کافر''۔

يُرِيۡدُوۡنَ لِيُطۡفِـُٔـوۡا نُوۡرَ اللّٰهِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ اطفاء کا معنی بجھانا ہے(3)۔ دونوں لفظ آگ کے بارے میں استعمال ہوتے ہیں۔ اطفاء اور اخماد ضیاء اور ظہور میں بھی استعمال ہوتے ہیں جو آگ کے قائم مقام ہیں۔ اطفاء اور اخماد میں ایک وجہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 529　2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۂ صف، جلد 2، صفحہ 727

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 530

سے فرق ہے۔ اطفاء قلیل اور کثیر دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور اخماد کثیر میں استعمال ہوتا ہے، قلیل میں استعمال نہیں ہوتا۔ یہ جملہ تو کہا جاتا ہے: اطفات السراج یہ نہیں کہا جاتا: اخمدت السراج۔

نور اللہ کے بارے میں یہاں پانچ قول ہیں۔ (۱) مراد قرآن ہے، وہ قول کے ذریعے اس کو باطل کرنے اور جھٹلانے کا ارادہ کرتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس اور ابن زید کا قول ہے۔ (۲) مراد اسلام ہے۔ وہ کلام کے ذریعے اس کو رد کرنا چاہتے ہیں؛ یہ سدی کا قول ہے۔ (۳) مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ وہ بناوٹی جھوٹی خبروں کے ساتھ آپ کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ (۴) اللہ تعالیٰ کے دلائل ہیں وہ اپنے انکار اور تکذیب کے ساتھ دلائل کا ابطال چاہتے ہیں؛ یہ ابن بحر کا قول ہے۔ (۵) یہ ضرب المثل ہے۔ جس نے اپنے منہ سے سورج کے نور کو بجھانا چاہا تو وہ اسے محال اور ممتنع پائے گا اسی طرح جس نے حق کو باطل کرنے کا ارادہ کیا؛ اسے ابن عیسیٰ نے بیان کیا ہے۔ اس آیت کا شان نزول ہے جو عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس روز تک وحی نہیں آئی تو کعب بن اشرف نے کہا: اے یہودیو! خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ نے اس نور کو بجھا دیا جو ان پر نازل ہوتا تھا ان کا معاملہ مکمل ہونے والا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا اور اس کے بعد وحی کا اتصال رہا؛ ماوردی نے ان تمام چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝ آفاق میں ظاہر کرنے کے ساتھ۔ ابن کثیر، حمزہ، کسائی اور بعض نے عاصم سے وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ اضافت کے ساتھ قراءت کی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران: 185) اور اس جیسی دوسری آیات ہیں جس طرح اس کی وضاحت سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے باقی قراء نے مُتِمٌّ نُوْرَهٗ پڑھا ہے کیونکہ اسم فاعل کا صیغہ مستقبل کے معنی میں ہے تو یہ عمل کرے گا۔ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝ تمام قسم کے کافر اسے ناپسند کریں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝

''وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تا کہ وہ غالب کر دے اسے سب دینوں پر خواہ سخت ناپسند کریں اس کو مشرک''۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وہی ذات پاک ہے جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق اور ہدایت کے ساتھ مبعوث کیا۔ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ یعنی دلائل کے ساتھ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔ ظہور سے مراد جنگ میں طاقت کے ذریعے غلبہ ہے۔ ظہور سے مراد یہ نہیں کہ کوئی دوسرا دین باقی ہی نہ رہے بلکہ مراد یہ ہے کہ مسلمان غالب اور بلند ہوں گے اور آخر زمانہ میں اسلام کے سوا کوئی دین باقی نہیں رہے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظاہر ہونے کے ساتھ دین غالب ہو گا اس وقت کوئی کافر باقی نہیں رہے گا مگر سب مسلمان ہو جائیں گے۔ مجاہد نے کہا: یہ اس وقت ہو گا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے تو زمین میں کوئی دین باقی نہیں رہے گا مگر

صرف دین اسلام ہوگا(1)۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت ابن مریم علیہ السلام عادل ثالث کی حیثیت سے اتریں گے۔ وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ ختم کر دیں گے، نوجوان اونٹنیوں کو چھوڑ دیا جائیگا ان پر کوشش نہیں کی جائیگی دشمنی، باہم بغض اور باہم حسد ختم ہو جائے گا، مال کی طرف لوگوں کو بلایا جائیگا تو اسے کوئی بھی قبول نہیں کرے گا''(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ادیان پر مطلع فرمائے گا یہاں تک کہ آپ ان کے عالم اور ان کی بطلان کی وجوہ سے آگاہ ہو جائیں گے اور انہوں نے جو تحریف اور تبدیلی کی ہے اس پر مطلع ہو جائیں گے۔

عَلَى الدِّيْنِ مراد تمام دین ہیں کیونکہ دین مصدر ہے اس کے ساتھ جمع کو بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

''اے ایمان والو! کیا میں آگاہ کروں تمہیں ایسی تجارت پر جو بچا لے تمہیں دردناک عذاب سے (وہ تجارت یہ ہے کہ) تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے، یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم حقیقت کو جانتے ہو، اللہ تعالیٰ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو اور داخل کرے گا تمہیں باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں اور پاکیزہ مکانوں میں جو سدا بہار باغوں میں ہیں، یہی بڑی کامیابی ہے اور ایک اور چیز جو تمہیں بڑی پسند ہے (وہ بھی ملے گی) یعنی اللہ کی جانب سے نصرت اور فتح جو بالکل قریب ہے، اور (اے حبیب) مومنوں کو (یہ) بشارت سنا دیجئے''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ مقاتل نے کہا: یہ آیت حضرت عثمان بن مظعون کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: کاش! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیتے تو میں خولہ کو طلاق دیتا، رہبانیت اختیار کرتا، اپنے آپ کو خصی کر لیتا، گوشت کو اپنے اوپر حرام کر لیتا، رات کو کبھی بھی نہ سوتا اور دن کو کبھی بھی افطار نہ کرتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری سنت میں سے نکاح بھی ہے، اسلام میں کوئی

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 526
2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، نزول عیسیٰ بن مریم، جلد 1، صفحہ 87

رہبانیت نہیں میری امت کی رہبانیت اللہ کی راہ میں جہاد ہے، میری امت کا خصی ہونا روزہ رکھنا ہے، اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تم پر حلال کی ہیں انہیں اپنے اوپر حرام نہ کرو۔ میری سنت یہ بھی ہے کہ میں سوتا ہوں، میں قیام کرتا ہوں، میں روزہ افطار کرتا ہوں اور روزہ رکھتا بھی ہوں۔ جو میری سنت سے اعراض کرے تو وہ مجھ سے نہیں'' (1)۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں پسند کرتا ہوں کہ میں یہ جانوں کہ کونسی تجارت اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب ہے؟ تو میں وہ تجارت کروں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کہا گیا ہے۔ اَدُلُّكُمْ کا معنی ہے میں عنقریب تمہیں بتاؤں گا۔ تجارت سے مراد جہاد ہے؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ (التوبۃ: 111) یہ خطاب تمام مومنوں کو ہے۔ ایک قول یہ کہا گیا ہے: یہ خطاب اہل کتاب کو ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۝ تمہیں دردناک عذاب سے چھٹکارہ دلائے۔ اس کے بارے میں بحث پہلے گزر چکی ہے۔ عام قراءت تُنْجِيْكُمْ ہے۔ حضرت حسن بصری، ابن عامر اور ابو حیوہ نے تُنَجِّيكم مشدد پڑھا ہے یہ تنجیہ سے مشتق ہے پھر تجارت کی وضاحت کی۔

مسئلہ نمبر 3۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ اموال کا پہلے ذکر کیا کیونکہ خرچ کرنے کا سلسلہ اس سے شروع ہوتا ہے۔ ذٰلِكُمْ، خَيْرٌ لَّكُمْ، تمہارا یہ فعل تمہارے اموال اور تمہاری ذاتوں سے بہتر ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ، مبرد اور زجاج کے نزدیک تومنون، امنوا کے معنی میں ہے اسی وجہ سے جواب امر کے طور پر يَغْفِرْ لَكُمْ مجزوم ہے۔ عبد اللہ کی قراءت میں امنوا باللہ ہے۔ فراء نے کہا يَغْفِرْ لَكُمْ استفہام کا جواب ہے۔ یہ اس صورت میں صحیح ہوگا جب اسے معنی پر محمول کریں یہ صورت اس وقت ہوگی جب تومنون باللہ و تجاھدون، هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۝ کا عطف بیان ہو گویا تجارت کا پتہ نہیں تھا کہ وہ کیا ہے؟ تو ایمان و جہاد اس کا بیان ہے۔ گویا فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو اور جہاد کرتے ہو اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے گا۔ زمخشری نے کہا: دلالت کا متعلق تجارت ہے (2) اور تجارت کی تفسیر ایمان و جہاد سے بیان کی گئی ہے گویا فرمایا: کیا تم ایمان و جہاد کے ساتھ تجارت کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے گا۔ مہدوی نے کہا: اگر تو اس کلام کو مقدر نہ کرے تو مسئلہ صحیح نہ ہوگا تقدیر کلام یوں ہوگی: ان دللتم یغفر لکم، غفران کی صفت قبول و ایمان سے لگائی گئی ہے، دلالت کے ساتھ اس کی صفت نہیں لگائی گئی۔ زجاج نے کہا: اس طرح نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ انہیں ایسی چیز پر راہنمائی کرے جو انہیں بخش دے بے شک اللہ تعالیٰ انہیں بخشا جب وہ ایمان لائیں اور جہاد کریں۔ زید بن علی نے تومنوا اور وتجاھدوا قراءت کی ہے یعنی لام امر مضمر ہے؛ جس طرح شاعر کا قول ہے:

مُحَمَّد تَفْدِ نَفْسَكَ كُلُّ نَفْسٍ   إذا ما خِفْتَ من شئٍ تَبَالا (3)

اے محمد! یہ نفس تیرے نفس پر فدا ہو جائے جب تو کسی چیز سے ہلاکت کا خوف کرے۔ مراد لتفد ہے۔ بعض نے ادغام کیا اور کہا: یغفر لکم بہترین ادغام کو ترک کرنا ہے کیونکہ راء حرف متکرر ہے، قوی ہے اس کا ادغام لام میں اچھا نہیں کیونکہ

1۔ سنن دارمی، کتاب النکاح، جلد 2، صفحہ 58، حدیث 2175 (روایت بالمعنی) 2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 527 3۔ ایضاً

اقوی کو اضعف میں مدغم نہیں کیا جاتا۔

مسئلہ نمبر 4۔ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً ابوالحسین آجری نے حضرت حسن بصری سے روایت نقل کی ہے کہا: میں نے حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً کی تفسیر کے بارے میں پوچھا دونوں نے کہا: باخبر آدمی کے پاس تو پہنچا ہے۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا فرمایا: ''جنت میں یہ موتی سے بنا محل ہے جس میں سرخ یاقوت کی ستر حویلیاں ہونگی اور ہر حویلی میں ستر سبز زبرجد کے کمرے ہونگے، ہر کمرے میں ستر پلنگ ہونگے، ہر پلنگ پر مختلف قسم کے ستر بستر ہونگے اور ہر بستر پر ستر حوریں ہونگی، ہر کمرے میں ستر دستر خوان ہونگے، ہر دستر خوان پر ستر قسم کے کھانے ہونگے، ہر کمرے میں ستر خادم اور خادمائیں ہونگی اللہ تعالیٰ ہر مومن کو ایک دن میں اتنی قوت عطا کرے گا جس کے باعث تمام حوروں کے پاس جاسکے گا''(1)۔

فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ عدن کا معنی ٹھہرنا ہے۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ یہ دائمی اور بڑی سعادت ہے۔ کامیابی کی اصل یہ ہے کہ انسان دائمی چیز حاصل کرے۔

مسئلہ نمبر 5۔ وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا فراء اور اخفش نے کہا: اخری کا عطف تجارۃ پر ہے۔ یہ محل جر میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا محل رفع ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی لکم خصلۃٌ اُخری و تجارۃٌ اُخری تحبونھا۔

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ تقدیر کلام یہ ہے۔ ھو نصر من اللہ۔ اس تعبیر کی صورت میں نصر، اخری کی تفسیر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نصر، اخری سے بدل ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی۔ ولکم نصرٌ من اللہ و فتح قریب۔ یعنی دنیا میں غنیمت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد فتح مکہ ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: مراد ایران اور روم کی فتح ہے(2)۔

وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ مومنوں کو بشارت دو کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۝

''اے ایمان والو! اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ جس طرح کہا تھا عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں سے: کون ہے میرا مددگار اللہ کی طرف بلانے میں؟ حواریوں نے جواب دیا: ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں، پس ایمان لے آیا ایک گروہ بنو اسرائیل سے اور کفر کیا دوسرے گروہ نے پھر ہم نے مدد کی جو ایمان لائے دشمنوں کے مقابلے میں بالآخر وہی غالب رہے''۔

جہاد کے امر کو موکد کیا یعنی اپنے نبی کے حواری بنو تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے مخالفین پر غلبہ دے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو ان کے مخالفین پر غلبہ دیا۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور نافع نے انصاراً للہ تنوین کے ساتھ پڑھا

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 153　　2۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 46

ہے۔ انہوں نے کہا: کیونکہ اس کا معنی ہے تم ثابت قدم رہو اور تلوار کے ساتھ اس کے دشمنوں کے خلاف اللہ تعالیٰ کے مددگار بنو۔ باقی قراء جو بصرہ، کوفہ اور شام سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے اسے اَنْصَارَ اللّٰهِ تنوین کے بغیر پڑھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسم سے لام اضافت حذف کر دیا ہے۔ ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ یہاں تنوین نہیں۔ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار بن جاؤ۔ پھر کہا: کلام میں اضمار ہے یعنی اے محمد! انہیں کہو اللہ تعالیٰ کے مددگار بن جاؤ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب خطاب کا آغاز ہے یعنی تم حمایتی بن جاؤ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب نے کیا۔ بحمد اللہ وہ انصار تھے اور وہ حواری تھے اور حواری رسولوں کے خاص لوگ ہوتے ہیں۔ معمر نے کہا: بحمد اللہ انہوں نے مدد کی تو ان کی تعداد ستر تھی انہیں لوگوں نے ہی عقبہ کی رات سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قریش میں سے تھے، قتادہ نے ان کا نام بھی لیا یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن مالک، حضرت ابو عبیدہ بن جراح ان کا نام عامر تھا، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت حمزہ بن مطلب، حضرت سعید کا ذکر نہیں کیا اور حضرت جعفر بن ابی طالب کا ذکر کیا رضی اللہ عنہم۔

كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منتخب افراد تھے انکی تعداد بارہ تھی۔ ان کے اسماء آل عمران میں گزر چکے ہیں۔ یہ وہ پہلے افراد ہیں جو بنی اسرائیل میں سے آپ پر ایمان لائے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ارشاد فرمایا: جب تو بستی میں داخل ہو تو اس نہر پر جا جس پر دھوبی کپڑے دھو رہے ہیں، ان سے مدد طلب کر۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے پاس آئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کون میرا مددگار ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہم آپ کی مدد کرتے ہیں۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی اور آپ کی مدد کی۔ یہاں الی، مع کے معنی میں ہے جس طرح تو کہتا ہے: الذود الی الذود اھل یہاں بھی الی مع کے معنی میں ہے، ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے کون میری ان معاملات میں مدد کرے گا جو اللہ تعالیٰ کا قرب عطا کریں گے؟ سورۃ آل عمران میں یہ بات گزر چکی ہے۔

فَاٰمَنَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَ كَفَرَتْ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے بعد دو طائفوں نے باہم اختلاف کیا جس طرح آل عمران میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ۔ عدوھم، عدد سے مراد وہ ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا۔ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ۠ وہ غالب آ گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد اس طرح کی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو کفار کے دین پر غلبہ دیا۔ مجاہد نے کہا: جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے ان کے زمانہ میں ہی ان کی کفار کے خلاف مدد کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے آج دونوں گمراہ فرقوں کے خلاف مسلمانوں کی مدد کی۔ جس نے کہا: وہ اللہ تھا تو وہ خود اوپر چلا گیا۔ جس نے کہا: وہ اللہ کا بیٹا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اوپر اٹھا لیا۔ نعوذ باللہ کیونکہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے کسی سے جہاد نہیں کیا اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ میں بھی کوئی جہاد نہ ہوا۔ زید بن علی اور قتادہ نے کہا: فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ۠

کا معنی ہے وہ حجت اور برہان کے ساتھ غالب آ گئے کیونکہ جو روایت کی گئی ہے اس میں ہے انہوں نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سویا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نہیں سوتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھانا کھایا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نہیں کھاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاصدوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن اسحاق نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جن حواریوں اور پیروکاروں کو بھیجا ان میں فطرس اور بولس کو رومیہ کی جانب، اندرائیس اور متی کو اس علاقہ کی جانب جہاں کے لوگ انسانوں کو کھا جاتے تھے توماس کو بابل کی جانب جو مشرق کی جانب تھا۔ فیلبس کو قرطاجنہ کی جانب جو افریقہ ہے۔ یحنس کو دقسوس کی جانب جو اہل کہف کی بستی ہے۔ یعقوبیس کو اوریشلم کی جانب جو بیت المقدس ہے۔ ابن تلما کو عرب کی جانب جو حجاز کا علاقہ ہے۔ سیمن کو بربر کے علاقہ کی جانب۔ یہودا اور بردس کو اسکندریہ اور اس کے اردگرد کے علاقہ کی جانب۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد دلیل کے ساتھ کی۔ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ۝ وہ غالب آ گئے۔ یہ تیرے اس قول سے ماخوذ ہے: ظهرت علی الحائط میں دیوار پر چڑھا۔

اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال کو بہتر جانتا ہے اور اسی کی طرف لوٹنا اور ٹھکانہ ہے۔

سورة الجمعه

ایاتها ۱۱ ۶۲ سورة الجمعة مدنية ۱۱۰ رکوعاتها ۲

تمام کے قول میں یہ سورت مدنی ہے، اس کی گیارہ آیات ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے بہتر دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے وہ یوم جمعہ ہے اس میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اس دن آپ کو جنت میں داخل کیا گیا، اسی دن اسے نکالا گیا اور قیامت بھی اسی روز قائم ہوگی'' (1)۔

آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہم قیامت کے روز آخر بھی ہیں، اول بھی ہیں۔ جو لوگ جنت میں داخل ہونگے ہم ان میں اوّل ہیں اس کے باوجود کہ انہیں ہم سے پہلے کتاب دی گئی انہوں نے آپس میں اختلاف کیا انہوں نے جس میں اختلاف کیا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حق کی ہدایت کی۔ یہ وہ دن ہے جس میں انہوں نے اختلاف کیا اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی ہدایت عطا کی'' (2)۔ فرمایا: ''جمعہ کا روز آج ہمارے لیے ہے اگلا روز یہود کے لیے ہے اور اس کے بعد والا دن نصاریٰ کے لیے ہے''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ①

''اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے جو بادشاہ ہے نہایت مقدس ہے زبردست ہے حکمت والا ہے''۔

اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ ابو العالیہ اور نصر بن عاصم نے اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ قراءت کی ہے۔ یہ سب مرفوع ہیں تقدیر کلام یوں ہے ھو الملكُ۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ②

''وہی (اللہ) جس نے مبعوث فرمایا امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے جو پڑھ کر سناتا ہے انہیں اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان (کے دلوں) کو اور سکھاتا ہے انہیں کتاب اور حکمت اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے''۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: الامیون سے مراد تمام عرب ہیں خواہ ان

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعه، فضیلة الجمعة، جلد 1، صفحہ 282 2۔ ایضاً

میں سے کوئی لکھنا جانتا ہو یا لکھنا نہ جانتا ہو کیونکہ وہ اہل کتاب نہ تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: امی سے مراد وہ ہیں جو لکھنا نہیں جانتے۔ قریش اسی طرح تھے۔ منصور نے ابراہیم سے روایت نقل کی ہے کہا: امی وہ ہے جو پڑھنا لکھنا نہیں جانتا۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

رَسُوْلًا مِّنْهُمْ مراد حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ عربوں میں سے کوئی قبیلہ ایسا نہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے رشتہ داری تھی سب کا آپ سے نسبی تعلق ہے۔ حضرت ابن اسحاق نے کہا: مگر بنی تغلب اس میں شامل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نصرانی ہونے کی وجہ سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے پاک رکھا، انہیں آپ کے نسب سے تعلق نہیں۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے کوئی کتاب نہ پڑھی اور نہ کسی سے سیکھا۔ ماوردی نے کہا: اگر یہ سوال کیا جائے: احسان جتلانے کی وجہ کیا ہے(1)؟ اگر نبی امی کو مبعوث کیا؟ جواب تین طریقوں سے ہوگا۔ (۱) انبیاء نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بشارت دی اس کے یہ موافق ہے۔ (۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال امیوں کے حال کے موافق ہے، ان کے ساتھ موافقت میں زیادہ قریب تھے۔ (۳) اس سوئے ظن کی نفی مقصود ہے کہ آپ ان چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں جو کتابیں آپ نے پڑھی ہیں اور وہ حکمتیں جن کی آپ نے تعلیم دی ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ سب کچھ ان کے معجزہ کی اور نبوت کی صداقت کی دلیل ہے۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ آیات سے مراد قرآن ہے۔ **وَ يُزَكِّيْهِمْ** اللہ تعالیٰ ایمان کے ساتھ ان کے دلوں کو پاکیزہ بناتا ہے(2)؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ انہیں کفر اور گناہوں کی آلودگیوں سے پاک کرتے ہیں؛ یہ ابن جریج اور مقاتل کا قول ہے۔ سدی نے کہا: آپ ان کے اموال کی زکوٰۃ وصول کرتے ہیں۔ **وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ** کتاب سے مراد قرآن ہے۔ **وَ الْحِكْمَةَ** مراد سنت ہے؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کتاب سے مراد قلم کے ساتھ لکھنا ہے کیونکہ لکھنا عربوں میں شرع کی وجہ سے عام ہوا جب انہیں خط کے ساتھ علوم کو مقید کرنے کا حکم دیا گیا(4)۔ حضرت امام مالک بن انس نے کہا: حِکْمَۃ سے مراد دین کی سمجھ ہے(5)۔ اس بارے میں گفتگو سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝ قبل کا مضاف الیہ یا تو ضمیر ہے یا أن یُرسل الیھم ہے۔ یعنی آپ سے پہلے یا رسولوں کو مبعوث کرنے سے پہلے وہ حق سے بہت دور تھے۔

وَّ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۝

"اور دوسرے لوگوں کا بھی ان میں سے (تزکیہ کرتا ہے، تعلیم دیتا ہے) جو ابھی ان سے آکر نہیں ملے اور وہی سب پر غالب، حکمت والا ہے"۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 6　　2۔ ایضاً　　3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 6، صفحہ 155

4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 6　　5۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 7

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ اس کا عطف الْاُمِّيّٖنَ پر ہے یعنی امیوں میں اور دوسرے لوگوں میں رسول بھیجا۔ یہ بھی جائز ہے اس کا عطف يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ کی ضمیر پر ہو، یعنی انہیں تعلیم دیتا ہے اور دوسرے مومنوں کو تعلیم دیتا ہے کیونکہ تعلیم جب آخر زمانہ تک ترتیب وار ہوگی تو سب اوّل کی طرف منسوب ہوگی تو گویا تعلیم میں سے جو بھی چیز پائی گئی اس کی والی وہ پہلی ذات ہوگی۔

لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وہ ان کے زمانہ میں نہیں وہ ان کے بعد آئیں گے۔ حضرت ابن عمر اور سعید بن جبیر نے کہا: مراد عجمی ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ سورۂ جمعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ایک آدمی نے عرض کی: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کون لوگ ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ اس آدمی نے ایک، دو یا تین دفعہ سوال دہرایا۔ اس آدمی نے کہا: ہم میں حضرت سلمان فارسی موجود تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسی کے اوپر رکھا پھر فرمایا: ''اگر ایمان ثریا پر ہوا تو ان میں سے لوگ اسے پالیں گے'' (1)۔ ایک روایت میں ہے: ''اگر دین ثریا کے پاس ہوا تو فارس کا ایک آدمی یا فارس کے بیٹوں میں سے ایک اس تک جائے گا یہاں تک کہ اسے حاصل کرے گا''۔ الفاظ مسلم کے ہیں (2)۔ عکرمہ نے کہا: اس سے مراد تابعین ہیں (3)۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد سب لوگ ہیں یعنی عربوں کے بعد جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے؛ یہ ابن زید اور مقاتل بن حیان کا قول ہے (4)۔ دونوں نے کہا: اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد قیامت تک اسلام میں داخل ہونے والے افراد ہیں۔

سہل بن سعد ساعدی نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت کی پیٹھوں میں ایسے مرد اور عورتیں ہیں جو جنت میں حساب کے بغیر داخل ہونگے''۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ پہلا قول زیادہ پختہ ہے۔ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میں سیاہ بکریوں کو سیراب کر رہا ہوں، پھر ان کے پیچھے مٹیالی بکریوں کو پانی پلاتا ہوں اے ابوبکر! اس کی تاویل کیجئے''۔ عرض کی: یارسول اللہ! جہاں تک سیاہ بکریوں کا تعلق ہے اس سے مراد عرب ہیں جہاں تک مٹیالی بکریوں کا تعلق ہے عربوں کے بعد عجمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کریں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''فرشتے (جبریل امین) نے بھی یہی تاویل کی ہے''۔ ابن ابی لیلی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کی ہے: اس سے مراد حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ ہیں (5)۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

''یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے عطا فرماتا ہے اسے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فضل سے مراد ہے عجم کو قریش کے ساتھ ملا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اسلام ہے (6)،

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۂ جمعہ، جلد 2، صفحہ 727
2۔ صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، فضائل اہل فارس، جلد 2، صفحہ 312
3۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 51
4۔ معجم الطبرانی، جلد 6، صفحہ 201، حدیث 6005
5۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 7
6۔ ایضاً

اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وحی اور نبوت ہے؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ چوتھا قول ہے: اس سے مراد وہ مال ہے جو طاعت میں خرچ کرتا ہے؛ یہ ابو صالح کے قول کا معنی ہے۔ امام مسلم، ابو صالح سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مہاجر فقراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی: مالدار لوگ بلند درجات اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں لے گئے۔ پوچھا: ''وہ کیا؟'' صحابہ نے عرض کی: وہ نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں، وہ روزے رکھتے ہیں جس طرح ہم روزے رکھتے ہیں، وہ صدقہ کرتے ہیں، ہم صدقہ نہیں کرتے، وہ غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم آزاد نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا میں تمہیں ایسی چیز کے بارے میں آگاہ نہ کروں جس کے ذریعے تم سبقت لے جانے والوں کو پالو گے اور بعد والوں سے سبقت لے جاؤ گے اور تم سے کوئی افضل نہیں ہو گا مگر اس صورت میں جب وہ اس طرح کا عمل کرے جیسا تم عمل کرتے ہو''۔ صحابہ نے عرض کی: کیوں نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایا: ''تم ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس بار سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ کہا کرو'' (1)۔

ابو صالح نے کہا: مہاجر فقراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی: ہم نے جو عمل کیا اس کے بارے میں خوشحال لوگوں نے سنا تو انہوں نے بھی اسی کی مثل کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے''۔

پانچواں قول لوگوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق میں اطاعت کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنا ہے (2)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

''ان کی مثال جنہیں تورات کا حامل بنایا گیا تھا پھر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا اس گدھے کی سی ہے جس نے بھاری کتابیں اٹھا رکھی ہوں، (اس سے بھی زیادہ) بری حالت ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو اور اللہ تعالیٰ (ایسے) ظالموں کی راہنمائی نہیں کرتا''۔

جب یہودیوں نے تورات پر عمل کو ترک کر دیا اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک مثال بیان فرمائی۔

حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ انہیں اس پر عمل کرنے کا مکلف بنایا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جرجانی نے کہا: یہ حمالہ سے مشتق ہے جس کا معنی کفالت ہے، یعنی انہیں تورات کے احکام کا ضامن بنایا گیا۔ **كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا** یہ سفر کی جمع ہے اس سے مراد بڑی کتاب ہے۔ جب اسے پڑھا جاتا ہے تو یہ معنی سے پردہ کو ہٹا دیتی ہے۔ میمون بن مہران نے کہا: گدھا نہیں جانتا کہ اس کی پشت پر کتابیں ہیں یا گوبر ہے یہودیوں کی بھی یہی حالت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 219 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 8

تنبیہ ہے کہ جو کتاب اٹھائے وہ اس کے معانی کو سیکھے، اس میں جو کچھ ہے وہ اس کو جانے تا کہ اسے بھی وہ مذمت لاحق نہ ہو جو انہیں لاحق ہوئی ہے۔ شاعر نے کہا:

زوامل للأسفار لا علم عندهم بجيدها إلّا كعلم الأباعر

لَعَمْرُك ما يدرى البعيرُ إذا غدَا بأوساقه أو راح ما فى الغرائر

کتابیں اٹھانے والے جنہیں ان میں سے عمدہ چیز کا علم نہیں ہوتا ان کا علم ایسا ہے جیسے اونٹوں کا علم ہوتا ہے۔ تیری زندگی کی قسم! اونٹ نہیں جانتا کہ بوریوں میں کیا ہے جب وہ اٹھائے جاتا ہے یا واپس آتا ہے۔ ایک اور شاعر نے کہا:

إنّ الرواة على جهل بما حَملوا مِثْلُ الجمال عليها يُحْمل الوَدَعُ

لا الوَدْع ينفعه حمل الجمال له ولا الجمال بحمل الوَدْع تنتفعُ

بے شک وہ راوی جو اس چیز سے ناواقف ہیں جس کے وہ حامل ہیں ان اونٹوں کی مانند ہیں جن پر ودیعتیں لادی گئی ہوں اونٹوں کا اس ودیعت کو اٹھانا اس امانت کو کوئی نفع نہیں دیتا اور نہ ہی امانت کا مال اٹھانے سے اونٹوں کو نفع ہوتا ہے۔

منذر بن سعید بلوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا اور خوب کہا:

إنْعِقْ بما شئت تجد أنصارًا وزُمّ أسفارًا تجد حِمارًا

يَحملُ ما وضعت من أسفارِ يحمله كمثل الحمار

يَحملُ أسفارًا له وما دَرَى إن كان ما فيها صوابًا و خطا

إن سُئلوا قالوا كذا رَوَيْنَا ما إن كَذَبْنَا ولا اعتدَيْنَا

كبيرهم يصغر عنه الحَفْلِ لأنه قَلّد أهل الجهل

جو چاہے تو آواز لگا تو مددگار پالے گا تو کتابوں کو کس کر باندھ لے تو گدھا پالے گا تو نے جو کتابیں باندھی ہیں وہ اسے اٹھا لیتا ہے جس طرح ایک گدھا اٹھاتا ہے وہ اسی طرح اٹھاتا ہے۔ وہ اپنی کتابیں اٹھاتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ ان میں کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے۔ اگر ان سے پوچھا جائے تو کہتے ہیں: ہم نے اسی طرح روایت کیا نہ ہم نے جھوٹ بولا اور نہ ہم نے غلطی کی۔ ان کا بڑا بھی مجمع میں حقیر ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے جاہلوں کو علم کا قلادہ پہنایا ہے۔

ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا انہوں نے اس پر عمل نہ کیا انہیں گدھوں کے ساتھ تشبیہ دی جبکہ تورات ان کے ہاتھوں میں ہے وہ اس پر عمل نہیں کرتے وہ گھر سے کتابیں اٹھاتے ہیں ان کے لیے بوجھ کے سوا کوئی چیز نہیں اور نہ ہی ان کے لیے کوئی فائدہ ہے۔ یحمل حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ صفت ہونے کی حیثیت سے محل جر میں ہو کیونکہ الحمار جو معرف باللام ہونے کے باوجود نکرہ ہے جس طرح اللئیم نکرہ کے حکم میں ہے۔

ولقد أمُرُّ على اللئيم يَسُبّنِى میں کمینے کے پاس سے گزرتا ہوں جو مجھے گالیاں دیتا ہے۔ یہاں بھی اللئیم نکرہ کے حکم میں ہے۔

بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ مثل القوم یہ فاعل ہے اور مخصوص بالذم مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ہے تو اسم موصول سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۝ اللہ تعالیٰ جس کے علم میں پہلے ہی موجود تھا کہ وہ کافر ہونگے انہیں ہدایت نہیں دیتا۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۝ وَ لَا یَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ۝

''آپ فرمایئے: اے یہودیو! اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ صرف تم ہی اللہ کے دوست ہو اور لوگ (دوست) نہیں تو ذرا مرنے کی آرزو تو کرو اگر تم سچے ہو۔ اور (اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم) وہ اس کی تمنا کبھی نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو وہ اپنے ہاتھوں پہلے بھیج چکے ہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو''۔

جب یہودیوں نے فضیلت کا دعویٰ کیا اور کہا: نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ (المائدہ: 18) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اولیاء کو عظمت و شان حاصل ہے۔ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۝ تاکہ تم بھی وہاں پہنچ جاؤ جہاں اولیاء اللہ پہنچے ہیں۔ وَ لَا یَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ۔ جو انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر رکھی ہے اس لیے وہ موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ اگر وہ آرزو کرتے تو ضرور مر جاتے۔ اس میں ان کے قول کا بطلان ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیارے ہونے کا جو دعویٰ کیا تھا اس کا بطلان ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: والذی نفس محمد بیدہ لو تمنوا الموت ما بقی علی ظهرها یهودی إلا مات اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر وہ لوگ موت کی تمنا کرتے تو زمین پر کوئی یہودی باقی نہ بچتا وہ مر جاتا۔ اس میں غیب کی خبر ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ سورۂ بقرہ آیت 94 قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۝ میں بحث گزر چکی ہے۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝

''آپ (انہیں) فرمایئے: یقیناً وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تمہیں مل کر رہے گی پھر لوٹا دیا جائیگا تمہیں اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر چھپے اور ظاہر کو، پس وہ آگاہ کرے گا تمہیں ان (اعمال) سے جو تم کیا کرتے تھے''۔

زجاج نے کہا: یہ نہیں کہا جاتا: ان زیدا فمنطلق یہاں ارشاد فرمایا: فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ کیونکہ الَّذِیْ میں شرط کا معنی موجود ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی إن فررتم منه فانه ملاقیکم ان کا فرار انہیں کوئی نفع نہ دے گا اس پر دلالت میں مبالغہ ہے۔

زہیر نے کہا:

ومن هاب أسباب المنايا يَنَلْنَهُ ولو رام أسباب السماء بسُلَّم

جو آدمی موتوں کے اسباب سے ڈرتا ہے تو وہ اسے پالیتی ہیں اگرچہ وہ سیڑھی کے ذریعے آسمان کے اسباب کا قصد کرے۔ میں کہتا ہوں: یہ جائز ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر مکمل ہو جائے:

الَّذِیۡ تَفِرُّوۡنَ مِنۡهُ پھر نئے سرے سے کلام شروع ہو فَاِنَّهٗ مُلٰقِیۡكُمۡ۔ طرفہ نے کہا:

وکفٰی بالموتِ فاعلم واعظًا لمَن الموتُ علیه قد قُدِرْ
فاذکر الموتَ و حاذر ذکرہ إنّ فی الموت لذی اللُّبِّ عِبَرْ
کلُّ شیٔ سوف یَلْقٰی حَتْفَه فی مقامٍ أوعلی ظَهْرِ سَفَرْ
والمنایا حَوْلَه تَرْصُدُہ لیس یُنجیه من الموت الحَذَرْ

تو جان لے موت اس کے لیے نصیحت کرنے والی کافی ہے جس پر موت مقدر کر دی گئی ہے موت کو یاد کر یا اس کے ذکر سے بچ موت میں دانشمند کے لیے عبرتیں ہیں۔ ہر شی کسی قیام گاہ یا سفر میں اپنی موت سے ملاقات کرنے والی ہے۔ موتیں اس کے ارد گرد اسے تاڑنے والی ہیں کوئی احتیاط موت سے اسے نجات نہیں دے سکتی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نُوۡدِىَ لِلصَّلٰوةِ مِنۡ يَّوۡمِ الۡجُمُعَةِ فَاسۡعَوۡا اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الۡبَيۡعَ‌ ؕ ذٰ لِكُمۡ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝

''اے ایمان والو! جب (تمہیں) بلایا جائے نماز کی طرف جمعہ کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف اور (فوراً) چھوڑ دو خرید و فروخت یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو''۔

اس میں تیرہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نُوۡدِىَ لِلصَّلٰوةِ مِنۡ يَّوۡمِ الۡجُمُعَةِ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور اعمش وغیرہ نے الجمعة میم کو ساکن کرتے ہوئے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں، ان دونوں کی جمع جمعہ اور جمعات آتی ہے۔ فراء نے کہا: الجُمْعَة (میم کے سکون کے ساتھ) الجُمُعَة (میم کے ضمہ کے ساتھ) اور الجُمَعَة میم کے فتحہ کے ساتھ یہ یوم کی صفت ہے، یعنی یہ لوگوں کو جمع کرتا ہے جس طرح ضحکة اسے کہتے ہیں جو لوگوں کو ہنساتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قرآن حکیم تثقیل و تفخیم کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ اسے جُمُعه پڑھا کرو یعنی میم مضموم ہے۔ فراء اور ابو عبیدہ نے کہا: تخفیف زیادہ مناسب اور اچھی ہے جس طرح غرفة سے غرف، طرفه سے طرفه، حجرة سے حجر جمع آتی ہے۔ میم کا فتحہ بنی عقیل کی لغت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لغت ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اسے جمعہ کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اس روز اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کو جمع کیا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ اس میں ہر شی کی تخلیق سے فارغ ہوا تو اس میں مخلوق جمع ہو گئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں جماعتیں جمع ہوتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگ اس میں نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ من، فی کے معنی

1۔ کنز العمال، جلد 7، صفحہ 709، حدیث 21039

میں ہے، یعنی ''دن میں''، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ (فاطر: 40) یہاں بھی مِن ، فی کے معنی میں ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابوسلمہ نے کہا: جس نے سب سے پہلے اما بعد کے الفاظ کہے وہ کعب بن لوئ تھا یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے جمعہ کو جمعہ کا نام دیا(1)۔ یوم جمعہ کو عروبہ کہا جاتا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سب سے پہلے انصار نے اسے جمعہ کا نام دیا۔ ابن سیرین نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے سے قبل اور نماز جمعہ کی ادائیگی کا حکم آنے سے قبل جمعہ پڑھا اس کی وجہ یہ بنی کہ انصار نے کہا: یہودیوں کا بھی ایک دن ہے۔ جس میں وہ سب اکٹھے ہوتے ہیں ہر سات دنوں میں ایک دن ہے اور وہ ہفتے کا دن ہے۔ نصاریٰ کے لیے بھی اسی کی مثل ایک دن ہے۔ وہ اتوار ہے۔ آؤ ہم بھی جمع ہوں تاکہ ہم ایک دن مقرر کریں جس میں ہم اللہ کا ذکر کریں اور اس میں نماز پڑھیں یا جس طرح انہوں نے بات کی۔ انہوں نے کہا: ہفتہ کا دن، یہودیوں کے لیے ہے، اتوار نصاریٰ کے لیے ہے، تم وہ دن عروبہ کا معین کرلو۔ سب صحابہ حضرت اسعد بن زرارہ کے ہاں اکٹھے ہوئے حضرت اسعد بن زرارہ جو حضرت ابوامامہ کے والد تھے نے انہیں دو رکعت نماز پڑھائی اور انہیں نصیحت کی جب وہ جمع ہوئے تو انہوں نے اس کا نام یوم الجمعہ رکھ دیا۔ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے ایک بکری ذبح کی۔ انہوں نے رات کا کھانا بھی اسی سے کھایا اور دن کا کھانا بھی اسی سے کھایا۔ اسلام میں یہ پہلا جمعہ تھا۔

میں کہتا ہوں: روایت بیان کی جاتی ہے: وہ کل بارہ افراد تھے جس طرح روایت بیان کی جاتی ہے۔ اس روایت میں یہ بھی آیا ہے: جس صحابی نے سب کو جمع کیا اور انہیں نماز پڑھائی وہ حضرت اسعد بن زرارہ تھے۔ عبدالرحمن بن کعب بن مالک اپنے باپ کعب سے اسی طرح روایت نقل کرتے ہیں جس کا ذکر آنے والا ہے۔ بیہقی نے کہا: ہم نے موسیٰ بن عقبہ سے وہ ابن شہاب زہری سے وہ حضرت مصعب بن عمیر سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے مسلمانوں کو مدینہ طیبہ میں جمعہ پڑھایا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ آنے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ بیہقی نے کہا: یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر نے حضرت اسعد بن زرارہ کی مدد سے انہیں جمعہ پڑھایا ہے تو حضرت کعب نے اس امر کو حضرت اسعد کی طرف مضاف کیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

پہلا جمعہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو پڑھایا اہل سیر اور اہل تاریخ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرتے ہوئے آئے یہاں تک کہ قبا میں بنی عمرو بن عوف کے ہاں بروز پیر بارہ ربیع الاول چاشت کے وقت جلوہ افروز ہوئے۔ اسی سال سے تاریخ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں جمعرات تک مقیم رہے اور ان کی مسجد کی بنیاد رکھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز مدینہ طیبہ کے لیے نکلے تو نماز جمعہ کا وقت بنی سالم بن عوف کے ہاں ان کی وادی میں ہو گیا قوم نے اسی جگہ مسجد بنالی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جمعہ کی نماز پڑھائی اور انہیں خطبہ دیا۔ یہ وہ پہلا خطبہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں دیا۔ اس میں فرمایا: ''تمام تر تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، میں اس کی حمد کرتا ہوں، اس سے مدد کا خواستگار رہوں، اس سے بخشش کا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 9

طالب ہوں، اس سے ہدایت کا سوال کرتا ہوں، میں اس پر ایمان لاتا ہوں، میں اس کے ساتھ کفر نہیں کرتا، جو اس کا انکار کرتا ہے میں اس کے ساتھ دشمنی رکھتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دین کے ساتھ نور، موعظہ اور حکمت کے ساتھ بھیجا جبکہ رسولوں کی بعثت میں انقطاع ہو چکا تھا علم کی کمی تھی، لوگ گمراہ تھے، زمانے میں انقطاع واقع ہو چکا تھا، قیامت قریب آ چکی ہے اور اجل قریب ہے جو آدمی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ ہدایت پا جائے گا اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ گمراہ ہو جائے گا، تفریط کا شکار ہو گیا اور گمراہی میں دور چلا جائے گا۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ یہ وہ بہترین چیز ہے جس کی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو وصیت کرتا ہے کہ اسے آخرت پر برانگیختہ کرے اور اسے اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دے اللہ تعالیٰ نے تمہیں جن چیزوں سے محتاط رہنے کا حکم دیا ہے ان سے محتاط رہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تقوی اس آدمی کے لیے، جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اعمال کرتا ہے، سچی مدد ہے ان چیزوں کے لیے جو تم آخرت میں چاہتے ہو، جو آدمی پوشیدہ اور ظاہر حالت میں اپنے اور اپنے رب کے معاملات کو درست کرتا ہے وہ صرف اللہ کی رضا کا طالب ہوتا ہے، دنیا میں یہ اس کے لیے ذکر بن جاتا ہے اور موت کے بعد اس کے لیے ذخیرہ بن جاتا ہے۔ جب انسان اس چیز کا محتاج ہوتا ہے جو اس نے آگے بھیجا۔ جو اس کے علاوہ ہے اس کے بارے میں وہ چاہے گا کاش! اس کے اور اس کے عمل کے درمیان بہت ہی دور ہو۔ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ۝ (آل عمران) اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی پکڑ سے خبردار کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ شفقت فرمانے والا ہے، اس کا قول سچا ہے اور اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا ہے۔ اس کی جانب سے کوئی وعدہ خلافی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ۝ (ق) جو آدمی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی سیات بخش دیتا ہے اور اسے اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔ بے شک اللہ تعالیٰ سے تقوی اس کی ناراضگی سے بچاتا ہے، اس کی سزا سے محفوظ رکھتا ہے اور اس کی ناراضگی سے بچاتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سے تقویٰ چہروں کو روشن کرتا ہے، رب کو راضی کرتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے۔ اپنا حصہ لو اور اللہ تعالیٰ کے حصہ میں کمی نہ کرو اس نے تمہیں اپنی کتاب کی تعلیم دی ہے، تمہارے لیے اپنا راستہ واضح کیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو بھی جان لیں اور جھوٹوں کو بھی جان لے۔ اس طرح اچھے اعمال کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے، اس کے دشمنوں سے دشمنی کرو، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے ہی تمہیں چنا ہے اور تمہارا نام مسلمان رکھا ہے تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے زندہ رہے۔ ولا حول ولا قوۃ...... العظیم اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو موت کے بعد کے لیے عمل کرو کیونکہ جو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاملات کو درست کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان معاملات کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر غالب ہے۔ لوگ اس پر غالب نہیں وہ لوگوں کا مالک ہے، لوگ اس کے مالک نہیں اللہ اکبر و لا حول

ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اس کے بعد جو پہلا جمعہ کسی دیہات میں پڑھا گیا اسے ''جواثی'' کہتے، یہ بحرین کے دیہاتوں میں سے ایک تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: سب سے پہلے جس نے اسے جمعہ کا نام دیا وہ کعب بن لوئی بن غالب تھا کیونکہ اسی روز قریش کعب کے پاس جمع ہوئے تھے جس طرح یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر3۔ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے لیے مومنین کو خطاب فرمایا ہے، کافروں کو خطاب نہیں فرمایا: مقصد ان کی تکریم اور شرف کا اظہار ہے۔ فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا پھر ندا کے ساتھ انہیں خاص کیا اگرچہ واذا نادیتم الی الصلوٰۃ کے عموم کے تحت یہ داخل ہے تاکہ اس کے وجوب اور فرض کی تاکید پر دلالت کرے۔ بعض علماء نے کہا: نماز جمعہ یہاں اجماع سے معلوم ہو رہی ہے۔ لفظ سے معلوم نہیں ہو رہی (1)۔ ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک یہ ایک نکتہ کی وجہ سے نفس لفظ سے معلوم ہو رہی ہے۔ وہ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ کے الفاظ ہیں یہ اسے فائدہ بھی بہم پہنچاتا ہے کیونکہ وہ ندا جو اس دن کے ساتھ خاص ہے وہ اس نماز کے لیے ہی ندا ہے، باقی ندائیں تو تمام دنوں کے لیے ہیں۔ اگر اس سے مراد جمعہ کی ندا نہ ہو تو اس کی تخصیص اور اضافت کا کوئی معنی اور فائدہ نہ ہوتا۔

مسئلہ نمبر4۔ اذان کا حکم سورۃ المائدہ میں گزر چکا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آذان اس طرح تھی جس طرح تمام نمازوں کے لیے ہوتی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر بیٹھتے تو ایک آذان دی جاتی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کوفہ میں اسی طرح کرتے تھے۔ جب مدینہ طیبہ میں لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر پر تیسری آذان کا اضافہ کیا جو ان کے گھر پر دی جاتی۔ جس گھر کو زوراء کہتے۔ جب لوگ یہ آذان سنتے تو آ جاتے یہاں تک کہ جب حضرت عثمان منبر پر بیٹھتے تو موذن آذان کہتا پھر حضرت عثمان خطبہ ارشاد فرماتے؛ اسے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں محمد بن اسحاق سے وہ زہری سے وہ حضرت سائب بن یزید سے روایت نقل کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک موذن ہوتا جب آپ نیچے اترتے تو وہ اقامت کہتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں یہی معمول تھا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا اور لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو بازار میں ایک گھر کے اوپر ایک آذان کا اضافہ کیا جسے زوراء کہتے۔ جب حضرت عثمان باہر آتے تو موذن آذان دیتا اور جب منبر سے نیچے اترتے تو موذن اقامت کہتا۔ امام بخاری نے مختلف طرق سے اس معنی میں روایات نقل کی ہیں (2)۔ اور بعض روایات میں ہے کہ جمعہ کے روز دوسری آذان کا حکم حضرت عثمان غنی نے دیا جب اہل مسجد کی تعداد زیادہ ہو گئی۔ جمعہ کے روز آذان اس وقت دی جاتی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا۔ ماوردی نے کہا: جہاں تک پہلی آذان کا تعلق ہے یہ نیا عمل ہے (3)۔ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے شروع کیا تاکہ لوگ خطبہ سننے کے لیے تیاری کریں۔ جب مدینہ طیبہ کا علاقہ وسیع ہو گیا تھا اور اس کے مکین زیادہ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1804　2۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، اذان یوم الجمعہ، جلد 1، صفحہ 124

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 10

ہو گئے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ مسجد کی سمت میں بازار میں آذان دی جائے تا کہ لوگ اپنی تجارت کو چھوڑ دیں۔ جب وہ مسجد میں جمع ہو جائیں تو مسجد میں آذان دی جائے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مسجد میں ہی دو آذانیں دینے کا معمول بنا دیا؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔ حدیث صحیح میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آذان ایک تھی جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو آپ نے زوراء کے مقام پر تیسری آذان دلوا کر اس کا اضافہ کیا۔ حدیث میں اسے تیسری آذان (1) کا نام دیا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بین کل آذانی صلاۃ لمن شاء (2) یعنی آذان اور اقامت کے درمیان نماز کا وقت ہے جو چاہے اسے پڑھے۔ لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ اصلی آذان ہے، پھر انہوں نے تین موذن بنا دیئے۔ یہ وہم ہے پھر انہوں نے ایک وقت میں سب کو جمع کر دیا۔ یہ وہم پر وہم ہے۔ میں نے انہیں مدینۃ السلام میں مینارہ کی آذان کے بعد امام کے سامنے منبر کے نیچے ایک جماعت کی صورت میں آذان دیتے ہوئے دیکھا جس طرح سابقہ حکومتوں میں ہمارے ہاں بھی ایسا ہی کیا جاتا تھا۔ یہ سب کچھ نیا عمل ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ، سعی کے معنی میں یہاں تین قول ہیں۔ (۱) ارادہ کرنا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ کی قسم! یہ قدموں پر سعی نہیں بلکہ دلوں اور نیت کی سعی ہے۔ (۲) مراد عمل ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ (الاسراء: 19) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۞ (اللیل) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۞ (النجم) یہ جمہور کا قول ہے۔ زہیر نے کہا:

سَعَى بعدهم قومٌ لكَيْ يدركوهُم

ان کے بعد ایک قوم نے عمل کیا تا کہ ان کو پالیں۔

نیز یہ بھی کہا:

سَعَى سَاعِيَا غَيْظِ بن مُرّة بعدما تَبَزَّلَ ما بين العَشِيرَة بِالدَّمِ

غیظ بن مرہ نے اچھی کاوش کی جبکہ قبیلہ میں صلح خون ریزی سے ٹوٹ پھوٹ چکی تھی۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے عمل پیرا رہو اس کے اسباب غسل، وضو اور اس کی طرف توجہ میں مشغول رہو۔

(۳) مراد پیدل جانا ہے۔ یہ فضیلت ہے شرط نہیں۔ بخاری شریف میں ہے (3) حضرت ابو عبس بن جبر رضی اللہ عنہ جو کبار صحابہ میں سے تھے پیدل جمعہ کی نماز کے لیے جاتے تھے۔ کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: من اغبرّت قدماہ فی سبیل اللہ حرّمہ اللہ علی النار جس کے قدم اللہ تعالیٰ کی راہ میں غبار آلود ہو جائیں اللہ تعالیٰ اسے آگ پر حرام کر دیتا ہے۔

اس کلام کا ظاہر دوڑنے پر دلالت کرتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: اجل صحابہ اور متقدمین فقہاء نے اس کا انکار کیا (4)۔

1۔ پہلی آذان جو وقت شروع ہونے کے بعد دی جاتی ہے، دوسری آذان جو منبر کے سامنے دی جاتی ہے جب امام منبر پر بیٹھ جائے تیسری اقامت ہے۔

2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1804-1803

3۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، مشی الی الجمعہ، جلد 1، صفحہ 124

4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1804

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یوں قراءت (1) کی: فامضوا الی ذکر اللہ مقصود یہ بتانا تھا کہ کلام کا ظاہر جس معنی پر دلالت کرتا ہے وہ مراد نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی یہ قراءت کی۔ کہا: اگر میں فاسعوا کی قراءت کروں تو میں دوڑوں گا یہاں تک کہ میری چادر گر جائے گی۔ ابن شہاب نے یوں قراءت کی فامضوا الی ذکر اللہ سالکا تلک السبیل یہ سب ان کی جانب سے اس آیت کی تفسیر ہے۔ یہ قرآن منزل کی قراءت نہیں۔ قرآن کی قراءت تفسیر کے ساتھ تفسیر کے محل میں جائز ہے۔ ابو بکر انباری نے کہا: جس نے مصحف کی مخالفت کی وہ حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود کی قراءت اور خرشہ بن حر کے قول سے استدلال کرتا ہے۔ کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے دیکھا جبکہ میرے پاس ایک قطعہ تھا اس میں تھا (2)۔ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا: تجھے کس نے یہ پڑھایا ہے۔؟ میں نے عرض کی: حضرت ابی نے فرمایا: حضرت ابی ہم میں سے منسوخ کی زیادہ قراءت کرنے والے ہیں۔ پھر حضرت عمر نے پڑھا فامضوا الی ذکر اللہ۔

ادریس، خلف سے وہ ہشیم سے وہ مغیرہ سے وہ ابراہیم سے وہ خرشہ سے اسی طرح روایت نقل کرتے ہیں۔ محمد بن یحییٰ، محمد سے جو ابن سعدان ہے، وہ سفیان بن عیینہ سے وہ زہری سے وہ سالم سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں: میں نے ہمیشہ حضرت عمر کو فامضوا الی ذکر اللہ ہی قراءت کرتے ہوئے سنا ہے۔ ادریس، خلف سے وہ ہشیم سے وہ مغیرہ سے وہ ابراہیم سے روایت نقل کرتے ہیں (3) کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فامضوا الی ذکر اللہ قراءت کی ہے کہا: اگر فَاسْعَوْا ہوتا تو میں دوڑتا یہاں تک کہ میری چادر گر جاتی۔ ابو بکر نے کہا: ایسا قول کرنے والے کے خلاف اس چیز سے دلیل قائم کی جائے گی کہ امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول نے فَاسْعَوْا ہی ارشاد فرمایا، جہاں تک کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو ان سے فامضوا کی روایت صحیح نہیں کیونکہ سند متصل نہیں کیونکہ ابراہیم نخعی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے کچھ بھی نہیں سنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فامضوا مروی ہے۔ جب کوئی فرد کسی ایسی روایت میں منفرد ہو جو آیت و اجماع کے خلاف ہو تو اس میں اس فرد کا نسیان ثابت ہوگا۔ عربوں کا اس پر اجماع ہے کہ سعی، جانے کے معنی میں ہے تاہم کوشش کے معنی سے خالی نہیں۔ زہیر نے کہا:

سَعٰی سَاعِیَا غیظ بن مُرّہ بعد ما تَبَزَّلَ ما بین العَشِیرۃ بالدَّم

یہاں شاعر نے سعی سے مراد کد و کاوش سے امر بجا لانا لیا ہے، اس سے مراد قدموں سے دوڑنا اور تیز چلنا نہیں۔ فراء اور ابو عبید نے کہا: آیت میں سعی سے مراد امر بجا لانا ہے۔ فراء نے عربوں کے اس قول سے استدلال کیا ہے: یسعی فی البلاد یطلب فضل اللہ وہ شہروں میں اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے۔ یہ امر محال ہے کہ یہ معنی حضرت ابن مسعود پر مخفی ہو جبکہ آپ بڑے فصیح اور عربی زبان میں بڑے پختہ تھے۔

میں کہتا ہوں: جو امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں مراد دوڑنا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اذا اُقیمت

1۔ اس قسم کی جو قراءتیں صحابہ کرام سے منقول ہیں ان سے مراد تفسیر ہوتی ہے تا کہ معنی سمجھنے میں دقت نہ ہو نہ کہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ متن کے الفاظ یہ ہیں۔

2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 534 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1804

الصلوٰۃ فلا تاتوھا تسعون ولکن السکینۃ(1) جب نماز کھڑی ہو جائے تو تم دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ اس کے لیے آؤ جبکہ تمہارے اوپر سکون و وقار ہو۔ حضرت حسن بصری نے کہا: خبر دار اللہ کی قسم! یہ قدموں پر دوڑنا نہیں بلکہ انہیں منع کیا گیا ہے کہ وہ نماز کے لیے آئیں مگر اس صورت میں کہ ان پر سکون و وقار ہو بلکہ یہاں مراد ہے کہ وہ دل کی حاضری، خلوص نیت اور خشوع کے ساتھ آئیں۔ قتادہ نے کہا: سعی یہ ہے کہ تو اپنے دل اور عمل کے ساتھ سعی کرے۔ یہ بہت اچھا قول ہے۔ کیونکہ یہ تینوں اقوال کو جامع ہے۔ جمعہ کے روز غسل، خوشبو لگانے اور لباس سے آراستہ ہونے کے بارے میں کئی احادیث آئی ہیں جو کتب حدیث میں مذکور ہیں۔

مسئلہ نمبر 6۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اس امر پر اجماع ہے کہ یہاں خطاب صرف عاقل، بالغ مومنوں کو ہے، اس خطاب سے مریض، اپاہج، مسافر، غلام اور عورتیں خارج ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک نابینا اور ایسا بوڑھا جو راہنما کے بغیر نہ چل سکتا ہو وہ بھی اس سے خارج ہے۔ ابو زبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو آدمی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اس پر جمعہ کے روز جمعہ کی نماز لازم ہے مگر جو مریض ہو، مسافر ہو، عورت ہو، بچہ ہو یا غلام ہو جو آدمی لہو و لعب کی وجہ سے یا تجارت کی وجہ سے اس سے مستغنی ہوا اللہ تعالیٰ اس سے غنی ہے۔ وہ ہی حمد کے لائق ہے'' (2)۔ اسے دار قطنی نے نقل کیا ہے۔

ہمارے علماء نے فرمایا: جس پر جمعہ ادا کرنا لازم ہے وہ جمعہ ادا کرنے سے پیچھے نہ رہے مگر ایسے عذر کی صورت میں جس کی موجودگی میں اس کے لیے بجالانا ممکن نہ ہو جس طرح ایسا مرض جو اسے روک دے، مرض کے بڑھنے کا خوف، سلطان کے ظلم کا خوف خواہ مال میں ہو یا بدن میں ہاں حق لینے کا مسئلہ ہو تو صورت الگ ہے، موسلا دھار بارش، ساتھ کیچڑ بھی ہو یہ عذر شمار ہو گا جبکہ بارش ختم نہ ہو۔ امام مالک نے اسے عذر شمار نہیں کیا؛ یہ مہدوی نے بیان کیا۔ جو آدمی کسی قریبی رشتہ وار کی تیار داری کی وجہ سے جمعہ ادا نہیں کرتا جس کی موت کا وقت قریب ہو اور اس کے پاس کوئی ایسا شخص بھی نہ ہو جو اس کے امور بجالائے تو یہ امید کی جاتی ہے کہ اس کے لیے اس میں گنجائش موجود ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایسا ہی کیا۔ جو آدمی عذر کے بغیر نماز جمعہ میں شامل نہ ہوا اس نے امام سے قبل نماز پڑھ لی تو وہ نماز کا اعادہ کرے۔ اس کے لیے جائز نہیں کہ اس سے پہلے نماز پڑھے جب نماز جمعہ میں شامل ہو سکتا تھا تو وہ اس میں شامل نہ ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والا ہو گا۔

مسئلہ نمبر 7۔ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ جمعہ کا وجوب اس آدمی کے لیے خاص ہے جو آذان کو سنتا ہے۔ جہاں تک اس آدمی کا تعلق ہے جو دور ہے جو آذان کو نہیں سنتا تو وہ اس خطاب کے تحت داخل نہیں ہو گا جو آدمی جمعہ کی نماز کے لیے آتا ہے وہ قریب رہتا ہے یا دور رہتا ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عمر، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے: جمعہ اس پر واجب ہو گا جو شہر سے چھ میل کے فاصلہ پر ہو۔ ربیعہ نے کہا: جو چار میل کے فاصلہ پر ہو۔ امام مالک اور لیث نے کہا: تین میل کے فاصلہ پر ہو، امام شافعی نے کہا: آذان سننے کا اعتبار ہو گا جبکہ موذن کی آواز بلند ہو اور آوازیں پر

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، مشی الی الجمعہ، جلد 1، صفحہ 124
2۔ سنن دار قطنی، کتاب الجمعہ، من تجب علیہ الجمعہ، جلد 2، صفحہ 3

سکون ہوں، ہوا ساکن ہو اور موذن شہر کی دیوار پر کھڑا ہو۔ صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ لوگ اپنے گھروں اور قریبی دیہاتوں سے باری باری آتے وہ گرد و غبار میں آتے ان کے جسموں پر غبار لگ جاتا تو ان سے بو سی پیدا کرتا (1)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کاش! تم اس دن کے لیے غسل کرتے''۔ ہمارے علماء کا کہنا ہے کہ آواز جب خوب بلند ہو، لوگ سکون میں ہوں تو آواز تین میل تک پہنچتی ہے۔ مدینہ طیبہ کے قریبی دیہات کم سے کم تین میل کے فاصلہ پر ہوتے تھے۔ امام احمد بن حنبل اور اسحاق نے کہا: جس نے جمعہ کی آذان سنی اس پر جمعہ کی نماز واجب ہے۔ دار قطنی نے عمرو بن شعیب سے وہ اپنے باپ سے وہ دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انما الجمعۃ علی من سمع النداء (2) جو آذان سنے اس پر جمعہ کی نماز فرض ہے۔

امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کہتے ہیں: جو آدمی شہر میں ہے وہ آذان کی آواز سنے یا نہ سنے اس پر جمعہ کی نماز واجب ہے اور جو آدمی شہر سے باہر ہے اگرچہ آذان کی آواز سنے اس پر جمعہ کی نماز واجب نہیں یہاں تک کہ آپ سے سوال کیا گیا: کیا اہل زبارہ پر جمعہ واجب ہے؟ زبارہ اور کوفہ کے درمیان ایک دریا حائل تھا؟ فرمایا: نہیں۔ ربیعہ سے یہ بھی مروی ہے: جو آدمی آذان کی آواز سنے اور پیدل گھر سے نکلے تو وہ نماز کو پالے تو اس پر جمعہ کی نماز واجب ہے۔ زہری سے یہ مروی ہے کہ جمعہ کی نماز اس پر واجب ہے جو آذان کو سنے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَۃِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ یہ اس امر پر دلیل ہے کہ جمعہ آذان سے ہی واجب ہوتا ہے اور آذان وقت کے داخل ہونے سے ہو سکتی ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اذا حَضَرَتِ الصلاۃُ فاذّنا ثم اقیما ولیئومکما اکبرکما (3) جب نماز کا وقت ہو تو تم دونوں میں سے ایک آذان کہے پھر ایک اقامت کہے پھر تم میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد حضرت مالک بن حویرث اور اس کے ساتھی سے فرمایا تھا۔ بخاری شریف میں حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ جب سورج ڈھل جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ ادا فرمایا کرتے تھے (4)۔ ابوبکر الصدیق اور امام احمد بن حنبل سے مروی ہے کہ سورج ڈھلنے سے قبل نماز جمعہ پڑھی جائے گی۔ امام احمد بن حنبل نے اس میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے پھر ہم واپس پلٹتے جبکہ دیواروں کے سائے نہیں ہوتے تھے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں ہم نماز جمعہ کے بعد ہی قیلولہ اور دوپہر کا کھانا کھایا کرتے تھے؛ اسی کی مثل حضرت سہل سے روایت مروی ہے؛ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت سلمہ کی حدیث کو بہت جلد ادائیگی پر محمول کیا جائے گا۔ ہشام بن عبد الملک، یعلی بن حارث سے وہ ایاس بن سلمہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، فضل التکبیر الی الجمعہ، جلد 1، صفحہ 280

2۔ سنن دار قطنی، الجمعہ علی من سمع النداء، جلد 2، صفحہ 6

3۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، من احق بالامامۃ، جلد 1، صفحہ 236

4۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، من احق بالامامۃ، جلد 1، صفحہ 123

بن اکوع سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں وکیع، یعلی سے وہ ایاس سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کرتے پھر ہم سایہ کی تلاش کرتے ہوئے واپس آتے (1)۔ یہ مقدمین اور متاخرین جمہور اسلاف کا نقطہ نظر ہے اور اسے ظہر کی نماز پر بھی قیاس کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی روایت اس امر پر دلیل ہے کہ صحابہ کرام دوپہر کے کھانے یا اس سے بھی پہلے نماز جمعہ کے لیے جلدی جایا کرتے تھے۔ وہ دوپہر کا کھانا نماز جمعہ کے بعد ہی کھایا کرتے تھے۔ امام مالک کی رائے ہے کہ جمعہ کو جلدی ادا کرنا اسی طرح ہے کہ زوال کے بالکل قریب ہی ادا کیا جائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اجتہاد کیا ہے: من راح فی الساعۃ الأولی فکأنما قرب بَدَنَۃ (2) جو پہلی ساعت میں گیا گویا اس نے اونٹ کی قربانی دی۔ یہ سب ایک ہی ساعت ہے۔ دوسرے علماء نے اسے دن کی بارہ ساعتوں پر محمول کیا ہے۔ جو برابر ہیں یا مختلف ہیں جس طرح دن میں کمی یا زیادتی ہوتی ہے۔ ابن عربی نے کہا: حضرت ابن عمر کی حدیث کی وجہ سے یہ قول زیادہ صحیح ہے کہ وہ جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے بعد قیلولہ کرتے اور کھانا کھاتے کیونکہ وہ بہت جلدی نماز جمعہ کے لیے چلے جایا کرتے تھے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان پر جمعہ فرض کیا ہے۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو اسے فرض کفایہ کہتے ہیں۔ بعض شافعیہ سے یہ منقول ہے۔ امام مالک سے یہ منقول ہے جو ثابت نہیں کہ نماز جمعہ سنت ہے۔ جمہور امت اور ائمہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ فرض عین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث ثابت ہے۔ لَیَنْتَهِیَنَّ أقوامٌ عن وَدْعِهم الجُمُعَات أو لَیَخْتِمَنَّ اللہ علی قلوبهم ثم لیکونُنَّ من الغافلین (3) جو لوگ جمعہ کی نماز کو چھوڑتے ہیں انہیں اس طرز عمل سے رک جانا چاہیے ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔ جمعہ کے وجوب اور اس کے فرض ہونے میں یہ واضح حجت ہے۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت ابی جعد ضمری سے مروی ہے۔ جبکہ وہ صحابی بھی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَۃَ ثلاث مرات تهاونا بها طبع اللہ علی قلبه (4) جس نے سستی کرتے ہوئے تین دفعہ جمعہ ترک کر دیا اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔ اس کی سند صحیح ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے بغیر مجبوری کے تین جمعہ ترک کیے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے فرمایا: الرَّواح الی الجمعۃ واجبٌ علی کلِّ مسلم (5) جمعہ کی نماز کے لیے جانا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے لیے سعی کو بغیر کسی شرط کے واجب قرار دیا ہے۔ تمام نمازوں کے لیے قرآن و سنت سے وضو کا شرط ہونا ثابت ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ** (المائدہ: 6) جب تم

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، من اغتسل او توضا، جلد 1، صفحہ 283

2۔ ایضاً، کتاب الجمعہ، فضل التبکیر الی الجمعہ، جلد 1، صفحہ 280

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، تغلیظ فی التخلف عن الجماعۃ، صفحہ 58

4۔ مشکوۃ المصابیح، کتاب الجمعہ، صفحہ 121

5۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1808

نماز کا ارادہ کرو تو اپنے چہروں کو دھو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لایقبل اللہ صلاۃ بغیر طھور (1) اللہ تعالیٰ وضو کے بغیر نماز قبول نہیں فرماتا۔ ایک طائفہ نے عجیب وغریب بات کی ہے کہ جمعہ کا غسل فرض ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ باطل ہے کیونکہ امام نسائی اور ابوداؤد نے اپنی اپنی سنن میں روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من توضأ یوم الجمعة فبھا و نعمت ومن اغتسل فالغسل أفضل (2) جس نے جمعہ کے روز وضو کیا اس نے بہت اچھا کیا اور جس نے غسل کیا تو غسل افضل ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے جمعہ کے روز وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا پھر جمعہ کے لیے گیا اس نے خطبہ سنا اور خاموش رہا تو اللہ تعالیٰ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور اس سے تین دن زائد کے گناہ بخش دیتا ہے (3)۔ جو سنگریزوں سے کھیلتا رہا اس نے لغو عمل کیا۔ یہ نص ہے۔ موطا شریف میں ہے: ایک آدمی جمعہ کے روز مسجد میں داخل ہوا جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے۔ یہاں تک کہ آنے والے نے کہا: میں نے وضو کرنے کے سوا کوئی زائد عمل نہیں کیا۔ حضرت عمر نے فرمایا: صرف وضو؟ جبکہ تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم ارشاد فرماتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غسل کا حکم تو دیا مگر اسے واپس جانے کا حکم ارشاد نہیں فرمایا۔ یہ بھی اس پر دال ہے کہ غسل کرنا مستحب ہے اب یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ سنت کی طرف لوٹتے جبکہ وہ فرض (جمعہ میں حاضر ہونا اور خطبہ سننا) کی بجا آوری میں شروع ہو چکے تھے۔ یہ اس وقت ہوا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اردگرد اور مسجد نبوی میں جلیل القدر صحابہ اور مہاجرین تشریف فرما تھے۔

مسئلہ نمبر 11۔ عید کے روز جمعہ ہو جائے تو نماز جمعہ ساقط نہیں ہوگی جبکہ امام احمد بن حنبل اس سے اختلاف کرتے ہیں انہوں نے کہا: جب عید اور جمعہ اکٹھے ہو جائیں تو جمعہ کی فرضیت ساقط ہو جائے گی کیونکہ عید کی نماز جمعہ کی نماز سے پہلے ہوتی ہے اور عید کی مشغولیت کی وجہ سے لوگ جمعہ سے غافل ہو جاتے ہیں آپ نے اس میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ایک قول سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے عوالی (4) کے باسیوں کو اجازت دی کہ وہ نماز جمعہ کے لیے نہ آئیں صحابہ میں سے ایک کا قول کوئی حجت نہیں جب اس کی مخالفت بھی ہو اور اس پر کوئی اتفاق نہ کیا گیا ہو۔ عید کے روز جمعہ کے لیے سعی کا حکم اسی طرح متوجہ ہوتا ہے جس طرح باقی ایام میں متوجہ ہوتا ہے (5)۔

صحیح مسلم میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں قراءت کیا کرتے تھے (6)۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ (الاعلیٰ) اور هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۙ (الغاشیہ) جب عید اور جمعہ ایک ہی دن میں جمع ہو جاتے تو دونوں نمازوں میں ان دونوں سورتوں کی قراءت کیا کرتے تھے۔ اسے ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے نقل کیا ہے (☆)۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1808
2۔ ایضاً
3۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، کراھیۃ مس الحصی، جلد 1، صفحہ 283
4۔ مدینہ طیبہ سے ایک میل کی مسافت پر دیہات تھا۔
5۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1809
6۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، جلد 1، صفحہ 288
☆ جامع ترمذی، باب ما جاء فی القراءۃ فی العیدین، حدیث نمبر 490، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مسئلہ نمبر 12۔ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذکر سے مراد نماز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد خطبہ اور وعظ ونصیحت ہے؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے۔ ابن عربی نے کہا: صحیح یہ ہے کہ یہ ان تمام چیزوں میں واجب ہے (1)۔ ان میں سے پہلا خطبہ ہے؛ ہمارے علماء نے یہی کہا ہے مگر عبدالملک بن ماجشون نے اختلاف کیا انہوں نے اسے سنت قرار دیا۔ اس کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ یہ بیع کو حرام کر دیتا ہے۔ اگر خطبہ کا سننا واجب نہ ہوتا تو یہ بیع کو حرام قرار نہ دیتا کیونکہ مستحب امر مباح کو حرام قرار نہیں دیتا۔ جب ہم نے کہا: ذکر سے مراد نماز ہے تو خطبہ بھی نماز میں سے ہی ہے۔ بندہ اپنے فعل سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ہوتا ہے جس طرح وہ اپنے فعل سے تسبیح کرنے والا ہوتا ہے۔ زمخشری نے کہا: اگر تو سوال کرے ذکر اللہ کی تفسیر خطبہ سے کیسے کی جا سکتی ہے جبکہ خطبہ میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ بھی کئی چیزیں ہوتی ہیں؟ (2)۔

میں اس کا جواب دوں گا: خطبہ میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو ثنا کی جاتی ہے، خلفاء راشدین کی جو ثنا کی جاتی ہے، مومن متقین کی جو تعریف کی جاتی ہے، اس میں جو نصیحت اور یاد دہانی ہوتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے حکم میں ہوگا، اس کے علاوہ جو کچھ ہے جیسے ظالموں، ان کے القاب کا ذکر، ان کی ثنا اور ان کے لیے دعا وغیرہ جبکہ وہ اس کے برعکس کے مستحق ہیں تو وہ شیطان کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے یہ کئی مراحل پرے ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ وَذَرُوا الْبَيْعَ نماز جمعہ کے وقت بیع وشراء سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اور نماز جمعہ کے وقت میں اسے حرام قرار دیا ہے۔ یہ حرمت اس کے لیے ہے جو نماز جمعہ کی فرضیت کا مخاطب ہے۔ بیع، شراء سے خالی نہیں ہوتی اس لیے صرف بیع کا ذکر کر دیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ (النحل: 81) صرف گرمی کا ذکر کیا حالانکہ یہ پاجامہ سردی سے بھی بچاتا ہے۔ یہاں دوسرے امور کی بجائے صرف بیع (تجارت) کا ذکر کیا کیونکہ بازار والے عموماً اسی میں مصروف ہوتے ہیں۔ جس پر جمعہ کی نماز میں حاضر ہونا واجب نہیں اس کو بیع وشراء سے نہیں روکا جائے گا۔

حرام قرار دینے والے وقت میں دو قول ہیں۔ ا: زوال کے بعد سے لے کر نماز سے فارغ ہونے تک؛ یہ ضحاک، حضرت حسن بصری اور عطا کا قول ہے۔ (۲) خطبہ کی آذان سے لے کر نماز کے وقت تک؛ یہ امام شافعی کا قول ہے۔ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ جب نماز جمعہ کے لیے آذان دی جائے تو بیع وشراء کو ترک کر دیا جائے اس وقت جو بیع وشراء ہوئی وہ فسخ ہوگی، غلام کی آزادی، نکاح، طلاق وغیرہ فسخ نہ ہونگے کیونکہ لوگوں کی عادت نہیں کہ ایسے امور میں مشغول ہوں جس طرح وہ بیع و شراء میں مشغول ہوتے ہیں۔ علماء نے کہا: اسی طرح عقد شرکہ، عقد ہبہ اور عقد صدقہ بھی نادر و نایاب ہی ہوتا ہے اس لیے وہ بھی فسخ نہ ہوگا۔ ابن عربی نے کہا: صحیح یہی ہے کہ سب کچھ فسخ ہوگا کیونکہ بیع سے اس لیے منع کیا گیا ہے کیونکہ انسان اس میں ہی مشغول ہو جاتا ہے (3)۔ عقود میں سے ہر ایسا امر جو نماز جمعہ سے غافل کر دے سب شرعاً حرام اور جھڑ کنے کے لیے فسخ قرار دیا جائے گا۔ مہدوی نے کہا: بعض علماء نے اس وقت میں بیع کو جائز قرار دیا ہے۔ انہوں نے نہی سے مراد ندب واستحباب لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ سے استدلال کیا ہے۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1805 2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 535 3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1806

میں کہتا ہوں: یہ امام شافعی کا مذہب ہے کیونکہ آپ کے نزدیک بیع منعقد ہو جاتی ہے، وہ فسخ نہیں ہوتی۔ زمخشری نے اپنی تفسیر میں کہا: عام علماء کی رائے ہے کہ بیع فسخ نہ ہوگی (1)۔ انہوں نے کہا: بیع بالذات حرام نہیں لیکن اس میں مشغول ہونے سے ایک واجب سے غفلت ثابت ہوتی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جس طرح مغصوبہ زمین اور مغصوبہ کپڑے میں نماز پڑھی جائے اور مغصوبہ پانی سے وضو کیا جائے۔ بعض علماء سے یہ منقول ہے کہ یہ بیع فاسد ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ ایسی بیع فاسد اور فسخ شدہ ہے (2) کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کل عمل لیس علیه أمرنا فهو رد ہر ایسا عمل جس بارے میں ہمارا امر نہ ہو تو وہ مردود ہے۔ الله تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

”پھر جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو الله کے فضل سے اور کثرت سے الله تعالیٰ کی یاد کرتے رہا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ“۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ امر کا صیغہ اباحت کے لیے ہے جس طرح اس آیت وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا (المائدہ: 2) میں امر اباحت کے لیے ہے۔ فرمان ہے: جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو تجارت کے لیے اور اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے زمین میں پھیل جاؤ۔ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ اس کا رزق تلاش کرو۔ عراک بن مالک کا معمول تھا جب وہ نماز پڑھ چکتے تو مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوتے تو عرض کرتے: اے الله! میں نے تیری دعوت کو قبول کیا، تیرے عائد کردہ فریضہ کو بجالایا اور زمین میں پھیل گیا جس طرح تو نے مجھے حکم دیا (3)۔ اپنے فضل سے مجھے رزق عطا فرما تو بہترین رزق دینے والا ہے۔ جعفر بن محمد نے وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ کی یہ وضاحت کی: مراد عمل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد طلب علم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد نفل نماز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: دنیا کی کسی شی کو طلب کرنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ اس سے مراد مریضوں کی عیادت، نماز جنازہ میں حاضر ہونا اور الله تعالیٰ کی رضا کی خاطر بھائی سے ملاقات کرنا ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا اطاعت کر کے اور زبان سے اس کا شکر بجالاؤ۔ الله تعالیٰ نے جو فرائض کے بجالانے کی توفیق دی اس انعام پر شکر بجالاؤ۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ یہاں لعل، کی کے معنی میں ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: ذکر سے مراد الله تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ جس نے الله تعالیٰ کی اطاعت کی اس نے الله تعالیٰ کا ذکر کیا، جس نے اس کی اطاعت نہ کی وہ ذکر کرنے والا نہیں اگر چہ وہ بہت زیادہ تسبیح کرتا ہو۔ سورۂ بقرہ میں اس بارے میں مرفوع روایت گزر چکی ہے۔

وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 536 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1806 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 10

مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ⑪

''اور (بعض لوگوں نے) جب دیکھا کسی تجارت یا تماشا کو تو بکھر گئے اس کی طرف اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا (اے حبیب! انہیں) فرمایئے کہ جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں وہ کہیں بہتر ہیں لہو اور تجارت سے، اور اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے''۔

اس میں سترہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو شام سے ایک تجارتی قافلہ آ گیا لوگ اس قافلہ کی طرف چلے گئے، یہاں تک کہ صرف بارہ افراد مسجد میں رہ گئے (1)۔ ایک روایت میں ہے: میں بھی ان میں سے ایک تھا، تو یہ آیت جو سورۂ جمعہ میں ہے نازل ہوئی۔ ایک رویت میں ہے: ان بارہ افراد میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق بھی تھے۔ کلبی اور دوسرے علماء نے کہا: جو اس تجارتی قافلہ کو لایا تھا وہ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی تھے۔ جو شام سے یہ قافلہ لائے جبکہ زمانہ سخت بھوک اور مہنگائی کا تھا۔ ان کے پاس تمام وہ مال واسباب تھا جس کی لوگوں کو ضرورت تھی جیسے گندم، آٹا وغیرہ۔ وہ مدینہ طیبہ کی منڈی احجار زیت میں اترے اور طبل بجایا تا کہ لوگوں کو اپنے آنے کی خبر دے تو لوگ ان کے پاس چلے گئے صرف بارہ آدمی رہ گئے۔ کلبی نے کہا: وہ خطبہ جمعہ سن رہے تھے سارے چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف آٹھ افراد رہ گئے؛ کلبی نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا۔

دارقطنی نے حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث سے نقل کی ہے: اسی اثناء میں کہ جمعہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک تجارتی قافلہ آیا جس کے پاس کھانے کا سامان تھا وہ بقیع میں اترا۔ لوگ اس قافلہ کی طرف متوجہ ہوئے اس طرف چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا آپ کے ساتھ چالیس آدمی رہ گئے میں بھی ان میں سے ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت کو نازل فرمایا (2)۔ اس اسناد میں علی بن عاصم جو حصین سے روایت نقل کرتے ہیں نے ہی چالیس افراد کا ذکر کیا ہے۔ حصین کے دوسرے اصحاب نے اس کی مخالفت کی۔ انہوں نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف بارہ افراد ہی باقی رہ گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت مروی ہے: والذی نفسی بیدہ لو خرجوا جمیعا لاضرم اللہ علیہم الوادی نارا (3) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر سب کے سب نکل جاتے تو اللہ تعالیٰ ان پر اس وادی کو آگ سے بھڑکا دیتا؛ زمخشری نے اسے ذکر کیا۔

ایک حدیث مرسل میں ان بارہ افراد کے نام ذکر کئے گئے ہیں۔ اسے اسد بن عمرو نے جو اسد بن موسیٰ بن اسد کے والد ہیں نے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، جلد 1، صفحہ 284　2۔ سنن دارقطنی، کتاب الجمعہ، ذکر العدد فی الجمعہ، جلد 2، صفحہ 4، حدیث 5

3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 536

عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت ابو عبیدہ بن جراح، حضرت سعید بن زید، حضرت بلال رضی اللہ عنہم ایک رویت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسری روایت میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ تھے۔

میں کہتا ہوں: اس روایت میں حضرت جابر کا ذکر نہیں، امام مسلم نے ذکر کیا ہے کہ وہ ان میں سے تھے۔ دار قطنی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں اس کے سبب کا ذکر کیا ہے (1) جس کے باعث انہوں نے اپنے آپ کو خطبہ سننے کے ترک میں رخصت پائی جبکہ اپنی فضیلت کے باعث وہ اس کے مستحق تھے کہ ایسا نہ کرتے کہ محمود بن خالد، ولید سے وہ ابو معاذ بکر بن معروف سے وہ حضرت مقاتل بن حیان سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے پہلے جمعہ کی نماز پڑھاتے تھے جس طرح عیدین کا معمول ہے یہاں تک کہ جمعہ کا دن تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے جبکہ جمعہ کی نماز پڑھ لی تھی ایک آدمی آیا، اس نے کہا: حضرت دحیہ کلبی تجارتی سامان لائے ہیں۔ حضرت دحیہ جب تجارتی سامان لاتے تو اس کے اہل دف بجا کر ان کا استقبال کرتے۔ لوگ نکلے انہوں نے گمان کیا کہ خطبہ کو چھوڑ دینے میں ان کے لیے کچھ بھی نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کو پہلے کر دیا اور نماز کو موخر کر دیا۔ اس نہی کے بعد کوئی آدمی نکسیر یا حدث کی صورت میں باہر نہ نکلتا مگر وہ اجازت لیتا اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کرتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے اجازت دیتے پھر اسے ہاتھ سے اشارہ کرتے۔ منافقین میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جن پر خطبہ سننا اور مسجد میں بیٹھنا بوجھل محسوس ہوتا۔ جب مسلمانوں میں سے کوئی اجازت لیتا تو منافق اس کے پہلو میں کھڑا ہو جاتا۔ اپنے آپ کو اس کے پیچھے چھپا لیتا یہاں تک کہ باہر نکل جاتا تو اللہ تعالیٰ نے قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا (النور: 63) کو نازل فرمایا۔ سہیل نے کہا: یہ خبر اگرچہ صحیح سند سے ثابت نہیں تاہم صحابہ کرام کے بارے میں حسن ظن ثابت کرتا ہے کہ یہ صحیح ہو۔ قتادہ نے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ صحابہ نے یہ عمل تین دفعہ کیا۔ ہر دفعہ شام سے تجارتی قافلہ آیا تھا اور ہر دفعہ جمعہ کے دن آیا تھا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کا نکلنا صرف دحیہ کلبی کے تجارتی قافلہ کے لیے تھا اور اس قافلہ کو گزرتے ہوئے دیکھنے کے لیے تھا یہ سراسر لہو تھا اس میں کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اگر اس کے علاوہ کے لیے ان کا نکلنا ہوتا تو اس میں کوئی گناہ نہ ہوتا، لیکن جب اس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض متصل تھا اور آپ کی بارگاہ سے اٹھ جانا شامل تھا تو اس میں سختی آ گئی اور یہ عمل بڑا ہو گیا اور اس بارے میں قرآن نازل ہوا اور اسے لہو کا نام دے کر اس کی حقارت بیان کی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں ارشاد مروی ہے: کل ما یلھو بہ الرجل باطل الا رمیہ بقوسہ انسان جس کے ساتھ لہو کرتا ہے وہ عمل باطل ہے سوائے کمان کے ذریعے تیر پھینکنے کے۔ سورۃ الانفال میں یہ گزر چکی ہے۔ تمام تر تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب عورتوں کے نکاح کیے جاتے تو وہ آلات لہو اور طبل کے ساتھ گزرتیں تو صحابہ ان کی طرف چلے گئے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ کنایہ کو تجارت کی طرف پھیرا کیونکہ تجارت اہم ہے۔ طلحہ بن مصرف نے وَ

1۔ سنن ابی داؤد، صحاح فی الخطبۃ یوم الجمعہ، جلد 2، صفحہ 7

اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَاۨ انْفَضُّوْۤا اِلَیْهَا نے قراءت کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جب وہ تجارت دیکھتے ہیں تو اس کی طرف چلے جاتے ہیں یا لہو ولعب دیکھتے ہیں تو اس کی طرف نکل جاتے ہیں تو کلام کے دلالت کرنے کی وجہ سے اسے حذف کر دیا؛ جس طرح شاعر نے کہا:

نحن بما عندنا وأنت بما عندك راضٍ والرأيُ مُخْتَلِفُ

ہم اس پر راضی ہیں جو ہمارے پاس ہے اور تو اس پر راضی ہے جو تیرے پاس ہے جبکہ رائے مختلف ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا: عربی زبان میں یہ سب سے عمدہ ہے کہ ضمیر کو دونوں اسموں میں سے دوسرے اسم کے لیے بنایا جائے۔

مسئلہ نمبر 2۔ جتنے افراد کے ساتھ جمعہ ہوتا ہے اس کی تعداد میں علماء کا اختلاف ہے۔ (۱) حضرت حسن بصری نے کہا: دو افراد کے ساتھ جمعہ منعقد ہو جاتا ہے (1)۔ (۲) لیث اور امام ابو یوسف نے کہا: تین افراد کے ساتھ جمعہ ہو جاتا ہے۔ (۳) سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا: چار افراد کے ساتھ جمعہ ہوتا ہے (2)۔ (۴) ربیعہ نے کہا: بارہ افراد کے ساتھ جمعہ ہوتا ہے۔ نجاد ابوبکر احمد بن سلیمان نے ذکر کیا ابو خالد یزید بن ہیثم بن طہمان دقاق، صبح بن دینار سے وہ معافی بن عمران سے وہ معقل بن عبید اللہ سے وہ زہری سے وہ اپنی سند کے ساتھ مصعب بن عمیر سے روایت نقل کرتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ طیبہ کی طرف بھیجا۔ آپ حضرت سعد بن معاذ کے گھر ٹھہرے آپ نے انہیں جمعہ کی نماز پڑھائی جبکہ ان کی تعداد بارہ تھی۔ اس روز ان لوگوں کے لیے ایک بکری ذبح کی گئی۔ (۵) امام شافعی نے کہا: چالیس افراد ہوں۔ ابو اسحاق شیرازی نے ''کتاب التنبیہ علی مذہب الامام شافعی'' میں کہا: ہر وہ دیہات جس میں چالیس عاقل، بالغ، آزاد اور مقیم مرد ہوں وہ موسم سرما اور موسم گرما میں وہاں سے کوچ نہیں کرتے سفر کرتے بھی ہیں تو مجبوری کی وجہ سے اور وہ خطبہ کی ابتدا سے نماز جمعہ کے قیام تک وہاں حاضر رہتے ہیں تو ان پر جمعہ واجب ہو جائے گا۔ امام احمد اور امام اسحاق اسی قول کی طرف مائل ہوئے ہیں اور ان دونوں نے یہ شرطیں نہیں لگائیں۔ امام مالک نے کہا: جب بستی ایسی ہو جس میں بازار اور مسجد ہو تو تعداد کا اعتبار کیے بغیر ان پر نماز جمعہ فرض ہوگی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے یہ فرمان جاری کیا: جس بستی میں تیس گھر ہوں ان پر جمعہ لازم ہوگا۔

امام ابوحنیفہ نے کہا: شہر کی قریبی بستیوں اور دیہاتوں کے مکین لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ہوتا ان میں نماز جمعہ پڑھنا بھی جائز نہیں (3)۔ جمعہ کے وجوب اور اس کے انعقاد میں آپ نے یہ شرطیں لگائی ہیں۔ ا: بڑا شہر، قوی سلطان، بارونق بازار اور جاری نہر۔ انہوں نے حضرت علی شیر خدا کی ایک حدیث سے استدلال کیا ہے: کوئی نماز جمعہ اور تکبیرات تشریق نہیں مگر بڑے شہر میں اور ایسے ساتھی جو ان کے معاون ہوں؛ اس قول کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت رد کرتی ہے۔ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے بعد جس مسجد میں سب سے پہلے جمعہ ادا کیا گیا وہ بحرین کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات کی مسجد ہے جسے جواثی کہا جاتا (4)۔ امام شافعی کی چالیس افراد میں دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ہے جسے دار قطنی نے نقل کیا

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 158
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 380
3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 381
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، الجمعہ فی القریٰ، جلد 1، صفحہ 153

ہے۔ سنن ابن ماجہ، دارقطنی اور بیہقی کی دلائل النبوہ میں عبدالرحمن بن کعب بن مالک سے مروی ہے کہا: جب میرے والد کی نظر جاتی رہی تو میں اپنے والد کو ساتھ لے کر جاتا جب میں انہیں جمعہ کے لیے لے کر چلا تو انہوں نے آذان کی آواز سنی تو حضرت ابوامامہ کے لیے دعا اور استغفار کی۔ کافی عرصہ تک ان کا یہی معمول رہا(1)۔ وہ جمعہ کی آذان نہیں سنتے تھے مگر وہ یہی عمل کرتے۔ میں نے ان سے عرض کی: اے میرے اباجان! جب بھی آپ جمعہ کی آذان سنتے ہیں تو آپ حضرت امامہ کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا: اے بیٹے! یہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حرہ بن بیاضہ(2) جسے نقیع الخضمات کہتے اس کی پست جگہ میں مدینہ طیبہ میں پہلا جمعہ پڑھایا تھا۔ میں نے پوچھا: اس وقت تمہاری تعداد کتنی تھی؟ فرمایا: چالیس۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: طریقہ یہ چلتا آرہا ہے ہر تین افراد میں ایک امام ہو اور ہر چالیس یا اس سے زائد افراد میں جمعہ، عید قربان اور عید فطر ہو(3)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جماعت ہیں؛ اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ ابوبکر احمد بن سلیمان نجاد نے روایت نقل کی ہے: عبدالملک بن محمد رقاشی پر یہ روایت پڑھی گئی جبکہ میں خود سن رہا تھا کہ مجھے رجاء بن سلمہ نے حدیث بیان کی وہ اپنے باپ سے وہ روح بن غطیب ثقفی سے وہ زہری سے وہ ابوسلمہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کتنے افراد پر جمعہ واجب ہوتا ہے؟ فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی تعداد پچاس ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جمعہ کی نماز پڑھائی۔ عبدالملک بن محمد کو یہ روایت سنائی گئی جبکہ میں سن رہا تھا کہ رجاء بن مسلمہ، عباد بن عباد مہلبی سے وہ جعفر بن زبیر سے وہ قاسم سے وہ حضرت ابوامامہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جمعہ پچاس افراد پر واجب ہوتا ہے اس سے کم افراد پر واجب نہیں ہوتا''(4)۔

ابن منذر نے کہا: حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ فرمان جاری کیا جس بستی میں پچاس آدمی جمع ہوجائیں وہ جمعہ کی نماز پڑھیں۔ زہری نے ام عبداللہ دوسیہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جمعہ ہر دیہات والوں پر واجب ہے اگرچہ اس میں چار افراد بھی نہ ہوں''(5)۔ یہاں قری سے مراد شہر ہیں۔ یہ زہری سے ثابت نہیں۔ ایک روایت میں ہے: ''جمعہ ہر بستی والوں پر واجب ہے اگرچہ اس میں تین افراد ہوں اور چوتھا ان کا امام ہو''(6)۔ زہری کا سماع دوسیہ سے ثابت نہیں اس کی سند میں حکم نامی شخص متروک ہے۔

مسئلہ نمبر3۔ جمعہ امام کی اجازت اور اس کی موجودگی کے بغیر بھی صحیح ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: اس کی شرطوں میں سے ایک شرط امام یا خلیفہ کا ہونا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ولید بن عقبہ جو کوفہ کا والی تھا ایک روز اس نے دیر کی تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت کے بغیر لوگوں کو نماز جمعہ پڑھادی۔ یہ بھی روایت بیان کی جاتی ہے کہ جن دنوں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا تھا ان دنوں میں حضرت علی شیر خدا نے نماز جمعہ پڑھائی تھی۔ یہ منقول نہیں کہ حضرت علی نے حضرت

1۔ سنن دارقطنی، کتاب الجمعہ، ذکر العدد فی الجمعہ، جلد 2، صفحہ 6

2۔ مدینہ طیبہ سے ایک میل کی مسافت پر دیہات ہے۔

3۔ سنن دارقطنی، کتاب الجمعہ، ذکر العدد فی الجمعہ، جلد 2، صفحہ 4

4۔ ایضاً

5۔ کنزالعمال، جلد 7، صفحہ 723، حدیث 21099

6۔ ایضاً صفحہ 725، حدیث 21118

عثمان سے اس کی اجازت طلب کی تھی۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ سعید بن عاصی والی مدینہ جب مدینہ طیبہ سے باہر گئے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری نے لوگوں کو نماز جمعہ پڑھائی جبکہ اجازت طلب نہیں کی تھی۔ امام مالک نے کہا: اللہ کی زمین میں اللہ کے فرائض ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ضائع نہیں کرتا والی اس کی ذمہ داری اٹھائے یا نہ اٹھائے۔

مسئلہ نمبر 4۔ ہمارے علماء نے کہا: اس کی ادائیگی کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس کے لیے چھت والی مسجد ہونی چاہئے۔ ابن عربی نے کہا: میں اس کی وجہ نہیں جانتا (1)۔ میں کہتا ہوں: اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ (الحج: 26) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ (النور: 36) بیت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ دیواروں اور چھت والا ہو۔ یہی عرف ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا جب خطیب خطبہ دے تو وہ منبر پر کھڑا ہو (2)۔ علقمہ نے کہا: حضرت عبداللہ سے پوچھا گیا: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے؟ فرمایا: کیا تو وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا نہیں پڑھتا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ مسجد میں داخل ہوئے جبکہ عبدالرحمن بن ام الحکم بیٹھے خطبہ دے رہا تھا۔ فرمایا: اس خبیث کو دیکھو بیٹھ کر خطبہ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا۔ (3)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے اور خطبہ ارشاد فرماتے۔ جو آدمی آپ کو یہ بتائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرماتے تو اس نے جھوٹ بولا۔ اللہ کی قسم! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو ہزار سے زائد نمازیں پڑھی ہیں (4)۔ جمہور فقہاء اور ائمہ کا یہی نقطہ نظر ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: خطبہ میں قیام شرط نہیں۔ یہ روایت کی جاتی ہے جس نے سب سے پہلے بیٹھ کا خطبہ دیا وہ حضرت امیر معاویہ ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا یہاں تک کہ رقت طاری ہوگئی تو آپ نے بیٹھ کر خطبہ دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بڑھاپے کی وجہ سے بیٹھ کر خطبہ دیتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے پھر بیٹھتے پھر کھڑے ہوتے اور بیٹھنے کے دوران کوئی گفتگو نہ کرتے۔ حضرت جابر بن سمرہ نے اسے ہی روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عمر سے بھی بخاری میں اسی طرح مروی ہے (5)۔

مسئلہ نمبر 6۔ خطبہ جمعہ کے انعقاد میں شرط ہے، اس کے بغیر نماز جمعہ صحیح نہیں ہوتی؛ جمہور علماء کا یہی قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ مستحب ہے (6)۔ ابن ماجشون نے بھی اسی طرح کہا ہے: یہ سنت ہے فرض نہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہ ظہر کی دو رکعتوں کے قائم مقام ہے۔ جب وہ خطبہ ترک کر دے اور نماز جمعہ ادا کرے تو نماز ظہر کی دو رکعتوں کو ترک کیا۔ اس کے وجوب پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا یہ مذمت ہے۔ شرعاً واجب کے ترک کرنے والے کی

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1803
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجمعہ، ما جاء فی الخطبۃ یوم الجمعہ، جلد 2، صفحہ 79
3۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، جلد 1، صفحہ 284
4۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 283
5۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، الخطبۃ قائماً، جلد 1، صفحہ 125
6۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 158

ہی مذمت کی جاتی ہے۔ پھر نبی کریم ﷺ نے خطبہ کے بغیر نماز جمعہ کو ادا نہیں کیا۔

مسئلہ نمبر 7۔ کمان یا عصا پر ٹیک لگا کر خطبہ دے۔ سنن ابن ماجہ میں ہے ہشام بن عمار، عبد الرحمن بن سعد سے وہ اپنے باپ سے وہ دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب حالت جنگ میں خطبہ ارشاد فرماتے تو کمان پر ٹیک لگا کر خطبہ دیتے اور جمعہ میں خطبہ ارشاد فرماتے تو عصا کے سہارے خطبہ ارشاد فرماتے (1)۔

مسئلہ نمبر 8۔ امام جب منبر پر چڑھے تو امام شافعی اور دوسرے علماء کے نزدیک لوگوں کو سلام کہے۔ امام مالک کی یہ رائے نہیں۔ ابن ماجہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو سلام فرماتے (2)۔

مسئلہ نمبر 9۔ جب امام تمام خطبہ یا کچھ حصہ وضو کے بغیر دے تو امام مالک کے نزدیک اس نے غلط کام کیا۔ جب نماز وضو کے ساتھ پڑھی تو اس پر خطبہ کا اعادہ نہیں۔ وضو کے وجوب میں امام شافعی کے دو قول ہیں۔ نئے قول میں آپ نے وضو کو شرط قرار دیا ہے اور قدیمی قول میں اسے شرط قرار نہیں دیا؛ یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ کم سے کم جس کے ساتھ خطبہ جائز ہو جائے گا وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے، نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے، لوگوں کو تقویٰ کی وصیت کرے اور قرآن حکیم کی ایک آیت پڑھے دوسرے خطبہ میں یہی چار چیزیں واجب ہیں مگر پہلے میں قراءت کی نسبت دوسرے میں دعا کرے؛ یہ اکثر فقہاء کا نقطہ نظر ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: اگر اس نے الحمد للہ، سبحان اللہ اور اللہ اکبر پر اکتفاء کیا تو یہ کافی ہو جائے گا (3)۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ منبر پر چڑھے تو الحمد للہ کے الفاظ کہے تو زبان لڑکھڑا گئی فرمایا: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس جگہ کے لیے گفتگو تیار کیا کرتے تھے۔ تمہیں ایسے امام کی زیادہ ضرورت ہے جو گفتگو کی بجائے عمل کرنے والا ہو، تمہارے سامنے خطبے ہوتے رہیں گے پھر آپ نیچے اتر آئے اور نماز پڑھائی۔ یہ واقعہ صحابہ کی موجودگی میں ہوا تو کسی نے اس کا انکار نہ کیا۔ امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا: اتنا خطبہ دینا ضروری ہے جس کو خطبہ کہا جا سکے؛ یہی امام شافعی کا قول ہے۔ ابو عمر بن عبد البر نے کہا: اس بارے میں جو گفتگو کی گئی ہے اس میں یہ صحیح ترین ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ صحیح مسلم میں حضرت یعلی بن امیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو منبر پر یہ پڑھتے ہوئے سنا: وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ (الزخرف: 77) اس بارے میں حضرت عمرہ بنت عبد الرحمن کی حدیث ہے جو وہ اپنی بہن سے نقل کرتی ہیں کہ میں نے قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ○ نبی کریم ﷺ کی زبان سے یاد کی ہے، آپ ﷺ اسے ہر جمعہ کے موقع پر منبر پر بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے (4)۔ سورۂ ق کے شروع میں یہ گزر چکی ہے۔ امام ابو داؤد زہری سے مراسیل میں روایت کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے خطبہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجمعہ، ماجاء فی الخطبۃ یوم الجمعہ، صفحہ 79 2۔ ایضاً

3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 380 4۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، قراۃ القرآن فی الخطبۃ، جلد 1، صفحہ 286

نعوذبه من شرور أنفسنا (1)۔

''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں، ہم اس کی مدد چاہتے ہیں، ہم اس سے بخشش طلب کرتے ہیں، ہم اپنے نفوس کی شر سے اس کی پناہ چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کے حق میں وہ گمراہی مقدر کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ ہم گواہی دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت سے پہلے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ ہدایت پا جاتا ہے اور جو ان دونوں کی نافرمانی کرتا ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ جو ہمارا رب ہے سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں اور اس کی ناراضگی سے اجتناب کرتے ہیں ہم اس کے ساتھ ہیں اور اسی کے لیے ہیں''۔

ان سے یہ بھی مروی ہے کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے تو ارشاد فرماتے: ''ہر آنے والی چیز قریب ہے اور جو آنے والی ہے وہ کوئی دور نہیں اللہ تعالیٰ کسی کی جلد بازی کے لیے اسے جلدی نہیں لاتا اور لوگوں کی وجہ سے تخفیف نہیں کرتا وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے نہ کہ وہ جو لوگ چاہیں ایک امر ہے جس کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے اور ایک امر وہ ہے جس کا لوگ ارادہ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اگرچہ لوگ ناپسند کریں، اللہ تعالیٰ جسے قریب کرے اسے دور کرنے والا کوئی نہیں، اللہ تعالیٰ جسے دور کرے اسے قریب کرنے والا کوئی نہیں، اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شی واقع ہونے والی نہیں'' (2)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز خطبہ ارشاد فرماتے اللہ تعالیٰ کی حمد اور انبیاء پر درود پڑھنے کے بعد آپ فرماتے: ''اے لوگو! تمہارے لیے علامتیں ہیں اپنی علامتوں کی طرف چلو تمہارے لیے انتہائیں ہیں اپنی انتہاء کی طرف چلو، بے شک بندہ مومن دو خوفوں کے درمیان ہے۔ ان خوفوں میں سے ایک اجل ہے جو گزر چکی ہے وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کیا فیصلہ فرمانے والا ہے اور ایک اجل ہے جو باقی ہے وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس میں اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہے پس بندے کو چاہئے کہ اپنی ذات میں سے اپنی ذات کے لیے لے اور اپنی دنیا سے آخرت کے لیے حصہ بنائے، اپنی جوانی سے اپنے بڑھاپے کے لیے اور اپنی زندگی سے اپنی آخرت کے لیے حصہ بنائے۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! موت کے بعد رضا کے طلب کرنے کا موقع نہیں اور دنیا کے بعد کوئی دار نہیں مگر جنت ہے یا جہنم۔ میں یہ کہتا ہوں اور اپنے لیے اور تمہارے لیے بخشش کا طالب ہوں''۔ جب آپ مدنیہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا وہ پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ جو خطبہ کو سنے اس پر خطبہ کے لیے خاموش رہنا واجب ہے، سنت یہ ہے کہ جو اسے سنے اور جو نہ سن سکے وہ اس کے لیے خاموش رہے انشاء اللہ دونوں اجر میں برابر ہیں۔ جس نے اس وقت گفتگو کی اس نے لغو عمل کیا اس کے

1۔ سنن ابی داؤد، باب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 157   2۔ ایضاً، صفحہ 7

ساتھ اس کی نماز میں فساد واقع نہیں ہوگا۔ صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تو نے جمعہ کے روز اپنے ساتھی سے کہا: تو خاموش رہ جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو تو تو نے لغو عمل کیا'' (1)۔ زمخشری نے کہا: جب خاموش کرانے والے نے اپنے ساتھی سے کہا: تو خاموش ہو جا تو اس نے لغو عمل کیا (2)۔ کہا: وہ خطیب جو اس میں غلو کرتا ہے وہ لغو عمل کرنے والا نہیں ہوگا ہم اسلام کی تنہائی اور ایام کے بے نفع ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 13۔ امام جب منبر پر چڑھے تو لوگ اس کی طرف منہ کریں۔ امام ابوداؤد نے ابان بن عبداللہ سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ میں جمعہ کے روز عدی بن ثابت کے ساتھ تھا جب امام نکلا یا کہا: منبر پر چڑھا تو امام کی طرف منہ کر لیا کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے؛ اسے ابن ماجہ نے عدی بن ثابت سے وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں (3)۔ اسناد میں یہ اضافہ کیا عن ابیہ کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر کھڑے ہوتے تو صحابہ کرام اپنے منہ ان کی طرف کر لیتے تھے۔ ابن ماجہ نے کہا: میں امید کرتا ہوں کہ یہ روایت متصل ہوگی۔

میں کہتا ہوں: ابو نعیم حافظ محمد بن معمر نے وہ عبداللہ بن محمد ناجیہ سے وہ عباد بن یعقوب سے وہ محمد بن فضل خراسانی سے وہ منصور سے وہ ابراہیم سے وہ علقمہ سے وہ حضرت عبداللہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر کھڑے ہو جاتے تو ہم اپنے منہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر لیتے۔ محمد بن فضل بن عطیہ منصور سے روایت کرنے میں متفرد ہیں۔

مسئلہ نمبر 14۔ امام خطبہ دے رہا ہو تو جو آدمی مسجد میں داخل ہوتا ہے وہ نماز نہ پڑھے؛ یہ امام مالک کا نقطہ نظر ہے؛ یہ ابن شہاب اور دوسرے لوگوں کی رائے ہے۔ موطا میں ان سے مروی ہے: امام کا نکلنا نماز کو قطع کر دیتا ہے اور اس کی گفتگو کلام کو ختم کر دیتی ہے۔ یہ مرسل ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے: اذا جاء احدکم یوم الجمعة والامام یخطب فلیرکع رکعتین ولیتجوز فیھا (4)۔

تم میں سے کوئی جب جمعہ کے روز آئے جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعت نماز پڑھے اور ان میں اختصار سے کام لے۔ یہ نماز پڑھنے میں نص ہے۔ امام شافعی اور دوسرے علماء یہی کہتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 15۔ ابن عون نے ابن سیرین سے روایت نقل کی ہے کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو علماء نیند کو ناپسند کرتے اور اس بارے میں سخت قول کرتے۔ ابن عون نے کہا: اس کے بعد پھر مجھے ملے پوچھا: تو جانتا ہے وہ کیا کہتے تھے؟ کہا: وہ کہتے ان کی مثال اس لشکر کی سی ہے جو اخفقوا کا شکار ہوئے۔ پھر پوچھا: کیا تو جانتا ہے۔ اخفقوا کیا ہے؟ اس نے کچھ بھی غنیمت نہ پائی۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إذا نَعِسَ أحد کم فلیتحول إلی مقعد صاحبه ولیتحول صاحبه إلی مقعده (5) تم میں سے جب کسی کو اونگھ آ جائے تو وہ اپنے ساتھی کی جگہ چلا جائے اور اس کا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، ابواب الجمعہ، جلد 1، صفحہ 281
2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 535
3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوٰۃ، صفحہ 81
4۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، من دخل المسجد والامام یخطب، جلد 1، صفحہ 287
5۔ السنن الکبریٰ، کتاب الجمعہ، النعاس فی الجمعہ، جلد 3، صفحہ 238

ساتھی اس کی جگہ آ جائے۔

مسئلہ نمبر 16۔ ہم اس میں جمعہ کی فضیلت اور فرضیت کا ذکر کریں گے جسے ہم نے ذکر نہیں کیا۔ ائمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم جمعہ کا ذکر کیا فرمایا: ''اس میں ایک گھڑی ہے جسے بندہ مومن نہیں پاتا مگر وہ نماز پڑھ رہا ہو وہ اس میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتا ہے'' (1)۔ اپنے ہاتھ سے اس کے تھوڑا ہونے کی طرف اشارہ کیا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''یہ امام کے بیٹھنے سے لے کر نماز کے مکمل ہونے تک کا وقت ہے'' (2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے پاس تشریف لانے میں دیر کر دی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو ہم نے عرض کی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک لیا گیا؟ فرمایا: ''اس کی وجہ یہ تھی کہ جبرئیل امین میرے پاس سفید آئینہ کی طرح کی چیز لائے جس میں سیاہ نکتہ تھا (3)۔ میں نے پوچھا: اے جبرئیل! یہ کیا ہے؟ حضرت جبرئیل امین نے عرض کی: یہ جمعہ ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے بھلائی ہے۔ یہود و نصاریٰ نے اس کا ارادہ کیا تو انہوں نے اس میں غلطی کی۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کی ہدایت عطا فرمائی۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ سیاہ نکتہ کیا ہے؟ عرض کی: یہ جمعہ کے دن وہ گھڑی ہے کوئی مسلمان بندہ نہیں پاتا جس میں وہ خیر کا سوال کر رہا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتا ہے یا اس کی مثل اس کے لیے قیامت کے روز ذخیرہ فرما دیتا ہے یا اس کی مثل برائی اس سے دور کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بہترین دن ہے۔ اہل جنت اسے یوم مزید کا نام دیتے ہیں''۔ اور حدیث ذکر کی۔ ابن مبارک اور یحییٰ بن سلام نے کہا: مسعودی، منہال بن عمرو سے وہ ابوعبیدہ سے وہ عبداللہ بن عتبہ سے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں: ''جمعہ کی طرف جلدی کرو کیونکہ یہ جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ اہل جنت کے لیے سفید کافور کے ٹیلے میں ظہور فرمائے گا''۔ ابن مبارک نے کہا: وہ اس کے اس قدر قریب ہوں گے جس قدر وہ دنیا میں جمعہ کے لیے جلدی کیا کرتے تھے۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: جس طرح وہ دنیا میں جمعہ کی طرف جلدی کیا کرتے تھے۔ اور ان الفاظ کا اضافہ کیا۔ وہ ان کے لیے کرامت میں سے ایسی چیز پیدا فرمائے گا جس کو انہوں نے اس سے قبل نہیں دیکھا ہوگا۔ یحییٰ نے کہا: میں نے مسعودی کے علاوہ کسی کو نہیں سنا جس میں وہ اضافہ کرتا ہے وہ آیت کریمہ کا حصہ ہے وَ لَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۝ (ق)

میں کہتا ہوں: فی کثیب نیلے میں سے مراد ہے جنتی یعنی وہ جنتی اس ٹیلہ پر ہونگے جس طرح حضرت حسن بصری نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جنتی جمعہ کو اپنے رب کا دیدار کریں گے جبکہ وہ کافور کے ٹیلہ پر ہونگے جس کی اطراف کو نہیں دیکھا جا سکے گا، اس میں جاری نہر ہوگی جس کے دونوں کنارے کستوری کے ہونگے اس پر ایسی دوشیزائیں ہونگی وہ سب سے اچھی آواز میں قرآن پڑھ رہی ہونگی جسے پہلوں اور پچھلوں نے سنا ہوگا۔ جب وہ اپنی اپنی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، ذکر الساعۃ التی تقبل فیہا دعوۃ العبد، جلد 1، صفحہ 281   2۔ ایضاً

3۔ الترغیب والترہیب، کتاب الجمعہ، جلد 1، صفحہ 489 (روایت بالمعنی)

منازل کی طرف جائیں گے تو ہر ایک جس کا ہاتھ چاہے گا پکڑ کر لے جائے گا پھر وہ موتیوں سے بنی پلوں پر سے گزر کر اپنے گھروں کو جائیں گے (1)۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کی ان کے گھروں کی طرف راہنمائی نہ فرمائے تو وہ اپنے گھروں کی راہ نہ پائیں۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ہر جمعہ کو ان کے لیے نئی نئی چیزیں پیدا فرمائے گا؛ اسے یحییٰ بن سلام نے ذکر کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں نے عرش کے نیچے ستر شہر دیکھے ان میں سے ہر شہر تمہارے ان شہروں سے ستر گنا بڑا ہے، وہ فرشتوں سے بھرا ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس کرتے ہیں وہ اس کی تسبیح کرتے ہوئے کہتے ہیں: اے اللہ! اسے بخش دے جو جمعہ کو حاضر ہو، اے اللہ! اسے بخش دے جس نے جمعہ کے روز غسل کیا'' اسے ثعلبی نے ذکر کیا۔

قاضی شریف ابو الحسن علی بن عبد اللہ بن ابراہیم ہاشمی عیسوی جو عیسیٰ بن علی بن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اولاد میں سے تھے۔ یہ صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے روز دنوں کو ان کی حالت پر اٹھائے گا اور جمعہ کے دن کو روشن و منور اٹھائے گا جمعہ والے اس کو گھیرے ہونگے جس طرح ایک دلہن ہو جسے معزز خاوند کی طرف بھیجا جا رہا ہو وہ ان کے لیے روشن ہوتی ہے جس کی روشنی میں وہ لوگ چلتے ہیں ان کے رنگ برف کی طرح سفید اور ان کی ہوا کستوری کی طرح پھیل رہی ہوگی۔ وہ کافور کے پہاڑوں میں داخل ہونگے انہیں جن و انس دیکھیں گے۔ وہ جنت میں داخل ہونگے کوئی ان کے ساتھ خلط ملط نہیں ہوگا مگر ایسے موذن جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر آذان دیتا ہے''۔

سنن ابن ماجہ میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک گناہوں کا کفارہ ہے۔ جب تک گناہ کبیرہ چھانہ جائیں'' (2)۔ امام مسلم نے بھی اسی کی ہم معنی روایت نقل کی ہے۔ اوس بن اوس ثقفی سے مروی ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جس نے جمعہ کے روز غسل کرایا اور خود غسل کیا، جلدی اٹھایا اور خود جلدی اٹھا اور پیدل چلا اور سوار نہ ہوا اور امام کے قریب بیٹھا اور کوئی لغو عمل نہ کیا اس کے لیے ہر قدم کے عوض سال بھر کا عمل ہے۔ جس کے دنوں کے روزے اور راتوں کے قیام کا اجر ہوگا'' (3)۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو قبل اس کے کہ تمہیں موت آئے (4)، مشغول ہونے سے پہلے اعمال حسنہ کی طرف جلدی کرو اپنے اور اپنے رب کے درمیان تعلق اس کا کثرت سے ذکر کر کے اور مخفی و اعلانیہ صدقہ کثرت سے کر کے تعلق مضبوط کرو تو تمہیں رزق دیا جائیگا، تمہاری مدد کی جائے گی اور تمہیں اجر دیا جائیگا۔ یہ جان لو! اللہ تعالیٰ نے تم پر میری اس جگہ، میرے اس شہر اور اس سال جمعہ فرض کیا ہے یہ قیامت تک فرض ہے۔ جس نے میری زندگی یا میرے پردہ کرنے کے بعد اسے ترک کیا جبکہ اس کا عادل امام یا

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 156 2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوٰۃ، فضل الجمعہ، 77۔ ایضاً حدیث نمبر 1075، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ 122 4۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوٰۃ، فرض الجمعہ، صفحہ 77۔ ایضاً حدیث نمبر 1076، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ظالم امام ہو وہ اس کی تحقیر کرتا ہو یا اس کا انکار کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی جمعیت کو قائم نہ رکھے اور اس کے معاملہ میں برکت نہ رکھے خبردار! اس کی کوئی نماز نہیں، اس کی کوئی زکوٰۃ نہیں، اس کا کوئی حج نہیں، اس کا کوئی روزہ نہیں اور اس کی کوئی نیکی نہیں یہاں تک کہ وہ توبہ کرے جو توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس پر نظر رحمت فرماتا ہے۔ خبردار! کوئی عورت کسی مرد کی امامت نہ کرائے، کوئی بدو کسی مہاجر کی امامت نہ کرائے اور کوئی فاجر کسی مومن کی امامت نہ کرائے مگر یہ کہ حاکم اس پر جبر کرے جس کی تلوار اور ڈنڈے سے وہ آدمی خوف محسوس کرتا ہو"۔

میمون بن ابی شیبہ نے کہا: میں نے حجاج کے ساتھ جمعہ کا ارادہ کیا۔ میں نے جانے کا ارادہ کیا۔ پھر میں نے کہا: میں کہاں جاؤں گا؟ کیا میں اس فاجر کے پیچھے نماز پڑھوں گا؟ ایک دفعہ کہتا: میں جاؤں گا اور ایک دفعہ کہتا: میں نہیں جاؤں گا۔ میں نے جانے پر پختہ ارادہ کرلیا تو گھر کی جانب سے مجھے ایک ندا کرنے والے نے ندا کی: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ۔

مسئلہ نمبر 17۔ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ اس میں دو وجوہ ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری نماز کا جو ثواب ہے وہ تمہاری لہو کی لذت اور تمہاری تجارت کے نفع سے زیادہ ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ کے ہاں جو تمہارا رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حق میں مقدر کیا ہے یہ اس سے بہتر ہے جو تم نے لہو اور تجارت سے حاصل کیا ہے۔ ابو رجاء عطاردی نے قراءت کی: قل ما عند الله خيرٌ من اللهو من التجارة للذين أمنوا۔

وَ اللّٰهُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ۝ جو بھی کسی کو کوئی چیز عطا کرتا ہے ان سب سے اللہ تعالیٰ بہتر ہے، اسی سے طلب کرو اور اس کی طاعت کے ذریعے اس چیز کو حاصل کرنے میں مدد لو جو اس کے پاس ہے جو دنیا و آخرت سے بہتر ہے۔

سورۃ المنافقون

آیاتہا ۱۱ ۶۳ سورۃ المنٰفقون مدنیۃ ۱۰۴ رکوعاتہا ۲

تمام کے قول میں یہ مدنی ہے، اس کی گیارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝

"(اے نبی مکرم) جب منافق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہے کہ آپ بلاشبہ اس کے رسول ہیں لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق قطعی جھوٹے ہیں"۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ امام بخاری نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے (1) کہ میں اپنے چچا کے ساتھ تھا تو میں نے عبد اللہ بن ابی بن سلول کو کہتے ہوئے سنا: **لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا** اور کہا: **لَىِٕنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ** میں نے اس کا ذکر اپنے چچا سے کیا اور میرے چچا نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلا بھیجا۔ انہوں نے قسم اٹھا دی کہ انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق کر دی اور مجھے جھٹلا یا۔ مجھے ایسا غم لاحق ہوا جیسا کبھی غم لاحق نہیں ہوا تھا۔ میں اپنے گھر میں بیٹھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو **اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ وَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَ اِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ؗ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ رَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَ لِلّٰهِ خَزَآىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا**

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 728-727

یَفْقَهُوْنَ ۞ یَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ کو نازل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلا بھیجا پھر فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تیری تصدیق کی ہے"۔ اسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے(1)، ہم نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں ایک غزوہ میں شرکت کی جبکہ ہمارے ساتھ کچھ بدو بھی تھے ہم پانی کی طرف جلدی کرتے تو بدو ہم سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے بدو اپنے ساتھیوں پر سبقت لے جاتا وہ حوض بھرتا اور اس کے گرد پتھر رکھ دیتا اور اس پر چمڑے سے بنی چٹائی ڈال دیتا یہاں تک کہ اس کے ساتھی آ جاتے ایک انصاری ایک بدو کے پاس آیا، اپنی اونٹنی کی لگام ڈھیلی کی تاکہ وہ پانی پی لے اس بدو نے انکار کر دیا کہ پانی اس کے لئے چھوڑے۔ اس انصاری نے ایک پتھر وہاں سے ہٹایا تو پانی کم ہو گیا۔ بدو نے ایک لکڑی اٹھائی اور انصاری کے سر پر ماری اور اسے زخمی کر دیا۔ وہ انصاری عبداللہ بن ابی کے پاس آیا جو منافقوں کا سردار تھا اور اسے بتایا یہ آدمی بھی اس کے ساتھیوں میں سے تھا۔ عبداللہ بن ابی غضبناک ہو گیا۔ پھر اس نے کہا: جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس رہتے ہیں ان پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ لوگ آپ کے پاس سے چلے جائیں کھانے کے وقت یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوتے تھے۔ عبداللہ نے کہا: جب وہ حضرت محمد ﷺ کے پاس سے چلے جائیں تو اس وقت حضرت محمد ﷺ کے پاس کھانا لے جاؤ تو آپ ﷺ خود اور آپ کے صحابہ کھائیں۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اگر تم مدینہ طیبہ کی طرف لوٹو تو عزت والا اس سے ذلیل کو نکال دے۔ زید نے کہا: میں اپنے چچا کا ردیف تھا میں نے عبداللہ بن ابی کی بات کو سنا تو میں نے اپنے چچا کو اس بارے میں خبر دی میرا چچا گیا تو اس نے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی، رسول اللہ ﷺ نے اسے بلا بھیجا اس نے قسم اٹھائی اور اس بات کا انکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تصدیق کی اور مجھے جھٹلایا۔ میرا چچا میرے پاس آیا اور کہا: میں نے یہ ارادہ نہیں کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ تجھ سے ناراض ہوں اور رسول اللہ ﷺ اور منافق تجھے جھٹلائیں۔ کہا: مجھ پر ان کی جرأت ایسی واقع ہوئی جیسی کسی پر واقع نہیں ہوئی تھی۔ اسی اثناء میں کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا میں نے غم کی وجہ سے سر جھکایا ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے آپ ﷺ نے میرے کان کو ملا اور میرے سامنے مسکرائے، اگر اس کے بدلے میرے لئے تمام دنیا ہوتی تو مجھے وہ چیز خوش نہ کرتی پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھے آ ملے۔ پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے تجھے کیا فرمایا؟ میں نے عرض کی: مجھے تو کچھ نہیں فرمایا، صرف آپ ﷺ نے میرے کان کو ملا اور میرے سامنے مسکرائے۔ فرمایا: تجھے بشارت ہو۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے ملے۔ میں نے آپ کو اسی طرح کی بات کی جو میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہی تھی۔ جب ہم نے صبح کی تو رسول اللہ ﷺ نے سورۂ منافقین پڑھی۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے منافق کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا: جو اسلام کا وصف بیان کرے اور اس پر عمل نہ کرے۔ وہ آج کے روز ان سے زیادہ شریر ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھے کیونکہ ان دنوں وہ نفاق چھپایا کرتے تھے آج وہ ظاہر کرتے ہیں۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 165

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''منافق کی تین علامات ہیں۔ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو اسے توڑتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو خیانت کرتا ہے'' (1)۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''چار چیزیں جس میں ہوں وہ خالص منافق ہے ان میں سے ایک جس میں ہو اس میں نفاق کی خصلت ہے یہاں تک کہ اسے چھوڑ دے۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اسے توڑے اور جب وہ جھگڑا کرے تو گالی گلوچ نکالے'' (2)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ جو ان خصائل کو جمع کرے تو وہ منافق ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سچی ہے۔ حضرت حسن بصری کے بارے میں مروی ہے کہ ان کے سامنے ذکر کیا گیا تو انہوں نے کہا: بنی یعقوب نے بات کی تو جھوٹ بولا، وعدہ کیا تو اسے توڑا، ان کے پاس امانت رکھی گئی تو انہوں نے خیانت کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد خبردار کرنے کے طریقہ پر ہے اور ڈرانے کے انداز میں ہے کہ کہیں وہ ان خصلتوں کے عادی ہی نہ بن جائیں اس خوف کی وجہ سے کہ یہ خصلتیں انہیں نفاق کی طرف لے جائیں گی۔ اس کا یہ معنی نہیں جن سے یہ امور جلدی کی وجہ سے اختیار اور عادت کے بغیر واقع ہوں وہ منافق ہیں۔ اس بارے میں گفتگو مفصل سورۂ براۃ میں گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مومن جب گفتگو کرتا ہے، سچ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو پورا کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو پوری پوری واپس کرتا ہے''۔ معنی ہے کامل مومن جب گفتگو کرتا ہے تو سچ بولتا ہے۔

قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ایک قول یہ کیا گیا ہے (3): **نَشْهَدُ** کا معنی ہے ہم قسم اٹھاتے ہیں۔ حلف کو شہادت سے تعبیر کیا کیونکہ قسم اور شہادت غائب امر کو ثابت کرتے ہیں؛ اسی معنی میں قیس بن ذریح کا قول ہے۔

وأشهد عند الله أني أحبها فهذا لها عندي فما عند هالِيَا (4)

میں اللہ تعالیٰ کے ہاں قسم اٹھاتا ہوں کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں یہ میرے ہاں اس کے لئے ہے اس کے ہاں میرے لئے نہیں۔

یہ احتمال موجود ہے کہ یہ کلام ظاہر معنی پر محمول ہو وہ گواہی دیتے ہوں کہ محمد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ ایمان کا اعتراف کرتے ہوں اور اپنی ذاتوں سے نفاق کی نفی کرتے ہوں۔ یہ تعبیر زیادہ مناسب ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں جس طرح انہوں نے اپنی زبانوں سے کہا: **وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ** ○ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ انہوں نے اپنی زبانوں سے جو گواہی دی اور قسم اٹھائی ہے اس میں وہ جھوٹے ہیں۔ فراء نے کہا: معنی ہے اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ وہ اندر سے جھوٹے ہیں جھٹلانا یہ ان کے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، علامۃ المنافق، جلد 1، صفحہ 10
2۔ ایضاً
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 13
4۔ ایضاً

ضمائر کی طرف لوٹے گا۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایمان سے مراد تصدیق قلبی ہے اور حقیقی کلام دل کی کلام ہوا کرتی ہے۔ جو آدمی کوئی بات کرے اور اس کے برعکس کا اعتقاد رکھے تو وہ جھوٹا ہے۔ سورۂ بقرہ کے شروع میں یہ بات گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی قسموں میں جھوٹا قرار دے دیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَ مَاهُمْ مِّنْكُمْ (التوبۃ:56)۔

اِتَّخَذُوْۤا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝

''انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اس طرح روکتے ہیں اللہ کی راہ سے، بیشک یہ لوگ بہت برا کرتے ہیں جو یہ کر رہے ہیں''۔

اس میں تین مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر1۔ اِتَّخَذُوْۤا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً، جُنَّةً کا معنی پردہ ہے (1) یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ کی طرف راجع نہیں یہ آیت کے سبب کی طرف راجع ہے جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جس طرح امام بخاری اور امام ترمذی نے ابن ابی کے بارے میں روایت نقل کی۔ اس نے قسم اٹھائی کہ اس نے یہ بات نہیں کی حالانکہ اس نے یہ بات کہی تھی۔ ضحاک نے کہا: اس نے اللہ کے نام کی قسم اٹھائی تھی کہ وہ تمہیں میں سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی ایمان سے مراد وہ ہے جو ان کے رب نے ان کے بارے میں سورۂ براۃ آیت 74 میں خبر دی ارشاد باری تعالیٰ ہے: یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا۔

مسئلہ نمبر2۔ جس نے کہا: أقسم بالله، أشهد بالله، أعزم بالله، أحلف بالله، أقسمت بالله، أشهدت بالله، أعزت بالله، أحلف بالله۔ سب میں فرمایا: باللہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ قسم ہے۔ اس طرح امام مالک اور آپ کے اصحاب کا نقطہ نظر ہے۔ اگر کوئی کہے: أقسم، أشهد، أعزم، أحلف اور باللہ کے الفاظ نہ کہے اگر وہ ارادہ کرے تو قسم ہوگی اگر وہ باللہ کا ارادہ نہ کرے تو یہ قسم نہ ہوگی۔ الکیا نے امام شافعی سے یہ بیان کیا ہے۔ امام شافعی نے کہا: جب ایک آدمی نے کہا: أشهد بالله اور قسم کی نیت کی تو وہ قسم ہی ہوگی (2)۔ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب نے کہا: اگر اس نے کہا أشهد بالله لقد كان كذا تو وہ قسم ہوگی (3)۔ اگر اس نے کہا: أشهد لقد كان كذا نیت نہ کی تو اس آیت کی وجہ سے وہ قسم ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شہادت کا ذکر کیا پھر فرمایا: اِتَّخَذُوْۤا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً امام شافعی کے نزدیک وہ قسم نہ ہوگی اگرچہ وہ قسم کی نیت کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: اِتَّخَذُوْۤا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان قَالُوْا نَشْهَدُ کی طرف نہیں لوٹ رہا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا جو سورۃ براۃ میں ہے کی طرف لوٹ رہا ہے۔

مسئلہ نمبر3۔ فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ انہوں نے اعراض کیا۔ یہ صدود سے مشتق ہے یا مومنین کو پھیر دیا کہ وہ منافقوں پر اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کریں جیسے قتل کرنا، قیدی بنانا اور مال چھین لینا۔ یہ صد سے مشتق ہے یا انہوں نے لوگوں کو جہاد سے روکا کہ وہ پیچھے رہیں اور دوسرے لوگ بھی ان کی اقتدا کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے یہودیوں اور مشرکوں کو

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 727 2۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 59 (مفہوم) 3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 539

اسلام میں داخل ہونے سے روکا کہ انہوں نے کہا: لو ہم کافر ہیں اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہوتے تو ہم سے اس نفاق کو پہچانتے ہوتے اور ہمیں عبرت کا نشان بناتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو واضح کیا کہ ان کا حال مخفی نہیں لیکن اس کا حکم یہ ہے جو ایمان کو ظاہر کرے تو ظاہر میں اس پر ایمان کا حکم جاری کیا جائے گا۔

اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ان کے اعمال خبیثہ کتنے ہی برے ہیں، ان کا نفاق، انکی جھوٹی قسمیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝

"(ان کا) یہ (طریقہ کار) اس لئے ہے کہ وہ (پہلے) ایمان لاتے پھر وہ کافر بن گئے پس مہر لگا دی گئی ان کے دلوں پر تو (اب) وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں"۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ خبر دی گئی ہے کہ منافق کافر ہیں یعنی انہوں نے زبان سے اقرار کیا پھر دل سے انکار کر دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت اسی قوم کے بارے میں نازل ہوئی جو ایمان لاتے پھر انہوں نے ارتداد اختیار کیا۔

فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ان پر کفر کی مہر لگا دی گئی۔ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ وہ ایمان وخیر کو نہیں مانتے۔ زید بن علی نے فطبع اللہ علی قلوبھم پڑھا ہے۔

وَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۭ وَ اِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۭ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۭ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۭ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

"اور جب آپ انہیں دیکھیں گے تو ان کے جسم آپ کو بڑے خوشنما معلوم ہونگے اور اگر وہ گفتگو کریں تو توجہ سے آپ ان کی بات سنیں گے۔ (درحقیقت) وہ (بیکار) لکڑیوں کی مانند ہیں جو دیوار کے ساتھ کھڑی کر دی گئی ہوں، گمان کرتے ہیں کہ ہر گرج ان کے خلاف ہی ہے، یہی حقیقی دشمن ہیں پس آپ ان سے ہوشیار رہیے۔ ہلاک کرے انہیں اللہ تعالیٰ کیسے سرگرداں پھرتے ہیں"۔

وَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ان کی ہیئتیں اور ان کے مناظر آپ کو خوش کریں گے۔ وَ اِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ مراد عبداللہ بن ابی ہے یعنی آپ اس کی بات غور سے سنتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عبداللہ بن ابی خوبصورت جسم صحت مند، روشن چہرے والا اور عمدہ گفتگو کرنے والا تھا(1)۔ جب وہ گفتگو کرتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی گفتگو توجہ سے سنتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت کامل صورت اور اچھی گفتگو سے کی ہے۔ کلبی نے کہا: مراد ابن ابی، جد بن قیس اور معتب بن قشیر ہے۔ سب بڑے جسیم، خوبصورت اور فصیح گفتگو کرنے والے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 59

مُّسَنَّدَةٌ کی تفسیر یوں ہے: وہ سب خوبصورت لوگ تھے گویا ایسی لکڑیاں ہوں جنہیں دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا ہو۔ انہیں ایسی لکڑیوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جنہیں دیوار کے ساتھ کھڑا کیا گیا ہو جو نہ بات توجہ سے سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔ یہ ایسے جسم ہیں جن میں روحیں نہیں اور ایسے جسم ہیں جن میں عقل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی لکڑیوں سے تشبیہ دی ہے جسے دیمک نے کھالیا ہو اور وہ کسی سہارے کھڑی ہوں۔ ان میں کیا ہے کوئی پتہ نہ ہو؟

قنبل، ابوعمرو اور کسائی نے خُشْبٌ شین کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے؛ یہ حضرت براء بن عازب کی قراءت ہے۔ ابوعبید نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ اس کا واحد خشبہ ہے جس طرح تو کہتا ہے: بَدَنَة، بُدْن لغت میں فعلہ کی جمع فُعل کے وزن پر نہیں آتی۔ اس کے ثقل سے یہ لازم آتا ہے کہ تو البدن پڑھے۔ یزیدی نے ذکر کیا ہے کہ یہ خشباء کی جمع ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿ (عبس) اس کا واحد حدیقة غلباء ہے۔ باقی قراء نے تثقیل کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ بزی کی ابن کثیر سے اور عیاش کی ابوعمرو سے روایت ہے۔ اکثر روایات عاصم سے ہیں۔ ابوحاتم نے اسے پسند کیا ہے گویا یہ خِشاب اور خُشُب کی جمع ہے جس طرح ثمرة، ثمار اور ثمر ہے اگر تو چاہے تو خشبہ کی جمع خشب بنالے۔ سیبویہ نے کہا: خشبہ کی جمع خشب ہے جس طرح بَدَنہ کی جمع بدن ہے اسی کی مثل ہاء کے بغیر ہے۔ خشبہ کی جمع خشاب اور اس کی جمع خشب ہے جس طرح ثمرة کی جمع ثمار اور ثمار کی جمع ثمر ہے اسناد کا معنی امالہ (جھکانا) ہے تو کہتا ہے: اسندت الشئی یعنی تو نے اسے جھکایا۔ مُسَنَّدَة کثرت وظاہر کرنے کے لیے ہے یعنی انہوں نے اپنی جانوں کی حفاظت کی خاطر ایمان کا سہارا لیا۔

یَحۡسَبُوۡنَ کُلَّ صَیۡحَةٍ عَلَیۡهِمۡ ؕ هُمُ الۡعَدُوُّ۔ صَیۡحَةٍ سے پہلے اھل کا لفظ محذوف ہے۔ هُمُ الۡعَدُوُّ مفعول ثانی کے محل میں ہے۔ اس شرط پر کہ کلام میں ضمیر نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی صفت بزدلی اور ذلت سے بیان کرتا ہے۔ مقاتل اور سدی نے کہا: جب کوئی لشکر میں ندا کرنے والا یہ ندا کرے کہ کوئی جانور چھوٹ گیا ہے یا کسی گمشدہ چیز کا اعلان کیا جائے تو وہ گمان کرتے ہیں کہ مراد وہی ہیں کیونکہ ان کے دلوں میں رعب ہے جس طرح شاعر اخطل نے کہا:

مازلت تحسب کل شئی بعدهم خیلا تکرُّ علیهم ورجالا(1)

ان کے بعد تو ہر شئی کو گمان کرتا ہے کہ وہ گھڑسوار ہیں یا پیدل جوان پر پے در پے حملہ کرتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یَحۡسَبُوۡنَ کُلَّ صَیۡحَةٍ عَلَیۡهِمۡ ؕ هُمُ الۡعَدُوُّ ایسی کلام ہے (2) جس کی ضمیر اس میں ہے جو مابعد کی محتاج نہیں، تقدیر کلام یہ ہے یحسبون کل صیحة علیهم انهم قد فطن بهم وعلم بنفقاتهم کیونکہ جہاں تک ہو خطرہ خوف ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے نئے سرے سے خطاب فرمایا: هُمُ الۡعَدُوُّ، یہ ضحاک کے قول کا معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہر آواز کو گمان کرتے ہیں جسے وہ مسجد میں سنتے ہیں کہ وہ آواز انہی کے متعلق ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قتل کے بارے میں حکم دیا۔ وہ ہمیشہ خوف زدہ رہتے ہیں کہ کہیں اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں کوئی ایسا امر نہ نازل فرما دے جو ان کے خونوں کو مباح کر دے اور ان کے پردوں کو چاک کر دے۔ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 54 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 15

فلو أنها عصفورۃ لحسبتها　مسومۃ تدعو عبیدا وأزنما(1)

اگر چہ وہ چڑیا ہو میں اسے نمایاں سردار خیال کرتا ہوں جو غلاموں اور کمینے لوگوں کو بلائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد کے ساتھ ان کی صفت بیان کی ھُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ سے عبدالرحمان بن ابی حاتم نے بیان کیا ہے فَاحْذَرْهُمْ میں دو وجوہ ہیں۔(۱) اس سے احتیاط کیجئے کہ تو ان کے قول پر اعتماد کرے اور ان کے کلام کی طرف مائل ہو۔(۲) وہ جو آپ ﷺ کے دشمنوں کی طرف مائل ہوتے ہیں اور آپ کے صحابہ کو چھوڑتے ہیں ان سے احتیاط کیجئے۔

قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی؛ یہ حضرت ابن عباس اور ابو مالک کا قول ہے یہ ذم و توبیخ کا قول ہے۔ عرب کہتے ہیں: قاتله الله ما أشعرہ عرب اسے تعجب کی جگہ رکھتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے ایسے آدمی کے محل میں رکھا جس کے ساتھ جابر دشمن جنگ کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر معاند پر غالب ہے؛ ابن عیسیٰ نے یہ حکایت بیان کی ہے۔

اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ۝ کیسے وہ جھوٹ بولتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر ہے(2)۔ قتادہ نے کہا: وہ حق سے کیسے اعراض کرتے ہیں۔ حسن بصری نے کہا: وہ ہدایت سے پھرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دلائل کے واضح ہونے کے باوجود ان کی عقلیں کیسے گمراہ ہوتی ہیں۔ یہ افک سے مشتق ہے جس کا معنی پھرنا ہے۔ انی یہ کیف کے معنی میں ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ رَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ۝

''اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کا رسول تمہارے لیے مغفرت طلب کرے تو (انکار سے) اپنے سروں کو گھماتے ہیں اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ (حاضری سے) رک رہے ہیں تکبر کرتے ہوئے''۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ جب قرآن ان کی صفت کے بارے میں نازل ہوا ان کے قبیلے کے لوگ ان کے پاس گئے انہوں نے کہا: تم نفاق کی وجہ سے ذلیل و رسوا ہو گئے۔ نفاق سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو اور یہ عرض کرو کہ وہ تمہاری بخشش فرمائے تو انہوں نے اپنے سروں کو جھٹک دیا یعنی انہوں نے استہزاء کے انداز میں اور انکار کرتے ہوئے اسے حرکت دی؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ ہر سبب میں عبداللہ بن ابی کا ایسا موقف تھا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول کی طاعت پر برانگیختہ کرتا۔ اسے کہا گیا: یہ چیز تجھے کیا نفع دے گی جبکہ رسول اللہ ﷺ تجھ پر ناراض ہیں۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہو آپ تیرے لیے بخشش طلب کریں گے۔ اس نے انکار کر دیا۔ اس نے کہا: میں آپ کے پاس نہیں جاؤں گا۔ ان آیات کے نزول کا سبب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بنی مصطلق کے ایک چشمہ پر جنگ کی جسے مریسیع کہتے جو قدید سے ساحل کی جانب تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزدور جسے جہجاہ کہتے، کا عبداللہ بن ابی

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 59　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 16

کے حلیف کے ساتھ جھگڑا ہو گیا جسے سنان کہتے یہ جھگڑا ایک چشمہ پر ہوا جسے مثلل کہتے۔ جہجاہ نے مہاجرین کو بلایا اور سنان نے انصار کو بلایا۔ جہجاہ نے سنان کو تھپڑ مارا۔ عبداللہ بن ابی نے کہا: کیا انہوں نے ایسا کیا ہے؟ اللہ کی قسم! ہماری اور ان کی مثال اس کی طرح ہے جس طرح پہلے نے کہا: اپنے کتے کو موٹا کرو تا کہ وہ تجھے کھا جائے۔ اللہ کی قسم! اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹے تو عزت والا ذلیل کو نکال دے گا (عزت والے سے مراد اس نے اپنی ذات اور اذل سے مراد اس نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات لی) پھر اپنی قوم سے کہا: اپنے کھانے کو آپ سے روک لو جو آپ کے پاس ہیں ان پر کھانا خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ بکھر جائیں اور چھوڑ جائیں۔ حضرت زید بن ارقم نے کہا جبکہ وہ عبداللہ کے حمایتیوں میں سے تھا: اللہ کی قسم! تو ذلیل ہے، اپنی قوم میں پست درجہ پر ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمان کی جانب سے عزت سے سرفراز ہیں اور مسلمانوں کی جانب سے محبت سے سرفراز ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اس کے بعد تجھ سے کلام نہیں کروں گا۔ عبداللہ منافق نے کہا: خاموش رہ، میں تو ویسے ہی بات کر رہا تھا۔ حضرت زید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی تو عبداللہ بن ابی نے قسم اٹھا دی نہ اس نے یہ عمل کیا اور نہ ہی یہ بات کہی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی معذرت قبول کر لی۔ حضرت زید نے کہا: مجھے بڑا دکھ ہوا اور لوگوں نے مجھے ملامت کی تو سورۂ منافقین حضرت زید کی تصدیق اور عبداللہ کی تکذیب میں نازل ہوئی۔ عبداللہ بن ابی سے کہا گیا: تیرے بارے میں شدید آیات نازل ہوئی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا کہ اپنے بارے میں بخشش کا طالب ہو۔ تو اس نے اپنا سر ہلا دیا، تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی نے اسی معنی کی روایات نقل کی ہیں۔ سورت کے آغاز میں وہ گزر چکی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **یَسْتَغْفِرْ لَكُمْ** کا معنی ہے نفاق سے توبہ کی دعا کریں گے کیونکہ تو بہ کا معنی بھی استغفار ہے۔

وَ رَاَیْتَهُمْ یَصُدُّوْنَ وَ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ۝ وہ رسول اللہ سے اعراض کرتے ہیں اور تکبر سے اعراض کرتے ہیں۔ نافع نے تخفیف کے ساتھ لووا پڑھا ہے باقی قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ کہا: یہ جماعت کا فعل ہے۔ نحاس نے کہا: یہ درست نہیں کیونکہ یہ عبداللہ بن ابی کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی جب اسے کہا گیا: آؤ! تیرے لیے رسول اللہ مغفرت طلب کریں تو اس نے استہزاء کے طریقہ پر اپنا سر ہلا دیا۔ اگر یہ کہا جائے: جماعت کے فعل کے ساتھ اس کے بارے میں کیوں خبر دی گئی؟ اسے کہا جائے گا: عرب اسی طرح کرتے ہیں جب وہ کسی انسان کے بارے میں کنایۃً بات کرتے ہیں۔

سیبویہ نے حضرت حسان کا شعر پڑھا:

ظننتم بأن یَخفی الذی قد صنعتُم — وفینا رسولٌ عندہ الوَحی واضِعُہ

تو گمان کرتا ہے کہ جو تو نے کہا ہے وہ مخفی رہے گا جبکہ ہمارے درمیان اللہ کے رسول ہیں ان کے پاس وحی آتی ہے۔

حضرت حسان بن ثابت نے ابن ابیرق سے خطاب کیا جس نے مکہ مکرمہ میں چوری کی اس کا واقعہ مشہور ہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ اس کے بارے میں خبر دی ہو اور جس نے اس جیسا فعل کیا ہو اس کے بارے میں خبر دی ہو۔ ایک قول یہ

کیا گیا ہے: جب ابن ابی نے اپنے سر کو بلایا تو اس نے کہا: تم نے مجھے حکم دیا کہ میں ایمان لاؤں تو میں ایمان لے آیا تم نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے مال کی زکوۃ دوں تو میں نے زکوۃ دے دی اور میرے لیے کوئی چیز باقی نہیں سوائے اس کے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سجدہ کروں۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

''یکساں ہے ان کے لیے کہ آپ طلب مغفرت کریں ان کے لیے یا طلب مغفرت نہ کریں ان کے لیے، اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا انہیں، بے شک اللہ تعالیٰ فاسقوں کی رہبری نہیں کرتا''۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ یعنی یہ سب برابر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار کرنا کچھ نفع نہیں دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا، اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (البقرۃ) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝ (الشعراء) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے موجود تھا کہ وہ فاسق ہی مرے گا۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰي مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝

''یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں نہ خرچ کرو ان (درویشوں) پر جو اللہ کے رسول کے پاس ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ (بھوک سے تنگ آ کر) تتر بتر ہو جائیں اور اللہ کے لیے ہی ہیں خزانے، آسمانوں اور زمین کے لیکن منافقین (اس حقیقت کو) سمجھتے ہی نہیں''۔

ہم نے سبب نزول کا ذکر کیا۔ ابن ابی نے کہا: جو لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتے ہیں ان پر خرچ نہ کرو یہاں تک کہ وہ آپ کے پاس سے بکھر جائیں گے (1)۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ کیا کہ زمین و آسمان کے خزانے اسی کے ہیں جیسے وہ چاہتا ہے، خرچ کرتا ہے۔ ایک آدمی نے حاتم اصم سے کہا: تو کہاں سے کھاتا ہے؟ جواب دیا: وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ جنید بغدادی نے کہا: آسمانوں کے خزانے غیوب ہیں اور زمین کے خزانے دل ہیں وہی غیوب کو جاننے والا ہے اور دلوں کو پھیرنے والا ہے (2)۔ شعبی کہا کرتے تھے: وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (۱) جب زمین و آسمان کے خزانے اللہ تعالیٰ کے ہیں تو تم کہاں جاؤ گے؟ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۔ (۲) منافق یہ نہیں سمجھتے جب وہ کسی امر کا ارادہ کرے تو اسے آسان بنا دیتا ہے۔

يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 60

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 18

وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۸

''منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر گئے مدینہ میں تو نکال دیں گے عزت والے وہاں سے ذلیلوں کو حالانکہ (ساری) عزت تو صرف اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے ہے مگر منافقون کو (اس بات کا) علم ہی نہیں''۔

جس طرح پہلے گزرا ہے یہ بات کرنے والا ابن ابی تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: جب ابن ابی نے یہ کہا: لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وہ مدینہ کی طرف لوٹا چند دن ہی رہا تو مر گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے مغفرت طلب کی، اس کو اپنی قمیص پہنائی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ لَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ اس کی وضاحت سورۂ براءۃ میں مفصل گزر چکی ہے۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ ابن سلول منافق سے کہا: اللہ کی قسم! تو اس وقت تک مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک تو یہ نہ کہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزت والے ہیں اور میں سب سے ذلیل ہوں۔ ابن ابی نے یہ بات کہی (1)۔ لوگوں کا وہم تھا کہ عزت اموال کی کثرت اور پیروکاروں کی کثرت سے ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس امر کو بیان کر دیا کہ عزت، شان و شوکت اور قوت اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹

''اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کریں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے اور جنہوں نے ایسا کیا تو وہی لوگ گھاٹے میں ہوں گے''۔

مومنوں کو منافقین کے اخلاق سے خبردار کیا یعنی اپنے اموال میں ہی مگن نہ رہو جس طرح منافقوں نے کیا جب انہوں نے مال میں بخل کی وجہ سے کہا: جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتے ہیں ان پر مال خرچ نہ کرو۔ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ذکر سے مراد حج اور زکوٰۃ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد قرآن کی قرأت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دائمی ذکر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پانچ نمازیں ہیں؛ یہ ضحاک کا قول ہے حضرت حسن بصری نے کہا: مراد تمام فرائض ہیں گویا فرمایا: اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ منافقوں کو خطاب ہے یعنی تم زبان سے ایمان لاتے ہو تم دل سے بھی ایمان لاؤ۔

وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ یعنی جو اپنے رب کی اطاعت کی بجائے مال اور اولاد میں مشغول ہوا وہ خسارے میں ہے۔

وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ وَ لَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ المنافقین، حدیث نمبر 3237، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

”اور خرچ کرلو اس رزق سے جو ہم نے تم کو دیا اس سے پیشتر کہ آ جائے تم میں سے کسی کے پاس موت تو (اس وقت) وہ یہ کہنے لگے کہ اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مدت کے لیے کیوں مہلت نہ دی تاکہ میں صدقہ و خیرات کر لیتا اور نیکوں میں شامل ہو جاتا۔ اور اللہ تعالیٰ مہلت نہیں دیا کرتا کسی شخص کو جب اس کی موت کا وقت آ جائے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کیا کرتے ہو“۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ یہ آیت جلدی زکوٰۃ نکالنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے اس کو مؤخر کرنا اصلاً جائز نہیں اسی طرح باقی عبادات جن کا وقت معین ہو۔

مسئلہ نمبر 2۔ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ اس نے دنیا کی طرف لوٹنے کا سوال کیا تاکہ عمل صالح کرے۔ امام ترمذی نے ضحاک بن مزاحم سے وہ حضرت ابن عباس ؓ سے روایت نقل کرتے ہیں۔ فرمایا: جس کے پاس اتنا مال تھا جس کے ساتھ وہ حج بیت اللہ کر سکتا تھا یا اس میں زکوٰۃ واجب ہوتی تھی اس نے ایسے نہ کیا وہ موت کے وقت رجوع کا سوال کرتا ہے۔ ایک آدمی نے عرض کی: اے ابن عباس! اللہ تعالیٰ سے ڈرو یہ لوٹنے کا سوال تو کفار نے کیا تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: میں تم پر قرآن کی تلاوت کرتا ہوں اور آیت نمبر 9 تا 11 کی تلاوت کی۔ پوچھا: زکوٰۃ کو کیا چیز واجب کرتی ہے؟ اس آدمی نے جواب دیا: جب مال دو سو درہم تک پہنچ جائے۔ پوچھا: حج کو کیا چیز واجب کرتی ہے؟ آپ نے جواب دیا: زادِ راہ اور سواری (1)۔

میں کہتا ہوں: حلیمی ابو عبد اللہ حسین بن حسن نے کتاب ”منہاج الدین“ میں موضوع روایت نقل کی ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کے پاس مال ہو (2)“ یہ حدیث سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابن عربی نے کہا: حضرت ابن عباس ؓ نے آیت کے عموم سے واجب کے انفاق کا استدلال کیا ہے نفل مراد نہیں لیا (3)۔ جہاں تک زکوٰۃ کے ساتھ اس کی تفسیر بیان کرنے کا تعلق ہے تو یہ عموم کے اعتبار سے اور دوسری تقدیر کے ساتھ صحیح ہے جہاں تک حج کے قول کا تعلق ہے تو اس میں اشکال ہے کیونکہ اگر ہم یہ کہیں: حج کو مؤخر کرنا یہاں تک کہ حج کی ادائیگی سے قبل موت واقع ہو جائے تو اس کے معصیت ہونے میں علماء میں اختلاف ہے اسے آیت کا مصداق نہیں بنایا جا سکتا۔ اگر ہم کہیں: حج فوری طور پر ادا کرنا ضروری ہے تو آیت کو عمومی معنی میں رکھنا صحیح ہے کیونکہ جس پر حج واجب ہوا اور اس نے حج ادا نہ کیا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت پسند کرے گا کہ وہ لوٹے گا کہ عبادات میں سے جو اس نے ترک کیا ہے اس کو بجا لائے۔ جہاں تک زادِ راہ اور راحلہ کے مقدر ماننے کا تعلق ہے تو اس میں علماء میں اختلاف مشہور و معروف ہے۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 165۔ ایضاً، حدیث نمبر 3238، ضیاء القرآن پبلی کیشنز　　2۔ ایضاً

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1814-1813

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کلام کا کوئی عمل دخل نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوٹنے کی خواہش اور وعید ان مسائل میں کوئی عمل دخل نہیں رکھتی جن میں اجتہاد کی گنجائش ہو اور نہ ان میں کوئی عمل دخل ہوتا ہے جن میں اختلاف ہو جن مسائل میں اتفاق ہوتا ہے ان میں اس کا عمل دخل ہوتا ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ یہ واجب نفقہ کو شامل ہوتا ہے کہ اسے کیسے خرچ کیا جائے یہ اجماع سے ثابت ہو یا نص قرآنی سے ثابت ہو کیونکہ واجب نفقہ کے علاوہ میں وعید ثابت نہیں ہوتی۔

مسئلہ نمبر 4۔ لَوْلَآ یہ ھلا کے معنی میں ہے تو یہ استفہام ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لا زائدہ ہے تو کلام تمنی کے معنی میں ہوگی۔ فَاَصَّدَّقَ یہ تمنی کے جواب کے طور پر منصوب ہے اور اس سے پہلے فاء آیا ہے۔ واکون اس کا عطف فاصدق پر ہے؛ یہ ابوعمرو، ابن محیصن اور مجاہد کی قرأت ہے۔ باقی قراء نے وَاَكُنْ کو مجزوم پڑھا ہے اس کا عطف فاء کے محل پر ہے کیونکہ فَاَصَّدَّقَ مجزوم ہوتا اگر یہاں فاء نہ ہوتی۔ اس کی مثل مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ (الاعراف:186) ہے۔ یہ تعبیر اس صورت میں ہوتی جب يَذَرُهُمْ کو جزم دی جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت اہل توحید کے لیے سب سے سخت ہے کیونکہ کوئی بھی ایسا فرد جس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں آخرت میں خیر ہو وہ دنیا کی طرف لوٹنے اور اس میں تاخیر کی آرزو نہیں کرتا۔

میں کہتا ہوں: شہید کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ واپس دنیا میں آنے کی آرزو کرے گا یہاں تک کہ اسے پھر شہید کیا جائے۔ وجہ اس کی وہ ہوگی جو وہ کرامت دیکھے گا۔ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ تم جو بھلائی اور برائی میں سے جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ عام قرأت فاء کے ساتھ خطاب کے طریقہ پر ہے۔ ابوبکر نے عاصم سے اور سلمی نے یاء کے ساتھ قرأت کی ہے۔ اس صورت میں یہ اس کے بارے میں خبر ہے جو مر گیا ہے اور اس نے یہ قول کیا۔

سورۃ التغابن

آیاتہا ۱۸ ۔ ۶۴ سورۃ التغابن مدنیۃ ۱۰۸ ۔ رکوعاتہا ۲

اکثر علماء کے قول میں یہ سورت مدنی ہے۔ ضحاک نے کہا: یہ مکی ہے(1)۔ کلبی نے کہا: یہ مکی اور مدنی ہے(2)۔ اس کی اٹھارہ آیات ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس وقت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی مگر آخری آیات حضرت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں اپنے اہل اور اولاد کی زیادتی کی شکایت کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ سورت کے آخر تک۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کوئی بچہ جنم نہیں لیتا مگر اس کے سر کے جوڑے (بالوں) میں سورۂ تغابن کی پہلی پانچ آیت لکھی ہوتی ہیں''(3)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِۚ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ٘ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝

''اللہ ہی کی تسبیح کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر چیز جو زمین میں ہے، اس کی حکومت ہے اور اس کے لئے ساری تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تم میں سے بعض کافر ہیں اور تم میں سے بعض مومن ہیں، اور اللہ تعالیٰ، جو تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے''۔

پہلی آیت کی تفسیر پہلے کئی دفعہ گزر چکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو مومن اور کافر پیدا کیا قیامت کے روز انہیں مومن، کافر کی حیثیت سے دوبارہ اٹھائے گا(4)۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت نقل کی گئی ہے۔ کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچھلے پہر ایک دفعہ خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں آئندہ ہونے والے امور کے بارے میں ذکر کیا(5)۔ فرمایا: ''لوگ مختلف طبقات میں جنم لیتے ہیں ایک آدمی مومن کی حیثیت میں پیدا ہوتا ہے، مومن کی حیثیت میں زندہ رہتا ہے اور مومن کی حیثیت میں مر جاتا ہے۔ ایک آدمی کافر کی حیثیت میں جنم لیتا ہے، کافر کی حیثیت میں زندہ رہتا ہے اور کافر کی حیثیت میں مر جاتا ہے''۔ حضرت ابن

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 20 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 8، صفحہ 3538
4۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 63 5۔ جامع ترمذی، ابواب الفتن، جلد 2، صفحہ 42

مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے فرعون کو اس کی ماں کے پیٹ میں کافر پیدا کیا اور حضرت یحییٰ بن زکریا کو اپنی ماں کے پیٹ میں مومن پیدا کیا'' (1)۔ صحیح میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے: ''تم میں سے کوئی جنتیوں کا سا عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے درمیان اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ یا باع (دونوں بازوں کو پھیلایا جائے تو ان کے درمیان کا فاصلہ) کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر لکھی ہوئی تقدیر غالب آ جاتی ہے تو وہ جہنمیوں کا سا عمل کرتا ہے اور اس میں داخل ہو جاتا ہے اور ایک آدمی جہنمیوں کا سا عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان ایک ہاتھ یا باع کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر غالب آ جاتی ہے تو وہ جنتی کا سا عمل کرتا ہے اور اس میں داخل ہو جاتا ہے☆'' اسے امام بخاری اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے، اس میں باع کا ذکر نہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایک آدمی جنتی کا سا عمل کرتا ہے ان امور میں جو لوگوں کے لئے ظاہر ہوتے ہیں جبکہ وہ جہنمی ہوتا ہے اور ایک آدمی ظاہر میں جہنمی کا سا عمل کرتا ہے جبکہ وہ جنتی ہوتا ہے'' (2)۔ ہمارے علماء نے کہا: ان احادیث کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے معلوم کے ساتھ متعلق ہے تو وہی کچھ ہوتا ہے جو اس کے علم میں ہوتا ہے، جس کا وہ ارادہ کرے اور جو وہ حکم دے وہ عام احوال میں کبھی ایک شخص کے ایمان کا ارادہ کرتا ہے اور کبھی معلوم وقت تک ایمان کا ارادہ کرتا ہے۔ یہی حالت کفر کی ہے۔ ایک قول یہ کہا گیا ہے (3): کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یوں ہے فمنکم مؤمن و منکم کافر و منکم فاسق کلام سے حذف اس لئے ہوا کیونکہ کلام میں ایسی چیز موجود ہے جو اس کے حذف پر دلالت کرتی ہے؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس میں کوئی حذف نہیں کیونکہ مقصود دونوں طرفوں کا ذکر ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت کا کہنا ہے: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا پھر انہوں نے کفر کیا اور وہ ایمان لائے۔ انہوں نے کہا: تمام کلام **هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ** ہے پھر ان کی صفت لگائی۔ **فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ** جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ** (النور:45) انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا اور چلنا انسانوں کا فعل ہے: اس قول کو حسین بن فضل نے اختیار کیا ہے۔ حسین بن فضل نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں مومن و کافر کی حیثیت سے پیدا کیا ہوتا تو ان کی صفت اس انداز میں نہ بتاتا **فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ** انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استنباط کیا ہے: ''ہر بچے کو فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے، اس کے والدین اسے یہودی بناتے ہیں، اسے نصرانی بناتے ہیں اور اسے مجوسی بناتے ہیں'' (4)۔ سورۂ روم میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔ ضحاک نے کہا: تم میں سے کچھ اندر سے کافر اور باہر سے مومن ہیں جس طرح منافق ہوتے ہیں۔ تم میں سے کچھ اندر سے مومن اور باہر سے کافر ہوتے ہیں جس طرح حضرت عمار (5) وغیرہ۔ عطاء بن ابی رباح نے کہا: تم میں سے کچھ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانے والے اور ستاروں کا انکار کرنے

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 64 2۔ صحیح مسلم، کیفیة خلق آدم، جلد 2، صفحہ 334 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 21

4۔ صحیح مسلم، ابواب القدر، جلد 2، صفحہ 336 5۔ حضرت عمار کو مشرکین مکہ نے اذیتیں دیں اور کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا۔

☆ جامع ترمذی، باب ماجاء ان الاعمال بالخواتیم، حدیث نمبر 2063، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

والے ہوتے ہیں یعنی یہ انواء (ستاروں) کے بارے میں ہے (1)۔ زجاج نے کہا: یہ بہترین قول ہے؛ جو ائمہ اور جمہور امت کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کافر کو پیدا کیا اور اس کا کفر اس کا اپنا فعل اور کسب ہے جبکہ اس کے فعل کفر کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، اللہ تعالیٰ نے مومن کو پیدا کیا اس کا ایمان اس کا فعل اور کسب ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ایمان کا خالق ہے کافر کفر کرتا ہے اور کفر کو پسند کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے کفر کو پہلے پیدا کیا ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کافر کو اس پر قدرت دی اور اس سے کفر کے وقوع کو جانتا تھا۔ یہ جائز نہیں کہ ان دونوں سے اس کے علاوہ کوئی چیز پائی جائے جن پر اللہ تعالیٰ نے اسے قادر بنایا تھا اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کیونکہ مقدور کے خلاف کا پایا جانا یہ عاجزی ہے اور معلوم کے خلاف کا پایا جانا جہالت ہے۔ یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں اس قول میں انسان جبر و قدر کے قول سے محفوظ رہتا ہے؛ جس طرح شاعر نے کہا:

یا ناظرا فی الدین ما الامر لا قدر صح ولا جبر

اے دین میں غور و فکر کرنے والے! یہ معاملہ کیا ہے نہ قدر (2) صحیح ہے اور نہ جبر (3) صحیح ہے۔ سیلان نے کہا: ایک بدو بصرہ میں آیا۔ اسے کہا گیا: تو قدر کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ اس نے جواب میں کہا: یہ ایسا امر ہے جس میں گمانات بہت بڑھ گئے ہیں اور اختلاف کرنے والوں نے اس میں اختلاف کیا ہے ضروری ہے کہ ہم پر جو اس کے حکم میں سے معاملہ مشتبہ ہو جائے ہم اسے اس کے علم کی طرف پھیر دیں۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝

''اس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور تمہاری صورتوں کو خوبصورت بنایا اور اس کی طرف سب نے اٹھنا ہے''۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اس کی تفسیر کئی مواقع پر گزر چکی ہے یعنی اسی نے انہیں پیدا کیا ہے۔ یہ امر حق ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: باء، لام کے معنی میں ہے، یعنی انہیں حق کے لئے پیدا فرمایا۔ مراد ہوگا جنہوں نے برے اعمال کئے انہیں ان کے عمل کی جزا دے اور جنہوں نے اچھا عمل کیا انہیں اچھائی کا بدلہ عطا فرمائے۔ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں (4) اللہ تعالیٰ نے آپ کی کرامت کو ظاہر کرنے کے لئے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ (۲) تمام مخلوق مراد ہے۔ (۳) تصویر کا معنی گزر چکا ہے اس سے مراد خط لگانا اور شکل و صورت بنانا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے: ان کی صورتوں کو کیسے اچھا بنایا؟ تو اسے جواب دیا جائے گا: اللہ تعالیٰ نے اسے تمام حیوانوں سے اچھا بنایا اور سب سے زیادہ خوبصورت بنایا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انسان یہ تمنا نہیں کرتا کہ اس کی صورت اس کے خلاف ہو جو اس نے تمام صورتیں دیکھی ہیں۔ اس کی حسین صورت سے مراد یہ بھی ہے کہ اسے سیدھا پیدا کیا وہ جانوروں کی طرح منہ کے بل گرا ہوا نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ (التین) اس کی وضاحت ان شاء اللہ

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 64
2۔ انسان کا اپنے افعال کا خالق ہونا۔
3۔ انسان کا مجبور محض ہونا۔ جبریہ اور قدریہ دو مکاتب فکر ہو گزرے ہیں
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 21

آئے گی۔ وَ اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ اس کی طرف سب کا اٹھنا ہے وہ ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

''وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے نیز وہ جانتا ہے جسے تم چھپاتے ہو اور جسے تم ظاہر کرتے ہو، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے''۔

اس آیت کی تفسیر کئی مواقع پر گزر چکی ہے وہ عالم غیب و شہادت ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؗ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

''کیا نہیں آتی تمہارے پاس اس کی خبر جنہوں نے کفر کیا اس سے پہلے پس چکھ لیا انہوں نے اپنے کام (یعنی کفر) کا وبال اور اس کے لئے (آخرت میں) دردناک عذاب ہے''۔

خطاب قریش کو ہے یعنی کیا تمہارے پاس گزری ہوئی امتوں کے کفار کی خبر نہیں پہنچی۔ انہیں دنیا میں بھی ان کے اعمال پر سزا دی گئی اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْۤا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ؗ فَكَفَرُوْا وَ تَوَلَّوْا وَّ اسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

''اس کی وجہ یہ تھی کہ آتے رہے ان کے پاس ان کے پیغمبر روشن نشانیاں لے کر پس وہ بولے: کیا انسان ہماری رہبری کریں گے، پس انہوں نے کفر کیا اور منہ پھیر لیا اور اللہ تعالیٰ بھی (ان سے) بے نیاز ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور سب خوبیاں سراہا ہے''۔

انہیں یہ عذاب اس وجہ سے آیا کہ انہوں نے ان رسولوں کا انکار کیا جو ان کے پاس واضح دلیل لائے انہوں نے انکار کر دیا کہ رسول بشر بھی ہو سکتا ہے بشر مبتدا ہونے کی حیثیت میں مرفوع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فعل مضمر ہے اور اس میں جمع کا معنی ہے اسی وجہ سے یَّهْدُوْنَنَا ارشاد فرمایا۔ یهدینا نہیں فرمایا۔ بعض اوقات واحد، جمع کے معنی میں ہوتا ہے تو وہ اسم جنس ہوتا ہے اس کا واحد انسان ہے لفظوں میں اس کا کوئی واحد نہیں۔ بعض اوقات جمع واحد کے معنی میں آتا ہے جس طرح فرمایا: مَا هٰذَا بَشَرًا (یوسف: 31) انہوں نے اس قول اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا کے ساتھ انکار کیا۔ انہوں نے یہ قول ان کے چھوٹے پن کو ظاہر کرنے کے لئے کیا تھا۔ انہیں علم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے رسولوں کا انکار کیا ہر طرف سے روگردانی کی اور ایمان و موعظت سے اعراض برتا۔

اللہ تعالیٰ اپنی بادشاہت کی وجہ سے بندوں کی طاعت سے مستغنی ہے اسے بندوں کی طاعت کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو برہان ظاہر کی ہے اور جس امر کو واضح کیا ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ان

سے اس امر کے بارے میں بے نیاز ہو گیا ہے کہ ان پر مزید کوئی کرم نوازی فرمائے جو انہیں ہدایت کی طرف دعوت دے اور ہدایت کی طرف لے جائے (1)۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

''گمان کرتے ہیں کفار کہ انہیں ہرگز دوبارہ زندہ نہ کیا جائے گا فرمائیے: کیوں نہیں، میرے رب کی قسم! تمہیں ضرور زندہ کیا جائے گا پھر تمہیں آگاہ کیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے، اور یہ اللہ تعالیٰ کیلئے بالکل آسان ہے''۔

کافروں نے یہ گمان کیا کہ انہیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔ زعم سے مراد گمان رکھتے ہوئے کوئی بات کرنا۔ شریح نے کہا: ہر شی کی کنیت ہے اور کذب (جھوٹ) کی کنیت زعموا ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عاص بن وائل سہمی اور حضرت خباب کے بارے میں نازل ہوئی۔ جس کی وضاحت سورۂ مریم کے آخر میں گزر چکی ہے پھر ہر کافر کو شامل ہو گئی۔ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے: کیوں نہیں، تمہیں ضرور تمہاری قبروں سے زندہ کیا جائے گا پھر تمہیں تمہارے اعمال کے بارے میں آگاہ کیا جائے گا۔ دوبارہ اٹھانا اللہ تعالیٰ کے لئے پہلی دفعہ پیدا کرنے کی نسبت زیادہ آسان ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

''پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبردار ہے''۔

قیامت کی پہچان کرانے کے بعد انہیں ایمان کا حکم دیا۔ نور سے مراد قرآن ہے۔ یہ ایسا نور ہے جس کے ذریعے گمراہی کی تاریکی سے ہدایت دی جاتی ہے۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

''جس دن تمہیں اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن یہی گھاٹے کے ظہور کا دن ہے اور جو ایمان لے آیا اللہ پر اور نیک عمل کرتا رہا اللہ دور فرما دے گا اس سے اس کے گناہوں کو اور داخل فرمائے گا اسے باغوں میں رواں ہوں گی جن کے نیچے ندیاں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے تا ابد، یہی بہت بڑی کامیابی ہے''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ یوم میں عامل لَتُنَبَّؤُنَّ ہے یا خَبِيْرٌ ہے کیونکہ اس میں وعید کا معنی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 21
2۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 22

موجود ہے۔ گویا فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے گا جس دن تمہیں جمع کرے گا یا اذکر فعل جو مضمر ہے وہ اس میں عامل ہے۔ غبن کا معنی نقص ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: غبنه غبنا جب کم قیمت کے ساتھ وہ کوئی چیز لے عام قرات یَجْمَعُكُم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ (الحدید) اس کے بارے میں خبر دی اور اللہ تعالیٰ کا نام پہلے ذکر کیا ہے اس لئے خبیر اس کے مناسب ہے۔

نصر، ابن ابی اسحاق، جحدری، یعقوب اور سلام نے نجمعکم پڑھا۔ یہ قراء وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا کی موافقت کا اعتبار کرتے ہیں۔ یوم الجمع سے مراد وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ اولین، آخرین، انسانوں، جنوں، آسمان والوں اور زمین والوں کو جمع کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس روز اللہ تعالیٰ ہر بندے اور اس کے عمل کو جمع کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یوم الجمع اس لیے فرمایا کیونکہ اس میں وہ ظالم اور مظلوم کو جمع فرمائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ ہر نبی اور اس کے امتی کو جمع فرمائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ اہل طاعت کے ثواب اور اہل معصیت کے عقاب کو جمع فرمائے گا۔

ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ یہ قیامت کا دن ہے (1)۔ جس طرح کہا:

ألا إنما الراحات يوم التغابن خبردار! راحتیں قیامت کے دن ہی ہوں گی۔

یوم قیامت کو یوم تغابن کا نام دیا کیونکہ اس میں جنتی، جہنمیوں سے غبن کریں گے یعنی جنتی جنت لے لیں گے اور جہنمی جہنم کو لے لیں گے۔ یہ مبادلہ کے طریقہ پر ہوگا۔ غبن اس لیے واقع ہوگا کیونکہ انہوں نے خیر کو شر، عمدہ کو ردی اور نعیم کو عذاب کے بدلے بدلا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: غبنت فلانا جب تو اس کے ہاتھ بیچے یا اس سے خریدے اور نقص و کمی اس پر واقع ہو اور غلبہ تیرے لیے ہو یہی کیفیت اہل جنت اور اہل نار کی ہوگی جس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: غبنتُ الثوب وخبنتُه جب وہ تیری مقدار اور قد سے لمبا ہو اور اس سے کسی چیز کو سی دے تو یہ بھی نقصان ہے۔ مغابن جوڑھا نچے اور ہیئت میں سے دہری ہو جائے جس طرح ابطین (بغلیں) اور فخذین (دونوں رانیں) مفسرین نے کہا: مغبون اسے کہتے ہیں جنت میں جس کے اہل اور منازل میں غبن واقع ہو جائے۔ اس روز ایمان کے ترک کرنے کی وجہ سے ہر کافر خسارے میں ہوگا اور ہر مومن کا نقصان احسان میں کوتاہی اور دنوں کو ضائع کرنے کی وجہ سے ظاہر ہوگا۔ زجاج نے کہا: جنت میں جس کی منزل بلند ہوگی وہ کم مرتبہ سے غبن کرنے والا ہوگا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اگر یہ کہا جائے: وہ کون سا معاملہ ہے جو ان دونوں کے درمیان واقع ہوا یہاں تک کہ اس میں غبن واقع ہوا؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بیع و شراء میں غبن میں مجاز کا قاعدہ جاری ہو رہا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی (البقرۃ: 16) جب یہ فرمایا کہ کفار نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے حاصل کر لیا اور انہوں نے تجارت میں کوئی نفع حاصل نہ کیا بلکہ انہوں نے نقصان اٹھایا تو یہ بھی ذکر کیا کہ ان کے ساتھ غبن کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 23

ہے کہ جنتیوں نے دنیا ترک کر کے آخرت کو خریدا اور جہنمیوں نے آخرت ترک کر کے دنیا کو خریدا۔ مجازاً یہ بھی مبادلہ کی ایک صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دو اجزاء میں تقسیم کیا۔ ایک فریق جنت میں اور ایک فریق آگ میں، ہر ایک کی منازل جنت اور جہنم میں رکھی گئی ہیں۔ یہ امر حق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بے یار و مددگار چھوڑنا بندے پر غالب آ جاتا ہے جس طرح ہم اس سورت اور دوسری سورتوں میں بیان کر چکے ہیں تو وہ جہنمی ہو جاتا ہے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے توفیق حاصل ہوتی ہے اسے محروم کا مکان بھی دے دیا جاتا ہے اور جس کو توفیق حاصل ہوتی ہے جہنم میں اس کا مکان محروم کو دے دیا جاتا ہے، گویا یوں مبادلہ واقع ہوا اور تغابن حاصل ہوا۔ لغت اور قرآن میں بے شمار امثلہ موجود ہیں۔ نثر آثار میں ان سب کو جمع کر دیا گیا ہے جبکہ اس کتاب میں یہ بکھری ہوئی ہیں۔ بعض اوقات اس تبادلہ کو وراثت سے تعبیر کیا گیا ہے جس طرح ہم نے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۝ (المومنون) میں بیان کیا ہے۔ بعض اوقات تغابن اس دن کے علاوہ میں واقع ہوتا ہے جس کی وضاحت بعد میں آئے گی لیکن یہاں ایسے تغابن کا ارادہ کیا جس کی کمی کو پورا کرنے کا کوئی امکان نہیں کیونکہ وہ تغابن انتہاء درجے کا ہے۔ حسن بصری اور قتادہ نے کہا: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ تغابن کی تین قسمیں ہیں۔ ایسا آدمی جس نے علم سیکھا اسے دوسرے لوگوں کو سکھایا اور خود اسے ضائع کر دیا، اس پر عمل نہ کیا تو وہ بد بخت ہو گیا۔ جس نے اس سے سیکھا تھا اس نے اس پر عمل کیا تو وہ نجات پا گیا۔ ایک ایسا آدمی جس نے کئی طریقوں سے مال کمایا اس سے مال کا سوال کیا جاتا ہے اور وہ بخل سے کام لیتا ہے اور وہ اس کے باعث اپنے رب کی اطاعت میں کوتاہی کرتا ہے اور اس مال میں کوئی بھلائی کا کام نہیں کرتا، وہ اس مال کو وارث کے لیے چھوڑ جاتا ہے اس مال میں اس کے لیے کوئی نفع نہیں۔ وہ وارث اس مال میں اپنے رب کی اطاعت کرتا ہے۔ ایک ایسا آدمی جس کا ایک غلام تھا، وہ آدمی اپنے رب کی اطاعت کرتا ہے اور سعادت مند ہو جاتا ہے اور آقا اپنے رب کی معصیت کرتا ہے تو وہ بد بخت ہو جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے انہوں نے کہا: "اللہ تعالیٰ مرد اور عورت کو اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو فرمائے گا: تم دونوں کہو جو تم کہنا چاہتے ہو۔ مرد عرض کرے گا: اے میرے رب! تو نے اس کا نفقہ مجھ پر لازم کیا۔ میں نے اسے حلال و حرام سب کھلایا۔ یہ مدعی اس مال کا مطالبہ کرتے ہیں میرے پاس تو کچھ بھی باقی نہیں جو ان کے حقوق پورے کر سکوں۔ عورت عرض کرے گی: اے میرے رب! ایسا نہیں ہوا کہ میں نے اسے کہا ہو کہ تو حرام مال حاصل کر۔ میں نے اسے حلال سمجھ کر ہی کھایا اور اس نے میری رضا کی خاطر تیری نافرمانی کی۔ میں اس کے لیے اس پر راضی نہیں اسے اپنی رحمتوں سے دور کر دے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: تو نے سچ کہا۔ اسے جہنم کی طرف لے جانے کا حکم دیا جائے گا اور عورت کو جنت کی طرف لے جانے کا حکم دیا جائے گا۔ وہ عورت جنت کے درجات سے اس کی طرف جھانکے گی اور اسے کہے گی: غبناك، غبناك جس کے ساتھ تو بد بخت ہوا ہم اس کے ذریعے سعادت مند ہوئے۔ یہی یوم تغابن ہے"۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابن عربی نے کہا: ہمارے علماء نے ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ سے یہ استدلال کیا ہے کہ دنیاوی معاملات میں بھی غبن جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تغابن کو قیامت کے دن کے ساتھ خاص کیا ہے۔ فرمایا: ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ یہ اختصاص اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ دنیا میں کوئی غبن نہیں جب کوئی آدمی بیع میں غبن پر مطلع ہو تو جب وہ ثلث پر زائد ہو تو اسے

رد کر دیا جائے گا؛ بغدادیوں نے اسے اختیار کیا ہے اور کئی وجوہ سے اس پر استدلال کیا۔ ان میں سے ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حبان بن منقذ کے لیے ارشاد ہے: اذا بایعت فقل لا خلابة ولك الخيار ثلاثا جب تو خرید و فروخت کرے تو کہہ دے: کوئی دھوکہ نہیں ہوگا اور تیرے لیے تین دن تک خیار (شرط) ہوگا۔ اس میں طویل سوچ و بچار کی ضرورت ہے۔ ہم نے اسے اختلافی مسائل میں ذکر کیا ہے۔ اس کا نکتہ یہ ہے کہ دنیا میں غبن بالاجماع ممنوع ہے یہی دین کا حکم ہے کیونکہ غبن دھوکہ کے باب سے تعلق رکھتا ہے جو ہر ملت میں شرعاً حرام ہے لیکن تھوڑے سے غبن سے عموماً بچنا ممکن نہیں۔ شرع میں یہ امر گزر چکا ہے۔ اگر ہم اس کے لوٹانے کا حکم دیں تو بیع کبھی بھی نافذ نہ ہو سکے گی کیونکہ بیع تھوڑے بہت غبن سے خالی نہیں ہوتی۔ ہاں کثیر سے احتراز ممکن ہے تو اسے رد کرنا واجب ہے۔ قلیل اور کثیر میں فرق شریعت میں معلوم و معروف قاعدہ ہے ہمارے علماء نے اس حد کے لیے ثلث کو مقدر کیا ہے کیونکہ وہ ثلث (ایک تہائی) کو وصیت وغیرہ میں پاتے ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر معنی یہ ہوگا وہ تغابن کا دن ہے جو مطلقاً جائز ہے اس کی کوئی تفصیل نہیں یا وہ ایسے تغابن کا دن ہے جس کا کبھی بھی تدارک نہ کیا جا سکے گا کیونکہ دین کا تغابن دو طریقوں سے دور کیا جا سکتا ہے۔ بعض اموال میں رد کرنے کے ساتھ یا کسی دوسری بیع یا دوسرے سامان میں نفع حاصل کرنے کے ساتھ مگر جو آدمی جنت کو پانے میں خسارہ میں رہا تو اس کا کبھی بھی تدارک نہیں کیا جا سکتا۔ بعض صوفیاء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق پر غبن کو لکھ دیا ہے۔ کوئی آدمی بھی اپنے رب سے ملاقات نہیں کرے گا مگر وہ مغبون ہوگا کیونکہ اس کے لیے عمل میں پورا حق ادا کرنا ممکن نہیں یہاں تک کہ اسے پورا ثواب حاصل ہو۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا یلقی اللہ احد الا نادما ان کان مسیئا ان لم یحسن وان کان محسنا ان لم یزدد(1) کوئی بندہ اللہ سے ملاقات نہیں کرے گا مگر وہ نادم ہوگا۔ اگر گناہگار ہوگا تو وہ کہے گا: اس نے اچھا عمل کیوں نہیں کیا اگر وہ محسن ہوگا تو وہ کہے گا: اس نے زیادہ عمل کیوں نہیں کیا۔ نافع اور ابن عامر نے یکفر اور یدخلہ کو نون کے ساتھ اور باقی قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑩

''جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخی ہوں گے ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یہی بات بری پلٹنے کی جگہ ہے''۔

آیاتنا سے مراد قرآن ہے۔ جب مومنوں کے لیے جو کچھ ہے اس کا ذکر کیا تو جو کچھ کافروں کے لیے ہے اس کا بھی ذکر کیا جس طرح کئی مواقع پر پہلے گزر چکا ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑪

''نہیں پہنچتی (کسی کو) کوئی مصیبت بجز اللہ کے اذن کے اور جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے اللہ اس کے دل کو

1۔ احکام القرآن لابن العربی

ہدایت بخشتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے''۔

مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ اذن سے مراد ارادہ اور قضا ہے۔ فراء نے کہا: مراد اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے نزول کا سبب یہ ہے کہ کفار نے کہا: جس پر مسلمان ہیں اگر یہ حق ہوتا تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں مصائب سے محفوظ رکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو واضح کیا کہ نفس، مال، قول یا فعل میں جب بھی مصیبت واقع ہوتی ہے وہ بے چینی اور غم کا تقاضا کرتی ہے یا ایسے عقاب کا تقاضا کرتی ہے جو جلدی واقع ہونے والا ہوتا ہے یا دیر سے واقع ہونے والا ہوتا ہے تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم اور قضا سے ہوتا ہے۔

وَمَنۡ یُّؤۡمِنۡ بِاللّٰہِ جو اس امر کی تصدیق کرتا ہے اور جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی مصیبت نہیں پہنچتی۔ یَہۡدِ قَلۡبَہٗ تو صبر و رضا کی طرف اس کے دل کو ہدایت عطا فرماتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے دل کو ایمان پر مضبوط کرتا ہے۔ ابو عثمان حیزی نے کہا: جس کا ایمان صحیح ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اتباع سنت کی ہدایت دیتا ہے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھتا ہے مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت عطا فرماتا ہے تو وہ کہتا ہے: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ۞ (البقرۃ)؛ یہ ابن جبیر کا قول ہے(3)۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اللہ تعالیٰ اس کے دل میں یقین پیدا کرتا ہے تاکہ اسے علم ہو کہ اسے جو مصیبت پہنچی ہے وہ چھوٹنے والی نہ تھی اور جو اسے نہیں پہنچی وہ اسے پہنچنے والی نہ تھی(4)۔ کلبی نے کہا: جب اسے آزمائش میں ڈالا جاتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور جب اس پر انعام کیا جاتا ہے تو وہ شکر بجالاتا ہے اور جب اس پر ظلم کیا جاتا ہے تو وہ بخش دیتا ہے(5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ جنت میں ثواب پانے کی طرف اس کے دل کی رہنمائی کرتا ہے۔ عام قرأت یَہۡدِ ہے یاء پر فتحہ اور دال کے نیچے کسرہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا پہلے نام ذکر کیا گیا ہے۔ سُلمی اور قتادہ نے یہد قلبہ پڑھا ہے۔ یہ مجہول کا صیغہ ہے اور قلبہ کی باء مرفوع ہے کیونکہ یہ فعل مجہول کا نائب فاعل ہے۔

طلحہ بن مصرف اور اعرج نے اسے نہد پڑھا ہے۔ یہاں نون تعظیم کے لیے ہے اور قلبہ کی باء پر زبر ہے۔ عکرمہ نے یہدا قلبہ پڑھا ہے، یعنی اس کا دل سکون پاتا ہے اور مطمئن ہوتا ہے۔ اس کی مثل مالک بن دینار کی قرأت ہے مگر اس میں ہمزہ کو ضغطہ کے ساتھ نہیں پڑھا بلکہ ہمزہ کو لینہ پڑھا ہے۔

وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ۞ جس نے اس کی اطاعت کی اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا، اس کی اطاعت شعاری اس پر مخفی نہیں اور جس نے اس کو نہ مانا اس کی کراہت بھی اس پر مخفی نہیں۔

وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ۞

اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۞

''اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول (مکرم) کی پھر اگر تم نے روگردانی کی (تو تمہاری قسمت) ہمارے رسول

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 23 2۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 66 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 22
4۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 66 5۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 22

کے ذمہ فقط کھول کر (پیغام) پہنچانا ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں پس اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو''۔

مصائب کو اپنے اوپر ہلکا جانو، اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھو اور سنت پر عمل کرنے میں اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم اطاعت سے روگردانی کرو گے تو اللہ کے رسول کے ذمہ تو صرف پیغام حق پہچانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے سوا کوئی خالق نہیں اس پر بھروسہ کرو۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴﴾

''اے ایمان والو! تمہاری کچھ بیبیاں اور تمہارے بچے دشمن ہیں پس ہوشیار رہو ان سے، اور اگر تم عفو و درگزر سے کام لو اور بخش دو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت مدینہ طیبہ میں حضرت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی بیوی اور اولاد کی جفا کی شکایت کی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ طبری نے عطا بن یسار سے روایت نقل کی ہے کہ سورۂ تغابن پوری کی پوری مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی مگر یہ آیات حضرت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئیں (1)۔ وہ اہل و اولاد والے تھے۔ جب حضرت مالک جہاد پر جانے کا ارادہ کرتے تو یہ روتے اور انہیں نرم کرنے کی کوشش کرتے۔ وہ کہتے: آپ ہمیں کس کے حوالے کر کے جا رہے ہیں؟ تو حضرت مالک بھی ان کے لیے نرم ہو جاتے اور اپنے گھر میں ہی رہ جاتے تو یہ آیت ان کے حق میں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ باقی آیات سورت کے آخر تک مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: ایک آدمی نے آپ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا: یہ کچھ لوگ تھے جو اہل مکہ میں سے تھے، وہ مسلمان ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا تو ان کی بیویوں اور بچوں نے انکار کر دیا کہ وہ انہیں چھوڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں جب وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ دین میں کافی تفقہ حاصل کر چکے ہیں تو انہوں نے ارادہ کیا کہ اپنی بیویوں اور اولادوں کو سزا دیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا (2)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ قاضی ابو بکر بن عربی نے کہا: یہ عداوت کی وجہ کی و ـــ ت کرتی ہے کیونکہ دشمن اپنی ذات کی وجہ سے

1۔ تفسیر طبری، جز 28، صفحہ 140

2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 165۔ ایضاً، باب ومن سورۃ التغابن، حدیث 3239، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

دشمن نہیں ہوتا وہ اپنے فعل کی وجہ سے دشمن ہوتا ہے(1)۔ جب بیوی اور اولاد دشمنوں کا سا عمل کرے تو وہ دشمن ہی ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی قبیح فعل نہیں ہو سکتا کہ وہ بندے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں حائل ہو جائے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''شیطان انسان کے لیے ایمان کے راستہ میں بیٹھتا۔ اسے کہتا: کیا تو ایمان لاتا ہے اور اپنے سابقہ دین اور اپنے آباء کے دین کو چھوڑتا ہے؟ انسان اس کی مخالفت کرتا ہے، ایمان لاتا ہے۔ وہ ہجرت کے راستہ پر بیٹھتا اور اسے کہتا: کیا تو اپنے مال اور اپنے اہل کو چھوڑتا ہے؟ انسان اس کی مخالفت کرتا ہے اور ہجرت کرتا ہے۔ پھر وہ جہاد کے راستہ پر بیٹھتا ہے اسے کہتا ہے کیا تو جہاد کرتا ہے اپنے نفس کو قتل کرتا ہے تو تیری عورتوں سے نکاح کیا جائے گا اور تمہارا مال تقسیم کر دیا جائے گا؟ انسان اس کی مخالفت کرتا ہے، وہ جہاد کرتا ہے اور شہید ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لیا ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے'' (2)۔ شیطان کے بیٹھنے کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) وسوسہ کے ذریعے۔ (۲) وہ انسان جس کا ارادہ کرتا ہے اس کو روکنے کے لیے خاوند، بچے اور ساتھی کو برانگیختہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (فصلت: 25) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حکمت کی باتوں میں سے ہے: جس نے اہل، مال اور اولاد کو ہی لازم پکڑ لیا تو وہ دنیا کا بندہ ہے۔ صحیح حدیث میں اس سے ادنیٰ کی حالت کا ذکر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دینار کا بندہ ہلاک ہو، درہم کا بندہ ہلاک ہو، خمیصہ (سیاہ رنگ کی مربع چادر جس میں دھاریاں ہوں) کا بندہ ہلاک ہو، قطیفہ (بڑی چادر) کا بندہ ہلاک ہو، وہ ہلاک و برباد ہو اور جب اسے کانٹا چبھے تو اس کا کانٹا نہ نکلے'' (3)۔ دینار اور درہم کی عبادت سے بڑھ کر کوئی کمینگی نہیں اور کوئی خواہش اس سے پست خواہش نہیں ہو سکتی جو نئے کپڑے کے ساتھ پوری ہو جاتی ہو۔

مسئلہ نمبر 3۔ جس طرح مرد کے لیے اس کی اولاد اور اس کی بیوی دشمن ہوتی ہے اسی طرح عورت کے لیے اس کا خاوند اور اس کی اولاد اس معنی میں بعینہ اس کی دشمن ہوا کرتی ہے۔ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ کے عموم میں مذکر اور مونث دونوں داخل ہیں کیونکہ یہ دونوں آیت کے عموم میں داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ فَاحْذَرُوْهُمْ اپنے بارے میں ان سے ہوشیار رہو۔ اپنی ذات کے بارے میں محتاط ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) دین میں ضرر کی وجہ سے۔ (۲) بدن میں ضرر کی وجہ سے۔ جسم کا ضرر دنیا سے متعلق ہے اور دین کا ضرر آخرت سے متعلق ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بندے کو اس سے خبردار کیا اور اس سے ڈرایا۔

مسئلہ نمبر 5۔ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ طبری نے عکرمہ سے روایت نقل کی ہے کہ کوئی آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کا ارادہ کرتا تو اس کے گھر والے اسے کہتے: تو کہاں جاتا ہے اور تو ہمیں کہاں چھوڑے جا رہا ہے(4)؟ جب وہ اسلام لے آیا اور اس نے دین میں سمجھ بوجھ حاصل کر لی تو اس نے کہا: میں ان کی

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1817
2۔ سنن نسائی، کتاب الجہاد، من اسلم وهاجر وجاهد، جلد 2، صفحہ 57
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1819
4۔ تفسیر طبری، جز 28، صفحہ 140

طرف ضرور جاؤں گا جو مجھے اس سے منع کرتے تھے اور میں یہ یہ کروں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ مجاہد نے اس آیت کے بارے میں کہا: انہوں نے دنیا میں ان سے کوئی دشمنی نہیں کی لیکن ان کی محبت نے انہیں اس امر پر برانگیختہ کیا کہ وہ ان کے لیے حرام مال حاصل کریں اور انہیں دے دیں۔ آیت ہر معصیت کو عام ہے۔ انسان اپنے دین اور مال کی وجہ سے ان کا ارتکاب کرتا ہے۔ سبب نزول کا خصوص، حکم کے عموم کے مانع نہیں۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

''بے شک تمہارے اموال اور تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہیں، اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اجر عظیم ہے''۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ فتنہ سے مراد آزمائش اور امتحان ہے جو تمہیں حرام چیز کے کمانے اور اللہ تعالیٰ کے حق کو روکنے پر برانگیختہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی معصیت کرتے ہوئے ان کی اطاعت نہ کرو۔ حدیث میں ہے یُؤتیٰ برجل یوم القیامة فیقال أَكَلَ عِیَالُهُ حسناته (1) قیامت کے روز ایک آدمی لایا جائے گا اسے کہا جائے گا: اس کے عیال اس کی نیکیاں کھا گئے ہیں۔ بعض سلف صالحین سے مروی ہے: عیال طاعات کے لیے گھن ہے۔ قتیبی نے کہا: فتنہ کا معنی ہے دلدادہ ہونا یہ جملہ بولا جاتا ہے: فتن الرجل بالمرأة مرد عورت کی محبت میں مبتلا ہوگیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فتنہ کا معنی امتحان ہے اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

لقد فتن الناس بدینهم ''لوگ اپنے دین میں امتحان میں پڑ گئے''۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: تم میں سے کوئی یہ نہ کہے: اے اللہ! مجھے فتنہ سے محفوظ رکھ کیونکہ تم میں سے کوئی بھی اپنے دین، مال اور اولاد کی طرف نہیں لوٹتا مگر وہ فتنہ پر مشتمل ہوتا ہے بلکہ وہ یہ کہے: اللّٰھُمّ إنِّی أعوذبك من مضلات الفتن، اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسے فتنوں سے جو گمراہ کرنے والے ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: مِنْ اَزْوَاجِكُمْ میں مِنْ تبعیض کے لیے ہے کیونکہ وہ سارے کے سارے اعداء نہیں (2)۔ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ میں مِنْ ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ دونوں چیزیں فتنہ اور دل کی مشغولیت سے خالی نہیں۔

امام ترمذی وغیرہ نے عبد اللہ بن بریدہ سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے دیکھا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آئے جبکہ ان پر سرخ قمیصیں تھیں۔ وہ چل رہے تھے اور لڑکھڑا رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیچے اترے، ان دونوں کو اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھالیا پھر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا: تمہارے اموال اور تمہاری اولاد آزمائش ہیں۔ میں نے ان دونوں بچوں کو چلتے ہوئے اور لڑکھڑاتے ہوئے دیکھا تو میں صبر نہ کر سکا یہاں تک کہ میں نے اپنی گفتگو کو قطع کیا اور ان دونوں کو اٹھالیا'' (3)۔ پھر آپ خطبہ میں شروع ہوگئے۔

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 550 2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 164

3۔ جامع ترمذی، کتاب المناقب، مناقب الحسن و الحسین رضی اللہ عنہما، جلد 2، صفحہ 218۔

ایضاً، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 935، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 3589، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ۝ اجر عظیم سے مراد جنت ہے۔ یہ غایت ہے مفسرین کے قول کے مطابق اس سے بڑھ کر کوئی اجر نہیں۔ صحیحین میں حدیث ہے۔ الفاظ بخاری کے ہیں (1)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جنتیوں سے فرمائے گا: اے جنتیو! وہ عرض کریں گے: لبیک و سعدیک اے ہمارے رب! اللہ تعالیٰ پوچھے گا: کیا تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے: ہم کیوں راضی نہ ہوں جبکہ تو نے ہمیں وہ کچھ عطا کیا ہے جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی عطا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا: کیا میں تمہیں اس سے افضل عطا نہ کروں؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! اس سے افضل کوئی چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میں تم پر اپنی رضا نازل کرتا ہوں، اس کے بعد میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا'' (2)۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رضا آرزوؤں کی غایت ہے۔ صوفیہ نے اس کی تحقیق میں یہ اشعار کہے ہیں:

امتحن الله به خلقه فالنار والجنة في قبضته
فهجره أعظم من نارهِ ووَصْلُهُ أَطْيَبُ من جَنَّتِه

اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اپنی مخلوق کا امتحان لیا آگ اور جنت اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اس کا فراق اس کی آگ سے بڑھ کر تکلیف دہ ہے اور اس کا وصل اس کی جنت سے اچھا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِیْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِیْمٌ۝

''پس ڈرتے رہو اللہ سے جتنی تمہاری استطاعت ہے اور اللہ کا فرمان سنو اور اسے مانو اور (اس کی راہ میں) خرچ کرو یہ بہتر ہے تمہارے لئے، اور جنہیں بچا لیا گیا ان کے نفس کے بخل سے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو تو وہ اسے کئی گنا کر دے گا تمہارے لئے اور بخش دے گا تمہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان (اور) بہت حلم والا ہے''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اہل تاویل کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ یہ آیت اس آیت اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (آل عمران: 102) کے لئے ناسخ ہے۔ ان میں قتادہ، ربیع بن انس، سدی اور ابن زید ہیں۔ طبری نے ذکر کیا ہے: مجھے یونس بن عبد الاعلیٰ نے اور انہیں ابن وہب نے انہیں ابن زید نے خبر دی کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (آل عمران: 102) کے ارشاد سے شدید امر آیا صحابہ نے کہا: اس کی قدر کون پہچان سکتا ہے یا کوئی اس تک پہنچ سکتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے پہچان لیا کہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار، جلد 2، صفحہ 969
2۔ احکام القرآن لابن العربی

یہ امران پر شدید ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ان پر منسوخ کر دیا اور اس آیت کے بدلے دوسری آیت لایا، وہ یہ آیت ہے فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ محکم ہے اس میں کوئی نسخ نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ منسوخ نہیں لیکن حَقَّ تُقٰتِهٖ کا معنی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے جہاد کرے جیسے جہاد کرنے کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ملامت کرنے والے کی ملامت انہیں گرفت میں نہیں لیتی، وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے انصاف کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں خواہ انصاف ان کے خلاف ہو ان کے آباء کے خلاف ہو اور ان کے بیٹوں کے خلاف ہو۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اگر یہ کہا جائے: جب یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا فرمان جو سورۂ تغابن میں ہے فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ کا کیا معنی ہے تو یہ کیسے جائز ہو گا کہ اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (آل عمران: 102) اور فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ جمع ہو جائیں جبکہ اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ایسا امر ہے جو بغیر کسی خصوص کے ثابت ہے اور ان میں کوئی شرط بھی نہیں اور فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ایسا امر ہے جو شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ تو اسے کہا جائے گا: اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ اس سے مختلف ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ کا معنی ہے اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تاڑ میں رہو ان چیزوں میں جو تمہارے لئے فتنہ بنا دی گئی ہیں وہ تمہارے مالوں میں سے ہو اور تمہاری اولاد سے ہو کہ کہیں وہ فتنہ تم پر غالب ہی نہ آ جائے اور اللہ تعالیٰ کے لئے جو تم پر واجب ہے اس سے تمہیں روک نہ دے جیسے کفر کے علاقہ سے اسلام کی سرزمین کی طرف ہجرت کی۔ جس قدر تم طاقت رکھتے ہو تو تم ہجرت کو ترک کر دو، معنی ہے تم ہجرت کی طاقت رکھتے ہو۔ یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کو معذور جانا ہے جو ہجرت کی طاقت نہ رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۝ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ (النساء: 99)

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ جو آدمی حیلہ نہیں رکھتا اور دار شرک میں رہنے کی وجہ سے کوئی راہ نہیں پاتا تو اسے معافی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ بھی ہجرت کے بارے میں ہے کہ دار شرک سے دار اسلام کی طرف ہجرت کرو تو تم اپنے اموال اور اولاد کے فتنہ کی وجہ سے ترک کرو؛ جو چیز اس کی صحت پر دال ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ جو يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ کے بعد آیا ہے۔

قرآن حکیم کی تاویل کرنے والے اہل علم اسلاف میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ آیت ایسے افراد کے بارے میں نازل ہوئیں جنہوں نے دار شرک سے دار اسلام کی طرف ہجرت کرنے میں تاخیر کی کیونکہ ان کی اولادوں نے انہیں روک لیا تھا جس طرح پہلے گزر چکا ہے؛ یہ سب طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ سے مراد ہے یہ نفلی عبادت اور صدقہ کے بارے میں ہے کیونکہ جب اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (آل عمران: 102) آیت نازل ہوئی تو یہ حکم قوم

پر بڑا سخت واقع ہوا انہوں نے قیام کیا یہاں تک کہ ان کی پنڈلیاں سوج گئیں، ان کی پیشانیاں زخمی ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں تخفیف کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ تو پہلی آیت منسوخ ہو گئی؛ یہ ابن جبیر نے کہا: ماوردی نے کہا: یہ احتمال موجود ہے اگر یہ قول ثابت نہ ہو کہ جس آدمی کو نافرمانی پر مجبور کیا جائے تو اس کا مواخذہ نہ ہو کیونکہ وہ تقویٰ کی استطاعت نہیں رکھتا تھا (1)۔

مسئلہ نمبر 3۔ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا جو تمہیں وعظ ونصیحت کی جاتی ہے اس کو سنو اور جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے اور جس سے تمہیں روکا جاتا ہے اس کی اطاعت کرو۔ مقاتل نے کہا: اللہ کی کتاب میں سے جو تم پر نازل کی جاتی ہے اسے غور سے سنو، سماع میں یہی اصل ہے اللہ تعالیٰ کا رسول جو تمہیں حکم دے اور جس سے تمہیں منع کرے اس کی اطاعت کرو۔ قتادہ نے کہا: ان دونوں امور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی گئی کہ امر و نہی کو سنا بھی جا سکتا اور طاعت بھی کی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسْمَعُوْا کا معنی ہے جو تم سنتے ہو اسے قبول کرو۔ اسے سماع سے تعبیر کیا ہے کیونکہ قبول کرنا سماع کا فائدہ ہے۔

میں کہتا ہوں: حجاج نے اس آیت کی تعبیر میں اپنی جانب سے معنی گھسیڑا جب اس نے اس آیت کی تلاوت کی اور اسے عبد الملک بن مروان پر منطبق کیا کہا: فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا یہ عبد الملک بن مروان جو امین اللہ اور اس کا خلیفہ ہے کے بارے میں ہے اس میں کوئی استثناء نہیں اللہ کی قسم! اگر میں کسی کو حکم دوں کہ وہ مسجد کے دروازے سے باہر نکلے تو وہ کسی اور جگہ سے نکلے تو اس کا خون میرے لئے حلال ہو جائے گا (☆)۔ اس نے آیت کی تاویل کرنے میں جھوٹ بولا کیوں نہیں یہ اولاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اولی الامر کے لئے ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء: 59)

مسئلہ نمبر 4۔ وَ اَنْفِقُوْا ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد زکوٰۃ ہے (2)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد نفلی صدقہ ہے۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد جہاد میں نفقہ ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انسان کا اپنی ذات کے لئے نفقہ ہے (3)۔ ابن عربی نے کہا: لِاَنْفُسِكُمْ کے الفاظ نے اس سے یہ قول کروایا ہے اور اس پر یہ امر مختص رہا کہ نفقہ میں فرض اور نفل سب اپنی ذات کے لئے ہی نفقہ ہوتا ہے (4) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۗ وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا (الاسراء: 7) انسان بھلائی میں سے جو بھی فعل کرتا ہے وہ اپنے لئے ہی کرتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حکم عام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: میرے پاس ایک دینار ہے۔ فرمایا: ''اسے اپنی ذات پر خرچ کر''۔ اس نے عرض کی: میرے پاس دوسرا ہے۔ فرمایا: ''اسے اپنے گھر والوں پر خرچ کر''۔ عرض کی: میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ فرمایا: ''اسے اپنی اولاد پر خرچ کر''۔ عرض کی میرے پاس ایک اور دینار

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 26
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1822
3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 166
4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1822
☆۔ سنن ابی داؤد، باب فی الخلفاء، حدیث نمبر 4025، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے۔ فرمایا: ''اسے صدقہ کر دے'' (☆)۔ پہلے ذات، اہل اور اولاد کا ذکر کیا اور صدقہ کو بعد میں رکھا، شرع میں یہی اصل ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ۔ خیرا سیبویہ کے نزدیک فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے اس پر اَنْفِقُوْا دلالت کرتا ہے گویا فرمایا: ایتوا فی الانفاق خیرا لانفسکم یا قدموا خیر الانفسکم۔ کسائی اور فراء کے نزدیک یہ مصدر محذوف کی صفت ہے تقدیر کلام یہ ہے انفقوا انفاقا خیرء الانفسکم ابوعبیدہ کے نزدیک یہ کان مضمرہ کی خبر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی یکن خیرا لکم جس نے خیر سے مراد مال لیا ہے تو یہ انفقوا کی وجہ سے منصوب ہے۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے اس طرح اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ کے بارے میں سورۂ بقرہ اور سورۂ حدید میں بحث گزر چکی ہے۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ شکر کے بارے میں بحث سورۃ البقرۃ میں گزر چکی ہے۔ حلیم اسے کہتے ہیں جو جلد بازی نہیں کرتا۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

''ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا ہے سب پر غالب بڑا دانا ہے''۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ جو غائب ہے اور جو حاضر ہے اس کو جاننے والا ہے الْعَزِيْزُ وہ غالب و قاہر ہے یہ صفات افعال میں سے ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ (الزمر) اس اللہ کی جانب سے جو قادر محکم ہے تمام اشیاء کا خالق ہے۔ خطابی نے کہا: بعض اوقات یہ لفظ نفاست قدر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس معنی میں کہا جاتا ہے۔ عزیعز اس تعبیر کی بنا پر عزیز کا معنی اسے بھی شامل ہوتا ہے کہ اس کے ہم پلہ کوئی چیز نہیں اور اس کی مثل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ الْحَكِيْمُ وہ اپنی مخلوق کی تدبیر میں حکیم ہے۔ ابن انباری نے کہا: حکیم سے مراد اشیا کو پیدا کرنے میں محکم ہے اسے فعیل کی طرف پھیرا گیا ہے، اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ (یونس) یہاں بھی اس کا معنی محکم ہے اسے فعیل کی طرف پھیرا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

☆ سنن ابی داؤد، باب فی صلۃ الرحم، حدیث نمبر 1441، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سورۃ الطلاق

آیاتہا ۱۲ ۶۵ سُوْرَۃُ الطَّلَاقِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۹ رکوعاتہا ۲

تمام کے قول میں یہ سورت مدنی ہے اس کی گیارہ یا بارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الله کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ①

''اے نبی (مکرم) (مسلمانوں سے فرماؤ) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو تو انہیں طلاق دو ان کی عدت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور شمار کرو عدت کو اور ڈرتے رہا کرو الله سے جو تمہارا پروردگار ہے، نہ نکالو انہیں ان کے گھروں سے اور نہ وہ خود نکلیں بجز اس کے کہ وہ ارتکاب کریں کسی کھلی بے حیائی کا، اور یہ الله کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں، اور جو تجاوز کرتا ہے الله کی حدوں سے تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، تجھے کیا خبر کہ الله تعالیٰ اس کے بعد کوئی اور صورت پیدا کر دے''۔

اس میں چودہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے جمع کے لفظ کے ساتھ خطاب تعظیم اور تفخیم کے لئے ہے۔ سنن ابن ماجہ میں سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو طلاق دی تو وہ اپنے اہل میں آ گئیں کہ الله تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا: اس سے رجوع کر لیں کیونکہ وہ بڑی عبادت گزار اور روزے رکھنے والی ہے جنت میں بھی یہ آپ کی بیویوں میں سے ہے (1)؛ ماوردی، قشیری اور ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے (2)۔ قشیری نے یہ زائد ذکر کیا ہے ان کے اپنے گھر والوں کی طرف جانے کے بارے میں الله تعالیٰ کا یہ فرمان: لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ نازل ہوا۔ کلبی نے کہا: اس آیت کے نزول کا سبب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت حفصہ پر ناراض ہونا تھا۔ جب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے راز داری کی بات کی تھی تو حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بات کی تو رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو طلاق دے

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، صفحہ 146 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 28

دی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

سدی نے کہا: یہ آیت حضرت عبداللہ بن عمر کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں ایک طلاق دی، رسول اللہ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ اس سے رجوع کرے پھر اسے روکے رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے پھر حائضہ ہو اور پھر پاک ہو جائے جب وہ اسے طلاق دینے کا ارادہ کرے تو جب وہ پاک ہو تو جماع سے پہلے اسے طلاق دے دے یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے عورتوں کو طلاق دی جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کچھ لوگوں نے اسی طرح کا عمل کیا جیسا عمل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کیا ان میں سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت عمرو بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اور عتبہ بن غزوان تھے(1) یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن عربی نے کہا: یہ سب اقوال اگرچہ صحیح نہیں تاہم پہلا قول زیادہ اچھا ہے۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ ایک نیا حکم شرعی بیان کرنے کے لئے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے مراد آپ کی امت ہے یہ کلام دو لفظوں حاضر اور غائب میں تبدیل ہونے والی ہے۔ یہ فصیح لغت ہے جس طرح فرمایا: **حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ** (یونس: 22) تقدیر کلام یہ ہے: یایھا النبی قل لھم اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن۔ یہ ان کا قول ہے کہ خطاب تو صرف آپ ﷺ کو ہے اور معنی آپ کو اور مومنین سب کو شامل ہے جب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو خطاب کیا تو اس قول کے ساتھ ملاطفت فرمائی **یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ** جب خطاب لفظ اور معنی دونوں کے اعتبار سے آپ ﷺ کو تھا تو فرمایا: **یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ** (المائدہ: 41) میں کہتا ہوں: اس قول کی صحت پر حضرت اسماء بنت یزید بن سکن انصاریہ کے بارے میں عدت کا حکم بھی دلالت کرتا ہے۔ اس کے متعلق ابوداؤد کی کتاب میں ہے(2) کہ انہیں نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں طلاق دی گئی جبکہ مطلقہ کے لئے کوئی عدت نہ تھی جب حضرت اسماء کو طلاق دی گئی تو اللہ تعالیٰ نے طلاق کی عدت کا حکم نازل فرمایا۔ یہ وہ پہلی عورت ہیں جن کے بارے میں طلاق کی عدت کا حکم نازل ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی عظمت شان کی خاطر ندا کی گئی پھر نئے سرے سے کلام کی گئی۔ فرمایا: **اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ** جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ** (المائدہ: 90) مومنین کا ذکر تکریم کے لئے ہے۔ پھر نئے سرے سے کلام کو شروع کیا: **اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ** (المائدہ: 90)

مسئلہ نمبر 2۔ ثعلبی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان من أبغض الحلال إلی اللہ الطلاق۔(3) اللہ تعالیٰ کے ہاں حلال چیز میں سب سے مبغوض طلاق ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں: تزوجوا ولا تطلقوا فان الطلاق یھتز منہ العرش تم شادیاں کرو، طلاق نہ دو کیونکہ طلاق سے عرش لرز جاتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1823　　2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، جلد 1، صفحہ 311

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، حدیث نمبر 2007، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عورتوں کو طلاق نہ دو مگر تہمت کی وجہ سے بے شک اللہ تعالیٰ مزا چکھنے کے لئے نکاح کرنے والے مردوں اور عورتوں کو پسند نہیں فرماتا''۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''طلاق کی قسم یا اس کا مطالبہ منافق ہی کرتا ہے'' (1)۔ ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام کی اسناد اپنی کتاب میں ذکر کر دی ہیں۔ دارقطنی نے روایت کی ہے ابو عباس، محمد بن موسیٰ بن علی دولابی اور یعقوب بن ابراہیم دونوں حسن بن عرفہ سے وہ اسماعیل بن عیاش سے وہ حمید بن مالک لخمی سے وہ مکحول سے وہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: ''اے معاذ! اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر غلام آزاد کرنے سے بہتر کوئی چیز پیدا نہیں کی اور روئے زمین پر طلاق سے بڑھ کر کوئی ناپسندیدہ چیز پیدا نہیں کی۔ جب کوئی آقا اپنے مملوک کو کہے: أنت حر إن شاء اللہ وہ آزاد ہوگا کوئی استثنا نہ ہوگی جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو کہے انت طالق ان شاء اللہ تو استثناء درست ہوگی اور اسے کوئی طلاق نہ ہوگی''۔

محمد بن موسیٰ بن علی، حمید بن ربیع سے وہ یزید بن ہارون سے وہ اسماعیل بن عیاش سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں (2)۔ عثمان بن احمد دقاق، اسحاق بن ابراہیم بن سنین سے وہ عمر بن ابراہیم بن خالد سے وہ حمید بن مالک لخمی سے وہ مکحول سے وہ مالک بن مخامر سے وہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو حلال نہیں فرمایا جو طلاق سے بڑھ کر اس کی بارگاہ میں مبغوض ہو جس نے طلاق دی اور استثنا کی تو استثنا کا اعتبار ہوگا''۔ ابن منذر نے کہا: طلاق اور آزادی میں استثنا ذکر کرنے کی صورت میں علماء نے اختلاف کیا ہے ایک طائفہ نے کہا: یہ جائز ہے۔ ہم نے یہ قول طاؤس سے روایت کیا ہے۔ حماد کوفی، امام شافعی، ابو ثور اور اصحاب رائے نے یہی کہا ہے۔ امام مالک اور اوزاعی کے قول میں طلاق میں استثناء جائز نہیں؛ طلاق میں یہ قتادہ کا قول ہے۔ ابن منذر نے کہا: پہلا قول میں کرتا ہوں۔

مسئلہ نمبر 3۔ دارقطنی نے عبدالرزاق کی حدیث نقل کی ہے میرے چچا وہب بن نافع عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس سے روایت نقل کرتے ہیں کہ طلاق کی چار صورتیں ہیں دو صورتیں حلال ہیں اور دو صورتیں حرام ہیں (3)۔ جہاں تک حلال کا تعلق ہے کہ خاوند بیوی کو طلاق دے ایسے طہر میں جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو اور اسے طلاق دے جبکہ وہ حاملہ ہو اور اس کا حمل ظاہر ہو۔ جہاں تک حرام کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ وہ اسے طلاق دے جبکہ وہ حائضہ ہو یا جماع کرنے کے بعد اسے طلاق دے عورت کو یہ علم نہ ہو کہ اس کا رحم بچے پر مشتمل ہے یا نہیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ کتاب ابی داؤد میں حضرت اسماء بنت یزید بن سکن انصاریہ سے روایت مروی ہے کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں طلاق دی گئی جبکہ اس وقت مطلقہ کے لیے کوئی عدت لازم نہ تھی جب حضرت اسماء کو طلاق دی گئی تو اللہ تعالیٰ نے طلاق کی عدت کا حکم نازل کیا۔ یہ وہ پہلی عورت تھیں جن کے بارے میں طلاق کی عدت کا حکم نازل ہوا (4)۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔

1۔ سنن دارقطنی، باب الطلاق والعتاق، جلد 4، صفحہ 35　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، فی عدۃ المطلقہ، جلد 1، صفحہ 311

مسئلہ نمبر 5۔ لِعِدَّتِهِنَّ یہ ارشاد اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ وہ عورتیں ہیں جن کے ساتھ خاوندوں نے حقوق زوجیت ادا کیے کیونکہ غیر مدخول بہا عورتیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ اس امر سے خارج ہیں: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا (الاحزاب: 49)

مسئلہ نمبر 6۔ جس نے ایسے طہر میں طلاق دی جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو اس کی طلاق نافذ ہو جائے گی اور اس نے سنت کو پالیا۔ اگر اس نے حائضہ عورت کو طلاق دی اس کی طلاق نافذ ہو جائے گی اور اس نے سنت کی خلاف ورزی کی۔ سعید بن مسیب نے کہا: حیض کی حالت میں طلاق واقع نہ ہو گی کیونکہ یہ طلاق سنت کے خلاف ہے۔ شیعہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ صحیحین میں ہے جبکہ الفاظ دار قطنی کے ہیں (1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا: میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی جبکہ وہ حالت حیض میں تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے۔ فرمایا: ''پس وہ رجوع کرے پھر اسے اپنے پاس روکے رکھے یہاں تک کہ اسے نیا حیض آئے۔ یہ حیض اس حیض کے علاوہ ہو جس میں اس نے پہلے طلاق دی تھی۔ اگر مناسب سمجھے کہ اسے طلاق دے تو حیض سے پاک ہوتے ہی اسے طلاق دے دے جبکہ ابھی اس سے جماع نہ کیا ہو۔ یہی وہ طلاق ہے جس میں عدت کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا''۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے اسے ایک طلاق دی تھی۔ اس نے اسے طلاق شمار کیا اور حضرت عبداللہ نے اس سے رجوع کیا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ ایک ہے''۔ یہ نص ہے اور شیعہ کے قول کو رد کرتی ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ طلاق سنت یہ ہے (2) کہ وہ طہر میں ایک طلاق دے جب اس کا آخر ہو تو یہی وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ دار قطنی نے اعمش سے وہ ابو اسحاق سے وہ ابو احوص سے وہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمارے علماء نے کہا: طلاق سنت وہ ہے جو سات شرطوں کو جامع ہو (3)۔

(۱) وہ ایک طلاق دے، ایسی عورت ہو جس کو حیض آیا ہو، وہ حالت طہر میں ہو، اس طہر میں خاوند نے اس سے حقوق زوجیت ادا نہ کیے ہوں، اس سے پہلے حیض میں طلاق نہ دی گئی ہو، نہ اس کے پیچھے ایسے طہر میں طلاق دی گئی ہو جو اس حیض کے بعد آئے۔ وہ حیض سے خالی ہو۔ یہ سات شرطیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ثابت ہیں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ امام شافعی نے کہا: طلاق سنت یہ ہے کہ ہر طہر میں طلاق دے۔ اگر اس نے ایک طہر میں تین طلاقیں دیں تو وہ بدعت نہ ہوں گی۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: طلاق سنت یہ ہے کہ ہر طہر میں ایک طلاق دے۔ امام شعبی نے کہا: اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ایسے طہر میں طلاق دے جس میں اس نے اس بیوی سے جماع کیا ہوا ہو۔ ہمارے علماء نے کہا: وہ اپنی بیوی کو ایسے طہر میں ایک طلاق دے جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو اور نہ ہی عدت میں بعد میں طلاق ہو اور طہر اس حیض کے بعد نہ ہو جس

1۔ سنن دار قطنی، باب الطلاق، جلد 4، صفحہ 6
2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 5
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1825

خاوند نے بیوی کو طلاق دی ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (1): ''اسے حکم دو کہ وہ اس سے رجوع کرے پھر اسے روکے رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے۔ پھر اسے حیض آئے پھر اس کا طہر شروع ہو۔ پھر چاہے تو اسے روکے رکھے اور چاہے تو اسے طلاق دے۔ یہی وہ عدت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے عورتوں کو طلاق دی جائے''۔ امام شافعی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ کے ظاہر سے استدلال کیا ہے۔ یہ ہر طلاق میں عام ہے۔ وہ ایک ہو، دو ہوں یا زیادہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں زمانہ کی رعایت کی ہے اور عدد کا اعتبار نہیں کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں اسی طرح ہے اس میں وقت کی تعلیم دی، عدد کا ذکر نہیں کیا۔ ابن عربی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے غفلت ہے۔ فرمایا: اسے حکم دو کہ وہ اس سے رجوع کرلے۔ یہ تین طلاقوں کے وقوع کا انکار کرتا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے: عرض کی: بتایئے اگر وہ اسے تین طلاقیں دے دے؟ فرمایا: ''وہ تجھ پر حرام ہو جائے گی اور تجھ سے معصیت کے ساتھ جدا ہو جائے گی''۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: آیت کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ تین طلاقیں اور ایک طلاق برابر ہیں۔ یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ اگر اس کے بعد یہ ارشاد نہ ہوتا: لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا یہ تین طلاقوں کے اس آیت کے ضمن میں داخل ہونے کے مانع ہے، اکثر علماء نے یہی کہا ہے۔ جہاں تک امام مالک کا تعلق ہے آپ پر آیت کا مطلق ہونا مخفی نہیں جس طرح علماء نے کہا لیکن حدیث نے اس کی تفسیر بیان کی جس طرح ہم نے کہا۔ جہاں تک امام شعبی کے قول کا تعلق ہے آپ ایسے طہر میں طلاق کو جائز قرار دیتے ہیں جس میں اس نے جماع کیا ہو۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اپنی نص اور معنی کے ساتھ اس کا رد کرتی ہے جہاں تک نص کا تعلق ہے ہم اس کا پہلے ذکر کر چکے ہیں جہاں تک معنی کا تعلق ہے کیونکہ جب یہ حیض کی حالت میں طلاق کے مانع ہے کیونکہ اس حیض کو عدت میں شمار نہیں کیا جاتا تو وہ طہر جس میں جماع کیا گیا ہو وہ طلاق کے بدرجہ اولیٰ مانع ہوگا کیونکہ اس کو شمار کرنے کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رحم کے مشغول ہونے کا خوف ہوتا ہے اس طرح وہ حیض جو اس کے بعد آتا ہے۔

میں کہتا ہوں: امام شافعی نے تین طلاقوں کو ایک ہی کلمہ سے واقع کرنے کا جو استدلال کیا ہے وہ اس حدیث سے ہے جسے امام دارقطنی نے سلمہ بن ابی سلمہ بن عبد الرحمان سے اور وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں (2) کہ حضرت عبد الرحمان بن عوف نے اپنی بیوی کو طلاق دی جس کا نام تماضر بنت اصبغ کلبیہ تھا۔ یہی ام ابی سلمہ تھی۔ آپ نے ایک کلمہ کے ساتھ اسے تین طلاقیں دیں ہمیں ایسی خبر نہیں پہنچی جس میں یہ تذکرہ ہو کہ صحابہ نے ان پر عیب لگایا ہو۔ سلمہ بن ابی سلمہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت حفص بن مغیرہ نے اپنی بیوی حضرت فاطمہ بنت قیس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حضرت حفص سے جدا کر دیا۔ ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عیب لگایا ہو۔ اور حضرت عویمر عجلانی کی حدیث سے استدلال کیا جب انہوں نے اپنی بیوی سے لعان کیا۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اسے تین طلاقیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔ ہمارے علماء نے اس

1۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 790

2۔ سنن دارقطنی، باب الطلاق، جلد 4، صفحہ 12

سے الگ رائے قائم کی ہے اور بہت اچھے انداز میں رائے قائم کی ہے، اس کی وضاحت کسی اور جگہ ہے۔ ہم نے اس کا ذکر المقتبس من شرح مؤطا مالك بن انس میں کیا ہے۔ سعید بن مسیب اور تابعین کی ایک جماعت کا نقطہ نظر ہے جس نے طلاق میں سنت کی خلاف ورزی کی اور اسے حیض میں واقع کیا یا تین طلاقیں اکٹھی دیں تو وہ واقع (1) نہ ہوں گی اور انہوں نے اسے اس آدمی کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کو طلاق سنت کا وکیل بنایا گیا اور اس نے مخالفت کی۔

مسئلہ نمبر 8۔ جرجانی نے کہا: لِعِدَّتِهِنَّ میں لام، فی کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ (الحشر: 2) لِاَوَّلِ الْحَشْرِ یعنی فی اول الحشر ہے۔ لِعِدَّتِهِنَّ کا قول فی عدتهن کے معنی میں ہے۔ یعنی ایسے زمانہ میں جوان کی عدت کے شمار کرنے کے مناسب ہو۔ اس پر اجماع ہے کہ حیض میں طلاق ممنوع ہے اور طہر میں اس کی اجازت ہے اس میں یہ دلیل ہے کہ قرء سے مراد طہر ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے: فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ کا معنی ہے فی قبل عدتهن یا لقبل عدتهن یعنی اس کے ابتدائی حصہ میں اور یہ حالت طہر میں ہوگا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت ہے جس طرح صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے: قبل العدة سے مراد طہر کا آخری حصہ ہے یہاں تک کہ قرء سے مراد حیض ہوگا۔ اسے کہا جائے گا: امام مالک کی یہ واضح دلیل ہے اور جس نے بھی آپ جیسا قول کیا کہ اقراء سے مراد طہر ہیں۔ اگر مراد وہ ہوتی جو ائمہ احناف کہتے ہیں اور جو ان کی پیروی کرتے ہیں تو ضروری تھا کہ یہ قول کہا جاتا: جس نے طہر کے شروع میں طلاق دی تو اس عورت کو حیض سے پہلے طلاق نہ ہوگی کیونکہ ابھی حیض کا آغاز ہونے والا نہیں نیز حیض کا آنا حیض کے داخل ہونے کے ساتھ ہوتا ہے اور طہر کے ختم ہونے کے ساتھ حیض کا آنا متحقق نہیں ہوتا۔ اگر کسی شی کا آنا اس کی ضد کے ادبار کے ساتھ ہو تو روزے دار سورج کے غروب ہونے سے پہلے افطار کرنے والا ہو کیونکہ رات دن کے پلٹنے کے ساتھ آنے والی ہوتی ہے ابھی دن ختم نہیں ہوتا پھر جب اس نے طہر کے آخر میں طلاق دی تو باقی ماندہ طہر قرء ہوگا۔ بعض طہر کو بھی قرء کہتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ (البقرہ: 197) وہ شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کا کچھ حصہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ (البقرۃ: 203) وہ دوسرے دن کے بعض میں کوچ کر آتا ہے۔ یہ بحث سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ یہاں مراد مدخول بہا ہے (2) کیونکہ جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کیے گئے ہوں اس پر عدت لازم نہیں ہوتی۔ اگر اس نے تین طلاقوں سے کم طلاقیں دی ہیں تو عدت کے ختم ہونے سے قبل رجوع کر سکتا ہے بعد میں وہ ایک دعوت نکاح دینے والے کی طرح ہوگا۔ اگر تین طلاقیں دی گئی ہوں تو کسی اور خاوند کے بعد ہی وہ عورت اس سابقہ خاوند پر حلال ہوگی۔

مسئلہ نمبر 10۔ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ اس کا معنی ہے اسے یاد رکھو (3) یعنی اس وقت کو یاد رکھ جس میں طلاق واقع ہوئی

1۔ یہ قول قابل توجہ نہیں کیونکہ جب صریح احادیث سے ثابت ہے کہ تین طلاقیں دی گئی تو انہیں تسلیم کیا گیا جس طرح اسی بحث میں روایات گزر چکی ہیں تو اس اجتہاد کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 29

3۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1826

یہاں تک کہ جب یہ جدا ہو جائے اس شرط کی وجہ سے جس کو ذکر کیا گیا وہ تین قرء ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (البقرۃ: 228) اب وہ ان مردوں کے لیے حلال ہے جو اس سے نکاح کرنا چاہیں۔ یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ عدت تین طہر ہیں، حیض عدت نہیں اس کی تاکید اور تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کرتی ہے: لقبل عدتهن کسی شی کا قبل لغت اور حقیقت کے اعتبار سے اس کا جز ہوتا ہے۔ استقبالہ کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ یہ اس چیز کا غیر ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ احصاء کے امر کا مخاطب کون ہے (1)؟ اس میں تین قول ہیں۔ ۱۔ وہ خاوند ہیں۔ ۲۔ بیویاں ہیں۔ ۳۔ مسلمان ہیں۔ ابن عربی نے کہا: صحیح یہ ہے کہ اس لفظ کے مخاطب ازواج ہیں کیونکہ طَلَّقْتُمُ، اَحْصُوا اور لَا تُخْرِجُوْهُنَّ کی ضمیریں ایک ہی نظم میں ہیں۔ ازواج کی طرف لوٹ رہی ہیں لیکن بیویاں خاوند کے ساتھ لاحق ہو کر اس میں داخل ہیں کیونکہ خاوند ہی شمار کرتا ہے تا کہ وہ رجوع کرے، اس کو نان ونفقہ دے یا اسے ختم کرے، وہ اسے رہائش دے یا گھر سے نکالے، اس کے نسب کو لاحق کرے یا اسے قطع کرے۔ یہ تمام امور اس کے اور بیوی کے درمیان مشترک ہیں ان کے علاوہ میں عورت مرد سے منفرد ہے اسی طرح حاکم بھی عدت کو شمار کرنے کا محتاج ہوتا ہے تا کہ وہ فتویٰ دے اور اس میں جھگڑا واقع ہو تو وہ فیصلہ کرے یہ اس احصاء کے فوائد ہیں جس کا حکم دیا گیا۔

مسئلہ نمبر 12۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ اللہ جو تمہارا رب ہے اس سے ڈرو اس کی نافرمانی نہ کرو۔ خاوند کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب تک عورت عدت میں ہو تو اسے اس گھر سے نکالے جس گھر میں وہ حالت نکاح میں رہ رہی تھی۔ وہ خاوند کے حق کی وجہ سے بھی نہیں نکلے گی ہاں ظاہر ضرورت کی بنا پر وہ نکل سکتی ہے۔ اگر وہ اس گھر سے نکلے گی تو وہ گناہگار ہوگی اور عدت ختم نہ ہوگی۔ اس مسئلہ میں وہ عورت جسے طلاق رجعی دی گئی تھی یا جسے طلاق بائنہ دی گئی تھی، برابر ہیں۔ یہ حکم اس لیے دیا جا رہا ہے تا کہ مرد کے پانی کی حفاظت ہو سکے۔ اسی وجہ سے بیوت کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (الاحزاب: 34) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ (الاحزاب: 33) یہ رہائش رکھنے کی اضافت ہے، تملیک کی اضافت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: لَا تُخْرِجُوْهُنَّ تقاضا کرتا ہے کہ یہ خاوندوں پر لازم ہے اور وَلَا يَخْرُجْنَ یہ بیویوں پر لازم ہے۔ حدیث صحیح میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میری خالہ کو طلاق ہوگئی اس نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی کھجوروں کو کاٹے (2)۔ ایک آدمی نے اسے باہر نکلنے پر جھڑکا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیوں نہیں تو اپنے کھجور کے درخت کاٹ! ممکن ہے تو کوئی صدقہ کرے یا کوئی نیکی کا عمل کرے''۔ اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ اس حدیث میں امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور لیث کے اقوال کی دلیل ہے کہ معتدہ عورت دن کے وقت اپنے کام کاج کے لیے باہر نکل سکتی ہے۔ رات کے وقت اسے باہر نکلنے کی اجازت نہیں۔ امام مالک کے نزدیک خواہ اسے طلاق رجعی دی گئی ہو یا طلاق بائنہ

1۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1826

2۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، جلد 1، صفحہ 486

دی گئی ہو۔ امام شافعی نے اس عورت کے بارے میں کہا: جسے طلاق رجعی دی گئی تھی وہ نہ دن کے وقت نکلے اور نہ رات کے وقت نکلے جسے طلاق بائنہ دی گئی ہو وہ دن کے وقت نکل سکتی ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: یہ حکم اس عورت کے لیے ہے جس کا خاوند فوت ہو چکا ہو جہاں تک مطلقہ کا تعلق ہے وہ نہ رات کو اور نہ ہی دن کو نکل سکتی ہے جبکہ حدیث ان کا رد کرتی ہے۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت ابوعمرو بن حفص، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یمن کی طرف نکلے (1)۔ انہوں نے اپنی بیوی حضرت فاطمہ بنت قیس کو طلاق بھیج دی جو باقی تھی اس کے لیے حضرت حارث بن ہشام اور حضرت عباس بن ربیعہ کو اس کے نفقہ کے بارے میں حکم دیا۔ دونوں نے اس سے کہا: اللہ کی قسم! تیرے لیے کوئی نفقہ نہیں مگر اس صورت میں کہ تو حاملہ ہو۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان کا قول ذکر کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تیرے لیے کوئی نفقہ نہیں“۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہاں سے منتقل ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اسے اجازت دے دی۔ عرض کی: یارسول اللہ کہاں؟ فرمایا: ”ابن ام مکتوم کے ہاں“۔ وہ نابینا تھے۔ وہ اپنے کپڑے وہاں اتار لیتی اور وہ اسے دیکھ نہ پاتے۔ جب اس کی عدت گزر گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نکاح حضرت اسامہ بن زید سے کر دیا۔ مروان نے قبیصہ بن زویب کو حضرت فاطمہ کی طرف بھیجا کہ اس سے حدیث پوچھے تو حضرت فاطمہ نے اسے حدیث بیان کی۔ مروان نے کہا: ہم نے یہ حدیث صرف ایک عورت سے سنی ہے۔ ہم اسی میں احتیاط وحفاظت پاتے ہیں جس پر ہم نے لوگوں کو پایا ہے۔ جب مروان کا قول حضرت فاطمہ کو پہنچا تو اس نے کہا: میرے اور تمہارے درمیان قرآن حکم ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ کہا: یہ حکم اس عورت کے بارے میں ہے جس کے بارے میں خاوند کو رجوع کا حق ہو۔ تین طلاقوں کے بعد کیا امر وقوع پذیر ہوگا؟ تم کیسے کہتے ہو: اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں؟ جب وہ حاملہ نہ ہو تو پھر تم اسے کیوں گھروں میں محبوس رکھتے ہو؟ الفاظ مسلم شریف کے ہیں۔ اس سے واضح ہو گیا کہ آیت گھر سے نکالنے اور گھر سے نکلنے کی حرمت صرف طلاق رجعی کی صورت میں ہے۔ اسی طرح حضرت فاطمہ نے استدلال کیا ہے کہ وہ آیت جو اس کے بعد ہے وہ مطلقہ رجعیہ کی نہی کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے کیونکہ امکان ہے کہ جس نے طلاق دی ہے عدت کے اندر وہ رجوع کے بارے میں رائے بنائے گویا وہ ہر وقت اپنے خاوند کے زیر تصرف ہے جہاں تک اس عورت کا تعلق ہے جس کو طلاق بائنہ دی گئی ہو تو اس کے لیے کوئی امکان موجود نہیں جب اسے کوئی مجبوری ہو کہ وہ اپنے گھر سے باہر نکلے یا اسے اسی گھر میں بے پردگی کا خوف لاحق ہو جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دی۔

مسلم شریف میں ہے حضرت فاطمہ نے عرض کی: یارسول اللہ! میرے خاوند نے مجھے تین طلاقیں دی ہیں (2)، مجھے خوف ہے کہ وہ بغیر اجازت مجھ پر داخل ہو جائے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا تو حضرت فاطمہ وہاں سے منتقل ہو گئیں۔ بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ ایک الگ تھلگ مکان میں تھیں تو اس کے ایک طرف ہونے کی وجہ سے ان کے بارے میں خوف لاحق تھا اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رخصت دی (3)۔ یہ تمام

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، جلد 1، صفحہ 484
2۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 485
3۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب قصۃ فاطمۃ بنت قیس، جلد 2، صفحہ 802

روایات احناف کے قول کا رد کرتی ہیں۔ حضرت فاطمہ کی حدیث میں ہے: ان کے خاوند نے انہیں ایک طلاق بھیج دی جوان کی طلاق باقی ماندہ تھی۔ یہ امام مالک کے حق میں دلیل ہے اور امام شافعی کے خلاف دلیل ہے۔ یہ سلمہ بن ابی سلمہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے جو انہوں نے اپنے باپ سے نقل کی ہے کہ حضرت حفص بن مغیرہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی لفظ میں تین طلاقیں دیں جس طرح پہلے گزر چکا ہے (1)۔

مسئلہ نمبر 13۔ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، حضرت شعبی اور مجاہد نے کہا: بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ سے مراد بدکاری ہے۔ اسے گھر سے نکالا جائے گا اور اس پر حد جاری کی جائے گی۔ حضرت ابن عباس اور امام شافعی سے مروی ہے: اس سے مراد سسرالی رشتہ داروں پر بدزبانی کرنا ہے۔ پس ان کے لیے حلال ہے کہ اسے گھر سے نکال دیا جائے۔ سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت فاطمہ کے بارے میں کہا: وہ ایک ایسی عورت تھی جو اپنے سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ بدکلامی کیا کرتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ گھر سے منتقل ہو جائے۔ ابو داؤد کی کتاب میں ہے سعید نے کہا: وہ ایسی عورت تھی جس نے لوگوں کو فتنہ میں ڈال دیا وہ بڑی باتونی تھی (2)۔ اسے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کے ہاں رکھا گیا جو نابینا تھے۔ عکرمہ نے کہا: حضرت ابی کے مصحف میں ہے الا أن یفحشن علیکم اس کی تائید یہ روایت کرتی ہے کہ محمد بن ابراہیم بن حارث نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ بنت قیس سے فرمایا: اللہ سے ڈر تو خوب جانتی ہے کہ تجھے کیوں گھر سے نکالا گیا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے: فاحشہ سے مراد ہر معصیت ہے جس طرح بدکاری، چوری اور گھر والوں کے ساتھ بدکلامی؛ یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عمر اور سلامی سے مروی ہے: فاحشہ سے مراد عورت کا گھر سے نکلنا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی الا أن یاتین بفاحشة مبینة بخروجهن من بیوتهن بغیر حق یعنی اگر وہ نکلے گی تو وہ نافرمانی کرے گی۔ قتادہ نے کہا: فاحشہ سے مراد نشوز و نافرمانی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے نشوز کی وجہ سے خاوند اسے طلاق دے تو وہ اپنے گھر سے نکل جائے۔ ابن عربی نے کہا: جس نے کہا: خروج زنا کی وجہ سے ہے تو اس کی کوئی وجہ و دلیل نہیں کیونکہ اس خروج و نکلنے سے مراد قتل اور اس کو معدوم کرنا ہوتا ہے (3)۔ یہ حلال و حرام میں مستثنیٰ نہیں۔ جس نے کہا: اس سے مراد بدکلامی ہے تو اس کی وضاحت حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث میں آچکی ہے۔ جس نے کہا: اس سے مراد معصیت ہے تو یہ وہم ہے کیونکہ غائب ہونا اور اس جیسی معصیت نہ نکالنے کو مباح کرتی ہے اور نہ ہی نکلنے کو مباح کرتی ہے۔ جس نے کہا: مراد بغیر حق کے نکلنا ہے تو یہ صحیح ہے، تقدیر کلام یہ ہے لا تخرجوهن من بیوتهن ولا یخرجن شرعا الا أن یخرجن تعدیا۔

مسئلہ نمبر 14۔ وَ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ یہ احکام جن کو واضح کیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر احکام ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سے تجاوز سے منع کیا ہے۔ جس نے تجاوز کیا اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اپنے آپ کو ہلاکت کے گھاٹ پر وارد کیا۔

1۔ سنن دار قطنی، کتاب الطلاق، جلد 4، صفحہ 12
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، جلد 1، صفحہ 313
3۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1836

لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۝ یعنی وہ امر جو اللہ تعالیٰ پیدا فرما دے گا۔ اس سے مراد ہے اس کے دل میں بغض کی بجائے محبت، اعراض کی بجائے رغبت اور طلاق کے پختہ عزم کی بجائے شرمندگی پیدا فرما دے گا تو وہ اس سے رجوع کرے گا۔ تمام مفسرین نے کہا: یہاں امر سے مراد رجوع میں رغبت پیدا کرنا ہے۔ پہلے یہ قول گزر چکا ہے۔ ایک طلاق پر برانگیختہ کا اور تین طلاقوں سے نہی کرنا مقصود ہے کیونکہ جب وہ تین طلاقیں دے چکے گا تو فراق پر شرمندگی کے وقت اور رجوع میں رغبت کے وقت اپنے آپ کو نقصان پہنچائے گا اور رجوع کی کوئی صورت نہیں پائے گا۔ مقاتل نے کہا: بَعْدَ ذٰلِكَ یعنی ایک طلاق اور دو طلاقوں کے بعد۔ امر یعنی رجوع کرنا اس قول میں کوئی اختلاف نہیں۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَ اَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ۬ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاۙ۝ وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا۝۳

''تو جب وہ پہنچنے لگیں اپنی معیاد کو تو روک لو انہیں بھلائی کے ساتھ یا جدا کر دو انہیں بھلائی کے ساتھ اور گواہ مقرر کر لو دو معتبر آدمی اپنے میں سے اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے دو، ان باتوں سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو ایمان رکھتا ہو اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر اور جو خوش بخت ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے، بنا دیتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کا راستہ اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو (خوش نصیب) اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کے لیے وہ کافی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے، مقرر کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ''۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ جب وہ عدت کے ختم ہونے کے قریب پہنچ جائیں (1) جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ (البقرۃ: 231) یعنی عدت کے ختم ہونے کے قریب پہنچ جائیں۔ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ، معروف طریقہ سے مراجعت ہے۔ مقصد تکلیف دینے کے لیے رجوع کرنا نہ ہو کہ عدت کو طویل کیا جائے بلکہ مقصود دلچسپی ہو جس طرح سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ انہیں چھوڑ دو یہاں تک کہ ان کی عدت ختم ہو جائے تو وہ اپنی ذاتوں کے مالک بن جائیں۔ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ میں ایسی دلیل موجود ہے جو اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ عدت کے ختم ہونے میں قول عورت کا معتبر ہوگا جب وہ اس کا دعویٰ کرے جیسا کہ ہم نے سورۂ بقرہ میں آیت 228، وَ لَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْۤ اَرْحَامِهِنَّ کے ضمن میں بیان کر دیا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 30

وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ میں چھ مسائل ہیں:

طلاق پر گواہ بنانا

مسئلہ نمبر 1۔ وَّ اَشْهِدُوْا طلاق پر گواہ بنانے کے بارے میں امر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رجوع میں گواہ بنانے کا حکم ہے (1)۔ ظاہر یہی ہے کہ یہاں رجوع سے مراد رجعت کی طرف رجوع ہے، طلاق کی طرف رجوع نہیں۔ اگر اس نے گواہ بنائے بغیر رجوع کیا تو رجعت کے صحیح ہونے میں فقہاء کے دو قول ہیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رجعت اور جدائی دونوں پر گواہ بنانے کا حکم ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک گواہ بنانا مستحب ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ (البقرۃ:282)

امام شافعی کے نزدیک رجعت میں واجب ہے اور فرقت میں مستحب ہے۔ گواہ بنانے کا فائدہ یہ ہے کہ دونوں میں باہم انکار کی صورتحال پیدا نہ ہو اور طلاق کے بعد اپنے پاس رکھنے کی وجہ سے تہمت نہ لگائی جائے اور ایک کے فوت ہو جانے کے بعد دوسرا اس بات کا دعویٰ نہ کرے کہ وہ میت کا وارث ہے کیونکہ عقد نکاح باقی ہے۔

رجوع کے طریقے

مسئلہ نمبر 2۔ اکثر علماء کے نزدیک رجعت پر گواہ بنانا مستحب ہے جب وہ جماع کرے، بوسہ لے یا مباشرت کرے تو اس سے رجعت مراد ہوگی۔ وہ رجعت کا زبانی اظہار کرے اور رجعت کا ارادہ بھی رکھتا ہو تو امام مالک کے نزدیک رجوع کرنے والا ہوگا۔ اگر وہ اس صورت میں رجوع کا ارادہ نہ کرے تو رجوع کرنے والا نہیں ہوگا۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے فرمایا: جب اس نے شہوت کے ساتھ بوسہ لیا، مباشرت کی یا چھوا تو یہ رجعت ہوگی۔ علماء نے کہا: فرج کو دیکھنا یہ بھی رجعت ہے۔ امام شافعی اور ابوثور نے کہا: جب اس نے زبانی رجوع کیا تو یہ رجعت ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا وطی کرنا ہر حال میں رجوع ہے۔ اس نے رجعت کی نیت کی یا نہ کی۔ امام مالک کے ایک طائفہ سے بھی یہی مروی ہے۔ امام لیث بھی اسی طرف گئے ہیں۔ امام مالک کہا کرتے تھے: جب اس نے وطی کی اور رجعت کی نیت نہ کی تو یہ وطی فاسد ہوگی، دوبارہ اس وقت تک وطی نہ کرے جب تک ماء فاسد سے رحم پاک نہ ہو جائے۔ پہلی رجعت کے باقی ماندہ حصہ میں اسے رجوع کا حق ہے، اس استبراء میں اس کو رجعت کا حق نہیں۔

رجعت میں گواہی کی حیثیت

مسئلہ نمبر 3۔ امام احمد کے دو قولوں میں سے ایک میں رجعت میں گواہ بنانا واجب ہے۔ امام شافعی بھی کہتے ہیں: کیونکہ امر کا ظاہر اسی بات کا تقاضا کرتا ہے۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور امام شافعی دوسرے قول میں فرماتے ہیں: رجعت کو قبول کی ضرورت نہیں ہوتی اس لیے گواہ بنانے کی ضرورت نہیں جس طرح دوسرے حقوق ہوتے ہیں خصوصاً جب کفارہ کے ذریعے ظہار کو ختم کیا جائے (3)۔ ابن عربی نے کہا: امام شافعی کے اصحاب نے رجعت میں گواہ بنانے کے وجوب کا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 30
2۔ ایضاً
3۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1835

ذکر کرتے ہوئے کہا: خاوند کا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا جس نے کل رجوع کیا تھا اور آج رجعت کے اقرار پر گواہ بناتا ہوں جس نے رجعت کے لیے گواہ بنانا شرط قرار دیا ہے اس کے نزدیک اس کے بغیر رجعت صحیح نہ ہوگی (1)۔ یہ قول فاسد ہے اور اس امر پر مبنی ہے کہ رجعت میں گواہ بنانا امر تعبدی ہے۔ ہم اس میں اور نکاح میں تسلیم نہیں کرتے کہ ہم یہ کہیں یہ باہم مضبوطی کا محل وقوع ہے یہ اقرار میں موجود ہے جس طرح انشاء میں موجود ہے۔

عدت گزرنے کے بعد دوران عدت رجوع کے بارے میں بتانا

مسئلہ نمبر 4۔ جس نے عدت گزرنے کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ اس نے عدت میں رجوع کر لیا تھا اگر عورت نے اس کی تصدیق کر دی تو رجوع جائز ہو جائے گا اور اگر وہ انکار کر دے تو وہ قسم اٹھائے گی۔ اگر مرد نے گواہ پیش کر دیئے کہ خاوند نے عدت میں رجوع کر لیا تھا اور عورت کو علم نہ ہوا تو عورت کی جہالت اس میں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گی۔ وہ اس خاوند کی بیوی ہی رہے گی۔ اگر اس عورت نے کسی اور مرد سے شادی کر لی اور ابھی تک نئے خاوند نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کیے تھے تو پہلا خاوند رجوع پر گواہیاں پیش کر دے تو اس بارے میں امام مالک سے دو روایتیں ہیں۔ ا۔ پہلا خاوند اس کا زیادہ حقدار ہے۔ ۲۔ دوسرا خاوند اس عورت کا زیادہ حقدار ہے۔ اگر دوسرے خاوند نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کر لیے تھے تو پہلے خاوند کے لیے کوئی صورت نہ رہے گی۔

گواہ مرد ہوں گے

مسئلہ نمبر 5۔ ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ حضرت حسن بصری نے کہا: مراد مسلمان ہیں (2)۔ قتادہ سے مروی ہے: تم میں سے جو آزاد ہیں یہ اس امر کو واجب کرتی ہے کہ گواہی جو رجوع کے بارے میں ہو وہ مردوں کے ساتھ خاص ہے، عورتیں گواہ نہیں بن سکتیں کیونکہ ذوی کا لفظ مذکر ہے اسی وجہ سے ہمارے علماء نے کہا: اموال کے علاوہ میں عورتوں کی گواہی کا کوئی عمل دخل نہیں۔ یہ بحث سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

گواہی میں تبدیلی جائز نہیں

مسئلہ نمبر 6۔ وَ اَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے گواہی صحیح طریقہ سے دو جب گواہی کی ضرورت ہو اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کی جائے۔ سورۂ بقرہ میں اس کی وضاحت وَ اَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ کے تحت گزر چکی ہے۔

ذٰلِكُمْ یُوْعَظُ بِهٖ یہاں یوعظ، یرضی کے معنی میں ہے مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ جہاں تک غیر مومن کا تعلق ہے تو وہ ان نصیحتوں سے نفع حاصل نہیں کرتا۔

وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۝ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی: جو آدمی تین یا ہزار طلاق دیتا ہے کیا اس کے لیے کوئی راہ ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام شعبی اور ضحاک نے کہا: یہ

1۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1835 2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 169 3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 555

طلاق میں خاص ہے یعنی جس نے اس طریقہ سے طلاق دی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا تھا تو عدت کے اندر اس کے لیے خلاصی کی کوئی صورت ہوگی اور عدت کے بعد اس کی حیثیت ایک دعوت نکاح دینے والے کی حیثیت ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا سے مراد ہے دنیا و آخرت میں اسے وہ کرب سے نجات عطا فرمائے گا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مخرج سے مراد ہے اللہ تعالیٰ نے اسے جو رزق دیا ہوگا اس پر اسے قناعت عطا کرے گا؛ یہ علی بن صالح کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: جو مصیبت کے وقت صبر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ یَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا آگ سے جنت کی طرف جانے کا کوئی راہ بنا دے گا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جس سے اسے منع کیا ہے اس سے نکلنے کی کوئی راہ بنا دے گا۔ ابو العالیہ نے کہا: ہر شدت سے نکلنے کی کوئی راہ بنا دے گا (2)۔ ربیع بن خثیم نے کہا: یَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا ہر ایسی شی سے نکلنے کی راہ بنا دے گا جو لوگوں کے لیے تنگی کا باعث ہو۔ حسین بن فضل نے کہا: جو فرائض کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا اللہ تعالیٰ عقوبت سے بچنے کی کوئی راہ بنا دے گا۔

وَّيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ اللہ تعالیٰ اسے ثواب عطا کرے گا جہاں سے اسے گمان تک نہ تھا یعنی جو اسے دیا ہے اس میں برکت رکھ دے گا۔ سہل بن عبد اللہ نے کہا: جو اتباع سنت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا اللہ تعالیٰ بدعتیوں کی عقوبت سے اسے محفوظ رکھے گا اور ایسے طریقہ سے جنت عطا فرما دے گا جہاں سے اس کا گمان تک نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو رزق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا اللہ تعالیٰ کفایت کے ساتھ اس کے لیے کوئی راہ پیدا فرما دے گا۔ عمر بن عثمان صوفی نے کہا: جو حدود پر رک گیا، معاصی سے اجتناب کرتا رہا، اللہ تعالیٰ اسے حرام سے حلال کی طرف، تنگی سے وسعت کی طرف اور جہنم سے جنت کی طرف نکالے گا اور اسے وہاں سے رزق عطا فرمائے گا جہاں سے اسے امید ہی نہ تھی۔ ابن عیینہ نے کہا: اس سے مراد رزق میں برکت ہے۔ حضرت ابو سعید خدری نے کہا: جو آدمی اپنے ارد گرد اور اپنی قوت سے برات کا اظہار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اپنی مدد کے ساتھ اس کے لیے ان چیزوں سے نکلنے کی کوئی راہ پیدا کر دیتا ہے جن کا اس نے اسے مکلف بنایا تھا۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت مسروق نے آیت کی تاویل عموم کے ساتھ کی ہے۔ حضرت ابوذر نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں اگر لوگ اسے پکڑ لیں تو وہ انہیں کافی ہو جائے'' (3) پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ آپ لگا تار اسے پڑھتے رہے اور اس کا اعادہ کرتے رہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا، فرمایا: ''دنیا کے شبہات، موت کی سختیوں اور یوم قیامت کی شدائد سے کوئی راہ پیدا فرما دے گا''۔

اکثر مفسرین نے کہا: جو ثعلبی نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت حضرت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئی۔ کلبی نے ابو صالح سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عوف بن مالک اشجعی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 402 2۔ ایضاً

3۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 556۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب الورع والتقوی، حدیث نمبر 4209، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

میں حاضر ہوئے، عرض کی: یارسول اللہ! میرے بیٹے کو دشمنوں نے قید کرلیا ہے اور اس کی ماں جزع فزع کر رہی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: یہ آیت حضرت عوف بن مالک اشجعی کے حق میں نازل ہوئی (1)۔ مشرکوں نے ان کے بیٹے کو قید کرلیا جسے سلام کہتے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فاقہ کی شکات کی۔ عرض کی: دشمن نے میرے بیٹے کو قید کرلیا ہے اور اس کی ماں جزع فزع کرتی ہے، آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صبر کو۔ میں تجھے اور اسے حکم دیتا ہوں کہ تم دونوں کثرت سے لاحول ولا قوۃ الہ باللہ پڑھا کرو''۔ حضرت عوف اپنے گھر کی طرف لوٹے اور اپنی بیوی سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اور تجھے یہ حکم دیا ہے کہ کثرت سے لاحول ولا قوۃ الہ باللہ پڑھا کریں۔ ان کی بیوی نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں کتنی اچھی بات کا حکم دیا ہے۔ وہ دونوں پڑھنے لگے۔ دشمن ان کے بیٹے سے غافل ہوا، اس نے ان کے ریوڑ کو ہانکا اور اسے اپنے باپ کے پاس لے آیا۔ یہ چار ہزار بکریاں تھیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ تمام بکریاں انہیں دے دیں (2)۔ ایک روایت میں ہے: وہ آیا اور اس نے دشمنوں کے اونٹ پائے جبکہ وہ فقیر تھا۔ کلبی نے کہا: اس نے پچاس اونٹ پائے تھے۔ ایک روایت میں ہے: اس کا بیٹا قید سے نکل آیا اور قوم کی اونٹنی پر سوار ہوا، راستہ میں ان کے جانوروں کے پاس سے گزرا جو چر رہے تھے تو ان سب کو ہانک لیا۔ مقاتل نے کہا: اس نے ریوڑ اور سامان پایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی: میرا بیٹا جو مال لایا ہے کیا میں اسے کھا سکتا ہوں۔ فرمایا: ''ہاں'' تو یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت حسن بصری نے عمران بن حصین سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے تمام تعلق توڑ کر اللہ تعالیٰ سے ناطہ جوڑ لیا، اللہ تعالیٰ اس کی ہر حاجت کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور اسے وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا اور جو دنیا کی طرف اپنی تمام توجہات کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے دنیا کے سپرد کر دیتا ہے'' (3)۔ زجاج نے کہا: جب وہ تقویٰ اختیار کرتا ہے، حلال کو ترجیح دیتا ہے اور صبر کرتا ہے۔ اگر وہ تنگ دست ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے رزق کے دروازے کھول دیتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق بہم پہنچاتا ہے جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے کثرت سے استغفار کی۔ اللہ تعالیٰ ہر غم سے اس کے لیے کشادگی پیدا فرما دیتا ہے۔ ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ عطا فرما دیتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے گمان تک نہ تھا'' (4)۔

وَ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ جس نے اپنے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اللہ تعالیٰ اس کی تمام مشکلات کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو آدمی اللہ تعالیٰ سے ڈرے، معاصی سے اجتناب کرے، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے، اللہ تعالیٰ آخرت میں اسے ایسا اجر عطا فرمائے گا جو اس کے لیے کافی ہوگا۔ یہاں دنیا کا ارادہ نہیں کیا کیونکہ توکل

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 225　　2۔ تفسیر طبری　　3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 170

4۔ سنن ابی داؤد، باب فی الاستغفار، حدیث نمبر 1297۔ سنن ابن ماجہ، باب الاستغفار، حدیث نمبر 3808، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کرنے والا کبھی دنیا میں پکڑ لیا جاتا ہے اور اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ مسروق نے کہا: اس کے ہر امر کو پورا کرنے والا ہے جس میں اس نے توکل کیا تھا اور جس میں توکل نہیں کیا تھا مگر جس میں اس نے توکل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے اور اس کو اجر عظیم سے نوازتا ہے(1)۔ عام قرأت بالغٌ ہے۔ امرہ منصوب ہے عاصم کی قرأت بالغُ امرہ ہے یعنی مضاف مضاف الیہ ہے۔ مفضل نے بالغاً امرہ قرأت کی ہے، اس طریقہ پر قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ، ان کی خبر ہے اور بالغاً حال ہے۔ داؤد بن ابی نے بالغ کی وجہ سے امرہ مرفوع پڑھا ہے اور مفعول بہ محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی بالغ امرہ ما اراد۔

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ۝ تنگی اور خوشحالی میں سے ہر ایک کے لیے وقت مقرر کر دیا ہے جہاں پہنچ کر وہ ختم ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قَدْرًا یہ تقدیرا کے معنی میں ہے۔ سدی نے کہا: اجل اور عدت میں حیض کو مقدر کیا(2)۔

عبداللہ بن رافع نے کہا: جب وَ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے فرمایا: ہم جب اس پر توکل کرتے ہیں تو جو کچھ ہمارا ہوتا ہے ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں، ہم اس کی حفاظت نہیں کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ یعنی تمہارے بارے میں اور تم پر۔ ربیع بن خثیم نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ جو اس پر بھروسہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے کافی ہو جائے گا جو اس پر ایمان لائے گا اللہ تعالیٰ اسے ہدایت دے گا، جو اسے قرض دے گا اللہ تعالیٰ اسے بدلہ دے گا، جو اس پر اعتماد کرے گا اللہ تعالیٰ اسے نجات عطا فرمائے گا، جو دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا، اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے: وَ مَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَ یَعْمَلْ صَالِحًا یُّدْخِلْهُ (التغابن: 11) وَ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق: 3) اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعِفْهُ لَكُمْ (التغابن: 17) وَ مَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ (آل عمران) وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (البقرۃ: 186)

وَ الّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّ الّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا ۝ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَیْكُمْ ؕ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَ یُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ۝

"اور تمہاری (مطلقہ) عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور اسی طرح ان کی بھی جنہیں ابھی حیض آیا ہی نہیں، اور حاملہ عورتوں کی میعاد ان کے بچے جننے تک ہے، اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے تو وہ اس کے کام میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے، اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے اس کی برائیوں کو اور (روز

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 32-31 2۔ تفسیر طبری، جزء 28، صفحہ 157

قیامت) اس کے اجر کو بڑا کر دے گا''۔

وَالّٰٓئِیۡ یَىِٕسۡنَ مِنَ الۡمَحِیۡضِ مِنۡ نِّسَآىِٕكُمۡ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشۡهُرٍ

اس میں سات مسائل ہیں:

جن کو حیض کا خون نہیں آتا ان کی عدت

مسئلہ نمبر 1۔ وَالّٰٓئِیۡ یَىِٕسۡنَ مِنَ الۡمَحِیۡضِ مِنۡ نِّسَآىِٕكُمۡ جب طلاق اور رجعت کا امر ان عورتوں کے بارے میں واضح فرما دیا جن کو حیض آتا ہے تو انہوں نے حیض والی عورتوں کی عدت کو پہچان لیا اس میں ان عورتوں کی عدت کو بیان کیا جو خون نہیں دیکھتیں۔ ابو عثمان عمر بن سالم نے کہا: جب سورۂ بقرہ میں ان عورتوں کی عدت کا حکم نازل ہوا جن کو طلاق دی گئی اور جن کا خاوند فوت ہو گیا تھا تو حضرت ابی نے عرض کی: یا رسول اللہ! کچھ لوگ کہتے ہیں: عورتوں میں سے کچھ ایسی بھی ہیں جن کے بارے میں کچھ ذکر نہیں ہوا، وہ چھوٹی عمر کی اور حاملہ عورتیں ہیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی: وَالّٰٓئِیۡ یَىِٕسۡنَ۔ مقاتل نے کہا: جب اللہ تعالیٰ کے فرمان وَالۡمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوۡٓءٍ (البقرۃ:228) کا ذکر ہوا تو خلاد بن نعمان نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس عورت کی عدت کیا ہے جس کو حیض نہیں آتا؟ اس عورت کی عدت کیا ہے جس کا حیض آنا منقطع ہو چکا ہو اور حاملہ کی عدت کیا ہے؟ تو یہ آیت وَالّٰٓئِیۡ یَىِٕسۡنَ مِنَ الۡمَحِیۡضِ مِنۡ نِّسَآىِٕكُمۡ نازل ہوئی یعنی جو عورتیں حیض کے آنے سے مایوس ہو گئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت معاذ بن جبل نے ایسی بوڑھی عورت کی عدت کے بارے میں پوچھا جو حیض سے مایوس ہو چکی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ آیت مستحاضہ کے بارے میں وارد ہوئی جو نہیں جانتی کہ یہ حیض کا خون ہے یا بیماری کا خون ہے(1)۔

ارتیاب کا معنی

مسئلہ نمبر 2۔ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ یعنی تمہیں شک ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہیں یقین ہو۔ یہ اضداد میں سے ہے۔ وہ (ارتیاب) شک و یقین ہو جس طرح ظن ہوتا ہے۔ طبری کا اختیار ہے کہ معنی یہ ہوا اگر تمہیں شک ہو کہ تم نہیں جانتے کہ ان کے بارے کیا حکم ہے(2)۔ زجاج نے کہا: اگر تم اس کے حیض میں شک کرو جبکہ اس کا حیض ختم ہو چکا ہے اور وہ ان عورتوں میں سے ہے جن کو حیض آتا ہے۔ قشیری نے کہا: اس میں غور و فکر کی گنجائش ہے کیونکہ جب ہم شک کریں گے کیا اس کی عمر مایوسی کو پہنچ چکی ہے تو ہم یہ نہیں کہیں گے کہ اس کی عدت تین ماہ ہے۔ ایک قول کے مطابق مایوسی کی عمر میں معتبر دنیا میں عورت کی عادت کی سب سے لمبی عدت ہے۔ ایک قول ہے: اس عورت کے خاندان کی عورتوں کا عمومی معمول ہے۔ مجاہد نے کہا: خطاب دعوت نکاح دینے والوں کو ہے یعنی اگر تمہیں علم نہ ہو کہ مایوس عورت اور جسے حیض نہیں آتا اس کی عدت کتنی ہے تو اس کی عدت یہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اگر تمہیں شک ہو کہ یہ خون جو ظاہر ہوا ہے وہ بڑھاپے کی وجہ سے ہے، معروف حیض کا ہے یا استحاضہ کا ہے تو عدت تین ماہ ہوگی۔ عکرمہ اور قتادہ نے کہا: مراد وہ عورت ہے جس کا حیض معین

1۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1837　　2۔ ایضاً

دنوں میں نہیں آتا کبھی مہینے کے شروع میں آتا ہے اور کبھی کئی مہینوں میں ایک دفعہ آتا ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سورت کے اوّل حصہ سے متعلق ہے۔ معنی ہے تم انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اگر تمہیں عدت کے ختم ہونے میں شک ہو۔ اس بارے میں جو قول کیے گئے ہیں ان میں سے یہ سب سے صحیح ہے۔

شک والی عورت کو کتنا رکنا چاہیے

مسئلہ نمبر 3۔ وہ عورت جس کو شک ہو وہ عقد نکاح نہ کرے یہاں تک کہ وہ اپنے نفس کو شک سے پاک کر لے۔ وہ عورت عدت سے خارج نہ ہوگی مگر اس شک کے ختم ہونے کے بعد ہی خارج ہوگی۔ مرتابہ عورت کے بارے میں ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس کا حیض آنا بند ہو گیا ہو وہ نہیں جانتی کہ وہ خون آنا کب ختم ہوا تھا وہ ایک سال اس وقت سے انتظار کرے گی جس وقت سے اس کے خاوند نے اسے طلاق دی تھی۔ سال میں سے نو ماہ استبراء رحم کے ہوں گے اور تین ماہ عدت کے ہوں گے۔ اگر خاوند نے اسے طلاق دی تو اسے ایک حیض آیا یا دو حیض آنے پر ناامیدی کی وجہ سے حیض آنا بند ہو گیا تو وہ نو ماہ انتظار کرے گی پھر تین ماہ اس وقت سے انتظار کرے گی جس دن وہ حیض سے پاک ہوئی تھی۔ پھر وہ نکاح کے خواہش مند افراد کے لیے حلال ہو جائے گی۔ امام شافعی نے یہ قول عراق میں کیا۔ اس قول پر قیاس کرتے ہوئے ایسی عورت جس کا خاوند فوت ہو جائے تو وہ استبراء رحم کے لیے نو ماہ کے بعد چار ماہ دس دن اور لونڈی نو ماہ کے بعد دو ماہ پانچ دن عدت گزارے گی۔

امام شافعی سے یہ قول بھی مروی ہے: اس کی عدت اقراء ہی ہوں گے یہاں تک کہ سن ایاس کو پہنچ جائے؛ یہ امام نخعی، ثوری اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ابو عبید نے اہل عراق سے اسے حکایت کیا ہے۔ اگر عورت جوان ہو تو یہ چوتھا مسئلہ ہے جس کا ذکر آ رہا ہے۔

جوان عورت کو حیض کا خون نہ آنے کی صورت میں حکم

مسئلہ نمبر 4۔ اس کے بارے میں انتظار کیا جائے گا۔ یہ حاملہ ہے یا حاملہ نہیں اگر اس کا حمل ظاہر ہو جائے تو اس کی عدت وضع حمل ہوگی۔ اگر حمل ظاہر نہ ہو تو امام مالک نے کہا: وہ عورت جس کو حیض نہ آتا ہو جبکہ وہ جوان ہو اس کی عدت ایک سال ہے: یہی قول امام احمد اور اسحاق کا ہے۔ انہوں نے یہ حضرت عمر بن خطاب اور دوسروں سے روایت کیا ہے۔ اہل عراق کی رائے ہے: اس کی عدت تین حیض ہے جبکہ زندگی میں اسے ایک دفعہ خون آیا ہو اگرچہ وہ بیس سال رکی رہے مگر جب وہ بڑھاپے میں اس عمر تک جا پہنچے جس میں وہ حیض سے مایوس ہو جائے تو مایوسی کے وقت کے بعد اس کی عدت تین ماہ ہوگی۔ ثعلبی نے کہا: یہ امام شافعی کے مذہب سے زیادہ صحیح ہے۔ اس پر جمہور علماء کا نقطہ نظر ہے۔ یہی قول حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب سے مروی ہے۔ الکیا نے کہا: یہی حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آئسہ کی عدت تین ماہ بنائی ہے جبکہ جس کے بارے میں شک ہو وہ آئسہ نہیں۔

مرض کی وجہ سے حیض نہ آنے کی صورت میں حکم

مسئلہ نمبر 5۔ جس کا حیض مرض کی وجہ سے متاخر ہو گیا ہو تو امام مالک، ابن قاسم اور عبداللہ بن اصبغ نے کہا: وہ نو ماہ

1۔ تفسیر طبری، جز 28، صفحہ 159

عدت گزارے گی پھر تین ماہ عدت گزارے گی۔ اشہب نے کہا: وہ دودھ پلانے والی کی طرح ہے۔ وہ دودھ چھڑانے کے بعد حیض کی صورت میں یا سال بھر عدت گزارے گی۔ حبان بن منقذ نے اپنی بیوی کو طلاق دی جبکہ وہ دودھ پلا رہی تھی۔ وہ ایک سال تک رکی رہی۔ اسے دودھ پلانے کی وجہ سے حیض نہ آتا، پھر حضرت حبان بیمار ہوئے تو انہیں خوف ہوا کہ وہ اس کی وارث بن جائے گی تو حضرت حبان نے جھگڑا حضرت عثمان کی خدمت میں پیش کیا جبکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت علی شیر خدا اور حضرت زید موجود تھے۔ دونوں نے کہا: ہماری رائے ہے کہ وہ وارث بنے گی کیونکہ وہ حیض سے مایوس نہیں اور نہ ہی بچی ہے۔ حضرت حبان فوت ہو گئے تو ان کی بیوی ان کی وارث بنی اور پھر وفات کی عدت گزاری۔

مرض و دودھ کے علاوہ حیض نہ آنے کی صورت میں حکم

مسئلہ نمبر 6۔ اگر مرض یا دودھ پلانے کے علاوہ کسی اور سبب سے متاخر ہوا وہ ایک سال انتظار کرے گی جس میں حیض نہ ہو، پہلے نو ماہ پھر تین ماہ جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ اگر اسے حمل کا شک نہ ہو تو وہ حلال ہو جائے گی۔ اگر اسے حمل کا شک ہو تو وہ چار سال، پانچ سال یا سات سال انتظار کرے گی جس طرح ہمارے علماء کی مختلف روایات ہیں۔ ان میں سے مشہور پانچ سال ہیں۔ اگر وہ ان کو گزارے تو وہ عورت حلال ہو جائے گی۔ اشہب نے کہا: وہ کبھی بھی حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ اس سے شک منقطع ہو جائے (1)۔ ابن عربی نے کہا: یہ قول صحیح ہے کیونکہ جب یہ جائز ہے کہ بچہ پانچ سال تک ماں کے پیٹ میں رہے تو یہ بھی جائز ہے کہ وہ دس سال یا اس سے زیادہ عرصہ رہے۔ امام مالک سے اسی کی مثل مروی ہے (☆)۔

مستحاضہ کی عدت

مسئلہ نمبر 7۔ وہ عورت جس کا حیض استحاضہ کی وجہ سے مجہول ہو گیا اس کے بارے میں تین قول ہیں۔ ابن مسیب نے کہا: وہ ایک سال عدت گزارے گی؛ یہ لیث کا قول ہے۔ لیث نے کہا: مطلقہ کی عدت اور جس کا خاوند فوت ہو جائے جب وہ مستحاضہ ہو تو اس عورت کی عدت ایک سال ہے۔ یہ ہمارے علماء کا مشہور قول ہے خواہ اسے اپنے استحاضہ کے خون سے حیض کے خون کا علم ہو، اسے امتیاز ہو یا نہ ہو۔ امام مالک کے نزدیک اس کی عدت تمام صورتوں میں ایک سال ہے۔ نو ماہ رحم کو پاک کرنے کے اور تین ماہ عدت کے۔ امام شافعی کے اقوال میں سے ایک قول یہ ہے: اس کی عدت تین ماہ ہے؛ یہ تابعین اور متاخرین کی ایک جماعت کا قول ہے۔ ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک یہ صحیح ہے۔ ابو عمر نے کہا: مستحاضہ عورت کا خون ختم ہو جاتا ہو، اس کو حیض کے آنے اور اس کے ختم ہونے کا علم ہو تو وہ تین حیض عدت گزارے گی۔ یہ نظر و فکر کے اعتبار سے صحیح ہے اور قیاس و اثر میں سب سے مضبوط ہے۔

وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ مراد چھوٹی عمر کی بیوی ہے۔ ایسی بیویوں کی عدت تین ماہ ہے۔ خبر مضمر ہے کیونکہ انہیں عادۃً حیض نہیں آتا اس لیے ان کی عدت مہینے ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے احکام کو عادات پر جاری کیا ہے (2)، وہ مہینوں کے اعتبار سے عدت گزارے

1۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1838
2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 1838-1837

☆ ائمہ احناف کے نزدیک ایک بچہ زیادہ سے زیادہ دو سال تک رحم میں رہ سکتا ہے جب کہ جدید طب کے ماہرین نو ماہ اور کچھ دن کے قائل ہیں۔

گی۔ جب وہ خون دیکھے ایسے عرصہ میں جس میں عورتیں حیض کا احتمال رکھتی ہیں تو اصل پائے جانے کی وجہ سے عدت حیض کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ جب اصل پایا جائے تو بدل کے لیے کوئی حکم باقی نہیں رہے گا جس طرح عمر رسیدہ عورت کو جب حیض کی صورت میں عدت گزار رہی تھی، پھر اس کا خون ختم ہو گیا تو عدت مہینوں کی طرف لوٹ جائے گی۔ اس پر اجماع ہے۔

وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ اس میں دو مسئلے ہیں:

مطلقہ حاملہ اور متوفی عنہا زوجہا حاملہ کی عدت

مسئلہ نمبر 1۔ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ ان کی عدت وضع حمل (بچہ کی پیدائش) ہے، اگرچہ یہ حکم مطلقہ میں ظاہر ہے کیونکہ اس کلام کا عطف اسی پر ہے اور کلام اسی طرف راجع ہے تاہم جس کا خاوند فوت ہو جائے اس میں بھی حکم اسی طرح ہے کیونکہ آیت عام ہے اور حضرت سبیعہ کی حدیث بھی اسی کے موافق ہے اس بارے میں گفتگو سورۂ بقرہ آیت 174 میں گزر چکی ہے۔

وضع حمل سے مراد کیا ولد ہے یا جما خون اور لوتھڑا بھی

مسئلہ نمبر 2۔ جب عورت کا وضع حمل ہو جائے وہ جما ہوا خون ہو یا گوشت کا لوتھڑا ہو، وہ عورت حلال ہو جائے گی (یعنی وہ عقد نکاح کر سکتی ہے) امام شافعی اور امام ابو حنیفہ نے کہا: وہ حلال نہیں ہو گی مگر جب وہ رحم سے نکلنے والی چیز ولد ہو (1)۔ اس بارے میں گفتگو سورۂ بقرہ اور سورۂ رعد میں گزر چکی ہے۔ الحمدللہ۔

وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا۝ ضحاک نے کہا: جو طلاق سنت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا، اللہ تعالیٰ رجوع میں اس کے لیے آسانی پیدا فرما دے گا (2)۔ مقاتل نے کہا: جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے اجتناب میں ڈرتا رہا، اللہ تعالیٰ اسے اپنی طاعت کی توفیق دے کر معاملہ کو آسان کر دے گا۔

ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ یعنی جو احکام ذکر کیے گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا امر ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف نازل کیے ہیں اور تمہارے لیے واضح کیے ہیں۔

وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ جو اس کی طاعت بجا لاتا ہے يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وہ ایک نماز سے دوسری نماز اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کی غلطیوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ وَ يُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا۝ اور آخرت میں اس کو عظیم اجر سے نوازے گا۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَ اْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَ اِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى۝

1۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1838

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 33

''انہیں ٹھہراؤ جہاں تم خود سکونت پذیر ہو، اپنی حیثیت کے مطابق انہیں ضرر نہ پہنچاؤ تا کہ تم انہیں تنگ کرو اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک کہ وہ بچہ جنیں۔ پھر اگر وہ (بچے کو) دودھ پلائیں تمہاری خاطر تو تم انہیں ان کی اجرت دو اور (اجرت کے بارے میں) آپس میں مشورہ کر لیا کرو دستور کے مطابق اور اگر تم آپس میں طے نہ کر سکو تو اسے کوئی دوسری دودھ پلائے''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

عدت کے دوران عورت کی رہائش، نفقہ اور کسوہ کے احکام

مسئلہ نمبر 1۔ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ اشہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے: وہ خاوند خود وہاں سے نکل جائے اور اسے اس گھر میں چھوڑ دے (1) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَسْكِنُوْهُنَّ اگر مرد نے اس کے ساتھ رہنا ہوتا تو یہ ارشاد نہ فرماتا۔ اَسْكِنُوْهُنَّ ابن نافع نے کہا: امام مالک نے اللہ تعالیٰ کے فرمان اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ کے بارے میں کہا: مراد وہ مطلقہ عورتیں ہیں جو اپنے خاوندوں سے جدا ہو گئیں اب خاوندوں کو ان سے رجوع کا حق نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ حاملہ ہوں۔ انہیں رہائش کا حق ہے، نفقہ اور کسوہ کا حق نہیں کیونکہ وہ اپنے خاوند سے جدا ہو چکی ہے۔ وہ باہم وارث نہیں بنیں گے اور نہ ہی مرد کو اس کے ساتھ رجوع کا حق ہوگا۔ اگر وہ حاملہ ہو تو اسے رہائش، نفقہ اور کسوہ (لباس) کا حق بھی ہوگا یہاں تک کہ عدت ختم ہو جائے۔ وہ عورت جسے طلاق بائنہ نہ ہو، وہ ان مردوں کی بیویاں ہوں گی وہ ایک دوسرے کے وارث بھی بنیں گے (اگر عدت کے دوران کوئی فوت ہو جائے) جب تک وہ عدت میں ہوں گی وہ خاوندوں کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جائیں گی۔ مردوں کو ان کو رہائش دینے کا حکم نہیں دیا جائے گا کیونکہ یہ ان کے خاوندوں پر لازم ہے، ساتھ ہی ساتھ نفقہ اور لباس بھی لازم ہوگا، وہ حاملہ ہوں یا حاملہ نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے رہائش کا حکم ان عورتوں کے بارے میں دیا ہے جو اپنے خاوندوں سے جدا ہو چکی ہیں (یعنی جنہیں طلاق بائنہ ہو چکی ہے) ساتھ ہی ساتھ ان کا نفقہ بھی لازم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ اللہ تعالیٰ نے حاملہ عورتوں کے لیے رہائش اور نفقہ کا حکم دیا ہے جن کو خاوندوں سے طلاق بائنہ ہو چکی۔ ابن عربی نے کہا: اس کی وضاحت اور تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سکنیٰ کا ذکر کیا اسے ہر مطلقہ کے لیے مطلق ذکر فرمایا۔ جب نفقہ کا ذکر کیا تو اسے حمل کے ساتھ مقید کیا تو یہ اس امر پر دال ہے کہ وہ عورت جسے طلاق بائنہ حاصل ہے، اس کے لیے کوئی نفقہ نہیں۔ یہ عظیم مسئلہ ہے۔ ہم نے قرآن و سنت اور حکمت و معنی کے اعتبار سے اختلافی مسائل کے جو اصول بیان کیے ہیں، قرآن حکیم میں سے یہی آیت اس کا ماخذ ہے۔

میں کہتا ہوں: وہ عورت جس کو تین طلاقیں دی گئیں ہوں اس میں علماء کے تین قول ہیں۔ امام مالک اور امام شافعی کا مذہب ہے: اس کے لیے رہائش تو ہے، نفقہ نہیں۔ امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کا نقطہ نظر ہے: اس کے لیے رہائش اور نفقہ دونوں ہیں۔ امام احمد، اسحاق اور ابو ثور کا مذہب ہے: اس کے لیے کوئی نفقہ اور رہائش نہیں۔ وہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی

1۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1839

حدیث سے استدلال کرتے ہیں (1)۔ حضرت فاطمہ بنت قیس نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی جبکہ میرے ساتھ میرے خاوند کا بھائی تھا۔ میں نے کہا: میرے خاوند نے مجھے طلاق دی ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ میرے لیے رہائش اور نفقہ نہیں؟ فرمایا: ”بلکہ تیرے لیے رہائش اور نفقہ ہے“۔ خاوند کے بھائی نے عرض کی: اس کے خاوند نے اسے تین طلاقیں دی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”رہائش اور نفقہ اس پر ہے جس کو رجوع کا حق ہو“۔ جب میں کوفہ آیا تو اسود بن یزید نے مجھے طلب کیا تاکہ مجھ سے اس بارے میں پوچھے کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے شاگرد کہا کرتے تھے: ایسی عورت کے لیے رہائش اور نفقہ ہے۔ اسے دار قطنی نے تخریج کیا ہے۔ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں (2)۔ اس کے خاوند نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسے طلاق دی تو اسکے خاوند نے اس کی جانب حقیر سا نفقہ بھیجا جب حضرت فاطمہ بنت قیس نے یہ دیکھا تو کہا: اللہ کی قسم! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور اس بارے میں آگاہ کروں گی۔ اگر میرے لیے نفقہ ہے تو میں وہ نفقہ لوں گی جو میرے لیے مناسب ہوگا۔ اگر میرے لیے نفقہ نہ ہوا تو میں کچھ بھی نہ لوں گی۔ کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ”تیرے لیے نہ نفقہ ہے اور نہ رہائش ہے“ (3)۔ دار قطنی نے اسے اسود سے نقل کیا ہے۔ کہا: جب حضرت فاطمہ بنت قیس کا قول حضرت عمر تک پہنچا: فرمایا: ہم مسلمانوں میں ایک عورت کے قول کو حتمی شمار نہیں کر سکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسی عورت کو رہائش اور نفقہ لازم کیا کرتے جس کو تین طلاقیں دی گئی ہوتیں۔ امام شعبی سے مروی ہے، کہا: مجھے اسود بن یزید ملے۔ فرمایا: اے شعبی! اللہ تعالیٰ سے ڈر اور حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے رجوع کر لے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے لیے رہائش اور نفقہ کا فیصلہ کیا کرتے تھے (4)۔ میں نے کہا: میں ایسی چیز سے رجوع نہیں کر سکتا جسے حضرت فاطمہ بنت قیس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ قول کتنا اچھا ہے۔ جبکہ قتادہ اور ابن ابی لیلی نے کہا: طلاق رجعیہ کے سوا کسی کے لیے کوئی رہائش نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۝ (الطلاق) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَسْكِنُوْهُنَّ یہ بھی ماقبل کلام کی طرف راجع ہے جس میں مطلقہ رجعیہ کا ذکر ہے (5)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کیونکہ رہائش، نفقہ کے تابع ہوتی ہے اور اس کے قائم مقام ہوتی ہے جب ایسی عورت کے لیے نفقہ واجب ہی نہیں جس کو طلاق بائنہ دی جا چکی ہے تو ایسی عورت کے لیے سکنی واجب نہیں ہوگا۔ امام اعظم ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ عورت جس کو طلاق بائنہ دی گئی ہو، اس کے لیے نفقہ ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ (الطلاق: 6) نفقہ کو ترک کرنا سب سے بڑھ کر تکلیف دینا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کے قول کا جو رد کیا ہے وہ بھی اسی امر کی وضاحت کرتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے: وہ طلاق کی عدت گزار رہی ہے۔ وہ رہائش کی مستحق ہے۔ اس کے لیے نفقہ ہوگا جس طرح اس عورت کے

1۔ سنن دار قطنی، کتاب الطلاق، جلد 4، صفحہ 23
2۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، المطلقة البائن لا نفقة لها، جلد 1، صفحہ 484
3۔ سنن دار قطنی، کتاب الطلاق، جلد 4، صفحہ 23
4۔ ایضاً
5۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1840

لیے ہوتا ہے جس کو طلاق رجعی دی گئی ہو۔ تیسری وجہ یہ ہے: وہ خاوند کے حق کی وجہ سے محبوس ہے۔ وہ نفقہ کی مستحق ہے جس طرح بیوی نفقہ کی مستحق ہوتی ہے۔ امام مالک کی دلیل یہ ہے: وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ جس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے مطلقہ رجعیہ اور اس کے احکام کا سورت کے شروع سے ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ تک ذکر کیا۔ پھر اس کے بعد ایسے حکم کا ذکر کیا جو تمام قسم کی مطلقہ عورتوں کو عام ہے جیسے مہینوں وغیرہ کا شمار، یہ پھر مطلقہ میں عام ہے۔ اس کے بعد جو احکام ہیں، ہر مطلقہ عورت کی طرف راجع ہیں۔

وجد کا معنی و مفہوم

مسئلہ نمبر 2۔ مِّنْ وُّجْدِكُمْ اپنی وسعت کے مطابق یہ جملہ بولا جاتا ہے(1): وجدت فی المال أجِدُو جدا، وَجْدًا و وجِدَۃً، وِجْد کا معنی غنا اور قدرت ہے۔ عام قرأت واؤ کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ اعرج اور زہری نے واؤ کے فتحہ کے ساتھ قرأت کی ہے۔ یعقوب نے اسے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ تمام اس میں لغات ہیں۔

عورت کو نقصان دینے سے مراد

مسئلہ نمبر 3۔ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ مجاہد نے مسکن مقدر مانا ہے۔ مقاتل نے نفقہ مقدر مانا ہے(2)؛ یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ ابوضحیٰ سے مروی ہے: اس سے مراد ہے وہ اسے طلاق دے جب عدت میں سے دو دن رہ جائیں تو اس سے رجوع کرے، پھر اسے طلاق دے۔

حاملہ کا نفقہ اور سکنیٰ

مسئلہ نمبر 4۔ وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ اس میں علماء میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ عورت جو حاملہ ہو اسے تین طلاقیں دی جائیں یا اس سے کم طلاقیں دی جائیں اس کے لیے نفقہ اور رہائش واجب ہے یہاں تک کہ اس کا وضع حمل ہو جائے۔ جہاں تک اس حاملہ کا تعلق ہے جس کا خاوند فوت ہو جائے تو حضرت علی، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن مسعود رضوان اللہ علیہم اجمعین، شریح، امام نخعی، امام شعبی، حماد، ابن ابی لیلی، سفیان اور ضحاک رحمہم اللہ نے کہا: تمام مال میں سے اس پر خرچ کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کا حمل وضع ہو جائے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن زبیر، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم، امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا نقطہ نظر ہے: وراثت میں سے جو اس کا حصہ بنتا ہے اس میں سے اس پر خرچ کیا جائے گا۔ سورۂ بقرۃ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ میں چار مسائل ہیں:

مطلقہ عورت کا دودھ پلانا

مسئلہ نمبر 1۔ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ مراد مطلقہ عورتیں ہیں۔ اگر مطلقہ عورتوں میں سے کوئی تمہارے بچوں کو دودھ

1۔ معالم التنزیل، جلد 6، صفحہ 404 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 34

پلائے تو آباء پر لازم ہے کہ ان کو دودھ پلانے کی اجرت دیں۔ مرد کو حق حاصل ہے کہ دودھ پلانے پر اپنی بیوی کو اجرت پر رکھے جس طرح وہ اجنبی عورت کو اجرت پر رکھتا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک جب اولاد اس عورت سے ہو اور جب تک طلاق بائنہ نہ ہو جائے تو اس عورت کو اجرت پر رکھنا جائز نہیں۔ امام شافعی کے نزدیک یہ جائز ہے۔
سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء میں رضاعت کے بارے میں بحث گزر چکی ہے۔ الحمدللہ۔

معروف سے کیا مراد ہے؟

مسئلہ نمبر 2۔ وَ اْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ یہ خاوندوں اور بیویوں کو خطاب ہے یعنی تم میں سے ہر ایک اس بات کو قبول کرے جو دوسرا فرد اچھی بات کرے۔ یہاں عورت کی جانب سے معروف جمیل سے مراد ہے بغیر اجرت کے بچے کو دودھ پلانا اور مرد کی جانب سے جمیل کا مطلب ہے دودھ پلانے پر وافر اجرت دینا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معروف طریقے سے دودھ پلانے کے بارے میں مشورہ کر لیا کرو تا کہ بچے کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد لباس اور بڑی چادر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے والدہ کو بچہ کی وجہ اور والد کو بچے کی وجہ سے تکلیف نہ دی جائے۔

دودھ پلانے کی اجرت میں تعین نہ ہو سکے تو کیا طریقہ ہوگا؟

مسئلہ نمبر 3۔ وَ اِنْ تَعَاسَرْتُمْ اگر دودھ پلانے کی اجرت کے تعین میں مشکل کا شکار ہو جاؤ، خاوند انکار کر دے کہ ماں کو دودھ پلانے کی اجرت دے اور ماں انکار کر دے کہ وہ بچے کو دودھ پلائے تو خاوند کو کوئی حق حاصل نہیں کہ اسے مجبور کرے۔ وہ ماں کے علاوہ کسی اور کو اجرت پر رکھ لے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اگر تم باہم تنگی کا شکار ہو جاؤ تو وہ خاوند اپنے بچے کو دودھ پلانے کے لیے کسی اور کو معین کر لے۔ یہ امر کے معنی میں خبر ہے۔ ضحاک نے کہا: اگر ماں انکار کر دے کہ وہ بچے کو دودھ پلائے تو وہ اپنے بچے کے لیے کسی اور کو اجرت پر لے۔ اگر وہ بچہ کو قبول نہ کرے تو اس کی ماں کو مجبور کیا جائے گا کہ اجرت پر دودھ پلائے۔ بچے کو دودھ پلانا کس پر واجب ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے اور اس بارے میں تین قول ہیں۔ ہمارے علماء نے کہا: جب تک زوجیت کا رشتہ قائم ہے تو بچے کو دودھ پلانا اس کی ماں پر لازم ہے مگر وہ اپنے شرف اور مقام و مرتبہ کی وجہ سے ایسا نہ کرے تو باپ پر لازم ہے کہ اپنے مال میں سے اس پر خرچ کرے۔ (۲) امام ابوحنیفہ نے کہا: ماں پر کسی حال میں بھی واجب نہیں (1)۔ (۳) ہر حال میں ماں پر واجب ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اگر خاوند اس عورت کو طلاق دے دے تو دودھ پلانا اس عورت پر لازم نہیں مگر اس صورت میں کہ بچہ اس کے سوا کسی کا پستان قبول نہ کرے، اس وقت اس عورت پر دودھ پلانا واجب ہو جائے گا (2)۔ اگر اجرت میں اختلاف ہو جائے۔ اگر وہ عورت اجرت مثلی کا مطالبہ کرے اور خاوند صرف تبرع چاہتا ہے تو ماں اجرت مثلی پر دودھ پلانے کی زیادہ مستحق ہوگی، جب باپ کوئی ایسی عورت نہ پائے جو اس کو بطور تبرع (احسان) دودھ پلائے۔ اگر باپ اجرت مثلی پر اس عورت کو رکھنا

1۔ احکام القرآن، جلد 5، صفحہ 1840 2۔ ایضاً

چاہے اور ماں ایسا کرنے سے رک جائے تا کہ زیادہ مال کا مطالبہ کرے تو پھر باپ زیادہ حقدار ہوگا۔ اگر باپ اجرت دینے سے قاصر ہے تو بچے کو دودھ پلانے کے لیے جبراً پکڑ لیا جائے گا۔

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۭ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝

''خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق، اور وہ تنگ کر دیا گیا ہے جس پر اس کا رزق تو وہ خرچ کرے اس سے جو اللہ نے اسے دیا ہے، اور تکلیف نہیں دیتا اللہ تعالیٰ کسی کو مگر اس قدر جتنا اسے دیا ہے، عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد فراوانی دے دے گا''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

نفقہ میں وسعت کا خیال رکھنا

مسئلہ نمبر 1۔ لِيُنْفِقْ یعنی خاوند اپنی بیوی اور چھوٹی اولاد پر اپنی وسعت کے مطابق یہاں تک کہ جب اس کے پاس فراوانی ہو تو ان پر وافر خرچ کرے۔ جو آدمی فقیر ہو وہ اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے۔ نفقہ کا اندازہ لگایا جائے گا جیسی خرچ کرنے والے کی حالت ہوگی اور جس قدر اس بیوی اور بچے کی ضرورت ہوگی ان کی زندگی کے معمول کے مطابق قیاس کر لیا جائے گا۔ مفتی بیوی اور بچے کی ضرورت کو ملاحظہ کرے گا، پھر خاوند اور والد کی حالت کو دیکھے گا، اگر اس کی حالت اسے برداشت کرتی ہو تو وہ اسے نافذ کر دے گا۔ اگر خرچ کرنے والے کی حالت جس پر خرچ کیا جاتا ہے، اس کی حاجت سے کم ہو تو اسے اسکی برداشت کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ امام شافعی اور اس کے اصحاب نے فرمایا: نفقہ معین ہے اس میں حاکم اور مفتی کے اجتہاد کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس میں صرف خاوند کی حالت کا اعتبار ہے۔ وہ خوشحال ہو یا تنگ دست ہو، عورت کی حالت اور ضرورت کا اعتبار نہیں ہوگا۔ علماء نے کہا: خلیفہ کی بیٹی کی وہی ضرورت ہے جو چوکیدار کی بیٹی کی ضرورت ہے۔ اگر خاوند خوشحال ہوگا تو اس پر دو مد لازم ہوں گے، اگر وہ درمیانہ ہو تو ایک مد اور اس کا نصف لازم ہوگا، اگر تنگ دست ہو تو صرف ایک مد لازم ہوگا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے: لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ۔

اعتبار خاوند کا کیا گیا ہے خوشحالی میں بھی اور تنگ دستی میں بھی عورت کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ عورت کی ضرورت کا اعتبار کرنا اس لیے ممکن نہیں کیونکہ حاکم یا کوئی اور اسے نہیں جان سکتا تو یہ چیز خصوصیت کی طرف لے جا سکتی ہے۔ ان کے نزدیک اصل اللہ تعالیٰ کا فرمان: لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے: عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ (البقرہ: 236) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس سے بڑھ کر کوئی چیز عطا نہیں کرتی کہ غنی اور فقیر کے نفقہ میں فرق کیا جائے اور یہ کہ نفقہ خاوند کی تنگ دستی اور خوشحالی کی بنا پر مختلف ہوگا، یہ تو مسلم ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ بیوی کی حالت کا اعتبار نہ کیا جائے اس میں کوئی ایسی دلیل نہیں: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرۃ: 233) یہ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ معروف ان دونوں سے متعلق ہے، ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ خاص نہیں۔

یہ معروف میں سے نہیں کہ غنی عورت کی ضرورت، فقیر عورت کے نفقہ جیسی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ہند سے فرمایا تھا: ''تو اتنا لے جو تیرے اور تیری اولاد کے لیے معروف انداز میں کافی ہو''(1)۔ نفقہ کو کفایہ پر پھیر دیا جبکہ آپ حضرت ابوسفیان کی خوشحالی کو جانتے تھے جو ہند کے مطالبہ کی وجہ سے ان پر نفقہ لازم ہوتا تھا۔ حضرت محمد ﷺ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا تھا: تیری ضرورت کا کوئی اعتبار نہیں، تیرے لیے صرف معین شی ثابت ہے بلکہ نفقہ کو پھیر دیا جس مقدار کو آپ اس کی ضرورت میں سے جانتے تھے اسے معین مقدار کے ساتھ معلق نہیں کیا۔ پھر انہوں نے جس تحدید کا ذکر کیا ہے وہ بھی توقیف کی محتاج ہے۔ آیت توقیف کا تقاضا نہیں کرتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نفقہ کی تعین کرنا

مسئلہ نمبر 2۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بچے کے لیے سو درہم معین کیے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پچاس درہم معین کیے(2)۔ ابن عربی نے کہا: یہ احتمال موجود ہے کہ یہ اختلاف سالوں کے مختلف ہونے یا خوراک اور لباس کے بھاؤ کے مختلف ہونے کی بنا پر ہو۔ محمد بن ہلالی مزنی نے کہا: میرے والد اور میری دادی نے بیان کیا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے میری دادی کو نہ پایا تو آپ نے اپنے گھر والوں سے پوچھا: کیا وجہ ہے میں فلانہ کو نہیں دیکھتا؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بیوی نے عرض کی: اے امیر المومنین! ان کے ہاں آج رات بچہ پیدا ہوا ہے۔ آپ نے اس کی طرف پچاس درہم بھیجے اور سنبلانیہ کپڑے بھیجے۔ پھر فرمایا: یہ تیرے بیٹے کا عطیہ ہے اور یہ اس کا لباس ہے۔ جب اس کی عمر ایک سال ہو جائے گی تو ہم اسے ایک سو تک بڑھا دیں گے۔ حضرت علی شیر خدا کی بارگاہ میں ایک لقیط پیش کیا گیا ہے تو آپ نے اس کے لیے ایک سو درہم وظیفہ معین فرما دیا۔ ابن عربی نے کہا: علماء نے جس میں اختلاف کیا وہ یہ ہے کہ یہ وظیفہ دودھ چھڑانے سے پہلے کا ہے(3)۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے اسے مستحب جانا ہے کیونکہ یہ آیت کے حکم میں داخل ہے۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اسے واجب قرار دیا ہے کیونکہ حاجت نئی پیدا ہوتی رہتی ہے اور ضروریات پیش آتی رہتی ہیں۔ میں بھی یہی کہتا ہوں: جب وہ بچہ پیدا ہوتا ہے اور جب اس کا دودھ چھڑایا جاتا ہے اس کی ضرورت مختلف ہوتی ہے۔ سفیان بن وہب نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مد ایک ہاتھ میں، ایک قسط ایک ہاتھ میں لیا۔ فرمایا: میں نے ہر مسلمان نفس کے لیے ہر ماہ میں دو مد گندم، دو قسط سرکے اور دو قسط تیل کے مقرر کیے ہیں۔ ایک روای نے اضافہ کیا ہے۔ کہا: ہم نے تمہارے لیے ہر ماہ میں تمہارے عطیات اور رزق جاری کر دیئے ہیں جس نے ان میں کمی کی، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ یہ معاملہ فرمائے گا۔ ایسے آدمی کے حق میں بددعا فرمائی۔

حضرت ابو درداء نے کہا: کتنی ہی اچھی ہدایت والی سنتیں ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کی امت میں جاری فرمائی ہیں۔ مد اور قسط کھانے اور سالن میں دو شامی کیل ہیں۔ اس میں ہمارے نزدیک اندازہ یہ ہے کہ طعام میں چوتھائی اور ادام دو آٹھویں حصے۔ جہاں تک لباس کا تعلق ہے تو یہ عادت کے مطابق ہے۔ قمیص، پاجامہ، موسم سرما میں جبہ،

1۔ صحیح بخاری، کتاب النفقات، جلد 2، صفحہ 808 2۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1842 3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 1843

بڑی چادر، تہبند اور چٹائی۔ یہ اصل ہے احوال اور عادت کے مطابق اس میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

نفقہ کا والد پر وجوب

مسئلہ نمبر 3۔ یہ آیت نفقہ کے وجوب میں اصل ہے کہ بچے کے لیے یہ والد کے ذمہ ہے، والدہ کے ذمہ نہیں (1)۔ محمد بن مواز نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے: یہ میراث کے مطابق والدین پر ہے۔ ابن عربی نے کہا: شاید محمد مواز نے ارادہ کیا ہے جب باپ نہ ہو تو یہ ماں پر ہوگا۔ بخاری شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''تیری بیوی تجھے کہتی ہے: مجھ پر خرچہ کر ورنہ مجھے طلاق دے دے، غلام تجھے کہتا ہے: مجھ پر خرچ کر اور مجھ سے کام لے اور تیری اولاد تجھے کہتی ہے: تو مجھ پر اس وقت تک خرچ کرتا رہ یہاں تک تو مجھے سپرد کر دے''۔ قرآن و سنت ایک دوسرے کو قوت عطا کرتی ہیں اور ایک ہی طریقہ پر وارد ہیں (2)۔

اللہ تعالیٰ کا بندے کو اس کی حیثیت کے مطابق مکلف بنانا

مسئلہ نمبر 4۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا یعنی فقیر کو اس کی مثل مکلف نہیں بناتا جس کی مثل غنی کو مکلف بناتا ہے۔ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا۝ یعنی تنگی کے بعد غنا اور سختی کے بعد وسعت پیدا فرماتا ہے۔

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَ كَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ۛۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا۝ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ مَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا۝

''کتنی بستیاں تھیں جنہوں نے سرتابی کی اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں (کے فرمان) سے تو ہم نے بڑی سختی سے ان کا محاسبہ کیا اور ہم نے انہیں بھاری سزا دی۔ پس انہوں نے اپنے کرتوتوں کا وبال چکھا اور ان کے کام کا انجام نرا خسارہ تھا۔ تیار کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک سخت عذاب، پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اے دانشمندو! جو ایمان لائے ہو، بے شک اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تمہاری طرف ذکر، ایک ایسا رسول جو پڑھ کر سناتا ہے تمہیں اللہ کی روشن آیتیں تاکہ نکال لے جائے انہیں جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے اندھیروں سے نور کی طرف، اور جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور نیک عمل کرتا ہے تو وہ اس کو داخل فرمائے گا باغات میں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں جن میں وہ لوگ تا ابد رہیں گے، بلاشبہ اللہ نے اس (مومن)

1۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1843
2۔ احکام القرآن لابن العربی

کو بہترین رزق عطا فرمایا"۔

وَ كَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ جب احکام کا ذکر کیا تو امر کی مخالفت سے خبردار کیا اور قوم کی سرکشی اور ان پر عذاب کے نزول کا ذکر کیا۔ سورۂ آل عمران میں کاین کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ الحمد اللہ۔ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا یعنی انہوں نے نافرمانی کی۔ ذکر قریہ کا کیا مراد اس کے مکین ہیں۔ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِیْدًا یعنی دنیا میں ہم نے انہیں عذاب دے کر بدلہ دیا۔ وَ عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا۝ یعنی آخرت میں بھاری سزا دی۔ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے(1)؛ دنیا میں ہم نے انہیں بھوک، قحط، تلوار، زمین میں دھنسانا، صورتیں مسخ کرنا اور باقی ماندہ مصائب میں مبتلا کیا اور آخرت میں شدید ترین حساب لیا۔ نکر سے مراد منکر ہے۔ اسے مخفف اور مثقل دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ سورۂ کہف میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا یعنی اپنے کفر کا انجام چکھا۔ وَ كَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا۝ یعنی دنیا میں ہلاکت ہوئی اس کے ساتھ جو ہم نے ذکر کیا اور آخرت میں جہنم کے ساتھ ہلاکت ہوگی۔ یہاں ماضی کا لفظ ذکر کیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ نَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ (الاعراف: 44) اس کی مثل دوسری آیات میں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور وعید میں سے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے اس سے ضرور ملاقات ہوگی جو ہو کر رہنے والا ہے اسے قد کے ساتھ تعبیر کرنا درست ہے۔ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا اس خسر کو بیان کیا اور وہ آخرت میں عذاب جہنم ہے۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ اے دانشمندو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یہ اولی الالباب سے بدل ہے یا اس کی نعت ہے۔ مراد ہے اے دانشمندو! جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو اس اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس نے تم پر قرآن حکیم نازل کیا ہے یعنی اس سے ڈرو، اس کی طاعت کرو اور اس کی نافرمانیوں سے بچو۔ یہ بحث پہلے سے گزر چکی ہے۔

رَّسُوْلًا زجاج نے کہا: ذکر کا نازل کرنا ارسل کے اضمار پر دلیل ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے أنزل الیكم قرآنا و ارسل رسلا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ایسا رسول بھیجا ہے جو ذکر والا ہے۔ رَّسُوْلًا یہ ذکر کی صفت ہے یہاں مضاف محذوف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسلا یہ ذکر کا معمول ہے کیونکہ ذکر مصدر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی قد أنزل الیكم أن ذكر رسولا۔ ذکر سے بدل ہو اس صورت میں رَّسُوْلًا رسالت کے معنی میں ہوگا یا یہ اپنے باب پر ہے تو یہ معنی پر محمول ہوگا۔ گویا فرمایا: قد أظهر الله لكم ذكرا رسولا یہ بدل الشئی من الشئی سے ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ رسولا، اغراء کے طریقہ پر منصوب ہو۔ گویا فرمایا: اتبعوا رسولا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں ذکر سے مراد شرف ہے(2) جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ (الانبیاء: 10) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ (الزخرف: 44) پھر اس شرف کو بیان فرمایا، فرمایا: رَّسُوْلًا اکثر کی رائے یہ ہے کہ یہاں رسول سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد جبرئیل امین ہے(3)۔ دونوں نازل کیے گئے ہیں۔ یَّتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ یہ رَّسُوْلًا کی صفت ہے۔ اٰیٰتِ اللّٰهِ سے مراد قرآن ہے۔ مُبَیِّنٰتٍ عام قرأت یاء کے فتحہ کے ساتھ ہے یعنی

1۔ معالم التنزیل، جلد 6، صفحہ 407　2۔ ایضاً　3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 36

اسے اللہ تعالیٰ نے بیان کیا۔ ابن عامر، حفص، حمزہ اور کسائی نے اسے یاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، جن احکام کے تم محتاج ہوتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے انہیں بیان کرتا ہے۔ پہلی صورت حضرت ابن عباس کی قرأت ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ (آل عمران: 118) لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے موجود تھا مِنَ الظُّلُمٰتِ یعنی کفر سے اِلَى النُّوْرِ نور سے مراد ہدایت اور ایمان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت اہل کتاب کے معنوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اخراج فعل کی نسبت رسول کی طرف کی کیونکہ ایمان رسول کی طاعت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ نافع اور ابن عامر نے نون کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝ اللہ تعالیٰ نے جنت میں اس کے لیے وسیع رزق بنا دیا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ڏ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝

''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور زمین کو بھی انہی کی مانند، نازل ہوتا رہتا ہے حکم ان کے درمیان تا کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے''۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر دلالت ہے وہ دوبارہ اٹھانے اور محاسبہ کرنے پر قادر ہے۔ آسمانوں کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں وہ سات ہیں ان میں سے بعض بعض کے اوپر ہیں۔ اس پر معراج کا واقعہ اور دوسری چیزیں دال ہیں۔ پھر فرمایا: وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یعنی سات زمین (1)۔ ان کے بارے میں اختلاف ہے اور دو قول ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے اور یہی جمہور کا قول ہے (2) کہ زمینیں سات ہیں ان میں سے بعض بعض کے اوپر ہیں۔ ہر دو زمینوں کے درمیان اتنی مسافت ہے جتنی مسافت دو آسمانوں کے درمیان ہے اور ہر زمین میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ ضحاک نے کہا: وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یعنی سات زمینیں۔ وہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں ان میں کوئی مسافت نہیں لیکن آسمانوں کا معاملہ مختلف ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ ترمذی اور نسائی میں ایسی روایات ہیں جو اس قول پر دلالت کرتی ہیں۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔ ابو نعیم، محمد بن علی بن حبیش سے وہ اسماعیل بن اسحاق سراج التحویل (دوسری سند) ابو محمد بن حیان سے وہ عبداللہ بن محمد بن ناجیہ وہ سوید بن سعید سے وہ حفص بن میسرہ سے وہ موسیٰ بن عقبہ سے وہ عطا بن ابی مروان سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں (3) کہ کعب نے ان کے سامنے قسم اٹھائی، اس ذات کی قسم! جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر کو پھاڑا کہ حضرت صہیب نے اسے حدیث بیان کی کہ حضرت محمد

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 36 2۔ ایضاً 3۔ المستدرک للحاکم، جلد 1، صفحہ 446

ﷺ کوئی بستی نہ دیکھتے جس میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے مگر جب دیکھتے تو یہ کہتے: اللّٰهم ربّ السّمٰوات وما أظللن وربّ الأرضين السبع وما أقللن وربّ الشياطين وما أضللن وربّ الرياح وما أذرين إنا نسألك خير هذه القرية وخير أهلها ونعوذ بك من شرّها وشرّ أهلها وشرّ ما فيها۔ اے اللہ! اے آسمانوں اور جن کو یہ سایہ کیے ہوتے ہیں ان کے رب! اور سات زمینوں اور جن کو یہ اٹھائے ہوئے ہیں ان کے رب! اور اے شیاطین اور جن کو یہ گمراہ کیے ہوئے ہیں ان کے رب! اے ہواؤں اور جن کو یہ بکھیرتی ہیں ان کے رب! ہم تجھ سے اس بستی کی خیر اور ان کے اہل کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور اس بستی کے شر، ان کے اہل کے شر اور اس میں موجود چیزوں کے شر کی پناہ چاہتے ہیں۔

ابونعیم نے کہا: یہ حدیث ثابت ہے جو موسیٰ بن عقبہ سے مروی ہے اور عطا سے روایت کرنے میں منفرد ہے۔ ابن ابی زناد اور دوسرے علماء نے ان سے یہ روایت کی ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت سعید بن زید سے مروی ہے (1) کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: من أخذ شبرًا من الأرض ظلمًا فإنه يطوّقه يوم القيامة من سبع أرضين جس نے بالشت بھر زمین ظلماً لی قیامت کے روز سات زمینوں سے اس کے برابر اس کے گلے میں طوق کے طور پر ڈالا جائے گا۔ ماوردی نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر کہ یہ سات زمینیں ہیں ان میں سے بعض بعض کے اوپر ہیں (2)، اہل اسلام کی دعوت اوپر والی زمین کے مکینوں کے ساتھ خاص ہے۔ دوسری زمینوں پر جو ہیں ان کو دعوت دینا ان پر لازم نہیں اگرچہ ان زمینوں میں ایسی مخلوق بھی ہو جو عقل رکھتی ہو اور ممتاز مخلوق سے اس کا تعلق ہو۔ ان کا آسمان کا مشاہدہ کرنا اور ان سے روشنی حاصل کرنا، اس میں دو قول ہیں۔ (۱) وہ اپنی زمین کی ہر جانب سے آسمان کا مشاہدہ کرتے ہیں اور آسمانوں سے روشنی حاصل کرتے ہیں؛ یہ اس کا قول ہے جس نے زمین کو مسبوط قرار دیا ہے۔ (۲) دوسرا قول ہے: وہ آسمان کا مشاہدہ نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے روشنی کو پیدا کر دیا ہے جس سے وہ فائدہ حاصل کرتے ہیں؛ یہ ان کا قول ہے جو زمین کو گول قرار دیتے ہیں۔ آیت میں تیسرا قول بھی ہے: کلبی نے جسے ابو صالح سے وہ اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ یہ سات زمینیں ہیں جو پھیلی ہوئی ہیں، وہ ایک دوسرے کے اوپر نہیں، ان کے درمیان سمندر حائل ہیں۔ آسمان ان سب پر سایہ فگن ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر ایک زمین کے لوگ دوسری زمین تک نہ پہنچ سکیں تو اسلام کی دعوت اسی زمین کے لوگوں کے لیے خاص ہوگی۔ اگر اس زمین کے لوگ دوسری زمین کے لوگوں تک پہنچ سکیں تو یہ احتمال ہے کہ جہاں تک پہنچنا ممکن ہے ان تک اسلام کی دعوت پہنچانا لازم ہے کیونکہ سمندروں کا حائل ہونا جب انہیں پانا ممکن ہے تو دعوت کے لزوم سے کوئی چیز مانع نہیں جس کا حکم عام ہے۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ انہیں اسلام کی دعوت لازم نہ ہو کیونکہ اگر یہ دعوت لازم ہوتی تو اس کے بارے میں کوئی نص بھی وارد ہوتی اور نبی کریم ﷺ کو اس کے بارے میں حکم ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے علم کو اپنی ذات کے ساتھ خاص کیا ہے وہ اس کے بارے میں بہتر جانتا ہے اور مخلوق پر جو مشتبہ ہو چکا ہے اس میں جو درست ہے اسے بھی وہی بہتر جانتا ہے۔ پھر فرمایا: يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ مجاہد نے کہا: امر

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساقاة والمزارعة، جلد 2، صفحہ 33　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 36

سات آسمانوں سے سات زمینوں کی طرف نازل ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: دو آسمانوں کے درمیان زمین اور امر ہے (1)۔ یہاں امر سے مراد وحی ہے؛ یہ مقاتل اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ تو بَیْنَهُنَّ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ سب سے بالا زمین جو ادنیٰ ہے اور ساتویں آسمان جو سب سے بلند ہے، کے درمیان امر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ بعض کی زندگی اور بعض کی موت، ایک قوم کی غنا اور ایک قوم کے فقر کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے وہ ان میں عجیب وغریب تدبیر فرماتا ہے، بارش نازل فرماتا ہے، نباتات کو نکالتا ہے، رات اور دن کو لاتا ہے، موسم گرما اور سرما کو لاتا ہے اور حیوانات کو مختلف انواع وہیئتوں میں پیدا کرتا ہے، انہیں ایک حال سے دوسرے حال میں پھیرتا ہے۔ ابن کیسان نے کہا: یہ لغت کا میدان اور اس کی وسعت ہے جس طرح موت کو کہا جاتا ہے: امر اللہ، اسی طرح ہوا، بادل وغیرہ کو بھی لفظ امر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ جو اس ملک عظیم کو پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ چیزیں جو ان کے درمیان ہیں، ان پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے (2)۔ عفو وانتقام پر زیادہ قدرت رکھتا ہے۔ عِلْمًا مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ اَحَاطَ علم کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ احاطة علما۔

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 172

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 37

سورۃ التحریم

آیاتہا ۱۲ ۔ ۶۶ سورۃ التحریم مدنیۃ ۱۰۷ ۔ رکوعاتہا ۲

تمام کے قول میں یہ سورت مدنی ہے، اس کی بارہ آیات ہیں۔ اسے سورۃ النبی بھی کہتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبۡتَغِیۡ مَرۡضَاتَ اَزۡوَاجِكَ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ○

''اے نبی (مکرم) آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے، (کیا یوں) آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

آیت کریمہ کے نزول کا سبب

مسئلہ نمبر 1۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش کے ہاں رکتے وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہد نوش فرماتے (1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں اور حضرت حفصہ نے آپس میں اتفاق کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں تو وہ کہے: میں آپ سے مغافیر کی بو پاتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغافیر کھائے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک کے پاس تشریف لے گئے تو اس زوجہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کی۔ فرمایا: ''میں نے تو حضرت زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے، میں دوبارہ ایسے نہ کروں گا'' تو یہ آیات اِنۡ تَتُوۡبَاۤ تک نازل ہوئیں۔ اِنۡ تَتُوۡبَاۤ میں مراد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ وَ اِذۡ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعۡضِ اَزۡوَاجِهٖ سے مراد ہے: میں نے شہد پیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حلوہ اور شہد پسند فرمایا کرتے تھے (2)۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز ادا فرما لیتے تو اپنی ازواج مطہرات کے ہاں تشریف لے جاتے۔ ان کے قریب ہوتے۔ آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے تو آپ اس سے زیادہ رک گئے جتنا آپ رکا کرتے تھے۔ میں نے آپ سے اس بارے میں پوچھا تو مجھے بتایا گیا: ان کی قوم کی ایک عورت نے شہد کی ایک کپی پیش کی ہے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد پلایا ہے۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم ضرور حیلہ کریں گی۔ میں نے اس کا ذکر حضرت سودہ سے کیا اور میں نے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، جلد 1، صفحہ 478

2۔ ایضاً، جلد 1، صفحہ 479

کہا: جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرے پاس تشریف لائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور تیرے قریب تشریف لائیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرنا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغافیر کھائے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے: نہیں۔ تو عرض کرنا: یہ بو کیسی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بو سے سخت نفرت کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے: حفصہ نے مجھے شہد کا شربت پلایا ہے۔ تو عرض کرنا: شہد کی مکھی نے عرفط کو چوسا ہوگا۔ میں بھی یہی بات عرض کروں گی، اے صفیہ! تو بھی یہ بات کرنا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سودہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! جو بات تو نے مجھے کہی تھی میں اسے اس وقت ہی کرنے والی تھی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دروازے پر تھے۔ یہ صرف تیری ملامت کے ڈر کی وجہ سے تھا (مگر میں نے نہ کی) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریب تشریف لائے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغافیر کھائے ہیں؟ فرمایا: ''نہیں''۔ عرض کی: یہ بو کیسی ہے؟ فرمایا: ''حفصہ نے مجھے شہد کا شربت پلایا ہے''۔ عرض کی: اس کی مکھی نے عرفط کو چوسا ہوگا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے تو میں نے بھی اسی کی مثل عرض کی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے بھی اسی کی مثل بات کی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ عرض کی: یا رسول اللہ! کیا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہد نہ پلاؤں؟ فرمایا: ''مجھے حاجت نہیں''۔ کہا: حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کہا کرتیں: سبحان اللہ! ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے روک دیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے حضرت سودہ کو کہا: چپ رہ۔ اس روایت میں ہے جس کے ہاں شہد پیا گیا وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ پہلی روایت میں ہے وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ ابن ابی ملیکہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے۔ وہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تھیں (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں؛ اسے اسباط نے سدی سے روایت نقل کی ہے۔ یہ عطا بن ابی مسلم نے روایت کی ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ سب جہالت ہے اور علم کے بغیر تصورات ہیں (2)۔ باقی عورتوں نے اس زوجہ سے حسد اور غیرت کی بنا پر کہا: ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مغافیر کی بو پاتے ہیں۔ مغافیر سبزی ہے یا گوند ہے جس کی خوشبو بدل چکی ہو، اس میں مٹھاس ہوتی ہے۔ اس کی واحد مغفور ہے جرست یعنی اس نے کھایا۔ عرفط یہ ایک ایسی بوٹی ہے جس کی بو شراب کی بو جیسی ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ پسند کرتے تھے کہ آپ سے عمدہ خوشبو پائی جائے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے پائیں اور فرشتہ سے کلام کرنے کی وجہ سے بو کو ناپسند کرتے تھے؛ یہ ایک قول ہے۔

ایک دوسرا قول بھی ہے: مراد وہ عورت ہے جس نے اپنے آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پیش کیا (3)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہرات کی وجہ سے اسے قبول نہ کیا؛ یہ حضرت ابن عباس اور عکرمہ کا قول ہے۔

تیسرا قول ہے: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کیا تھا جو مقوقس، شاہ سکندریہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجی تھی۔ ابن اسحاق نے کہا: یہ انصنا ضلع کے ایک ایسے شہر سے تھی جسے حفن کہتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں ان کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے تھے۔ دار قطنی نے حضرت ابن عباس سے انہوں نے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 39 2۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1845 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 38

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے (1) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ام ولد حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل کیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے پاس پایا جبکہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اپنے والد کے گھر جانے کی وجہ سے اپنے گھر میں موجود نہ تھیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ام ولد کو میرے گھر میں داخل کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں میں سے صرف میرے ساتھ یہ سلوک اس لیے کیا ہے کیونکہ میں آپ پر کم مرتبہ محسوس ہوتی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''یہ واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ذکر نہ کرنا اگر میں اس حضرت ماریہ کے قریب جاؤں تو وہ مجھ پر حرام ہے''۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنے اوپر کیسے حرام کرتے ہیں جبکہ وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے سامنے قسم اٹھائی کہ وہ حضرت ماریہ کے قریب نہ جائیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا: ''اس کا ذکر کسی سے بھی نہ کرنا''۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اٹھا دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک اپنی ازواج کے ہاں تشریف نہیں لے جائیں گے۔ آپ ازواج مطہرات سے انتیس دن تک الگ تھلگ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

آیت کریمہ کے نزول کے اسباب میں سے قوی اور صحیح سبب

مسئلہ نمبر 2۔ ان اقوال میں سے زیادہ صحیح پہلا قول ہے۔ سب سے کمزور درمیانا ہے۔ ابن عربی نے کہا: سند میں ضعف اس لیے ہے کیونکہ اس کے راوی عادل نہیں (2)۔ معنی میں ضعف اس لیے ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا موہوبہ چیز کا رد کرنا یہ اسے حرام قرار دینا نہیں کیونکہ جو چیز کسی کو ہبہ کی جائے اس کو رد کرنے سے وہ چیز اس پر حرام نہیں ہو جاتی۔ بے شک حقیقی حرمت تو حلت کے بعد ہوتی ہے۔ جہاں تک جو یہ روایت کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کیا تو یہ روایت سند کے اعتبار سے سب سے اچھی ہے اور معنی کے اعتبار سے واقعہ کے زیادہ قریب ہے لیکن صحیح میں مذکور نہیں۔ اسے مرسل روایت کیا گیا ہے۔

ابن وہب نے روایت کی ہے (3)، وہ امام مالک سے وہ حضرت زید بن اسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حضرت ابراہیم کی والدہ حضرت ماریہ کو اپنے اوپر حرام قرار دیا۔ فرمایا: ''تو مجھ پر حرام ہے۔ اللہ کی قسم! میں تیرے پاس نہیں آؤں گا''۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔ اس کی مثل ابن قاسم نے روایت نقل کی ہے۔ اشہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ انصار سے تعلق رکھنے والی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے آپ سے تکرار کیا تو حضرت عمر اس سے کانپ گئے (4)۔ فرمایا: بیویاں تو اس طرح نہیں ہوتی تھیں۔ بیوی نے کہا: کیوں نہیں جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تکرار کرتی ہیں آپ نے اپنا کپڑا لیا اور حضرت حفصہ کی طرف نکلے پوچھا: کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تکرار کرتی ہے؟ عرض کی: ہاں۔ اگر میں جانتی کہ آپ اسے ناپسند کرتے ہیں تو میں ایسا نہ کرتی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ فرمایا: حفصہ کی ناک خاک آلود ہو۔ صحیح

1۔ سنن دارقطنی، کتاب الطلاق، جلد 4، صفحہ 41 2۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1845 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

یہ ہے کہ یہ واقعہ شہد کے بارے میں ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں پیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس مسئلہ میں ایک دوسرے کی مدد کی تو واقعہ ہوا جو ہوا رسول اللہ ﷺ نے قسم اٹھا دی کہ اسے نہ پئیں گے اور اسے مخفی رکھا۔ یہ آیت ان تمام کے بارے میں نازل ہوئی۔

مرد مطلقاً حرمت کا قول کرے تو اس کا اطلاق کس پر ہوگا؟

مسئلہ نمبر 3۔ لِمَ تُحَرِّمُ اگر نبی کریم ﷺ نے حرام کیا اور قسم نہ اٹھائی تو ہمارے نزدیک یہ قسم نہیں (1) مرد کا یہ قول: ھذا علی حرام بیوی کے سوا کسی چیز کو حرام نہیں کرتا۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: جب اس نے اسے مطلق ذکر کیا تو اس کا اطلاق کھانے اور پینے والی چیزوں پر ہوگا، لباس پر نہیں ہوگا۔ یہ قسم ہوئی اور کفارہ کو واجب کرے گی۔ امام زفر نے کہا: یہ تمام چیزوں میں قسم ہوگی یہاں تک کہ حرکت وغیرہ میں بھی قسم ہوگی (2)۔

مخالف نے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شہد کو حرام کیا تو آپ ﷺ پر کفارہ لازم ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ (التحریم: 2) اللہ تعالیٰ نے اسے قسم قرار دیا ہے، ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا (المائدہ: 87) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ (یونس) اللہ تعالیٰ نے حلال چیز کو حرام قرار دینے پر مذمت کی ہے اس پر کفارہ کو واجب قرار نہیں دیا۔ زجاج نے کہا: کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس چیز کو حرام قرار دے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہو اور نبی کریم ﷺ کی یہ شان نہیں کہ کسی چیز کو حرام قرار دیں مگر اسے ہی حرام قرار دے سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہے جس نے اپنی بیوی یا لونڈی سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے اور طلاق وظہار کی نیت نہ کی۔ یہ لفظ کفارہ یمین کو واجب کرے گا۔ اگر اس نے اس لفظ کے ساتھ بیویوں اور لونڈیوں کی ایک جماعت کو خطاب کیا تو اس پر ایک کفارہ ہوگا۔ اگر اس نے اپنی ذات پر کھانا یا کوئی اور چیز حرام کی تو امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، امام ثوری اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک کفارہ واجب ہوگا۔

مرد کا اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دینا

مسئلہ نمبر 4۔ علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کہ ایک مرد اپنی بیوی کو کہتا ہے: تو مجھ پر حرام ہے۔ اس بارے میں اٹھارہ اقوال ہیں۔

اس پر کچھ بھی لازم نہیں

(ا) اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا (3): امام شعبی، مسروق، ربیعہ، ابو مسلم اور اصبغ نے یہی کہا ہے۔ یہ ان کے نزدیک پانی اور کھانے کو حرام کرنے کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ

1۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1846 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 1848

سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا (المائدہ: 87) بیوی پاکیزہ چیزوں میں
تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ (النحل: 116) جسے اللہ تعالیٰ حرام قرار نہ دے کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ
اسے حرام قرار دے، نہ اس بندے کے حرام قرار دینے سے وہ حرام ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے
فرمایا ہو ما أحله الله هو علی حرام اللہ تعالیٰ نے جو چیز مجھ پر حلال کی ہے وہ مجھ پر حرام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ماریہ
سے رک گئے اس قسم کی وجہ سے جو آپ سے واقع ہوئی۔ وہ یہ تھی واللہ لا أقربها بعد الیوم آج کے بعد میں اس کے قریب
نہیں جاؤں گا۔ آپ سے فرمایا گیا: اللہ تعالیٰ نے جو چیز آپ کے لیے حلال کی ہے اس سے قسم کی وجہ سے کیوں رکتے ہیں۔
یعنی اس کے پاس جائیے اور کفارہ ادا کیجئے۔

(۲) یہ قسم ہے وہ کفارہ ادا کرے؛ یہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اور امام اوزاعی کا نقطہ نظر ہے۔ آیت کا مقتضا بھی یہی ہے۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: جب کوئی آدمی اپنی بیوی اپنے اوپر حرام کرے تو یہ قسم ہوگی وہ کفارہ ادا کرے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: 21) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لونڈی کو اپنے اوپر حرام کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۗ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ آپ نے اپنی قسم کا کفارہ دیا اور حرام کو قسم بنا دیا۔ دارقطنی نے اس کی تخریج کی ہے۔

اس میں کفارہ واجب ہوگا، یہ قسم نہیں

(۳) اس میں کفارہ واجب ہوگا (2)؛ یہ قسم نہ ہوگی؛ یہ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ دو روایتوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک یہ ہے۔ اس قول میں نظر و فکر کی گنجائش ہے۔ آیت اس کا رد کرتی ہے۔

یہ ظہار ہے اس میں کفارہ نہیں

(۴) یہ ظہار ہے اس میں کفارہ ظہار ہے (3)؛ یہ حضرت عثمان غنی، امام احمد بن حنبل اور اسحاق کا نقطہ نظر ہے۔

مرد کی نیت کو دیکھا جائے گا

(۵) اگر اس نے یہ قول کر کے ظہار کی نیت کی (4)، وہ یہ نیت کرتا ہے وہ حرام ہے جس طرح اس کی ماں کی پیٹھ حرام ہے تو یہ ظہار ہوگا۔ اگر طلاق کے بغیر اس کی ذات کو اپنے اوپر حرام مطلق کیا تو کفارہ یمین واجب ہوگا۔ اگر کسی چیز کی نیت نہ کی تو اس پر کفارہ یمین ہوگا؛ یہ امام شافعی کا قول ہے۔

1۔ سنن دارقطنی، کتاب الطلاق، جلد 4، صفحہ 41
2۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1847-1848
3۔ ایضاً
4۔ ایضاً

یہ طلاق رجعی ہے

(۶) یہ طلاق رجعی ہے (1)؛ یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، زہری، عبدالعزیز بن ابی سلمہ اور ابن ماجشون کا قول ہے۔

یہ طلاق بائنہ ہے

(۷) یہ طلاق بائنہ ہے (2)؛ یہ حماد بن ابی سلیمان اور حضرت زید بن ثابت کا قول ہے۔ اسے ابن خویز منداد نے امام مالک سے نقل کیا ہے۔

یہ طلاق مغلظہ ہے

(۸) یہ تین طلاقیں ہیں (3)؛ یہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔

مدخول بہا اور غیر مدخول بہا کے بارے میں حکم مختلف ہے

(۹) جس بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے ہوتے ہوں اس کو تین طلاقیں ہو جائیں گی (4) اور جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہیں کیے۔ اس میں نیت کرے گا؛ یہ حضرت حسن بصری، علی بن زید اور حکم کا قول ہے۔ یہ امام مالک کا مشہور مذہب ہے۔

ہر حال میں یہ طلاق مغلظہ ہے

(۱۰) یہ تین طلاقیں ہوں گی کسی حال میں بھی نیت نہ کرے اور کسی محل میں نیت نہ کرے (5)۔ اگرچہ اس نے حقوق زوجیت ادا نہ کیے ہوں؛ یہ عبدالمالک کا قول ہے جو مبسوط میں ہے۔ ابن ابی لیلی نے یہی کہا ہے۔

مدخول بہا کو تین جب کہ غیر مدخول بہا کو ایک طلاق ہوگی

(۱۱) جس سے دخول نہیں کیا اس میں ایک طلاق ہے (6) اور جس کے ساتھ دخول کیا ہوا ہے اس کو تین طلاقیں ہیں؛ یہ ابو مصعب اور محمد بن عبدالحکم کا قول ہے۔

احناف کا نقطہ نظر

(۱۲) اگر اس نے طلاق کی نیت کی یا ظہار کی نیت کی تو وہ واقع ہوگا جو اس نے نیت کی (7)۔ اگر طلاق کی نیت کی تو ایک بائنہ ہوگی مگر اس صورت میں تین واقع ہو جائیں گی جب وہ تین کی نیت کرے۔ اگر دو کی نیت کرے تو ایک واقع ہوگی۔ اگر کوئی نیت نہ کی تو وہ قسم ہوگی۔ مرد اپنی بیوی سے ایلاء کرنے والا ہوگا۔ یہ امام ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب کا نقطہ نظر ہے۔ اس کی مثل امام زفر کا قول ہے مگر فرمایا: جب وہ دو کی نیت کرے تو ہم اسے لازم کر دیں گے۔

ابن قاسم کا نقطہ نظر

(۱۳) ظہار کی نیت اسے کوئی نفع نہ دے گی (8)۔ یہ طلاق ہوگی؛ یہ ابن قاسم کا قول ہے۔

1۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1848-1847 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ ایضاً 7۔ ایضاً 8۔ ایضاً

یحییٰ بن عمر کا نقطہ نظر

(۱۴) یحییٰ بن عمر نے کہا: یہ طلاق ہوگی (1)۔ اگر اس نے بیوی کی طرف رجوع کیا تو اس کے لیے وطی کرنا جائز نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ کفارہ ظہار ادا کرے۔

امام شافعی کا نقطہ نظر

(۱۵) اگر طلاق کی نیت کرے تو جتنی تعداد کا ارادہ کیا (2)، اگر ایک کی نیت کی تو ایک طلاق رجعی ہوگی؛ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اس کی مثل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ و تابعین کا قول ہے۔

سفیان ثوری کا نقطہ نظر

(۱۶) اگر یہ لفظ بول کر تین کی نیت کی تو تین ہو جائیں گی، اگر ایک کی نیت کی تو ایک ہو جائے گی، اگر قسم کی نیت کی تو یہ قسم ہوگی، اگر کسی چیز کی نیت نہ کی تو کوئی چیز لازم نہ ہوگی؛ یہ سفیان کا قول ہے۔ اسی کی مثل امام اوزاعی اور ابو ثور کا قول ہے مگر دونوں نے کہا: اگر کچھ بھی نیت نہ کی تو ایک طلاق ہوگی۔

ابن شہاب اور ابن عربی کا نقطہ نظر

(۱۷) اس کی نیت کا اعتبار ہوگا (3)۔ ایک سے کم نہیں ہو سکتی؛ یہ ابن شہاب کا قول ہے۔ اگر کچھ بھی نیت نہ کی تو کوئی چیز لازم نہ ہوگی؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔ میں نے سعید بن جبیر کا بھی یہی قول دیکھا ہے۔

اس پر غلام کو آزاد کرنا لازم ہے

(۱۸) اس پر ایک غلام آزاد کرنا لازم ہے اگرچہ وہ اسے ظہار نہ بنائے۔ میں اس کی کوئی توجیہ نہیں جانتا۔ میرے پاس جو مقالات ہیں ان میں یہ متعدد نہ ہوں گے۔

میں کہتا ہوں: دارقطنی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی (4) کہ حسین بن اسماعیل، محمد بن منصور سے وہ روح سے وہ سفیان ثوری سے وہ سالم افطس سے وہ سعید بن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک آدمی آیا۔ عرض کی: میں نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ فرمایا: تو نے جھوٹ بولا ہے۔ وہ تجھ پر حرام نہیں۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ تجھ پر سب سے بھاری کفارہ ہے، وہ غلام آزاد کرنا ہے۔ مفسرین میں سے ایک جماعت نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم کا کفارہ ایک غلام کو آزاد کر کے ادا کیا اور حضرت ماریہ کی طرف لوٹے؛ یہ زید بن اسلم اور دوسرے لوگوں کا قول ہے۔

اس مسئلہ میں پائے جانے والے اختلاف کی وجہ

مسئلہ نمبر 5۔ ہمارے علماء نے کہا: اس باب میں اختلاف کا سبب یہ ہے کہ نہ کتاب اللہ میں اور نہ سنت رسول اللہ

1۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1848-1847 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ سنن دارقطنی، کتاب الطلاق، جلد 4، صفحہ 43

میں کوئی نص یا ظاہر، صحیح ہے جس پر اس مسئلہ میں اعتماد کیا جا سکے۔ اس وجہ سے علماء نے اس بارے میں اپنی اپنی رائے قائم کی۔ جس نے برأت اصلیہ سے تمسک کیا، اس نے کہا: کوئی حکم نہیں، اس سے کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔ جس نے کہا: یہ قسم ہے! اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے قسم کا نام دیا ہے۔ جس نے کہا: اس میں کفارہ واجب ہوگا اور یہ قسم نہیں اس کی بنیاد دو امروں میں سے ایک امر ہے۔ (۱) اس نے گمان کیا: اللہ تعالیٰ نے اس میں کفارہ واجب کیا ہے، اگرچہ یہ قسم نہیں۔ (۲) ان کے نزدیک یمین کا معنی حرام کرنا ہے تو کفارہ معنی کے اعتبار سے واقع ہوا۔ جس نے کہا: یہ طلاق رجعی ہے اس نے لفظ کو اقل وجوہ پر محمول کیا ہے۔ طلاق رجعی بھی وطی کو حرام کرتی ہے تو لفظ کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔ یہ امام مالک کو لازم ہوگا کیونکہ آپ فرماتے ہیں: طلاق رجعی وطی کو حرام کر دیتی ہے۔ اسی طرح جس نے کہا: یہ تین طلاقیں ہیں اس کی توجیہ یہ ہے کہ اس نے اسے سب سے غلیظ صورت پر محمول کیا۔ وہ تین طلاقیں ہیں۔ جس نے کہا: یہ ظہار ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تحریم کے درجات میں سے سب سے کم درجہ کی تحریم ہے کیونکہ یہ ایسی تحریم ہے جو نکاح کو ختم نہیں کرتی۔ جس نے کہا: یہ طلاق بائنہ ہے، اس نے اس پر اعتماد کیا کہ طلاق رجعی مطلقہ کو حرام نہیں کرتی اور طلاق بائنہ اسے حرام کرتی ہے۔ جہاں تک یحییٰ بن عمر کے قول کا تعلق ہے انہوں نے اس میں احتیاط کی ہے کہ اسے طلاق بنائیں جب وہ اس سے رجوع کرے تو اس میں احتیاط کی کہ کفارہ لازم کریں۔ ابن عربی نے کہا: یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ تو دو متضاد چیزوں کو جمع کرنا ہے کیونکہ ایک لفظ کے معنی میں ظہار اور طلاق جمع نہیں ہو سکتے تو جس کا اجتماع دلیل میں صحیح نہیں اس میں احتیاط کی کوئی وجہ نہیں۔

جس نے کہا: جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہیں کیے گئے اس میں نیت کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ ایک طلاق اسے جدا کر دیتی ہے اور شرعاً اسے حرام کر دیتی ہے؛ یہی اجماع ہے۔ اسی طرح کہا: جس نے نیت کا اعتبار کرتے ہوئے کوئی حکم نہ لگایا۔ دخول سے پہلے ایک طلاق بھی حرمت ثابت کرتی ہے یہی اجماع ہے کہ اقل، جس پر سب کا اتفاق ہے اس کو اپنا لینا کافی ہے۔ جس نے کہا: دونوں میں یہ تین طلاقیں ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے حکم اعظم کو لیا ہے کیونکہ اگر وہ تین کی تصریح کر دیتا تو جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہیں کیے گئے اس میں بھی یہ تینوں نافذ ہو جاتیں جس طرح اس میں نافذ ہو جاتی ہیں جس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے ہیں۔ ضروری ہے کہ معنی اسی کی مثل ہو، وہ تحریم ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ یہ سب بیوی کے بارے میں ہے۔ جہاں تک لونڈی کا تعلق ہے تو ان میں سے کوئی چیز لازم نہ ہوگی مگر امام مالک کے نزدیک جب وہ آزادی کی نیت کرے۔ عام علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس پر کفارہ یمین ہوگا۔ ابن عربی نے کہا: صحیح یہ ہے کہ یہ ایک طلاق ہے کیونکہ اگر وہ طلاق کا ذکر کرتا تو یہ کم سے کم ہی واقع ہوتی وہ ایک ہی ہے مگر اس صورت میں کہ اسے متعدد ذکر کرے (1)۔ اسی طرح جب تحریم کا ذکر کیا تو کم سے کم واقع ہوگی مگر جب وہ اکثر کا ذکر کرے، جس طرح وہ کہے: أنت علی حرام الابعد زوج یہ مراد پر نص ہے۔

میں کہتا ہوں: اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت حضرت حفصہ کے بارے میں نازل ہوئی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

1۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1850

نے اپنی لونڈی کے ساتھ خلوت کی؛ ثعلبی نے اس کا ذکر کیا۔ اس تعبیر کی بنا پر گویا فرمایا: جو آپ نے اپنی ذات پر حرام کیا ہے وہ آپ پر حرام نہیں بلکہ آپ پر اس کا کفارہ ہے اگرچہ یہ شہد اور لونڈی کی حرمت کے بارے میں بھی ہے۔ گویا فرمایا: جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے وہ آپ پر حرام نہیں بلکہ آپ نے تحریم کو یمین کے ساتھ ملا دیا ہے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کیجئے؛ یہ قول صحیح ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حرام کیا، پھر قسم اٹھائی۔ جس طرح دارقطنی نے ذکر کیا (1)۔ امام بخاری نے اس کا معنی شہد کے قصہ میں بیان کیا (2) جو عبید بن عمیر سے مروی ہے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش کے ہاں شہد نوش فرماتے اور ان کے ہاں ٹھہرتے۔ میں نے اور حضرت حفصہ نے آپس میں مشاورت کی کہ ہم میں سے جس کے ہاں بھی رسول اللہ تشریف لائیں تو وہ کہے: آپ نے مغافیر کھائے ہیں؟ میں آپ سے مغافیر کی بو محسوس کرتی ہوں۔ فرمایا: ''نہیں میں نے تو شہد پیا ہے میں دوبارہ ایسا نہ کروں گا۔ میں نے قسم اٹھا دی ہے اس بارے میں کسی کو بھی نہ بتانا''۔ مقصد اپنی ازواج کی خوشنودی تھی۔ ولن اعود لہ یہ تحریم کی صورت میں تھا اور حلفت مراد باللہ ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر عتاب کا حکم نازل کیا اور اپنے ارشاد: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ سے کفارہ یمین لازم کیا۔

تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ آپ یہ اس لیے کرتے ہیں تا کہ ازواج کی رضا حاصل کریں۔ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۝ جس امر نے معاتبہ کو واجب کیا اس کو بخشنے والا ہے اور مواخذہ کو ختم کر کے رحم فرمانے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: یہ گناہ صغیرہ ہے۔ صحیح یہ ہے یہ ترک اولیٰ پر معاتبہ ہے اور آپ کا صغیرہ اور کبیرہ گناہ نہیں۔

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ ۚ وَ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ۝

''بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے تمہارے لیے تمہاری قسموں کی گرہ کھولنے کا طریقہ (یعنی کفارہ) اور اللہ تعالیٰ ہی تمہارا کارساز ہے اور وہی سب کچھ جاننے والا بہت بڑا دانا ہے''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

قسم کی تحلیل کفارہ ہے

مسئلہ نمبر 1۔ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ یمین کی تحلیل کفارہ ہے یعنی جب تم نے جس امر کے بارے میں قسم اٹھائی ہے اس کو مباح کرنے کو پسند کرو تو کفارہ ہی اس کی تحلیل (ختم کرنے والا) بن سکتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ (المائدہ: 89) اس سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے جس نے ماکول یا مشروب میں سے کسی چیز کو حرام کیا۔ ہمارے نزدیک وہ چیز اس پر حرام نہ ہوگی کیونکہ کفارہ، قسم کے لیے ہوتا ہے تحریم کے لیے نہیں ہوتا جیسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ امام ابوحنیفہ ہر حال میں اسے قسم خیال کرتے ہیں اور اس میں مقصود، انتفاع کا اعتبار کرتے ہیں جس کو وہ حرام قرار دیتے ہیں۔ جب اس نے کھانے کو حرام قرار دیا تو اس نے اس کے کھانے کے بارے میں قسم اٹھائی۔ جب لونڈی کو

1۔ سنن دارقطنی، کتاب الطلاق، جلد 4، صفحہ 41
2۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 729

حرام کیا تو اس نے اس کے ساتھ وطی کے بارے میں قسم اٹھائی، بیوی کو حرام کیا تو اس سے ایلاء کیا جب اس کی کوئی نیت نہ ہو۔ اگر ظہار کی نیت کی تو ظہار ہوگا۔ اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق بائنہ ہوگی۔ اس طرح اگر اس نے دو یا تین طلاقوں کی نیت کی۔ اگر اس نے کہا: میں نے جھوٹ کی نیت کی ہے، تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی۔ قضاءً اس کی تصدیق نہ کی جائے گی کہ ایلاء کو باطل کیا جائے۔ اگر اس نے کہا: ہر حلال چیز اس پر حرام ہے تو مراد کھانا اور مشروب ہوگا جب وہ نیت نہ کرے بصورت دیگر جس کی وہ نیت کرے۔ امام شافعی اسے قسم شمار نہیں کرتے لیکن عورتوں میں صرف ایک کفارہ کا سبب مانتے ہیں۔ اگر طلاق کی نیت کی تو یہ ان کے نزدیک طلاق رجعی ہوگی جس طرح پہلے وضاحت گزر چکی ہے۔ اگر قسم اٹھائی کہ وہ اسے نہیں کھائے گا، وہ حانث ہو جائے گا اور کفارہ ادا کرنے سے قسم سے فارغ ہو جائے گا۔

لونڈی یا بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کی صورت میں کفارہ کا لزوم

مسئلہ نمبر 2۔ اگر اس نے اپنی لونڈی یا اپنی بیوی کو حرام کیا تو اس پر کفارہ یمین لازم ہوگا جس طرح صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جب ایک آدمی نے اپنے اوپر اپنی بیوی کو حرام کر لیا تو یہ قسم ہے اس کا کفارہ ادا کرے (1)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: 21)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کفارہ کی ادائیگی میں پایا جانے والا اختلاف

مسئلہ نمبر 3۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفارہ ادا نہیں کیا (2) کیونکہ آپ کی شان ہے: قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تاخر اس سورت میں کفارہ یمین کا حکم امت کو دیا گیا ہے جبکہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے پھر امت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا کرتی ہے۔ ہم پہلے حضرت زید بن اسلم سے روایت نقل کر چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلام آزاد کر کے کفارہ ادا کیا۔ مقاتل سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ماریہ کو جو اپنے اوپر حرام کیا تھا، اس سلسلہ میں ایک غلام کو آزاد کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے لونڈی کو تم پر حلال کیا ہے اس کی وضاحت اس ارشاد میں ہے: مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهُ (الاحزاب: 38) یعنی حلال عورتوں میں سے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مشروع کیں یعنی تمہارے لیے ملک یمین (لونڈی) کو حلال کیا تو تم ماریہ کو اپنی ذات پر کیوں حرام کرتے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے تم پر حلال کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تحلة الیمین سے مراد استثناء کرنا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے استثناء کو مقدر کیا ہے جس کو یمین سے خارج کر دیا گیا ہے۔ پھر ایک قوم کے نزدیک قسم سے استثناء جائز ہے جب وہ چاہے اگرچہ ایک عدت درمیان میں حائل ہو چکی ہو۔ اکثر علماء کے نزدیک متصل ہی جائز ہے۔ گویا فرمایا: جن امور کے بارے میں قسم اٹھائی ہے اس میں استثناء کر لو۔ قسم کو کفارہ کے ساتھ ہی ختم کیا جا سکتا ہے۔ یہ لفظ اصل میں تحللة ہے اس میں ادغام کر دیا گیا ہے۔ تفعلة یہ باب تفعیل کا مصدر ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، وجوب الکفارة علی من حرم امراته، جلد 1، صفحہ 478

2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 174

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تحلۃ یہ کفارہ ہے۔ قسم اٹھانے والے نے جسے اپنے اوپر حرام کیا تھا کفارہ اسے قسم اٹھانے والے پر حلال کردے گا۔ جب اس نے کفارہ ادا کردیا تو وہ اس طرح ہوجائے گا گویا اس نے قسم اٹھائی ہی نہیں تھی۔ وَ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے جس چیز کو تم اپنے اوپر حرام کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے ممنوعیت کو زائل فرماتا ہے اور کفارہ کے ذریعے قسموں کو ختم کرکے تمہارے لیے رخصت پیدا فرماتا ہے اور جو تم کفارہ ادا کرتے ہو اس پر تمہیں ثواب عطا فرماتا ہے۔

وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝

''اور (یہ واقعہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رازداری سے اپنی ایک بیوی کو ایک بات بتائی پھر جب اس نے (دوسری) کو راز بتایا (تو) اللہ نے آپ کو اس پر آگاہ کردیا، آپ نے (اس بیوی کو) کچھ بتادیا اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی، پس جب آپ نے اس کو اس پر آگاہ کیا تو اس نے پوچھا: کس نے آپ کو اس کی خبر دی ہے؟ فرمایا: مجھے اس نے آگاہ کیا جو علیم و خبیر ہے''۔

وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا یاد کیجئے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو راز کی ایک بات بتائی یعنی یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ کو اپنے اوپر حرام کیا اور حضرت حفصہ سے مطالبہ کیا کہ اس بات کو راز میں رکھے۔ کلبی نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ سے یہ سرگوشی کی تھی (1) کہ ''تیرا والد اور عائشہ کا والد میرے بعد میری امت پر میرے خلیفہ ہوں گے''۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد خلافت کا ذکر حضرت حفصہ سے کیا تو حضرت حفصہ نے اس کا ذکر کیا (2)۔ دارقطنی اپنی سنن میں کلبی سے وہ ابو صالح سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ کی تفسیر میں روایت نقل کرتے ہیں، حضرت حفصہ اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئیں جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام ابراہیم حضرت ماریہ کے پاس موجود تھے۔ فرمایا: ''عائشہ کو نہ بتانا''۔ اسے فرمایا: ''تیرا والد اور اس کا والد عنقریب میرے بعد حاکم بنیں گے یا والی بنیں گے۔ عائشہ کو یہ نہ بتانا''۔ حضرت حفصہ گئیں اور حضرت عائشہ کو بتادیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کردیا۔ بعض باتوں کو واضح کردیا اور بعض سے اعراض کیا۔ اس قول سے اعراض کیا: ''تیرا باپ اور اس کا باپ میرے بعد والی ہوں گے''۔ لوگوں میں اس بات کے عام ہونے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند کیا۔ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ جب حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ کو بتایا کیونکہ ان میں دوستی تھی اور دوسری ازواج مطہرات کے خلاف ایک دوسری کی مددگار تھیں۔ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطلاع فرمادی (3) کہ حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ کو بتادیا ہے۔ طلحہ بن مصرف نے پڑھا ہے فَلَمَّا نَبَاَتْ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ انبأ، نبأ۔ عَرَّفَ

1۔ معالم التنزیل، جلد 6، صفحہ 410 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ کا معنی ہے حضرت حفصہ کو کچھ وہ باتیں بتادیں جو آپ کی طرف وحی کی گئی تھیں اور کچھ سے چشم پوشی کی، مقصد اپنی کرامت و شرافت کا اظہار تھا؛ یہ سدی کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: کریم آدمی کبھی بھی انتہا کو نہیں پہنچتا(1)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ۔ مقاتل نے کہا: حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ سے جو باتیں کیں ان میں سے بعض کا ذکر کیا۔ وہ ام ولد کی بات تھی اور بعض کے بارے میں نہ بتایا۔ وہ حضرت حفصہ کا حضرت عائشہ کے لیے یہ قول تھا: حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد والی بنیں گے۔ عام قرأت عرّف ہے۔ اس کا معنی وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَ اَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ یعنی اسے بعض چیزوں کے بارے میں آگاہ نہ کیا۔ اگر یہ مخفف ہوتا تو اس کے ضد میں فرماتا وانکر بعضا حضرت علی، حضرت طلحہ بن مصرف، حضرت ابو عبد الرحمن سلمی، حضرت حسن بصری، قتادہ، کلبی، کسائی اور اعمش نے ابوبکر سے یہ قول نقل کیا ہے عرف بعض جب تخفیف کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہوگا اس بارے میں ناراض ہوئے اور اس کو سزا دی۔ یہ تیرے اس قول کی طرح ہے جو تو اس آدمی کو کہتا ہے جو تیرے ساتھ بدمعاملگی کرتا ہے: لاعرفن لك ما فعلت یعنی جو تو نے کیا ہے میں اس پر تجھے سزا دوں گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو یہ سزا دی کہ اسے ایک طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر آل خطاب میں کوئی بھلائی ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے طلاق نہ دیتے۔ حضرت جبرئیل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حفصہ سے رجوع کرنے کو کہا اور سفارش بھی کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک ازواج سے الگ تھلگ رہے اور حضرت ماریہ جو حضرت ابراہیم کی والدہ تھیں ان کے بالا خانے میں مقیم رہے یہاں تک کہ آیت تحریم نازل ہوئی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طلاق دینے کا ارادہ کیا تو جبرئیل امین نے عرض کی: اسے طلاق نہ دیجئے کیونکہ وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والی اور قیام کرنے والی ہے۔ جنت میں یہ آپ کی بیویوں میں سے ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طلاق نہ دی۔

فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو اس چیز سے آگاہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر ظاہر کیا تھا۔ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا یا رسول اللہ! کس نے آپ کو اس بارے میں آگاہ کیا؟ حضرت حفصہ نے گمان کیا تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے آپ کو خبر دی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ مجھے اس علیم و خبیر نے بتایا ہے جس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ هٰذَا، اَنْۢبَاَ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ پہلا نبّا یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہے اور دوسرا انبأ ایک مفعول کی طرف متعدی ہے کیونکہ نبّا اور انبأ جب مبتدا اور خبر پر داخل نہ ہوں تو یہ جائز ہوگا کہ ایک مفعول اور دو مفعول کافی ہوں۔ جب یہ مبتدا اور خبر پر داخل ہوں تو ان میں سے ہر ایک تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوگا۔ دو مفعولوں پر اکتفا تیسرے کو چھوڑ کر کافی نہ ہوگا کیونکہ تیسرا مفعول حقیقت میں مبتدا کی خبر ہوتا ہے اس کے بغیر اقتصار درست نہیں جس طرح خبر کے بغیر مبتدا پر اقتصار کرنا درست نہیں۔

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 174

اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُكُمَا ۚ وَ اِنۡ تَظٰهَرَا عَلَيۡهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوۡلٰٮهُ وَ جِبۡرِيۡلُ وَصَالِحُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚ وَالۡمَلٰٓـئِكَةُ بَعۡدَ ذٰلِكَ ظَهِيۡرٌ ۝

''اگر تم دونوں اللہ کے حضور توبہ کرو اور تمہارے دل بھی (توبہ کی طرف) مائل ہو چکے ہیں (تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے) اگر تم نے ایکا کر لیا آپ کے مقابلہ میں تو (خوب جان لو) کہ اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار ہے، جبرئیل اور نیک بخت مومنین بھی آپ کے مددگار ہیں اور ان کے علاوہ سارے فرشتے بھی مدد کرنے والے ہیں''۔

اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَى اللّٰهِ مراد حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ صدیقہ ہیں۔ ان دونوں کو توبہ پر برانگیختہ کیا کیونکہ ان سے ایسا امر واقع ہوا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے خلاف میلان رکھتا تھا۔ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُكُمَا یعنی تمہارے دل حق سے پھر گئے (1)۔ یہ امر تھا کہ دونوں نے اس بات کو پسند کیا کہ وہ چیز پسند کریں جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند کیا تھا جیسے لونڈی سے اجتناب کرنا اور شہد سے اجتناب کرنا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہد اور عورتوں سے محبت رکھتے تھے۔ ابن زید نے کہا: دونوں کے دل اس طرف مائل ہوئے کہ انہیں اس چیز نے خوش کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ام ولد سے رک جائیں تو انہیں اس چیز نے خوش کیا جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان دونوں کے دل توبہ کی طرف مائل ہوئے۔ فرمایا: فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُكُمَا یہ نہیں فرمایا فقد صغی قلبا کما۔ عربوں کا معمول ہے جب وہ تثنیہ ذکر کرتے ہیں تو ایک کو جمع لاتے ہیں کیونکہ یہ اشکال کا باعث نہیں ہوتا۔ یہ بحث سورۂ مائدہ آیت 38 میں اللہ تعالیٰ کے فرمان فَاقۡطَعُوۡۤا اَيۡدِيَهُمَا میں گزر چکی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب بھی تثنیہ کے ساتھ اضافت واقع ہو تو وہاں جمع کے ساتھ وضاحت کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ زیادہ باوقار اور تخفیف کا باعث ہے۔ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُكُمَا یہ جزائے شرط نہیں کیونکہ صغو (میلان) پہلے ہو چکا تھا۔ جواب شرط محذوف ہے۔ حذف کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہر کسی کو معلوم ہے یعنی اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لیے یہ بہتر ہوتا کیونکہ تمہارے دل حق سے مائل ہو چکے تھے۔

وَ اِنۡ تَظٰهَرَا عَلَيۡهِ یعنی تم معصیت اور ایذا کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف باہم معاونت کرو۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے (2): میں ایک سال تک رکا رہا جبکہ میں ارادہ رکھتا تھا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ایک آیت کے بارے پوچھوں۔ آپ کی ہیبت کی وجہ سے نہ پوچھ سکا یہاں تک کہ آپ حج کے لیے روانہ ہوئے تو میں بھی حج کے لیے روانہ ہوا۔ جب آپ واپس لوٹے تو ہم ایک راستہ پر تھے آپ اپنی ضرورت کے لیے ایک درخت کی طرف ہو لیے۔ میں رک گیا یہاں تک کہ آپ فارغ ہو گئے۔ پھر میں آپ کے ساتھ چل پڑا۔ میں نے عرض کی: اے امیر المومنین! وہ دو بیویاں کون سی تھیں جنہوں نے رسول اللہ کے معاملہ میں باہم ایک دوسرے کی مدد کی تھی؟ فرمایا: وہ حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ تھیں۔ میں نے عرض کی: اللہ کی قسم! میں ایک سال سے آپ سے یہ پوچھنا چاہتا تھا آپ کی ہیبت کی وجہ سے پوچھ نہ

1۔ معالم التنزیل، جلد 6، صفحہ 411

2۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، بیان ان تخییر امرتہ لایکون طلاقاً الا بالنیۃ، جلد 1، صفحہ 481

سکا۔ فرمایا: ایسا نہ کیا کر، تجھے جو گمان ہو کہ میرے پاس علم ہے تو مجھ سے پوچھ لے۔ اگر مجھے علم ہوا تو میں تجھے بتادوں گا۔

فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ اللہ آپ کا ولی اور مددگار ہے ان کا باہمی تعاون آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ عکرمہ اور سعید بن جبیر نے کہا: صالح المومنین سے مراد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق تھے کیونکہ حضرت ابوبکر حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عمر حضرت حفصہ کے والد تھے۔ دونوں ان دونوں کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار رہتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد نیک مومن ہیں۔ صالح اسم جنس ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ (العصر)؛ یہ طبری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ سے مراد انبیاء ہیں؛ یہ علاء بن زید، قتادہ اور سفیان کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: مراد ملائکہ ہیں۔ سدی نے کہا: مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ اصل میں واحد کا صیغہ نہیں۔ اصل میں صالحوا الْمُؤْمِنِیْنَ تھا۔ صالحین کو مومنین کی طرف مضاف کیا اسے واو جمع کے بغیر لکھا گیا کیونکہ اس صورت میں واحد اور جمع کا صیغہ ایک ہے جس طرح مصحف میں ایسی اشیاء آتی ہیں جن میں لفظ کا حکم متنوع ہوتا ہے، خط کی وضع متنوع نہیں ہوتی۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے بیان کیا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عورتوں سے علیحدگی اختیار کی (1)۔ حضرت عمر نے کہا: میں مسجد میں داخل ہو گیا تو لوگ زمین پر کنکریاں مار رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ یہ حکم حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ میں نے کہا: آج میں ضرور جانوں گا۔ میں حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس گیا، میں نے کہا: اے ابوبکر کی بیٹی! کیا تجھے اپنے عمل کے بارے میں یہ خبر پہنچی ہے کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیتی ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا: اے ابن خطاب! تیرا مجھ سے کیا واسطہ! تجھے اپنی بیٹی کی خبر لینی چاہیے۔ حضرت عمر نے کہا: میں حضرت حفصہ کے پاس گیا۔ میں نے اس سے کہا: اے حفصہ! کیا تجھے اپنے عمل کے بارے میں یہ خبر پہنچی ہے کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیتی ہے۔ اللہ کی قسم! تو خوب جانتی ہے کہ رسول اللہ تجھ سے محبت نہیں کرتے۔ اگر میں نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے طلاق دے دیتے۔ حضرت حفصہ بڑی شدت سے روئیں۔ میں نے اس سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ حضرت حفصہ نے کہا: وہ اپنے چوبارہ میں ہیں۔ میں داخل ہوا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام رباح کے پاس تھا جو چوبارہ کی دہلیز پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اپنی دونوں ٹانگیں اس لکڑی پر لٹکائے ہوئے تھا جس میں سوراخ کیا گیا تھا۔ یہ ایسی لکڑی تھی جس کے سہارے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوپر چڑھتے اور نیچے اترتے تھے۔ میں نے آواز دی: اے رباح! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کی مجھے اجازت لے دو۔ رباح نے کمرہ کی طرف دیکھا، پھر میری طرف دیکھا اور کچھ بھی نہ کہا۔ پھر میں نے کہا: اے رباح! میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت طلب کرو۔ رباح نے کمرے کی طرف دیکھا، پھر میری طرف دیکھا اور کچھ بھی نہ کہا۔ پھر میں نے بلند آواز سے کہا: اے رباح! میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت طلب کرو۔ میں گمان کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، بیان ان تخییر امرأته لا یکون طلاقاً الا بالنیۃ، جلد 1، صفحہ 480-481

خیال فرمایا: میں حضرت حفصہ کے مسئلہ میں بات کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ اللہ کی قسم! اگر رسول اللہ مجھے حفصہ کی گردن اڑانے کا حکم دیتے تو میں اس کی گردن اڑا دیتا۔ میں نے اپنی آواز کو بلند کیا۔ رباح نے مجھے اشارہ کیا کہ میں اوپر آ جاؤں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا جبکہ آپ چٹائی پر پہلو کے بل لیٹے ہوئے تھے۔ میں بیٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تہبند کو درست کیا جبکہ آپ کے جسم پر کوئی اور کپڑا نہ تھا جبکہ چٹائی آپ کے پہلو پر نشان چھوڑ گئی تھی۔ میں نے رسول اللہ کے کمرے میں نظر دوڑائی تو وہاں صاع بھر جو پڑے تھے اور کمرہ کی ایک جانب اتنے ہی قرظ درخت کے پتے تھے اور ایسا چمڑہ لٹکا ہوا تھا جس کی دباغت مکمل نہ ہو۔ حضرت عمر نے کہا: میری آنکھوں سے جلدی آنسو رواں ہو گئے۔ فرمایا: ''اے ابن خطاب! تجھے کیا چیز رلاتی ہے؟'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں کیوں نہ روؤں؟ اس چٹائی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں نشان چھوڑے ہیں اور یہ کمرہ، میں اس میں دیکھتا ہوں جو کچھ دیکھتا ہوں وہ قیصر و کسریٰ پھلوں اور نہروں میں رہتے ہیں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اس کے چنے ہوئے ہیں اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کل جمع پونجی ہے۔ فرمایا: ''اے ابن خطاب! کیا تو اس پر راضی نہیں کہ ہمارے لیے آخرت ہو اور ان کے لیے دنیا ہو''۔ میں نے عرض کی: کیوں نہیں۔ کہا: جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ میں غصہ و غضب کے آثار دیکھے تھے۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! عورتوں کے معاملہ میں کیا چیز آپ کو پریشان کرتی ہے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طلاق دے دی ہے تو اللہ تعالیٰ، فرشتے، جبریل، میکائیل، میں، ابوبکر اور مومنین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں میں نے بہت ہی کم گفتگو کی مگر میں امید رکھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے قول کی تصدیق فرمائے گا تو یہ آیت اور آیت تخییر نازل ہوئی: عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ (التحریم:5) وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۞ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ دوسری ازواج مطہرات کے خلاف باہم تعاون کیا کرتی تھیں۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ فرمایا: ''نہیں''۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میں مسجد میں داخل ہوا جبکہ لوگ کنکریاں زمین پر مار رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ کیا میں نیچے اتروں اور انہیں خبر دوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طلاق نہیں دی؟ فرمایا: ''ہاں اگر تو چاہے''۔ میں لگاتار آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ غصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے دور ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک ظاہر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک سب سے حسین تھے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیچے اترے اور میں بھی نیچے اترا۔ میں نیچے اترا جبکہ اس لکڑی کا سہارا لے رہا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اترے گویا آپ زمین پر چل رہے ہوں۔ آپ اس کے ساتھ ہاتھ کا سہارا نہیں لے رہے تھے۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کمرہ میں انتیس دن رہے۔ فرمایا: مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے۔ میں مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو گیا تو میں نے بلند آواز سے ندا دی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی اور یہ آیت نازل ہوئی: وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ

الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (النساء:83) میں وہ شخص تھا جس نے سب سے پہلے اس امر کا استنباط کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے آیت تخییر کو نازل فرمایا۔

وَ جِبْرِیْلُ اس میں کئی لغتیں ہیں جس کا ذکر سورۂ بقرہ میں ہو چکا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف مَوْلٰىهُ پر ہو معنی ہوگا اللہ تعالیٰ اس کا ولی ہے اور جبریل اس کا ولی ہے۔ مَوْلٰىهُ پر وقف نہیں کیا جائے گا جِبْرِیْلُ پر وقف ہوگا۔ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ مبتدا ہے اور الْمَلٰٓىِٕكَةُ کا اس پر عطف ہے اور ظَهِیْرٌ اس کی خبر ہے اور جمع کے معنی میں ہے۔ صالح المومنین سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں؛ یہ مسیب بن شریک کا قول ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: مراد حضرت عمر ہیں۔ عکرمہ نے کہا: حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق ہیں۔ شقیق نے حضرت عبداللہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آیت میں صالح المومنین سے مراد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ مراد حضرت علی شیر خدا ہیں۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ''صالح المومنین سے مراد حضرت علی شیر خدا ہیں''۔ اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ جِبْرِیْلُ مبتدا ہو مابعد اس کا معطوف ہو اور خبر ظَهِیْرٌ ہو۔ یہ جمع کے معنی میں ہو۔ اس تعبیر کی بنا پر مَوْلٰىهُ پر وقف ہوگا اور وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ مبتدا اور خبر ہو اور ظَهِیْرٌ کا معنی مددگار ہو، یہ ظهراء کے معنی میں ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ حَسُنَ اُولٰٓىِٕكَ رَفِیْقًا (النساء) ابوعلی نے کہا: فعیل کا وزن کثرت کے لیے استعمال ہوا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَا یَسْــٴَـلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا ۚ یُّبَصَّرُوْنَهُمْ (المعارج) ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں ازواج کا باہمی تعاون نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نفقہ کے مطالبہ میں تھا، اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک الگ رہنے کی قسم اٹھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم الگ رہے۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے(1)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے۔ آپ رسول اللہ کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت چاہتے تھے۔ آپ نے لوگوں کو پایا کہ وہ دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں مل رہی۔ حضرت ابوبکر صدیق کو اجازت ملی تو وہ داخل ہو گئے، پھر حضرت عمر حاضر ہوئے۔ انہوں نے اجازت لی تو آپ کو بھی اجازت دے دی گئی۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا کہ آپ کی ازواج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد خاموش بیٹھی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ضرور ایسی بات کروں گا جس کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسا دوں گا۔ عرض کی: یارسول اللہ! اگر بنت خارجہ مجھ سے نفقہ کا مطالبہ کرتی تو میں اس کی طرف اٹھتا تو میں اس کی گردن دبوچ لیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس دیئے۔ فرمایا: ''یہ میرے اردگرد جمع ہیں جس طرح تم دیکھتے ہو یہ مجھ سے نفقہ کا سوال کرتی ہیں''۔ حضرت ابوبکر صدیق حضرت عائشہ کی طرف اٹھے تاکہ اس کی گردن دبا دیں۔ حضرت عمر حضرت حفصہ کی گردن دبانے کے لیے اٹھے۔ دونوں کہہ رہے تھے: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کا مطالبہ کرتی ہو جو ان کے پاس نہیں۔ سب نے عرض کی: اللہ کی قسم! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی کسی ایسی چیز کا سوال نہیں کریں گی جو ان کے پاس نہ ہو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتیس دن تک ان سے الگ تھلگ رہے، پھر یہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، بیان ان تخییر امرته لایکون طلاقاً الا بالنیة، جلد 1، صفحہ 480

آیت نازل ہوئی یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا۝ وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا۝ (الاحزاب) میں اس کا ذکر ہے۔

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓىِٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓىِٕحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا۝

”کچھ بعید نہیں کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تم سب کو طلاق دے دیں تو آپ کا رب تمہارے عوض آپ کو ایسی بیبیاں عطا فرما دے جو تم سے بہتر ہوں گی پکی مسلمان، ایمان والیاں، فرمانبردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزہ دار، کچھ پہلے بیاہیاں اور کچھ کنواریاں“۔

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی جیسی گزارش حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کی تھی۔ پھر یہ کہا گیا: عَسٰى کا لفظ قرآن حکیم میں جہاں بھی واقع ہوا ہے اس کا معنی ہے واجب ہے۔ مگر ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی بھی واجب ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے شرط کے ساتھ معلق کیا ہے جو طلاق دینا ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طلاق نہ دی۔

اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ کیونکہ اگر تم ان سے بہتر ہوتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں طلاق نہ دیتے؛ یہ سدی نے معنی کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول اللہ کے لیے وعدہ ہے۔ اگر آپ انہیں دنیا میں طلاق دے دیں تو اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنے رسول کی شادی ان سے بہتر عورتوں سے کر دے گا۔ اَنْ یُّبْدِلَهٗ کو تشدید اور تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ تبدیل اور ابدال کا معنی ایک ہے جس طرح تنزیل اور انزال کا معنی ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دیں گے لیکن اپنی قدرت کے بارے میں خبر دی کہ رسول اللہ نے طلاق دے دی تو اللہ تعالیٰ آپ کو ان سے بہتر بیویاں دے دے گا۔ مقصد انہیں ڈرانا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے: وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ (محمد: 38) اس آیت میں بھی قدرت کے بارے میں خبر دی اور انہیں ڈرایا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایسے افراد بھی موجود ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے افضل ہیں۔

مُسْلِمٰتٍ یعنی مخلص، یہ سعید بن جبیر نے کہا(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے امر کو تسلیم کرنے والیاں ہیں(2)۔ مُّؤْمِنٰتٍ انہیں جو حکم دیا جائے یا جس امر سے نہی کی جائے اس کی تصدیق کرنے والیاں ہیں۔ قٰنِتٰتٍ اطاعت کرنے والیاں ہیں۔ قنوت کا معنی اطاعت ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ تٰٓىِٕبٰتٍ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرنے والیاں ہیں؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی طرف رجوع کرنے والیاں اور اپنی پسند کی چیزوں کو چھوڑنے والیاں۔ عٰبِدٰتٍ اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ عبادت کرنے والیاں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 41 2۔ ایضاً

نے کہا: قرآن میں جہاں بھی لفظ عبادت کا ذکر ہے اس سے مراد توحید ہے۔ سٰٓئِحٰتٍ روزے دار؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت حسن بصری اور ابن جبیر کا قول ہے۔ زید بن اسلم، ان کے بیٹے عبدالرحمن اور یمان نے کہا: مراد ہے ہجرت کرنے والیاں۔ زید نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سیاحت ہجرت ہی ہے۔ سیاحتہ سے مراد زمین میں گھومنا پھرنا ہے۔ فراء، قتبی اور دوسرے علماء نے کہا: روزے دار کو سائح کہتے کیونکہ سائح کا زاد راہ نہیں ہوتا جہاں سے وہ کھانا پاتا ہے کھالیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں دور تک جانے والیاں ہیں۔ یہ ساح الماء سے مشتق ہے جس کا معنی ہے پانی چلا گیا۔ سورۂ برأت میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ الحمد للہ

ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا ۝ ان میں سے کچھ ثیبہ ہوں گی اور کچھ باکرہ ہوں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شادی شدہ کو ثیبہ کا نام دیا گیا ہے کیونکہ وہ اپنے خاوند کی طرف لوٹنے والی ہے (1)۔ اگر وہ اس کے پاس رہتی یا دوسرے خاوند کی طرف لوٹنے والی ہے اگر وہ اس سے جدا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ وہ اپنے والدین کے گھر کی طرف لوٹنے والی ہے یہ قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ ہر شادی شدہ خاوند کی طرف لوٹنے والی نہیں ہوتی۔ جہاں تک بکر کا تعلق ہے وہ کنواری ہے۔ اسے بکر کا نام دیا گیا ہے کیونکہ وہ پہلی والی حالت پر ہوتی ہے جس پر اسے پیدا کیا گیا ہوتا ہے۔ کلبی نے کہا: ثیب سے مراد حضرت آسیہ ہے جو فرعون کی بیوی تھی اور بکر سے مراد حضرت مریم ہے جو عمران کی بیٹی تھی (2)۔

میں کہتا ہوں: یہ اس آدمی کے قول پر تعبیر ہوگی جو یہ کہتا ہے: بے شک تبدیلی اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کے لیے وعدہ ہے۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان بیویوں کو دنیا میں طلاق دے دیتے تو اللہ تعالیٰ آخرت میں آپ کی زوجیت میں ان سے بہتر عورتیں دے دے گا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝

''اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تندخو سخت مزاج ہیں نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا ہے اور فوراً بجا لاتے ہیں جو ارشاد انہیں فرمایا جاتا ہے''۔

انسان کا اپنی ذات اور اپنے اہل کو آگ سے بچانا

اس میں ایک ہی مسئلہ ہے۔ وہ انسان کا اپنی ذات اور اپنے اہل کو آگ سے بچانا۔ ضحاک نے کہا: اس کا معنی ہے اپنے نفسوں کو بچاؤ جبکہ تمہارے اہل اپنے نفوس کو آگ سے بچائیں (3)۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: اپنے نفسوں کو بچاؤ اور اپنے گھر والوں کو ذکر اور دعا کا حکم دو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے انہیں بچائے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 42 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 44

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا اور مجاہد و قتادہ نے کہا: اپنے نفوس کو اپنے افعال اور اپنے اہل کو وصیت کے ذریعے بچاؤ۔ ابن عربی نے کہا: یہی قول صحیح ہے (1)۔ وہ معنی جو عطف عطا کرتا ہے جو معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان اشتراک کا تقاضا کرتا ہے وہ فعل کے معنی میں ہے جس طرح یہ قول ہے: علفتُها تبنا و ماءً بارداً یہ اصل میں علفتها تبنا و اشربتُها ماءً بارداً جس طرح یہ قول ہے: ورأيت زوجك في الوغى متقلداً سيفاً ورمحاً (٭) آدمی پر ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح طاعت کے ساتھ کرے اور اپنے اہل کی اصلاح اس طرح کرے جس طرح حاکم اپنی رعیت کی اصلاح کرتا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: كلكم راعٍ وكلكم مسئولٌ عن رعيته فالامام الذي على الناس راعٍ وهو مسئول عنهم والرجل راعٍ على أهل بيته وهو مسئول عنهم تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا حاکم جو لوگوں پر امیر ہے وہ ان کا نگہبان ہے اس سے لوگوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ آدمی اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اس سے گھر والوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ حضرت حسن بصری نے اس آیت کی تعبیر یوں کی: وہ انہیں اچھائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے۔ بعض علماء نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اس میں اولاد بھی داخل ہے کیونکہ اولاد اس کا بعض ہوا کرتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں داخل ہے: وَلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ (النور: 61) باقی رشتہ داروں کی طرح ان کا الگ ذکر نہیں کیا۔ وہ انہیں حلال و حرام کی تعلیم دے، معاصی اور گناہوں سے بچائے، اس کے علاوہ جو دوسرے احکام ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بچے کا باپ پر یہ حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے، اسے لکھنا سکھائے اور جب بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کر دے''۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''والد اپنی اولاد کو اچھے آداب سے بہتر کوئی چیز نہیں دیتا'' (2)۔

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ دادا سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں، فرمایا: ''اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب ان کی عمر سات سال کی ہو جائے، انہیں مارو جب ان کی عمر دس سال کی ہو جائے ان کے بستر الگ کر دو''۔ اس روایت کو محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں۔ حضرت سمرہ بن جندب سے بھی یہ روایت مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''بچے کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کا ہو جائے، جب دس سال کا ہو جائے تو نماز میں کوتاہی کرنے پر اسے مارو''۔ اسی طرح وہ اپنے گھر والوں کو نماز کے وقت، روزوں کے واجب ہونے اور روزہ کے افطار کے وجوب کے بارے میں بتائے جب وہ امر ثابت ہو جائے جبکہ یہ رؤیت ہلال کی طرف منسوب ہے۔

امام مسلم نے روایت کی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کی نماز ادا فرماتے تو ارشاد فرماتے: ''یا عائشہ! تم نماز پڑھو'' (3)۔ روایت بیان کی گئی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جو رات کو اٹھا، اس نے نماز پڑھی

1۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1852 — 2۔ المستدرک للحاکم، کتاب الادب، فصل تادیب الاولاد، جلد 4، صفحہ 263

3۔ صحیح مسلم، کتاب المسافرین، صلوٰۃ اللیل و عدد رکعات النبی فی اللیل، جلد 1، صفحہ 255

٭ میں نے تیرے خاوند کو جنگ میں تلوار اور نیزے سے آراستہ دیکھا۔

اور اس نے اپنے اہل کو جگایا اگر وہ نہ جاگے تو اس نے اس کے چہرے پر پانی کا چھینٹا مارا۔ اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحم فرمائے جو رات کو اٹھی، نماز پڑھی اور اپنے خاوند کو جگایا جب وہ نہ اٹھے تو اس نے خاوند کے منہ پر پانی کا چھینٹا مارا"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: گھر والوں کو بیدار کرو"(1)۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى (المائدہ:2) کے عموم کے تحت یہ داخل ہے۔ قشیری نے ذکر کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم اپنے نفوس کو بچاتے ہیں تو ہم اپنے گھر والوں کو کیسے بچائیں؟ فرمایا: "تم انہیں ایسی چیزوں سے منع کرو جن سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں منع کیا ہے اور تم انہیں ایسی باتوں کا حکم دو جن کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے"۔ مقاتل نے کہا: یہ اس پر اس کی ذات، اولاد، اہل، غلاموں اور باندیوں کے بارے میں اس کا حق ہے۔ الکیا نے کہا: ہم پر یہ فرض ہے کہ ہم اپنی اولادوں اور اپنے اہل کو دینی اور خیر کی تعلیم دیں اور ایسے آداب کی تعلیم دیں جس سے اعراض کی کوئی صورت نہ ہو، وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا (طٰہٰ:132) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا: وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ (الشعراء) حدیث طیبہ میں ہے: مُرُوْهم بالصلوة وهم أبناء سبع بچوں کو نماز کا حکم دو جبکہ وہ سات سال کے ہوں۔ وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ اس بارے میں گفتگو سورۂ البقرہ میں گزر چکی ہے۔ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ یعنی فرشتے جو زبانیہ ہیں وہ سخت دل ہیں جب ان سے رحم طلب کیا جائے تو وہ رحم نہیں کرتے۔ وہ غضب سے پیدا کیے گئے ہیں۔ مخلوق کو عذاب دینا ان کو محبوب ہے جس طرح انسانوں کے لیے کھانا، کھانا اور مشروب پینا محبوب ہے۔ شِدَادٌ وہ بدن کے سخت ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: گفتگو میں سخت اور افعال میں شدید ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب وہ جہنمیوں کو پکڑتے ہیں تو اس وقت سخت اور ان پر شدید ہوتے ہیں، یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان شديد على فلان وہ اس پر قوی ہے۔ مختلف قسم کے عذاب میں انہیں عذاب دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غلاظ سے مراد جسموں کا بھاری بھرکم ہونا ہے اور شدۃ سے مراد قوت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان میں سے ایک کے دو کندھوں کے درمیان ایک سال کی مسافت ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ وہ ایک ہنٹر مارے گا تو اس ایک ضرب سے ستر ہزار انسانوں کو جہنم کی گہرائی میں پھینک دے گا۔ ابن وہب نے ذکر کیا ہے ہمیں عبدالرحمان بن زید نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کے داروغوں کے بارے میں کہا: ان میں سے ایک کے دو کندھوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا فاصلہ مشرق و مغرب کے درمیان ہے(2)۔ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وہ اللہ تعالیٰ کے امر کی مخالفت نہیں کرتے نہ اس میں زیادتی کرتی ہیں اور نہ کمی کرتے ہیں۔ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ وہ اسی وقت اس کو بجالاتے ہیں جس میں انہیں حکم دیا جاتا ہے نہ اس میں تاخیر کرتے ہیں اور نہ ہی اس میں تقدیم کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے میں انہیں لذت حاصل ہوتی ہے جس طرح جنتی کو سرور جنت میں رہنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بعض معتزلہ نے اس کا ذکر کیا ہے ان کے نزدیک یہ ہے کہ قیامت میں کسی امر کا مکلف بنانا محال ہے۔ اہل حق کا اعتقاد مخفی نہیں کہ اللہ تعالیٰ آج (دنیا) اور کل (آخرت) میں مکلف بنا سکتا ہے اور فرشتوں

1۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1853

2۔ کتاب التذکرہ، ما جاء فی عظم جهنم، جلد 2، صفحہ 520

کے حق میں مکلف بنانے کا انکار نہیں کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ جو چاہے کرے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

''اے کفار! آج بہانہ نہ بناؤ تمہیں اسی کا بدلہ ملے گا جو (کرتوت) تم کیا کرتے تھے''۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ تمہاری معذرت کوئی نفع نہیں دیتی۔ یہ نہی مایوسی کو ثابت کرنے کے لیے ہے۔ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ تم دنیا میں جو کچھ عمل کرتے رہے ہو اس کا تمہیں بدلہ دیا جائے گا؛ اس کی مثل فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝ (الروم)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

''اے ایمان والو! اللہ کی جناب میں سچے دل سے توبہ کرو۔ امید ہے تمہارا رب دور کر دے گا تم سے تمہاری برائیاں اور تمہیں داخل کر دے گا ایسے باغات میں جن میں نہریں بہہ رہی ہوں گی اس روز رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ (اپنے) نبی کو اور ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے (اس روز) ان کا نور ایمان دوڑتا ہوگا ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! مکمل فرما دے ہمارے لیے ہمارا نور اور بخش دے ہمیں، بے شک تو اس چیز پر پوری طرح قادر ہے''۔

اس میں دو مسائل ہیں:

توبۂ نصوحاً سے کیا مراد ہے؟

مسئلہ نمبر1۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ توبہ کا حکم ہے یہ ہر حال اور ہر زمانہ میں اہل ایمان پر فرض ہے اس کا بیان اور اس کے بارے میں گفتگو سورۂ نساء میں گزر چکی ہے۔

تَوْبَةً نَّصُوْحًا علماء اور اصحاب قلوب نے توبہ نصوح میں اختلاف کیا ہے۔ اس کے بارے میں تیئس قول ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایسی توبہ ہے(1) جس کے بعد گناہ کی طرف رجوع نہیں ہوتا جس طرح دودھ کھیری میں دوبارہ نہیں لوٹتا۔ حضرت عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابی بن کعب اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم نے اسے مرفوع نقل کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: نصوح سے مراد سچی اور خالص توبہ ہے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد خالص توبہ ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: نصح یعنی اس کے لیے قول کو خالص کیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: نصوح یہ ہے وہ گناہ جسے وہ پسند کرتا تھا اس سے

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 416 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 45

بغض کرے اور جب اسے یاد آ جائے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایسی توبہ ہے جس کے قبول ہونے کا اسے اعتماد نہ ہو اور وہ ڈرتا ہی رہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایسی توبہ ہے جس کے ساتھ وہ توبہ کا محتاج نہیں رہتا۔ کلبی نے کہا: توبہ نصوح یہ ہے وہ دل سے شرمندگی کا اظہار کرے، وہ زبان سے استغفار کرے اور گناہ کا قلع قمع کرے اور اسے اطمینان ہو کہ وہ دوبارہ اس طرح نہیں کرے گا۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد مقبول توبہ ہے اور توبہ اس وقت تک مقبول نہیں ہوتی جب تک اس میں تین شرطیں نہ ہوں۔ (۱) یہ خوف کہ توبہ قبول نہ ہوگی۔ (۲) یہ امید کہ توبہ قبول ہو جائے گی۔ (۳) طاعات پر مواظبت اختیار کرنا۔ حضرت سعید بن مسیب نے کہا: ایسی توبہ جس کے ساتھ تم اپنے نفوس کو نصیحت کرتے ہو (2)۔ قرظی نے کہا: چار چیزیں ان کو جامع ہیں۔ (۱) زبان سے استغفار، (۲) بدن کے ساتھ قلع قمع کرنا۔ (۳) دل میں یہ چیز رکھنا کہ دوبارہ ایسی غلطی نہیں کرے گا۔ (۴) برے دوستوں کو چھوڑنا۔ سفیان ثوری نے کہا: توبۃ نصوح کی علامتیں چار ہیں۔ قلت، علت، ذلت اور غربت۔ فضیل بن عیاض نے کہا: یہ توبہ ایسی ہے کہ گناہ آنکھوں کے سامنے ہو وہ ہمیشہ اسے دیکھتا ہی رہے، اسی کی مثل ابن سماک سے مروی ہے توبہ نصوح یہ ہے کہ تو اس گناہ کو اپنے سامنے رکھے جس میں تو نے حیا میں کمی کی اور اپنی آخرت کے لیے تیاری کرے۔ ابوبکر وراق نے کہا: اس سے مراد ہے وہ زمین جو وسیع و عریض ہے وہ تجھ پر تنگ ہو جائے اور تیرا نفس بھی تجھ پر تنگ ہو جائے جس طرح وہ تین صحابہ کرام جو غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے۔ ابوبکر واسطی نے کہا: یہ ایسی توبہ ہے جو کسی عرض کے فوت ہونے کی وجہ سے نہیں کیونکہ جو دنیا میں اپنی ذاتی منفعت کے لیے گناہ کرتا ہے پھر آخرت میں ذاتی منفعت کے لیے توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ اپنی ذات کے لیے ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے تو نہیں۔ ابوبکر دقاق مصری نے کہا: توبہ نصوح سے مراد جو حق کسی کا دینا ہو اسے واپس کرنا، کسی کا دعویٰ ہو اسے معاف کرنا اور ہمیشہ طاعات کرنا۔ رویم نے کہا: وہ یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے روبرو رہے، اس کی طرف پشت نہ کرے جس طرح معصیت کے وقت تو اس کی طرف پشت کیے ہوئے تھا اس کی طرف منہ کرنے والا نہیں تھا۔ ذوالنون مصری نے کہا: توبۃ نصوح کی علامتیں تین ہیں۔ کم گفتگو، کم کھانا اور کم سونا۔ شقیق نے کہا: وہ اپنے نفس کو بہت زیادہ ملامت کرے اور شرمندگی سے جدا نہ ہو تا کہ آفات سے سلامتی کے ساتھ نجات پا جائے۔ سری سقطی نے کہا: توبہ نصوح اس وقت تک درست نہیں ہوتی جب تک وہ نفس اور مومنوں کے لیے مخلص نہیں ہوتا کیونکہ جو توبہ کو اپنا ساتھی بناتا ہے وہ پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کی مثل ہو جائیں۔ جنید نے کہا: توبہ نصوح یہ ہے کہ وہ گناہ بھول جائے وہ اسے کبھی بھی یاد نہ کرے کیونکہ جس کی توبہ صحیح ہو جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا ہو جاتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کو بھول جاتا ہے۔ ذوالاذنین نے کہا: جس کے آنسو لگاتار بہتے رہیں اور سرکشیوں سے اس کا دل دور بھاگتا ہو۔ فتح موصلی نے کہا: اس کی علامتیں تین ہیں۔ خواہش نفس کی مخالفت، زیادہ رونا، بھوک اور پیاس برداشت کرنا۔ سہل بن عبداللہ تستری نے کہا: یہ اہل سنت و جماعت کی توبہ ہے کیونکہ بدعتی کی کوئی توبہ نہیں۔ اس کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ''اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی پر پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ توبہ کرے''۔ حذیفہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 45　　2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 416

سے مروی ہے: کسی بندے کے لیے یہی برائی کافی ہے کہ وہ گناہ سے توبہ کرے پھر اس میں جا واقع ہو۔ توبہ نصوح کا اصل معنی خالص ہونا ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: ھذا عسل ناصح جب شہد گوند سے خالص ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نصاحہ سے ماخوذ ہے (1) جس کا معنی سینا ہے۔ اس سے اخذ کرنے کی دو وجہیں ہیں۔ ا۔ یہ ایسی توبہ ہے جو توبہ کرنے والی کی طاعت کو پختہ کر دیتی ہے جس طرح درزی سینے کے ساتھ کپڑے کو پختہ کرتا ہے اور مضبوط بناتا ہے۔ (۲) اس توبہ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء کو جمع کر دیا اور ان کو باہم وابستہ کر دیا ہے جس طرح درزی کپڑے کو جمع کرتا ہے اور بعض کو بعض سے جوڑ دیتا ہے۔ عام قرأت **نَصُوْحًا** ہے کہ یہ توبہ کی صفت ہے جس طرح امراۃ صبور ہے بہت زیادہ صبر کرنے والی عورت۔ یہ ایسی توبہ ہے جو خالص ہونے میں انتہا تک پہنچنے والی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز ہے کہ نصوحا، نصح کی جمع ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مصدر ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: نصح نصاحۃ و نصوحا بعض اوقات فعالۃ اور فعول ایک ہی فعل کے مصدر میں جمع ہو جاتے ہیں جس طرح ذھاب اور ذھوب ہے۔ مبرد نے کہا: ایسی توبہ مراد ہے جو نصح والی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: نصحتُ نصحًا و نصاحۃً و نصوحًا۔

گناہوں سے توبہ کیسے ہوگی؟

مسئلہ نمبر 2۔ وہ اشیاء جن سے توبہ کی جاتی ہے اور ان سے کیسے توبہ کی جاتی ہے؟ علماء نے کہا: وہ عمل جس سے توبہ ہوتی ہے وہ اس حالت سے خالی نہ ہوگی یا تو وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہوگا یا بندوں کا حق ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا حق ہو جس طرح نماز کو ترک کرنا اس سے توبہ اس وقت تک درست نہ ہوگی جب تک شرمندگی کے ساتھ اس شے کی قضا ملی ہوئی نہ ہو جو عمل فوت ہوا۔ یہی صورتحال ہوگی جب روزہ ترک کیا جائے یا زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کی جائے۔ اگر وہ ناحق کسی انسان کا قتل ہو۔ اگر قصاص اس پر لازم آتا ہے اور وہ قصاص میں مطلوب ہے تو وہ قصاص لینے کا موقع دے۔ اگر وہ جھوٹی تہمت ہے جو حد کو واجب کرتی ہے تو وہ اپنی پیٹھ کوڑوں کے لیے پیش کرے، اگر وہ مطلوب ہو۔ اگر اسے معاف کرا لیا جائے تو شرمندگی اور اخلاص کے ساتھ دوبارہ ایسا کام نہ کرنے کا پختہ عزم کافی ہوگا، اسی طرح اگر قتل کی صورت میں مال کے ذریعے معاف کیا جائے تو اس پر مال لازم ہوگا۔ اگر وہ مال پاتا ہے تو مال ادا کر دے؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ** (البقرۃ: 178) اگر وہ اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ہو، کوئی بھی ہو جب وہ صحیح شرمندگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے گا تو وہ اس بندے کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امر کے بارے میں واضح حکم دیا کہ ڈاکو جب پکڑے جانے سے قبل توبہ کر لیں تو ان سے حد ساقط ہو جائے گی۔ اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ اگر وہ پکڑے جانے کے بعد توبہ کریں تو ان سے حد ساقط نہ ہوگی، جس طرح اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ اسی طرح شراب نوشی کرنے والے، چور اور زانی ہیں جب وہ اپنی اصلاح کر لیں، توبہ کریں اور ان سے یہ معروف بھی ہو، پھر انہیں امام کے سامنے پیش کیا جائے تو امام کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ان پر حد جاری کرے۔ اگر انہیں امام کے سامنے پیش کیا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 45

جائے تو وہ کہیں: ہم نے توبہ کر لی ہے۔ تو انہیں چھوڑا جائے گا۔ اس وقت ان کی حالت ان ڈاکوؤں جیسی ہوگی جن پر غلبہ پائے گا؛ یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔

اگر گناہ ایسا ہے جو بندوں پر ظلم کرنے سے تعلق رکھتا ہے تو اس سے توبہ اس وقت تک درست نہ ہوگی جب تک وہ چیز مالک کو نہ لوٹا دے اور خود اس سے الگ تھلگ ہو جائے، وہ عینی چیز ہو یا کوئی اور چیز ہو اگر وہ اس کو واپس کرنے پر قادر ہو۔ اگر وہ اس پر قادر نہ ہو تو اس کا پختہ عزم ہو کہ جب وہ قادر ہوگا تو قریب ترین وقت میں اسے واپس کر دے گا۔ اگر وہ کسی مسلمان کو نقصان پہنچاتا ہے اور اس آدمی کو شعور نہیں یا نہیں جانتا کہ یہ مصیبت کہاں سے اس کے پاس آتی ہے تو اس آدمی سے اس ضرر کو دور کرے۔ پھر اس سے معافی کا سوال کرے اور یہ مطالبہ کرے کہ وہ آدمی اس کے حق میں بخشش کا طالب ہو۔ جب وہ آدمی اس کو معاف کر دے گا تو اس سے گناہ ساقط ہو جائے گا۔ اگر وہ ایسے آدمی کو بھیجے جو اس آدمی سے اس امر کا سوال کرے وہ مظلوم اس ظالم کو معاف کر دے وہ اسے ذاتی طور پر جانتا ہو یا نہ جانتا ہو تو پھر صحیح ہے۔ اگر ایک آدمی دوسرے آدمی کے ساتھ زیادتی کرے اس طرح کہ ناحق اسے ڈرائے، تکلیف دے، اسے طمانچہ مارے، ناحق تھپڑ مارے، چھری مارے اور اسے درد پہنچائے پھر جو اس سے غلطی ہوئی تھی اس پر شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے معافی کا طلبگار ہو اور یہ پختہ عزم ہو کہ وہ دوبارہ ایسا نہیں کرے گا۔ وہ لگا تار اس کے سامنے عاجزی کا اظہار کرے یہاں تک اس مظلوم کا دل خوش ہو جائے کہ وہ اسے معاف کر دے تو اس سے یہ گناہ ساقط ہو جائے گا۔ یہی صورتحال ہوگی جب وہ ایسی گالی گلوچ نکالے جس پر کوئی حد نہ ہو۔

عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ ،عسی فعل کی نسبت جب الله تعالیٰ کی ذات کی طرف ہو تو یہ وجوب کے معنی میں ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا بھی یہی معنی ہے: اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ(1) گناہ سے توبہ کرنے والا اس آدمی کی طرح ہے جس نے گناہ ہی نہ کیا ہو۔

وَ یُدْخِلَكُمْ اس کا عطف یُّكَفِّرَ پر ہے۔ ابن ابی عبلہ نے ویدخلکم مجزوم پڑھا ہے یہ عسی ان یکفر کے محل پر معطوف ہے، گویا کلام یوں فرمائی: تم توبہ کرو یہ تمہاری سیئات کو مٹانے کا باعث ہوگی اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گی جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔

یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ یوم میں عامل یُدْخِلَكُمْ ہے یا فعل مضمر ہے۔ یہاں یخزی کا معنی یعذب ہے یعنی نہ نبی کو عذاب دے گا اور نہ ہی انہیں عذاب دے گا جو اس پر ایمان لائے۔

نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ سورۃ الحدید میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: یہ مومنوں کی اس وقت دعا ہوگی جب الله تعالیٰ منافقوں کے نور کو بجھا دے گا جس کی وضاحت سورۂ حدید میں گزر چکی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ

1۔ سنن ابن ماجہ، باب ذکر التوبۃ، صفحہ 323

وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

"اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد جاری رکھو اور ان پر سختی کرو اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور لوٹ کر آنے کی بری جگہ ہے"۔

اس میں ایک ہی مسئلہ ہے:

وہ یہ کہ اللہ کے دین کے معاملہ میں سختی کی جائے

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ کفار کے ساتھ تلوار، وعظ و نصیحت اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے میں جہاد کریں اور منافقین کے ساتھ سختی کرنے اور حجت قائم کرنے میں جہاد کریں، ان پر آخرت کے احوال واضح کریں اور انہیں یہ بتائیں کہ ان کے لیے کوئی نور نہیں ہوگا جس کے ساتھ وہ پل صراط کو عبور کریں گے جبکہ مومنوں کے پاس نور ہوگا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ان پر حدود قائم کرنے میں جہاد کریں کیونکہ وہ ایسے کام کرتے تھے جو ان پر حدود کو واجب کرتے تھے اور حدود ان پر قائم کی جاتی تھیں (1)۔ **وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ** ضمیر دونوں قسموں یعنی کفار اور منافقین کی طرف لوٹ رہی ہے۔

وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ مصیر کا معنی لوٹنے کی جگہ ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ قِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝

"بیان فرمائی ہے اللہ نے کفار کیلئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال، وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں، پھر ان دونوں نے ان دونوں سے خیانت کی پس وہ دونوں (نبی ان کے شوہر) اللہ کے مقابلہ میں انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے اور انہیں حکم ملا: تم دونوں داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ"۔

اللہ تعالیٰ نے یہ مثال بیان فرمائی ہے اس امر پر آگاہ کرنے کے لیے کہ جب دو افراد دین میں مختلف ہوں گے تو کوئی قریبی رشتہ دار اپنے قریبی رشتہ دار کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام والہہ تھا (2) اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام والعہ تھا؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ ضحاک نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت جبرائیل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام واغلہ تھا اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام والہہ تھا۔

فَخَانَتٰهُمَا عکرمہ اور ضحاک نے کہا: یہاں خیانت سے مراد کفر ہے۔ سلیمان بن رقیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کہا کرتی تھی کہ حضرت نوح مجنون ہیں (3)۔ حضرت لوط علیہ السلام کی

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 177 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 47 3۔ تفسیر طبری، جز 28، صفحہ 190

بیوی لوگوں کو آپ علیہ السلام کے مہمانوں کے بارے میں بتاتی تھی۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: کسی نبی کی بیوی نے کبھی بھی بدکاری نہیں کی۔ قشیری نے ذکر کیا ہے: اس پر مفسرین کا اجماع ہے، ان کی خیانت دین کے معاملہ میں تھی۔ وہ دونوں مشرک تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ دونوں منافق تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان دونوں کی خیانت چغل خوری تھی۔ جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان دونوں انبیاء کی طرف وحی کی جاتی تو یہ دونوں مشرکوں پر اسے ظاہر کر دیتیں؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا طریقہ یہ تھا جب کوئی مہمان آتا تو وہ دھواں دکھاتی تا کہ اس کی قوم کو معلوم ہو جائے کہ حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں مہمان آیا ہے کیونکہ مرد آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے حضور بڑے محترم تھے اس کے باوجود ان کی بیویوں نے جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لیے کچھ بھی فائدہ نہ دے سکے (1)۔ یہاں اس بات پر آگاہ کرنا مقصود ہے کہ عذاب کو طاقت کے ذریعے دور کیا جا سکتا ہے کسی اور ذریعہ سے دور نہیں کیا جا سکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کفار مکہ نے استہزا کیا اور کہا: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری سفارش کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس امر کو واضح کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کفار مکہ کو کچھ نفع نہ دے گی اگرچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی شفاعت ان کی بیوی کو کوئی نفع نہ دے گی اور حضرت لوط علیہ السلام کی شفاعت ان کی بیوی کو کوئی نفع نہ دے گی جبکہ وہ دونوں ان انبیاء کے قریبی تھیں۔ وہ ان دونوں کا کفر ہوگا۔ ان دونوں بیویوں کو کہا جائے گا کہ جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی جہنم میں داخل ہو جاؤ جس طرح کفار مکہ مکرمہ اور دوسرے کفار کو کہا جائے گا۔ پھر کہا جائے گا: یہ بھی جائز ہے کہ امْرَاَتَ نُوْحٍ یہ مثلا سے بدل ہو اور مضاف محذوف ہو، تقدیر کلام یہ ہوگی، ضرب اللہ مثلا مثل امراۃ نوح یہ بھی جائز ہے کہ دونوں مفعول ہوں۔

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهٖ وَ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

''اور اسی طرح اللہ نے اہل ایمان کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال پیش فرمائی جبکہ اس نے دعا مانگی: اے میرے رب! بنا دے میرے لیے اپنے پاس ایک گھر جنت میں اور بچا لے مجھے فرعون اور اس کے کافرانہ عمل سے اور مجھے اس ستم پیشہ قوم سے نجات دے''۔

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ فرعون کی بیوی کا نام حضرت آسیہ بنت مزاحم تھا (2)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: یہ ارشاد ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس لیے بیان فرمائی جس کے ساتھ وہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ کو خبردار کرنا چاہتا ہے جب انہوں نے ایک معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے خلاف باہم تعاون کیا تھا۔ پھر ان دونوں کے لیے فرعون کی بیوی اور حضرت مریم بنت عمران کی مثال بیان فرمائی۔ مقصود یہ تھا کہ دونوں ازواج مطہرات کو طاعت میں تمسک

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 47 2۔ ایضا

اور دین پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب دی جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں مومنوں کو سختی میں صبر کرنے پر برانگیختہ کیا جا رہا ہے یعنی تم شدت کے وقت صبر میں فرعون کی بیوی سے کمزور نہ ہو جاؤ جب اس نے فرعون کی اذیت پر صبر کیا تھا۔ حضرت آسیہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پھوپھی تھی جو آپ پر ایمان لے آئی تھی۔ ابو العالیہ نے کہا: فرعون اپنی بیوی کے ایمان پر مطلع ہوا تو وہ اپنے سرداروں کے پاس آیا(1)۔ اس نے ان سے کہا: تم آسیہ بنت مزاحم کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟ سب نے اس کی تعریف کی۔ فرعون نے ان سے کہا: وہ تو میرے علاوہ کسی اور کی عبادت کرتی ہے۔ سب نے فرعون کو رائے دی: اسے قتل کر دو۔ فرعون نے اس کے لیے میخیں گاڑھیں اور اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تو حضرت آسیہ نے یہ دعا کی: رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ اسی وقت فرعون آیا۔ جب حضرت آسیہ نے جنت میں اپنے گھر کو دیکھا تو وہ ہنس پڑیں تو فرعون نے کہا: کیا تم اس کے جنون سے متعجب نہیں ہوتے۔ ہم اسے سزا دے رہے ہیں جبکہ یہ ہنس رہی ہے تو اسی حالت میں اس کی روح قبض کر لی گئی۔ عثمان نہدی نے حضرت سلمان فارسی سے روایت نقل کی ہے: حضرت آسیہ کو سورج کی دھوپ میں اذیت دی جاتی تھی جب سورج کی دھوپ حضرت آسیہ کو اذیت دیتی تو فرشتے انہیں اپنے پروں سے سایہ کر لیتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دھوپ میں اس نے حضرت آسیہ کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں گاڑھ دیں اور ان کی پشت پر چکی رکھ دی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اوپر اٹھایا یہاں تک کہ حضرت آسیہ نے جنت میں اپنے مکان کو دیکھ لیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب حضرت آسیہ نے یہ دعا کی تو حضرت آسیہ کو وہ گھر دکھایا گیا جو جنت میں ان کے لیے بنایا گیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ موتی کا بنا ہوا ہے، یہ قول حضرت حسن بصری کا ہے۔ جب حضرت آسیہ نے التجا کی وَنَجِّنِيْ تو اللہ تعالیٰ نے اسے عمدہ نجات عطا فرمائی(2)، اللہ تعالیٰ نے اسے جنت کی طرف اٹھا لیا۔ وہ کھاتی ہے، پیتی ہے اور نعمتوں سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ عمل سے مراد کفر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عمل سے مراد عذاب، ظلم اور اس کا تکلیف پر خوش ہونا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: عمل سے مراد جماع ہے(3)۔ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝ کلبی نے کہا: قوم سے مراد اہل مصر ہیں۔ مقاتل نے کہا: مراد قبطی ہیں۔ حضرت حسن بصری اور کیسان نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اسے عزت والی نجات دی، اسے جنت کی طرف اٹھا لیا، وہ وہاں کھاتی ہے اور پیتی ہے۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ۝

"اور (دوسری مثال) مریم دختر عمران کی ہے جس نے اپنے گوہر عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے پھونک دی اس کے اندر اپنی طرف سے روح اور مریم نے تصدیق کی اپنے رب کی باتوں کی اور اس کی کتابوں کی اور وہ اللہ کے فرمانبرداروں میں سے تھے"۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ اذکر فعل محذوف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا عطف امراۃ فرعون پر ہے معنی ہے اللہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 47　　2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 177　　3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 48

تعالیٰ نے حضرت مریم بنت عمران کی مثال بیان کی اور یہودیوں کی اذیتوں پر انہیں صبر عطا کیا۔ الَّتِیۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا یعنی جنہیں فحش اعمال سے محفوظ رکھا۔ مفسرین نے کہا: یہاں فرج سے مراد گریبان ہے(1) کیونکہ ارشاد فرمایا: فَنَفَخۡنَا فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِنَا حضرت جبریل امین نے ان کے گریبان میں پھونک ماری ان کی شرمگاہ میں پھونک نہیں ماری۔ یہ حضرت اُبی کی قرأت ہے فَنَفَخۡنَا فِیۡ جَیۡبِهَا مِنۡ رُّوۡحِنَا کپڑے میں جو بھی پھٹن ہو اس کو جیب کا نام دیا جاتا ہے۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ مَا لَهَا مِنۡ فُرُوۡجٍ ۝ (ق)۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت مریم نے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا اور حضرت مریم کے گریبان میں حضرت جبریل نے پھونک ماری۔ فَنَفَخۡنَا کا معنی ہے ہم نے جبریل امین کو بھیجا تو حضرت جبریل امین نے ان کے گریبان میں پھونک ماری۔ مِنۡ رُّوۡحِنَا یعنی اپنی ارواح میں سے ایک روح۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح ہے اس کی وضاحت سورۂ نساء کے آخر میں گزر چکی ہے۔ الحمدللہ۔

وَ صَدَّقَتۡ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا عام قرات صدقت تشدید کے ساتھ ہے حمید اور اموی نے و صدقت تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا سے مراد ہے کہ حضرت جبریل امین نے حضرت مریم سے کہا: اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّكِ (مریم:19) میں تیرے رب کا رسول ہوں۔ مقاتل نے کہا: کلمات سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام، یہ کہ وہ نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہیں یہ بحث بھی پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت حسن بصری اور ابو العالیہ نے کہا: بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ ابو عمرو اور حفص نے عاصم سے وَ كُتُبِهٖ جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ ابو رجاء سے وَ كُتُبِهٖ تاء کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے(2) باقی قراء نے اسے واحد کتابہ پڑھا ہے مراد جنس ہے معنی ہوگا یہ کتاب جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا۔

وَ كَانَتۡ مِنَ الۡقٰنِتِیۡنَ ۝ یہ اطاعت گزاروں میں سے تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ان نمازیوں میں سے تھی جو مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں۔ قانتات نہیں فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ قوم قانتین میں سے تھی۔ یہ جائز ہے کہ الۡقٰنِتِیۡنَ سے مراد ان کے ''اہل بیت'' ہوں کیونکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے تھے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ سے فرمایا جبکہ ان کی روح پرواز کر رہی تھی ''کیا تو اس بات کو ناپسند کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں نازل فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ناپسندیدگی میں خیر رکھ دی ہے جب تو اپنی سوکنوں کے پاس جائے تو میری طرف سے انہیں سلام کہنا وہ حضرت مریم بنت عمران، حضرت آسیہ بنت مزاحم، حضرت کلیمہ یا حضرت حکیمہ بنت عمران جو حضرت موسیٰ بن عمران کی بہن ہیں''۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: یا رسول اللہ! تمہارا جوڑا املار ہے بیٹے پیدا ہوں۔ قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تیرے لئے جہاں بھر کی عورتوں میں سے چار کافی ہیں حضرت مریم بنت عمران، حضرت خدیجہ بنت خویلد، حضرت فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ عنہا'' (3)۔ اس بارے میں مفصل گفتگو سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 48 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 336

3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 418۔ جامع ترمذی، باب فضل خدیجہ رضی اللہ عنہا، حدیث نمبر 3813، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سورۃ الملک

آیاتہا ۳۰ ۔ ۶۷ سورۃ الملک مکیۃ ۷۷ ۔ رکوعاتہا ۲

تمام علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے، اسے واقیہ اور منجیہ بھی کہتے ہیں، اس کی تیس آیات ہیں۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے ایک قبر پر خیمہ لگایا وہ یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ یہ قبر ہے یہ ایسے انسان کی قبر تھی جو سورۂ ملک پڑھتا یہاں تک کہ اسے ختم کرتا (1)۔ خیمہ لگانے والا صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے قبر پر اپنا خیمہ لگایا میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ یہ قبر ہے کیا دیکھتا ہوں کہ یہ انسان کی قبر ہے جو سورۂ ملک کی قرات کر رہا ہے یہاں تک کہ اس نے اسے ختم کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ مانعہ ہے، یہ منجیہ ہے جو عذاب قبر سے نجات دینے والی ہے''۔ کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں پسند کرتا ہوں کہ سورۂ تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ہر مومن کے دل میں ہو''۔ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کتاب اللہ میں سے ایک سورت ہے وہ صرف تیس آیات ہیں وہ انسان کی شفاعت کرتی ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز اسے جہنم سے نکال دے گی اور جنت میں اسے داخل کرے گی یہ سورۂ تَبٰرَكَ الَّذِیْ ہے (2)'' امام ترمذی نے اس کی ہم معنی حدیث نقل کی ہے اس بارے میں کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: جب میت کو اس کی قبر میں رکھا جائے گا تو اس کے قدموں کی جانب سے آیا جائے گا اور کہا جائے گا: تمہیں اس پر کوئی اختیار نہیں کیونکہ یہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر سورۂ ملک پڑھا کرتا تھا، پھر اس کے سر کی جانب سے آیا جائے گا تو اس کی زبان کہے گی: اس پر کوئی اختیار نہیں وہ مجھ سے سورۂ ملک کی تلاوت کیا کرتا تھا، پھر فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مانع ہے یہ سورت تورات میں بھی سورۂ ملک ہے جس نے رات میں اسے پڑھا تو اس نے بہت زیادہ عمل کیا اور بہت اچھا عمل کیا۔ یہ روایت کی گئی ہے: جس نے اسے ہر رات پڑھا فتان اسے کوئی نقصان نہیں دے سکے گا (3)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ؗ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙ۝

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، ما جاء فی سورۃ الملک، جلد 2، صفحہ 580

2۔ سنن ابی داؤد، باب فی عدد الآیۃ، حدیث نمبر 1192۔ سنن ابن ماجہ، باب ثواب القرآن، حدیث نمبر 3775، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ المتدرک، کتاب التفسیر، جلد 1، صفحہ 211

''منزہ و برتر ہے وہ جس کے قبضہ میں (سب جہانوں کی) بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے''۔

تَبٰرَكَ یہ برکت سے تفاعل کے وزن پر ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی تقدس ہے یعنی وہ پاک ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہمیشہ رہنے والا ہے پس وہ ایسا دائم ہے جس کے وجود کا اول نہیں اور اس کے دوام کا آخر نہیں۔ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ دنیا و آخرت میں زمین و آسمان کی بادشاہی اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کے قبضہ قدرت میں بادشاہی ہے، جسے چاہتا ہے عزت عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت عطا فرماتا ہے، وہ زندگی عطا کرتا ہے، وہ موت عطا کرتا ہے، وہ غنی کرتا ہے، وہی فقر دیتا ہے، وہ عطا فرماتا ہے، وہی روک لیتا ہے۔ محمد بن اسحاق نے کہا: اسی کے قبضہ قدرت میں نبوت کی بادشاہی ہے جس کے ساتھ اتباع کرنے والوں کو عزت عطا فرماتا ہے اور مخالفت کرنے والوں کو ذلت دیتا ہے (2)۔ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ وہ انعام کرنے اور انتقام لینے پر قادر ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۝

''جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے، اور وہی دائمی عزت والا بہت بخشنے والا ہے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

موت اور حیات کی تخلیق کا معنی

مسئلہ نمبر 1۔ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے تمہیں موت اور زندگی کے لئے پیدا کیا، یعنی دنیا میں موت کے لئے اور آخرت میں زندگی کے لئے پیدا کیا (3)۔ موت کو زندگی پر مقدم کیا کیونکہ موت صفت قہر کے زیادہ قریب ہے جس طرح بنات کو بنین پر مقدم کیا فرمایا: یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا (الشوریٰ: 49) ایک قول یہ کیا گیا ہے: موت کو اس لئے مقدم کیا کیونکہ یہ زندگی سے پہلے ہے کیونکہ اشیاء ابتدا میں موت کے حکم میں تھیں جس طرح نطفہ، مٹی وغیرہ۔

قتادہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے: ''اللہ تعالیٰ نے انسان کو موت کے ساتھ ذلیل کیا، دنیا کو زندگی کا گھر بنایا پھر موت کا گھر بنایا اور آخرت کو جزاء کا گھر پھر بقاء کا گھر بنایا'' (4)۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لولا ثلاث ما طأطأ ابن آدم رأسه الفقر و المرض و الموت وانه مع ذلك لوثاب اگر تین چیزیں نہ ہوں تو انسان اپنا سر نہ جھکائے فقر، مرض اور موت اس کے باوجود وہ اچھلنے کودنے والا اور جلد باز ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ موت کو حیات پر مقدم کیا کیونکہ جو انسان موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتا ہے اسے عمل کی طرف دعوت میں یہ سب سے قوی داعی (سبب) ہے اسے مقدم کیا کیونکہ جس غرض کے لئے آیت چلائی گئی ہے وہ زیادہ اہم ہے۔ علماء نے کہا: موت سے مراد عدم محض اور خالص فنا نہیں جبکہ موت سے مراد روح کا بدن سے جو تعلق ہے اس کا انقطاع اور اس کی مفارقت ہے، دونوں میں کسی چیز کا حائل ہونا، ایک حال سے دوسرے حال میں بدل جانا اور ایک دار سے

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 6، صفحہ 49 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 49 3۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 50-49 4۔ ایضاً، جلد 50

دوسرے دار میں منتقل ہوتا ہے، جبکہ زندگی اس کے برعکس ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، کلبی اور مقاتل نے کہا: موت اور حیات دو جسم ہیں موت کو مینڈھے کی ایسی ہیئت میں بنایا گیا ہے جو کسی انسان کے پاس سے نہیں گزرتا اور کوئی اس کی ہوا نہیں پاتا مگر مر جاتا ہے، حیات کو ایسے گھوڑی کی صورت پر بنایا گیا ہے جو سیاہ وسفید رنگ والی ہے یہ وہی گھوڑی ہے جس پر حضرت جبریل امین اور انبیاء علیہم السلام سواری کیا کرتے تھے، اس کا ایک قدم حد نگاہ تک ہوتا ہے، جو گدھے سے بڑی اور خچر سے چھوٹی ہوتی ہے، یہ کسی چیز کے پاس سے نہیں گزرتی جو چیز اس کی ہوا پاتی ہے تو وہ زندہ ہو جاتی ہے، وہ کسی چیز کو نہیں روندتی مگر وہ ہر چیز زندہ ہو جاتی ہے، یہ وہی گھوڑی تھی جس کے قدم کے نشان سے سامری نے کوئی چیز لی اسے بچھڑے پر ڈالا تو وہ زندہ ہو گیا؛ ثعلبی اور قشیری نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ ماوردی نے اسی کا معنی مقاتل اور کلبی سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: قرآن حکیم میں ہے قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ (السجدہ: 11) وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ (الانفال: 50) تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (الانعام: 61) فرمایا اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (الزمر: 42) واسطے فرشتے ہیں جو مکرم ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان پر ہوں۔ حقیقت میں موت عطا کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ آخرت میں موت کو مینڈھے کی مثالی شکل دی جائے گی اور پل صراط پر اسے ذبح کر دیا جائے گا جس طرح خبر صحیح میں واقع ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اس خبر صحیح کا محتاج ہے جو عذر کو ختم کر دے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ مقاتل سے یہ بھی مروی ہے: خَلَقَ الْمَوْتَ سے مراد ہے نطفہ، علقہ اور مضغہ کو پیدا کیا اور خلق الحیوۃ سے مراد ہے انسان کو پیدا فرمایا، اس میں روح پھونکی تو وہ انسان بن گیا۔

میں کہتا ہوں: یہ اچھا قول ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا دلالت کرتا ہے۔ سورۂ کہف میں اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ سدی نے اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا کا معنی یہ ذکر کیا ہے أكثركم للموت ذكرا و أحسن استعدادا تم میں سے کون موت کو زیادہ یاد کرتا ہے اور کون اس کے لئے زیادہ تیاری کرتا ہے؟ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ معنی ہے کون زیادہ خوف رکھتا ہے اور کون زیادہ احتیاط برتتا ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورت کے شروع اَحْسَنُ عَمَلًا تک آیات پڑھیں فرمایا: "کون اللہ تعالیٰ کے محارم سے بچتا ہے(1) اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جلدی کرتا ہے"۔ لیکن ایک قول یہ کیا گیا ہے: لِيَبْلُوَكُمْ کا معنی ہے تمہارے ساتھ ممتحن کا سا معاملہ کرے یعنی موت دے کر بندے کو آزماتا ہے تا کہ اس کے صبر کو واضح کرے اور حیات دے کر آزماتا ہے تا کہ اس کے شکر کو واضح کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے بعث اور جزا کے لئے موت کو پیدا کیا اور زندگی کو آزمانے کے لئے پیدا کیا۔ لِيَبْلُوَكُمْ میں لام خلق حیات کے متعلق ہے خلق موت کے متعلق نہیں؛ زجاج نے اسے ذکر کیا ہے۔ فراء اور زجاج نے یہ بھی کہا: بلوی، اسی پر واقع نہیں ہوتا کیونکہ بلوی اور ای کے درمیان فعل مضمر ہے جس طرح تو کہتا ہے: بلوتكم لأنظر أيكم أطوع اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ۝ (القلم) ان سے پوچھیں پھر دیکھیں۔ اَيُّكُمْ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 50

ہے اَحْسَنُ اس کی خبر ہے معنی ہے تاکہ جانے یا دیکھے تم میں سے ازروئے عمل کے کون سب سے اچھا ہے؟ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اس سے انتقام لینے میں غالب ہے اور جو توبہ کرے اس کو بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔

الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۖ مَا تَرٰى فِىْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۖ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝

''جس نے بنائے ہیں سات آسمان اوپر نیچے تمہیں نظر نہیں آئے گا (خداوند) رحمن کی آفرینش میں کوئی خلل ذرہ پھر نگاہ اٹھا کر دیکھ کیا تجھے کوئی رخنہ دکھائی دیتا ہے؟''۔

الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ان میں سے بعض بعض کے اوپر ہیں ان کی اطراف ملے ہوئے ہیں؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے۔ طِبَاقًا یہ نعت کی صفت ہے مصدر کے ساتھ اس کی صفت لگائی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مصدر ہے مطابقہ کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ و طَبَّقَها تطبیقًا أو مُطَابَقَةً یا تقدیر کلام یوں ہوگی طُوبقت طِبَاقًا۔ سیبویہ نے کہا: طباقا منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول ثانی ہے۔ میں کہتا ہوں: خَلَقَ، جعل اور صیّر کے معنی میں ہوگا۔ طباق، طبق کی جمع ہے جس طرح جمل کی جمع جمال ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ طبقہ کی جمع ہے۔ ابان بن تغلب نے کہا: میں نے ایک بدو کو سنا جو کسی آدمی کی مذمت کر رہا تھا تو اس نے کہا: شرّہ طباق و خیرہ غیر باقٍ اس کا شر تہہ در تہہ ہے اور اس کی خیر باقی رہنے والی نہیں (1)۔ قرآن کے علاوہ میں سبع سموات طباقٍ پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ سَمٰوٰتٍ کی صفت ہوئی اس کی مثل قرآن حکیم میں بھی ہے وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ (یوسف:43)

مَا تَرٰى فِىْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ حمزہ اور کسائی کی قرات مِنْ تَفَوُّتٍ ہے الف نہیں واؤ مشدد ہے (2)؛ یہ حضرت ابن مسعود اور اس کے اصحاب کی قرات ہے باقی قراء نے من تفاوت پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح تعاهد اور تعهُّد، تَحَمُّل اور تَحَامُل، تَظَهُّر اور تَظَاهُر، تَصَغُّر اور تَصَاغُر، تَضَعُّف اور تَضَاعُف، تَبَعُّد اور تَبَاعُد ہے دونوں کا معنی ایک ہے۔ ابوعبید نے مِنْ تَفَوُّتٍ کی قرات کو اختیار کیا ہے اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کی حدیث سے استدلال کیا: أمثلی یُتَفَوَّتُ علیه فی بَنَاتِه کیا مجھ جیسے آدمی کی عدم موجودگی میں اس کی بیٹیوں میں اس کی اجازت کے بغیر معاملہ کیا جاتا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ امر ابوعبید پر رد کر دیا جائے گا کیونکہ یتفوت کا معنی ہوتا ہے مشورہ کے بغیر کام کرنا۔ آیت میں تَفٰوُتٍ کا لفظ مناسب ہے جس طرح تباین کہا جاتا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: تَفَاوَتَ الْأَمْرُ جب اس میں جدائی اور بعد میں پیدا ہو جائے یعنی ان میں سے بعض، بعض سے فوت ہو جائے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس سے قبل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: الَّذِىْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا معنی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمن کی تخلیق میں کوئی کجی، نقص اور تباین نہیں دیکھیں گے بلکہ یہ مستقیم ہیں، مستوی ہیں اور اس کے خالق ہونے پر دال ہیں اگرچہ ان کی صورتیں اور صفات مختلف ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد صرف آسمان ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی تخلیق میں کوئی عیب نہیں دیکھیں گے۔ اس کی اصل فوت ہے مراد ہے کوئی چیز کسی چیز کو نہ پائے تو

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 338
2۔ ایضاً

برابری میں کمی کی وجہ سے خلل واقع ہو جائے۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول دلالت کرتا ہے فرمایا: معنی ہے من تفرق ابوعبید نے کہا: تفوت الشیٔ کا معنی ہے جب وہ چیز ناپید ہو جائے پھر حکم دیا کہ اس کی تخلیق میں تم غور وفکر کرو تا کہ تم اس سے عبرت حاصل کرو اور اس کی قدرت میں غور وفکر کرو تو فرمایا: فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝ اپنی نظر کو آسمان کی طرف اٹھاؤ یہ جملہ بولا جاتا ہے: قلب البصر فی السماء اس نے آسمان کی طرف نظر کو اٹھایا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اجھد بالنظر إلی السماء۔ معنی قریب قریب ہے۔ فَارْجِعِ ارشاد فرمایا اور فاء کا ذکر کیا اس سے پہلے فعل مذکور نہیں کیونکہ فرمایا: مَا تَرٰی معنی ہے دیکھیے پھر نظر کو لوٹایئے کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کجی دیکھتے ہیں؟ یہ قتادہ کا قول ہے۔ فطور کا معنی پھٹن ہے؛ یہ مجاہد اور ضحاک سے مروی ہے (1)۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے خلل یعنی نقص (2)۔ سدی نے کہا: معنی ہے کوئی شگاف (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے کمزوری۔ یہ تفطر اور انفطار سے ماخوذ ہے جس کا معنی انشقاق ہے۔ شاعر نے کہا:

بَنَی لَکُم بِلا عَمَدٍ سماءً ۔۔۔ وَ زَیَّنَھَا فما فیھا فطورُ

بغیر ستونوں کے تمہارے لئے آسمان بنایا اور اسے مزین کیا اس میں پھٹن نہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

شَقَقْتِ القلب ثم ذَرَرْتِ فیہ ۔۔۔ هَوَاكِ فَلِیم فالتأم الفُطُورُ

تو نے دل کو پھاڑا پھر تو نے اس میں اپنی محبت کا بیج بو یا پھر اسے جوڑ دیا گیا تو شگاف مندمل ہو گیا۔

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيْرٌ ۝

''جس نے بنائے ہیں سات آسمان اوپر نیچے تمہیں نظر نہیں آئے گا (خداوند) رحمن کی آفرینش میں کوئی خلل ذرا پھر نگاہ اٹھا کر دیکھ کیا تجھے کوئی رخنہ دکھائی دیتا ہے''۔

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ، کرتین مفعول مطلق ہے کیونکہ اس کا معنی دو بار لوٹنا ہے۔ معنی یکے بعد دیگرے۔ دو دفعہ دیکھنے کا حکم دیا کیونکہ انسان جب کسی چیز کو ایک دفعہ دیکھتا ہے تو اس کا عیب نہیں پاتا جب تک دوسری دفعہ اسے نہ دیکھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی اگرچہ دو دفعہ دیکھا تب بھی کوئی عیب نہ پایا بلکہ دیکھنے کے ساتھ متحیر ہو گئے اسی وجہ سے فرمایا: يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا یعنی آنکھ لوٹے گی جھکی ہوئی درماندہ اور کوئی عیب پانے سے دور۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: خسأت القلب تو نے اسے دور کر دیا اور خسا الکلبُ بنفسہ کتا خود دور ہو گیا۔ یہ متعدی اور غیر متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے انخسأ الکلب یہ جملہ بھی بولا جاتا ہے: خسا البصرُ خسأ و خسوءًا اس کی آنکھ نہیں دیکھتی؛ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: خاسی اسے کہتے ہیں جو ایسی چیز نہ دیکھے جس کی وہ خواہش کرتا تھا۔ وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝ وہ تھکاوٹ میں انتہا کو پہنچ گئی۔ حَسِيْرٌ اسم فاعل کے معنی میں ہے یہ حسور سے مشتق ہے جس کا معنی نکلنا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حسرہ، بُعْدُ الشیٔ سے اسم مفعول کے معنی میں ہو۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا معنی ہے: اسی معنی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 51 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

میں شاعر کا قول ہے:

مَن مَدّ طرفًا إلى ما فوق غايته　　ارْتَد خَسْآنَ منه الطَّرْفُ قد حَسِرا

جو آدمی اپنی حد سے اوپر نظر کرتا ہے اس کی آنکھ ناکام لوٹتی ہے جبکہ وہ سخت تھکی ہوتی ہے۔

یہ جملہ بولا جاتا ہے: قد حَسَرَ بَصَرُہٗ يَحْسِر حُسُورًا یعنی وہ تھک گئی اور زیادہ عرصہ دیکھنے کی وجہ سے اس کی نظر میں انقطاع آ گیا اور جو اس کے مشابہ ہو۔ اس سے صفت کے صیغے حسیر اور محسور استعمال ہوتے ہیں شاعر نے کہا:

نظرت إليها بالمُحَصَّبِ من مِنىً　　فعاد إليّ الطَّرْف وهو حسير

میں نے اس کی طرف محصب سے دیکھا جو منٹی سے ہے، نظر میری طرف لوٹی جبکہ وہ تھکی ماندی تھی۔

ایک اور اونٹنی کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے: فشَطْرَهَا نظَرُ العينين محسور اس اونٹنی کی جانب آنکھوں کی نظر تھکی ماندی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی نادم ہے۔ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

ما أنا اليومُ على شيٍ خَلَا　　يا بنة القين تَوَلَّى بِحَسِر

اے بنت قین! میں آج ہاتھ سے نکل جانے والی چیز پر شرمندہ ہو کر پلٹنے والا نہیں

کَرَّتَیْنِ سے مراد یہاں کثرت ہے اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ۝ بار بار دیکھنے پر دلیل ہے۔

وَ لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ۝ وَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ۝

''اور بے شک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے اور بنا دیا ہے انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب۔ اور جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کا ان کے لئے عذاب جہنم ہے''۔

وَ لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ، مصابیح، مصباح کی جمع ہے جس کا معنی چراغ ہے۔ ستاروں کو مصابیح کا نام دیا کیونکہ یہ بھی روشن ہوتے ہیں۔ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا ھا ضمیر سے پہلے شہب کا لفظ محذوف ہے اس کی دلیل اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ۝ (الصافات) ہے۔ اس تاویل کی بنا پر مصابیح نہ زائل ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کے ساتھ رجم کیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر مصابیح کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس تاویل کی بنا پر رجم نفس کواکب سے ہوگا اور کوکب (ستارہ) خود ساقط نہیں ہوتا بلکہ اس سے ایک حصہ جدا ہوتا ہے جس کے ساتھ رجم کیا جاتا ہے نہ اس کی روشنی میں کمی آتی ہے اور نہ ہی اس کی صورت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ ابو علی نے یہ بات اس کے قول کے جواب میں کہی جو یہ کہتا ہے: یہ زینت کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ ان کے ساتھ رجم کیا جاتا ہے جو باقی ہی نہیں رہتے؟ مہدوی نے کہا: یہ اس صورت میں ہوگا کہ اس کا اخذ

کرنا کواکب کے موضع سے ہو تقدیر اوّل اس صورت میں ہوگی جب اخذ کرنا اس سے ہو جو کواکب کے موضع سے نیچے ہے۔
قشیری نے کہا: ابوعلی کے قول سے زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ ہم یہ کہیں: یہ آسمانوں کی زینت ہیں جبکہ ان کے ساتھ بھی شیاطین و رجم نہ کیا جائے۔ رجوم، رجم کی جمع ہے یہ مصدر ہے اس کے ساتھ نام رکھا جاتا ہے اس چیز کا جس کے ساتھ رجم کیا جاتا ہے۔
قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے نجوم کے تین فائدے بنائے ہیں۔ (۱) یہ آسمان کی زینت ہیں۔ (۲) شیاطین کے لئے رجم ہیں۔ (۳) ایسی علامات ہیں جن کے ساتھ خشکی، سمندر اور اوقات میں راہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ جس نے ان تین مقاصد کے علاوہ کی تاویل کی ہے اس نے اس چیز کا تکلف کیا ہے جس کے بارے میں کوئی علم نہ ہو، اس نے حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا۔ محمد بن کعب نے کہا: اللہ کی قسم! اہل زمین میں سے کسی کے لئے بھی آسمان میں کوئی ستارہ نہیں لیکن اہل زمین نے کہانت کو اس کی راہ بنا دیا اور انہوں نے ستارہ کو علت بنا دیا ہے۔

وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝ ہم نے شیاطین کے لئے شدید آگ تیار کر رکھی ہے، یہ جملہ بولا جاتا ہے: سعرت النار فهي مَسْعُورَةٌ و سَعِيرٌ جس طرح مقتولة اور قتیل کا لفظ ہے

اِذَاۤ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّ هِيَ تَفُوْرُ ۝

"جب وہ اس میں جھونکے جائیں گے تو اس کی زوردار گرج سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی"۔

اِذَاۤ اُلْقُوْا فِيْهَا اذ ضمیر سے مراد کفار ہیں۔ سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا شہیق سے مراد آواز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب کفار کو جہنم میں پھینکا جائے گا اس وقت جہنم کی یہ آواز ہوگی (1)، وہ ان کے لئے یوں آواز نکالے گی کہ ہر کوئی خوفزدہ ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب کفار کو جہنم میں پھینکا جائے گا اس وقت کفار کی یہ آواز ہوگی؛ یہ عطا کا قول ہے۔ شہیق سینے کی آواز کو کہتے ہیں اور زفیر حلق کی آواز کو کہتے ہیں۔ سورۂ ہود میں یہ بحث گزر چکی ہے وَّ هِيَ تَفُوْرُ وہ جوش مارے گی۔
حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

ترکتم قِدرَکم لاشئَ فیها　　و قِدرُ القوم حامیةٌ تفورُ

تم نے اپنی ہنڈیا کو یوں چھوڑا کہ اس میں کچھ بھی نہیں جبکہ قوم کی ہنڈیا گرم ہے، جوش مار رہی ہے۔
مجاہد نے کہا: وہ ان کے ساتھ جوش مار رہی ہوگی جس طرح کثیر پانی میں تھوڑے دانے جوش مارتے ہیں (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ہنڈیا ان پر جوش مار رہی ہوگی جس میں وہ ہوں گے۔ یہ سخت غصہ کی وجہ سے آگ کے شعلہ کی شدت کا اظہار ہے جس طرح تو کہتا ہے: فلان یفور غیظا وہ غصہ کی وجہ سے جوش مار رہا ہے۔

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَاۤ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ۬ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۖۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 53　　2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 420

ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝ وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْۤ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝

"(ایسا معلوم ہوتا ہے) گویا مارے غضب کے پھٹا چاہتی ہے جب بھی اس میں کوئی جتھا جھونکا جائے گا تو ان سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں، بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا، پس ہم نے اس کو جھٹلایا اور ہم نے اس کو (صاف صاف) کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی چیز نہیں اتاری، تم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔ وہ کہیں گے: کاش! ہم (ان کی نصیحت کو) سنتے اور سمجھتے تو آج ہم دوزخیوں میں سے نہ ہوتے۔ پس (اس روز) اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے تو پھٹکار ہو اہل جہنم پر"۔

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ وہ ٹکڑے ہو جائے گی اور اس کا بعض، بعض سے جدا ہو جائے گا؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک اور ابن زید نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر شدت غیظ کی وجہ سے پھٹ جائے گی(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِنَ الْغَيْظِ کا معنی جوش مارنا ہے۔ تَمَيَّزُ کی اصل تتميز ہے كُلَّمَاۤ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ فوج سے مراد کفار کی جماعت ہے۔ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ جہنم کے دراوغے توبیخ اور تقریع کے انداز میں ان سے سوال کریں گے۔ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ کیا تمہارے پاس دنیا میں کوئی رسول نہیں آیا جو تمہیں اس دن سے ڈراتا یہاں تک کہ تم احتیاط برتتے؟ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ یعنی ہمارے پاس ڈرانے والا آیا، اس نے ہمیں ڈرایا اور خبردار کیا۔ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری زبانوں پر کچھ نازل نہیں کیا۔ اِنْ اَنْتُمْ ضمیر سے مراد رسولوں کی جماعت ہے۔ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝ انہوں نے رسولوں کو جھٹلانے کا اعتراف کیا، پھر انہوں نے جہالت کا اعتراف کیا جبکہ وہ جہنم میں ہوں گے لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ کاش ہم رسولوں کی باتوں کو سنتے جو رسول لاتے تھے اَوْ نَعْقِلُ یا ان سے حکمت کی باتوں کو سمجھتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کاش! ہم ہدایت کی بات کو سنتے یا اسے سمجھتے یا ہم اس آدمی کے سننے کی طرح سنتے جو یاد رکھتا ہے اور غور و فکر کرتا ہے یا ہم اس آدمی کی طرح سمجھتے جو امتیاز رکھتا ہے اور غور و فکر کرتا ہے(3)۔ یہ اس امر پر دال ہے کہ کافر کو کچھ بھی عقل نہیں دیا گیا۔ سورۂ طور میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ الحمدللہ۔

مَا كُنَّا فِيْۤ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ یعنی ہم جہنمی نہ ہوتے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے روز تاجر شرمندہ ہوں گے۔ کہیں گے: کاش! ہم سنتے یا سمجھ بوجھ رکھتے تو ہم جہنمی نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہوں نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا"۔ یعنی انہوں نے رسولوں کو جھٹلانے کے لیے جرم کا اعتراف کر لیا۔ یہاں ذنبا جمع کے معنی میں ہے کیونکہ اس میں فعل کا معنی پایا جا رہا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: خرج عطاء

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 53　　2۔ ایضاً　　3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 420

الناس یعنی ان کے عطیات نکل گئے۔

فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۝ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے انہیں دور کر دیا گیا ہے۔ سعید بن جبیر اور ابو صالح نے کہا: یہ جہنم میں وادی ہے جسے سحق کہتے ہیں (1)۔ کسائی اور ابو جعفر نے اسے فَسُحُقًا حاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے (2)؛ یہ حضرت علی شیر خدا سے بھی مروی ہے۔ باقی قراء نے اسے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح سُحُتٌ اور رُعُبٌ۔ زجاج نے کہا: یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منسوب ہے، تقدیر کلام یہ ہے اسحقھم اللہ سحقا یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں دور کر دیا۔ امراء القیس نے کہا:

وتَسْحَقُهُ رِیحُ الصَّبَا کُلَّ مُسْحَقِ باد صبا اسے دور کرتی ہے۔

ابو علی نے کہا: قیاس تو یہ تھا کہ مصدر اسحاقا ہوتا تو مصدر حروف زائدہ کے حذف کے ساتھ آیا ہے جس طرح کہا گیا: وان اھلك فذالك کان قدری اگر میں ہلاک کیا جاؤں تو یہی میری تقدیر ہوگی۔ محل استدلال قدری ہے جو اصل میں تقدیری تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ ۝ یہ جہنم کے داروغوں کا قول ہے جو وہ جہنمیوں کو کہیں گے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ۝

"بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لیے (اللہ کی) مغفرت اور اجر عظیم ہے"۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ (ق: 33) اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں جو غیب ہے۔ یہ قیامت کے دن کا عذاب ہے۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ان کے لیے ان گناہوں کی بخشش ہے اور وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ۝ اجر کبیر ہے۔ اجر کبیر سے مراد جنت ہے۔

وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝

"تم اپنی بات آہستہ کہو یا بلند آواز سے (اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا)، بے شک وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے۔ (نادانو) کیا وہ نہیں جانتا (بندوں کے احوال کو) جس نے (انہیں) پیدا کیا، وہ بڑا باریک بین ہر چیز سے باخبر ہے"۔

وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ لفظ تو امر کا ہے معنی خبر کا دے رہا ہے یعنی اگر تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملہ میں اپنی کلام مخفی رکھو یا اسے ظاہر کرو۔ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وہ ذات پاک تو دلوں میں موجود خیر و شر کو بھی جانتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت مشرکین کے حق میں نازل ہوئی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں باتیں کرتے تھے تو حضرت جبرئیل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بارے میں بتا دیتے تھے تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: آہستہ بات کرو تاکہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب سن ہی نہ لے تو یہ آیت نازل ہوئی وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 53 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 420

معاملہ میں آہستہ بات کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام اقوال آہستہ سے کیا کرو یا اعلانیہ کیا کرو۔ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ دلوں میں جو کچھ ہے اسے وہ جانتا ہے۔ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ سے مراد ما فی الصدور ہے جس طرح عورت کا بچہ جب جنین ہو تو اسے ذا بطنها کہتے ہیں۔ پھر فرمایا: اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وہ ذات پاک جس نے سِر کو پیدا کیا۔ وہ سِر کو نہیں جانتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں نے دل میں راز کو پیدا کیا ہے، کیا بندوں کے دلوں میں جو کچھ ہے میں اسے نہیں جانتا۔ علماء معانی نے کہا: اگر تو چاہے تو مَنْ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات لے لے تو معنی یہ ہوگا کیا خالق اپنی مخلوق کو نہیں جانتا اگر چاہے تو تو اس سے مراد مخلوق لے لے یعنی اسے مفعول بہ بنالے تو معنی ہوگا کیا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو نہیں جانتا۔ ضروری ہے کہ خالق اسے جانتا ہو جس کو اس نے پیدا کیا ہے اور جسے پیدا کرے گا۔ ابن مسیب نے کہا: اس اثنا میں کہ ایک آدمی رات کے وقت گھنے درختوں میں بیٹھا ہوا تھا، تیز ہوا چلی تو انسان کے دل میں خیال پیدا ہوا: بتاؤ کیا اللہ تعالیٰ ان گرنے والے پتوں کو جانتا ہے؟ تو گھنے درخت جانب سے بڑی عظیم آواز آئی: کیا وہ ذات اپنی مخلوق کو نہیں جانتی جبکہ وہ لطیف وخبیر ہے۔

استاذ ابو اسحاق اسفرائینی نے کہا: صفات ذات کے اسماء میں سے جو علم کے لیے استعمال ہوتے ہیں ان میں سے ایک علیم ہے اس کا معنی ہے جمع معلومات کو عام ہے۔ ان میں سے ایک خبیر ہے۔ یہ خاص ہے کہ جو چیز وقوع پذیر ہونے والی ہے اس کے واقع ہونے سے پہلے وہ باخبر ہے۔ ان میں سے ایک حکیم ہے۔ اس سے مراد ہے وہ اوصاف کے حقائق کو جانتا ہے۔ ان میں سے ایک شھید ہے۔ یہ اس کے ساتھ خاص ہے کہ وہ غائب و حاضر کو جانتا ہے۔ اس کا معنی ہے اس سے کوئی شی غائب نہیں۔ ان میں سے ایک حافظ ہے۔ یہ اس کے ساتھ خاص ہے کہ وہ بھولتا نہیں۔ ان میں سے ایک محصی ہے۔ یہ اس کے ساتھ خاص ہے کہ کثرت اسے علم سے غافل نہیں کرتی جس طرح نور کی روشنی، ہوا کا سخت ہونا، پتوں کا گرنا، اس اعتبار سے ہر پتے کی حرکت کے اجزاء کو بھی جانتا ہے۔ وہ کیسے نہ جانے جبکہ اسی نے پیدا کیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ۝

”وہی تو ہے جس نے نرم کر دیا ہے تمہارے لیے زمین کو پس (اطمینان سے) چلو اس کے راستوں پر اور کھاؤ اس کے (دیئے ہوئے) رزق سے اور اسی کی طرف تم کو (قبروں سے) اٹھ کر جانا ہے“۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا یعنی نرم جس پر تم قرار پذیر ہوتے ہو۔ ذلول ایسے مطیع کو کہتے ہیں جو تیرے لیے نرمی کرتا ہے اس کا مصدر ذُل ہے جس کا معنی نرمی اور اطاعت کرنا ہے یعنی زمین کو ایسا نہیں بنایا کہ اس کی سختی کی وجہ سے اس میں چلنا ممکن نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے پہاڑوں کے ساتھ مضبوط کر دیا تا کہ وہ اپنے مکینوں کے ساتھ جھک ہی نہ جائے۔ اگر یہ ایک طرف جھکنے والی ہوتی تو یہ ہمارے لیے مطیع نہ ہوتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس میں کھیتی اگانا، درخت لگانا، چشموں کا پھوٹ پڑنا، نہریں نکالنا اور کنویں کھودنا ممکن ہے۔

فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا امر اباحت کے لیے ہے اس میں احسان کرنے کا اظہار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خبر ہے جو امر کے لفظ کی صورت میں ہے یعنی تا کہ تم اس کی اطراف، اس کے چھوٹے پہاڑوں اور اس کے بڑے پہاڑوں پر چلو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور بشیر بن کعب نے کہا: فِیْ مَنَاكِبِهَا سے مراد اس کے پہاڑ ہیں (1)۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت بشیر بن کعب کی ایک لونڈی تھی۔ آپ نے اسے فرمایا: اگر تو مجھے بتادے کہ زمین کے مناکب کیا ہیں تو تو آزاد ہے؟ اس نے جواب دیا: زمین کے مناکب سے مراد اس کے پہاڑ ہیں تو وہ آزاد ہوگئی۔ حضرت بشیر بن کعب نے اس سے نکاح کا ارادہ کیا اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ نے فرمایا: جو تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ دے اور اسے اپنا جو تجھے شک میں نہ ڈالے (☆)۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے اس کے اطراف، منکبا الرجل سے مراد بندے کی دونوں اطراف ہیں۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: اس کے راستوں اور تنگ راستوں میں؛ یہی سدی اور حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: مراد اس کی اطراف ہیں (2)۔ منکب کا اصل معنی جانب ہے اسی سے منکب الرجل ہے۔ انسان کا کندھا، اس سے ایک لفظ ریح نکباء ٹیڑھی چلنے والی ہوا ہے۔ تَنَكَّبَ فلانٌ عن فلان فلاں فلاں سے ایک طرف ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جہاں تم چاہو تم چلو میں نے اسے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے، اب یہ تمہارے مانع نہیں۔ قتادہ نے ابو جلد سے روایت نقل کی ہے زمین چوبیس ہزار فرسخ ہے۔ حبشیوں کے لیے بارہ ہزار فرسخ، رومیوں کے لیے آٹھ ہزار فرسخ، ایرانیوں کے لیے تین ہزار فرسخ اور عربوں کے لیے ایک ہزار فرسخ (3)۔ وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جسے حلال کیا ہے اسے کھاؤ؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں سے کھاؤ جو میں نے تمہیں دیا ہے۔ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ۝ اس کی طرف لوٹنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے وہ ذات جس نے آسمان کو کجی کے بغیر پیدا کیا اور زمین کو مطیع بنایا وہ تمہیں دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ۝

"کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں غرق کر دے اور وہ زمین تھر تھر کانپنے لگے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا تم اس کے عذاب سے امن میں ہو جو آسمان میں ہے اگر تم اس کی نافرمانی کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے أمنتم من فی السماء قدرتُه و سلطانُه و عرشُه و مملكتُه یعنی کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے جس کی قدرت، سلطان، عرش اور مملکت آسمان میں ہے۔ یہاں آسمان کو خاص کیا ہے جبکہ اس کی مملکت عام ہے۔ اس بات پر آگاہ کرنے کے لیے ہے کہ الہ وہ ہے جس کی قدرت آسمانوں میں نافذ ہے نہ کہ وہ الہ ہے جس کی تم زمین میں عظمت بیان کرتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ملائکہ کی طرف اشارہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جبرائیل امین کی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 54　2۔ ایضاً　3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 179

☆ جامع ترمذی، باب ما جاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث نمبر 2442، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

طرف اشارہ ہے کیونکہ حضرت جبرائیل امین وہ فرشتہ ہے جس کے ذمہ عذاب دینا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال موجود ہے کہ معنی ہو کیا تم بے خوف ہو گئے اس خالق سے جس نے پیدا کیا ہے ان چیزوں کو جو آسمان میں ہیں کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے جس طرح اس نے قارون کو زمین میں دھنسایا تھا۔

فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ۝ یعنی وہ جائے گی اور آئے گی۔ مور کا معنی آنے اور جانے میں اضطراب ہے۔

شاعر نے کہا:

رَمَیْنَ فأقصدنَ القلوبَ ولن ترى دمًا مائرًا إلّا جرىٰ فی الحیازمِ

انہوں نے تیر مارے اور انہوں نے دلوں کا قصد کیا تو ہرگز پھیلنے والے خون کو نہیں دیکھے گا مگر یہ کہ وہ سینے کے وسط میں چلتا ہے۔

حیازم یہ حیزوم کی جمع ہے۔ وہ سینہ کا وسط ہے جب انسان کو دھنسایا جاتا ہے تو زمین اس پر گھوم جاتی ہے۔ یہی مور ہے۔ محققین کہتے ہیں: کیا تم بے خوف ہو اس سے جو آسمانوں سے بھی اوپر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ** (التوبہ:2) یعنی جو آسمان سے اوپر ہے اس کا خوف مس کرنے سے نہیں اور نہ ہی اسے مکان بنانے سے ہے بلکہ وہ اس پر غلبہ رکھتا ہے اور تدبیر فرماتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے امنتم من علی السماء جس طرح **وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ** (طٰہٰ:71) فی، علی کے معنی میں ہے۔ اس کا معنی ہوگا اس کا مدبر اور اس کا مالک ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلانٌ علی العراق والحجاز یعنی فلاں عراق اور حجاز کا والی اور اس کا امیر ہے۔ اس باب میں اخبار بہت زیادہ ہیں، صحیح ہیں، مشہور و معروف ہیں، بلندی کی طرف اشارہ کرنے والیاں ہیں، ان کا انکار صرف ملحد یا معاند جاہل ہی کر سکتا ہے۔ ان سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت اور پستی سے اس کی پاکی بیان کرنا ہے۔ اس کی علو اور عظمت کے ساتھ صفت یہ اماکن، جہات اور حدود کے اعتبار سے نہیں کیونکہ یہ اجسام کی صفات ہیں۔ دعا کے موقع پر ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے کیونکہ آسمان وحی کا مہبط ہے، بارش وہاں سے نازل ہوتی ہے، پاکیزگی کا محل ہے اور پاکیزہ فرشتوں کا معدن ہے، بندوں کے اعمال اس کی طرف بلند کیے جاتے ہیں۔ آسمانوں سے اوپر اس کا عرش اور اس کی جنت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو دعا اور نماز کا قبلہ بنا دیا ہے۔ ایک وجہ یہ ہے اللہ تعالیٰ نے امکنہ کو پیدا کیا ہے، وہ امکنہ کا محتاج نہیں، وہ مکان اور زمان کے پیدا کرنے سے پہلے ازل میں تھا، اس کا کوئی مکان اور زمان نہیں تھا، وہ اب بھی اسی طرح ہے جس طرح وہ پہلے تھا۔ قنبل نے ابن کثیر سے النشورُ وامنتم پڑھا ہے۔ پہلے ہمزہ کو واؤ اور دوسرے میں تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ کوفیوں، بصریوں اور اہل شام نے ابو عمرو اور ہشام کے علاوہ دونوں ہمزوں میں تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اسے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ۝

''کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ بھیج دے تم پر پتھر برسانے والی ہوا، تب تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے''۔

حَاصِبًا یعنی آسمان سے پتھر برسائے جس طرح اس نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اور اصحاب فیل پر پتھر برسائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسی ہوا بھیجے جس میں پتھر اور سنگریزے ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسا بادل بھیجے جس میں پتھر ہوں۔ نَذِیْرِ، اندازی کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نذیر، منذر کے معنی میں ہے۔ مراد حضرت محمد ﷺ کی ذات ہے تو تم عنقریب آپ ﷺ کی صداقت اور جھٹلانے کا انجام دیکھ لوگے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ⑱

''اور جو لوگ ان سے پہلے گزرے انہوں نے بھی جھٹلایا (خود دیکھ لو) کہ (ان پر) میرا عذاب کتنا سخت تھا''۔

اسم موصول سے مراد امتوں کے کفار ہیں جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم، قوم عاد، قوم ثمود، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم، اصحاب مدین، اصحاب رس اور قوم فرعون۔

نَكِيْرِ بھی انکاری کے معنی میں ہے یعنی یائے متکلم محذوف ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ورش نے نذیری اور نکیری میں یاء کو وصل میں ثابت رکھا ہے۔ یعقوب نے دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے باقی قراء نے مصحف کی اتباع میں حذف کر دیا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ؕۘ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ⑲

''کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر (اڑتے) کبھی نہیں دیکھا پر پھیلائے ہوئے اور کبھی پر سمیٹ بھی لیتے ہیں، نہیں روکے ہوئے انہیں کوئی (فضا میں) بجز رحمن کے، بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے''۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ جس طرح اللہ تعالیٰ نے زمین کو انسان کے لیے مسخر کیا ہے اس طرح پرندوں کے لیے ہوا کو مسخر کیا ہے صٰٓفّٰتٍ کا معنی باسطات ہے یعنی وہ اڑنے کے وقت فضا میں اپنے پروں کو پھیلا لیتے ہیں کیونکہ جب وہ انہیں پھیلاتے تو، توادم (بڑے پر) کو صف در صف کر لیتے ہیں وَّيَقْبِضْنَ انہیں اپنے پہلوؤں سے مارتے ہیں۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: پرندہ جب اپنے پروں کو پھیلائے تو اسے صاف کہتے ہیں اور جب انہیں ملا لے تو اسے قابض کہتے ہیں کیونکہ اس وقت وہ پروں کو قبض کر لیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے پروں کو پھیلانے کے بعد قبض کر لیتے ہیں جب وہ اڑنے سے وقفہ کرتے ہیں۔ اس کا عطف صٰٓفّٰتٍ پر ہے۔ فعل مضارع کا عطف اسم فاعل پر ہے جس طرح اسم فاعل کا عطف فعل مضارع پر ہے۔ یقصد فی اسوقہا وجائر یہاں جائر کا عطف یقصد پر ہے۔

مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ⑲ پرندہ جب فضا میں اڑ رہا ہو تو فضا میں اسے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں روکتا۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ

غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾

''(اے منکرو!) کیا تمہارے پاس کوئی ایسا لشکر ہے جو تمہاری مدد کرے (خداوند) رحمن کے علاوہ، بے شک منکرین دھوکہ میں مبتلا ہیں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جُنْدٌ کا معنی حزب اور منعۃ کیا ہے (1)، یعنی ایسی جماعت جو تمہارا دفاع کرے گی۔ اللہ تعالیٰ جس کا تمہارے بارے میں ارادہ کرے گا۔ اگر تم اس کی نافرمانی کرو۔ لفظ جند واحد ہے اسی وجہ سے فرمایا: هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یہ استفہام انکاری ہے یعنی تمہارے پاس کوئی لشکر نہیں جو تمہارا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے دفاع کرے۔ دون، سوا کے معنی میں ہے۔ کافر شیطان کی جانب سے دھوکہ میں مبتلا ہیں۔ وہ انسان کو دھوکہ دیتا ہے کہ کوئی عذاب نہیں کوئی حساب نہیں۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾

''کیا کوئی ایسی ہستی ہے جو تمہیں رزق پہنچا سکے اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق بند کر لے لیکن یہ لوگ سرکشی اور حق سے نفرت میں بہت دور نکل گئے ہیں''۔

کیا کوئی ایسی ہستی ہے جو تمہیں دنیا کے منافع عطا کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہارے معبودوں میں سے کوئی ایسا ہے جو تم پر بارش نازل فرمائے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق روک لے بلکہ انہوں نے سرکشی کی اور سرکشی میں اور حق سے دور بھاگنے میں اصرار کیا۔

اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾

''کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرتا پڑتا چلا جا رہا ہے وہ راہ راست پر ہے یا جو سیدھا ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہے''۔

اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر کی مثال بیان فرمائی ہے مُكِبًّا وہ اپنے سر کو جھکائے ہوئے ہے وہ اپنے سامنے نہیں دیکھ سکتا نہ دائیں دیکھ سکتا ہے اور نہ بائیں دیکھ سکتا ہے۔ وہ لڑکھڑانے اور منہ کے بل گرنے سے امن میں نہیں ہوتا جس طرح وہ آدمی جو سیدھا اعتدال سے چلتا ہے جبکہ وہ سامنے، اپنی دائیں جانب اور اپنی بائیں جانب دیکھ رہا ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ دنیا میں ہے۔ یہ جائز ہے کہ مراد اندھا ہو جو راستہ کی طرف ہدایت نہیں پاتا تو وہ بھٹک جاتا ہے وہ ہمیشہ منہ کے بل گرتا رہتا ہے۔ وہ اس آدمی کی طرح نہیں جو سیدھے قد والا، صحیح، دیکھنے والا ہے اور راستہ میں چلتا ہے اور ہدایت پاتا ہے۔ قتادہ نے کہا: مراد کافر ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں پر منہ کے بل گرا رہتا ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسے منہ کے بل ہی گرائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کلبی نے کہا: اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ سے مراد ابوجہل ہے اور الذی یمشی سویا سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت حمزہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت عمار بن یاسر ہیں؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کافر مومن کو عام ہے یعنی کافر

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 422

نہیں جانتا کہ کیا وہ حق پر ہے یا باطل پر ہے یعنی کیا یہ کافر زیادہ حق پر ہے یا مسلمان حق پر ہے جو سیدھا اور اعتدال کے ساتھ چلتا ہے جبکہ وہ راستہ بھی دیکھ رہا ہوتا ہے۔

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۲﴾ اس سے مراد اسلام ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اکب باب افعال ہو تو لازم استعمال ہوتا ہے اور کب مجرد ہو تو متعدی استعمال ہوتا ہے جیسے کبہ اللہ لوجھہ۔

قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾

''آپ فرمایئے: وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے، (لیکن) تم بہت کم شکر کیا کرتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو شرک کی قباحت سے آگاہ کریں جبکہ وہ یہ اعتراف بھی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی انہیں پیدا کیا ہے۔ الْاَفْـِٕدَةَ سے مراد دل ہیں۔ قَلِيْلًا مَّا یہ لا کے معنی میں ہے یعنی تم ان نعمتوں کا شکر بجا نہیں لاتے اور تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان نہیں کرتے تو کہتا ہے: قلما افعل کذا یعنی میں اسے نہیں کرتا۔

قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾

''آپ فرمایئے: اسی نے تم کو پھیلا دیا ہے زمین میں اور (روز حشر) تم اسی کے پاس جمع کیے جاؤ گے۔ (کفار ازراہ مذاق) پوچھتے ہیں کہ (بتاؤ) یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو''۔

ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تمہیں زمین میں پیدا کیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہیں اس میں پھیلا دیا اور اس پر تمہیں بکھیر دیا(2)؛ یہ ابن شجرہ کا قول ہے۔ تمہیں اس کی بارگاہ میں جمع کیا جائے گا تا کہ ہر کسی کو اس کے عمل کا بدلہ دے دیا جائے۔ وہ کہتے ہیں: یہ قیامت کب آئے گی؟ یہ عذاب کب آئے گا جس کی تم ہمیں دھمکیاں دیتے ہو؟ یہ بات بطور استہزاء کہا کرتے تھے۔

قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۶﴾

''آپ فرمایئے: (اس کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے، میں تو محض واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں''۔

اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بتا دیجئے قیامت کے قائم ہونے کے وقت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ (الاعراف: 187) نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۶﴾ تمہیں ڈرانے والا اور تمہیں تعلیم دینے والا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 56 2۔ ایضاً

فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ۝۲۷

''پھر جس وقت اسے قریب آتے دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے جس کا تم بار بار مطالبہ کرتے ہو''۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً۔ زُلْفَةً مصدر ہے جو مزدلفا کے معنی میں ہے جس کا معنی قریب ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی عیاں ہے۔ اکثر مفسرین نے کہا: معنی ہے جب وہ عذاب کو قریب دیکھیں گے۔ اس سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔ مجاہد نے کہا: مراد بدر کا عذاب ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس حشر کا ان سے وعدہ کیا گیا اس کو قریب دیکھیں گے۔ اس پر تحشرون دلالت کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب وہ اپنے برے عمل کو قریب دیکھیں گے۔

سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا کفار کے ساتھ برا معاملہ کیا جائے گا۔ زجاج نے کہا: ان کے چہروں میں سوء کو ظاہر کر دے گا اور ان کے چہروں پر ایسی نشانی ظاہر ہوگی جو ان کے کفر پر دلالت کرے گی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یَّوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ (آل عمران: 106)

نافع، ابن محیصن، ابن عامر اور کسائی نے ضمہ کے اشمام کے ساتھ سیئت پڑھا ہے باقی قراء نے اشمام کے بغیر خفت کو طلب کرتے ہوئے پڑھا ہے۔ جس نے ضمہ پڑھا اس نے اصل کو پیش نظر رکھا۔

وَ قِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ۝ فراء نے کہا: تَدَّعُوْنَ یہ دعا سے تفتعلون کا وزن ہے؛ یہ اکثر علماء کا قول ہے یعنی تم تمنا کرتے ہو اور سوال کرتے ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو۔ اس کی تاویل ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے تم اباطیل کا دعویٰ کیا کرتے تھے؛ یہ زجاج کا قول ہے۔ عام قرأت تَدَّعُوْنَ ہے۔ اس کی تاویل وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے۔ قتادہ، ابن ابی اسحاق، ضحاک اور یعقوب نے تَدَّعُوْنَ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ ان کا یہ قول ہے رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا (ص: 16) ضحاک نے کہا: وہ ان کا یہ قول ہے اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ (الانفال: 32) حضرت ابو العباس نے کہا: تدعون کا معنی ہے تم جلدی مچاتے ہو۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: دعوت بکذا۔ جب تو اسے طلب کرے۔ أدعیت یہ اسی سے باب افتعال ہے۔ نحاس نے کہا: تدّعون اور تدعون دونوں کا ایک ہی معنی ہے جس طرح کہا جاتا ہے: قدر اور اقتدر، عدی اور اعتدی، مگر افتعل میں ایسا معنی ہے کہ ایک شی دوسری شی کے بعد واضح ہوتی ہے اور فعل، قلیل و کثیر پر واقع ہوتی ہے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ وَ مَنْ مَّعِیَ اَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ یُّجِیْرُ الْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝۲۸

''آپ فرمایئے: (اے منکرو!) ذرا غور تو کرو اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں، کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمادے تو کون بچالے گا کافروں کو دردناک عذاب سے''۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں کہہ دیجئے۔ مراد مشرکین مکہ ہیں۔ وہ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی موت کا انتظار کرتے تھے

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 423

جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝ (الطور) بتاؤ اگر ہمیں موت آ جائے یا ہم پر رحم کیا جائے اور ہماری موت کے وقت کو موخر کر دیا جائے تو تمہیں عذاب الیم سے کون پناہ دے گا تو تمہیں ہماری موت کے انتظار کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی قیامت کے وقوع کی جلدی کی ضرورت ہے۔ ابن محیصن، مسیب، شیبہ، اعمش اور حمزہ نے اهلكنی کی یاء کو ساکن کیا ہے، باقی قرء نے اسے فتحہ دیا ہے۔ تمام قراء نے کہا: ومن معی کی یاء کو فتحہ دیا ہے مگر اہل کوفہ نے اسے ساکن قرار دیا ہے۔ حفص نے اسے دوسرے قراء کی طرح فتحہ دیا ہے۔

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

”فرمائیے: وہ (میرا خالق) بڑا ہی مہربان ہے ہم اسی پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہے۔ پس عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کھلی گمراہی میں کون ہے“۔

کسائی نے تعلمون کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے(1) اور اسے علی سے روایت کیا ہے باقی قراء نے خطاب کے صیغہ کے طور پر تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ ان کو دھمکانا ہے۔ یہ سوال کیا جاتا ہے: اٰمَنَّا کے مفعول بہ کو موخر کیوں کیا گیا اور تَوَكَّلْنَا کے مفعول کو مقدم کیوں کیا گیا؟ تو اس کا جواب دیا جائے گا: کافروں کے ذکر کے بعد جب اس کو ذکر کیا تو کفار سے اشارۃ بات کی گئی گویا کہا گیا ہم ایمان لائے اور ہم نے کفر نہیں کیا جس طرح تم نے کفر کیا۔ پھر فرمایا: وَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا خصوصاً ہم ان چیزوں پر بھروسہ نہیں رکھتے جن پر تم بھروسہ رکھتے ہو جیسے اپنے مردوں اور اپنے اموال پر؛ یہ زمخشری کا قول ہے(2)۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝

”آپ پوچھیے: اگر کسی صبح تمہارا پانی زمین کی تہہ میں اتر جائے تو تمہیں میٹھا صاف پانی کون لا دے گا“۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اے قریش کی جماعت! اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا زمین میں دور چلا جائے ڈول اس تک نہ پہنچ سکیں۔ ان کا پانی دو چشموں سے حاصل ہوتا تھا۔ بئر زمزم اور بئر میمون۔ فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝ معین کا معنی جاری ہے؛ یہ قتادہ اور ضحاک کا قول ہے۔ ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ کہیں: اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی لانے والا نہیں، تو فرمائیے: تم اس کے ساتھ ایسے کیوں شریک ٹھہراتے ہو جو تمہارے لیے پانی لانے والا بھی نہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: غار الماء يغور غورا پانی کا دور چلا جانا، غور، غائر کے معنی میں ہے۔ مبالغہ کے لیے مصدر کے ساتھ صفت ذکر کی گئی ہے جس طرح تو کہتا ہے: رجل عدل و رضا سورۂ کہف میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ سورۂ مومنون میں بھی یہ بحث گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ماء معین کا معنی ہے ظاہر پانی جسے آنکھیں دیکھ سکیں (3)۔ یہ مفعول کا وزن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ معن الماء سے مشتق ہے یعنی زیادہ ہو جانا اس وقت فعیل کا وزن ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: معنی ہے کون میٹھا پانی لائے گا؟ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 423 2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 583 3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 423

سورۂ ن والقلم

آیاتہا ۵۲ ۔ ۶۸ سورۃ القلم مکیۃ ۲ ۔ رکوعاتہا ۲

حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ سورت مکی ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: اوّل سے لے کر سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾ تک مکی ہے اور اس کے بعد سے لے کر اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ تک مدنی ہے۔ اس کے بعد سے يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾ تک مکی ہے اور اس سے لے کر مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾ تک مدنی ہے اور باقی ماندہ مکی ہے؛ یہ ماوردی کا قول ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

نٓ وَ الْقَلَمِ وَ مَا يَسْطُرُوْنَ ﴿۱﴾ مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲﴾ وَ اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿۳﴾

”ن قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں، اور یقیناً آپ کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا“۔

نٓ وَ الْقَلَمِ ابوبکر، مفضل،، ہبیرہ، ورش، ابن محیصن، ابن عامر، کسائی اور یعقوب نے دوسری نون کو واؤ میں مدغم کیا ہے باقی قراء نے اظہار کیا ہے۔ عیسیٰ بن عمر نے اس کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، گویا فعل کو مضمر مانا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، نصر اور ابن ابی اسحاق نے حرف قسم کو مضمر ماننے کے ساتھ اسے مکسور پڑھا ہے۔ ہارون، محمد بن سمیقع اور معاویہ بن قرہ نے مبنی ہونے کی وجہ سے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اپنے باپ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں کہ فرمایا: ”نٓ نور کی ایک لوح ہے“ (2)۔ ثابت بنانی نے روایت کیا ہے کہ نٓ سے مراد دوات ہے (3)؛ یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے۔ ولید بن مسلم نے روایت کی ہے کہ مالک بن انس، ہمی سے جو ابوبکر کے غلام ہیں (4)، وہ ابو صالح سمان سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ”اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا پھر نون کو پیدا کیا، یہ دوات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: نٓ وَ الْقَلَمِ سے یہی مراد ہے پھر اسے فرمایا: لکھ! اس نے عرض کی: میں کیا لکھوں؟ فرمایا: جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب لکھو، خواہ وہ عمل ہو، اجل ہو، رزق ہو یا اثر ہو۔ قیامت تک جو ہونے والا تھا، حکم اس میں جاری ہو گیا۔ پھر قلم کے منہ پر مہر لگا دی گئی پھر اس نے نہ کچھ لکھا اور نہ قیامت

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 59
2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 345
3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 181
4۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1855

تک لکھے گا۔ پھر عقل کو پیدا کیا گیا۔ جبار نے ارشاد فرمایا: میں نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو تجھ سے بڑھ کر مجھے پسند ہو۔ میری عزت و جلال کی قسم! میں جس سے محبت کرتا ہوں گا اس میں تجھے مکمل کروں گا اور جس سے ناراض ہوں گا۔ اس میں تجھے ناقص رکھوں گا"۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أكمل الناس عقلاً أطوعهم لله وأعملهم بطاعته (1) لوگوں میں سے ازروئے عقل کے سب سے کامل وہ ہیں جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے ہیں اور اس کی طاعت میں زیادہ عمل کرنے والے ہیں۔

مجاہد نے کہا: نٓ سے مراد وہ مچھلی ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے اور قلم سے مراد وہ قلم ہے جس کے ساتھ ذکر لکھا گیا ہے؛ اسی طرح مقاتل، مرہ ہمدانی، عطا خراسانی، سدی اور کلبی نے کہا: نون سے مراد وہ مچھلی ہے جس پر سات زمینیں قائم ہیں۔ ابوظبیان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے (2): سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا تو جو کچھ ہونے والا تھا اس نے وہ لکھ دیا، پھر پانی کے بخار کو اٹھایا تو اس سے آسمان کو بنایا پھر مچھلی کو پیدا کیا تو اس کی پشت پر زمین کو بچھا دیا۔ زمین جھک گئی تو اسے پہاڑوں کے ساتھ مضبوط کر دیا، بے شک پہاڑ زمین پر فخر کرتے ہیں پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نٓ وَالْقَلَمِ کی قرات کی۔ کلبی اور مقاتل نے کہا: اس مچھلی کا نام بہموت ہے۔ راجز نے کہا:

مالی أراكم كلكم سكوتا ۔ و الله رَبِّي خلق البهموت

کیا وجہ ہے میں تم سب کو خاموش دیکھتا ہوں اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اس نے بہموت کو پیدا کیا ہے۔

ابوظبیان اور واقدی نے اس کا نام لیوث لیا ہے (3)۔ کعب نے کہا: اس کا نام لوثوث ہے۔ کہا: اس کا کام بلہموث ہے۔ کعب نے کہا: ابلیس مچھلی میں داخل ہو گیا جس مچھلی پر زمینیں ہیں اس نے مچھلی کے دل میں وسوسہ اندازی کی۔ کہا: اے لوثوث! کیا تو جانتی ہے تیری پشت پر چوپاؤں، درختوں اور زمینوں وغیرہ میں سے کیا کچھ ہے اگر تو انہیں پھینکنا چاہے تو تو ان سب کو اپنی پشت سے نیچے پھینک دے۔ لثوث نے اس طرح کرنے کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف ایک جانور بھیجا وہ اس مچھلی کے نتھنے میں داخل ہوا اور اس کے دماغ تک جا پہنچا۔ مچھلی نے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور آہ و زاری کی اللہ تعالیٰ نے اس جانور کو اجازت دے دی تو وہ جانور نکل گیا۔ کعب نے کہا: اللہ کی قسم! بے شک اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھتا اور مچھلی اس کی طرف دیکھتی اگر اللہ اس میں سے کسی چیز کا ارادہ کرتا تو جس طرح وہ پہلے تھی اسی طرح ہو جاتی۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ نٓ لفظ رحمٰن کا آخری حرف ہے فرمایا: الٓرٰ، حٰمٓ، نٓ مجموعہ رحمٰن ہے ان حروف کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا گیا ہے۔ ابن زید نے کہا: یہ قسم ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ قسم اٹھائی ہے (4)۔ ابن کیسان نے کہا: سورت کا آغاز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سورت کا نام ہے۔ عطا اور ابوالعالیہ نے کہا: یہ اس کے اسماء نصیر، نور اور ناصر کا آغاز ہے (5)۔ محمد بن کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھائی کہ وہ مومنوں کی مدد فرمائے گا۔ یہ حق ہے۔ اس کی وضاحت

1۔ تفسیر طبری، جز 29، صفحہ 20
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 424
3۔ ایضاً
4۔ ایضاً جلد 5، صفحہ 425
5۔ تفسیر طبری، جز 29، صفحہ 21

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ (الروم)۔ امام جعفر صادق نے کہا: یہ جنت کی نہروں میں سے ایک نہر ہے جسے نون کہتے ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا: یہ حروف معجم میں سے ایک ہے کیونکہ اگر یہ کوئی اور چیز ہوتی تو یہ معرب ہوتا۔ ابونصر عبدالرحیم قشیری نے اسے پسند کیا ہے۔ فرمایا: نٓ حرف ہے اس پر اعراب نہیں۔ اگر یہ مکمل قلم ہوتا تو اس پر اسی طرح اعراب ہوتا جس طرح قلم پر اعراب دیا جاتا ہے یہ حرف تہجی ہے جس طرح باقی سورتوں کے آغاز میں ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے: یہ سورت کا نام ہے یعنی یہ سورۂ نون ہے پھر فرمایا: وَالْقَلَمِ۔ قلم کی قسم اٹھائی کیونکہ اس کے ذریعے ہی وضاحت کی جاتی ہے جس طرح زبان کے ساتھ وضاحت کی جاتی ہے۔ اس کا اطلاق ہر اس قلم پر ہوتا ہے جس کے ساتھ لکھا جاتا ہے وہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو۔ اسی معنی میں ابوالفتح بستی کا قول ہے:

كفى قلم الكُتَّابِ عزًّا و رفعةً　　مَدَى الدهرِ أن الله أقسم بالقلَمِ

کاتبوں کے قلم کے لیے طویل زمانہ تک یہ عزت ورفعت میں کافی ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم اٹھائی ہے۔

شعراء کے بے شمار ایسے الفاظ ہیں جن میں قلم کو تلوار پر فضیلت دی گئی ہے۔ جس کو ہم نے ذکر کیا ہے وہ ان سب سے اعلیٰ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ اس قلم کی قسم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا تو قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا اس نے وہ لکھ دیا۔ کہا: یہ قلم نور کا ہے اس کی لمبائی اتنی ہے جتنی آسمان اور زمین کے درمیان مسافت ہے (2)۔ یہ کہا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھر اس کی طرف دیکھا تو اس میں شق پیدا ہو گیا فرمایا: چل پڑ۔ قلم نے عرض کی: اے میرے رب! میں کس کے ساتھ جاری ہوں؟ فرمایا: قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کو لکھنے کے ساتھ چل پڑ۔ تو وہ لوح محفوظ پر جاری ہو گیا۔ ولید بن عبادہ بن صامت نے کہا: میرے والد نے اپنے وصال کے موقع پر وصیت کی اور کہا: اے بیٹے! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو! تو کبھی بھی متقی نہیں بنے گا اور علم تک نہیں پہنچ سکے گا یہاں تک کہ تو اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان لائے، اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائے (3)۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا ہے اسے فرمایا: لکھ۔ اس نے عرض کی: میں کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر لکھ، قلم اس لمحہ لکھنے لگی جو کچھ ہو چکا تھا اور ہمیشہ کے لئے جو کچھ ہونے والا تھا''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا کیا اور اسے حکم دیا جو کچھ ہونے والا ہے اسے لکھتا جائے اس نے جو کچھ لکھا اس میں یہ بھی لکھا تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ۔ قتادہ نے کہا: قلم بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اوّل قلم کو پیدا کیا جو کچھ ہونے والا تھا اس نے لکھ دیا (4) اسے اپنے عرش پر اپنے پاس رکھ دیا، پھر دوسرے قلم کو پیدا کیا تاکہ اس کے ساتھ زمین میں لکھے جس کی وضاحت سورۂ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ میں آ رہی ہے۔

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 93
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 425
3۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، جلد 5، صفحہ 166
4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1855

وَ مَا يَسْطُرُوْنَ ۝ اور جو وہ لکھتے ہیں، مراد فرشتے ہیں جو انسانوں کے اعمال لکھتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جسے لوگ لکھتے ہیں اور جس کے ذریعے ایک دوسرے کی بات سمجھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: وَ مَا يَسْطُرُوْنَ ۝ کا معنی ہے جو وہ جانتے ہیں ماموصولہ ہے یا مصدریہ ہے مراد مسطور ہے یا سطر ہے، مراد ہوگا جو کوئی لکھتا ہے یا جسے حفظہ فرشتے لکھتے ہیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ یہ جواب قسم ہے اور جملہ منفیہ ہے۔ مشرک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا کرتے تھے: یہ مجنوں ہے، اس کا ایک شیطان ہے نعوذ باللہ(2)۔ وہ ان کا یہ قول تھا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ (الحجر) اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے اور ان کے قول کی تکذیب کرتے ہوئے اس آیت کو نازل فرمایا۔ یہاں نعمت رحمت کے معنی میں ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی رحمت کے ساتھ مجنون نہیں۔ دوسری تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ یہاں نعمت قسم کے معنی میں ہو تقدیر کلام یہ ہوگی تیرے رب کی نعمت کی قسم! آپ مجنون نہیں کیونکہ واؤ اور باء حروف قسم میں سے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کلام اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: ما انت بمجنون و الحمد للہ(3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام کا یہ معنی ہے ما أنت بمجنون والنعمة لربك جس طرح ان کا قول ہے: سبحانك اللهم وبحمدك یعنی والحمد للہ۔ اسی معنی میں لبید کا یہ شعر ہے:

وأفردْتُ في الدنيا بفقد عشيرتي ... وفارقني جارٌ بأَرْبَدَ نافِعُ

اس شعر میں بأربد، وهو أربد کے معنی میں ہے۔ نابغہ کا شعر ہے:

لم يُحْرَمُوا حُسْنَ الغِذاء وأُمُّهم ... طَفَحَتْ عليك بناتقٍ مِذْكارِ

اس میں بھی بناتق، هو ناتق کے معنی میں ہے۔ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ مجنون کے متعلق ہے جس کی نفی کی گئی ہے جس طرح کلام مثبت میں غافل کے متعلق ہے۔ تیرا قول ہے: أنت بنعمة ربك غافل اس کا محل نصب ہے۔ یہ حال ہے گویا فرمایا: ما أنت بمجنون منعما عليك بذلك۔ وَ اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا آپ کے لیے ثواب ہے کیونکہ آپ نبوت کے بوجھ کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وہ نہ ختم ہوگا اور نہ اس میں کمی کی جائے گی۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: مننت الحبل جب تو رسی کو کاٹ دے حبل منین جب وہ مضبوط نہ ہو۔ شاعر نے کہا:

غُبْسًا كواسِبَ لا يُمَنّ طعامُها

یہاں بھی لا یمن، لا یقطع کے معنی میں ہے۔ ان کا کھانا ختم نہیں ہوتا۔ مجاہد نے کہا: غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ کا معنی ہے اس کا کوئی حساب نہ ہوگا(4)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اسے احسان جتلا کر گدلا نہ کیا جائے گا۔ ضحاک نے کہا: بغیر عمل کے اجر ہوگا(5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بغیر اندازہ کے ہوگا(6)۔ یہ فضل و احسان ہے کیونکہ جزا اندازے سے ہوتی ہے اور فضل و احسان اندازے کے بغیر ہوتا ہے؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے؛ یہ مجاہد کے قول کا معنی ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 60
2۔ ایضاً
3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 426
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 61
5۔ ایضاً
6۔ ایضاً

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝

''بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

خلق سے مراد

مسئلہ نمبر 1۔ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: علی خلق سے مراد ہے دینوں میں سے عظیم دین پر۔ اللہ تعالیٰ کو اس دین سے بڑھ کر کوئی دین محبوب اور پسندیدہ نہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے: آپ کا خلق قرآن ہے (1)۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اور عطیہ نے کہا: اس سے مراد ادب قرآن ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی امت کے لیے نرم دل ہونا اور ان کو اکرام سے نوازنا ہے۔ قتادہ نے کہا: مراد ہے اللہ تعالیٰ جس کا حکم دے اس کو بجالاتا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے اس سے رک جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طبع کریم پر ہیں۔ ماوردی نے کہا: یہی معنی ظاہر ہے (3)۔ لغت میں خلق کا حقیقی معنی یہ ہے **ھو مایأخذبه الإنسان نفسه من الأدب** انسان اپنے نفس کے لیے جو ادب اپناتا ہے اسے خلق کہتے ہیں کیونکہ یہ چیز اس میں خلقت کی طرح ہو جاتی ہے۔ جس ادب پر اسے پیدا کیا جاتا ہے اسے خیم کہتے ہیں جس کا معنی سجیۃ اور طبیعۃ ہے۔ لفظوں میں اس کا کوئی واحد نہیں۔ خیم پہاڑ کا نام ہے۔ خلق ایسی فطرت ہے جس میں تکلف ہو اور خیم ایسی فطرت ہے جو پیدائشی ہو۔ اعشیٰ نے اسے اپنے شعر میں واضح کیا ہے:

وإذا ذُو الفضول ضَنَّ على المَو　لَى و عادت لخِيمها الأخلاقُ

جب مالدار غلام پر بخل کرنے لگیں تو اخلاق اپنی طبع کی طرف لوٹ آئے۔

میں کہتا ہوں: میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جو قول، ذکر کیا ہے جو صحیح مسلم میں موجود ہے وہ تمام اقوال سے اصح ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے **قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝** سے دس آیات کو پڑھا۔ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اخلاق میں کوئی اچھا نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ اور گھر والوں میں سے کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ بلایا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں کہا: لبیک۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ کوئی خلق محمود ذکر نہیں کیا گیا مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس میں وافر حصہ ہوتا۔ جنید بغدادی نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق کو عظیم کہا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا یہ کہنے کی کسی کی ہمت نہ تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق کو عظیم نام دیا گیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مکارم اخلاق جمع ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ادب سکھایا، اس کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اطاعت کی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝** (الاعراف) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے میرے رب نے اچھا ادب سکھایا کیونکہ ارشاد فرمایا: **خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ**

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 256　2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 426　3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 61

بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ (الاعراف) جب میں نے اسے قبول کر لیا تو فرمایا: وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾۔"

خلق سے مراد اخلاق ہے

مسئلہ نمبر 2۔ امام ترمذی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اتق اللہ حیثما کنت واتبع السیئة الحسنة تمحها و خالق الناس بخلق حسن جہاں کہیں ہو اللہ سے ڈرو، برائی کے بعد اچھائی کرو جو برائی کو مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ خلق حسن کے ساتھ معاملہ کرو (1)۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے روز مومن کے میزان میں اچھے اخلاق سے بڑھ کر کوئی وزنی چیز نہ ہوگی، بے شک اللہ تعالیٰ فحش یا وہ گوئی کرنے والے کو ناپسند کرتا ہے (2)۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ما من شیء یوضع فی المیزان أثقل من حسن الخلق وإن صاحب حسن الخلق لیبلغ به درجة صاحب الصلاة والصوم جو چیز میزان میں رکھی جاتی ہے حسن خلق سے بڑھ کر کوئی وزنی چیز نہ ہوگی۔ اچھے اخلاق والا نماز پڑھنے والے اور روزہ رکھنے والے کے درجہ تک جا پہنچتا ہے۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے، اسی سند سے مروی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: سب سے زیادہ کونسی چیز لوگوں کو جنت میں داخل کرے گی؟ فرمایا: "اللہ سے تقویٰ اور حسن خلق" (3)۔ پوچھا گیا: کونسی چیز سب سے زیادہ لوگوں کو جہنم میں داخل کرے گی؟ فرمایا: "منہ اور شرمگاہ"۔ کہا: یہ حدیث صحیح غریب ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک سے مروی ہے: آپ نے حسن خلق کے بارے میں فرمایا: ترش روئی نہ کرنا، نیکی کرنا اور اذیت کو دور کرنا (4)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے روز مجھے سب سے محبوب اور میرے سب سے قریب وہ ہوگا جو تم میں سے اخلاق میں سب سے اچھا ہوگا" (5)۔ فرمایا: "قیامت کے روز تم میں سے سب سے زیادہ مبغوض اور مجلس میں سب سے دور وہ ہوگا جو ثرثارون (زیادہ باتیں کرنے والے) متشدقون (زبان دراز) اور متفیهقون ہیں"۔ صحابہ نے عرض کی: ہم ثرثارون اور متشدقون کو تو جانتے ہیں، یہ متفیهقون کون ہیں؟ فرمایا: "متکبر"۔ اس بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے۔ کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

فَسَتُبْصِرُ وَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۵﴾ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ﴿۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۪ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۷﴾

"عنقریب آپ بھی دیکھیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے (واقعی) مجنون کون ہے؟ بے شک آپ کا

1۔ جامع ترمذی، کتاب البر والصلہ، ماجاء فی معاشرة الناس، جلد 2، صفحہ 20۔ ایضاً، حدیث نمبر 1910، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ ایضاً، ماجاء فی حسن الخلق، جلد 2، صفحہ 21۔ ایضاً، حدیث نمبر 1925، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً
5۔ ایضاً، باب ماجاء فی معالی الاخلاق، جلد 2، صفحہ 22

رب خوب جانتا ہے ان کو جو اس کی راہ سے بہک گئے ہیں اور انہیں بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں''۔

فَسَتُبْصِرُ وَ يُبْصِرُوْنَ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے آپ عنقریب جان لیں گے اور وہ بھی قیامت کے روز جان لیں گے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ عنقریب دیکھ لیں گے اور وہ بھی قیامت کے روز دیکھ لیں گے جب حق اور باطل واضح ہو جائے گا (2)۔ بِاَیِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝ باء زائدہ ہے، تقدیر کلام یہ ہے فستبصر ویبصرون أیکم المفتون یعنی جسے جنون کے ساتھ آزمائش میں ڈالا گیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ (المومنون: 20) یشرب بھا عباد اللہ دونوں میں باء زائدہ ہے؛ یہ قتادہ، ابو عبیدہ اور اخفش کا قول ہے۔ راجز نے کہا:

نحن بنو جَعْدَة أصحاب الفَلَج نضرب بالسيف ونرجو بالفَرَج

ہم بنو جعدہ ہیں جو فلج شہر والے ہیں۔ ہم تلوار مارتے ہیں اور کشادگی کی امید رکھتے ہیں۔

بالسیف اور بالفرج میں باء زائدہ ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: باء زائدہ نہیں۔ معنی ہے تم میں سے کسے فتنہ لاحق ہے (3)؟ یہاں مفتون مصدر ہے اور مفعول کے وزن پر ہے۔ اس کا معنی فتون ہے جس طرح انہوں نے کہا: مالفلان مجلود ولا معقول یعنی اس کے ہاں عقل اور سختی نہیں؛ یہ قول حضرت حسن بصری، ضحاک اور حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ راعی نے کہا:

حتى إذا لم يتركوا لعظامه لحمًا ولا لفؤاده معقولا

یہاں تک کہ انہوں نے اس کی ہڈیوں کے لیے گوشت اور دل کے لیے عقل نہ چھوڑی۔

یہاں معقول، عقل کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں مضاف حذف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی بأیکم فتنة المفتون۔ فراء نے کہا: باء، فی کے معنی میں ہے۔ آپ عنقریب دیکھیں گے اور وہ بھی دیکھیں گے دونوں جماعتوں میں سے کون سی جماعت مجنون ہے؟ کیا وہ جماعت جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی مومن یا دوسری جماعت۔ مفتون سے مراد مجنون ہے جسے شیطان فتنہ میں ڈال دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مفتون سے مراد وہ ہے جسے عذاب دیا جائے۔ عربوں کا قول ہے: فتنت الذھب بالنار (4) جب تو اسے آگ پر گرم کرے؛ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۝ (الذاریات) يُفْتَنُوْنَ یہاں یعذبون کے معنی میں ہے۔

اس سورت کا اکثر حصہ ولید بن مغیرہ اور ابو جہل کے بارے میں نازل ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مفتون سے مراد شیطان ہے کیونکہ اسے اس کے دین میں فتنہ میں ڈالا گیا (5)، وہ کہا کرتے تھے: إنّ به شيطان مراد مجنون ہی لیتے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وہ کل جان لیں گے ان میں سے کون مجنون ہے یعنی وہ شیطان جس کے مس کرنے سے جنون اور عقل میں خلل واقع ہوتا تھا۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ جو آدمی اس کے دین سے بھٹکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔ وَهُوَ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 62 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 182

4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 62 5۔ ایضاً

اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ۝ جو ہدایت پر ہیں انہیں بھی خوب جانتا ہے، تو قیامت کے روز وہ ہر کسی کو اسی کے عمل کا بدلہ دے گا۔

فَلَا تُطِعِ الۡمُكَذِّبِيۡنَ۝

''پس آپ بات نہ مانیں (ان) جھٹلانے والوں کی''۔

مشرکین کے ساتھ دوستی اور میلان سے منع کیا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دیتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بارے میں کچھ نہ کہیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے کچھ نہ کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ ان کے ساتھ دوستی اور ان کی طرف میلان کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَوۡلَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰكَ لَقَدۡ كِدۡتَّ تَرۡكَنُ اِلَيۡهِمۡ شَيۡـــًٔا قَلِيۡلًا۝ (الاسراء)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جھٹلانے والوں کی ان باتوں میں اطاعت نہ کریں جن باتوں میں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے خبیث دین کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ یہ آیت مشرکین قریش کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے اپنے آباء کے دین کی طرف دعوت دی۔

وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡهِنُ فَيُدۡهِنُوۡنَ۝

''وہ تو تمنا کرتے ہیں کہ کہیں آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطیہ، ضحاک اور سدی نے کہا: انہوں نے پسند کیا کاش! تم کفر کرتے تو وہ اپنے کفر میں مزید آگے بڑھ جاتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی کہا: انہوں نے پسند کیا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں رخصت دیں تو وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رخصت دیں گے (1)۔ فراء اور کلبی نے کہا: اگر آپ نرمی کریں تو وہ بھی نرمی کریں گے۔ ادھان سے مراد اس کے لیے نرمی کرنا ہے جس کے لیے نرمی کرنا مناسب نہ ہو؛ یہ فراء کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: معنی ہے انہوں نے چاہا اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف مائل ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق کو چھوڑ دیں تو وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مائل ہوں گے۔ ربیع بن انس نے کہا: انہوں نے چاہا اگر آپ جھوٹ بولیں تو وہ بھی جھوٹ بولیں گے (2)۔ قتادہ نے کہا: انہوں نے چاہا اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس امر سے کنارہ کش ہو جائیں تو وہ بھی آپ کے ساتھ کنارہ کش ہو جائیں گے (3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انہوں نے پسند کیا اگر آپ اپنے دین میں ان کے ساتھ کوئی نرمی کریں تو وہ اپنے دین میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نرمی کریں گے (4)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: انہوں نے پسند کیا اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بعض امور کو ترک کر دیں تو وہ اپنے بعض امور کو ترک کر دیں گے (5)۔ زید بن اسلم نے کہا: اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منافقت کریں اور ریا کاری کریں (نعوذ باللہ) تو وہ بھی منافقت کریں گے اور ریا کاری کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے پسند کیا اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمزوری دکھائیں تو وہ بھی کمزوری دکھائیں گے (6)؛ یہ ابو جعفر کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے پسند کیا اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دین میں مداہنت دکھائیں تو وہ اپنے ادیان میں مداہنت دکھائیں گے (7)؛ یہ قول قتبی کا ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عرصہ ان کے معبودوں کی عبادت کریں تو وہ ایک عرصہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معبودوں

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 62　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 182
5۔ ایضاً　6۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 62　7۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 95

کی عبادت کریں گے۔ یہ بارہ اقوال ہیں۔ ابن عربی نے کہا: مفسرین نے اس میں دس کے قریب اقوال ذکر کیے ہیں۔ سب لغت اور معنی پر جھوٹے دعوے ہیں (1)۔ ان میں سے ان کا یہ قول ہے: ودوا لوتکذب فیکفرون، ودوا لوتکفر فیکفرون۔

میں کہتا ہوں: سب انشاء اللہ صحیح ہیں لغت اور معنی کے موافق ہیں کیونکہ ادھان کا معنی نرمی کرنا اور نرم رویہ اپنانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ادھان کا معنی دشمن سے حسن سلوک کرنا اور اس سے دوستی کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں قرب ظاہر کرنا اور قول میں نرمی کرنا۔

مفضل نے کہا: اس سے مراد نفاق اور باہم نصیحت کو ترک کرنا ہے (2)۔ اس توجیہ کی صورت میں یہ مذموم ہے اور پہلی توجیہ کی صورت میں مذموم نہیں۔ ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں۔ مبرد نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے ادھن فی دینہ وداھن فی أمرہ یعنی اس نے اس میں خیانت کی اور جو چیز چھپائے ہوئے تھا اس کے خلاف ظاہر کیا۔ ایک قوم نے کہا: فَيُدْهِنُوْنَ کو عطف کے طریقہ پر چلایا ہے (3)۔ اگر نہی کے جواب کے طریقہ پر آتا تو اسے فیدھنوا ارشاد فرماتا۔ بے شک یہ ارادہ کیا انہوں نے تمنا کی اگر آپ ایسا کریں تو وہ بھی آپ کی مثل کریں گے۔ یہ عطف کے طور پر ہے۔ جزا اور مکافات کے طریقہ پر نہیں، یہ تمثیل و تنظیر ہے۔

وَ لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۙ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۙ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۙ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۙ﴿۱۳﴾

"اور بات نہ مانئے کسی (جھوٹی) قسمیں کھانے والے ذلیل شخص کی جو بہت نکتہ چینی، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے، سخت منع کرنے والا بھلائی سے، حد سے بڑھا ہوا بڑا بدکار ہے، اکھڑ مزاج ہے اس کے علاوہ وہ بداصل ہے"۔

امام شعبی، سدی اور ابن اسحاق کے قول میں اخنس بن شریق مراد ہے (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اسود بن عبد یغوث یا عبدالرحمن بن اسود ہے، یہ مجاہد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ولید بن مغیرہ ہے (5)۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مال کی پیشکش کی اور اس نے قسم اٹھائی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین سے رجوع کر لیں تو وہ یہ مال انہیں دے دے گا؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد ابوجہل بن ہشام ہے۔ حلاف سے مراد بہت زیادہ قسمیں اٹھانے والا۔ مہین سے مراد جس کا دل کمزور ہو؛ یہ مجاہد سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد سخت جھوٹا اور جھوٹ بولنے والا ذلیل ہوتا ہے (6)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شر میں بہت زیادہ آگے بڑھنے والا؛ یہ قول حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کیا ہے۔ کلبی نے کہا: مراد حقیر، فاجر اور عاجز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں حقیر۔ ابن شجرہ نے کہا: وہ ذلیل ہے۔ امانی نے کہا: حقیر و پست کیونکہ وہ بہت زیادہ قبیح عمل کرتا ہے۔ یہ مھانہ سے فعیل کا وزن ہے جس کا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1855
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 63
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1856
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 63
5۔ ایضاً
6۔ ایضاً

معنی قلت ہے۔ یہاں رائے اور تمیز میں قلت ہے یا یہ فعیل، مفعول کے معنی میں ہے۔ اس کا معنی مھان (ذلیل کیا گیا) ہے۔

هَمَّازٍ ابن زید نے کہا: ھماز سے مراد وہ آدمی ہے جو اپنے ہاتھ سے لوگوں کی چٹکی لیتا ہے اور انہیں مارتا ہے اور لماز جو زبان سے دوسرے لوگوں کے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جو مجلس میں لوگوں کے عیب ذکر کرے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **هُمَزَةٍ** (الہمزہ: 1)(1) ایک قول یہ کیا گیا ہے: ھماز سے مراد وہ شخص ہے جو لوگوں کے سامنے ان کی برائی ذکر کرتا ہے اور لماز اسے کہتے ہیں جو ان کی عدم موجودگی میں ان کی برائی ذکر کرتا ہے؛ یہ ابو العالیہ، عطا بن ابی رباح اور حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ مقاتل نے اس کلام کی ضد میں کلام کی ہے: ھمزہ اسے کہتے ہیں جو عدم موجودگی میں غیبت کرتا ہے اور لمزہ اسے کہتے ہیں جو سامنے برائی کرتا ہے۔ مرہ نے کہا: دونوں برابر ہیں۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو عدم موجودگی میں عیب جوئی کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ سے اسی کی مثل مروی ہے۔ شاعر نے کہا:

تُدْلِي بودّ إذا لا قيتني كذبًا وإنْ أغِبْ فأنت الهامز اللُّمَزَهْ(2)

جب تو ملتا ہے تو جھوٹ موٹ کی محبت کا اظہار کرتا ہے اور اگر میں غائب ہوں تو تو عیب جوئی کرنے والا ہے۔

مَشَّآءٍ بِنَمِيمٍ لوگوں میں چغل خوری کرتا ہے تاکہ ان میں فساد برپا کر دے۔ یہ بولا جاتا ہے: نَمَّ یَنِمُّ نَمًّا و نَمِیمًا و نمیمة جب وہ چغل خوری کرے اور فساد برپا کردے۔ صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہیں یہ خبر پہنچی کہ فلاں آدمی چغل خوری کرتا ہے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جنت میں کوئی چغل خور داخل نہیں ہوگا''(3)۔ شاعر نے کہا:

ومولیً کبیت النمل لا خیر عنده لمولاه إلّا سَعْيهٌ بنميم(4)

غلام چیونٹی کے گھر کی طرح ہے۔ اس کے ہاں آقا کے لیے کوئی خیر نہیں سوائے اس کے کہ وہ چغل خوری کرتا ہے۔

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ وہ مال کو روکنے والا ہے کہ اسے بھلائی کے راستوں میں خرچ کیا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنی اولاد اور قبیلہ کو اسلام سے روکتا ہے(5)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ انہیں کہتا ہے تم میں سے جو بھی (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین میں داخل ہوا میں اسے کبھی بھی کسی چیز کا فائدہ نہیں دوں گا(6)۔ **مُعْتَدٍ** وہ لوگوں پر ظلم کرنے والا ہے، حد سے تجاوز کرنے والا ہے، باطل کا ساتھی ہے۔ **اَثِيْمٍ** گناہگار ہے اس کا معنی اثوم ہے۔ یہ فعیل کا وزن ہے اور فعول کے معنی میں ہے۔ **عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝** عتل، یعنی وہ کفر میں بہت سخت ہے۔ کلبی اور فراء نے کہا: وہ باطل میں سخت خصومت کرنے والا ہے(7)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ لوگوں سے خصومت کرتا ہے اور انہیں قید یا عذاب کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ عتل سے ماخوذ ہے جس کا معنی کھینچنا ہے: اسی معنی میں یہ ارشاد ہے **خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ** (الدخان: 47) صحاح میں ہے عتلت

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 183
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 63
3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 70
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 64
5۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 96
6۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 84
7۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 430

الرجل، أعِتله وأعتُله جب تو اسے سختی سے کھینچے۔ رجل مِعْتَل۔ وہ گھوڑے کی تعریف کرتا ہے:

نَفْرعه فرعًا ولسنا نَعْتِله　　　ہم اسے سختی سے روکتے ہیں اور ہم اسے کھینچتے نہیں۔

ابن سکیت نے کہا: عتله وعتنه دونوں طرح یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ عُتُلٍّ کا معنی سخت دل۔ عُتُلٍّ کا معنی یہ بھی ہے موٹا نیزہ۔ رجل عتل ایسا آدمی جو برائی کی طرف جلدی جانے والا ہو۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: لا أنعتل معك یعنی میں اپنی جگہ سے نہ ہلوں گا۔ عبید بن عمیر نے کہا: العتل سے مراد بہت زیادہ کھانے والا، بہت زیادہ پینے والا، قوی اور شدید۔ اسے میزان میں رکھا جائے تو ایک جو کا وزن بھی نہ ہو۔ فرشتہ ایک دھکے سے ایسے ستر ہزار آدمیوں کو جہنم میں دھکیل دے گا۔ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت حسن بصری نے کہا: عُتُلٍّ سے مراد فحش گوئی کرنے والا اور برے اخلاق والا۔ معمر نے کہا: اس سے مراد فحش گوئی کرنے والا اور کمینہ ہے (1)۔ شاعر نے کہا:

بِعُتُلّ　من　الرجال　زَنِيم　　غير ذی نجدة وغير كريم(2)

لوگوں میں سے ترش اور بداصل وہ بلند مقام مرتبے والا نہیں اور نہ ہی معزز ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت حارث بن وہب سے روایت مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''کیا میں تمہیں اہل جنت کے بارے میں باخبر نہ کروں؟'' (3) صحابہ نے عرض کی: کیوں نہیں؟ فرمایا: ''ہر کمزور جسے لوگ کمزور جانیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر کسی امر کے بارے میں قسم اٹھا دے تو وہ اس قسم کو پورا کر دے۔ کیا میں تمہیں جہنمیوں کے بارے میں باخبر نہ کروں؟'' صحابہ نے عرض کی: کیوں نہیں؟ فرمایا: ''ہر ترش رو، سخت دل، مال جمع کرنے والا اور متکبر''۔ ایک روایت میں ہے۔ ''ہر مال جمع کرنے والا، بداصل اور متکبر'' (4)۔

جواظ سے مراد مال جمع کرنے والا اور خرچ کرنے سے رکنے والا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: زیادہ گوشت والا اور چال میں تکبر کرنے والا۔ ماوردی نے شہر بن حوشب سے وہ عبدالرحمن بن غنم سے روایت نقل کرتے ہیں (5)، اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا يدخل الجنةَ جَوّاظٌ ولا جَعْظَرِي ولا العُتُلّ الزَّنِيم ایک آدمی نے عرض کی: جواظ اور جعظری کیا ہوتا ہے اور عتل زنیم سے کیا مراد ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جواظ اسے کہتے ہیں جو مال جمع کرتا ہے اور اسے روک لیتا ہے، جعظری سے مراد سخت دل اور عتل زنیم سے مراد مضبوط جسم والا، بڑے پیٹ والا، صحت مند، خوب کھانے پینے والا، کھانے کو پانے والا اور لوگوں پر ظلم کرنے والا''۔ ثعلبی نے اسے شداد بن اوس سے نقل کیا ہے: ''جنت میں جواظ، جعظری اور عتل زنیم داخل نہیں ہوگا''۔ میں نے یہ باتیں نبی کریم ﷺ سے سنی ہیں۔ میں نے عرض کی: جواظ کون ہے؟ فرمایا: ''مال جمع کرنے والا اور اسے روکنے والا''۔ میں نے پوچھا: جعظری کیا ہے؟ فرمایا: ''ترش رو سخت دل''، میں نے عرض کی: عتل زنیم کیا ہے؟ فرمایا: ''بڑے پیٹ والا''۔ بھرے گوشت والا، خوب

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 430　　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 64

3۔ صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفته، جهنم اعاذنا الله منها، جلد 2، صفحہ 382　　4۔ ایضاً　　5۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 65

کھانے پینے والا اور ظالم"۔

میں کہتا ہوں: یہ تفسیر نبی کریم ﷺ سے عتل کے بارے میں ہے جو مفسرین کے اقوال پر فوقیت رکھتی ہے۔ ابوداؤد کی کتاب میں جواظ کی تفسیر میں ہے، اس سے مراد ترش رو اور سخت دل ہے۔ یہ حارث بن وہب خزاعی کی حدیث میں وارد ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا یدخل الجنۃ الجَوَّاظ ولا الجَعْظَرِی (1)، جواظ اور جعظری جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ کہا: جواظ سے مراد ترش رو اور سخت دل ہے۔ اس بارے میں دو اور تفسیریں ہیں جو مرفوع روایت میں بیان ہوئیں جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد سخت دل ہے۔ حضرت زید بن اسلم اللہ تعالیٰ کے فرمان: عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝ کی تفسیر میں کہتے ہیں (2)، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "آسمان اس آدمی کی حرکتوں سے روتا ہے اللہ تعالیٰ نے جس کے جسم کو درست کیا، اس کے پیٹ کو بڑا کیا اور دنیا میں سے بعض دیا تو وہ لوگوں پر ظلم کرتا ہے، پس وہی عتل زنیم ہے اور آسمان اس بدکار بوڑھے کی وجہ سے روتا ہے جس کو زمین اٹھائے ہوئے ہے"۔

زنیم اسے کہتے ہیں جو کسی قوم کے ساتھ چسپاں کر دیا گیا ہے اور جس کے بارے میں دعویٰ کیا گیا ہو؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ شاعر نے کہا:

زَنِیْمٌ تداعاہ الرجال زیادۃً

وہ زنیم ہے جسے لوگ بطور زیادہ چیز کے دعویٰ کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ قریش کا ایک فرد تھا اس کا ایسا زخم تھا جس طرح بکری (کے کانوں یا گردن) میں الگ تھلگ گوشت لٹک رہا ہوتا ہے (3)۔ ابن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت بھی کی ہے کہ وہ شر میں یوں معروف تھا جس طرح بکری اس گوشت کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے (4)۔ عکرمہ نے کہا: مراد ایسا کمینہ فرد ہے جو اپنی کمینگی کی وجہ سے معروف ہو جس طرح بکری اس گوشت کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ابنہ (عیب) کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد مظلوم ہے۔ یہ چھ اقوال ہیں۔ مجاہد نے کہا: زنیم جس کے ہاتھ میں چھ انگلیاں تھیں اور ہر انگوٹھے میں ایک انگلی زائد تھی۔ ان میں سے بھی اور سعید بن مسیب اور عکرمہ سے بھی یہ مروی ہے: اس سے مراد ولد زنا ہے جو نسب میں کسی قوم کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہو۔ ولید قریش میں دعی (جس کا دعویٰ کیا گیا ہو) تھا وہ ان کی اصل سے نہ تھا۔ اس کے والد نے اس کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد اس کے بیٹے ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ شاعر نے کہا:

زَنِیْمٌ لیس یُعرف مَن أبوہ　　بغیّ الأُمّ ذو حسب لئیم

وہ بد اصل ہے، اس کا باپ معروف نہیں، اس کی ماں بدکار تھی وہ کمینے حسب والا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ بعینہ پہلا قول ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جس کی اصل نہ ہو۔ معنی

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، فی حسن الخلق، جلد 2، صفحہ 305
2۔ تفسیر طبری، جز 29، صفحہ 31
3۔ تفسیر ابن عباس، جلد 2، صفحہ 895
4۔ ایضاً

ایک ہی ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جنت میں ولد زنا، اس کا بچہ اور اس کے بچے کا بچہ داخل نہیں ہوگا'' (1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ولد زنا قیامت کے روز بندوں اور خنزیروں کی صورت میں اٹھائے جائیں گے''۔ حضرت میمونہ نے کہا: میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''میری امت بھلائی میں رہے گی جب تک اس میں ولد زنا عام نہ ہوں گے اور جب اس میں ولد زنا عام ہو جائیں گے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر عتاب کو عام کر دے''۔ عکرمہ نے کہا: جب ولد زنا کی کثرت ہو جاتی ہے تو بارش کم ہو جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں: جہاں تک پہلی اور دوسری حدیث کا تعلق ہے میں ان کی ایسی سند گمان نہیں کرتا جو صحیح ہو جہاں تک حضرت میمونہ کی حدیث کا تعلق ہے اور عکرمہ نے جو کہا ہے وہ صحیح مسلم میں حضرت زینب بنت جحش جو نبی کریم ﷺ کی زوجہ ہیں، سے مروی ہے۔ کہا: ایک روز نبی کریم ﷺ گھبراتے ہوئے نکلے جبکہ آپ ﷺ کا چہرہ سرخ تھا۔ آپ ﷺ کہہ رہے تھے: لا إله إلا الله ويلٌ للعرب من شرٍّ قد اقترب۔ فُتح اليومَ من رَدْمِ يأجوجَ ومأجوجَ مثلُ هذا (2) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ عربوں کے لیے اس شر کی وجہ سے ہلاکت ہے جو قریب آ چکی ہے۔ آج یاجوج و ماجوج کی آڑ اس قدر کھول دی گئی ہے۔ آپ نے اپنے انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی سے حلقہ بنایا۔ حضرت زینب بنت جحش نے کہا: میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے جبکہ ہم میں صالح لوگ بھی ہیں۔ فرمایا: ''ہاں، جب بدکاری عام ہو جائے گی''۔ امام بخاری نے اسے نقل کیا ہے۔ کثرة خبث سے مراد زنا کا عام ہونا اور زنا کی اولاد کا عام ہونا ہے۔ علماء نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ عکرمہ کا قول قحط المطر اس امر کی وضاحت ہے جس کے ساتھ ہلاکت ہوگی۔ یہ امر قیاسی نہیں توقیفی (جیسی خبر دی) ہے وہ زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ کس وجہ سے انہوں نے یہ بات کہی۔

اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی وہ منیٰ میں مقیم لوگوں کو تین دن حلوہ کھلاتا تھا اور اعلان کرتا: خبردار! کوئی آدمی ہنڈیا کے نیچے آگ نہ جلائے، کوئی آدمی کھروں (کو پکانے کے لئے) ان کے نیچے دھواں نہ ڈالے۔ خبردار! جو حیس (حلوہ) کی خواہش رکھتا ہے وہ ولید بن مغیرہ کے پاس آئے وہ ایک حج کے موقع پر بیس ہزار یا اس سے زیادہ خرچ کیا کرتا تھا اور مسکین کو ایک درہم بھی نہ دیتا، تو کہا گیا: مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ (فصلت) محمد بن اسحاق نے کہا: یہ آیت اخنس بن شریق کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ وہ حلیف تھا اور بنوزہرہ کے ساتھ لاحق کیا گیا تھا؛ اسی وجہ سے اسے زنیم کہا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس آیت میں اس کی یہ صفت بیان کی گئی اس کے بارے میں کسی کو پتہ نہ تھا یہاں تک کہ وہ قتل ہوا تو اس کا پتہ چلا۔ اس کی گردن میں گوشت کا ایک لوتھڑا تھا جو لٹک رہا تھا۔ مرہ ہمدانی نے کہا: اس کے والد نے اس کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد اس کے بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا۔

اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

''(یہ غرور و سرکشی) اس لئے کہ وہ مالدار اور صاحب اولاد ہے۔ جب ہماری آیت اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو

1۔ کنز العمال، جلد 5، صفحہ 333، حدیث 13095 2۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، یاجوج ماجوج، جلد 2، صفحہ 1056

کہتا ہے یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں''۔

اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِيْنَ ۞ ابو جعفر، ابن عامر، ابو حیوہ، مغیرہ اور اعرج نے اَنْ كَانَ ایک ہمزہ ممدودہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ کلام استفہامیہ ہے۔ مفضل، ابو بکر اور حمزہ نے أأَنْ كَانَ دو ہمزوں کے ساتھ جو اپنی جگہ پر ثابت ہیں کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے ایک ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اس بنا پر کہ یہ کلام استفہامیہ نہیں۔ جس نے ایک ہمزہ ممدودہ یا دو ہمزہ محققہ کے ساتھ پڑھا ہے تو اس صورت میں کلام استفہامیہ ہوگی۔ اس سے مراد توبیخ ہے اس کے لئے اچھا ہوگا کہ وہ زنیم پر وقف کرے اور اَنْ كَانَ سے کلام کا آغاز کرے معنی یہ بنے گا کیا اس لئے کہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ تقدیر کلام بھی جائز ہے الأن كان ذا مال و بنين يقول إذا تُتْلٰى عليه آياتُنا أساطير الأوّلين کیا اس لئے کہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہے جب اس پر ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتا ہے یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ تقدیر کلام یوں ہو الأن كان ذا مال و بنين يكفر و يستكبر کیا اس لئے کہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہے وہ کفر کرتا ہے اور تکبر کرتا ہے۔ ماقبل کلام اس پر دلالت کرتی ہے تو یہ استفہام کے بعد مذکور کی طرح ہے۔ جس نے اَنْ كَانَ استفہام کے بغیر پڑھا تو وہ مفعول لاجلہ ہوگا اس میں عامل فعل مضمر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی يكفر لأن كان ذا مال و بنين اس فعل پر اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۞ دلالت کرتا ہے۔ اَنْ میں تُتْلٰى فعل عامل نہیں ہوگا اور نہ ہی قَالَ فعل عامل ہوگا کیونکہ اِذَا کا مابعد اس کے ماقبل میں عمل نہیں کرتا کیونکہ اذا، مابعد جملہ کی طرف مضاف ہوکر استعمال ہوتا ہے اور مضاف الیہ، مضاف کے ماقبل میں عمل نہیں کرتا اور قَالَ جزاء کا جواب ہے یہ جزا کے ماقبل میں عمل نہیں کرتا کیونکہ عامل کا حکم یہ ہے کہ وہ معمول سے پہلے ہو اور جواب کا حکم یہ ہے کہ وہ شرط کے بعد ہو وہ ایک ہی میں حال میں مقدم و موخر ہوگا۔ یہ جائز ہے کہ معنی ہو اس کی اطاعت نہ کر اس لئے کہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے استفہام کے بغیر پڑھا اس کے لئے زنیم پر وقف کرنا اچھا نہیں کیونکہ معنی ہے اَنْ كَانَ بان کان۔ ان ماقبل سے متعلق ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ مَشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ کے متعلق ہو تقدیر کلام یہ ہوگی يمشى بنميم لأن كان ذا مال و بنين وہ چغل خوری اس لئے کرتا ہے کہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہے۔ ابوعلی نے یہ بھی جائز قرار دیا ہے کہ یہ عتل کے متعلق ہو اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ سے مراد ان کی باطل باتیں، جھوٹی آرزوئیں اور خرافات ہیں۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۞

''ہم بہت جلد اس کی سونڈ پر داغ لگائیں گے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

سنسمہ کا معنی و مفہوم

مسئلہ نمبر 1۔ سَنَسِمُهٗ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سَنَسِمُهٗ کا معنی ہے ہم تلوار کے ساتھ اسے نکیل ڈالیں گے (1)،

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 432

کہا: جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی غزوہ بدر کے دن تلوار کے ساتھ اس کی ناک پر زخم لگایا گیا، وہ مرنے تک اسی طرح رہا۔ قتادہ نے کہا: قیامت کے روز ہم اس کی ناک پر نشان لگائیں گے جس کے ساتھ وہ پہچان لیا جائے گا یہ جملہ بولا جاتا ہے: و سمته و سمًا و سمةً جب اس میں سمہ اور کاویہ کے ساتھ اثر چھوڑا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ (آل عمران: 106) یہ ظاہر علامت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ نَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا (طٰہٰ)

یہ ایک اور ظاہر علامت ہے اس آیت نے تیسرا فائدہ اٹھایا، وہ ناک پر آگ سے نشان لگاتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ (الرحمن: 41)؛ یہ کلبی اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ابو العالیہ اور مجاہد نے کہا: سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝ کا معنی ہے ہم اس کے ناک پر نشان لگائیں گے اور آخرت میں اس کے چہرے کو سیاہ کر دیں گے تو وہ اپنے چہرے کی سیاہی کی وجہ سے پہچانا جائے گا۔ خرطوم سے مراد انسان کی ناک ہے، درندوں سے اس کے ہونٹ کی جگہ ہے، قوم کے خراطیم سے مراد ان کے سردار ہیں۔ فراء نے کہا: اگر خرطوم کو سمہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہو تو اس وقت یہ وجہ کے معنی میں ہوگا کیونکہ کسی چیز کے بعض کے ساتھ اس کے کل کو تعبیر کیا جاتا ہے۔ طبری نے کہا: ہم اس کے امر کو واضح کریں گے یہاں تک لوگ اسے پہچان لیں گے وہ ان پر مخفی نہیں رہے گا جس طرح ناک پر نشان مخفی نہیں رہتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم اسے عار لاحق کریں گے یہاں تک کہ وہ اس کے لئے اس طرح ہو جائے گا جس طرح اس کی ناک پر نشان ہو۔ قتیبی نے کہا: عرب اس آدمی کے بارے میں کہتے ہیں جس کو کوئی قبیح الزام دیا گیا ہو جو باقی رہنے والا ہو: قد وَسَمَ مَيْسَمَ سُوءٍ معنی اسے ایسی عار لاحق ہوگئی ہے جو اس سے جدا نہیں ہوگی، جس طرح نشان کا اثر نہیں مٹایا جا سکتا۔ جریر نے کہا:

لمّا وضعتُ على الفَرَزْدَق مِيسَمِي　　و على البَعيث جَدَعْتُ أنفَ الأَخْطَلِ (1)

جب میں نے اپنی ہجو فرزدق اور بعیث (خداش بن بشر) پر رکھی تو میں نے اخطل کی ناک کو کاٹ دیا۔

یہاں میسم سے مراد ہجو ہے۔ کہا: یہ سب آیات ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کے اتنے عیوب کا ذکر کیا ہو جتنے عیوب اس کے ذکر کیے۔ اسے ایسی عار لاحق کی جو دنیا و آخرت میں اس سے جدا نہ ہوئی جس طرح ناک پہ نشان زخم جدا نہیں ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ آزمائش ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں اس کی ذات، مال اور اہل میں مبتلا کیا اسے ذلت و پستی میں رہنا پڑا (2)؛ یہ ابن بحر نے کہا جس طرح اعشی نے کہا: و اغلَب أنف من أنت و اسم جس پر نشان لگانا چاہتا ہے اس کی ناک پر نشان لگا۔ نضر بن شمیل نے کہا: معنی ہے ہم شراب پینے پر اس پر حد جاری کریں گے خرطوم سے مراد شراب ہے اس کی جمع خراطیم آتی ہے۔

شاعر نے کہا:

تَظَلُّ یومك فی لَهْوٍ و فی طَرَبٍ　　و أنت باللیل شَرّاب الخراطیم

تو دن کے وقت لہو اور نشاط میں رہتا ہے اور رات کے وقت شراب پیتا ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 349　　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 66

ایک اور نے کہا: ومن یشرب الخمر طوم یصبح مسکما جو شراب پیتا ہے، وہ نشہ کی حالت میں صبح کرتا ہے۔

چہرے پر نشان کے ساتھ مثال بیان کرنے کی وجہ

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عربی نے کہا: معصیت کا ارتکاب کرنے والے کے چہرے پر نشان لگانا لوگوں کے ہاں قدیمی معمول ہے (1)۔ جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ یہ روایت کی گئی ہے: جب یہودیوں نے زانی کو رجم کرنے میں ڈھیل دی تو اس کے عوض انہوں نے مارنے اور چہرے کو سیاہ کرنے کی سزا دی۔ یہ بات الگ توجیہ ہے۔ چہرے پر نشان لگانے کے اعتبار سے صحیح توجیہ یہ ہے جو علماء نے رائے قائم کی کہ جھوٹی گواہی دینے والے کے چہرے کو سیاہ کیا جائے۔ یہ اس کی معصیت کی قباحت پر علامت کے طور پر ہے اور اس آدمی پر سختی کرنے کے لئے ہے جو جھوٹی گواہی کسی اور کے لئے دیتا ہے یہ ان لوگوں میں سے ہے جس کے بارے میں اس عمل سے اجتناب کرنے کی امید کی جاسکتی تھی۔ وہ حق بات کہہ کر معزز ہوسکتا تھا جبکہ وہ معصیت کا ارتکاب کر کے حقیر ہو گیا ہے سب سے بڑی اہانت چہرے کی اہانت ہے اسی طرح اس کا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو پست کرنا یہ دائمی بھلائی اور آگ پر حرمت کا سبب ہے اللہ تعالیٰ نے آگ پر حرام کیا ہے کہ وہ انسان کے سجدہ کے اثر کو کھائے جس طرح حدیث صحیح میں ثابت ہے۔

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۙ﴿۱۷﴾ وَ لَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَ هُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۱۹﴾

''ہم نے ان (مکہ والوں) کو بھی آزمایا جیسے ہم نے آزمایا تھا باغ والوں کو جب انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ضرور توڑ لیں گے اس کا پھل صبح سویرے اور انہوں نے ان شاء اللہ بھی نہ کہا۔ پس چکر لگایا اس باغ پر ایک چکر لگانے والے نے آپ کے رب کی طرف سے دراں حالیکہ وہ سوئے ہوئے تھے''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

باغ والوں کا ابتلا اور ان کا قصہ

مسئلہ نمبر 1۔ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ مراد اہل مکہ ہیں۔ ابتلاء سے مراد آزمانا ہے۔ اس کا معنی ہے ہم نے انہیں مال عطا کئے تا کہ وہ شکر بجالائیں نہ کہ وہ تکبر کریں۔ جب انہوں نے تکبر کیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کی تو ہم نے بھوک اور قحط کے ساتھ آزمایا جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا جن کی خبر ان کے ہاں معروف و مشہور تھی۔ وہ باغ یمن کے علاقہ میں صنعاء سے چند فرسخ دور تھا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: وہ دو فرسخ دور تھا وہ باغ ایک ایسے آدمی کا تھا جو اس میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کیا کرتا تھا جب وہ فوت ہو گیا تو باغ بیٹوں کی ملکیت میں آ گیا انہوں نے لوگوں کو اس کے مال سے روک دیا اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے میں بخل سے کام لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس باغ کو ایسے طریقہ سے ہلاک کر دیا جس کو دور کرنا ان کے لئے

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1857

ممکن نہ تھا۔ کلبی نے کہا: ان کے اور صنعاء کے درمیان دو فرسخ کا فاصلہ تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمائش میں ڈالا کہ ان کے باغ کو جلا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ باغ ضوران میں تھا اور ضوران، صنعاء سے دو فرسخ کے مقام پر تھا۔ اس باغ والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے سے تھوڑا عرصہ بعد ہوئے وہ سب بخیل تھے وہ مساکین سے بچنے کے لئے رات کے وقت کھجوروں سے پھل اتارتے تھے۔ انہوں نے فصل کاٹنے کا ارادہ کیا اور کہا: آج تم پر کوئی مسکین داخل نہ ہونے پائے وہ صبح صبح اس کی طرف گئے تو وہ باغ اپنی جڑوں سے اکھیڑا جا چکا تھا تو وہ رات کی طرح ہو چکا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دن کو بھی صریم کہتے ہیں۔ اگر رات مراد لی جائے تو اس جگہ کے سیاہ ہونے کی وجہ سے اسے صریم کیا گیا گویا انہوں نے اس کی جگہ کو سیاہ کیچڑ کوئلہ پایا اگر صریم سے مراد دن ہو تو اس کے درختوں اور کھیتیوں کے ختم ہونے اور زمین کے اندر سے صاف ہونے کی وجہ سے اسے صریم کہا گیا۔ طائف سے مراد حضرت جبریل امین ہیں انہوں نے اس باغ کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: اس باغ کو بیت اللہ شریف کے گرد چکر لگایا اور پھر اسے وہاں رکھ دیا جہاں آج کل طائف شہر ہے۔ اسی وجہ سے اس شہر کو طائف کہتے ہیں۔ حجاز کے علاقہ میں کوئی ایسا شہر نہیں جہاں درخت، انگور اور پانی ہو۔ بکری نے معجم میں کہا: طائف کو یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ صدف کا ایک آدمی جسے دمون کہا جاتا اس نے ایک دیوار بنائی اور کہا: میں نے تمہارے شہر کے اردگرد ایک طائف بنائی ہے اس وجہ سے اس شہر کا نام طائف پڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

کھیتی کاٹنے کا وقت اور اس وقت کیا کرنا چاہیے

مسئلہ نمبر 2۔ بعض علماء نے کہا: جو آدمی اپنی کھیتی کاٹے یا پھل کاٹے تو جو آدمی وہاں حاضر ہو اس کے ساتھ غم گساری کرے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ (الانعام: 141) کا یہی مقصود ہے، یہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے جس طرح سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے۔ بعض نے کہا: کاٹنے والوں نے جسے چھوڑ دیا ہے مالک پر لازم ہے کہ اسے چھوڑ دے کیونکہ بعض لوگ اس سے اپنی روزی تلاش کرتے ہیں۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ رات کے وقت فصل کاٹنے سے منع کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ اس طریقہ سے مساکین کے ساتھ نرمی کرنے کا حکم ہے وہ منقطع ہو جاتا ہے جس نے یہ کہا اس نے سورۂ نٓ وَالْقَلَمِ کی اس آیت کی یہ تاویل کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رات کے وقت اس لئے کاٹنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ سانپوں اور دوسرے حشرات الارض کا خوف ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ دوسرا احسن ہے۔ ہم نے کہا ہے: پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ سزا انہیں اسی لئے ملی جو انہوں نے مساکین کو محروم رکھنے کا ارادہ کیا تھا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔ اسباط نے سدی سے روایت کی ہے کہ ایک قوم یمن میں آباد تھی ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا جب ان کے پھل پک جاتے تو مساکین اس کے پاس آ جاتے وہ باغ میں داخل ہونے سے انہیں منع نہ کرتا، اس سے کھانے سے منع نہ کرتا اور زادراہ لینے سے منع نہ کرتا۔ جب وہ فوت ہو گیا تو اس کے بیٹوں نے ایک دوسرے سے کہا: ہم اپنے اموال مساکین کو کیوں دیں۔ آؤ۔ ہم رات کے وقت اس میں داخل ہوں اور مساکین کو علم ہونے سے پہلے ہی کاٹ لیں۔ انہوں نے انشاء اللہ بھی نہ کہا۔ وہ پہلے ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے راز داری

انہوں نے باہم قسم اٹھائی کہ آج تم پر کوئی مسکین داخل نہ ہو اسی وجہ سے فرمایا: اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۙ انہوں نے باہم قسم اٹھائی کہ مساکین کے گھروں سے نکلنے سے پہلے ہم صبح صبح اسے کاٹ لیں اور انہوں نے انشاء اللہ نہ کہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ باغ صنعاء سے دو فرسخ کے مقام پر تھا اسے ایک صالح آدمی نے لگایا تھا اس کے تین بیٹے تھے وہ تمام پھل مساکین کے لئے ہوتا جو درانتی سے رہ جاتا اور انگور میں سے اس نے نہ کاٹا ہوتا جب اسے چادر پر ڈالا جاتا تو جو پھل اس چادر سے گر جاتا وہ بھی مساکین کے لئے ہوتا جب وہ اپنی کھیتی کاٹتے تو جو چیز درانتی سے رہ جاتی وہ مساکین کے لئے ہوتی جب وہ اس فصل کو صاف کرتے تو جو چیز ادھر ادھر بکھر جاتی وہ بھی مساکین کے لئے ہوتی ان کا باپ اس میں سے صدقہ کرتا ان کے باپ کی زندگی میں یتامیٰ، بیوائیں اور مساکین اس سے وقت گزارتے جب ان کا باپ فوت ہو گیا تو بیٹوں نے وہ کچھ کیا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ذکر کیا۔ انہوں نے کہا: مال کم ہو گیا ہے اور اہل و عیال زیادہ ہو گئے ہیں، انہوں نے باہم قسم اٹھائی کہ لوگوں کے نکلنے سے پہلے وہ باغ کی طرف جائیں گے پھر اسے کاٹیں گے اور مساکین کو پتہ بھی نہ چلے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا کا یہی معنی ہے انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ اپنی کھجوروں کا پھل اس وقت کاٹیں گے جب ابھی رات کی کچھ تاریکی ہو گی تاکہ مساکین بیدار نہ ہوں۔ صرم کا معنی کاٹنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: صرم العذق من النخل اس نے کھجور کا خوشہ کاٹا۔ أصرم النخل کھجور کے کاٹنے کا وقت آ گیا جس طرح أرکب المهر اور أحصد الزرع یعنی بچھیرے پر سواری کرنے کا وقت آ گیا اور کھیتی کے کاٹنے کا وقت آ گیا۔

وَ لَا يَسْتَثْنُوْنَ ۙ انہوں نے انشاء اللہ نہ کہا: فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۙ وہ ایک دوسرے کو ندا کرتے ہیں: اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ۙ کھیتی کو کاٹنے کا عزم رکھتے ہو۔ قتادہ نے کہا: اگر تم کھیتی کاٹنے والے ہو۔ کلبی نے کہا: ان کے باغ میں جو کھیتی اور کھجوریں ہیں انہیں کاٹنے والے ہو۔ مجاہد نے کہا: ان کی کھیتی انگور کی تھی۔ انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا(1)۔ ابو صالح نے کہا: ان کی استثناء ان کا یہ قول تھا: سبحان اللہ ربنا ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَا يَسْتَثْنُوْنَ کا معنی ہے وہ مساکین کا حق نہیں نکالتے؛ یہ علماء کا قول ہے وہ اپنے باغ میں رات کے وقت آئے انہوں نے باغ کو سیاہ پایا تیرے رب کی جانب سے ان پر ایک مصیبت آئی جبکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: طائف سے مراد حضرت جبریل امین ہیں جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد ہے تیرے رب کی جانب سے امر (2)۔ قتادہ نے کہا: تیرے رب کی جانب سے عذاب۔ ابن جریج نے کہا: آگ کی گردن جو جہنم کی وادی سے نکلی تھی۔ طائف اس مصیبت کو کہتے ہیں جو رات کے وقت آئے؛ یہ فراء کا قول ہے (3)۔

انسان کے عزم پر بھی سزا ہوتی ہے

مسئلہ نمبر 3۔ میں کہتا ہوں: اس آیت میں ایسی دلیل ہے کہ عزم پر بھی انسان کا مواخذہ ہو گا کیونکہ انہوں نے عزم کیا تھا کہ وہ ایسا کریں گے تو ان کے فعل سے پہلے انہیں سزا دی گئی۔ اس آیت کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَنْ يُّرِدْ فِيْهِ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 67 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

بِاِلۡحَادٍۭ بِظُلۡمٍ نُّذِقۡهُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِيۡمٍ (الحج) صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: "جو دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ باہم مقابلہ کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں آگ میں ہونگے" (1)۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو قاتل ہے تو مقتول کس وجہ سے؟ فرمایا: "وہ اپنے ساتھی کے قتل کا حریص تھا"۔ سورۂ آل عمران آیت 135 میں وَ لَمۡ يُصِرُّوۡا عَلٰى مَا فَعَلُوۡا کے ضمن میں بحث گزر چکی ہے۔

فَاَصۡبَحَتۡ كَالصَّرِيۡمِ ۙ۝۲۰ فَتَنَادَوۡا مُصۡبِحِيۡنَ ۙ۝۲۱ اَنِ اغۡدُوۡا عَلٰى حَرۡثِكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰرِمِيۡنَ ۝۲۲

"پس چکر لگا گیا اس باغ پر چکر لگانے والا آپ کے رب کی طرف سے دراں حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے چنانچہ (لہلہاتا) باغ کٹے ہوئے کھیت کی مانند ہو گیا پھر انہوں نے ایک دوسرے کو ندا دی صبح سویرے کہ سویرے سویرے اپنے کھیت کی طرف چلو تم اگر پھل توڑنا چاہتے ہو"۔

فَاَصۡبَحَتۡ كَالصَّرِيۡمِ ۝ وہ ہو گیا تاریک رات کی طرح (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، فراء اور دوسرے علماء نے کہا: یعنی وہ باغ جل گیا اور سیاہ رات کی طرح ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: سیاہ رات کی طرح ہو گیا (3)۔ کہا: حزیمہ کی لغت میں وہ سیاہ راکھ کی طرح ہو گیا۔ ثوری نے کہا: کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ہو گیا۔ صریم، مصروم کے معنی میں ہے اس میں جو کچھ تھا اس کو کاٹ دیا گیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: بھلائی اس سے ختم کر دی گئی۔ صریم، اسم مفعول کا وزن ہے۔ مورج نے کہا: ایسی ریت جو زیادہ ریت سے الگ ہو گئی۔ یہ کہا جاتا ہے: صریمۃ، صرائم ریت کوئی ایسی چیز نہیں اگاتی جس سے نفع حاصل کیا جا سکتا ہو۔ اخفش نے کہا: وہ صبح کی طرح ہو گیا جو رات سے کٹ چکی ہو۔ مبرد نے کہا: وہ دن کی طرح ہو گیا، پس اس میں کوئی چیز باقی نہ بچی۔ شمر نے کہا: صریم سے مراد رات ہے، صریم سے مراد دن ہے، یعنی رات دن سے کٹتی ہے اور دن رات سے کٹتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رات کو صریمہ کا نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ اپنی تاریکی کی وجہ سے تصرف سے روک دیتی ہے؛ اسی وجہ سے فعیل، فاعل کے معنی میں ہے۔ قشیری نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ دن کو بھی صریم کہتے ہیں جبکہ وہ انسان کو تصرف سے نہیں روکتا۔

فَانۡطَلَقُوۡا وَهُمۡ يَتَخَافَتُوۡنَ ۙ۝۲۳ اَنۡ لَّا يَدۡخُلَنَّهَا الۡيَوۡمَ عَلَيۡكُمۡ مِّسۡكِيۡنٌ ۙ۝۲۴ وَّ غَدَوۡا عَلٰى حَرۡدٍ قٰدِرِيۡنَ ۝۲۵

"سو وہ چل پڑے اور ایک دوسرے کو چپکے چپکے کہتے جاتے کہ (خبردار!) اس باغ میں ہرگز داخل نہ ہو آج تم پر کوئی مسکین اور تڑکے چلے (یہ سمجھتے ہوئے) کہ وہ اس ارادہ پر قادر ہیں"۔

فَانۡطَلَقُوۡا وَهُمۡ يَتَخَافَتُوۡنَ ۝ یعنی وہ رازداری سے باتیں کر رہے تھے اپنی کلام کو وہ پست رکھ رہے تھے اور رازداری سے کام لے رہے تھے تاکہ کسی کو ان کے بارے میں علم نہ ہو؛ یہ عطا اور قتادہ کا قول ہے۔ یہ خَفَتَ يَخۡفِتُ سے مشتق ہے جب وہ ساکن ہو جائے اور کسی بات کو ظاہر نہ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے آپ کو لوگوں سے چھپاتے ہیں تاکہ لوگ انہیں

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، اذا التقی المسلمان، جلد 2، صفحہ 389 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 68 3۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 67

دیکھ نہ لیں۔ ان کا باپ فقراء اور مساکین کو خبر دیتا تو وہ کاٹنے کے وقت حاضر ہو جاتے۔

وَّ غَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِیْنَ ۝ حرد کا معنی قصد ہے اور اپنے حساب سے وہ قادر تھے۔ وہ گمان کرتے تھے وہ اپنی مراد پر قدرت رکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے یہی معنی کیا ہے۔ حرد کا معنی قصد کرنا ہے۔ حَرَدَ، یَحْرِدُ، حَرْدًا قصد کیا۔ تو کہتا ہے: حَرَدْتُ حردت۔ تو نے قصد کیا۔ اس معنی میں راجز کا قول ہے:

أقبل سَیْلٌ جاء من عند الله یَحْرِدُ حَرْدَ الجنة المُغِلَّة (1)

سیلاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے آیا وہ گھنے پھلدار باغ کا قصد کر رہا تھا۔ نحاس نے یہ شعر پڑھا:

قد جاء سیل جاء من أمر الله یحرد حرد الجنة المغلة (2)

اللہ تعالیٰ کے حکم سے سیلاب آیا، وہ گھنے پھلدار باغ کا قصد کر رہا تھا۔

مبرد نے کہا: مغلہ سے مراد غلہ والا۔ دوسرے علماء نے کہا: مغلہ سے مراد وہ باغ ہے جس کی جڑوں میں پانی بہتا ہے؛ اسی سے تغللت بالغالیة ہے اسی سے تغلیت ہے، لام کو یاء سے بدل دیا گیا۔ جس نے تغلفت کہا: اس کے نزدیک اس کا معنی ہے میں نے اسے غلاف بنایا۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا: علی حرد کوشش کرتے ہوئے (3)۔ حضرت حسن بصری نے اس کا معنی کیا ہے: ضرورت اور فاقہ کی صورت میں۔ ابو عبیدہ اور قتیبی نے کہا: اس کا معنی روکنا ہے۔ یہ عربوں کے اس قول سے لیا گیا ہے: حَارَدَتِ الإبلُ حِرَادًا جب اس کا دودھ کم ہو گیا۔ حرود اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کا دودھ کم ہو۔ حارَدَتِ السَّنَةُ جس سال بارش اور فصل کم ہو۔ سدی اور سفیان نے کہا: حرد کا معنی غضب ہے۔ ابو نصیر احمد بن حاتم اصمعی کے صاحب نے کہا: اس میں تخفیف کی گئی ہے اور یہ شعر پڑھا:

إذا جیاد الخیلِ جائت تَرْدِی مملوءۃ من غَضَبٍ و حَرَدِ

عمدہ گھوڑے زمین پر پاؤں مارتے ہوئے آئے اس حال میں کہ وہ غصہ اور غضب سے بھرے ہوئے تھے۔

ابن سکیت نے کہا: بعض اوقات اسے حرکت دی جاتی ہے تو کہتا ہے: حَرِدَ، حَرْدًا فھو حارِدٌ و حَرْدَان اسی معنی میں کہا جاتا ہے: أسد حارِدٌ، و لیوث حوارد، غصیلے شیر۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: علی حرد، الگ تھلگ۔ یہ کہا جاتا ہے: حرد یحرد حردا وہ اپنی قوم سے الگ ہو گیا اور الگ تھلگ اترا اور ان سے میل جول نہ رکھا۔ ابو زید نے کہا: رجل حرید من قوم حرداء قد حرد یحرد حرودا جب وہ اپنی قوم کو ترک کر دے اور ان سے الگ تھلگ ہو جائے کوکب حرید جو دوسرے ستاروں سے الگ تھلگ ہو۔ اصمعی نے کہا: رجل حرید یگانہ اور الگ تھلگ۔ ہزیل کی لغت میں منحرد، منفرد کو کہتے ہیں۔

ابوذویب کا یہ شعر پڑھا:

کأنه کوکب فی الجَوِّ مُنْحَرِد گویا وہ فضا میں الگ تھلگ ستارہ ہے۔

ابو عمرو نے اسے جیم کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کی تفسیر منفرد سے کی ہے۔ کہا: وہ سہیل ستارہ ہے۔ ازہری نے کہا: حرد، ان کی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 68 2۔ تفسیر طبری، جز 29، صفحہ 42 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 68

بستی کا نام تھا۔ سدی نے کہا: یہ ان کے باغ کا نام تھا۔ اس میں دو لغتیں ہیں۔ حَرْدٌ و حَرَدٌ عام قرأت سکون کے ساتھ ہے۔ ابو العالیہ اور ابن سمیقع نے اسے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دو لغتیں ہیں قٰدِرِیْنَ کا معنی ہے انہوں نے اندازہ لگایا اور اس پر عمل کیا۔ یہ فراء کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: اپنے ہاں وہ اپنے باغ پر قادر تھے (1)۔ شعبی نے کہا: وہ مساکین پر قادر تھے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی پانا ہے یعنی انہوں نے روکا جبکہ وہ پانے والے تھے۔

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾

''پھر جب باغ کو دیکھا تو کہنے لگے (غالباً) ہم راستہ بھول گئے، نہیں نہیں ہماری تو قسمت پھوٹ گئی''۔

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾ جب انہوں نے اسے جلا ہوا دیکھا اس میں کوئی چیز بھی نہ تھی۔ وہ سیاہ رات کی طرح ہو گیا تھا۔ وہ اسے دیکھ رہے تھے گویا وہ راکھ ہو۔ انہوں نے اس کو عجیب و غریب جانا اور اس میں شک کیا۔ بعض نے بعض سے کہا: اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ہم اپنے باغ کا راستہ بھول گئے ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم صحیح راہ سے بھٹک گئے ہیں کیونکہ ہم نے مساکین کو محروم رکھنے کا ارادہ کیا تھا اسی وجہ سے ہمیں سزا دی گئی۔ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾ بلکہ ہم نے جو کچھ کیا ہے اس کی وجہ سے ہمیں اپنے باغ سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اسباط نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إیاکم والمعاصی إنّ العبد لَيُذْنِبُ الذَّنْبَ فیُحْرَمُ به رزقًا کان هُيِّئَ لَهُ (3) معاصی سے بچو، بے شک بندہ گناہ کرتا ہے تو اسے اس رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے جو اس کے لیے تیار ہوتا ہے۔ پھر ان آیات کی تلاوت کی فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ۔

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْ لَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَاۤ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾

''ان میں سے جو زیرک تھا بول اٹھا کہ کیا میں تمہیں کہتا نہ تھا کہ تم (اس کی) تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ کہنے لگے: پاک ہے ہمارا رب بے شک ہم ہی ظالم تھے۔ پھر ایک اور کی طرف منہ کر کے ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ کہنے لگے: تف ہے ہم پر ہم ہی سرکش تھے۔ امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس کا بدلہ دے گا جو بہتر ہو گا اس سے ہم (اب) اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے ہیں''۔

قَالَ اَوْسَطُهُمْ سب سے اچھے، سب سے عادل (4) اور سب سے دانشمند نے کہا: اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْ لَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ تم انشاء اللہ کیوں نہیں کہتے؟ ان کی استثناء تسبیح ہوا کرتی؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ یہ اس پر دال ہے کہ اوسط نے انہیں استثناء کا حکم دیا تھا۔ دوسرے بھائیوں نے اس کی اطاعت نہ کی۔ ابو صالح نے کہا: ان کی استثناء سبحان اللہ تھی (5)۔ اس نے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 69 — 2۔ ایضاً — 3۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 68
4۔ ایضاً — 5۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 433

ان سے کہا تھا تم سبحان اللہ کیوں نہیں کہتے اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو کچھ دیا ہے اس پر شکر کیوں نہیں بجالاتے؟ نحاس نے کہا: تسبیح کا اصل معنی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا ہے۔ مجاہد نے تسبیح کو انشاء اللہ کی جگہ رکھا ہے کیونکہ تنزیہ کا معنی یہ ہے کہ کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر واقع نہیں ہوتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم اپنے فعل سے استغفار کیوں نہیں کرتے اور اپنی نیت کی خیانت سے توبہ کیوں نہیں کرتے۔ ان میں سے درمیانے نے انہیں یہ بات اس وقت کہی جب انہوں نے پختہ ارادہ کیا تھا، اس نے انہیں مجرموں سے انتقام لیے جانے کا ذکر کیا تھا۔ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ انہوں نے معصیت کا اعتراف کیا اور اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کی کہ وہ اپنے کسی عمل میں ظالم ہو (1)۔ حضرت ابن عباس نے یہ تعبیر کی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم اپنے گناہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور بخشش کے طالب ہیں۔ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ ہم نے مساکین کو جو مال عطا نہیں کیا اس میں ہم اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں (2)۔ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ۝ یعنی ایک دوسرے کو قسم اٹھانے پر اور مساکین کو روکنے پر ملامت کرنے لگے۔ ایک کہتا: بلکہ تو نے ہمیں اس کا مشورہ دیا۔ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ۝ فقراء کے حق کو روک کر اور استثناء ترک کر کے ہم نے نافرمانی کی۔ ابن کیسان نے کہا: ہم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر سرکشی کی، ہم نے ان کا شکر یہ ادا نہ کیا جس طرح ہمارے آباء نے اس سے پہلے نعمتوں پر شکر ادا کیا تھا (3)۔

عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ انہوں نے معاہدہ کیا اور کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے بہتر عطا فرمایا تو ہم وہ کچھ کریں گے جس طرح ہمارے آباء نے کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی اور آہ وزاری کی تو اللہ تعالیٰ نے اسی رات اس باغ سے بہتر عطا فرمادیا اور جبرائیل امین کو حکم دیا کہ اس جلے ہوئے باغ کو اکھاڑے اور شام کے علاقہ میں زغر کے مقام پر لگا دے اور شام کے علاقہ سے ایک باغ لے اور اس جلے ہوئے باغ کی جگہ لگا دے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: قوم نے اخلاص کا مظاہرہ کیا (4)، اللہ تعالیٰ نے ان کی سچائی کو پہچان لیا اور بدلے میں ایک باغ عطا فرمادیا جسے حیوان کہتے۔ اس میں انگور تھے، خچر اس کے ایک گچھے کو اٹھاتا تھا۔ یمانی ابو خالد نے کہا: میں اس باغ میں داخل ہوا تو میں نے اس میں ہر گچھا ایسے دیکھا جس طرح ایک حبشی مرد کھڑا ہو۔ حضرت حسن بصری نے کہا: باغ والوں کا یہ قول اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ۝ میں نہیں جانتا کہ یہ ان کی جانب سے ایمان تھا یا مشرکین کا وہ قول تھا جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی تو وہ یہ قول کرتے (5)۔ ان کے ایمان دار ہونے میں توقف کیا جائے گا۔

قتادہ سے باغ والوں کے بارے میں پوچھا گیا: کیا وہ جنتی ہیں یا دوزخی؟ فرمایا: تو نے مجھے تھکا دیا ہے، اکثر لوگ یہ کہتے ہیں: انہوں نے توبہ کی اور اخلاص کا مظاہرہ کیا؛ قشیری نے اسے بیان کیا ہے عام قرات یبدلنا ہے اہل مدینہ اور ابو عمرو نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تبدیل سے مراد شی کو تبدیل کرنا یا اس کی حالت کو بدل دینا جبکہ شئی کی ذات اپنی جگہ پر قائم رہے اور ابدال سے مراد ہے کسی شی کو اٹھانا اور کسی دوسری چیز کو اس کی جگہ رکھنا۔ سورۂ نساء

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 433 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

4۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 434 5۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 434

میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۳

"(دیکھ لیا) ایسا ہوتا ہے عذاب، اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے، کاش! یہ لوگ اس حقیقت کو جانتے"۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ یعنی دنیا کا عذاب اور اموال کی ہلاکت؛ یہ ابن زید سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اہل مکہ کو نصیحت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی دعا کی وجہ سے خشک سالی میں مبتلا کیا تھا یعنی ہم ان کے ساتھ دنیا میں اسی قسم کا معاملہ کریں گے جو بھی ہماری حدود کو پامال کرے گا(1)۔ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۳ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ اہل مکہ کے لئے مثال ہے جب وہ بدر کی طرف نکلے اور انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ حضرت محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب کو قتل کریں گے اور مکہ کی طرف لوٹیں گے یہاں تک کہ بیت اللہ شریف کا طواف کریں گے، شراب پئیں گے اور لونڈیاں ان کے پاس نغمے گائیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان کو الگ کر دیا، انہیں گرفتار کرلیا گیا، انہیں قتل کر دیا گیا اور ان باغ والوں کی طرح انہیں شکست کھانا پڑی جب باغ والے فصل کاٹنے کے لئے نکلے تھے اور خائب و خاسر ہوئے۔ پھر یہ قول کیا گیا ہے: وہ حق جسے باغ والوں نے مساکین سے روکا تھا، اس بارے میں احتمال ہے کہ ان پر واجب ہو اور یہ احتمال ہے کہ وہ نفل ہو۔ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سورت مکی ہے تو آیت کو اہل مکہ پر جو قحط آیا یا غزوہ بدر میں جو انہیں قتل کیا گیا اس پر محمول کرنا ممکن نہیں۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۳۴ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝۳۵ مَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝۳۶ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ۝۳۷ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ۝۳۸ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ۝۳۹

"بے شک پرہیزگاروں کے لئے اپنے رب کے پاس نعمتوں بھری جنتیں ہیں۔ کیا ہم فرمانبرداروں کا حال مجرموں کا سا کریں گے۔ تمہیں کیا ہو گیا تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھتے ہو کہ تمہارے لئے اس میں ایسی چیزیں ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو؟ کیا تمہارے لئے قسمیں ہم پر (لازم) ہیں جو باقی رہنے والی ہیں قیامت تک کہ تمہیں وہی ملے گا جو تم حکم کرو گے؟"۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۳۴ اس بارے میں قول پہلے گزر چکا ہے یعنی متقین کے لئے آخرت میں ایسی جنتیں ہیں جن میں خالص نعمتیں ہیں، ان میں کسی ایسی چیز کی آمیزش نہ ہوگی جو ان نعمتوں کو بدمزہ کرے جس طرح وہ دنیا کی نعمتوں کو بدمزہ کرتی تھی۔ قریش کے سردار دنیا میں اپنا حصہ دیکھتے تھے اور مسلمانوں کا حصہ کم دیکھتے تھے جب وہ آخرت کی کوئی بات سنتے اور اللہ تعالیٰ نے مومنین سے جو وعدے کئے ان کو سنتے تو کہتے: اگر یہ بات درست ہوگی کہ ہمیں دوبارہ زندہ کیا

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 434

جائے گا جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی گمان کرتے ہیں تو ہمارا اور ان کا حال نہ ہوگا مگر اسی طرح جس طرح دنیا میں حال ہے ورنہ وہ ہم پر زائد نہ ہوں اور نہ انہیں ہم پر فضیلت ہوگی۔ آخری حد یہی ہوگی کہ وہ ہمارے برابر ہوں گے۔ فرمایا: اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝ مجرمین سے مراد کفار ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کہا: کفار مکہ نے کہا: آخرت میں ہمیں اس سے بہتر دیا جائے گا(1) جو تمہیں دیا جائے گا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝ پھر انہیں شرمندہ کیا اور فرمایا: مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کس طرح کا ٹیڑھا حکم لگاتے ہو۔ جزا کا معاملہ تمہارے سپرد ہے یہاں تک کہ تم اس میں فیصلہ کرتے ہو جو تم چاہتے ہو کہ تمہارے لئے اس میں بھلائی ہے جیسی مسلمانوں کے لئے ہے۔

اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ۝ کیا تمہارے لئے کتاب ہے جس میں تم مطیع کو عاصی کی طرح پاتے ہو اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ۝ تم پسند کرتے ہو اور تم اسے چاہتے ہو۔ اصل میں ان فتح کے ساتھ تھا لیکن خبر پر لام مفتوح آنے کی وجہ سے اسے کسرہ دیا، تو کہتا ہے: علمتُ أنك عاقل اور علمتُ أنك لعاقل۔ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ۝ میں عامل تَدْرُسُوْنَ ہے۔ لام ان کے ہمزہ کے فتح کے مانع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تَدْرُسُوْنَ پر کلام مکمل ہوگئی پھر نئی کلام شروع کی اور کہا: اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ۝ کتاب میں تمہارے لئے وہ ہو جو تم پسند کرتے ہو یعنی تمہارے لئے ایسا نہیں دونوں فِيْهِ میں ضمیر کتاب کی طرف لوٹ رہی ہے پھر توبیخ میں یہ اضافہ کیا اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ یعنی پختہ وعدے ہیں۔ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ ہم پر پختہ ہیں بالغہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی جانب سے موکد ہیں، یعنی تمہارے حق میں اللہ تعالیٰ پر پختہ وعدے ہیں جن کی وجہ سے تم نے یقین کر لیا ہے کہ وہ تمہیں جنت میں داخل کرے گا۔

اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ۝ خبر پر لام آنے کی وجہ سے اِنَّ کے ہمزہ کو کسرہ دیا۔ اس کلام کا تعلق ایمان کے ساتھ ہے محل نصب کا ہے لیکن لام کی وجہ سے کسرہ دیا گیا۔ تو کہتا ہے: حلفت أن لك كذا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ پر مکمل ہوگی، پھر فرمایا: اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ۝ یعنی معاملہ ایسا نہیں۔ ابن یزید نے اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ۝ اور اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ۝ دونوں میں استفہام کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت حسن بصری نے بالغۃ نصب کے ساتھ حال پڑھا ہے یا تو یہ لَكُمْ کی ضمیر سے حال ہے کیونکہ یہ ایمان کی خبر ہے کیونکہ اس میں ایک ضمیر ہے جو اس کے مناسب ہے یا یہ علینا کی ضمیر سے حال ہے اگر آپ علینا کو ایمان کی صفت بنائیں ایمان کی ذات کے متعلق نہ کریں، کیونکہ اس میں ایک ضمیر ہے جو اس کے مناسب ہے جس طرح جب یہ خبر بنے تو اس وقت اس میں ضمیر تھی۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ایمان سے حال ہو اگرچہ ایمان نکرہ ہے جس طرح انہوں نے حقا کو نصب دی جو متاع سے حال ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ (البقرۃ) عام قرات بالغۃ رفع کے ساتھ ہے یہ ایمان کی صفت ہے۔

سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ۝ۚ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 101

''ان سے پوچھیے: ان میں سے کون ان (بے سروپا) باتوں کا ضامن ہے؟ کیا ان کے پاس کوئی گواہ ہیں، اگر ہیں تو پھر پیش کریں اپنے گواہوں کو اگر وہ سچے ہیں''۔

سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ۝ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے پوچھئے جو میرے بارے میں خود ساختہ باتیں کرتے ہیں جس بات کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اس کا کوئی ضامن ہے کہ کفار کے لئے بھی وہ بھلائی ہے جو مسلمانوں کے لئے ہے۔ زعیم سے مراد کفیل اور ضامن ہے (1)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا قول ہے۔ ابن کیسان نے کہا: یہاں زعیم سے مراد حجت قائم کرنے والا اور دعویٰ کرنے والا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: زعیم سے مراد رسول ہے (2)۔ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ اصل کلام یہ ہے الهم شہ کاء یہاں میم زائد ہے، شہ کاء کا معنی شہداء ہے۔ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآىِٕهِمْ جوانہوں نے گمان کیا ہے اس پر گواہی دیں ایسے گواہ لے آ ؤ۔ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝ اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ان کے لئے ممکن ہوتو وہ اپنے شریک لے آئیں۔ یہ ایسا امر ہے جس کا معنی عجز کا اظہار ہے۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ۝

''جس روز پردہ اٹھایا جائے گا ایک ساق سے تو ان (نابکاروں) کو سجدہ کی دعوت دی جائے گی تو اس وقت وہ سجدہ نہ کر سکیں گے، ندامت سے جھکی ہوں گی ان کی آنکھیں ان پر ذلت چھارہی ہوگی حالانکہ انہیں (دنیا میں) بلایا جاتا تھا سجدہ کی طرف جبکہ وہ صحیح سلامت تھے''۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ یہ جائز ہے کہ يَوْمَ میں عامل فَلْيَاْتُوْا ہو۔ انہیں چاہیے کہ اپنے شریک بلالیں جس روز پنڈلی سے کپڑا اٹھایا جائے گا تاکہ شرکاء ان کے حق میں سفارش کریں۔ یہ بھی جائز ہے کہ ایک فعل مضمر کے ساتھ یوم کو نصب دی جائے تقدیر کلام یہ ہوگی أذکر یوم یکشف عن ساق اس صورت میں صٰدِقِيْنَ پر عطف ہوگا پہلی تقدیر کی صورت میں اس پر وقف نہیں ہوگا، اسے یوم نکشف بھی پڑھا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یوم تکشف عن ساق پڑھا ہے اس صورت میں فعل معروف ہوگا۔ تکشف الشدّة أو القيامة عن ساقها جس طرح عربوں کا قول ہے شَمَّرَتِ الحربُ عن ساقها جنگ نے پنڈلی سے پردہ ہٹالیا یعنی جنگ سخت ہوگئی۔

شاعر نے کہا:

فتى الحرب إن عضّت به الحربُ عضَّها و إن شمّرت عن ساقها الحَرْبُ شمّرا (3)

وہ جنگجو ہے اگر جنگ اسے کاٹے تو وہ اسے کاٹتا ہے اور اگر جنگ پنڈلی سے پردہ ہٹالے تو وہ بھی پنڈلی سے پردہ ہٹادیتا ہے۔

راجز نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 70 2۔ ایضاً

3۔ التذکرہ، اذا کان یوم القیامۃ تتبع کل امۃ، جلد 2، صفحہ 22

قد كشفت عن ساقها فشدُّوا و جَدّت الحربُ بكم فَجِدُّوا (1)

جنگ سخت ہوگئی پس تم بھی سخت ہو جاؤ جنگ نے تمہارے ساتھ سختی کی پس تم بھی سختی کرو۔

ایک اور شاعر نے کہا:

كشفت لهم عن ساقها و بدا من الشرّ الصُّراح (2)

اس نے ان کے لئے پنڈلی کو ظاہر کر دیا اور واضح شر ظاہر ہوگئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت حسن بصری اور ابو العالیہ نے یکشف مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہ قرات یکشف کے معنی کی طرف راجع ہے گویا فرمایا: یوم تکشف القیامۃ عن شدۃ اسے یوم تکشف بھی پڑھا گیا ہے اس وقت یہ اکشف سے مشتق ہوگا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ کشف میں داخل ہو۔ اسی سے یہ جملہ بولا جاتا ہے: اکشف الرجل فھو مکشف جب اس کا اوپر والا ہونٹ الٹ جائے۔ ابن مبارک نے ذکر کیا ہے کہ اسامہ بن زید نے عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یَوْمَ یُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ جس روز کرب اور شدت عیاں ہو جائے گی (3)۔ ابن جریج نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا ہے: شدت امر۔ مجاہد نے کہا: قیامت کے روز یہ سب سے مشکل ساعت ہو گی (4)۔ ابو عبیدہ نے کہا: جب جنگ اور امر شدید ہوگا (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: امر اپنی اصل سے ظاہر ہوگا۔ اس میں اصل یہ ہے جو آدمی کسی ایسے امر میں واقع ہو جس میں اسے محنت و کاوش کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اپنی پنڈلی سے کپڑا اٹھالیتا ہے۔ ساق اور کشف کا لفظ اس کے لئے بطور مجاز استعمال ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ساق الشیٔ سے مراد اس کی اصل ہے جس پر اس کا انحصار ہوتا ہے جس طرح ساق شجر اور ساق انسان۔ مراد ہوگا جس روز معاملہ کی حقیقت کو ظاہر کر دیا جائے گا تو امور کے حقائق اور ان کی اصل ظاہر ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جہنم کی اصلیت ظاہر کر دی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عرش کی اصلیت کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد موت کے وقت کا قریب آنا اور بدن کا کمزور ہونا یعنی مریض اپنی پنڈلی ننگی کرے گا تا کہ اپنا ضعف دیکھے، موذن اس کو نماز کی دعوت دے گا تو اس کے لئے کھڑا ہونا اور نکلنا ممکن نہ ہوگا۔ جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ "اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی سے پردہ ہٹائے گا" اللہ تعالیٰ اعضاء، ابعاض، پردہ ہٹانے اور پردہ ڈالنے سے برتر ہے اس صورت میں اس کا معنی ہوگا وہ عظیم امر کو ظاہر کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے نور سے پردہ ہٹائے گا۔ حضرت ابو موسیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ عَنْ سَاقٍ سے مراد ہے وہ عظیم نور سے پردہ ہٹائے گا تو لوگ اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے (6)۔ ابو لیث سمرقندی نے اپنی تفسیر میں روایت نقل کی ہے کہ خلیل بن احمد، ابن منیع سے وہ ہدبہ سے وہ حماد بن سلمہ سے وہ عدی بن زید سے وہ عمارہ قرشی سے وہ ابو بردہ سے وہ ابو موسیٰ سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا (7): "جب قیامت کا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 71 | 2۔ ایضاً | 3۔ المتذکرہ، اذا کان یوم القیامۃ تتبع کل امۃ ما کانت تعبد، جلد 2، صفحہ 22
4۔ ایضاً | 5۔ ایضاً | 6۔ ایضاً صفحہ 24 | 7۔ ایضاً

دن ہوگا تو یہ قوم کے لئے اس چیز کا مثالی جسم بنایا جائے گا جس کی وہ دنیا میں عبادت کرتے تھے ہر قوم اس کے پیچھے چلی جائے گی جس کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اہل توحید وہیں رہ جائیں گے ان سے کہا جائے گا: تم کس کا انتظار کر رہے ہو جبکہ لوگ جا چکے ہیں؟ وہ کہیں گے: ہمارا ایک رب تھا جس کی دنیا میں ہم عبادت کرتے تھے ہم نے اسے دیکھا نہیں تھا فرمایا: جب تم اسے دیکھو گے تو اسے پہچان لو گے؟ وہ عرض کریں گے: ہاں۔ انہیں کہا جائے گا: تم کیسے اسے پہچان لو گے جبکہ تم نے اسے دیکھا ہی نہیں؟ وہ عرض کریں گے: اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔ ان کے سامنے سے حجاب ہٹا دیا جائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے، تو اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ کچھ لوگ رہ جائیں گے ان کی پشتیں گائے کے سینگوں کی طرح ہونگی وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے وہ سجدہ کا ارادہ کریں گے تو اس کی طاقت نہ رکھیں گے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: **يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ** ﴿۴۲﴾ کا یہی معنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میرے بندو! اپنے سروں کو اٹھا لو میں نے تمہارے ہر آدمی کے بدلے یہود و نصاریٰ میں ایک آدمی جہنم کے لئے بنا دیا ہے''۔

ابو بردہ نے کہا: میں نے یہ حدیث حضرت عمر بن عبدالعزیز کو بیان فرمائی حضرت عمر نے فرمایا: اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! کیا تیرے باپ نے تجھے یہ حدیث بیان کی ہے؟ ابو بردہ نے تین دفعہ قسم اٹھائی۔ حضرت عمر نے فرمایا: میں نے اہل توحید کے بارے میں کوئی حدیث نہیں سنی جو مجھے اس حدیث سے زیادہ محبوب ہو۔

قیس بن سکن نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس یہ بیان کیا: جب قیامت کا دن ہوگا تو لوگ چالیس سال تک رب العالمین کے لئے کھڑے رہیں گے۔ ان کی آنکھیں کھلی ہوں گی جو آسمان کی طرف اٹھی ہوں گی، وہ ننگے پاؤں ہوں گے، ننگے بدن ہوں گے، پسینہ ان کے منہ تک پہنچ رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان سے نہ کلام کرے گا اور نہ نظر رحمت فرمائے گا پھر ایک منادی کرنے والا منادی کرے گا: اے لوگو! کیا تمہارے اس رب کی جانب سے یہ عدل نہیں ہو گا جس نے تمہیں پیدا کیا، تمہاری تصویر بنائی، تمہیں موت عطا کی، تمہیں زندہ کیا پھر تم نے کسی اور چیز کی عبادت کی کہ ہر قوم کو اسی طرف جانے دے جس طرف وہ خود پھرے ہیں؟ لوگ عرض کریں گے: ہاں۔ فرمایا: ہر قوم کے لئے اسے بلند کیا جائے گا جس کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پوجا کیا کرتے تھے وہ اس کی اتباع کریں گے یہاں تک کہ انہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ مسلمان اور منافق وہاں ہی کھڑے رہیں گے۔ انہیں کہا جائے گا: کیا تم نہیں جاؤ گے جبکہ لوگ تو جا چکے ہیں؟ وہ کہیں گے: یہاں تک کہ ہمارا رب آئے۔ انہیں کہا جائے گا: کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: اگر اس نے ہمیں پہچان کرائی تو ہم پہچان لیں گے۔ اس موقع پر ساق (عظیم نور) سے پردہ ہٹایا جائے گا تو جو بھی اخلاص کے ساتھ عبادت کیا کرتا تھا تو وہ سجدہ ریز ہو جائے گا منافق اسی طرح رہیں گے وہ اس کی طاقت نہ رکھیں گے گویا ان کی پشتوں میں ایسی سلاخیں ہیں جن پر گوشت بھونا جاتا ہے، انہیں جہنم کی طرف لے جایا جائے گا اور سجدہ کرنے والے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: **وَّ يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ** ﴿۴۲﴾ سے یہی مراد ہے۔

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ ان کی آنکھیں ذلیل اور جھکی ہوں گی۔ اسے حال ہونے کی وجہ سے نصب دی گئی ہے۔ **تَرْهَقُهُمْ**

ذِلَّةٌ ان پر ذلت چھائی ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مومنین اپنے سر اوپر اٹھائیں گے جبکہ ان کے چہرے برف سے بھی زیادہ سفید ہوں گے منافقوں اور کافروں کے چہرے سیاہ ہونگے یہاں تک کہ وہ تارکول سے زیادہ سیاہ ہوں گے (1)۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابو موسیٰ اور حضرت ابن مسعود کی احادیث کے معنی صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری کی حدیث اور دوسری احادیث سے ثابت ہیں۔ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ۝ انہیں دنیا میں سجدہ کی دعوت دی جاتی تھی جبکہ وہ صحت مند تھے۔ ابراہیم تیمی نے کہا: اذان اور اقامت کے ساتھ انہیں دعوت دی جاتی تھی تو وہ اس کا انکار کر دیتے تھے۔ سعید بن جبیر نے کہا: حی علی الفلاح کی ندا سنتے تھے تو وہ اس کا جواب نہ دیتے تھے (2)۔ کعب الاحبار نے کہا: اللہ کی قسم! یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو جماعت سے پیچھے رہ جاتے ہیں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے شرع میں جس امر کا انہیں مکلف بنایا گیا ہے اس سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ معنی قریب قریب ہے۔ سورۂ بقرۃ میں نماز با جماعت کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ ربیع بن خیثمہ کو فالج کی تکلیف ہوئی تو دو آدمیوں کے سہارے انہیں مسجد کی طرف لے جایا جاتا تھا کہا گیا: اے ابا یزید! کاش آپ گھر میں ہی نماز پڑھ لیتے آپ کے لئے رخصت تھی۔ فرمایا: جس نے حی علی الفلاح کی آواز سنی تو اس پر لازم ہے کہ وہ لبیک کہے اگرچہ گھٹنوں کے بل چل کر جانا پڑے۔ حضرت سعید بن مسیب سے کہا گیا: طارق تجھے قتل کرنا چاہتا ہے اس لئے چھپ جا فرمایا: کیا ایسی جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ مجھ پر قدرت نہیں رکھے گا؟ ان سے کہا گیا: اپنے گھر میں بیٹھ رہو۔ فرمایا: میں حی علی الفلاح کی آواز سنوں اور اس پر لبیک نہ کہوں؟

فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَ اُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝

"پس اے حبیب! آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور اسے جو اس کتاب کو جھٹلاتا ہے، ہم انہیں بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہو اور میں نے (سردست) انہیں مہلت دے رکھی ہے، میری خفیہ تدبیر بڑی پختہ ہے"۔

فَذَرْنِيْ مجھے چھوڑ دیجئے وَمَنْ يُّكَذِّبُ من مفعول معہ ہے یا ضمیر متکلم پر معطوف ہے بِهٰذَا الْحَدِيْثِ مراد قرآن حکیم ہے؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد یوم قیامت ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود ہے یعنی میں انہیں اجازت دیتا ہوں اور ان سے انتقام لیتا ہوں۔ پھر فرمایا: سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اس کا معنی ہے ہم اس کی غفلت میں اسے پکڑلیں گے جبکہ وہ پہچانتے تک نہ ہوں گے پس انہیں بدر کے دن عذاب میں مبتلا کیا گیا (4)۔ حضرت سفیان ثوری نے کہا: ہم ان پر نعمتیں بہائیں گے اور شکر کرنا انہیں بھلا دیں گے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: کتنے ہی لوگ ہیں جن پر احسان کرنے کے ساتھ ان کے ساتھ استدراج کیا جاتا ہے (5)؟ کتنے ہی لوگ ہیں جن کی تعریف کر کے انہیں آزمائش میں

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 438 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 72 5۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 188

ڈالا جاتا ہے؟ کتنے ہی افراد ہیں جن کے عیبوں پر پردہ ڈالا جاتا ہے تو وہ دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں؟ ابوروق نے کہا: جب بھی وہ غلطی کرتے ہیں ہم ان پر ایک نئی نعمت کرتے ہیں اور استغفار ان سے بھلا دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم ان کے ساتھ مکر کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم ان کو تھوڑا پکڑ کریں گے اور اچانک ان کو اپنی گرفت میں نہیں لیں گے۔ ایک حدیث میں ہے ''بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے عرض کی: اے میرے رب! میں نے تیری کتنی ہی نافرمانیاں کیں تو نے مجھے سزا نہ دی؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے زمانہ کے نبی کی طرف وحی کی اس آدمی سے کہو: میری کتنی ہی تیرے لئے سزائیں ہیں جن کا تو شعور تک نہیں رکھتا، بے شک تیری آنکھوں کا (خوف الٰہی میں رونے سے) خشک ہو جانا اور تیرے دل کی سختی میری جانب سے استدراج ہے اور سزا ہے اگر تو سمجھے''۔ استدراج کا معنی جلدی کو ترک کرنا ہے، اس کا اصل معنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ہے جس طرح تدرج ہوتا ہے اسی سے درجۃ ہے یہ ایک منزل کے بعد دوسری منزل ہے۔ استدرج فلان فلانا فلاں نے فلاں سے چیز آہستہ آہستہ نکالی۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: درجہ إلی کذا، إستدرجہ دونوں کا معنی ایک ہے۔ اس نے تدریجا اسے اپنے قریب کیا تو وہ قریب ہو گیا۔

وَ اُمْلِیْ لَهُمْ میں انہیں مہلت دوں گا اور مدت کو ان کے لئے لمبا کر دوں گا۔ ملاوۃ زمانے کی ایک مدت کو کہتے ہیں۔ أملی اللہ لہ اس کو لمبا کر دیا۔ فلوان سے مراد رات اور دن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: و املی لھم میں جلدی انہیں موت نہیں دوں گا۔ معنی ایک ہی ہے۔ سورۃ الاعراف میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۴۵﴾ میرا عذاب قوی اور شدید ہے کوئی مجھ پر غالب نہیں آ سکتا۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾

''آیا آپ ان سے کچھ اجرت مانگتے ہیں پس وہ اس تاوان (کے بوجھ) سے دبے جاتے ہیں''۔

کلام اسی طرف راجع ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ کیا تم ان سے ثواب کے طالب ہو اس بات پر جو آپ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہو۔ وہ اس چٹی میں پڑے ہوئے ہیں وہ اس بوجھ کے نیچے دبے چلے جا رہے ہیں جو انہیں مال خرچ کرنا پڑتا ہے یعنی ان پر کوئی مشقت نہیں بلکہ وہ آپ کی متابعت کے ذریعے زمین کے خزانوں کے مالک بن جائیں گے اور جنات نعیم تک پہنچ جائیں گے۔

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾

''کیا ان کے پاس غیب کی خبر آتی ہے اور وہ اس کو لکھ لیتے ہیں''۔

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ جو چیز ان سے غائب ہے اس کا علم ان کے پاس ہے فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو وہ کہتے ہیں کیا اس کے باعث ان پر وحی نازل کی جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہاں غیب سے مراد لوح محفوظ ہے کیا وہ لوح محفوظ سے لکھتے ہیں جس کے بارے وہ آپ سے مخاصمت کرتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ وہ آپ سے افضل ہیں اور انہیں سزا نہ دی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یَكْتُبُوْنَ کا معنی ہے وہ اپنے بارے میں وہ فیصلہ کرتے ہیں جس کا وہ

ارادہ کرتے ہیں۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ ۘ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ۞

''پس انتظار فرمائیے اپنے رب کے حکم کا اور نہ ہو جائیے مچھلی والے کی مانند جب اس نے پکارا اور وہ غم واندوہ سے بھرا ہوا تھا''۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ اپنے رب کے فیصلہ پر صبر کیجئے (1)۔ یہاں حکم، قضا کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رسالت کی تبلیغ کا حکم دیا ہے اس پر صبر کیجئے۔ ابن بحر نے کہا: اپنے رب کی نصرت (میں تاخیر) پر صبر کیجئے۔ قتادہ نے کہا: جلدی نہ کیجئے اور ناراض نہ ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد ضرور کی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت، آیت سیف سے منسوخ ہے۔

وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں یعنی غضب، اندرونی پریشانی اور جلد بازی میں حضرت یونس علیہ السلام کی طرح نہ ہو جائیے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین کرتا ہے اور صبر کا حکم دیتا ہے جس طرح صاحب حوت نے جلدی کی اللہ کا رسول جلدی نہیں کرتا (2)۔ اس کی وضاحت سورۂ یونس، سورۂ انبیاء اور سورۂ صافات میں گزر چکی ہے۔ ذی اور صاحب کی اضافت کے بارے میں گفتگو سورۂ یونس میں گزر چکی ہے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

إِذْ نَادَىٰ جب حضرت یونس نے مچھلی کے پیٹ میں دعا کی لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۞ (3)۔

وَهُوَ مَكْظُومٌ ۞ وہ غم سے بھرے ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کرب سے بھرے ہوئے تھے۔ پہلا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرا مجاہد کا ہے۔ دوسرا قول عطا اور ابو مالک کا ہے۔ ماوردی نے کہا: دونوں میں فرق یہ ہے کہ غم دل میں ہوتا ہے اور کرب انفاس میں ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مکظوم کا معنی محبوس ہے۔ کظم کا معنی حبس ہے یعنی روکنا۔ اسی معنی میں یہ قول ہے: فلانٌ كَظَمَ غيظه فلان نے اپنا غصہ روک لیا؛ یہ ابن بحر کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کظمہ سے ماخوذ ہے اس سے مراد نفس کی نالی ہے؛ یہ مبرد کا قول ہے۔ یہ اور دوسری چیزیں سورۂ یوسف میں گزر چکی ہیں۔

لَّوْلَا أَن تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّن رَّبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ۞ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۞

''اگر اس کی چارہ سازی نہ کرتا اس کے رب کا لطف تو ڈال دیا جاتا اسے چٹیل میدان میں دراں حالیکہ اس کی مذمت کی جاتی۔ پھر چن لیا اس کو اس کے رب نے اور بنا دیا اس کو اپنے نیک بندوں سے''۔

لَّوْلَا أَن تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّن رَّبِّهِ عام قرات تَدَارَكَهُ ہے۔ ابن ہرمز اور حضرت حسن بصری نے تدارکہ پڑھا ہے۔ یہ مضارع کا صیغہ ہے اس کی تاء کو دال میں ادغام کیا گیا ہے یہ حال کی حکایت کی تقدیر پر ہے۔ گویا فرمایا: لولا ان کان یقال

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 73 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

فیہ تتدار کہ نعمۃ۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے تدار کتہ پڑھا ہے یہ متن کی کتابت کے خلاف ہے تدار کہ فعل ماضی ہے مذکر ہے نعمۃ کے معنی پر محمول ہے کیونکہ نعمۃ کی تانیث غیر حقیقی ہے تدار کہ نعمۃ کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے پڑھا ہے۔ نعمۃ کے معنی میں یہاں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی نبوت ہے، یہ ضحاک کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ عبارت ہے جو پہلے گزر چکی؛ یہ ابن جبیر کا قول ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد آپ کی یہ دعا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ یہ ابن زید کا قول ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نعمت سے مراد مچھلی کے پیٹ سے باہر نکالنا ہے؛ یہ ابن بحر کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد رب کی رحمت ہے، اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور ان پر نظر شفقت فرمائی۔

لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ۝ تو انہیں پھینکا جاتا جبکہ وہ مذموم ہوتے لیکن انہیں پھینکا گیا جبکہ وہ بیمار تھے اور مذموم نہیں تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول میں مذموم کا معنی ملیم (ملامت کیا گیا) ہے۔ بکر بن عبداللہ نے کہا: اس کا معنی گناہگار ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مذموم کا معنی ہر بھلائی سے دور کیے گئے۔ العراء سے مراد ایسی وسیع زمین ہے جس میں پہاڑ اور درخت نہ ہوں جو اس زمین کو ڈھانپ سکیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو قیامت تک وہ مچھلی کے پیٹ میں ہوتے پھر انہیں قیامت کے میدان میں مذموم پھینک دیا جاتا اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ (الصافات)۔

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ اسے پسند کیا اور اسے اختیار کیا۔ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ نے ان کی طرف وحی لوٹا دی آپ کی ذات اور ان کی قوم کے بارے میں آپ کی سفارش کو قبول فرمایا اور ان کی توبہ کو قبول کیا فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ سے مراد ہے آپ کو ایک لوگوں سے زائد افراد کی طرف نبی بنا کر مبعوث کیا۔

وَ اِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝

''اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ کفار پھسلا دیں گے آپ کو اپنی (بد) نظروں سے جب وہ سنتے ہیں قرآن اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تو مجنون ہے''۔

وَ اِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، ان یہ مثقلہ سے مخففہ ہے لَيُزْلِقُوْنَكَ یعنی وہ آپ کو نظر لگائیں۔ بِاَبْصَارِهِمْ اس امر کی خبر دی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید عداوت رکھتے ہیں۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ آپ کو نظر لگائیں (4) تو قریش میں سے چند لوگوں نے آپ کو دیکھا اور انہوں نے کہا: ہم نے آپ کی مثل نہیں دیکھا اور ان کے جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بنی اسد میں نظر لگانے کا عام رواج تھا یہاں تک کہ موٹی گائے یا موٹی اونٹنی ان میں سے کسی کے پاس سے گزرتی تو وہ اس کو نظر لگاتے پھر وہ کہتے: اے لونڈی! ٹوکرا اور درہم لو اور اس اونٹنی کا گوشت لے آؤ۔ وہ اسی حال میں ہوتی کہ موت کے لئے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 73 | 2۔ ایضاً | 3۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 74 | 4۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 438

گر پڑتی تو اسے نحر کر دیا جاتا۔ کلبی نے کہا: عربوں میں سے ایک آدمی تھا جو دو یا تین دن کھانا نہ کھاتا پھر خیمہ کا پردہ اٹھاتا اس کے پاس اونٹ یا بکری گزرتی تو وہ کہتا: میں نے اس سے بہتر اونٹ اور بکری نہیں دیکھی (1)۔ تھوڑی دور ہی وہ چیز جاتی یہاں تک کہ وہ چیز گر جاتی۔ کفار نے اس آدمی سے سوال کیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر لگائیں اس نے ان کی بات مان لی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گزرے تو اس نے یہ شعر پڑھا:

قد كان قومك يحسبونك سيدًا و إخال أنك سيدٌ معْيُونُ

تیری قوم تجھے سردار گمان کرتی ہے جبکہ میرا خیال ہے کہ تو ایسا سردار ہے جس کو نظر لگی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس سے محفوظ رکھا، تو یہ آیت نازل ہوئی وَ اِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ؛ اسی کی مثل ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ عربوں میں یہ معمول تھا جب ان میں سے کوئی نظر لگانا چاہتا وہ اس کی ذات میں ہو یا مال میں وہ تین دن تک بھوکا رہتا (2) پھر وہ اس کے مال اور نفس کا سامنا کرتا تو وہ کہتا: اللہ کی قسم! میں نے اس سے زیادہ قوی، اس سے زیادہ بہادر، اس سے زیادہ مالدار اور اس سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا تو اسے نظر لگ جاتی تو وہ اس کا مال ہلاک ہو جاتا اللہ تعالیٰ نے اسی آیت کو نازل فرمایا۔ قشیری نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ نظر اس وقت لگتی ہے جب کسی چیز کو اچھا خیال کیا جائے اور اس پر تعجب کا اظہار کیا جائے ناپسندیدگی اور بغض کی وجہ سے نظر نہیں لگتی؛ اسی وجہ سے فرمایا: یَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۞ یعنی وہ آپ کی نسبت جنون کی طرف کرتے ہیں۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب آپ قرآن پڑھ رہے ہوتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: مفسرین اور لغت کے علماء کے اقوال اس پر دلالت کرتے ہیں جو ہم نے ذکر کیا ہے نظر سے ان کی مراد سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا تھا۔ کسی شی کو ناپسند کرنا اس امر کے مانع نہیں کہ دشمنی کی وجہ سے کسی کو نظر لگائی جائے یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، اعمش، ابو سلام اور مجاہد نے لیزهقونك پڑھا ہے (3) یعنی تاکہ وہ آپ کو ہلاک کریں۔ یہ قرات تفسیر کے طریقہ پر ہے یہ زهقت نفسه أزهقها سے مشتق ہے اہل مدینہ نے لیزلقونك کو یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اسے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہم معنی ہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: زَلَقَه، یَزْلِقُه، أَزْلَقَه یُزْلِقُه إِزْلَاقًا جب اسے ایک طرف کر دیا اور اسے دور کر دیا۔ زلق رأسه یزلقه زلقا۔ جب اس کا حلق کیا، اسی طرح ازلقه اور زلقه تزلیقا ہے رجل زلق و زُمَلِق جس کی مثل هُدَبِه ہے اس کی جمع زمالق اور زُمَّلِق ہے اس سے مراد وہ مرد ہے جس کو جماع سے قبل انزال ہو جائے۔ اسے جوہری اور دوسرے علماء نے حکایت کیا ہے۔ کلمہ کا معنی ہوگا ایک طرف کرنا اور زائل کرنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ چیز نہیں ہوگی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاک کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی صورت میں واقع ہوگی۔

ہروی نے کہا: ارادہ کیا کہ وہ اپنی نظروں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر لگائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مقام سے زائل کر دیں جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑا کیا ہے وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنی

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 439
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 255
3۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 56

نظروں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاک کر دیں (1) یہ جملہ بولا جاتا ہے: زلق السهم و زهق جب تیر آر پار ہو جائے؛ یہ مجاہد کا قول ہے: وہ اپنی نظر کی شدت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاک کر دیں (2)۔ کلبی نے کہا: وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھاڑ دیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے نیز سدی اور سعید بن جبیر نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھیر دیں۔ عوفی نے کہا: وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیر ماریں۔ مورج نے کہا: وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھسلا دیں۔ نضر بن شمیل اور اخفش نے کہا: وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتنہ میں ڈال دیں۔

عبدالعزیز بن یحییٰ نے کہا: وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترچھی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مس کریں۔ امام جعفر صادق نے کہا: تاکہ وہ آپ کو کھا جائیں۔ حضرت حسن بصری اور ابن کیسان نے کہا: تاکہ وہ آپ کو قتل کر دیں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کہا جاتا ہے: صرعنی بطرفه، قتلنی بعینه اس نے مجھے اپنی نظر سے پچھاڑ دیا اور اس نے مجھے اپنی نظر سے قتل کر دیا۔

شاعر نے کہا:

يتقارضون إذا التقَوْا في مجلس　　نَظَرًا يُزِل مواطئ الأقدام(3)

جب وہ کسی مجلس میں ملتے ہیں وہ گھور کر ایسی نظر سے دیکھتے ہیں جو قدموں کو اپنی جگہ سے ہلا کر رکھ دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ تیری طرف عداوت سے دیکھتے ہیں یہاں تک کہ قریب ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرا دیں۔ یہ سب اسی طرف راجع ہے جو ہم نے ذکر کیا۔ جامع معنی یہ ہے وہ تجھے نظر لگاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

حالانکہ وہ نہیں مگر سارے جہانوں کے لیے وجہ عز و شرف یعنی قرآن نہیں ہے مگر جہانوں کے لیے نصیحت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں مگر جہانوں کے لیے نصیحت جس سے وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی شرف ہے یعنی قرآن شرف ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ** (الزخرف: 44) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جہانوں کے لیے نصیحت ہیں (4)۔ جہان کے لوگ آپ کی اتباع کر کے اور آپ پر ایمان لا کر شرف والے ہو گئے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 439
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 74
3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 354
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 74

سورۃ الحاقہ

ایاتہا ۵۲ ۱۹ سورۃ الحاقۃ مکیۃ ۷۸ رکوعاتہا ۲

تمام کے قول میں یہ سورت مکی ہے، اس کی اکاون آیات ہیں۔

ابوزاہریہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے سورۂ حاقہ کی گیارہ آیات کی تلاوت کی اسے دجال کے فتنہ سے پناہ دے دی گئی جس نے اس سورت کو پڑھا قیامت کے روز سر کے اوپر سے قدموں تک اس کے لیے نور ہوگا''۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلۡحَآقَّةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الۡحَآقَّةُ ۚ﴿۲﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡحَآقَّةُ ﴿۳﴾

''وہ ہو کر رہنے والی، کیا ہے وہ ہو کر رہنے والی اور اے مخاطب! تم کیا سمجھو وہ ہو کر رہنے والی کیا ہے''۔

اَلۡحَآقَّةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الۡحَآقَّةُ ﴿۲﴾ مراد قیامت ہے۔ اسے یہ نام اس لیے دیا کیونکہ اس میں امور کو واقع کیا جائے گا؛ یہ طبری کا قول ہے گویا اسے لیل نائم کے باب سے بنایا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے حاقہ نام اس لیے دیا کیونکہ یہ بغیر کسی شک و شبہ کے واقع ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ اس نے بعض اقوام کے لیے جنت کو ثابت کیا اور کچھ اقوام کے لیے جہنم کو ثابت کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اس میں ہر انسان اپنے عمل کی جزا کا حقدار ہو جائے گا۔ ازہری نے کہا: حاققته فحققته أحقه میں نے اس پر غلبہ پانے کی کوشش کی تو میں اس پر غالب آ گیا۔ قیامت غالب آنے والی ہے کیونکہ یہ ہر اس فرد پر غالب آنے والی ہے جو باطل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دین میں جھگڑا کرتا ہے۔ صحاح میں ہے: حاقہ اس سے جھگڑا کیا اور ان میں سے ہر ایک نے حق کا دعویٰ کیا جب اس پر غالب آ گیا تو کہا گیا۔ حقه وہ آدمی جو حقیر چیزوں کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے: انه لنزق الحقاق اور یہ کہا جاتا ہے: ما له فيه حقّ و حقاقٌ اس کا اس میں نہ کوئی حق ہے اور نہ ہی کوئی جھگڑا ہے۔ تحاق کا معنی باہم جھگڑا کرنا ہے۔ احتقاق کا معنی جھگڑنا ہے۔ حاقه، حقه اور حق تینوں لغتیں ایک معنی میں ہیں۔ کسائی اور مورج نے کہا: حاقہ سے مراد یوم حق ہے (1)۔ عرب کہتے ہیں: لَمَّا عَرَفَ الحَقَّة منّي هرب جب اس نے میرا حق پہچانا تو بھاگ گیا۔ پہلے الحاقہ کو مبتدا ہونے کی حیثیت سے رفع دیا اور خبر دوسرا الحاقه اور اس کی خبر ہے وہ مَا الۡحَآقَّةُ ہے کیونکہ اس کا معنی ما هي ہے لفظ استفہام کا ہے اس کا معنی تعظیم اور تفخیم شان ہے جس طرح تو کہتا ہے: زيد ما زيد یہاں بھی مقصود عظمت شان کا اظہار ہے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 441

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝ یہ بھی جملہ استفہامیہ ہے یعنی کس چیز نے تجھے بتایا کہ وہ دن کیا چیز ہے؟ نبی کریم ﷺ قیامت کے بارے میں آگاہ تھے مگر صفت کے اعتبار سے، اس کی تفخیم شان کے لیے کہا گیا۔ وما ادراك ما هی گویا جب آپ ﷺ نے اس کا معائنہ کیا تو تو اس کو جانتا ہی نہیں۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ قرآن حکیم میں جہاں بھی وَمَآ اَدْرٰىكَ ہے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے آگاہ کر دیا اور علم عطا فرما دیا اور جہاں بھی وما یدریك ہے اس کے بارے میں علم عطا نہیں فرمایا(1)۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: ہر وہ چیز جس کے بارے میں فرمایا: وَمَآ اَدْرٰىكَ اس کے بارے میں خبر دی اور ہر وہ چیز جس کے بارے میں فرمایا: وما یدریك اس کے بارے میں خبر نہیں دی گئی۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝

''جھٹلایا ثمود اور عاد نے ٹکرا کر پاش پاش کرنے والی کو''۔

جنہوں نے قیامت کو جھٹلایا اس کا ذکر فرمایا۔ قارعہ سے مراد قیامت ہے(2)۔ اسے یہ نام اس لیے دیا کیونکہ یہ لوگوں کو اپنی ہولناکیوں سے کھٹکھٹاتی ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اصابتهم قوارع الدهر انہیں حادثات زمانہ پہنچے۔ نعوذ بالله من قوارع فلان ولواذعه وقوارص لسانه ہم فلاں کی طرف سے دی جانے والی مصیبتوں، آفتوں اور بدکلامیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ قوارص یہ قارصہ کی جمع ہے جس کا معنی تکلیف دہ کلم ہے۔ قوارع القرآن، اس سے مراد وہ آیات ہیں جو انسان، جنوں یا انسانوں سے خوفزدہ ہو کر پڑھتا ہے جس طرح آیت الکرسی، گویا یہ شیطان کو کھٹکھٹاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے قارعہ یہ قرعہ سے ماخوذ ہے(3) یعنی وہ بعض لوگوں کو بلند اور بعض کو پست کر دیتی ہے؛ یہ مبرد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قارعہ سے مراد ایسا عذاب ہے جو دنیا میں ان پر نازل ہوا۔ ان کا نبی انہیں اس بارے میں خبردار کرتا تھا تو وہ اس نبی کی تکذیب کرتے تھے۔ قوم ثمود جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی(4)، ان کی بستیاں شام اور حجاز کے درمیان حجر کے مقام پر تھیں۔ محمد بن اسحاق نے کہا: یہ وادی قری ہے۔ یہ عرب تھے، جہاں تک عاد کا تعلق ہے وہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی۔ ان کی بستیاں احقاف کے علاقہ میں تھیں۔ احقاف سے مراد عمان سے لے کر حضر موت تک کا ریتلا علاقہ ہے اور پورا یمن مراد ہے۔ یہ عربی تھے، بڑے مضبوط جسم والے تھے؛ محمد بن اسحاق نے اس کا ذکر کیا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝

''پس ثمود تو انہیں ہلاک کر دیا گیا، سخت چنگھاڑ سے''۔

اس میں اضمار ہے، تقدیر کلام یہ ہے بالفعلة الطاغية۔ قتادہ نے کہا: تقدیر کلام یہ ہے بالصيحة الطاغية جو حد سے تجاوز کرنے والی تھی یعنی ہولناکی میں چیخوں کی حد سے تجاوز کرنے والی تھی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ۝ (القمر) طغیان سے مراد حد سے تجاوز کرنا ہے؛ اسی سے یہ ہے اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ (الحاقہ: 11) یعنی اس نے حد سے تجاوز کیا۔ کلبی نے کہا: الطاغية سے مراد الصاعقه ہے(5)۔ مجاہد نے کہا: گناہوں

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 76 2۔ زاد المسیر، جلد 5، صفحہ 106 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 76 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً

کے بدلے میں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سرکشی کے باعث۔ یہ مصدر ہے جس طرح کاذبہ، عاقبہ اور عافیہ مصدر ہے یعنی انہیں طغیان اور کفر کے باعث ہلاک کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: طاغیۃ سے مراد اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا ہے (1)؛ یہ ابن زید کا قول ہے یعنی انہیں ہلاک کیا گیا اس کے باعث جوان کے طاغیہ نے کہا کہ اونٹنی کی کونچیں کاٹیں۔ وہ ایک تھا۔ ان سب کو ہلاک کیا گیا کیونکہ وہ اس کے فعل پر راضی تھے اور انہوں نے اس کے ساتھ تعاون کیا۔ اسے طاغیہ کا نام دیا جس طرح کہا جاتا ہے: فلان راویۃ الشعر فلاں شعر روایت کرنے والا ہے اس طرح داھیۃ، علامہ اور نسابہ ہے۔

وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِیَةٍ ۙ﴿۶﴾ سَخَّرَهَا عَلَیْهِمْ سَبْعَ لَیَالٍ وَّ ثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِیْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَةٍ ۚ﴿۷﴾

"رہے عاد تو انہیں برباد کر دیا گیا آندھی سے جو سخت سرد بے حد تند تھی، اللہ نے مسلط کر دیا اسے ان پر (مسلسل) سات رات اور آٹھ دن تک جو جڑوں سے اکھیڑنے والی تھی تو تو دیکھتا قوم عاد کو ان دنوں کہ وہ گرے پڑے ہیں گویا وہ مڈھ ہیں کھوکھلی کھجور کے"۔

وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ، صرصر یعنی ٹھنڈی جو اپنی ٹھنڈک کے ساتھ جلا دیتی ہے جس طرح آگ جلاتی ہے؛ یہ صِرّ سے ماخوذ ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد سخت آواز ہے۔ مجاہد نے کہا: سخت زہریلی۔ عَاتِیَةٍ ﴿۶﴾ وہ اپنے خازنوں پر سرکش ہوگئی اور اس نے ان کی اطاعت نہ کی اور اس ہوا کے تیز چلنے کی وجہ سے اس پر قابو نہ رکھ سکے۔ وہ ہوا اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے غضب ناک ہوئی۔

عَاتِیَةٍ ﴿۶﴾ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قوم عاد پر سرکش ہوگئی اور ان پر غالب آگئی۔ سفیان ثوری نے موسیٰ بن مسیب سے وہ شہر بن حوشب وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں (2) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ ہوا کا جھونکا نہیں بھیجتا مگر ایک پیمانہ سے اور پانی کا قطرہ نہیں بھیجتا مگر اندازہ سے مگر قوم عاد اور قوم نوح کے دن کیونکہ پانی حضرت نوح علیہ السلام کے دن خازنوں پر سرکش ہوگیا خازنوں کو اس پر گرفت کی کوئی صورت نہ رہی" پھر اس آیت کی تلاوت کی اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِی الْجَارِیَةِ ﴿۱۱﴾ (الحاقہ) اور ہوا جب قوم عاد کا دن آیا تو وہ اپنے خازنوں پر سرکش ہوگئی تو ان خازنوں کو ہوا پر کوئی غلبہ نہ رہا" پھر اس آیت بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِیَةٍ کی تلاوت کی سَخَّرَهَا عَلَیْهِمْ اللہ تعالیٰ نے اسے بھیجا اور اسے ان پر مسلط کیا (3)۔ تسخیر کا معنی ہے کسی شی سے قدرت کے ساتھ کام لینا۔

سَبْعَ لَیَالٍ وَّ ثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ ۙ حُسُوْمًا پے در پے ان میں کوئی انقطاع نہیں؛ یہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے۔ فراء نے کہا: حسوم سے مراد پے در پے کسی عمل کو کرنا ہے (4)۔ یہ حسم الداء سے مشتق ہے جب مریض کو کا دیہ سے پے در پے داغا جائے۔ عبدالعزیز بن زرارہ نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 76
2۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 61
3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 441
4۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 63

ففرق　بینهم　زمان　تتابع فيه أعوامٌ حسومٌ (☆)

مبرد نے کہا: یہ تیرے قول حسمت الشیئ سے ماخوذ ہے جب تو اسے کاٹے اور دوسرے حصے سے جدا کرے۔ اور ایک قول یہ ہے: حسم سے مراد استئصال ہے اور تلوار کو حسام کہا جاتا ہے کیونکہ یہ دشمن کو دشمنی کی شدت کی وجہ سے وہاں سے کاٹ دیتی ہے جہاں سے دشمن چاہے۔ شاعر نے کہا:

حُسَامٌ إذا قمتُ مُعْتَضِدًا به　كَفَى الْعَوْدَ منه البَدْءَ ليس بِمِعْضَدِ

وہ ایسی تلوار ہے جو میں اسے بغل میں لے کر کھڑا ہوتا ہوں تو اس کا پہلا وار دوسرے کو کافی ہو جاتا ہے یہ درانتی نہیں۔

اس کا معنی ہے ہوا نے انہیں کاٹ کر رکھ دیا اور انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ یہ جڑ سے اکھاڑ دینے والے عذاب کے ساتھ قطع کرنے والی ہے۔ ابن زید نے کہا: ہوا نے انہیں ہلاک کر دیا ان میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑا (1)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: ہوا راتوں اور دنوں میں پے در پے آئی یہاں تک کہ انہیں ہر طرف سے گھیر لیا (2) کیونکہ پہلے دن یہ ہوا سورج کے طلوع ہونے کے وقت شروع ہوئی اور آخری دن سورج کے غروب ہونے کے وقت ختم ہوئی۔ لیث نے کہا: حسوم سے مراد نحوست ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: یہ نحوست کی راتیں ہیں، یعنی بھلائی کو ان کے اہل سے ختم کرنے والیاں ہیں؛ صحاح میں یہ قول کیا ہے۔ عکرمہ اور ربیع بن انس نے کہا: مراد نحوست والے (3)؛ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ (فصلت: 16)۔ عطیہ عوفی نے کہا: حُسُوْمًا سے مراد ہے جنہوں نے بھلائی کو ان کے اہل سے ختم کر دیا (4)۔ اس کے پہلے دن کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اتوار کی صبح؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جمعہ کے دن کی صبح؛ یہ ربیع بن انس کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بدھ کی صبح؛ یہی یحییٰ بن سلام اور وہب بن منبہ نے کہا۔ وہب نے کہا: وہ دن جنہیں عرب ایام عجوز کہتے ہیں وہ ٹھنڈے اور شدید ہوا والے تھے۔ اس کا پہلا دن بدھ تھا اور آخری دن بھی بدھ تھا۔ انہیں ایک بوڑھی کی طرف منسوب کیا گیا کیونکہ قوم عاد کی ایک بوڑھی درندے کی ایک بل میں داخل ہوئی، ہوا نے اس کا پیچھا کیا اور آٹھویں دن اس کو قتل کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں ایام عجوز اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ موسم سرما کے آخر میں واقع ہوئے۔ سریانیوں کے زبان میں یہ آزار (مارچ) کے مہینہ میں ہوا ہے۔

حُسُوْمًا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ زجاج نے کہا: تحسمهم حسوما انہیں فنا کر دے گی۔ یہ مفعول مطلق ہے تاکید کے لیے ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مفعول لہ ہو یعنی ان کی جڑ ختم کرنے کے لیے ہوا کو اتنی مدت ان پر مسلط کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حاسم کی جمع ہو۔ سدی نے حُسُوْمًا پڑھا ہے۔ یہ ریح سے حال ہے یعنی ہوا کو ان پر مسلط کیا، اس حال میں کہ وہ ان کی جڑ ختم کرنے والی تھی۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 78　　2۔ ایضاً
3۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 77　　4۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 442

☆۔ ان کے درمیان ایسے زمانے نے جدائی ڈال دی جس میں دانتے والے سال پے در پے آئے۔

فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا ھا ضمیر سے مراد راتیں اور دن ہیں (1)۔ صَرْعٰی یہ صریع کی جمع ہے یعنی مردہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ھا ضمیر سے مراد ہوا ہے كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ اعجاز کا معنی تنے ہیں۔ خاویۃ بوسیدہ؛ یہ ابوطفیل کا قول ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اندر سے خالی، ان میں کچھ بھی نہ تھا۔ نخل مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور موقع پر فرمایا: كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝ (القمر) یہ احتمال موجود ہے کہ انہیں ایسی کھجوروں سے تشبیہ دی گئی جو اپنی جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دی گئیں۔ یہ اس امر کی خبر ہے کہ ان کو ختم کرنا بڑا عظیم امر تھا۔ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد جڑیں ہوں تنے نہ ہوں یعنی ہوا نے انہیں کاٹ کر رکھ دیا یہاں تک کہ وہ یوں ہو گئے جس طرح کھجور کی ایسی جڑیں ہوں جو اندر سے کھوکھلی ہو چکی تھیں۔ ہوا ان کے پیٹوں میں داخل ہوتی تو انہیں ہلاک کر کے رکھ دیتی جس طرح وہ کھجور ہو جو اندر سے کھوکھلی ہو۔ ابن شجرہ نے کہا: ہوا ان کے مونہوں میں داخل ہوتی اور ان کے پیٹوں میں جو انتڑیاں وغیرہ تھیں، ان کو باہر نکال دیتی تو وہ اس کھجور کی طرح ہو گئے جو اندر سے کھوکھلی تھی (3)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: خاویہ کہا کیوں کہ ان کے بدن روحوں سے خالی ہو گئے تھے جس طرح کھوکھلا تنا ہوتا ہے (4)۔ یہ بھی احتمال ہے کہ معنی ہو گویا کھجور کے ایسے تنے ہیں جو اپنی جڑوں سے خالی ہو چکے تھے جو زمین میں گڑھی ہوتی ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً (النمل: 52) یعنی وہ کھنڈر ہے ان میں کوئی رہائش نہیں۔ خاویہ کا معنی بوسیدہ بھی ہو سکتا ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا کیونکہ جب وہ بوسیدہ ہو جاتا ہے تو اس کا پیٹ خالی ہو جاتا ہے۔ جب وہ ہلاک کیے جا چکے تو انہیں کھجور کے کھوکھلے تنوں کے ساتھ تشبیہ دی۔

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝

"کیا تمہیں نظر آتا ہے ان کا کوئی باقی ماندہ فرد"۔

یہاں بَاقِيَةٍ سے پہلے فرقۃ یا نفس محذوف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں بَاقِيَةٍ، بقیہ کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بقاء کے معنی میں ہے، یہ فاعلۃ کا وزن ہے۔ مصدر کے معنی میں ہے جس طرح عاقبہ اور عافیہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ اسم ہو کیا تم ان میں سے کسی کو باقی پاتے ہو۔ ابن جریج نے کہا: وہ سات راتیں اور آٹھ دن تھے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوا کی صورت میں جو عذاب آیا اس میں وہ زندہ رہے جب آٹھویں دن کی صبح کی تو وہ مر گئے۔ ہوا نے انہیں اٹھایا اور سمندر میں پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝ اور فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ (الاحقاف: 25) کا یہی معنی ہے۔

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝

"اور فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور الٹائی جانے والی بستیوں کے باشندوں نے غلطی کا ارتکاب کیا"۔

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ ابو عمرو اور کسائی نے وَمَنْ قِبَلَهٗ پڑھا ہے، یعنی قاف کے نیچے کسرہ اور باء پر زبر۔ معنی ہوگا جو اس کے ساتھ تھے اور لشکروں میں سے جو اس کے پیروکار تھے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے حضرت عبد اللہ اور حضرت ابی کی

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 442　　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 78　　3۔ ایضاً　　4۔ ایضاً

قرأت ومن معه پر اعتبار کرتے ہوئے اسے پسند کیا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اسے ومن تلقاء ہ قرأت کی باقی قراء نے قبلہ قرأت کی مراد ہے جو سابقہ قومیں گزر چکی تھیں (1)۔

وَالْمُؤْتَفِكٰتُ اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں کے لوگ ہیں۔ عام قرأت الف کے ساتھ ہے۔ حضرت حسن بصری اور جحدری نے والمؤتفکۃ قرأت کی ہے۔ قتادہ نے کہا: حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کو موتفکات کا نام دیا کیونکہ انہیں ان لوگوں کے ساتھ الٹایا گیا تھا۔ طبری نے محمد بن کعب قرظی سے یہ ذکر کیا ہے: وہ پانچ بستیاں تھیں صبعہ، صعرہ، عمرہ، دوما اور سدوم۔ یہ بڑی بستی تھی۔ بِالْخَاطِئَةِ ۝ اس سے پہلے الفعلة کا لفظ محذوف ہے۔ اس سے مراد معصیت اور کفر ہے۔ مجاہد نے کہا: مراد وہ خطائیں ہیں جو وہ کیا کرتے تھے۔ جرجانی نے کہا: مراد بڑی خطا ہے خاطئۃ مصدر ہے۔

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝

''پس انہوں نے نافرمانی کی اپنے رب کے رسولوں کی تو الله نے پکڑ لیا انہیں بڑی سختی سے''۔

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ کلبی نے کہا: اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول سے مراد حضرت لوط علیہ السلام ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد حضرت موسیٰ اور حضرت لوط علیہ السلام ہیں جس طرح فرمایا: فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الشعراء) ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول سے مراد رسالت ہے؛ بعض اوقات رسالت کو رسول سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس قول فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝ رابیہ ایسی پکڑ جو پکڑوں پر بلند اور زائد ہو اور امتوں کے عذاب پر بلند ہو؛ اسی سے ربا کا لفظ ہے جب سونے اور چاندی میں اس سے زیادہ چیز لی گئی جو دی گئی تھی۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ربا الشئ یربو جب وہ زائد ہو جائے اور کئی گنا ہو جائے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی سخت ہے گویا یہ ارادہ کیا وہ شدت میں بڑھ کر ہے۔

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝

''ہم نے جب سیلاب حد سے گزر گیا تو تمہیں کشتیوں میں سوار کر دیا تاکہ ہم بنا دیں اس واقعہ کو تمہارے لیے یادگار اور محفوظ رکھیں اسے یاد رکھنے والے کان''۔

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ جب پانی بلند ہو گیا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: پانی الله تعالیٰ کے لیے غضب کی وجہ سے فرشتوں میں سے خازنوں پر سرکش ہو گیا (2)۔ وہ خزان اسے قابو رکھنے پر قادر نہ ہوئے۔ قتادہ نے کہا: ہر چیز پر پندرہ ہاتھ بلند ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں پانی اپنے خازنوں پر سرکش ہو گیا، وہ ان پر بہت زیادہ ہو گیا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ کتنا پانی نکلا۔ اس سے قبل اور اس کے بعد کوئی قطرہ نازل نہیں ہوتا مگر معلوم پیمانہ کے ساتھ نازل ہوتا صرف اس دن ایسی صورت نہ تھی۔ سورت کے آغاز میں مرفوع حدیث گزر چکی ہے۔ ان امتوں کے واقعات کے ذکر کرنے کا مقصود اور جو عذاب ان پر آئے، ان کے ذکر کا مقصود یہ ہے کہ اس امت کو رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی میں ان کفار کی اقتدا سے روکا جائے۔ پھر ان پر یہ احسان جتلایا کہ انہیں ان لوگوں میں سے بنایا جو اس غرق ہونے سے نجات پانے والے تھے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 78 2۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 79

فرمایا: حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴿۱۱﴾ یعنی ہم نے تمہارے آباء کو کشتی میں اٹھالیا جبکہ تم ان کی پشتوں میں تھے۔ اس کشتی میں جن کو اٹھایا گیا تھا وہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی اولاد تھی۔ روئے زمین پر جو بھی انسان ہیں انہیں کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً، ھا ضمیر سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے (1)۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس امت کے لیے نصیحت بنالیا یہاں تک کہ اس کے اوائل نے اس کشتی کو پایا؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ابن جریج نے کہا: اس کے تختے جودی پہاڑ پر تھے (2)۔ معنی یہ ہے میں نے تمہارے لیے ان لکڑیوں کو باقی رکھا تا کہ تم اس کو یاد کرو جو قوم نوح پر واقع ہوا اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے آباء کو جو نجات دی اسے یاد کرو۔ کتنی کشتیاں ہیں جو ہلاک ہوئیں اور مٹی ہوگئیں اور ان میں سے کوئی چیز باقی نہ رہی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تا کہ ہم اس فعل ''یعنی قوم نوح کو غرق کرنا اور جو ایمان لایا تھا اسے نجات دینا'' کو تمہارے لیے نصیحت بنادیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾ یعنی اسے یاد رکھیں اور اسے کان سنیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو کچھ آیا ہے اسے یاد رکھیں۔ سفینہ کی صفت اس کے ساتھ نہیں لگائی جاسکتی۔ زجاج نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے وعیت كذا اعیه وعیا اسے میں نے اپنے دل میں یاد کیا۔ وَعیتُ العلم، وعیت ما قلت، سب کا ایک ہی معنی ہے۔ أوعیت المتاع في الوعا میں نے برتن میں سامان کو محفوظ کیا۔ زجاج نے کہا: ہر وہ چیز جس کو تو اپنی ذات کے علاوہ کسی اور چیز میں محفوظ رکھے، اس کے لیے أوعیته کا لفظ بولا جاتا ہے جسے تو اپنی ذات میں محفوظ رکھے اس کے لیے وعیته کا لفظ بولا جاتا ہے (3)۔ طلحہ، حمید اور اعرج نے وتعیها عین کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اسے ارنا کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ عاصم اور ابن کثیر سے اس بارے میں اختلاف مروی ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ (ق: 37) قتادہ نے کہا: اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ سے مراد ایسے کان ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ سے سمجھ بوجھ نصیب ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی کتاب سے جو کچھ سنا اس سے فائدہ اٹھایا (4)۔ مکحول نے کہا: حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بھی کوئی چیز نہیں سنی جسے میں بھول گیا ہوں بلکہ میں نے اسے یاد رکھا؛ ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے۔ حضرت حسن بصری سے بھی اسی طرح مروی ہے؛ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے۔ کہا: جب وَتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے علی! میں نے اپنے رب سے سوال کیا ہے کہ اسے تیرے کان بنادے'' (5)۔ حضرت علی شیر خدا نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس کے بعد کوئی چیز نہیں بھولا اور میرے لیے زیبا نہیں کہ میں کسی چیز کو بھولوں۔ ابو برزہ اسلمی نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا سے فرمایا: ''اے علی! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھے قریب کروں اور تجھے دور نہ کروں، میں تجھے تعلیم دوں اور تو اسے یاد رکھے'' (6)۔ درمنثور میں الفاظ اس طرح ہیں ''تجھ پر لازم ہے تو اسے یاد رکھے، اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ تجھے یاد رکھے''۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 80 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً
5۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 189 6۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 67

''پھر جب پھونک ماردی جائے گی صور میں ایک بار''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ قیامت کے برپا ہونے کے وقت پہلا نفخہ ہے(1)۔اس وقت ہر کوئی مرجائے گا۔ نفخ کو مذکر لانا بھی جائز ہے کیونکہ نفخہ کی تانیث غیر حقیقی ہے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نفخہ سے مراد دوسرا نفخہ ہے۔ فرمایا: نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ یعنی اس کو دوبارہ نہیں پھونکا جائے گا۔اخفش نے کہا: فعل، نفخہ پر واقع ہوا کیونکہ اس سے پہلے کوئی اسم مرفوع نہیں تو اسے نفخة کہا۔ یہ بھی جائز ہے کہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہو۔ابوسمال نے اسے یوں ہی پڑھا ہے یا کہا جاتا ہے: صرف فعل کے ساتھ خبر دینے پر اقتصار کیا گیا ہے جس طرح تو کہتا ہے: ضرب ضربا زجاج نے کہا: فی الصور نائب فاعل کے قائم مقام ہے۔

وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝

''اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر ایک ہی دفعہ چور چور کر دیا جائے گا''۔

وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ عام قرات میم کی تخفیف کے ساتھ ہے یعنی انہیں اپنی جگہوں سے اٹھا لیا جائے گا(2)۔ فَدُكَّتَا انہیں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا دَكَّةً وَّاحِدَةً۔ دکة میں نصب ہی جائز ہے کیونکہ فَدُكَّتَا میں ضمیر مرفوع ہے فراء نے کہا: فدککن نہیں کہا کیونکہ تمام پہاڑوں کو ایک پہاڑ کی طرح بنا دیا گیا اور زمین کو ایک بنا دیا گیا(3)۔اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا (الانبیاء:30) یہاں بھی کن نہیں فرمایا یہ دلنزلہ کی طرح ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ (الزلزلہ) ایک قول یہ کیا گیا ہے دکتا کا معنی ہے دونوں کو ایک ہی دفعہ پھیلا دیا جائے گا اسی سے اندلات سنام البعیر ہے جب اس کی کہان اس کی پشت میں پھیل جائے۔سورۃ الاعراف میں اس بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔عبدالحمید نے ابن عامر سے یہ قرات نقل کی ہے وحُمِّلَتِ الأرض والجبال یعنی تشدید کے ساتھ اسے پڑھا ہے کیونکہ فعل دوسرے فعلوں کی طرف متعدی ہے گویا اصل کلام یوں ہے وحملتُ قدرتنا أو مَلَكًا من ملائكتنا الأرض والجبال پھر فعل کو دوسرے فعلوں کی طرف منسوب کیا گیا تو اس کے لئے یہ صیغہ بنایا گیا۔اگر پہلا مفعول لایا جائے تو فعل کو اس کی طرف منسوب کیا جائے گا۔گویا فرمایا: وحملت قدرتُنا الأرض کبھی قلب کے طریقہ پر دوسرے مفعول کے لئے اسے مجہول کا ذکر کرنا بھی جائز ہے تو کہا جائے گا: حملت الأرض الملك جس طرح تیرا قول ہے: أُلبِسَ زيدٌ الجبة اور أُلبِسَتُ الجبةُ زيدا۔

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۝ وَّالْمَلَكُ عَلٰۤى اَرْجَآئِهَا ؕ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۝

''تو اس روز ہونے والا واقعہ ہو جائے اور آسمان پھٹ پڑے گا تو وہ اس دن بالکل جدا ہوگا اور فرشتے اس کے کناروں پر مقرر کر دیئے جائیں گے اور آپ کے رب کے عرش کو اس روز اپنے اوپر آٹھ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہوگا''۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 442 | 2۔ ایضاً | 3۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 109

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۞ جس روز قیامت قائم ہوگی (1) وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ آسمان پھٹ جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ پھٹ جائے گا کہ جو فرشتے اس میں ہیں وہ نیچے اتر آئیں گے۔ اس کی دلیل الله تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۞ (الفرقان) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ وہ اس دن کمزور ہو گا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: وهی البناء یَہِی وَهْیًا فهو واہٍ جب وہ بہت کمزور ہو جائے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: کلام واہٍ ضعیف کلام۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنی سختی کے بعد کمزوری میں اون کی طرح ہو جائیں گے۔ یہ فرشتوں کے نازل ہونے کے لئے ہوگا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کی ہولناکی کی وجہ سے ایسا ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَّاهِيَةٌ کا معنی ہے اس میں سوراخ ہو جائیں گے؛ یہ ابن شجرہ نے کہا ہے (2)۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: وَهَی السقاء جب اس میں سوراخ ہو جائیں۔ ان کی امثال میں سے ہے:

خَلِّ سبیلَ من وَهَی سِقاءہ و من هُرِیق بالفلاۃ ماءہ

اس آدمی کا راستہ چھوڑ دے جس کا مشکیزہ پھٹ گیا ہو اور جس کا پانی جنگل میں بہہ گیا ہو۔ یعنی جو کمزور عقل والا ہو وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتا۔ وَّالْمَلَكُ اس سے مراد فرشتے ہیں یہ اسم جنس ہے عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا جب آسمان پھٹ جائے گا تو فرشتے اس کی اطراف میں ہوں گے کیونکہ آسمان میں ان کا مکان تھا، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ماوردی نے کہا: شاید یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ ثعلبی نے اسے ضحاک سے روایت کیا ہے۔ کہا: اس کے ان اطراف پر جو پھٹی نہیں۔ یہ ارادہ کیا کہ آسمان فرشتوں کا مکان ہے جب وہ پھٹ گیا تو وہ اس کی اطراف میں چلے گئے۔ سعید بن جبیر نے کہا: معنی ہے فرشتے دنیا کی اطراف میں ہونگے یعنی زمین کی طرف اتریں گے اور اس کی اطراف کی نگہبانی کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا تو فرشتے ان ٹکڑوں پر کھڑے ہو جائیں گے جو خود نہیں پھٹے ہونگے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگ جب جہنم دیکھیں گے تو جہنم ان کو خوفزدہ کر دے گی تو وہ یوں بھاگ کھڑے ہونگے جس طرح اونٹ بھاگتا ہے وہ زمین کے کسی کونے میں نہیں آئیں گے مگر وہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو جہاں سے آئے تھے واپس چلے جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس کی اطراف میں انتظار کر رہے ہونگے کہ جہنمیوں کے بارے میں انہیں جو حکم دیا جاتا ہے کہ انہیں جہنم میں ہانک دیا جائے اور اہل جنت کے بارے میں سلام اور کرامت کا حکم دیا جائے۔ یہ سب ابن جبیر کے قول کے معنی کی طرف راجع ہے اس پر الله تعالیٰ کا یہ فرمان: وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۞ (الفرقان) اور يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الرحمن: 33) اس پر دلالت کرتا ہے جس طرح ہم نے وہاں بیان کیا ہے۔ ارجاء کا معنی اطراف ہے، یہ ہذیل کی لغت ہے اس کا واحد رجا ہے اس کی تثنیہ رجوان ہے جس طرح عصا اور عصوان ہے۔ شاعر نے کہا:

فلا يُرْمَى بِیَ الرَّجَوَان أَنِّی أَقلُّ القومِ من يُغْنِي مكانِي

مجھے دونوں طرفوں میں نہیں پھینکا جا سکتا میں قوم میں سب سے قلیل ہوں میرے مکان سے کون بے نیاز ہو سکتا ہے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 443 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 81

یہ لفظ کنویں اور قبر کے کنارے کیلئے بھی بولا جاتا ہے۔

وَ يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۞ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فرشتوں کی آٹھ صفیں ہوں گی (1) جن کی تعداد کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ابن زید نے کہا: یہ آٹھ فرشتے ہیں (2)۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ آٹھ ہیں یا آٹھ ہزار ہیں (3)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''آج عرش کو اٹھانے والے چار ہیں جب قیامت کا روز ہوگا تو اللہ تعالیٰ چار اور سے ان کی مدد کرے گا وہ آٹھ ہو جائیں گے''۔ ثعلبی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **يحمله اليوم أربعة و هم يوم القيامة ثمانية** آج چار اسے اٹھائے ہوئے ہیں قیامت کے روز وہ آٹھ ہونگے۔ عباس بن عبدالملک نے کہا: وہ پہاڑی بکروں کی شکل میں آٹھ فرشتے ہیں، اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے: ''ان فرشتوں میں سے ہر ایک کے چار منہ ہیں انسان کا چہرہ، شیر کا چہرہ، بیل کا چہرہ اور گدھ کا چہرہ۔ ہر چہرہ اپنی جنس کے لئے رزق طلب کرتا ہے'' (4) جب امیہ بن ابی صلت کے اشعار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھے گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس نے سچ کہا''۔

رَجُلٌ و ثَوْرٌ تحت رِجل يمينه و النَّسْرُ للأخرى و لَيْثٌ مُرْصَدُ

و الشمس تطلع كلّ آخر ليلة حمراء يُصبح لَوْنُهَا يَتَوَرَّدُ

ليست بطالعة لهم في رِسْلِها إلّا مُعَذَّبَةً و إلّا تُجْلَدُ

حدیث طیبہ میں ہے: ''ساتویں آسمان کے اوپر آٹھ پہاڑی بکرے ہیں ان کے کھروں کے گھٹنوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا فاصلہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان ہے ان کی پشتوں پر عرش ہے'' (5)۔ قشیری نے یہ ذکر کیا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کی حدیث تخریج کی ہے: سورۂ بقرۃ میں وہ مکمل گزر چکی ہے۔ ثعلبی نے اسی کی مثل اور اس کے الفاظ ذکر کئے ہیں۔ حدیث مرفوع میں ہے: ''عرش کو اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں جو پہاڑی بکروں کی شکل پر ہیں ان کے کھروں اور گھٹنوں کے درمیان تیز رفتار پرندے کے لئے ستر سال کی مسافت ہے''۔ کلبی کی تفسیر میں یہ الفاظ ہیں **ثمانية أجزا من تسعة أجزاء من الملائكة** ان سے یہ بھی مروی ہے **ثمانية أجزاء من عشرة أجزاء من الملائكة** پھر ملائکہ کی تعداد کا ذکر کیا جس کا ذکر طویل ہے۔ پہلا قول ثعلبی نے ان سے نقل کیا اور دوسرا قول قشیری نے نقل کیا ہے۔ ماوردی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: **ثمانية أجزاء من تسعة** یہی مقرب فرشتے ہیں (6)۔ عرش کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت اسی طرح ہے جس طرح بیت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، بیت رہائش کے لیے نہیں یہی کیفیت عرش کی ہے۔ فَوْقَهُمْ کا معنی ہے ان کے سروں کے اوپر۔ سدی نے کہا: عرش کو حاملین عرش اپنے اوپر اٹھائے

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 443
2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 190
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 82
4۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 443
5۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ حاقہ، جلد 2، صفحہ 167
6۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 82

ہوئے ہونگے جبکہ عرش کو اٹھانے والوں پر رکھنے والا صرف اللہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَوْقَهُمْ سے مراد ہے عرش کو اٹھانے والے فرشتے ان فرشتوں کے اوپر ہوں گے (1) جو آسمان میں اس کی اطراف میں ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَوْقَهُمْ سے مراد فوق أهل القيامة ہے۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ⑱

''وہ دن جب تم پیش کیے جاؤ گے تمہارا کوئی راز پوشیدہ نہ رہے گا''۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ جس روز تمہیں اللہ تعالیٰ پر پیش کیا جائے گا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے: وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا (الکہف: 48) یہ وہ پیشی نہیں جس کے ذریعے اس چیز کو جانا جائے جس سے پہلے آگاہ نہ ہو، بلکہ اس کا معنی حساب ہے اور جزا کے لئے ان پر اعمال واضح کرنا ہے۔ حضرت حسن بصری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے روز لوگوں کی تین پیشیاں ہونگی جہاں تک دو پیشیوں کا تعلق ہے وہ جھگڑا اور معذرت ہے، جہاں تک تیسری پیشی کا تعلق ہے اس موقع پر صحیفے ہاتھوں میں اڑ کر پہنچیں گے کوئی اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑے گا اور کوئی اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑے گا'' (2)۔ اسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔ یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ حضرت حسن بصری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل نہیں کی۔

لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ⑱ وہ تمہارے اعمال میں سے ہر عمل کو جانتا ہے اس تعبیر کی بنا پر خَافِيَةٌ خفیہ کے معنی میں ہے وہ اپنے اعمال چھپایا کرتے تھے؛ یہ ابن شجرہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کوئی انسان اس پر مخفی نہیں رہے گا یعنی کوئی انسان باقی نہیں رہے گا جس کا محاسبہ نہ ہو۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص نے کہا: مومن کافر سے اور نیک فاجر سے مخفی نہیں رہے گا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہاری شرمگاہیں پردہ میں نہ ہونگی۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لوگ ننگے پاؤں اور ننگے بدن اٹھائے جائیں گے'' (4)۔ عاصم کے علاوہ کوفیوں نے لا یخفی پڑھا ہے کیونکہ خافیۃ کی تانیث غیر حقیقی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ (ہود: 67) ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ فعل اور اسم مونث کے درمیان جار اور مجرور حائل ہے۔ باقی قراء نے تاء کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے اسے خافیۃ کی تانیث کی وجہ سے اسے اختیار کیا ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ⑲ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ⑳ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۙ ㉑ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۙ ㉒ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ㉓ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ㉔ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 82
2۔ جامع ترمذی، کتاب صفة القيامة، ما جاء في العرض، جلد 2، صفحہ 65
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 82
4۔ صحیح مسلم، کتاب الجنة و صفة نعيمها، فناء الدنيا بيان الحشر يوم القيامة، جلد 2، صفحہ 384

فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَاۤ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾

''پس جس کو دیا گیا اس کا نامہ عمل دائیں ہاتھ میں تو وہ (فرط مسرت سے) کہے گا: لو پڑھو میرا نامہ عمل۔ مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچوں گا۔ پس یہ (خوش نصیب) پسندیدہ زندگی بسر کرے گا عالیشان جنت میں، جس کے خوشے جھکے ہوں گے (اذن ملے گا) کھاؤ اور پیو مزے اڑاؤ۔ یہ ان اعمال کا اجر ہے جو تم نے آگے بھیج دیے گذشتہ دنوں میں اور جس کو دیا جائے گا اس کا نامہ عمل بائیں ہاتھ میں وہ کہے گا: اے کاش! مجھے نہ دیا جاتا میرا نامہ عمل اور میں نہ جانتا میرا حساب کیا ہے، اے کاش! موت نے ہی (میرا) قصہ پاک کر دیا ہوتا۔ آج میرا مال کسی کام نہ آیا۔ میری بادشاہی بھی فنا ہو گئی (فرشتوں کو حکم ہوگا) پکڑ لو اس کو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو پھر اسے دوزخ میں جھونک دو پھر ستر گز لمبے زنجیر میں اس کو جکڑ دو۔ بے شک یہ بدبخت ایمان نہیں لایا تھا اللہ پر جو بزرگ (و برتر) ہے اور نہ ترغیب دیتا تھا مسکین کو کھانا کھلانے کی''۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ دائیں ہاتھ میں کتاب دینا یہ نجات کی دلیل ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس امت میں سب سے پہلے جسے دائیں ہاتھ میں کتاب دی جائے گی وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہونگے، اس کی شعاع یوں ہوگی جس طرح سورج کی شعاع ہوتی ہے۔ ان سے پوچھا جائے گا: ابوبکر کہاں ہیں؟ حضرت عمر کہیں گے: بہت دور، بہت دور! فرشتے اسے گھیرے میں لے کر جنت کی طرف لے گئے ہیں؛ ثعلبی نے اس کا ذکر کیا ہے ہم نے ''تذکرہ'' کتاب میں حضرت زید بن ثابت سے مرفوع حدیث انہیں الفاظ اور معنی کے ساتھ نقل کی ہے۔ الحمدللہ

فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾ وہ اسلام پر اعتماد کرتے ہوئے اور اپنی نجات پر خوش ہوتے ہوئے یہ کہے گا کیونکہ یمین عربوں کے اس خوشی کے دلائل اور شمال غم کی نشانیوں میں سے ہے (2)۔ شاعر نے کہا:

أَبِينِي أَ فِي يُمْنَى يَدَيْكِ جَعَلْتِنِي ... فَأَفْرَحَ أَمْ صَيَّرْتِنِي فِي شِمَالِكِ (3)

مجھ پر واضح کرو کیا تو نے مجھے اپنے دائیں ہاتھ میں رکھا ہے تو خوش ہوں یا تو نے مجھے بائیں ہاتھ میں رکھا ہے۔

هَآؤُمُ کا معنی ہے آؤ؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔ مقاتل نے کہا: اس کا معنی ہے لو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یعنی پکڑو۔ اس معنی میں ربا کے بارے میں ایک روایت ہے اور هاء و هاء ہر ایک اپنے ساتھی کے بارے میں کہے گا پکڑ لو۔ ابن سکیت اور کسائی نے کہا: عرب کہتے ہیں هاء یا رجل اقرا۔ دو کو کہتے ہیں: هاء ما یا رجلان۔ هاؤم یا رجالا۔ عورت کے لئے کہتے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 83   2۔ ایضاً   3۔ ایضاً

ہیں: هاءِ، هاؤما، هاؤن اصل میں یہ هاكم تھا۔ کاف کو ہمزہ کی صورت میں بدل دیا ہے؛ یہ قتیبی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: هاء مرایسا کلمہ ہے جو نشاط اور فرحت کے وقت بلانے والے کو جواب دینے کے بولا جاتا ہے(1)۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بدو نے بلند آواز سے بلایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے هاء م کے ساتھ جواب دیا اور آواز کو لمبا کیا(2) اور کتابیه یہ کوفیوں کے نزدیک یہ هاؤم سے منصوب ہے بصریوں کے نزدیک اقرأوا کے ساتھ منصوب ہے کیونکہ دونوں عاملوں میں سے یہ قریبی عامل ہے اصل کتابی ہے هاء کو داخل کیا گیا ہے تاکہ یاء کے فتحہ کو واضح کیا جائے۔ هاء وقف کے لئے ہے اسی طرح اس کے اخوات حسابیه، مالیه اور سلطانیه میں ہے سورۂ قارعہ میں ماهیه ہے عام قرات وقف اور وصل دونوں صورتوں میں هاء کے ساتھ ہے کیونکہ مصحف میں یہ هاء کے ساتھ ہے اسے ترک نہ کیا جائے گا۔ ابو عبید نے یہ پسند کیا ہے کہ ان پر وقف کیا جائے تاکہ سکتہ میں هاء کے لاحق کرنے میں لغت کے موافق ہو جائے اور خط کے بھی موافق ہو جائے۔ ابن محیصن، مجاہد، حمید اور یعقوب نے وصل میں هاء کے حذف اور وقف میں هاء کو سب میں ثابت رکھا ہے حمزہ نے مالیه اور سلطانیه میں اور سورۂ قارعہ میں ماهیة ان کی موافقت کی ہے مجموعی طور پر یہ سات حروف ہیں۔ ابو حاتم نے یعقوب اور اس کے ساتھیوں کی قرات کو اختیار کیا ہے کیونکہ وہ لغت کی اتباع کرتے ہیں۔ جنہوں نے وصل میں هاء کے ساتھ پڑھا ہے تو وہ بھی وقف کی نیت پر ہوگا۔

اِنِّیْ ظَنَنْتُ مجھے یقین اور علم ہے(3)؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے یہ مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مجھے یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ میرا میرے گناہوں کی وجہ سے مواخذہ کرے گا۔ اس نے مجھے معاف کرنے کے ساتھ مجھ پر فضل و احسان فرمایا اور میرا مواخذہ نہ کیا۔ ضحاک نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی لفظ ظن استعمال ہوا ہے اس کی نسبت مومن کی طرف ہے(4) تو وہ یقین کے معنی میں ہے اور کافر کی طرف نسبت ہو تو وہ شک کے معنی میں ہے۔ مجاہد نے کہا: آخرت کا ظن یقین ہے اور دنیا کا ظن شک ہے۔ حضرت حسن بصری نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: مومن اپنے رب کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہے تو وہ اچھا عمل کرتا ہے اور منافق اپنے رب کے بارے میں برا گمان رکھتا ہے تو وہ برا عمل کرتا ہے۔(5)

اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ۟ میں آخرت میں اپنے حساب کو پانے والا ہوں، میں بعث کا انکار نہیں کرتا یعنی اس نے نجات نہیں پائی مگر اس وجہ سے کہ اسے یوم حساب کا خوف تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ کرے گا تو اس نے آخرت کے لئے عمل کیا۔

فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۟ وہ ایسی زندگی میں ہوگا جس پر وہ راضی ہوگا اس میں کوئی ناپسندیدہ چیز نہ ہوگی۔ ابو عبیدہ اور فراء نے کہا: راضیة سے مراد مرضیة ہے جس طرح تیرا قول ہے: ماء دافق یہ مدفوق کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ذات رضا کے معنی میں ہے یعنی اس سے اس کا صاحب راضی ہوگا جس طرح لابن اور تامر سے مراد دودھ والا اور کھجور والا ہے۔ صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''وہ زندہ رہیں گے کبھی بھی نہیں مریں گے، وہ صحت مند رہیں گے وہ کبھی بھی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 83 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً

بیمار نہیں ہونگے وہ نعمتوں میں ہونگے کبھی تکلیف نہ دیکھیں گے، وہ جوان رہیں گے کبھی بھی بوڑھے نہ ہوں گے"(1)۔

فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾ ایسی جنت جو نفوس میں عظیم شان والی ہے۔ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾ اس کے گچھے قریب ہونگے آسانی سے انہیں حاصل کیا جا سکے گا، کھڑا ہوا، بیٹھا ہوا اور لیٹا ہوا اسے توڑ لے گا۔ اس کی وضاحت سورۃ الدخان میں آئے گی۔ قطوف یہ قطف کی جمع ہے اس سے مراد وہ پھل ہیں جنہیں توڑا جاتا ہے۔ قطف یہ مصدر ہے قطاف یہ توڑنے کا وقت ہے۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا انہیں یہ کہا جائے گا: کھاؤ اور پیو۔ هَنِيْٓـًٔا مبارک ہو اس میں کوئی تکرار اور بدمزگی نہ ہوگی۔ بِمَآ اَسْلَفْتُمْ کے بعد كُلُوْا فرمایا کیونکہ پہلے فرمایا: فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ، مَنْ اپنے ضمن میں جمع کا معنی لئے ہوئے ہے۔ ضحاک نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد مخزومی کے حق میں نازل ہوئی؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ وہ آیت جو اس کے بعد آ رہی ہے وہ اس کے بھائی اسود بن عبد الاسد کے حق میں نازل ہوئی؛ یہ حضرت ابن عباس اور ضحاک کا قول ہے۔ یہ ثعلبی نے کہا ہے: یہ اور اس کا بھائی ان آیات کے نزول کا سبب ہوگا معنی تمام اہل شقاوت اور اہل سعادت کو عام ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان كُلُوْا وَاشْرَبُوْا دلالت کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہے ہر وہ آدمی، خیر اور شر میں جس کی پیروی کی جاتی ہے۔ جب کوئی آدمی بھلائی میں سردار ہو، اس کی طرف دعوت دیتا ہو، اس کا حکم دیتا ہو اور اس کے پیروکار زیادہ ہو جائیں اسے اس کے نام اور ان کے باپ کے نام سے بلایا جاتا ہے تو وہ آگے بڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ جب وہ قریب ہوتا ہے اس کے لئے سفید کتاب سفید خط سے لکھی ہوئی نکالی جاتی ہے اس کے اندر برائیاں ہوتی ہیں اور اس کے ظاہر میں نیکیاں ہوتی ہیں، وہ برائیوں سے شروع کرتا ہے وہ انہیں پڑھتا ہے وہ ڈرتا ہے، اس کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے اور اس کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے، جب کتاب کے آخر میں پہنچتا ہے اس میں پاتا ہے: "یہ تیری برائیاں تھیں میں نے تجھے بخش دیا ہے" وہ اس پر بہت خوش ہوتا ہے پھر وہ کتاب کو اٹھاتا ہے تو اپنی نیکیوں کو پڑھتا ہے تو اس کی خوشی کے علاوہ کسی چیز میں اضافہ نہیں ہوتا یہاں تک کہ جب کتاب کے آخر میں پہنچتا ہے تو اس میں پاتا ہے: "یہ تیری نیکیاں تھیں تیرے لئے ان میں کئی گنا اضافہ کر دیا گیا ہے" اس کا چہرہ روشن ہو جاتا ہے۔ ایک تاج لایا جاتا ہے جو اس کے سر پر رکھا جاتا ہے، اسے دو حلے پہنائے جاتے ہیں ہر جوڑ میں زیورات ڈالے جاتے ہیں، اس کا قد ساٹھ ذراع ہو جاتا ہے۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کا قد تھا۔ اسے کہا جاتا: اپنے ساتھیوں کی طرف جاؤ انہیں خبر دو اور بشارت دو کہ ان میں سے ہر انسان کے لئے اس کی مثل ہے۔ جب وہ پیٹھ پھیرتا ہے تو کہتا ہے: هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿١٩﴾ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ یہاں رَّاضِيَةٍ، مرضية کے معنی میں ہے جس پر وہ راضی ہوگا۔ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ یعنی باغ آسمان میں ہے قُطُوْفُهَا اس کے پھل اور انگور دَانِيَةٌ ان کے قریب ہیں۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہے گا: کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ امت نے تجھے ڈھانپ رکھا ہے تو کون ہے؟ وہ کہے گا: میں فلاں بن فلاں ہوں تم میں سے جو بھی ہے اسے اس کی مثل کی بشارت دے دو كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ تم نے دنیا کے ایام میں آگے بھیجا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 83

جب ایک آدمی شر میں سردار تھا، اس کی طرف دعوت دیتا تھا، اس کا حکم دیتا تھا اس پر اس کے پیروکار زیادہ ہو گئے اسے اس کے نام اور اس کے باپ کے نام کے ساتھ ندا کی جائے گی وہ اپنے حساب کے لئے آگے بڑھے گا، اس کے لئے ایک سیاہ کتاب سیاہ نوشتہ میں نکالی جائے گی اس کے اندر نیکیاں ہونگی اور اس کے باہر برائیاں ہونگی وہ نیکیوں سے شروع کرے گا انہیں پڑھے گا اور وہ گمان کرے گا کہ وہ نجات پا جائے گا جب کتاب کے آخر تک پہنچے گا تو اس میں یہ پائے گا: ''یہ تیری نیکیاں ہیں جو تجھ پر رد کر دی گئی ہیں'' اس کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا، حزن غالب آ جائے گا اور بھلائی سے مایوس ہو جائے گا۔ وہ اپنی کتاب الٹے گا تو اپنی برائیاں پڑھے گا تو اس کے حزن میں اضافہ ہوگا اس کے چہرے کی سیاہی میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا جب کتاب کے آخر تک پہنچے گا تو اس کے آخر میں پائے گا: ''یہ تیری برائیاں تھیں یہ تجھ پر کئی گنا کر دی جائیں گی'' یعنی عذاب ان پر کئی گنا کر دیا جائے گا۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ اس نے جو عمل نہیں کیا وہ اس پر زائد کر دیا جائے گا۔ کہا: اسے آگ کے لئے بڑا کر دیا جائے گا، اس کی آنکھیں نیلی ہو جائیں گی اور اس کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا، اسے تارکول کے پاجامے پہنائے جائیں گے اور اسے کہا جائے گا: اپنے ساتھیوں کی طرف جاؤ اور انہیں بتاؤ کہ ان میں سے ہر انسان کے لئے اسی کی مثل ہے۔ وہ جائے گا: اور کہے گا ہائے کاش! مجھے کتاب نہ دی جائے اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے، ہائے کاش! یہ موت میرا معاملہ تمام کر دیتی وہ موت کی تمنا کرے گا۔

هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ تفسیر بیان کی ہے: مجھ سے میری محبت ہلاک ہوگئی (1)؛ یہ مجاہد، عکرمہ، سدی اور ضحاک کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: یہاں سلطان سے مراد دنیا میں جو حکومت و بادشاہت تھی۔ یہ آدمی ایسا تھا جس کے ساتھی اطاعت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝** ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک لاکھ فرشتے اس کی طرف جلدی کریں گے پھر اس کے ہاتھ کو اس کی گردن کے ساتھ جمع کر دیا جائے گا اللہ تعالیٰ کے فرمان **فَغُلُّوْهُ** کا یہی مفہوم ہے اسے طوق کے ساتھ جکڑ دو **ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝** اسے یوں بنا دو کہ وہ جہنم کی آگ کو تاپتا رہے۔ **ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا** اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ یہاں کون سا ذراع ہے؟ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فرشتوں کے ہاتھ کے برابر ستر ہاتھ (2)۔ نوف نے کہا: ہر ہاتھ ستر باع کا ہوگا اور ہر باع تیرے اور مکہ کے درمیان کا فاصلہ ہے (3)۔ اس وقت وہ کوفہ کے علاقہ میں تھا۔ مقاتل نے کہا: اگر اس کا ایک حلقہ پہاڑ کی چوٹی پر رکھا جائے تو وہ یوں پگھل جائے جس طرح سیسہ پگھل جاتا ہے۔ کعب نے کہا: اس زنجیر کا ایک حلقہ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں کیا **ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا** دنیا کے تمام لوہے کی طرح ہے **فَاسْلُكُوْهُ ۝** سفیان نے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ اسے اس کی دبر میں داخل کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کے منہ سے نکالا جائے گا؛ یہ مقاتل کا قول ہے معنی ہے پھر اس میں زنجیر داخل کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی گردن میں وہ زنجیر ڈالی جائے گی پھر اس کے ساتھ اسے کھینچا جائے گا۔ حدیث میں آیا ہے: ''وہ اس کی دبر سے داخل کی جائے گی اور اس کے نتھنوں سے نکالی جائے گی'' (4) ایک اور روایت میں ہے: ''اس کے منہ سے داخل کی جائے گی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 85　　2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 191

3۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 76　　4۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 361

اور اس کی دبر سے نکالی جائے گی' وہ اپنے ساتھیوں کو ندا کرے گا: کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: نہیں مگر جس ذلت و رسوائی میں تو مبتلا ہے اس کو ہم دیکھ رہے ہیں تو کون ہے؟ وہ اپنے ساتھیوں کو ندا کرے گا: میں فلاں بن فلاں ہوں، تم میں سے ہر انسان کے لئے ایسا ہی عذاب ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ تفسیر صحیح ترین ہے جو اس آیت کے بارے میں کہی گئی ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ (الاسراء:71) اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے ہم نے اسے سورۃ الاسراء میں بیان کیا ہے، وہاں سے اس میں غور و فکر کر لے۔

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۙ وَ لَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ؕ یہاں طعام، اطعام کے معنی میں ہے جس طرح عطاء کو اعطاء کی جگہ رکھا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

أَكُفْرًا بعد رَدِّ الموت عَنِّي و بعد عطائك المائَة الرِّتَاعَا

کیا اس کے بعد بھی ناشکری ہو سکتی ہے کہ تو نے موت کو مجھ سے دور کیا اور تو نے سو اونٹ دیئے جو چرنے والے تھے۔

اس شعر میں بھی عطاء، اعطاء کے معنی میں ہے۔ اس امر کو واضح کیا انہیں کھانا کھلانے کے ترک اور بخل کا حکم دینے پر عذاب دیا گیا جس طرح کفر کے سبب سے عذاب دیا گیا۔ حض سے مراد برانگیختہ کرنا ہے۔ لفظ طعام میں اصل تو یہ ہے کہ وہ مصدر مقدر کے ساتھ منصوب ہو طعام سے مراد عینی چیز ہے اسے مسکین کی طرف مضاف کیا گیا کیونکہ مسکین اور طعام میں گہرا تعلق ہے جس طرح اطعام عمل کرتا ہے اسی طرح طعام بھی عمل کرتا ہے پس لفظ مسکین کا محل نصب ہے تقدیر کلام یہ ہوگی علی إطعام المطعم المسكين عامل کو حذف کیا اور مصدر کو مفعول کی طرف مضاف کیا گیا۔

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۙ وَّ لَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۙ لَّا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخٰطِئُوْنَ ؕ

''پس آج یہاں ان کا کوئی دوست نہیں اور نہ کوئی طعام بجز پیپ کے، جسے کوئی نہیں کھاتا بجز خطا کاروں کے''۔

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ؕ له، لیس کی خبر ہے هاهنا اس کی خبر نہیں کیونکہ اسے خبر بنایا جائے تو معنی یہ بنتا ہے وہاں کھانا نہیں مگر غسلین۔ یہ صحیح نہیں کیونکہ وہاں غسلین کے علاوہ بھی کھانا ہے هاهنا اس فعل کے متعلق ہے جو له کے معنی میں پایا جاتا ہے۔ یہاں حمیم سے مراد قریبی ہے یعنی اس کا کوئی قریبی نہیں جو اس کے لئے نرمی کرے اور اس کا دفاع کرے۔ یہ حمیم سے ماخوذ ہے جس کا معنی گرم پانی ہے کیونکہ دوست وہ ہوتا ہے جو اس کے لئے نرمی کرتا ہے اور اس کا دل اس کے لئے جلتا ہے۔

غِسْلِيْنٍ، یہ غسل سے فعلین کا وزن ہے گویا یہ ان کے بدنوں سے نچڑتا ہے، یہ جہنمیوں کی پیپ ہے جو ان کے زخموں اور شرمگاہوں سے بہتی ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، ضحاک اور ربیع بن انس نے کہا: اس سے مراد ایسا درخت ہے جسے جہنمی کھاتے ہیں غسل سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ سر کو دھویا جاتا ہے جس طرح خطمی مٹی وغیرہ (1)۔ اخفش نے کہا: اسی سے غسلین ہے اس سے مراد وہ چیز ہے جو جہنمیوں کے گوشت اور خون سے بہتی ہے اس میں یاء نون کا اضافہ کیا گیا ہے جس طرح عفرین میں اضافہ کیا گیا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد سب سے برا کھانا ہے۔ ابن زید نے کہا: نہ اس کا پتہ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 446

ہے اور نہ ہی زقوم کا پتہ ہے کہ وہ کیا ہے؟ ایک اور موقع پر کہا: لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ ۝ (الغاشیہ)۔ یہ بھی جائز ہے کہ ضریع بھی غسلین ہی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کلام میں تقدیم و تاخیر ہے معنی ہے آج ان کے لئے وہاں کوئی کھانا نہیں مگر غسلین۔ وہ گرم پانی ہوگا۔

الطعام ان کے لئے ایسا کھانا نہیں ہوگا جس سے وہ نفع اٹھا سکیں۔ لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ۝ خاطئون سے مراد گناہ گار ہیں۔ حضرت ابن عباس بنیہ نے کہا: مراد مشرکین ہیں۔ اسے الخاطیون بھی پڑھا گیا ہے ہمزہ کو یا سے بدلا گیا ہے اسے حذف کر کے الخاطون بھی پڑھا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس بنیہ سے مروی ہے: یہ خاطون کیا ہے؟ ہم میں سے ہر کوئی قدم اٹھاتا ہے۔ ابوالاسود نے ان سے روایت نقل کی ہے: یہ خاطون کیا ہے؟ صابون کیا ہے یہ اصل میں صابئون ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مراد وہ لوگ ہوں جو حق سے باطل کی طرف قدم بڑھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ۝ وَمَا لَا تُبْصِرُونَ ۝ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝

''پس میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو اور جنہیں تم نہیں دیکھتے، بے شک یہ قول ہے عزت والے رسول کا''۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ۝ وَمَا لَا تُبْصِرُونَ ۝ معنی ہے میں تمام اشیاء کی قسم اٹھاتا ہوں جنہیں تم دیکھتے ہو اور جنہیں تم نہیں دیکھتے اور زائد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے ساتھ سابقہ کلام کا رد کیا گیا ہے(1) یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح مشرک کہتے ہیں: مقاتل نے کہا: اس کا سبب یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ نے کہا: بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جادوگر ہیں(2)۔ ابوجہل نے کہا: وہ شاعر ہیں۔ عقبہ نے کہا: وہ کاہن ہیں۔ نعوذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَآ أُقْسِمُ یعنی میں قسم اٹھاتا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں لا قسم کی نفی کے لئے ہے کیونکہ حق واضح ہے اس لئے قسم اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر اس کا جواب جواب قسم کی طرح ہے إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ضمیر سے مراد قرآن ہے(3)۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد حضرت جبریل امین ہیں(4)؛ یہ حضرت حسن بصری، کلبی اور مقاتل کا قول ہے اس کی دلیل: إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ (التکویر) ہے کلبی اور قتبی نے کہا: یہاں رسول سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔(5) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے(6) قول کی نسبت رسول کی طرف اس لئے کی کہ آپ اس کی تلاوت کرنے والے، اس کی تبلیغ کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہیں جس طرح ہمارا قول ہے: یہ امام مالک کا قول ہے۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ۝

''اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں لیکن تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے تم لوگ بہت کم توجہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 86	2۔ ایضاً	3۔ ایضاً
4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 191	5۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 447	6۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 86

کرتے ہو''۔

وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ یہ شعر کی تمام اقسام سے جدا ہے وَ لَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ یہ قرآن شیاطین کو سب وشتم کرتا ہے تو جو انہیں سب وشتم کرے اس پر وہ کوئی چیز کیا نازل کریں گے۔ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ اور قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ میں ما زائدہ ہے معنی ہے تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ ان کے قلیل ایمان سے مراد یہ ہے کہ جب ان سے پوچھا جاتا ہے: انہیں کس نے پیدا کیا؟ وہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے۔ یہ جائز نہیں کہ ما فعل کے ساتھ مل کر مصدر کے حکم میں ہو اور ما کا مابعد قَلِيْلًا کو نصب دے کیونکہ اس صورت میں صلہ کا موصول پر مقدم ہونا لازم آتا ہے کیونکہ مصدر جس میں عمل کرتا ہے وہ اس کا صلہ ہوتا ہے۔ ابن محیصن، ابن کثیر، ابن عامر اور یعقوب نے مایومنون اور یذ کرون پڑھا ہے (1) باقی قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اس سے قبل اور اس سے بعد خطاب کے صیغے ہیں جہاں تک ماقبل کا تعلق ہے وہ تُبْصِرُوْنَ ہے۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾

''بلکہ یہ نازل شدہ ہے رب العالمین کا۔ اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں منسوب کرتے تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے اور بے شک یہ تو ایک نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے''۔

تَنْزِيْلٌ یہ اصل میں ھو تنزیل ہے مبتدا محذوف ہے مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ اس کا عطف اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ پر ہے یعنی رسول کریم کا قول ہے اور یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔

وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ تقول کا معنی ہے اس نے تکلف سے کام لیا اور اس نے اپنی جانب سے قول کیا۔ اسے مجہول کا صیغہ تُقُوِّلَ بھی پڑھا گیا ہے لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ یمین سے مراد قوت اور قدرت ہے یعنی ہم اسے قوت سے پکڑ لیتے۔ من زائدہ ہے۔ قوت اور قدرت کو یمین سے تعبیر کیا کیونکہ ہر شی کی قوت اس کی دائیں جانب میں ہوتی ہے؛ یہ قتبی کا قول ہے؛ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد کا قول ہے؛ اس معنی میں شماخ کا قول ہے:

إذا ما رايةٌ رفعتْ لِمَجْدٍ   تلقاها عَرابة باليمين (2)

جب کبھی بزرگی کے لئے جھنڈا بلند کیا جائے تو عرابہ اسے قوت کے ساتھ لے لیتا ہے۔

عرابہ انصار میں قبیلہ اوس کا ایک فرد تھا۔ ایک اور شاعر نے کہا:

و لما رأيتُ الشمس أشرق نورُها   تناولتُ منها حاجتي بيميني

جب میں نے سورج کو دیکھا اس کا نور روشن تھا میں نے اس سے اپنی حاجت اپنی قوت سے لی۔ سدی اور حکم نے کہا: یمین کا معنی حق ہے؛ دلیل کے طور پر یہ مصرعہ ذکر کیا ہے: تلقاها عرابة باليمين عرابہ نے اسے استحقاق رکھتے ہوئے لیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے ہم اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم اس کے دائیں ہاتھ کو

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 447   2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 86

تصرف سے روک لیتے۔ یہ نفطویہ کا قول ہے۔ ابو جعفر نے کہا: یہ کلام اس طریقہ پر آیا ہے جس طرح لوگوں کی عادت ہے جس کو ذلیل کرنے کا پروگرام ہو اور اس کو سزا دینی ہو تو اس کا دایاں ہاتھ پکڑا جاتا ہے جس طرح سلطان جس کو ذلیل کرنا چاہتا ہے اس کے بارے میں حکم دیتا ہے: اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لو۔ یعنی ہم نے اس کے ہاتھ کو پکڑنے کا حکم دیا اور اس کے سزا دینے میں مبالغہ سے کام لیا۔

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ⁽⁴⁶⁾ ہم نے اس کی شاہ رگ کاٹ دی یعنی ہم نے اسے ہلاک کر دیا(1)۔ یہ ایسی رگ ہے جس کے ساتھ دل متعلق ہوتا ہے جب وہ رگ کٹ جائے تو وہ آدمی مر جاتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر لوگوں کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ دل کی وہ ڈوری ہے جو پشت میں ہوتی ہے جو حرام مغز ہے جب یہ ٹوٹ جائے تو قوتیں باطل ہو جاتی ہیں(2) اور وہ آدمی مر جاتا ہے موتون اسے کہتے ہیں جس کی وتین کاٹ دی جائے۔ محمد بن کعب نے کہا: اس سے مراد دل اور اس کے ساتھ والی چیزیں ہیں(3)۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد علباء اور حلقوم کے درمیان رگ ہے۔ علباء سے مراد گردن کا پٹھا ہے، وہاں دو پٹھے ہیں جن دونوں کے درمیان رگ پیدا ہوتی ہے۔ عکرمہ نے کہا: وتین کو جب کاٹا جائے تو اس کے بھوکے ہونے کا پتہ چلتا ہے اور نہ اس کے سیر ہونے کا پتہ چلتا ہے(4)۔

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ⁽⁴⁷⁾ وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ⁽⁴⁸⁾

”پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہیں ہوتا اور بیشک یہ تو نصیحت ہے پرہیزگاروں کیلئے“۔

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ⁽⁴⁷⁾ ما نافیہ ہے احد جمع کے معنی میں ہے اس وجہ سے اس کی صفت جمع سے لگائی گئی ہے یعنی تم میں سے کوئی ایسی قوم نہیں جو اس سے روکنے والی ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرۃ:285) یہاں بھی احد جمع پر دال ہے کیونکہ بین کا لفظ دو یا زیادہ افراد پر ہی داخل ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لم تحِلّ الغنائم لأحد سُودِ الرءوس قبلکم تم میں سے کسی سردار کے لئے غنیمت حلال نہیں تھی۔ یہاں بھی لفظ احد ہے اس کا معنی جمع کا ہے اور بینہ زائد ہے حجز کا معنی روکنا ہے حٰجِزِيْنَ کے بارے میں جائز ہے کہ یہ احد کی صفت ہو معنی کے اعتبار سے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے تو یہ محل جر میں ہوگا۔ خبر منکم ہوگی۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ منصوب ہو اور خبر ہو اور منکم ملغا ہو اور حٰجِزِيْنَ کے متعلق ہو اس میں خبر کے منصوب ہونے میں یہ مانع نہیں جس طرح ان فیك زیدا راغب میں فصل مانع نہیں وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ضمیر سے مراد قرآن ہے قرآن ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اس کی مثل فِيْهِ ۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ⁽²⁾ (بقرہ) ہے جس طرح ہم نے سورۂ بقرۃ کے آغاز میں بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت، رحمت اور نجات ہیں(5)۔

وَ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ⁽⁴⁹⁾ وَ اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ⁽⁵⁰⁾ وَ اِنَّهٗ لَحَقُّ

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 2، صفحہ 192	2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 447	3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 86
4۔ ایضاً	5۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 87

الْيَقِيْنِ ۞ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۞

''اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض جھٹلانے والے ہیں۔ اور یہ باعث حسرت ہوگی کفار کے لئے اور بیشک یہ یقیناً حق ہے۔ پس (اے حبیب!) آپ تسبیح کیا کریں اپنے رب کی جو عظمت والا ہے''۔

وَ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ۞ ربیع نے کہا: قرآن کو جھٹلانے والے ہیں (1)۔ وَ اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ ضمیر سے مراد تکذیب ہے، حسرت سے مراد ندامت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قیامت کے روز قرآن کافروں کے لئے حسرت ہوگا جب وہ مومنوں کا ثواب دیکھیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دنیا میں ان کے لئے حسرت ہوگی جب وہ معاوضہ پر قادر نہ ہوں گے جب انہیں چیلنج کیا گیا کہ وہ قرآن کی مثل کوئی سورت لے آئیں۔

وَ اِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ۞ قرآن عظیم اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ ہے وہ حق یقین ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امر یقینی اور حق ہے کہ یہ قیامت کے روز ان کے لئے حسرت ہوگی۔ اس تعبیر کی بنا پر حسرۃ، تحسر کے معنی میں ہوگا۔ یہ مصدر ہے جو تحسر کے معنی میں ہے اس کے لئے ضمیر کا مذکر ذکر کرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بیشک یہ تیرے اس قول کی طرح ہے لعین الیقین، محض الیقین اگر یقین صفت ہوتو اس کی طرف مضاف کرنا جائز نہ ہو جس طرح تو کہتا ہے: ھذا رجل الظریف۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے (2): لفظوں کے اختلاف کی وجہ سے اپنی ذات کی طرف مضاف کیا۔ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۞ اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کی سوء اور نقائص سے پاکی بیان کرو۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 87　2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 447

سورۃ المعارج

آیاتہا ۴۴ ۔ ۷۰ سورۃ المعارج مکیۃ ۷۹ ۔ رکوعاتہا ۲

بالاتفاق یہ سورت مکی ہے۔ اس کی چوالیس آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍۙ لِّلۡكٰفِرِیۡنَ لَیۡسَ لَهٗ دَافِعٌۙ مِّنَ اللّٰهِ ذِی الۡمَعَارِجِؕ تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ اِلَیۡهِ فِیۡ یَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَةٍۚ

"مطالبہ کیا ایک سائل نے ایسے عذاب کا جو ہو کر رہے۔ (وہ سن لے یہ تیار ہے) کفار کے لئے اسے کوئی ٹالنے والا نہیں، یہ اللہ کی طرف سے ہے جو عروج کے زینوں کا مالک ہے۔ عروج کرتے ہیں فرشتے اور جبریل اللہ کی بارگاہ میں یہ عذاب اس روز ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے"۔

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ نافع اور ابن عامر نے سَالَ سائل پڑھا ہے(1) یعنی ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے باقی قراء نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ جس نے اسے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے تو اس وقت یہ سوال سے مشتق ہوگا۔ باء کے بارے میں جائز ہے کہ یہ زائدہ ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ عن کے معنی میں ہو۔ سوال، دعا کے معنی میں ہوگا یعنی ایک دعوت دینے والے نے عذاب کو دعوت دی؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: دَعَا عَلیٰ فلانٍ بالوَیلِ دَعَا عَلَیه بِالعَذَابِ یہ جملہ بولا جاتا ہے: دعوتُ زیدًا یعنی میں نے اس کے حاضر ہونے کی التماس کی۔ مراد ہوگا ایک التماس کرنے والے نے کافروں کے لئے عذاب کی التماس کی۔ قیامت کے روز لامحالہ ان پر واقع ہوگا۔ اس تعبیر کی بنا پر با زائدہ ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تَنۡۢبُتُ بِالدُّهۡنِ (المومنون: ۲۰) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَهُزِّیۡۤ اِلَیۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ (مریم: ۲۵) یہ تاکید ہے یعنی ایک سائل نے واقع ہونے والے عذاب کے بارے میں سوال کیا۔

لِّلۡكٰفِرِیۡنَ، لام، علیٰ کے معنی میں ہے۔ سوال کرنے والا النضر بن حارث تھا(2)۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے سوالوں کا یوں ذکر کیا: اللّٰهُمَّ اِنۡ كَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ فَاَمۡطِرۡ عَلَیۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ (الانفال) اس کا سوال پورا ہوا غزوہ بدر کے موقع پر اسے اور عقبہ بن ابی معیط کو انتقام میں قتل کیا گیا اس کے علاوہ کسی کو انتقام میں قتل نہیں کیا گیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں سائل حارث بن نعمان فہری تھا اس کی

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 448 2۔ المستدرک للحاکم، جلد 2، صفحہ 502

وجہ یہ بنی کہ جب اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی شیر خدا کے بارے میں یہ فرمان پہنچا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ(1) وہ اپنی اونٹنی پر سوار ہوا وہ آیا یہاں تک کہ اس نے اپنی سواری ابطح میں بٹھائی پھر کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم تو نے ہمیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں حکم دیا کہ ہم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی وانك رسول الله کی گواہی دیں تو ہم نے وہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبول کی، ہم پانچ نمازیں پڑھیں تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ بات قبول کی، ہم اپنے اموال کی زکوٰۃ دیں تو ہم نے وہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبول کی ہر سال ہم رمضان شریف کے روزے رکھیں تو ہم نے وہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبول کی، ہم حج کریں تو ہم نے وہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبول کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر بھی راضی نہ ہوئے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچازاد کو ہم پر فضیلت دی۔ کیا یہ ایسی بات ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے کی ہے یا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے" حارث مڑا وہ کہہ رہا تھا: اے اللہ! اگر وہ حق ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور دردناک عذاب لے آ۔ اللہ کی قسم! وہ اپنی اونٹنی تک نہیں پہنچا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک پتھر مارا جو اس کے دماغ کو لگا تو وہ اس کی دبر سے نکل گیا تو اسے قتل کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی سَاَلَ سَآىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ (☆) ایک قول یہ کیا گیا ہے: قریش کے کفار کی جماعت کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام ہیں جنہوں نے کافروں کے خلاف عذاب کا سوال کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب کا مطالبہ کیا اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ اسے کفار پر واقع کرے وہ لامحالہ ان پر واقع ہوگا۔ کلام اس ارشاد تک فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۝ تک ممتد ہے۔ یعنی جلدی نہ کیجئے عذاب بالکل قریب ہے جب باء، عن کے معنی میں ہو؛ یہ قتادہ کا قول ہے تو سائل یہ سوال کرتا ہے کہ عذاب کس کو واقع ہوگا یا کب واقع ہو گا؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝ (الفرقان) اس آیت میں بھی باء، عن کے معنی میں ہے۔ علقمہ نے کہا:

فإن تسألوني بالنساء فإنني بصير بأدواء النساء طبيب (2)

اگر تم مجھ سے عورتوں کے بارے میں پوچھو تو عورتوں کی بیماریوں کو جاننے والا طبیب ہوں۔

یہاں بھی بالنساء، عن النساء کے معنی میں ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: خرجنا نسأل عن فلان و بفلان یعنی باء اور عن دونوں صلے استعمال ہوتے ہیں۔ معنی ہوگا انہوں نے سوال کیا کس پر عذاب واقع ہوگا اور کس کے لئے واقع ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِّلْكٰفِرِيْنَ کافروں پر یا کافروں کے لئے۔ ابو علی اور دوسرے علماء نے کہا: جب یہ سوال سے مشتق ہو تو اس کی اصل یہ ہے کہ یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوگا، ایک مفعول پر اقتصار کرنا جائز ہے۔ جب ان دونوں میں سے ایک مفعول پر اقتصار ہو تو جائز ہوگا کہ حرف جار کے ساتھ اس کی طرف متعدی ہو تو تقدیر کلام یہ ہوگی: سائل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا

1۔ جامع ترمذی، کتاب المناقب، فی مناقب علی بن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 213 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 364

☆ علامہ آلوسی فرماتے ہیں آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ فرمان غدیر خم میں واقع ہوا جو مدنی دور کے آخری سالوں میں ہوا جب کہ سورت مکی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسلمانوں سے واقع ہونے والے عذاب کے بارے میں سوال کیا۔ جس نے اسے ہمزہ کے بغیر پڑھا ہے تو اس کے نزدیک دو توجیہیں ہوں گی (1) یہ سوال کی لغت ہے، یہ قریش کی لغت ہے عرب کہتے ہی سال، یسال۔ جس طرح نال، ینال۔ خاف، یخاف ہے دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ سیلان سے مشتق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرات اس کی تائید کرتی ہے سال، سل۔ عبدالرحمٰن بن زید نے کہا: سال واد من أودية جهنم جسے سائل کہتے ہیں؛ یہ حضرت زید بن ثابت کا قول ہے۔ ثعلبی نے کہا: پہلا قول زیادہ اچھا ہے جس طرح اعشیٰ ہمزہ کی تخفیف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سالتانی الطلاق إذ رأتانی   قلّ مالی قد جئتمانی بنُكْرِ

ان دونوں نے مجھ سے طلاق کا سوال کیا جب ان دونوں نے مجھے دیکھا کہ میرا مال کم ہو گیا ہے تحقیق تم دونوں میرے پاس عجیب وغریب بات لائے ہو۔

صحاح میں ہے اخفش نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے خرجنا نسأل عن فلان و بفلان بعض اوقات اس کے ہمزہ میں تخفیف کر دی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے: سال یسال۔ کہا:

و مُرْهِقٍ سال إمتاعا بأصْدَته

محل استدلال سال ہے مرہق اسے کہتے ہیں جس کو قتل کرنے کے لئے پکڑ لیا گیا ہو۔ اُصد ضمہ کے ساتھ ہے ایسی چھوٹی قمیص جسے کپڑے کے نیچے پہنا جاتا ہے۔ مہدوی نے کہا: جس نے سال پڑھا ہے اس کے لئے جائز ہے کہ وہ ہمزہ میں تخفیف کرے کہ اسے الف سے بدل دے یہ خلاف قیاس بدل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ الف واؤ سے بدلا ہوا ہو؛ یہ اس کی لغت کے مطابق ہے جو یہ کہے: سلت اسال، جس طرح خفت، أخاف ہے۔ نحاس نے کہا: سیبویہ نے سلت أسال حکایت کیا ہے جس طرح خفت أخاف ہے یہ سالت کے معنی میں ہے یہ شعر پڑھا:

سالَتْ هُذَيْلٌ رسولَ الله فاحشةً   ضَلَّتْ هذيلٌ بما سالتْ و لم تُصِبِ (1)

ہذیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فحش سوال کیا ہذیل سوال کے باعث گمراہ ہو گیا اس نے صحیح راہ نہ پائی۔

یہ کہا جاتا ہے: یہ دونوں برابر ہیں۔ مہدوی نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ یاء سے بدلا ہوا ہو یہ سال، یسیل سے مشتق ہے تو سایل جہنم میں ایک وادی ہوئی۔ پہلے قول کے مطابق سائل کا ہمزہ اصلی ہوگا اور دوسرے قول کے مطابق واؤ کا بدل ہو گا اور تیسرے قول کے مطابق یاء کا بدل ہوگا۔ قشیری نے کہا: سائل مہموز ہے کیونکہ جب یہ ہمزہ کے ساتھ ہو تو یہ مہموز ہوگا اگر ہمزہ کے ساتھ نہ ہو تو بھی مہموز ہی ہوگا جس طرح قائل اور خائف ہے کیونکہ جب فعل کے عین کلمہ میں اعلال کا قاعدہ جاری ہو تو اسم فاعل میں بھی اعلال کا قاعدہ جاری ہوتا ہے التباس کے خوف سے حذف کے ساتھ اعلال جاری نہیں ہوگا تو اسے ہمزہ کے ساتھ بدل دیا جائے گا تیرے لئے یہ جائز ہے کہ تو ہمزہ میں تخفیف کرے یہاں تک کہ وہ بین بین ہو جائے۔

وَّاقِعٍ وہ عذاب کفار پر واقع ہوگا۔ یہ امر واضح کیا کہ یہ عذاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوگا جو معارج والا ہے۔ حضرت

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 364

حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ پوچھا: کس کے لیے؟ فرمایا: کافروں کے لیے (1)۔ کافرین میں جو لام ہے یہ وَّاقِعٍ کے متعلق ہے۔ فراء نے کہا: تقدیر کلام یوں ہے بعذاب للکافرین واقع اس اعتبار سے واقع، عذاب کی صفت ہوگی۔ لام عذاب کے لیے داخل ہوا واقع کے لیے داخل نہیں ہوا؛ یعنی یہ عذاب آخرت میں کافروں کے لیے ہے۔ کوئی بھی ان سے اس عذاب کو دور نہیں کر سکے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لام، علی کے معنی میں ہے۔ معنی ہے کافروں پر واقع ہوگا۔ روایت بیان کی گئی ہے حضرت اُبی کی قرأت میں یہ اسی طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عن کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کافروں سے اس عذاب کو دور کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ یعنی یہ عذاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے جو معارج والا ہے۔ جو علو، فاضل درجات والا اور نعمتوں والا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا قول ہے۔ معارج سے مراد مخلوق کے اوپر اس کے انعام کے مراتب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عظمت و علا والا ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد آسمان کے معارج ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ملائکہ کے معارج ہیں کیونکہ ملائکہ آسمان کی طرف بلند ہوتے ہیں تو اپنی صفت اس سے بیان کی (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معارج سے مراد بالا خانے ہیں یعنی وہ بالا خانوں کا مالک ہے یعنی اس نے اپنے اولیاء کے لیے جنت میں بالا خانے بنائے ہیں۔ عبد اللہ نے ذی المعاریج پڑھا ہے۔ یوں کہا جاتا ہے: مَعْرَج، مِعرَاجٌ، معارج اور معاریج۔ جس طرح مفتاح اور مفاتیح ہے۔ معارج سے مراد درجات ہیں اس سے مَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۝ (زخرف) ہے۔ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ وہ معارج میں بلند ہوتے ہیں (3) جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بنائے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ان کے اصحاب، سلمی اور کسائی نے یعرج قرأت کی ہے ارادہ جمع کا کیا ہے کیونکہ ان کا قول ہے ملائکہ کو مذکر ذکر کرو، انہیں مونث نہ گردانو۔ باقی قراء نے جماعت کا ارادہ کرتے ہوئے تاء کے ساتھ قرأت کی ہے۔ الروح سے مراد حضرت جبرائیل امین ہے (4)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ (الشعراء) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایک فرشتہ ہے جو بہت ہی عظیم مخلوق ہے۔ ابو صالح نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، لوگوں کی شکل و صورت پر ہے مگر وہ انسان نہیں۔ قبیصہ بن ذویب نے کہا: یہ میت کی روح ہے جب اسے قبض کیا جائے۔

اِلَيْهِ اس مکان کی طرف جو ان کا محل ہے، وہ آسمان میں ہے کیونکہ وہ اس کی نیکی اور کرامت کا محل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کی طرح ہے اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ (الصافات: 99) یعنی اس جگہ کی طرف جانے والا ہوں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِلَيْهِ کی ضمیر سے مراد اس کا عرش ہے۔

فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝ وہب، کلبی اور محمد بن اسحاق نے کہا: ملائکہ کا عروج اس مکان کی طرف ہوگا جو ان کا محل ہے۔ اتنے وقت میں ہوگا کہ اگر کوئی اور اوپر چڑھے تو اس کو ایک ہزار سال کا عرصہ لگتا۔ وہب نے یہ بھی کہا: زمین کے پست ترین حصہ سے عرش تک پچاس ہزار سال کی مسافت ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ اس آیت اور سورۂ سجدہ کی آیت

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 449 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 90 4۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 449

فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ (السجدہ:5) میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اس آیت میں زمین کی پست ترین جگہ سے اس کے امر کی انتہا اور آسمانوں سے اوپر اس کے امر کی انتہا میں پچاس ہزار سال کا عرصہ حائل ہے اور الٓمّٓ ۚ تَنْزِيْلُ میں فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ میں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے امر کا نزول آسمان دنیا سے زمین تک اور زمین سے آسمان تک ایک دن میں ہوتا ہے۔ وہ مقدار ایک ہزار سال ہے کیونکہ زمین اور آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔

مجاہد، حکم اور عکرمہ سے مروی ہے: یہ دنیا کی عمر کی مدت ہے جب سے اسے پیدا کیا گیا ہے اس وقت سے لے کر جب تک یہ باقی رہے گی وہ پچاس ہزار سال ہیں (1)۔ کوئی نہیں جانتا کہ کتنا عرصہ گزر چکا ہے اور کتنا باقی ہے، صرف اللہ تعالیٰ کی ذات جانتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد یوم قیامت ہے یعنی جس میں وہ فیصلہ فرمائے گا۔ اگر مخلوق اس کی ذمہ دار ہوتی تو پچاس ہزار سال لگ جاتے؛ یہ قول عکرمہ، کلبی اور محمد بن کعب نے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں اسی ساعت فارغ ہو جاتا ہوں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد یوم قیامت ہے لیکن یوم قیامت ختم نہ ہوگا (2)۔ مراد حساب کے لیے ان کا کھڑا ہونا ہے۔ وہ دن دنیا کے پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ پھر جنتی اور جہنمی اپنے اپنے ٹھکانوں میں قرار پا جائیں گے۔ یمان نے کہا: اس سے مراد یوم قیامت ہے (3)۔ اس میں پچاس موطن ہیں۔ ہر موطن ہزار سال کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد یوم قیامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں پر اسے پچاس ہزار سال کے برابر کر دیا ہے، پھر انہیں ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: اس آیت کی تعبیر میں جو اقوال کیے گئے ہیں ان میں سے سب سے اچھا قول ہے، اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے قاسم بن اصبغ نے حضرت ابو سعید خدری سے بیان کیا ہے (4)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے''۔ میں نے پوچھا: یہ کتنا لمبا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! وہ دن مومن پر خفیف ہوگا یہاں تک کہ دنیا میں جتنے وقت میں وہ فرض نماز پڑھا کرتا تھا اس سے زیادہ خفیف ہوگا''۔ نحاس نے اس قول کی صحت پر اس روایت سے استدلال کیا ہے جسے سہیل نے اپنے باپ سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں: ''ہر وہ شخص جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دی اللہ تعالیٰ اسے جہنم کا سانپ بنا دے گا جس کے ساتھ اس کی پیشانی، اس کی پشت اور پہلوؤں کو داغا جائے گا۔ ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے سے فارغ ہو جائے گا'' (5)۔ کہا: یہ اس امر پر دال ہے کہ مراد یوم قیامت ہے۔ ابراہیم تیمی نے کہا: مومن کے اوپر یہ دن اتنا ہی طویل ہوگا جس قدر ظہر اور عصر کا فاصلہ ہے۔ یہی معنی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ تمہارا محاسبہ اتنے وقت میں کرے گا جتنا وقت دو نمازوں کے درمیان ہوتا ہے'' (6)۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنا نام سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 90 — 2۔ ایضاً — 3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 450

4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 91 — 5۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 365 — 6۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 91

(البقرہ) اور اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾ (الانعام) رکھا ہے؛ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ فراغت نصف دن میں ہوگی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾ (الفرقان) یہ مخلوقات کے فہم کے حساب سے ہے ورنہ کوئی کام اللہ تعالیٰ کو کسی کام سے غافل نہیں کرتا جس طرح وہ ایک ساعت میں رزق عطا فرماتا ہے اسی طرح ایک ساعت میں حساب بھی کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (نعمان:28)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان سے اس آیت کے بارے میں اور فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ (السجدہ) کے بارے میں پوچھا گیا۔ فرمایا: یہ ایسے دن ہیں اللہ تعالیٰ نے جن کا نام رکھا ہے وہ ان کے بارے میں خوب جانتا ہے کہ وہ کیا ہیں؟ میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ میں کوئی ایسی بات کروں جن کے بارے میں آگاہ نہ ہوں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ کے الفاظ بطور تمثیل کے ہیں۔ یہ میدان محشر میں مدت کے لمبا ہونے کی پہچان کرائی گئی ہے جو انسان وہاں مشکلات پائے گا۔ عرب شدت کے ایام کی صفت طول سے بیان کرتے اور خوشی کے دنوں کی صفت قصر سے بیان کرتے۔ شاعر نے کہا:

ويومٍ كظلِّ الرُّمح قصَّرَ طولَه دمُ الزِّق عنّا واصطفاق المزاهر

کتنے ہی دن ہیں جو نیزے کے سایہ کی طرح ہیں شراب اور بربط کے تاروں کے ملنے نے ہم پر اسکی طوالت کو مختصر کر دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے معنی ہے سائل نے ایسے عذاب کا سوال کیا جو کافروں پر واقع ہونے والا تھا، اس کو روکنے والا کوئی نہیں (1)، وہ ایسے دن میں ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ ملائکہ اور روح اس کی طرف عروج کرتے ہیں؛ یہی وہ قول ہے جس کو ہم نے اختیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی توفیق دینے والی ہے۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ﴿۶﴾ وَّ نَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴿۷﴾

''ایسا صبر کیجئے جو بہت خوبصورت ہو۔ کفار کو تو یہ بہت دور نظر آتا ہے (لیکن) ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں''۔

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۵﴾ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم جو آپ کو اذیتیں دے رہی ہے اس پر صبر کیجئے۔ صبر جمیل سے مراد یہ ہے ایسا صبر جس میں جزع نہ ہو اور نہ ہی غیر اللہ کے ہاں شکوہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قوم میں مصیبت والا ہو مگر یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کون ہے۔ معنی قریب قریب ہے۔ ابن زید نے کہا: یہ آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے۔

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ﴿۶﴾ مراد اہل مکہ ہیں۔ وہ جہنم کے عذاب کو بعید خیال کرتے ہیں یعنی وہ ہوگا ہی نہیں۔ وَّ نَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴿۷﴾ کیونکہ جو عذاب واقع ہونے والا ہوتا ہے وہ قریب ہی ہوتا ہے (2)۔ اعمش نے کہا: وہ بعث کو بعید خیال کرتے ہیں کیونکہ وہ اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ گویا وہ اسے محال ہونے کے اعتبار سے بعید خیال کرتے ہیں جس طرح تو اس آدمی کو کہتا ہے جس سے بحث کرتا ہے: هذا بعيدٌ لا يكون۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس دن کو بعید خیال کرتے ہیں اور ہم اسے قریب جانتے ہیں کیونکہ

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 450 2۔ ایضاً

رویۃ، موجود کے متعلق ہے۔ یہ تیرے اس قول کی طرح ہے: الشافعی یری فی ھذہ المسئلۃ کذا و کذا۔

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۙ وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۙ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝

''اس روز آسمان پگھلی ہوئی دھات کی مانند ہوگا اور پہاڑ رنگ برنگی اون کی طرح ہو جائیں گے اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کا حال نہ پوچھے گا''۔

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۝ یوم میں عامل واقع ہے۔ تقدیر کلام یہ ہو گی یقع بھم العذاب یوم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا عامل نَرٰىهُ یا یُبَصَّرُوْنَهُمْ ہے یا قریب سے بدل ہوگا۔ مھل سے مراد تیل کی تلچھٹ ہے(1)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسروں کا قول ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: سیسہ، تانبا یا چاندی میں سے جسے پگھلایا گیا ہو(2)۔ مجاہد نے کہا: كَالْمُهْلِ سے مراد خالص پیپ ہے جو خون اور کچلہو سے ملی پیپ سے بنی ہو۔ سورۂ دخان اور سورۂ کہف میں اس بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔

وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝ پہاڑ ہو جائیں گے رنگی ہوئی اون کی طرح۔ اون کو عھن اس وقت کہتے ہیں جب وہ رنگی ہوئی ہو۔ حضرت حسن بصری نے کہا: پہاڑ سرخ اون کی طرح ہو جائیں گے۔ یہ اونوں میں سے کمزور ترین اون ہوتی ہے۔ اسی معنی میں زہیر کا قول ہے:

کأن فُتات العھن فی کل منزل

فتات کا معنی ٹکڑے۔ العھن سے مراد سرخ اون۔ اس کی واحد عھنہ ہے، گویا سرخ اون کے ٹکڑے ہر جگہ ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا: العھن سے مراد رنگ دار اون ہے۔ پہاڑوں کو اس سے تشبیہ دی جا رہی ہے کیونکہ پہاڑوں کے مختلف رنگ ہوتے ہیں معنی ہے پہاڑ سختی کے بعد نرم ہو جائیں گے اور اجتماع کے بعد بکھر جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سب سے پہلے پہاڑ جمع شدہ ریت کی طرح ہو جائیں گے، پھر دھنی ہوئی رنگدار اون کی طرح ہو جائیں گے، پھر بکھرے ہوئے ذرات کی طرح ہو جائیں گے۔

وَ لَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝ کوئی جگری دوست اپنے دوست سے حال نہیں پوچھے گا کیونکہ ہر ایک انسان اپنے ذاتی مسائل میں ہی مصروف ہوگا، یہ قتادہ کا قول ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِكُلِّ امْرِیٍٴ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ۝ (عبس) ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام یوں ہے لَا یَسْئَالُ حَمِیْمٌ عن حمیم حرف جار کو حذف کر دیا گیا اور فعل کو مفعول کے ساتھ ملا دیا گیا۔ عام قرأت یسئال یاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ شیبہ اور بزی نے عاصم سے ولا یُسْئَال قرأت نقل کی ہے کہ یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی کسی دوست سے اس کے دوست کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا اور کسی قریبی رشتہ دار سے اس کے قریبی رشتہ دار کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا بلکہ ہر ایک انسان سے اس کے اپنے عمل کے بارے میں پوچھا جائے گا؛ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ ۝ (المدثر)

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 92　2۔ ایضاً

يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ بِبَنِيْهِ ۝۱۱ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝۱۲ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۝۱۳ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝۱۴

''دکھائی دیں گے ایک دوسرے کو، مجرم تمنا کرے گا کہ کاش بطور فدیہ دے سکتا آج کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں کو، اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو اپنے خاندان کو جو (ہر مشکل میں) اسے پناہ دیتا تھا اور (بس چلے تو) جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو، پھر یہ فدیہ اس کو بچالے''۔

يُّبَصَّرُوْنَهُمْ وہ انہیں دکھائی دیں گے قیامت میں کوئی مخلوق نہیں ہوگی مگر وہ اپنے ساتھی کے سامنے ہوگی (1)، وہ جن ہو یا انسان ہو۔ انسان اپنے باپ، اپنے بھائی، اپنے قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلہ کو دیکھے گا۔ وہ اس کا حال نہیں پوچھے گا اور نہ اس سے بات کرے گا کیونکہ وہ اپنی ہی پریشانیوں میں مگن ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ایک گھڑی کے لیے ایک دوسرے سے متعارف ہوں گے (2)۔ وہ اس گھڑی کے بعد ایک دوسرے سے متعارف نہیں ہوں گے۔ بعض روایات میں ہے: لوگ اپنی جان پہچان والے لوگوں سے بھاگیں گے کیونکہ انہیں خوف ہوگا کہ جو زیادتیاں انہوں نے کی ہیں ان کے بارے میں ان سے مطالبہ ہوگا۔ اس تعبیر کی بنا پر يُّبَصَّرُوْنَهُمْ کی ضمیر کفار کے لیے ہوگی اور ھم ضمیر اقرباء کے لیے ہوگی۔ مجاہد نے کہا: معنی ہے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مومنوں کو کفار دکھائے گا۔ اس اعتبار سے واؤ ضمیر مومنین کے لیے اور ھم ضمیر کفار کے لیے ہوگی۔ ابن زید نے کہا: وہ کفار کو جہنم میں دکھائے گا جنہوں نے انہیں دنیا میں گمراہ کیا تھا۔ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ واؤ ضمیر پیروکاروں کے لیے اور ھم ضمیر قائدین کے لیے ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ مظلوم کو ظالم اور مقتول کو قاتل دکھائے گا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يُّبَصَّرُوْنَهُمْ کی ضمیر ملائکہ کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی فرشتے ان کے اقوال پہچانیں گے اور ہر فریق کو اس طرف ہانک کر لے جائیں گے جو ان کے مناسب ہے۔ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ پر کلام مکمل ہوئی، پھر فرمایا: يَوَدُّ الْمُجْرِمُ یعنی کافر تمنا کرے گا (4) لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۭ جہنم کے عذاب سے بچنے کے لیے وہ چیز فدیہ کر دے جو دنیا میں اس کے لیے سب سے عزیز تھی (5)، خواہ وہ اس کے قریبی رشتہ دار ہوں تو وہ اس پر قادر نہیں ہوگا، پھر ان کا ذکر کیا اور فرمایا: بِبَنِيْهِ ۝۱۱ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝۱۲ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۝۱۳ صَاحِبَتِهٖ سے مراد اس کی بیوی ہے۔ فَصِيْلَتِهِ سے مراد اس کا قبیلہ ہے جو اس کی مدد کرتا تھا؛ یہ مجاہد اور ابن زید کا قول ہے۔ امام مالک نے کہا: اس سے مراد اس کی ماں ہے جو اس کو پالتی تھی؛ ماوردی نے اسے بیان کیا ہے (6)؛ اشہب نے اسے اس سے روایت کیا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: فصیلہ، قبیلہ سے چھوٹا ہوتا ہے (7)۔ ثعلب نے کہا: وہ اس کے قریبی آباء واجداد ہیں۔ مبرد نے کہا: فصیلہ سے مراد جسم کے اعضاء کا ایک ٹکڑا ہے۔ یہ قبیلہ سے چھوٹا ہوتا ہے۔ انسان کی نسل کو فصیلہ کہتے ہیں۔ اسے اپنے بعض کے ساتھ تشبیہ دی۔ قبیلہ اور اس کے غیر میں گفتگو سورۂ حجرات میں گزر چکی ہے۔ یہاں ایک مسئلہ ہے: جب اس نے اپنا مال فصیلہ پر وقف کیا یا فصیلہ کے لیے وصیت کی

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 450　　2۔ ایضاً　　3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 92
4۔ ایضاً　　5۔ ایضاً　　6۔ ایضاً　　7۔ ایضاً

جس نے عموم کا دعویٰ کیا اس نے اس لفظ کو عشیرہ پر معمول کیا جس نے اسے خصوص پر محمول کیا(1)۔ اس نے اسے آباء پر محمول کیا، قریبی پھر قریبی۔ پہلی تعبیر نطق میں اکثر مراد لی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ تُـْٔوِيۡهِ کا معنی ہے وہ اس سے ملاتا ہے اور اگر خوف ہو تو اسے امن دیتا ہے۔

وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وہ پسند کرتا ہے کہ اگر ان کو بطور فدیہ دینے سے نجات ملے تو وہ فدیہ کے طور پر دے دے ثُمَّ يُنْجِيْهِ۝ پھر وہ فدیہ اسے خلاصی دے۔ یہاں اضمار ضروری ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ (الانعام: 121) اصل میں إنّ أكله لفسق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: يَوَدُّ الْمُجْرِمُ فاء کے ساتھ جواب کا تقاضا کرتا ہے جس طرح اس ارشاد میں ہے: وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ۝ (القلم) اس میں فَيُدْهنون کا جواب ہے۔ اس آیت میں جواب ثُمَّ يُنْجِيْهِ۝ ہے کیونکہ یہ حروف عطف میں سے ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی یودّ المجرم لو یفتدی فینجیہ الافتداء ہے۔

كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۝ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ۝

''لیکن ہرگز ایسا نہ ہوگا، بے شک آگ بھڑک رہی ہوگی۔ نوچ لے گی گوشت پوست کو، وہ بلائے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیری اور منہ موڑا تھا''۔

كَلَّا، کلا کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ یہ حقا کے معنی میں ہوتا ہے اور لا کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔ یہاں یہ دونوں امور کا احتمال رکھتا ہے۔ جب یہ حقا کے معنی میں ہو تو کلام يُنْجِيْهِ پر مکمل ہوگی اور جب یہ لا کے معنی میں ہو تو کلام اسی پر مکمل ہوگی، یعنی فدیہ دینا اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات نہیں دے گا، پھر فرمایا: اِنَّهَا لَظٰى ۝ یعنی یہ جہنم ہے جس کی آگ بھڑک رہی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۝ (اللیل) لَظٰى یہ تلظی سے مشتق ہے اور إلتظاء النار سے مراد آگ کا بھڑکنا ہے اور تلظیها سے مراد بھی اس کا بھڑکنا ہے۔ اس کی اصل لظّظ ہے یعنی عذاب کے دائمی ہونے کی وجہ سے وہ دائمی ہوگی اس کی ایک ظاء کو یاء سے بدل دیا تو لَظٰى باقی رہ گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جہنم کے طبقات میں سے یہ دوسرا گڑھا ہے۔ یہ اسم مونث معرفہ ہے، اس لیے یہ غیر منصرف ہوگا۔

نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝ ابوجعفر، شیبہ، نافع اور عاصم نے ابوبکر کی روایت میں اعمش، ابوعمرو، حمزہ اور کسائی نے نَزَّاعَةٌ کو مرفوع پڑھا ہے۔ ابوعمرو نے عاصم سے نَزَّاعَةً کو منصوب نقل کیا ہے جس نے اس لفظ کو رفع دیا ہے اس کے نزدیک اس کی پانچ وجوہ ہو سکتی ہیں۔ (۱) لَظٰى کو ان کی خبر بنایا جائے اور نَزَّاعَةٌ سے پہلے ھی ضمیر مبتدا محذوف ہو۔ اس صورت میں لَظٰى پر وقف مستحسن ہوگا۔ (۲) لَظٰى اور نَزَّاعَةٌ دونوں ان کی خبریں ہوں جس طرح تو کہتا ہے: انه خلق مخاصم (۳) نَزَّاعَةٌ، لَظٰى کا بدل ہو اور لَظٰى ان کی خبر ہو۔ (۴) لَظٰى، ان کے اسم سے بدل ہو اور نَزَّاعَةٌ، ان کی خبر ہو۔ (۵) انها کی ضمیر ضمیر قصہ ہو لَظٰى مبتدا ہو اور نَزَّاعَةٌ مبتدا کی خبر ہو اور جملہ ان کی خبر ہو۔ تقدیر کلام یہ ہوگی إنّ القصه والخبر لظی، نزاعة للشوی۔ جس نے نَزَّاعَةً کو نصب دی اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ لظی پر وقف کرے اور نَزَّاعَةً کو لظی سے الگ کر کے نصب دے

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1858

کیونکہ یہ نکرہ ہے جو معرفہ کے ساتھ متصل ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ حال موکدہ ہونے کی بنا پر منصوب ہو جس طرح فرمایا: وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا (البقرہ: 91) یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس معنی کی بنا منصوب ہو انها تَتَلَظّٰى نَزَّاعَةً یعنی اس حال میں کہ وہ چمڑے کو ادھیڑنے والی ہے۔ اس میں عامل وہ معنی ہے جس پر کلام دلالت کرتی ہے، وہ تلظی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حال ہو اس بنا پر کہ یہ مکذبین کی حالت بیان کر رہا ہو جبکہ ان کے حال کی خبر دی گئی۔ یہ بھی جائز ہے کہ ماقبل سے قطع کرنے کے ساتھ اسے نصب دی گئی ہو جس طرح تو کہتا ہے: مررت بزید العاقل الفاضل نصب کی بھی یہ پانچ صورتیں ہیں۔ شوی یہ شواۃ کی جمع ہے۔ اس سے مراد سر کی جلد ہے۔ اعشیٰ نے کہا:

قالت　قُتَيْلَةُ　مالَهُ　قد　جُلِّلَتْ　شَيْبًا　شَوَاتُهُ(1)

قتیلہ نے کہا: اسے کیا ہو گیا ہے اس کے سر کی چمڑی سفید بالوں کی وجہ سے معزز ہو گئی ہے۔

صحاح میں ہے: شوی یہ شواۃ کی جمع ہے جس کا معنی سر کی چمڑی ہے(2)۔ شوی سے مراد انسانوں کے دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں اور سر ہیں اور ہر وہ عضو جس پر زخم لگنے سے قتل واقع نہ ہو۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: رماہ فاشواہ اس نے اسے تیر مارا اور ایسی جگہ نہ لگا جو اس کو قتل کر دیتا۔ ہذلی نے کہا:

فإنّ من القول التی لا شَوٰی لها

بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو خطا نہیں جاتیں بلکہ ٹارگٹ پر جا لگتی ہیں اور قتل کر کے رکھ دیتی ہیں۔ اعشیٰ نے کہا:

قالت　قُتَيْلَةُ　مالَهُ　قد　جُلِّلَتْ　شَيْبًا　شَوَاتُهُ(3)

ابوعبید نے کہا: ابوخطاب اخفش نے ابوعمرو بن علاء کے سامنے یہ شعر پڑھا تو ابوعمر نے اسے کہا: تو نے اس میں تصحیف کی ہے۔ یہ شواتہ کی جگہ سراتہ ہے۔ ابوخطاب خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے ہمیں کہا: بلکہ اس نے اس میں تصحیف کی ہے۔ بے شک اصل میں شواتہ ہی ہے۔ شوی الفرس سے مراد اس کے پاؤں ہیں کیونکہ یہ کہا جاتا ہے: عَبْلُ الشوی مضبوط پاؤں والا۔ یہ لفظ سر کے لیے نہیں بولا جاتا کیونکہ انہوں نے گھوڑے کی صفت یوں بیان کی: اسالة الخدین وعِتْقِ الوجه اس سے مراد اس کی رقت ہے۔ شوی سے مراد ادنیٰ درجے کا مال ہے۔ شوی سے مراد ایسی شی ہے جو کم درجہ کی اور تھوڑی ہو۔ ثابت بنانی اور حضرت حسن بصری نے کہا نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰی سے مراد ہے چہرے کی عزت والی جگہوں کو بھون دینے والی(4)۔ ابوالعالیہ نے کہا: شوی سے مراد چہرے کے محاسن ہیں۔ قتادہ نے کہا: خلقت کے مکارم اور اس کی اطراف ہیں۔ ضحاک نے کہا: وہ گوشت اور جلد کو ہڈیوں سے الگ کر دے گی یہاں تک ان میں سے کوئی چیز نہ چھوڑے گی۔ کسائی نے کہا: اس سے مراد جوڑ ہیں۔ ایک امام نے کہا: اس سے مراد چاروں پائے اور چمڑا ہے۔

ابوصالح نے کہا: ہاتھوں اور پاؤں کے اطراف(5)۔ شاعر نے کہا:

إذا نظرتْ عرفت الفخر منها　وعينيها ولم تعرف شَواها

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 93　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 83　5۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 93

جب تو دیکھے گا تو اس سے اور اس کی آنکھوں سے فخر پہچان لے گا اور تو اس کی اطراف کو نہیں پہچانے گا۔

حضرت حسن بصری نے کہا: شوی کا معنی کھوپڑی ہے (1)۔

تَدۡعُوۡا مَنۡ اَدۡبَرَ وَتَوَلّٰی ۝ دنیا میں جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کی طاعت سے روگردانی کی اور ایمان سے پھر لظی اسے اپنی طرف کھینچے گی۔ اس کا بلانا یوں ہوگا: اے مشرک! میری طرف آ۔ اے کافر! میری طرف آ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ فصیح زبان سے کافروں اور منافقوں کو بلائے گی۔ اے کافر! میرے طرف آ۔ اے منافق میری طرف آ۔ پھر وہ انہیں یوں اچک لے گی جس طرح پرندہ دانے کو اچک لیتا ہے۔ ثعلب نے کہا: تدعو کا معنی ہلاک کرنا ہے۔ عرب کہتے ہیں: دعاك الله اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کردے۔ خلیل نے کہا: یہ تعالوا کی طرح دعوت نہیں ہوگی بلکہ اس کی انہیں دعوت یہ ہوگی کہ وہ ان کو عذاب دینے پر قادر ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: داعی، جہنم کے داروغے ہوں گے۔ ان کی دعوت کو جہنم کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضرب المثل ہے یعنی جس نے پیٹھ پھیری اور اس سے روگردانی کی اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا، گویا جہنم ان کو بلانے والی ہے (2)؛ اسی کی مثل شاعر کا قول ہے:

ولقد هبطنا الوادِيَيْن فواديًا يدعو الأنيس به العضيض الأبكمُ

ہم دو وادیوں میں اترے ان میں سے ایک وادی ایسی تھی کہ مکھی اس سے انس رکھنے والے کو دعوت دے رہی تھی۔

العضيض الأبكم سے مراد مکھی ہے، وہ دعوت نہیں دیتی اس کے پروں کی بھنبھناہٹ نے اس پر آگاہ کیا اور اس کی طرف دعوت دی۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول حقیقت پر مبنی ہے جس کی وضاحت آیات قرآنیہ اور اخبار صحیحہ سے گزر چکی ہے۔ قشیری نے کہا: لظی کی دعوت اس طرح ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس میں زندگی پیدا کردے گا جب وہ دعوت دے گی قیامت کے روز خارق للعادۃ امور کا وقوع بہت زیادہ ہے۔

وَجَمَعَ فَاَوۡعٰی ۝ مال کو جمع کیا اور اسے برتن میں محفوظ کیا اور اللہ تعالیٰ کے حق کو روک لیا پس وہ جمع کرنے والے بھی ہیں اور منع کرنے والے بھی ہیں۔ حکم نے کہا: عبداللہ بن حکیم اپنے تھیلے کا منہ نہ باندھتے تھے وہ کہتے میں نے اللہ تعالیٰ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا وَجَمَعَ فَاَوۡعٰی۔

اِنَّ الۡاِنۡسَانَ خُلِقَ هَلُوۡعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوۡعًا ۝ وَّاِذَا مَسَّهُ الۡخَيۡرُ مَنُوۡعًا ۝

''بیشک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے، جب اسے تکلیف پہنچے تو سخت گھبرا جانے والا اور جب اسے دولت ملے تو حد درجہ بخیل''۔

اِنَّ الۡاِنۡسَانَ خُلِقَ هَلُوۡعًا ۝ یہاں انسان سے مراد کافر ہے (3)؛ یہ ضحاک سے مروی ہے۔ لغت میں هلع سے مراد شدید حرص، بری طرح جزع فزع اور فحش ترین اسلوب (4)، اسی طرح قتادہ، مجاہد اور دوسرے علماء کا قول ہے اس کا باب یوں

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 195 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 93 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

چلتا ہے هَدَعَ یَهْدَعُ فهو هَلِعٌ و هَلُوعٌ۔ یہ کثرت کے معنی پر دال ہے اس کا معنی ہے وہ خیر و شر پر صبر نہیں کرتا یہاں تک دونوں صورتوں میں ایسا کام کرتا ہے جو مناسب نہیں ہوتا۔ عکرمہ نے کہا: اس سے مراد اندرونی تنگی اور غم ہے (1)۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جو سیر نہ ہوتا ہو۔ منوع سے مراد وہ شخص ہے جو مال پائے تو اللہ تعالیٰ کا حق روک لے۔ ابن کیسان نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا وہ اس چیز کو پسند کرتا ہو جو اسے خوش اور راضی کرے اور اس سے دور بھاگتا ہے جو اسے ناپسند ہو اور اس کو ناراض کرے (2)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پابند کیا کہ جس چیز کو وہ پسند کرتا ہے اس کو خرچ کرے اور جس کو ناپسند کرتا ہے اس پر صبر کرے۔ ابو عبید نے کہا: ہلوع وہ شخص ہوتا ہے جب اسے خیر پہنچتی ہے تو وہ شکر بجا نہیں لاتا اور جب تکلیف پہنچتی ہے تو صبر نہیں کرتا؛ یہ ثعلب کا قول ہے۔ ثعلب نے یہ بھی کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے ہلوع کی تفسیر بیان کی ہے وہ وہ شخص ہے جب اسے شر پہنچتی ہے تو شدید جزع فزع کا اظہار کرتا ہے اور جب اسے بھلائی پہنچتی ہے تو وہ بخل سے کام لیتا ہے اور لوگوں سے اسے روک لیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بندے کو جو عطا کیا گیا ہے ان میں سے سب سے برا ایسا بخل ہے جو بے قرار کرنے والا ہو اور ایسی بزدلی ہے جو دل نکالنے والی ہو'' (3)۔ عرب کہتے ہیں: ناقةٌ هلواعةٌ و هلواع۔ جب وہ تیز رفتار ہو اور ہلکی ہو۔ شاعر نے کہا:

صكاءٌ ذِعْلِبَة إذا استدبرتَها حَرَجٌ إذا استقبلتَها هِلواع

صکاء یہ اونٹنی کا وصف نہیں بلکہ شتر مرغ کا وصف ہے اونٹنی کو شتر مرغ سے تشبیہ دی ذعلب اور ذعلبہ سے مراد تیز رفتار اونٹنی ہے، ہلواع بھی تیز رفتار اونٹنی کے لئے بولا گیا ہے۔

جَزُوْعًا اور مَنُوْعًا دونوں ہلوع کی صفت ہیں اس شرط پر کہ یہ دونوں اذا سے ارادہ میں مقدم ہیں ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کان مضمرہ کی خبر ہیں۔

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿٢٢﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَ الَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿٢٤﴾ لِّلسَّآئِلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ﴿٢٥﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٢٦﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿٢٧﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ﴿٢٨﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿٣١﴾ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿٣٢﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿٣٤﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٣٥﴾

''بجز ان نمازیوں کے جو اپنی نماز پر پابندی کرتے ہیں، اور وہ جن کے مالوں میں مقررہ حق ہے سائل کے لئے

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 452 2۔ ایضاً 3۔ سنن ابی داؤد، باب فی الجرأة والجبن، حدیث نمبر 2150، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اور محروم کے لئے، اور جو تصدیق کرتے ہیں روز جزا کی، اور جو اپنے رب کے عذاب سے ہمیشہ ڈرنے والے ہیں۔ بے شک ان کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں۔ اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی بیویوں کے یا اپنی کنیزوں کے تو ان پر کوئی ملامت نہیں البتہ جو خواہش کریں گے ان کے علاوہ تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی پاسداری کرتے ہیں اور جو لوگ اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ مکرم (ومحترم) ہوں گے جنتوں میں''۔

اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ۝ یہ اس پر دال ہے کہ اس سے ماقبل کلام کفار کے بارے میں ہے۔ انسان اسم جنس ہے اس کی دلیل استثناء ہے جو اس کے بعد ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا** (العصر) نخعی نے کہا: مصلین سے مراد فرض نماز ادا کرنے والے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: جو نماز کو وقت پر ادا کرتے ہیں جہاں تک اس کو ترک کرنے کا تعلق ہے تو یہ کفر ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد صحابہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد عام مومن ہیں کیونکہ وہ زیادہ جزع فزع پر غالب آ جاتے ہیں کیونکہ انہیں اپنے رب پر اعتماد اور یقین ہوتا ہے **الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآىِٕمُوْنَ** ۝ یعنی اپنے وقت پر نمازوں کو ادا کرتے ہیں۔ عقبہ بن عامر نے کہا: یہی وہ لوگ ہیں جب نماز ادا کرتے ہیں تو دائیں اور بائیں متوجہ نہیں ہوتے۔ دائم کا معنی ساکن ہے اسی معنی میں یہ ارشاد ہے: نَهَی عن البول فی الماء الدائم کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے منع کیا۔ ابن جریج اور حضرت حسن بصری نے کہا: مراد وہ لوگ ہیں جو نفلی نماز زیادہ پڑھتے ہیں(2)۔

وَالَّذِیْنَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ اس سے مراد فرض زکوٰۃ ہے: یہ قتادہ اور ابن سیرین کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: زکوٰۃ کے علاوہ مراد ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: صلہ رحمی کرنا اور بوجھ اٹھانا ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ حق کی صفت معلوم سے لگائی ہے۔ زکوٰۃ کے علاوہ معلوم نہیں، وہ تو ضرورت کے مطابق ہوتا ہے جبکہ اس میں کمی و بیشی ہوتی رہتی ہے۔ **لِّلسَّآىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ** ۝ سورۂ زاریات میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ **وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ** ۝ یعنی یوم جزا، مراد قیامت کا دن ہے۔ اس بارے میں بحث سورۂ فاتحہ میں گزر چکی ہے۔ **وَالَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ** ۝ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔ **اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَیْرُ مَاْمُوْنٍ** ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس نے شرک کیا اور اللہ تعالیٰ کے انبیاء کو جھٹلایا وہ اس کے عذاب سے امن میں نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: کوئی بھی عذاب سے امن میں نہیں بلکہ ہر کسی پر واجب ہے کہ اس سے ڈرے۔ **وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰۤی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ** ۝ اس بارے میں گفتگو سورۂ مومن کی آیت **قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ** ۝ میں گزر چکی ہے۔ **وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ** ۝ اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ **وَالَّذِیْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآىِٕمُوْنَ** ۝ خواہ وہ گواہی انہیں قریبی

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 6، صفحہ 1859
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 95

رشتہ دار یا دور کے رشتہ دار کے خلاف دینی پڑے۔ وہ حاکم کے پاس گواہی دیتے ہیں (1)، وہ اسے چھپاتے نہیں اور نہ ہی اس میں تبدیلی کرتے ہیں۔ شہادت اور اس کے احکام کے بارے میں گفتگو سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: گواہیاں یہ ہیں ان اللہ واحد لا شریک لہ وأن محمدا عبدہ و رسولہ، لِاَمٰنٰتِهِمْ واحد کا صیغہ بھی پڑھا گیا ہے؛ یہ ابن کثیر اور ابن محیصن کی قرأت ہے۔ الامانۃ اسم جنس ہے۔ اس میں دین کی امانات داخل ہو جاتی ہیں۔ شرعی احکام بھی امانتیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے بندوں کو امین بنایا ہے۔ اس میں بندوں کی امانتیں بھی داخل ہو جاتی ہیں۔ یہ سب سورۂ نساء میں گزر چکا ہے۔ عباس دوری نے ابو عمرو اور یعقوب سے بشھاداتھم جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے بشھادتھم واحد کا صیغہ پڑھا ہے۔ مصدر بعض اوقات مفرد کا معنی دیتا ہے اگرچہ جمع کے صیغہ کی طرف مضاف ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾ (لقمان) فراء نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان وَ اَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ (الطلاق: 2) بِشَهٰدٰتِهِمْ واحد کے صیغہ پر دال ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ قتادہ نے کہا: عَلٰى صَلَاتِهِمْ سے مراد نماز کے وضو، اس کے رکوع اور اس کے سجدہ کی محافظت کرتے ہیں۔ ابن جریج نے کہا: مراد نفلی نماز ہے۔ سورۂ مومنون میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ دوام، محافظت کے خلاف ہے۔ اس پر ان کے دوام کا مطلب ہے کہ وہ اس کی ادائیگی پر محافظت کرتے ہیں اس میں کوئی نقص واقع نہیں کرتے اور اس کی ادائیگی میں غفلت کر کے کسی اور شغل میں مصروف نہیں ہوتے۔ اس پر محافظت کا مطلب ہے اس کا وضو اچھی طرح کرتے ہیں، وقت پر نماز ادا کرتے ہیں، اس کے ارکان کو قائم کرتے ہیں اور اس کی سنتوں اور آداب کو مکمل کرتے ہیں اور اس کو ضائع ہونے سے بچاتے ہیں۔ ضائع ہونے کی صورت یہ ہے کہ وہ گناہوں کا ارتکاب کریں۔ دوام نفس نماز کی طرف راجع ہے اور محافظت کا تعلق اس کے احوال سے ہے اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ اللہ تعالیٰ نے مختلف قسم کی کرامتوں کے ساتھ انہیں عزت دی ہے۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

''پس ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی طرف ٹکٹکی باندھے بھاگتے چلے آ رہے ہیں، ایک گروہ دائیں طرف سے اور دوسرا گروہ بائیں طرف سے۔ کیا طمع کرتا ہے ان میں سے ہر شخص کہ (ایمان و عمل کے بغیر) نعمتوں بھری جنت میں اسے داخل کیا جائے۔ ہرگز نہیں ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اس (مادہ) سے جس کو وہ بھی جانتے ہیں''۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ اخفش نے کہا (2): مُهْطِعِيْنَ کا معنی ہے جلدی جلدی آتے ہیں۔ ایک شاعر نے کہا:

بمكة أهلها ولقد أراهم إليه مهطعين إلى السماع

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 453　　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 96

مکہ مکرمہ میں اس کے مکین ہیں، میں انہیں دیکھتا ہوں کہ وہ بات سننے کے لیے جلدی کرتے ہیں۔ معنی ہے انہیں کیا ہو گیا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جلدی کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد بیٹھتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جو حکم دیتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں کیا ہو گیا ہے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے میں جلدی کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کفار کو کیا ہو گیا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے میں جلدی کرتے ہیں تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیب جوئی کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑائیں۔ عطیہ نے کہا: مُهْطِعِيْنَ کا معنی ہے وہ اعراض کرتے ہیں۔ کلبی نے کہا: وہ تعجب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: وہ قصد کرتے ہیں۔ معنی قریب قریب ہے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جلدی کرتے ہیں، اس حال میں کہ وہ اپنی گردنوں کو لمبا کیے ہوتے ہیں اور لگاتار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے جا رہے ہیں۔ یہ شمن کی نظر ہوتی ہے۔ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یہ آیت استہزاء کرنے والے منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تو ہوتے مگر ایمان نہ لاتے قِبَلَكَ کا معنی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔

عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ۝ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں اور بائیں جانب سے حلقے بناتے ہوئے اور جماعت در جماعت۔ عزین کا معنی ہے مختلف جماعتیں؛ یہ ابوعبید کا قول ہے۔ اسی معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مختلف حلقے بناتے ہوئے دیکھا۔ فرمایا: مالي أراكم عِزِين ألا تَصُفُّون كما تَصُفُّ الملائكةُ عند ربها، قالوا وكيف تَصُفُّ الملائكةُ عند ربها؟ قال: يُتِمُّون الصفوف الأُوَل ويتراصُّون في الصف (1) امام مسلم اور دوسرے علماء نے اسے روایت کیا ہے۔

فرمایا: کیا وجہ ہے میں تمہیں مختلف حلقے بناتے ہوئے دیکھتا ہوں کیا تم اس طرح صفیں نہیں بناؤ گے جس طرح فرشتے اپنے رب کے ہاں صفیں بناتے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: فرشتے اپنے رب کے ہاں کیسے صفیں بناتے ہیں؟ فرمایا: وہ پہلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور صف میں ایک دوسرے سے مل کر بیٹھتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

تَرَانا عنده والليلُ داجٍ على أبوابه حِلَقًا عِزِينا (2)

تو ہمیں اس کے ہاں اس کے دروازوں پر مختلف حلقوں کی صورت میں دیکھتا ہے جبکہ رات انتہائی تاریک ہوتی ہے۔

راعی نے کہا:

أخليفةَ الرحمن إنّ عشيرتي أمسى سَرَاتُهم إليك عِزِينا

اے رحمٰن کے خلیفہ! بے شک میرا خاندان گروہ در گروہ تیری طرف راتوں کو چلتے ہوئے آتا ہے۔

کمیت نے کہا۔

ونحنُ وجَنْدَلٌ باغٍ تَرَكْنا كَتَائبَ جَنْدَلٍ شَتّى عِزِينا

ہم نے جندل کے لشکروں کو مختلف گروہوں کی صورت میں چھوڑا جبکہ جندل بغاوت کرنے والا تھا۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، تسویۃ الصفوف واقامتھا، جلد 1، صفحہ 181

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 97

عزین کا واحد عزة ہے۔ واؤ، نون کے ساتھ اس کی جمع بنائی گئی تاکہ اس سے جو حرف حذف ہے اس کا یہ عوض بنا جائے۔ اصل میں یہ عزهة تھا۔ اس میں وہی تعلیل جاری ہوگی جو سنة میں جاری ہوئی، اس کے نزدیک جس نے اس کی اصل سنهة بنائی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی اصل عزوة ہے۔ یہ عزاه، یعزوه سے مشتق ہے۔ جب وہ اسے کسی اور کی طرف منسوب کرے۔ ان جماعتوں میں سے ہر ایک دوسری کی طرف منسوب ہے۔ یہاں جو حرف حذف ہے وہ واو ہے۔ صحاح میں اس طرح ہے عزة سے مراد لوگوں کا ایک فرقہ ہے، ھاء، یاء کا عوض ہے۔ اس کی جمع عِزَی، فِعَل کے وزن پر ہے۔ اس کی جمع عِزون اور عُزون کے وزن پر آتی ہے۔ انہوں نے اس کی جمع عِزات نہیں بنائی جس طرح انہوں نے ثُبات کہی۔ اصمعی نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے فی الدار عزون یعنی لوگوں کی مختلف قسمیں ہیں۔ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ یہ مُهْطِعِيْنَ کے متعلق ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ عِزِيْنَ کے متعلق ہو جس طرح تیرا قول ہے: أخذته عن زيد۔

اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ مفسرین نے کہا: مشرک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع ہو جاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سنتے، اس کو جھٹلاتے، آپ پر جھوٹ بولتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے استہزاء کرتے اور کہتے: اگر یہ جنت میں داخل ہوئے تو ہم ان سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے، اگر انہیں جنت کی کوئی چیز دی گئی تو ہمیں ان سے زیادہ چیز دی جائے گی۔ تو یہ آیت اَيَطْمَعُ نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: استہزاء کرنے والوں کے پانچ گروہ تھے۔

حضرت حسن بصری، حضرت طلحہ بن مصرف اور اعرج نے اَنْ يَّدْخُلَ قرأت کی ہے، یاء پر زبر اور خاء پر پیش ہے۔ یہ معروف کا صیغہ ہے۔ مفضل نے اسے عاصم سے روایت کیا ہے باقی نے اسے مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔

كَلَّا وہ اس میں داخل نہیں ہوں گے پھر نئے سرے سے کلام شروع کی اور فرمایا: اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ یعنی وہ جانتے ہیں کہ انہیں ایک نطفہ سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر گوشت کے لوتھڑا سے پیدا کیا گیا ہے جس طرح اس کی ساری جنس کو پیدا کیا گیا۔ انہیں کوئی فضیلت نہیں جس کے باعث وہ جنت کے مستحق بنیں، جنت کا مستحق تو ایمان، عمل صالح اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بنا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مسلمان فقراء کا مذاق اڑایا کرتے اور ان پر تکبر کرتے تو فرمایا: اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ انہیں تکبر کرنا مناسب نہیں۔ قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اے انسان! تو ایک گندے قطرہ سے پیدا کیا گیا ہے، تو اللہ سے ڈر۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ مطرف بن عبداللہ بن شخیر نے مہلب بن ابی صفرہ کو خز (ریشم) کی چادر اور جبہ میں اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو اسے فرمایا: اے اللہ کے بندے! یہ کیسی چال ہے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے؟ مہلب نے مطرف سے کہا: کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ فرمایا: ہاں تیرا آغاز گندے نطفہ سے ہے اور تیری انتہاء بدبودار لاشہ ہے، اس کے درمیان تو غلاظت کو اٹھائے ہوئے ہے۔ مہلب چلا گیا اور اس چال کو ترک کر دیا۔ محمود وراق نے اسی مضمون کو اشعار میں بیان کیا ہے:

عَجِبْتُ مِن مُعْجَبٍ بصورته   وكان في الأصل نطفةً مَذِرَةْ

وهو غدًا بعد حُسْنِ صورته   يصيرُ في اللحد جيفةً قَذِرَةْ

وھو علی تِیهه ونَخْوته　مابین ثوبیه یحمل العَذِرَة

میں اس آدمی پر متعجب ہوا جس کی صورت پر تعجب کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اصل میں وہ ایک گندا نطفہ ہے۔ وہ کل حسن صورت کے باوجود لحد میں بدبودار لاشہ ہوگا۔ وہ اپنے تکبر اور نخوت کے باوجود اپنے کپڑوں کے درمیان غلاظت اٹھائے ہوئے ہوتا ہے۔ ایک شاعر نے کہا:

هل فی ابن آدم غیرَ الراس مَکْرُمَةٌ　وھو بِخَمس من الأوساخ مضروب

أنفٌ یسیل وأُذْنٌ ریحها سَهِكٌ　والعین مُرْمَصَة والثغر ملهوب

یابن التراب ومأکول التراب غدًا　قَصِّرْ فإنك مأکول و مشروب

کیا سر کے علاوہ انسان میں عزت والی شی ہے جبکہ اس میں پانچ میل والی چیزیں ہیں۔ ناک بہتی ہے، کان کی بو ناپسندیدہ ہے، آنکھ میں کیچڑ ہوتا ہے اور دانتوں پر میل ہے۔ اے مٹی سے جنم لینے والے! اور کل جس کو مٹی کھا جائے گی! اپنے آپ کو پست رکھ تجھے کھلایا جاتا ہے اور پلایا جاتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اس مقصد کے لیے جسے وہ جانتے ہیں۔ وہ امر، نہی، ثواب اور عقاب ہے جس طرح شاعر کے قول میں من أجلیه ہے؛ یہ اعشی کا قول ہے: أأزمَعْتُ من آل لَیْلی ابتکارًا کیا تو نے آل لیلی کے لیے جلدی کا قصد کیا ہے۔

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ﴿۴۱﴾

''پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی کہ ہم پوری قدرت رکھتے ہیں کہ ان کے بدلے میں ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور ہم ایسا کرنے سے عاجز نہیں''۔

فَلَاۤ اُقْسِمُ یعنی میں قسم اٹھاتا ہوں۔ یہاں لا زائدہ ہے۔ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ سورج کے مشرقوں اور اس کے مغربوں کے رب کی۔ اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ ابوحیوہ، ابن محیصن اور حمید نے بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ واحد کے صیغہ کے ساتھ قرأت کی ہے۔

اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْهُمْ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہم ہلاک کرنے، انہیں لے جانے اور فضل، اطاعت اور مال میں بہتر لوگوں کو لانے پر قادر ہیں۔ وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ﴿۴۱﴾ کوئی چیز ہم سے فوت نہیں ہو سکتی اور ہم جس امر کا ارادہ کر لیں، وہ ہمیں عاجز نہیں کر سکتا۔

فَذَرْهُمْ یَخُوْضُوْا وَ یَلْعَبُوْا حَتّٰى یُلٰقُوْا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾

''سو آپ رہنے دیجئے انہیں کہ (خرافات میں) مگن رہیں اور کھیلتے کودتے رہیں حتیٰ کہ ملاقات کریں اپنے اس

دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے''۔

انہیں چھوڑ دو کہ اپنے باطل میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں اور دنیا میں کھیلتے رہیں۔ یہ کلام وعید کے طریقہ پر ہے۔ ابن محیصن، مجاہد اور حمید نے اسے حَتّٰی یَلْقُوا یَوْمَهُمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ پڑھا ہے۔ یہ آیت، آیت سیف سے منسوخ ہے۔

یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾

''اس روز نکلیں گے (اپنی) قبروں سے جلدی جلدی گویا وہ (اپنے بتوں کے) استھانوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں''۔

یَوْمَ اس یوم سے بدل ہے جو اس سے پہلے ہے۔ عام قرأت یَخْرُجُوْنَ ہے یاء پر فتحہ اور راء پر ضمہ ہے کیونکہ یہ معروف کا صیغہ ہے۔ سلمی، مغیرہ اور اعشیٰ نے عاصم سے یُخْرَجُوْنَ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ الأجداث سے مراد قبریں ہیں (1)۔ اس کا واحد جدث ہے۔ سورۂ یاسین میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ سِرَاعًا جب وہ دوسرے نغمہ کو سنیں گے تو بلانے والے کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے جلدی جلدی نکلیں گے۔ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔

كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ عام قرأت نون کے فتحہ اور صاد کے جزم کے ساتھ ہے۔ ابن عامر اور حفص نے نون اور صاد کے ضمہ کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔ عمرو بن میمون، ابو رجاء اور دوسرے علماء نے نون کے ضمہ اور صاد کے سکون کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔ نَصْب اور نُصْب دونوں لغتیں ہیں جس طرح ضَعْف اور ضُعْف۔ جوہری نے کہا: نَصْب سے مراد وہ چیز ہے جسے کھڑا کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اس کی عبادت کی جائے۔ اسی طرح نُصُب ہے، بعض اوقات اسے حرکت دی جاتی ہے۔ اعشیٰ نے کہا:

وذَا النُّصُب المنصوبَ لا تَنْسُكَنَّهُ　　لعافِيَةٍ واللهِ رَبّكَ فاعْبُدَاْ

یہاں فاعبدن کا ارادہ کیا اور الف پر وقف کیا جس طرح تو کہتا ہے: رایت زیدا اس کی جمع انصاب آتی ہے۔ شاعر کا قول: وذا النُّصُب یہ إیاك وذا النُّصُب کے معنی میں ہے۔ نصب سے مراد شر اور بلاء ہے۔ شعر کا ترجمہ: نصب کیے ہوئے بت سے بچ کسی عافیت کے حصول کے لیے اس کی عبادت نہ کر، اللہ تعالیٰ تیرا رب ہے تو اسی کی عبادت کر۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ﴿۴۱﴾ (ص) اخفش اور فراء نے کہا: نُصُب یہ نَصَب کی جمع ہے جس طرح رَهَن کی جمع رُهُن ہے۔ أنصاب یہ نُصُب کی جمع ہے، یہ جمع کی جمع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نُصُب اور أنصاب دونوں ایک ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نصب یہ نصاب کی جمع ہے۔ یہ ایسا پتھر یا بت ہے جس پر جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے؛ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ (المائدہ: 3) ایک قول یہ کیا گیا ہے: نَصْب، نُصْب اور نُصُب سب ایک معنی میں ہیں جس طرح عَمْر، عُمْر اور عُمُر ہے؛ نحاس نے اس کا ذکر کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اِلٰى نُصُبٍ غایت تک۔ اس سے مراد وہ چیز ہے جہاں تک آپ کی نظر پہنچے۔ کلبی نے کہا: مراد ہے کھڑی کی گئی چیز جیسے جھنڈا وغیرہ (2)۔ حضرت حسن بصری

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 97　　2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 455

نے کہا: جب سورج طلوع ہوتا ہے تو وہ اپنے ان بتوں کی طرف جلدی کرتے ہیں جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہیں (1)۔ ان کا پہلا شخص آخری کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتا۔

یُوْفِضُوْنَ ۝ وہ جلدی کرتے ہیں۔ ایفاض کا معنی جلدی کرنا ہے۔ شاعر نے کہا:

فوارس ذُبْيانَ تحت الحديد كالجنِّ يُوفضن من عَبْقَرِ

ذبیان کے شاہسوار لوہے کے نیچے جنوں کی طرح ہیں جو عبقر (جنوں کا علاقہ) سے تیزی سے نکلتے ہیں۔

عبقر ایسا علاقہ ہے عرب جس کے بارے میں گمان کرتے ہیں کہ وہ جنوں کی سرزمین ہے۔

لیث نے کہا: وفضت الإبل تَفِض وفضًا اونٹ تیزی سے چلے۔ اوفضها صاحبها ان کے مالکوں نے انہیں تیز چلایا۔

ایفاض متعدی ہے آیت میں جو لفظ لازم ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: وفض، أوفض اور استوفض کا معنی جلدی کرنا ہے۔

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الْیَوْمُ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ۝

"جھکی ہوں گی ان کی آنکھیں چھا رہی ہوگی ان پر ذلت، یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا"۔

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ آنکھیں جھکی ہوئی اور ذلیل ہیں۔ انہیں کیونکہ عذاب کی توقع ہے اس لیے وہ اپنی نظروں کو اوپر نہیں اٹھاتے۔ **تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ** ان پر ذلت چھا جائے گی (2)۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد چہروں کی سیاہی ہے۔ رھق سے مراد چھا جانا ہے اسی سے غلام مراهق ہے جب احتلام کا وقت قریب ہو جائے اور وہ چھانے والا ہو۔ رَهِقَه، يَرْهَقُه، رَهَقًا ان پر چھا گیا۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ لَا یَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّ لَا ذِلَّةٌ** (یونس: 26) **ذٰلِكَ الْیَوْمُ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ** ۝ دنیا میں انہیں ڈرایا جاتا تھا کہ ان کے لیے عذاب ہے۔ فعل ماضی کے ساتھ خبر دی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا وہ ضرور ہو کر رہے گا۔

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 197 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 455

سورۂ نوح

آیاتہا ۲۸ | ۷۱ سورۃ نوح مکیۃ ۷۱ | رکوعاتہا ۲

یہ سورت مکی ہے، اس کی اٹھائیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ①

''بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف (اور فرمایا: اے نوح!) بروقت خبردار کرو اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ نازل ہو جائے ان پر عذاب الیم''۔

سورۂ اعراف میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام فرد ہیں جنہیں رسول بنا کر مبعوث کیا گیا۔ قتادہ نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: ''پہلے رسول جنہیں مبعوث کیا گیا وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں اور انہیں تمام اہل زمین کی طرف مبعوث کیا گیا''۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے تمام اہل زمین کو ہلاک کر دیا۔ ان کا نسب یہ ہے حضرت نوح بن لامک بن متوشلخ بن اخنوخ یہی حضرت ادریس ہیں بن یرد بن مہلائیل بن انوش بن قینان بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

وہب نے کہا: یہ سب مومن تھے۔ انہیں اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا جبکہ ان کی عمر پچاس سال تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کی عمر چالیس سال تھی (1)۔ عبداللہ بن شداد نے کہا: انہیں مبعوث کیا گیا جبکہ ان کی عمر ساڑھے تین سو سال تھی۔ سورۂ عنکبوت میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ الحمدللہ۔

اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ اصل میں بأن انذر تھا حرف جار کے حذف کی وجہ سے ان محل نصب میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا محل جر ہے کیونکہ ان کے ساتھ یہ عمل کرنے میں قوی ہے۔ یہ جائز ہے کہ ان مفسرہ ہو۔ اس کا اعراب میں کوئی محل نہیں ہوگا کیونکہ ارسال میں امر کا معنی پایا جاتا ہے اس لیے با کو مضمر ماننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ حضرت عبداللہ کی قرأت میں اَنْ کے بغیر اَنْذِرْ قَوْمَكَ ہے۔ اس وقت معنی یہ ہوگا ہم نے اسے کہا: اپنی قوم کو ڈرائیے۔ سورۂ بقرہ کے آغاز میں انذار کا معنی گزر چکا ہے۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد آخرت میں آگ کا عذاب ہے (2)۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد ہے جو طوفان کی صورت میں ان پر عذاب آیا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ ایمان نہ لائیں تو انہیں دردناک عذاب سے ڈرائیے۔ آپ اپنی قوم کو دعوت دیتے اور انہیں خبردار کرتے اور ان میں سے کسی فرد کو بھی دعوت

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 98 | 2۔ ایضاً | 3۔ ایضاً

قبول کرنے والا نہ پاتے۔ لوگ آپ کو مارتے یہاں تک کہ ان پر غشی طاری ہو جاتی تو وہ کہتے: رب اغفر لقومی فانھم لا یعلمون (1) اے میرے رب! میری قوم کو بخش دے بے شک وہ مجھے نہیں جانتے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۲﴾ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَ اَطِيْعُوْنِ ۙ﴿۳﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾

"آپ نے فرمایا: اے میری قوم! میں تمہیں صریح طور پر ڈرانے والا ہوں کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرو اور میری پیروی کرو، وہ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہ اور مہلت دے گا تمہیں ایک مقررہ معیاد تک، بلاشبہ اللہ کا مقررہ وقت جب آ جاتا ہے تو اسے موخر نہیں کیا جا سکتا، کاش! تم (حقیقت کو) جان لیتے"۔

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ یعنی میں تمہیں ڈرانے والا ہوں۔ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾ میں تمہارے سامنے تمہاری اس زبان میں اظہار کرنے والا ہوں جسے تم پہچانتے ہو۔ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ، ان مفسرہ ہے جس طرح اَنْ اَنْذِرْ میں گزر چکا ہے۔ اُعْبُدُوا اس کی وحدانیت کا اظہار کرو۔ وَاتَّقُوْهُ تم ڈرو۔ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۳﴾ جس چیز کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں اس میں میری اطاعت کرو۔ میں تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ جواب امر کی وجہ سے يَغْفِرْ کو جزم دی گئی ہے۔ مِنْ زائد ہے۔ کلام کا معنی ہے وہ تمہارے لیے تمہارے گناہ بخش دے؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا زائدہ ہونا صحیح نہیں کیونکہ مِنْ کا واجب میں اضافہ نہیں کیا جاتا (2)۔ یہ یہاں بعضیہ ہے۔ اس سے مراد بعض گناہ ہیں جو مخلوق کے حقوق سے متعلق نہ ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جنس کے بیان کے لیے ہے۔ اس میں بعد ہے کیونکہ اس سے پہلے کوئی جنس نہیں گزری جو اس کے مناسب ہو۔ زید بن اسلم نے کہا: معنی ہے اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے گناہوں سے نکال لے (3)۔ ابن شجرہ نے کہا: معنی ہے جن گناہوں پر تم استغفار کرتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ان گناہوں کو بخش دے (4)۔

وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تمہاری عمروں میں مہلت دے گا۔ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق سے پہلے ہی فیصلہ کر دیا تھا کہ اگر وہ ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ ان کی عمروں میں برکت ڈال دے گا۔ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان پر عذاب کو جلدی لے آئے گا۔ مقاتل نے کہا: تمہاری عمر کے آخری حصہ تک صحت و سلامتی کے ساتھ تمہیں مہلت دے گا اور قحط وغیرہ کے ساتھ سزا نہیں دے گا۔ اس تاویل کی بنا پر معنی یہ بنے گا تمہاری عمروں کے اختتام تک تمہیں عقوبات اور شدائد سے محفوظ رکھے گا۔ زجاج نے کہا: عذاب سے تمہیں مہلت دے گا تم کو ایسی موت نہیں مارے گا جو عذاب کے ساتھ جڑ کو ہی ختم کر دے؛ اس وجہ سے فرمایا: اَجَلٍ مُّسَمًّى یعنی ایسی موت تک جس کو تم پہچانتے ہو۔ وہ تمہیں غرق کر کے، جلانے کے ساتھ اور قتل کر کے نہیں مارے گا؛ فراء نے اس کا ذکر کیا۔ پہلے قول کی بنا وہ مدت اللہ تعالیٰ کے ہاں معروف ہے۔ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ جب موت آ جاتی ہے اسے موخر نہیں کیا جاتا وہ موت عذاب کی صورت میں ہو

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 98 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

یا عذاب کے بغیر ہو۔ اجل کی نسبت الله تعالیٰ کی طرف کی کیونکہ اسی ذات نے انہیں ثابت کیا۔ بعض اوقات اس کی نسبت قوم کی طرف کی جاتی ہے جس طرح الله تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ (الاعراف: 34) کیونکہ یہ اجل ان کے لیے بیان کردی گئی ہے۔ لو، ان کے معنی میں ہے یعنی اگر تم جانتے ہو۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے اگر تم جانتے ہوتے تو اس کو جان لیتے کہ الله تعالیٰ کی طرف سے متعین کردہ وقت جب آ جائے تو اس میں تاخیر نہیں کی جاتی (1)۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا ۙ﴿۵﴾ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾

''نوح نے عرض کی: اے میرے رب! میں نے دعوت دی اپنی قوم کو رات کے وقت اور دن کے وقت لیکن میری دعوت کے باعث ان کے فرار (ونفرت) میں ہی اضافہ ہوا''۔

لَیْلًا وَّ نَهَارًا ﴿۵﴾ کا معنی ہے مخفی طریقہ سے اور اعلانیہ طریقہ سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں نے پے در پے دعوت دی۔ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ میری دعوت ایمان سے دور کرتی ہے۔ عام قرأت دعائی میں یاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ کوفہ کے قراء، یعقوب اور دوری نے ابو عمر سے اس کے سکون کی روایت نقل کی ہے۔

وَ اِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿۷﴾

''اور جب بھی میں نے انہیں بلایا تاکہ تو ان کو بخش دے (تو ہر بار) انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر لپیٹ لیے اپنے کپڑے اور اڑ گئے کفر پر اور پرلے درجے کے متکبر بن گئے''۔

میں نے جب انہیں سبب مغفرت یعنی تیری ذات پر ایمان اور تیری طاعت کی طرف بلایا انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں تاکہ وہ میری دعوت کو نہ سن سکیں، انہوں نے اپنے چہروں کو اپنے کپڑوں سے ڈھانپ لیا تاکہ وہ مجھے دیکھ ہی نہ سکیں۔ حضرت ابن عباس رضی الله عنہما نے کہا: انہوں نے اپنے کپڑے اپنے سروں پر ڈال لیے تاکہ وہ کلام نہ سن سکیں۔ کپڑوں کے استغشاء کا مطلب ہے کہ کانوں کو بند کرنے میں زیادتی کرنا تاکہ وہ اس آواز کو نہ سنیں یا اپنے آپ کو اجنبی بنانے کے لیے یہاں تک کہ وہ خاموش ہو جائے یا آپ سے اپنے اعراض کو ظاہر کرنے کے لیے ایسا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عداوت و دشمنی سے کنایہ ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: لَبِسَ لی فلان ثیاب العداوۃ اس نے میرے لیے عداوت کا لباس پہن لیا۔

اَصَرُّوْا انہوں نے کفر پر اصرار کیا اور توبہ نہ کی۔ وَ اسْتَكْبَرُوْا انہوں نے قبول حق سے اپنی بڑائی کا اظہار کیا کیونکہ انہوں نے کہا: اَنُؤْمِنُ لَكَ وَ اتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ (الشعراء) کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں جبکہ کمینے لوگوں نے آپ کی پیروی کی۔ اسْتِكْبَارًا بہت بڑا تکبر کیا۔

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۙ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ﴿۹﴾

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 99

''پھر (بھی) میں نے ان کو بلند آواز سے دعوت دی، پھر انہیں کھلے بندوں سمجھایا اور چپکے چپکے بھی انہیں (تلقین) کی''۔

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۙ ان کے لیے دعوت کو ظاہر کرتے ہوئے دعوت دی۔ جِهَارًا، دَعَوْتُهُمْ کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ دعوت کی قسموں میں جِهَارًا بھی ایک قسم ہے تو اس کو نصب اسی طرح دی گئی ہے جس طرح قرفصاء کو قعد کے ساتھ نصب دی گئی کیونکہ یہ بھی قعود کی ایک قسم ہے یا اس لیے کیونکہ دَعَوْتُهُمْ سے مراد جاهرتهم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ دعا فعل کے مصدر کی صفت ہو، تقدیر کلام یہ ہوگی دعاء جهارا، جِهَارًا۔ یہ مجاهر کے معنی میں ہے۔ یہ مصدر حال کی جگہ پر واقع ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی دعوتهم مجاهرا لهم بالدعوة میں نے انہیں دعوت دی اس حال میں کہ میں انہیں ظاہر دعوت دے رہا تھا۔

ثُمَّ اِنِّیْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ میں نے کوئی صورت نہ چھوڑی۔ مجاہد نے کہا: اَعْلَنْتُ کا معنی ہے میں نے چیخ کر دعوت دی اور میں نے اپنی دعوت کو ان میں سے ایک دوسرے سے مخفی رکھا(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَسْرَرْتُ لَهُمْ میں ان کے گھروں میں گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے یہ سب کچھ ان کو دعوت دینے میں مبالغہ کے لیے تھا اور دعوت میں نرمی اور مہربانی کے طور پر تھا۔ حرم کے قاریوں اور ابو عمرو نے انّی کی یاء کو فتحہ دیا ہے اور باقی قراء نے اسے سکون دیا ہے۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۙ

''پس میں نے کہا: (ابھی وقت ہے) معافی مانگ لو اپنے رب سے، بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے، وہ برسائے گا آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش، اور مدد فرمائے گا تمہاری اموال اور فرزندوں سے اور بنا دے گا تمہارے لیے باغات اور بنا دے گا تمہارے لیے نہریں''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

استغفار کی فضیلت

مسئلہ نمبر 1۔ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ایمان کے اخلاص کے ساتھ اپنے سابقہ گناہوں سے مغفرت کا سوال کرو۔ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ یہ اس کی جانب سے توبہ میں ترغیب ہے۔ حضرت حذیفہ بن یمان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے فرمایا: الاستغفار ممحاة للذنوب (2) استغفار گناہوں کو مٹانے والی ہے۔ فضیل نے کہا: بندہ کہتا ہے: أستغفر الله اس کی تفسیر أقلني ہے یعنی میری غلطیوں سے درگزر فرما۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 101 2۔ ایضاً

توبہ کی فضیلت

مسئلہ نمبر 2۔ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وہ آسمان کا پانی برساتا ہے۔ اس کلام میں اضمار ہے۔ اصل یہ ہے یرسل ماء السماء۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: السماء، کا معنی ہی بارش ہے (1)۔ شاعر نے کہا:

إذا سقط السماءُ بأرضِ قوم رَعَيناه وإن كانوا غِضابًا

جب بارش کسی قوم کے علاقہ میں ہوتی ہے تو ہم اس کے سبزہ کو چرتے ہیں اگرچہ وہ غضب ناک ہوں۔

مِّدْرَارًا کثیر بارش والی۔ يُّرْسِلِ کو جزم دی گئی ہے کیونکہ یہ جواب امر ہے۔ مقاتل نے کہا: جب انہوں نے طویل عرصہ تک حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو روک لیا۔ چالیس سال تک ان کی عورتوں کے رحموں کو بانجھ کر دیا، ان کے جانور ہلاک ہو گئے اور کھیتیاں برباد ہو گئیں۔ وہ حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بارش کے برسنے کی التجا کی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اپنے رب سے بخشش طلب کرو، بے شک وہی بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔ یعنی جو بھی اس کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اس کے ساتھ ہمیشہ اسی طرح کا سلوک کرتا ہے۔ پھر ایمان میں ترغیب دیتے ہوئے کہا: وہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا، بیٹوں اور اموال کے ساتھ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لیے باغات بنا دے گا اور تمہارے لیے نہریں بنا دے گا (2)۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے نبی کو علم تھا کہ وہ دنیا کے بارے بڑے حریص ہیں تو فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طاعت کی طرف آؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں دنیا و آخرت ملتی ہے۔

استغفار پر مرتب ہونے والے نتائج

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت اور سورۂ ہود کی آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ استغفار کے ذریعے رزق اور بارش کو طلب کیا جاتا ہے۔ امام شعبی نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ استسقاء کے لیے نکلے تو استغفار سے زائد کچھ عمل نہ کیا یہاں تک کہ واپس آ گئے تو لوگوں پر بارش ہو گئی۔ لوگوں نے عرض کی: ہم نے آپ کو استسقاء کرتے ہوئے تو نہیں دیکھا؟ فرمایا: میں نے آسمان کے مجادیح سے بارش طلب کی جن کے ساتھ بارش کے برسنے کو طلب کیا جاتا ہے، پھر پڑھا اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ امام اوزاعی نے کہا: لوگ بارش کو طلب کرنے کے لیے نکلے۔ ان میں بلال بن سعد بھی نکلے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، پھر یوں گویا ہوئے: اے اللہ! ہم نے تجھے یہ کہتے ہوئے سنا مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ (التوبہ: 91) ہم نے گناہوں کا اعتراف کر لیا۔ تیری مغفرت نہیں مگر ہماری مثل لوگوں کے لیے۔ اے اللہ! ہمیں بخش دے، ہم پر رحم فرما اور ہمیں سیراب کر۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے اور لوگوں نے بھی اپنے ہاتھ اٹھا دیئے تو ان پر بارش کی گئی۔

ابن صبیح نے کہا: ایک آدمی نے حضرت حسن بصری کی خدمت میں خشک سالی کی شکایت کی۔ آپ نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے حضور استغفار کرو۔ ایک اور آدمی نے فقر کی شکایت کی۔ آپ نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کرو۔

1۔ تفسیر ابن عباس، جلد 2، صفحہ 907
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 101

ایک اور آدمی نے عرض کی: اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کیجئے کہ وہ بچہ عطا فرمائے۔ آپ نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے حضور بخشش کی التجا کر۔ ایک اور آدمی نے باغ کے خشک ہونے کی شکایت کی۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کر۔ ہم نے اس بارے میں ان سے عرض کی؟ فرمایا: میں نے اپنی جانب سے تو کچھ نہیں کہا۔ اللہ تعالیٰ سورۂ نوح میں ارشاد فرماتا ہے: اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۗ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۞ سورۂ آل عمران میں استغفار کی کیفیت گزر چکی ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ ہو اور گناہوں کو ختم کرنے کی صورت میں ہو۔ قبولیت میں یہی اصل ہے۔

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۚ وَ قَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۞

"تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم پرواہ نہیں کرتے اللہ کی عظمت و جلال کی حالانکہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا ہے"۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: رجا یہاں خوف کے معنی میں ہے یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے کہ وہ تم میں سے کسی کو سزا دینے کی قدرت رکھتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے خوف کو ترک کرنے میں تمہارے پاس کیا عذر ہے۔ سعید بن جبیر، ابو العالیہ اور عطاء بن ابی رباح نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ثواب کی امید نہیں رکھتے اور اس کے عقاب سے نہیں ڈرتے (1)۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے عقاب سے نہیں ڈرتے اور اس سے ثواب کی امید رکھتے ہو۔ والبی اور عوفی نے ان سے روایت نقل کی ہے: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کو نہیں جانتے (2)۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال نہیں کرتے۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کی پرواہ نہیں کرتے۔ قطرب نے کہا: یہ حجازی لغت ہے۔ بنو ہذیل، بنو خزاعہ اور بنو مضر کہتے ہیں لم ارج کا معنی ہے: میں پرواہ نہیں کرتا، وقار کا معنی عظمت ہے، توقیر کا معنی تعظیم ہے۔ قتادہ نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی جانب سے پکڑ کی امید نہیں رکھتے۔ گویا معنی یوں ہے تمہیں کیا ہو گیا ہے تم اللہ تعالیٰ سے ایمان پر جزا کی امید نہیں رکھتے۔ ابن کیسان نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی طاعت کے بارے میں یہ امید نہیں رکھتے کہ وہ تمہیں اس صورت میں بدلہ دے کہ تمہیں بھلائی عطا کر کے عزت دے۔ ابن زید نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طاعت نہیں کرتے (3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا حق نہیں پہچانتے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر بجا نہیں لاتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیا وجہ ہے تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اظہار نہیں کرتے کیونکہ جو اس کی عظمت کو تسلیم کرتا ہے تو وہ اس کی وحدانیت کا اعلان بھی کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وقار کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت قدم ہونا (4)۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ قَرْنَ فِيْ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 101
2۔ تفسیر ابن عباس، جلد 2، صفحہ 909
3۔ تفسیر ابن عباس، جلد 2، صفحہ 909
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 101

بُيُوْتِكُنَّ (الاحزاب:33) اپنے گھروں میں ٹھہری رہو۔ اس کا معنی ہے تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اثبات نہیں کرتے جبکہ وہ تمہارا الہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں (1)۔ کہا قول ابن بحر نے کیا ہے، پھر اس پر دلیل قائم کی۔ فرمایا: وَ قَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا۝ یعنی تمہاری ذات میں ایسی نشانی بنا دی جو اس کی وحدانیت پر دلیل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اَطْوَارًا یعنی نطفہ، جما ہوا خون اور گوشت کا لوتھڑا (2)، یعنی خلقت کے مکمل ہونے تک مرحلہ بہ مرحلہ جس طرح سورۂ مومنون میں ہے۔ لغت میں طور سے مراد مرہ (ایک دفعہ) ہے یعنی جس نے یہ عمل کیا اور اس پر قادر رہا، وہ اس امر کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس کی عظمت بیان کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَطْوَارًا سے مراد ہے بچے، جوان پھر بوڑھے اور ضعیف پھر قوی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَطْوَارًا سے مراد انواع ہے، صحیح، مریض، بینا، نابینا، غنی اور فقیر۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اطوار سے مراد اخلاق اور افعال میں ان کا مختلف ہونا ہے (3)۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا۝ۙ وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا۝

”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے پیدا کیا ہے سات آسمانوں کو تہ بہ تہ اور بنایا ہے چاند کو ان میں روشنی اور بنایا سورج کو (درخشاں) چراغ“۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا۝ ان کے لیے ایک اور دلیل ذکر کی یعنی کیا تم نہیں جانتے کہ وہ ذات جو اس پر قادر ہے تو وہی اس امر کی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ طِبَاقًا کا معنی ہے ان میں سے بعض بعض کے اوپر ہو۔ ہر آسمان دوسرے آسمان پر اس طرح ہے جس طرح قبہ ہوتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس اور سدی کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو سات زمینوں کے اوپر پیدا کیا (4)۔ ہر دو زمینوں اور دو آسمانوں کے درمیان مخلوق اور امر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان اَلَمْ تَرَوْا اخبار کے طریقہ پر ہے، آنکھوں سے مشاہدہ کے طریقہ پر نہیں جس طرح تو کہتا ہے اَلَمْ تَرَنِ کیف صنعت بفلانٍ کیا تو نہیں جانتا میں نے فلاں کے ساتھ کیا کیا ہے۔ طِبَاقًا سے مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے نصب دی گئی ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی مطابقة طباقا یا یہ حال ہے اور ذات طباق کے معنی میں ہے۔ ذات کے لفظ کو حذف کر دیا گیا اور طباقا کو اس کے قائم مقام رکھ دیا گیا۔

وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا چاند کو دنیا کے آسمان میں نور بنا دیا (5) جس طرح کہا جاتا ہے: أتانی بنو تمیم و أتیت بنی تمیم مراد بنو تمیم کا بعض ہیں؛ یہ اخفش کا قول ہے۔ ابن کیسان نے کہا: جب ان آسمانوں میں سے ایک آسمان میں ہو تو وہ ان سب میں ہے۔ قطرب نے کہا: فیهن، معهن کے معنی میں ہے؛ یہ کلبی کا قول ہے یعنی سورج اور چاند کو آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے ساتھ پیدا کیا۔ اکثر علماء لغت نے امرؤ القیس کے قول میں فی کو مع کے معنی میں لیا ہے: ثلاثین شهرا فی ثلاثة

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 101		2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 457		3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 102

4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 200		5۔ ایضاً

أحوال تین مہینے تین احوال کے ساتھ۔ نحاس نے کہا: میں نے ابوالحسن بن کیسان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: نحویوں کا جواب تو یہ ہے کہ جب چاند کو ان میں سے ایک میں بنایا تو اسے ان سب میں بنایا جس طرح تو کہتا ہے: أعطنی الثیاب المُعلَمَة اگرچہ وہ کپڑا جس میں نشانات ہوں، وہ ایک ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے: یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ چاند کا چہرہ آسمان کی طرف ہے۔ جب وہ آسمان کے اندر کی جانب ہے تو چاند آسمانوں سے متصل ہے۔ نُوۡرًا اہل زمین کے لیے نور بنا دیا(1)؛ یہ سدی کا قول ہے۔ عطا نے کہا: اہل آسمان اور اہل زمین کے لیے نور بنا دیا(2)۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر نے کہا: اس کا چہرہ اہل زمین کو روشنی دیتا ہے اور اس کی پشت آسمان والوں کو روشن کرتی ہے(3)۔

وَّ جَعَلَ الشَّمۡسَ سِرَاجًا۝ یعنی اہل زمین کے لیے مصباح بنا دیا تا کہ وہ اپنی ضروریات زندگی کے لیے امور سرانجام دے سکیں۔ اہل آسمان کو روشنی دینے کے حوالے سے دو قول ہیں؛ ماوردی نے اسے بیان کیا ہے(4)۔ قشیری نے حضرت ابن عباس بنیہ جہہ سے روایت نقل کی ہے کہ سورج کا چہرہ آسمان میں اور اس کی پشت زمین میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معاملہ اس کے برعکس ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے پوچھا گیا: کیا وجہ ہے کبھی سورج ہمیں بھون کر رکھ دیتا ہے اور کبھی ہم پر ٹھنڈا ہو جاتا ہے(5)؟ فرمایا: یہ چوتھے آسمان میں ہوتا اور موسم سرما میں ساتویں آسمان میں رحمن کے عرش کے پاس ہوتا ہے۔ اگر یہ آسمان دنیا میں ہوتا تو کوئی چیز قائم نہ رہتی (☆)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَاللّٰهُ اَنۡۢبَتَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا۝ۙ ثُمَّ يُعِيۡدُكُمۡ فِيۡهَا وَيُخۡرِجُكُمۡ اِخۡرَاجًا۝

''اور اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین سے عجب طرح اگایا ہے، پھر لوٹا دے گا تمہیں اس میں اور (اسی سے) تمہیں (دوبارہ) نکالے گا''۔

یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو تمام روئے زمین سے پیدا کیا(6)؛ یہ ابن جریج کا قول ہے۔ سورۂ الانعام اور البقرۃ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ خالد بن معدان نے کہا: انسان کو کیچڑ سے پیدا کیا؛ اسی وجہ سے موسم سرما میں دل نرم ہو جاتے ہیں۔ نَبَاتًا یہ مفعول مطلق ہے مگر فعل کا اپنا مصدر نہیں کیونکہ اس کا مصدر یوں آتا ہے: أَنۡبَتَ اِنۡبَاتًا تو اسم جو نبات ہے اسے مصدر کی جگہ رکھا۔ اس کی وضاحت سورۂ آل عمران اور دوسری آیات میں گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مصدر ہے جو معنی پر محمول ہے کیونکہ اَنۡۢبَتَكُمۡ کا معنی ہے تمہیں بنایا کہ تم نباتات اگاتے ہو؛ یہ خلیل اور زجاج نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہارے لیے زمین سے نبات کو اگایا۔ اس تعبیر کی بنا پر نَبَاتًا مصدر صریح کے طور پر منصوب ہے۔ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ ابن جریج نے کہا: تمہیں زمین میں چھوٹا ہونے کے بعد بڑا اور لمبا بنایا(7)۔ ثُمَّ يُعِيۡدُكُمۡ فِيۡهَا جب تمہیں موت آئے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 102 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً
5۔ ایضاً 7۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 102 8۔ ایضاً

☆ موسم گرما میں کائنات کے اسرار کے بارے میں جو بھی اقوال ذکر کیے جاتے ہیں اگر ان میں کوئی حدیث مرفوع ہو وہ صحیح سند سے ثابت ہو اور اس میں مجازی معنی کا احتمال نہ ہو تو اس کو تسلیم کرنا لازم ہے بصورت دیگر اقوال کے سامنے سر تسلیم خم کرنا کوئی لازم نہیں بلکہ غور و فکر کی دعوت عام ہے۔ مترجم

گی تو دفن کرنے کے ساتھ تمہیں زمین میں لوٹا دے گا۔ وَ يُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ قیامت کے روز حساب و کتاب کے لیے دوبارہ زمین سے نکالے گا۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾

''اور اللہ نے ہی زمین کو تمہارے لیے فرش کی طرح بچھا دیا تا کہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو''۔

بساط کا معنی مبسوط ہے پھیلائی ہوئی (1)۔ السبل کا معنی راستے ہیں۔ فجاج یہ فج کی جمع ہے۔ اس سے مراد کھلا راستہ ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فج سے مراد ایسا راستہ ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان ہو۔ سورۃ الانبیاء اور سورۃ الحج میں بحث گزر چکی ہے۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾

''نوح نے عرض کی: اے میرے پروردگار! انہوں نے میری نافرمانی کی اور اس کی پیروی کرتے رہے جس کو نہ بڑھایا اس کے مال اور اولاد نے بجز خسارہ کے''۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی شکایت کی کہ ان لوگوں نے ان کی نافرمانی کی اور آپ نے انہیں ایمان کے بارے میں جو حکم دیا اس کی اتباع نہ کی۔ اہل تفسیر نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک انہیں دعوت دیتے رہے جبکہ وہ کفر اور نافرمانی پر قائم رہے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام آباء کے بعد بیٹوں سے امید رکھتے رہے، اولاد کے بعد اولاد آتی رہی یہاں تک کہ سات نسلوں تک معاملہ جا پہنچا۔ مایوس ہونے کے بعد ان کے حق میں بددعا کی۔ طوفان کے بعد آپ ساٹھ سال زندہ رہے یہاں تک کہ لوگوں کی تعداد کثیر ہو گئی اور لوگ عام ہو گئے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم مہینہ میں دو دفعہ فصل کاشت کرتی تھی (3)؛ ماوردی نے اس کو ذکر کیا۔

وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ انہوں نے اپنے ان معززین اور اغنیاء کی پیروی کی جن کے کفر، اموال اور اولاد نے اضافہ نہیں کیا مگر دنیا میں گمراہی اور ہلاکت کا۔ اہل مدینہ، اہل شام اور عاصم نے وولدہ واؤ اور لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے واؤ کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ ولد میں ایک لغت ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ وُلد کی جمع ہو جس طرح فُلک یہ واحد اور جمع ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہو۔

وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾

''اور انہوں نے بڑے بڑے مکر و فریب کیے''۔

کُبَّارًا یعنی بہت بڑا۔ یوں کہا جاتا ہے: کبیر، کبار، کبّار جس طرح عجیب، عجاب اور عجّاب سب کا ایک معنی ہے۔ اس کی مثل طویل، طوال اور طوّال ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: رجل حسن، رجل حسان، رجل جمیل، رجل جمّال، قرّاء قاری کے لیے بولا جاتا ہے اور وضّاء روشن چہرے والے کے لیے بولا جاتا ہے۔ ابن سکیت نے یہ شعر پڑھا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 103　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً

بَيْضَاء تَصْطَادُ القلوب وتَسْتَبِي بالحسن قَلْبَ المُسْلِم القُرَّاء

وہ سفید رنگ والی ہے، دلوں کا شکار کرتی ہے اور حسن کے ساتھ مسلمان قاری کے دل کو قیدی بناتی ہے۔ محل استدلال القراء ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

والمَرْءُ يُلْحِقُهُ بِفِتْيَانِ النَّدىَ خُلُقُ الكريم وليس بالوضَّاءِ(1)

انسان کے اچھے اخلاق سخی لوگوں کے ساتھ لاحق کر دیتے ہیں جبکہ وہ روشن چہرے والا نہ ہو۔

مبرد نے کہا: کبّار جب تشدید کے ساتھ ہو تو یہ مبالغہ کے لیے آتا ہے۔ ابن محیصن، حمید اور مجاہد نے کبارا جب تشدید کے ساتھ پڑھا ہے ان کے مکر میں اختلاف ہے کہ وہ کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کمینے لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام کے قتل پر برانگیختہ کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ صاحب مال اور صاحب اولاد کی جو عزت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ کمزور لوگوں نے کہا: اگر یہ لوگ حق پر نہ ہوتے تو انہیں یہ نعمتیں نہ دی جاتیں۔ کلبی نے کہا: انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے جو بیوی اور بچے بنائے تھے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے مکر سے مراد ان کا کفر ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد ان کے بڑوں کو چھوٹوں کا یہ کہنا تھا: لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝ (نوح: 23)

وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۙ وَّ لَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَ نَسْرًا ۝ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ۝

''اور رئیسوں نے کہا: (اے لوگو! نوح کے کہنے پر) ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور (خاص طور پر) ود اور سواع کو مت چھوڑنا اور نہ یغوث، یعوق اور نسر کو اور انہوں نے گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو، (الٰہی) تو بھی ان کی گمراہی میں اضافہ کر دے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے علاوہ دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے: یہ بت اور تصاویر تھیں۔ پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ان کی عبادت کرتی تھی پھر عربوں نے ان کی پوجا کی؛ یہ جمہور کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عربوں کے بت تھے۔ کسی اور نے ان کی عبادت نہیں کی۔ یہ ان کے بڑے اور عظیم بت تھے، اسی وجہ سے لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ کے بعد ان کا ذکر کیا۔ کلام کا معنی وہی بنتا ہے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے پیروکاروں سے کہا: لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ عربوں نے اپنی قوم، اولاد سے کہا: تم ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو نہ چھوڑنا۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے متعلق ہے۔ عروہ بن زبیر اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام بیمار ہوئے جبکہ آپ کے یہ بیٹے آپ کے پاس موجود تھے (3)۔ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر۔ ود ان سے بڑا اور سب سے نیک تھا۔

محمد بن کعب نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے۔ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر، یہ سب بڑے عبادت

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 376 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 104 3۔ ایضاً

گزار تھے۔ ان میں سے ایک فوت ہو گیا تو وہ اس پر غمگین ہوئے۔ شیطان نے کہا: میں اس جیسی تمہارے لیے تصویر بنا دیتا ہوں۔ جب تم اسے دیکھو گے تو تم اسے یاد کرو گے۔ انہوں نے کہا: اس طرح بنا دو۔ شیطان نے پیتل اور سکے سے مسجد میں اس کی تصویر بنا دی، پھر دوسرا فوت ہوا تو شیطان نے اس کی تصویر بھی بنا دی یہاں تک کہ وہ سب فوت ہو گئے تو اس نے ان سب کی تصویریں بنا دیں۔ اشیاء میں کمی آتی رہی جس طرح آج اشیاء میں کمی آتی ہے یہاں تک کہ کچھ عرصہ بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو ترک کر دیا۔ شیطان نے ان سے کہا: کیا وجہ ہے تم کسی شی کی عبادت نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا: ہم کس کی عبادت کریں؟ اس نے کہا: اپنے معبودوں کی اور اپنے آباء کے معبودوں کی، کیا تم نماز پڑھنے کی جگہ میں نہیں دیکھتے؟ تو ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے کہا: تم اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور تم ود اور سواع کو نہ چھوڑنا۔

محمد بن کعب اور محمد بن قیس نے کہا: وہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان صالح لوگ تھے۔ ان کے کچھ لوگ پیروکار تھے جو ان کی اقتدا کیا کرتے تھے جب وہ فوت ہو گئے ابلیس نے ان کے لیے اس امر کو مزین کیا کہ وہ ان کی صورتیں بنائیں تاکہ ان تصویروں کی مدد سے ان کی کاوشوں کو یاد کرتے رہیں اور انہیں دیکھ کر تسلی حاصل کرتے رہیں تو شیطان نے ان کی تصویریں بنا دیں۔ جب وہ لوگ مر گئے اور دوسرے لوگ آئے انہوں نے کہا: کاش! ہم جانتے کہ ہمارے آباء ان تصویروں کے ساتھ کیا کچھ کرتے تھے؟ شیطان ان کے پاس آیا اور کہا: ان کے آباء ان کی عبادت کیا کرتے تھے تو یہ ان پر رحم کرتے اور ان پر بارش برساتے۔ ان لوگوں نے ان تصویروں کی عبادت کی تو بتوں کی عبادت اس وقت سے شروع ہوئی۔

میں کہتا ہوں: مسلم شریف میں جو حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ اس معنی کی تفسیر بیان کرتی ہے، حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے ایک کنیسہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا جسے ماریہ کہتے تھے جس میں تصاویر تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب ان میں کوئی صالح آدمی ہوتا تو اس کی قبر پر وہ مسجد بنا دیتے اور اس میں وہ تصویریں بنا دیتے تھے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ تمام مخلوق سے برے لوگ ہوں گے“(1)۔

ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ بت حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے صالح افراد کے نام ہیں جب یہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم کی طرف الہام کیا جب مجلسوں میں وہ بیٹھا کرتے تھے کہ ان مجلسوں میں کوئی نشان کھڑا کر دو اور انہیں ان کے نام دے دو۔ ان کے ذریعے تم انہیں یاد رکھو گے تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ان کی عبادت نہ کی گئی یہاں تک کہ یہ لوگ ہلاک ہو گئے اور علم ناپید ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کی عبادت کی جانے لگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ہند کے ایک پہاڑ پر حضرت آدم علیہ السلام کے جسد اطہر کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، النھی عن بناء المسجد علی القبور، جلد 1، صفحہ 201

حفاظت کرتے تھے اور کافروں کو ان کی قبر کا طواف کرنے سے منع کرتے تھے۔ شیطان نے انہیں کہا: یہ لوگ تم پر فخر کرتے ہیں اور گمان رکھتے ہیں کہ صرف یہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں تم ان کی اولاد نہیں ہو۔ یہ تو صرف جسم ہے۔ میں اسی جیسی تمہارے لیے تصویر بنا دیتا ہوں جس کا تم طواف کر لینا۔ اس نے ان کے لیے ان پانچ بتوں کی تصویر بنا دی اور ان کی عبادت پر انہیں برانگیختہ کیا، جب طوفان کے دن آئے تو کیچڑ، مٹی اور پانی نے انہیں دفن کر دیا۔ یہ دفن ہی رہے یہاں تک کہ شیطان نے انہیں مشرکین عرب کے لیے باہر نکالا۔ ماوردی نے کہا: جہاں تک ود کا تعلق ہے تو وہ پہلا بت ہے جس کی عبادت کی گئی اسے ود کا نام دیا گیا کیوں لوگ اس سے محبت کرتے تھے(1)۔ قوم نوح کے بعد یہ دومۃ الجندل میں بنوکلب کا بت تھا، یہ حضرت ابن عباس، عطا اور مقاتل کا قول ہے؛ اسی کے بارے میں ان کا شاعر کہتا ہے:

حَيَّاكَ وَدٌّ فإنا لا يحل لنا　　لَهْوُ النساء وإن الدين قد عَزَمَا(2)

ود تجھے زندہ رکھے ہمارے لیے عورتوں کے ساتھ لہو و لعب حلال نہیں، بے شک دین پختہ ہو چکا ہے۔

جہاں تک سواع کا تعلق تھا تو یہ ساحل سمندر پر بنوہذیل کا بت تھا(3)۔ یہ ان کا قول ہے۔ جہاں تک یغوث کا تعلق ہے یہ مراد میں سے غطیف کا بت تھا جو سبا کے علاقہ میں جوف کے مقام پر تھا؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ مہدوی نے کہا: یہ پہلے مراد قبیلہ کا بت تھا پھر بنوغطفان کا ہو گیا۔ ثعلبی نے کہا: بنوعلی، بنوانعم جو طے سے تعلق رکھتے تھے اور اہل جرش نے مذحج سے یغوث کو لیا اور اسے مراد قبیلہ کی طرف لے گئے اور طویل زمانہ تک اس کی عبادت کرتے رہے۔ پھر بنوناجیہ نے اعلیٰ اور انعم سے یہ بت چھیننے کا ارادہ کیا اور اسے حصین کی طرف لے گئے جو خزاعہ سے بنی حارث بن کلاب سے تعلق رکھتا تھے۔ ابوعثمان نہدی نے کہا: میں نے یغوث کو دیکھا جو سکے سے بنا ہوا تھا۔ وہ اسے ایسے اونٹ پر لادتے جس میں حرد کی بیماری ہوتی۔ وہ اس کے ساتھ چلتے وہ اسے جھڑکتے نہیں تھے یہاں تک کہ وہ خود ہی بیٹھ جاتا۔ جب وہ بیٹھ جاتا تو وہ ڈیرہ ڈال لیتے اور کہتے اس نے تمہارے لیے منزل کو پسند کر لیا ہے۔ وہ اس پر عمارت بنا لیتے اور خود اس کے اردگرد پڑاؤ ڈال لیتے۔

جہاں تک یعوق کا تعلق ہے تو یہ بلخع کے مقام پر ہمدان کا بت تھا؛ یہ عکرمہ، قتادہ اور عطا کا قول ہے۔ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے(4)۔ ثعلبی نے کہا: جہاں تک یعوق کا تعلق ہے یہ سبا کے کیلان قبیلہ کا تھا۔ پھر ان کی اولاد اس کی وارث بنتی رہی۔ بڑا پھر بڑا یہاں تک کہ یہ ہمدان تک سلسلہ پہنچا۔

جہاں تک نسر کا تعلق ہے یہ حمیر قبیلہ کی ذی الکلاع شاخ کا بت تھا(5)؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ اسی کی مثل مقاتل سے مروی ہے۔ واقدی نے کہا: ود انسان کی صورت میں تھا، سواع ایک عورت کی صورت میں تھا، یغوث شیر کی صورت پر تھا، یعوق گھوڑے کی صورت پر تھا، نسر یہ گدھ کی صورت پر تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ نافع نے لا تذرن ودا پڑھا ہے یعنی واؤ کو ضمہ دیا ہے باقی نے اسے فتحہ دیا ہے۔ لیث نے کہا: ود (واؤ کے فتحہ کے ساتھ) ایک بت تھا جو قوم نوح کا تھا۔ ود یہ قریش کا ایک بت تھا، اسی کے نام پر عمرو بن ود نام رکھا گیا۔ صحاح میں ہے الود اہل نجد کی لغت میں الوتد تھا گویا انہوں نے تاء کو ساکن کیا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 104　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً　　4۔ ایضاً　　5۔ ایضاً

اور اسے دال میں مدغم کر دیا۔ امراء القیس کے شعر میں الود کا لفظ ہے جس سے مراد الوتد ہے:

تُظْهِرُ الوَدَّ إذا ما أَشْجَذَتْ　وتُوارِيه إذا ما تَعْتَكِرْ

وہ ود کو ظاہر کرتا ہے جب وہ بادل چھٹ جائے اور جب سخت ہو جائے تو اسے چھپا لیتا ہے۔

ابن درید نے کہا: یہ ایک پہاڑ کا نام ہے۔ وڈ ایک بت تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کی ایک قوم کا تھا۔ پھر یہ بنی کلب کے لیے ہو گیا۔ یہ دومة الجندل کے مقام پر نصب تھا۔ اسی مناسبت سے انہوں نے عبد ود نام رکھا۔ اور فرمایا: لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ پھر فرمایا: لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا اس کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ (الاحزاب: 7)

وَ قَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ یہ حضرت نوح علیہ السلام کا قول ہے یعنی ان میں سے بڑوں نے بہت سے پیر کاروں کو گمراہ کیا۔ اس کا عطف وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا، یعنی ان کے سبب سے بہت سے لوگ گمراہ ہو گئے؛ اسی کی مثل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کا تذکرہ ہے: رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ (ابراہیم: 36) اے میرے رب! انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ ذوی العقول کا وصف ان پر جاری کیا گیا ہے کیونکہ کفار ان کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے تھے۔

وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ۞ ضلال سے مراد عذاب ہے(1)؛ یہ ابن بحر کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے دلیل قائم کی گئی ہے: اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ۞ (القمر) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں ضلال سے مراد خسارہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد مال اور اولاد کا فتنہ ہے۔ اس کا احتمال موجود ہے۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ۬ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ۞

"اپنی خطاؤں کے باعث انہیں غرق کر دیا گیا، پھر انہیں آگ میں ڈال دیا گیا، پھر انہوں نے نہ پایا اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار"۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا، ما زائدہ ہے، برائے تاکید ہے اس کا معنی ہے ان کی خطاؤں کے باعث۔ فراء نے کہا: ان کی خطاؤں کی وجہ سے۔ ما نے یہ معنی دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما مجازات پر دال ہے۔ ابو عمرو کی قرأت خطایاھم جمع مکسر کے طور پر ہے۔ اس کا واحد خطیہ ہے۔ جمع میں اصل طریقہ تو یہ تھا کہ وہ خطائی ہوتا جو فعائل کے وزن پر ہے جب دو ہمزے جمع ہو گئے تو دوسرے ہمزہ کو یاء سے بدل دیا کیونکہ اس سے قبل کسرہ ہے پھر اس میں ثقل پیدا ہو گیا اور جمع ثقیل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ معتل بھی ہے تو یاء کو ان سے بدل دیا، پھر پہلے ہمزہ کو یاء سے بدل دیا کیونکہ دو ہمزوں کے درمیان اس میں خفاء ہوتا ہے۔ باقی قراء نے اسے خطیئاتھم جمع سالم کے طریقہ پر پڑھا ہے۔ ابو عمرو نے کہا: یہ ایسی قوم تھی جنہوں نے ہزار سال تک کفر کیا تو ان کی خطاؤں کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی۔ اس سے یہ ارادہ کیا کہ خطایا، خطیات سے زیادہ ہوتی ہیں۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 105

ایک قوم نے کہا: خطایا اور خطیات ایک ہی ہیں۔ دونوں جمع کے صیغے ہیں، کثرت اور قلت میں استعمال ہوتے ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اسی فرمان سے استدلال کیا ہے: مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ (لقمان: 27) شاعر نے کہا:

لنا الجَفَنَاتُ الغُرُّ يلمَعْنَ بالضُّحَى　　وأسيافُنَا يَقْطُرْنَ مِنْ نَجْدةٍ دَمًا

ہمارے لیے سفید بڑے پیالے ہیں جو چاشت کے وقت چمکتے ہیں اور ہماری تلواریں معزز لوگوں کے خون کے قطرے ٹپکاتی ہیں۔

اسے خطیئاتھم بھی پڑھا گیا ہے اور اسے خطیاتھم بھی پڑھا گیا ہے ہمزہ کو یاء سے بدل دیا گیا اور ایک یاء کو دوسری یاء میں ادغام کر دیا گیا۔ جحدری، عمرو بن عبید، اعمش، ابو حیرہ اور اشہب عقیلی نے خطیئتھم واحد کا صیغہ پڑھا ہے۔ مراد شرک ہے۔

فَاُدْخِلُوْا نَارًا انہیں غرق کرنے کے بعد آگ میں داخل کر دیا گیا۔ قشیری نے کہا: یہ آیت عذاب قبر پر دلالت کرتی ہے۔ عذاب قبر کے منکرین یہ کہتے ہیں: وہ آگ میں داخل ہونے کے مستحق بن چکے ہیں یا جہنم میں ان کی جو جگہ ہے اسے ان پر پیش کیا گیا جس طرح فرمایا: اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا (غافر: 46) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر ایک روایت میں ہے: البَحْرُ نارٌ في نارٍ۔ سمندر بھی جہنم میں ایک آگ ہے۔ ابو روق نے ضحاک سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا کی تفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے یعنی انہیں آگ کے ساتھ عذاب دیا گیا جبکہ انہیں دنیا میں غرق کیا گیا تھا۔ یہ ایک ہی حالت میں ہیں۔ وہ ایک جانب میں غرق ہوتے تھے اور پانی میں ایک جانب سے جلتے تھے (1)؛ ثعلبی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ابو القاسم حبیبی، ابو سعید احمد بن محمد بن رمیح سے وہ ابو بکر بن انباری سے یہ اشعار نقل کرتے ہیں:

الخلق مجتمع طَوْرًا ومفْتَرِق　　والحادِثَات فُنُونٌ ذاتُ أطوارِ

لاتعجبنَّ لأضدادٍ إنِ اجتمعتْ　　فاللهُ يجمع بين الماءِ والنارِ

مخلوق کسی مرحلہ میں جمع ہوتی ہے اور کسی مرحلہ میں جدا ہو جاتی ہے۔ حادثات مختلف انداز کے ہیں اور کئی مراحل میں واقع ہوتے ہیں۔ اگر اضداد جمع ہو جائیں تو تو تعجب نہ کر، اللہ تعالیٰ پانی اور آگ کو جمع فرما دیتا ہے۔

فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا۝ وہ کوئی ایسی ذات نہیں پائیں گے جو ان سے عذاب کو دور کر دے۔

وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ لَا يَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا۝

”اور نوح نے عرض کی: اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا۔ اگر تو نے ان میں کسی کو چھوڑ دیا تو وہ گمراہ کر دیں گے تیرے بندوں کو اور نہ جنیں گے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار سخت ناشکر گزار ہوگی“۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 459

اس میں چار مسائل ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام نے کب بددعا کی

مسئلہ نمبر 1۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے بارے میں اس وقت بددعا کی جب آپ مایوس ہو گئے کہ وہ لوگ آپ کی اتباع کریں گے۔ قتادہ نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے بعد بددعا کی جب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ (ھود: 36) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا اور ان کی امت کو غرق کر دیا۔ یہ بھی اسی طرح ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللّٰھمّ منزل الکتاب سریع الحساب وھازم الاحزاب اھزمھم وزلزلھم (1) اے اللہ! اے کتاب کو نازل فرمانے والے، اے جلد حساب لینے والے اور لشکروں کو شکست دینے والے! انہیں شکست دے دے اور ان میں زلزلہ برپا کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ کی بددعا کا سبب یہ بنا کہ آپ کی قوم کا ایک آدمی اپنے چھوٹے بچے کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تھا (2)۔ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس سے گزرا اور اپنے بچے سے کہا: اس سے بچ کر رہنا یہ تجھے گمراہ کر دے گا۔ اس بچے نے کہا: اے میرے ابا! مجھے نیچے اتارنا! اس کے باپ نے اسے نیچے اتارا۔ اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو پتھر مارا اور آپ کو زخمی کر دیا۔ اس وقت حضرت نوح علیہ السلام غضب ناک ہوئے اور لوگوں کے خلاف بددعا کی۔

محمد بن کعب، مقاتل، ربیع، عطیہ اور ابن زید نے کہا: اس وقت بددعا کی جب اللہ تعالیٰ نے ہر مومن کو ان کی پشتوں اور ان کی عورتوں کے رحموں سے نکال لیا تھا اور عذاب سے ستر سال پہلے ان کی عورتوں کی رحموں اور مردوں کی پشتوں کو بانجھ کر دیا تھا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا تھا: چالیس سال پہلے بانجھ کر دیا تھا۔ قتادہ نے کہا: عذاب کے وقت ان میں کوئی بچہ نہیں تھا۔ حضرت حسن بصری اور ابو العالیہ نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ان کے بچوں کو بھی ہلاک کر دیتا تو یہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عذاب ہوتا اور ان میں عدل ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے بچوں اور ان کی اولادوں کو عذاب کے بغیر ہلاک کر دیا، پھر عذاب کے ساتھ ان کو ہلاک کر دیا (4)۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَ قَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ (الفرقان: 37)

کن لوگوں کے خلاف دعا جائز ہے

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عربی نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام نے کافروں کے خلاف بددعا کی (5) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف بددعا کی جنہوں نے مومنوں کے خلاف اکٹھ کیا تھا۔ فی الجملہ یہ بھی کافروں کے خلاف ہی دعا تھی جہاں تک معین کافر کا تعلق ہے تو اس کا خاتمہ معلوم نہیں ہوتا، اس لیے اس کے خلاف بددعا نہیں کی جاتی کیونکہ اس کا انجام ہمارے نزدیک مجہول

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، الدعاء علی المشرکین بالھزیمۃ، جلد 1، صفحہ 410
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 105
3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 460
4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 201
5۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1861

ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا خاتمہ سعادت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ، شیبہ اور ان دونوں کے ساتھیوں کے بارے میں بددعا کی کیونکہ ان کے انجام کا آپ کو علم تھا اور ان کے حال کے بارے میں پردے کو ہٹا دیا گیا تھا۔

میں کہتا ہوں: یہ مسئلہ سورۂ بقرہ میں تفصیلی گزر چکا ہے۔ الحمدللہ۔

حضرت نوح علیہ السلام کا بددعا کی وجہ بیان کرنا

مسئلہ نمبر 3۔ ابن عربی نے کہا: اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے خلاف دعا کو آخرت میں مخلوق کی شفاعت سے توقف کا سبب کیوں بنایا ہے (1)؟ ہم عرض کریں گے: لوگوں نے اس بارے میں دو وجہیں ذکر کی ہیں۔ (۱) وہ دعا غضب اور سختی کی وجہ سے پیدا ہوئی جبکہ شفاعت تو رضا اور نرمی کی وجہ سے ہوتی ہے تو آپ کو خوف ہوا کہ کہیں اس پر عتاب نہ ہو اور یہ نہ کہا جائے تو نے کل (دنیا میں) کفار کے خلاف بددعا کی اور آج ان کے حق میں شفاعت کرتے ہو۔ (۲) انہوں نے نص اور واضح اجازت کے بغیر ناراضگی کے عالم میں بددعا کی تھی تو قیامت کے روز اس پر وبال کا خوف محسوس ہوا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: إني قتلتُ نفسًا لم أومر بقتلها میں نے ایک ایسے نفس کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا۔ کہا: میں بھی یہی قول کرتا ہوں۔

میں کہتا ہوں: اگرچہ بددعا کرنے کا صریح حکم نہیں تھا تاہم آپ کو یہ کہا گیا تھا: اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ (ہود:36) اس نے آپ کو ان کے انجام سے آگاہ کر دیا تو آپ نے ان کے خلاف ہلاکت کی بددعا کی جس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شیبہ، عتبہ اور ان جیسے لوگوں کے خلاف بددعا کی اور یہ الفاظ کہے: اللّٰهمّ علیك بهم جب ان کے انجام کا علم ہو گیا۔ اس تعبیر کی بنا پر اس میں بددعا کرنے کے امر کا معنی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ دَیَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ لَا یَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ یعنی جو گھروں میں رہتا ہے (2)؛ یہ سدی کا قول ہے۔ اصل میں یہ دیوار تھا۔ یہ فیعال کا وزن ہے۔ یہ دار، یدور سے مشتق ہے، واؤ کو یاء سے بدل دیا اور ان میں سے ایک یاء کو دوسری یاء میں ادغام کر دیا جس طرح قیام، اصل میں یہ قیوام تھا۔ اگر یہ فعال کا وزن ہوتا تو یہ دوار ہوتا۔ قتبی نے کہا: اصل میں یہ دار ہے یعنی گھر میں فروکش ہونے والا یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما بالدار دیار یعنی کوئی بھی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الدیار سے مراد گھر والا ہے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

”میرے رب! بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور اسے بھی جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا اور بخش دے سب مومن مردوں اور عورتوں کو، اور کفار کی کسی چیز میں اضافہ نہ کر بجز ہلاکت و بربادی کے“۔

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے لیے اور اپنے والدین کے لیے دعا کی۔ وہ دونوں مومن

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1861
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 105

تھے۔ لمک بن متوشلخ وشمخی بنت انوش؛ قشیری اور ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے آپ کی والدہ کا نام منجل بتایا ہے(1)۔ سعید بن جبیر نے کہا: والدیہ سے انہوں نے باپ اور دادا مراد لیا ہے۔ سعید بن جبیر نے لوالدی دال کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ واحد کا صیغہ ہے۔ کلبی نے کہا: ان کے اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان دس آباء ہیں۔ سب کے سب مومن تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت نوح اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان کسی فرد (والد) نے کفر نہیں کیا۔ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا بیت سے مراد مسجد، مصلّٰی ہے، اس حال میں کہ وہ نماز پڑھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتا ہو۔ انبیاء کے گھروں میں وہی داخل ہوتا جو ان میں سے مومن ہوتا تو مسجد کو مغفرت کی دعا کا سبب بنا دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الملائکۃ تُصَلِّی علی أحدکم ما دام فی مجلسه الذی صلّی فیه ما لم یحدث فیه تقول اللّٰهمّ اغفر لہٗ اللّٰهمّ ارحمه (2) فرشتے تم میں سے ہر ایک کے لیے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں جب تک وہ اس مجلس میں رہے جس میں اس نے نماز پڑھی ہو جب تک اسے حدث لاحق نہ ہو۔ اے اللہ! اسے بخش دے۔ اے اللہ! اس پر رحم فرما۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ بَيْتِيَ سے مراد میری مسجد ہے(3)؛ ثعلبی نے یہی حکایت بیان کی ہے؛ اور ضحاک نے یہی کہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: جو میرے دین میں داخل ہوا۔ یہاں بیت، دین کے معنی میں ہے۔ قشیری نے اس کی حکایت بیان کی ہے اور جویبر نے بھی یہی کہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: میرا وہ دوست جو میرے گھر میں داخل ہو(4)؛ ماوردی نے اس کی حکایت بیان کی ہے(5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بَيْتِيَ سے مراد میرا گھر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد میری کشتی ہے۔

وَّ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ قیامت تک مومنوں اور مومنات کو عام ہے(6)؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے مومنین اور مومنات مراد ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ کی قوم کے مومنین اور مومنات مراد ہیں جبکہ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ ظالمین سے مراد کافر ہیں(7)۔ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ مگر ہلاکت۔ یہ ہر کافر اور مشرک کو عام ہے(8)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی قوم کے مشرک مراد ہیں۔ تبار کا معنی ہلاکت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خسران مراد ہے(9)؛ دونوں معانی سدی نے بیان کیے ہیں؛ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ (اعراف: 139) ایک قول یہ کیا گیا ہے: تبار کا معنی دمار یعنی ہلاک کر دینا ہے۔ معنی ایک ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کے بارے میں بہتر جانتا ہے۔ وہی صحیح امر کو جاننے کی توفیق دینے والا ہے۔

الحمد للہ أوّلًا و آخرًا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 105 | 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1816
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 106 | 4۔ ایضاً | 5۔ ایضاً | 6۔ ایضاً
7۔ ایضاً | 8۔ ایضاً | 9۔ ایضاً